سے متعلق بعض مسائل

IFA PUBLICATIONS

ایفا پبلیکیشنز

عقد استصناع سے متعلق بعض مسائل

[اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے تئیسویں فقہی سمینار منعقدہ مورخہ ۲۸ ربیع الثانی تا یکم جمادی الاولی ۱۴۳۵ھ مطابق ۱ تا ۳ مارچ ۲۰۱۴ء کو جامعہ علوم القرآن جمبوسر گجرات میں پیش کئے گئے علمی، فقہی اور تحقیقی مقالات ومناقشات کا مجموعہ]

ایفا پبلی کیشنز - نئی دھلی

نام کتاب	:	عقد استصناع سے متعلق بعض مسائل
صفحات	:	۶۲۰
قیمت	:	530.00
سن طباعت	:	فروری ۲۰۱۵ء

ناشر

ایفا پبلیکیشنز

۱۶۱۔ ایف، بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸

جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

ای میل: ifapublication@gmail.com

فون: 011 - 26981327

مجلس ادارت

۱۔ مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی

۲۔ مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

۳۔ مولانا بدر الحسن قاسمی

۴۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۵۔ مولانا عتیق احمد بستوی

۶۔ مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

فہرست

تیسرا باب: مختصر تحریریں — ۴۴۷_۵۹۸

پیش لفظ

معاشی نظام کو کب اہمیت حاصل نہیں رہی؛ لیکن موجودہ دور میں اس کی اہمیت فزوں تر ہوگئی ہے، یہاں تک کہ اب قوموں کے درمیان جنگ زمینی استعماریت سے بڑھ کر اقتصادی بالادستی کے لئے ہورہی ہے، اور متعدد ایسے مالیاتی ادارے وجود میں آگئے ہیں، جنہوں نے پوری دنیا کا احاطہ کر رکھا ہے، مسلمانوں کے لئے ان اداروں سے بے تعلق رہنا ممکن نہیں ہے؛ البتہ یہ ممکن ہے کہ وہ ان اداروں کی غیر اسلامی ساخت کو ممکن حد تک بدل کر اسلام کے سانچہ میں ڈھالیں، ان اداروں میں ایک بینکنگ نظام بھی ہے، جو اگرچہ مختلف نوع کی خدمت انجام دیتا ہے؛ لیکن اس کا بنیادی مقصد لوگوں کے فاضل سرمایہ کو قابل استعمال بنانا اور اس کو سرمایہ کار نیز سماج کے لئے نفع بخش بنانا ہے۔

اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے موجودہ دور کے فقہاء نے سود سے پاک بینکنگ نظام کا تصور پیش کیا ہے، جس میں پیسوں سے پیسہ حاصل نہیں کیا جاتا؛ بلکہ اثاثہ کے واسطہ سے سرمایہ کو نفع آور بنایا جاتا ہے اور اس کی بنیاد کسی عقد شرعی پر رکھی جاتی ہے؛ چنانچہ جن عقود کے ذریعہ سرمایہ کاری کی جاتی ہے، ان میں ایک ''استصناع'' بھی ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ سرمایہ کاری کا ایک محفوظ ذریعہ ہے، جو ترقیاتی کاموں کو انجام دینے میں نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے اور نہ صرف عاقدین کے لئے نفع بخش ہوتا ہے؛ بلکہ سستی اور وافر اشیاء کی فراہمی اور روزگار کے مواقع کی فراہمی کے لحاظ سے سماج کو بھی اس کا فائدہ پہنچتا ہے۔

سرمایہ کاری کے طور پر عقد استصناع سے فائدہ اٹھانے میں بعض مسائل اہل علم کے درمیان مختلف فیہ ہیں، اس پس منظر میں اکیڈمی کے ۲۳ ویں فقہی سمینار منعقدہ ۱۴۳۵ھ / ۲۰۱۴ء میں یہ موضوع بھی شامل رکھا گیا اور غالباً پہلی بار ہندوستان میں اس موضوع پر اتنی تفصیل کے ساتھ گفتگو کی گئی؛ چنانچہ سمینار کے مقالات، شرکاء کے مناقشات اور اکیڈمی کے فیصلے وغیرہ کا یہ مجموعہ اہل علم کی خدمت میں پیش ہے، محب عزیز مولانا محمد سراج الدین قاسمی رفیق شعبۂ علمی نے خوش سلیقگی کے ساتھ اس کو مرتب کیا ہے، فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔ امید ہے کہ اکیڈمی کی دوسرے کاوشوں کی طرح اسے بھی اہل علم کی بارگاہ میں پذیرائی حاصل ہوگی۔

خالد سیف اللہ رحمانی
(جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

۲۔ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
۲۳ / جنوری ۲۰۱۵ء

☆ ☆ ☆

پہلا باب

تمہیدی امور

سوالنامہ:

عقد استصناع سے متعلق مسائل

مالی معاملات میں ایک اہم صورت استصناع کی ہے، عقد استصناع سے متعلق اگرچہ نصوص میں بھی اشارات ملتے ہیں؛ لیکن فقہاء کے بیان کے مطابق اس کی اصل بنیاد عرف وعادت اور تعامل ہے، یوں تو استصناع بھی عقد معاوضہ ہی کی ایک شکل ہے؛ لیکن اس عقد کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ سلم کی طرح یہ بھی بیع معدوم کی ممانعت سے مستثنیٰ ہے اور مزید ایک اہم بات یہ ہے کہ اس میں عوضین کو اُدھار رکھا جاسکتا ہے؛ اس لئے معاملات میں اس عقد کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، موجودہ دور میں اسلامی مالیاتی ادارے اس کو تمویل واستثمار کی ایک شکل کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں۔

گذشتہ زمانوں میں فقہاء نے استصناع کی جو مثالیں دی ہیں، وہ چھوٹی اور معمولی چیزوں سے متعلق ہیں، جنھیں آرڈر پر تیار کرایا جاتا تھا، موجودہ عہد میں آرڈر پر تیار کی جانے والی اشیاء اور خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا ہے، اس پس منظر میں چند سوالات آپ کی خدمت میں پیش ہیں:

(۱) موجودہ دور میں کس طرح کی اشیاء میں عقد استصناع جاری ہوسکتا ہے اور اس سلسلہ میں اُصول کیا ہوگا؟

(۲) استصناع خود بیع ہے یا وعدہ بیع؟

(۳) ظاہر ہے کہ استصناع میں خریدار جس چیز کو خریدتا ہے، وہ عقد کے وقت معدوم ہوتی ہے تو جیسے وہ ایک معدوم شئے کو خرید کر رہا ہے، کیا مبیع (مصنوع) کو وجود میں آنے سے پہلے وہ اسے کسی اور سے اور پھر یہ دوسرا خریدار کسی تیسرے شخص سے فروخت کرسکتا ہے؟ اور سلسلہ وار بیع کی تمام صورتیں بیع معدوم سے مستثنیٰ ہوں گی؟ ۔آج کل خاص کر فلیٹس کی خرید وفروخت میں کثرت سے ایسی بات پیش آتی ہے۔

(۴) استصناع کا تعلق صرف ان اشیاء سے ہے جو اموالِ منقولہ کے قبیل سے ہیں یا اموالِ غیر منقولہ جیسے بلڈنگ وغیرہ سے بھی ہے؟

(۵) اسلامی مالیاتی ادارے استصناع کو بطور استثمار استعمال کرنے کے لئے ایک ایسا طریقہ اختیار کرتے ہیں، جسے وہ استصناع موازی یا متوازی کہتے ہیں، یہ معاملہ بنیادی طور پر تین فریقوں کے درمیان ہوتا ہے، جس میں مالیاتی ادارے کی حیثیت درمیانی فریق کی ہوتی ہے، ادارہ ایک شخص سے آرڈر حاصل کرتا ہے اور دوسرے شخص کو خود آرڈر دیتا ہے اور دونوں کی قیمت میں ایسا فرق رکھتا ہے کہ پہلے شخص سے جو زیادہ رقم حاصل ہو، وہ اس کا نفع ہو جائے، اس صورت میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

(۶) عقد استصناع میں بعض دفعہ صانع کو ایک مناسب رقم بطور بیعانہ کے دینی پڑتی ہے، اگر صانع (بائع) آرڈر کے مطابق مال تیار کردے، لیکن خریدار اس کو لینے سے مکر جائے تو بائع اس رقم کو ضبط کرسکتا ہے یا اس سے اپنے نقصان کی تلافی کرسکتا ہے؟ ۔واضح ہو کہ عام طور پر ایسی صورتوں میں مطلوبہ ڈیزائن کے مطابق کثیر مقدار میں کسی چیز کی تیاری کا آرڈر دیا جاتا ہے، اگر خریدار بعد میں مکر جائے تو بائع

کے لئے اس کو فروخت کرنا بہت دشوار ہوتا ہے؛ کیوں کہ ضروری نہیں کہ اس ڈیزائن یا معیار کی چیز مارکٹ میں دوسرے لوگوں کو بھی مطلوب ہو۔

(۷) اگر کسی چیز کا آرڈر دیا جائے اور مصنوع کے لئے موجودہ میٹریل خود خریدار فراہم کردے تو یہ عقد ''استصناع'' کے حکم میں ہوگا یا اجارہ کے؟ عقد استصناع میں اگر آرڈر کے مطابق چیز نہ پائی جائے تو خریدار کو رد کرنے کا اختیار رہتا ہے، کیا اس صورت میں بھی آرڈر دینے والے کو اس کا حق حاصل ہوگا؟ اور اگر آرڈر دینے والے کو اس کا قبول کرنا ضروری ہو تو مکمل طور پر آرڈر کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے جو نقصان ہوا ہے، کیا وہ صانع سے اس کا جرمانہ وصول کرسکتا ہے؟

(۸) عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی تاریخ مقرر ہوجائے، مگر بائع اسے وقت پر فراہم نہ کرپائے تو کیا خریدار اس کا تاوان وصول کرسکتا ہے؟ واضح ہو کہ بعض اوقات خریدار اسی مقررہ تاریخ کے لحاظ سے اپنے گاہک سے معاملہ طے کرتا ہے، اگر بائع مقررہ وقت پر مبیع تیار کرکے حوالہ نہ کرے اور اسے بروقت مارکٹ سے وہی شئے حاصل کرکے اپنے گاہک کو دینی پڑے، تو اس کو مارکٹ سے گراں قیمت پر یہ شئے خرید کرنی پڑتی ہے اور دوہرا نقصان اُٹھانا پڑتا ہے، ایک تو اس نے وہ سامان زیادہ قیمت پر خرید کیا، دوسرے جب خود اس کا آرڈر موصول ہوگا تو اب اس شئے کو فروخت کرنا دشوار ہوجائے گا اور نیا خریدار تلاش کرنا ہوگا۔

تجاویز

عقد استصناع (آرڈر پر سامان تیار کرانے کا معاملہ) سے متعلق مسائل

۱۔ عقد استصناع اسلامی بیع ہے اور یہ ہر اس چھوٹی بڑی منقول اور غیر منقول چیز میں جائز ہے جس میں مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں:

(الف) وہ چیز قابل صنعت ہو۔

(ب) وہ چیز اس لائق ہو کہ مقدار، وصف، وزن اور سائز وغیرہ کے ذریعہ اس کو متعین کیا جا سکتا ہو۔

(ج) اس چیز کی تیاری میں میٹریل صانع (آرڈر لینے والے) کی طرف سے ہو۔

(د) اس میں استصناع (آرڈر پر خرید و فروخت) کا تعامل اور رواج ہو۔

(ہ) عقد کے وقت اس چیز کی جنس، نوعیت، وزن، سائز، ڈیزائن اور دیگر مطلوبہ صفات کی وضاحت اس طرح کر دی جائے کہ کوئی ابہام باقی نہ رہے۔

۲۔ عقد استصناع کے بعد فریقین معاملہ کے پابند ہوں گے اور کسی فریق کو دوسرے فریق کی رضا کے بغیر معاملہ کو فسخ کرنے کا حق و اختیار حاصل نہ ہوگا۔

۳۔ صانع (آرڈر قبول کرنے والے) کو اختیار ہوگا کہ وہ سامان خود تیار کرے یا دوسرے سے تیار کرائے، البتہ مستصنع یعنی آرڈر دینے والا اس شیء کے حاصل ہونے سے پہلے کسی دوسرے کے ہاتھ نہیں فروخت کر سکتا۔

۴۔ عقد استصناع میں آرڈر قبول کرنے والے کے لیے بیعانہ کی رقم سے اپنے حقیقی نقصان کی تلافی کرنا درست ہے۔

۵۔ عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی مقررہ تاریخ کی پابندی نہ کرنے کی صورت میں آرڈر دینے والے کو ہونے والے حقیقی نقصان کی تلافی کے لیے فریقین عقد کے وقت اگر کسی شرط پر اتفاق کر چکے ہوں تو اس کے پابند ہوں گے۔

☆ ☆ ☆

تلخیص مقالات:

عقد استصناع

مفتی محمد سراج الدین قاسمی ☆

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے تئیسویں فقہی سمینار کے موضوعات میں سے ایک موضوع ''عقد استصناع'' ہے، اس موضوع سے متعلق اکیڈمی کو تادم تحریر ۸۲ مقالات موصول ہوئے، جن کی تلخیص اور فاضل مقالہ نگاروں کی آراء وتحریر کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

فاضل مقالہ نگاروں کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی شبیر احمد قاسمی، مولانا روح الامین سعادتی، مفتی ابوحماد غلام رسول منظور قاسمی، مفتی محمد اشرف قاسمی گونڈوی، مفتی محمد یحییٰ قاسمی، مفتی آصف یاسین پالنپوری، ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محمد احسن عبد الحق ندوی، حافظ مولانا کلیم اللہ عمری، مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی، مفتی لطیف الرحمن ولایت علی، مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا شبیر احمد دیولوی، مولانا محمد ظفر عالم ندوی، مفتی عبد القیوم پالنپوری قاسمی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مفتی عبد اللہ کاوی والا، مفتی جنید بن محمد پالنپوری، مفتی سلمان پالنپوری قاسمی، ڈاکٹر علی محی الدین قرہ داغی، مولانا محمد حذیفہ بن محمود ٹیلر داحودی، مولانا رحمت اللہ ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا محمد نثار عالم ندوی، مولانا عبد التواب اناوی، مفتی محمد روح اللہ قاسمی، مولانا محمد یوسف علی، مولانا عبد الباسط پالنپوری، مفتی عبد الرزاق قاسمی، مفتی باقر ارشد قاسمی، مفتی عابد الرحمن مظاہری، مفتی نثار احمد گودھروی، مولانا زین العابدین کوثری، مولوی محمد زبیر ندوی، مولانا محمد فاروق بارڈولی، مولانا محمد الیاس قاسمی، مولانا عبد القادر عبد اللہ، مولانا عبد اللہ سعدی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی محمد سلطان قاسمی کشمیری، مولوی محمد عاشق الٰہی، مولانا عبد الخالق صاحب، مولانا محمد فرقان فلاحی، مفتی شاہد علی قاسمی، مفتی محمد عارف باللہ قاسمی، مفتی عمر امین الٰہی، مفتی محمد اکرام پالنپوری، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مفتی محمد رضوان الحسن مظاہری، مولانا محمد مقیم الدین ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ارشد علی رحمانی، مولانا محمد یوسف قاسمی، مفتی اکمل یزدانی قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا محمد منصف بدایونی، مولانا ریاست علی قاسمی، مولوی حسین احمد قاسمی، مولانا محمد یاسر قاسمی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مفتی محمد عثمان قاسمی، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مفتی اسماعیل گودھروی، ڈاکٹر قطب ریسونی، مولانا محمد عظمت اللہ، مولوی محمد حسن گودھراوی، مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مفتی محمد انور قاسمی، مولانا محمد جہانگیر قاسمی، ڈاکٹر محی الدین غازی، مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی، شاہ اکرام الحق ربانی ندوی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا آفتاب عالم غازی، مفتی محفوظ الرحمن قاسمی، مفتی یوسف داؤد ایلولوی، مولوی حکمت علی آسامی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا محمد سلمان منصور پوری، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا عبد الشکور قاسمی، مفتی نذیر احمد کشمیری، مولوی محمد سالم اعظمی سریانوی، مفتی محمد مصطفی عبد القدوس ندوی،

☆ رفیق شعبہ علمی اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)۔

مفتی دبیر عالم قاسمی، مولوی محمد نعمان سیتاپوری۔

استصناع کا لغوی مفہوم:

الاستصناع لغة: مصدر "استصنع" بمعنى طلب الصنعة فيقال: استصنع الشيئ، أي دعا إلى صنعه، وأصله: صنع يصنع صنعاً فهو مصنوع، وصنيع، والصناعة: حرفة الصانع، والصناعة ما تستصنع من أمر (لسان العرب ص ۲۵۰۹، کشاف اصطلاحات الفنون ۲ر ۲۳) (دیکھئے مقالہ ڈکتور علی محی الدین القرہ داغی)۔

صنع اور اس سے مشتق الفاظ قرآن کریم میں ۲۰ جگہ ذکر کئے گئے ہیں (مقالہ ڈکتور علی محی الدین القرہ داغی)۔

استصناع کی تعریف:

کسی تیار کنندہ کو یہ آرڈر دینا کہ وہ اپنے پاس سے میٹریل لگا کر خریدار کے لئے متعین چیز تیار کردے اور تیار کنندہ کا اس ذمہ داری کو قبول کر لینے کا نام استصناع ہے (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵ر ۱۵۴) (دیکھئے: مقالہ مولانا محمد عثمان)۔

مولانا اختر امام عادل لکھتے ہیں: کوئی فرد یا ادارہ کسی صنعتی فرد یا ادارہ کو مقررہ نمونہ کے مطابق قیمت کی تعیین کے ساتھ سامان کی فراہمی کا آرڈر دے جس میں خام مواد اور میٹیریل صنعت کار کے ذمہ ہو اور صنعت کار اسے قبول کرلے (بدائع ۱۱ر ۲)۔

الاستصناع عقد مقاولة مع أهل الصنعة على أن يعملوا شيئاً أن يكون العمل والعين من الصانع (شرح المجلۃ ۱ر ۹۹، مادۃ: ۱۲۴) (دیکھئے: مقالہ مولانا محمد عثمان، مفتی عبد الرزاق)۔

علامہ شامی استصناع کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: طلب العمل من الصانع في شيئ مخصوص على وجه مخصوص (رد المحتار ۷ر ۴۷۴) (دیکھئے: مقالہ مولانا محمد ظفر عالم ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی محمد شاہجہاں ندوی، مولانا محمد فاروق، مفتی عبد الرزاق)۔

حنابلہ کے نزدیک استصناع کی تعریف:

الاستصناع بيع سلعة ليست عنده على غير وجه السلم (موسوعہ ۶ر ۳۲۵) (استصناع غیر موجود سامان کو طریقۂ سلم کے علاوہ پر بیچنے کا نام ہے) (دیکھئے: مقالہ مولانا محمد فاروق)۔

استصناع کا طریقہ کار:

علامہ کاسانی لکھتے ہیں: أما صورة الاستصناع فهي أن يقول إنسان لصانع من خفاف أو غيره: اعمل لي خفا من آديم من عندك بثمن كذا (بدائع ۴ر ۹۳) (دیکھئے: مقالہ مولانا محمد عثمان)۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں صدر الاسلام کے حوالے سے مذکور ہے: ذكر صدر الإسلام صورته في الجامع الصغير: أن يجيئ إنسان إلى آخر فيقول له: احرز لي خفا صفته كذا، وقدره كذا، بكذا درهما ويسلم له جميع الدراهم أو لا يسلم أو يسلم

بعضه (تاتارخانیہ ۹ / ۱۴۰۰) (دیکھئے: مقالہ مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

ڈاکٹر محی الدین قرہ داغی نے ان الفاظ میں تعریف کی ہے :

الاستصناع هو ما إذا طلب المستصنع من الصانع صنع شيئ موصوف في الذمة خلال فترة قصيرة أو طويلة, سواء كان المستصنع عين المصنوع منه بذاته أم لا, وسواء كان المصنوع منه موجوداً أثناء العقد أم لا فمحل عقد الاستصناع هو العين والعمل معا من الصانع فالعقد بهذه الصورة ليس بيعاً ولا سلماً, ولا إجارة ولا غيرها, وإنما هو عقد مستقل خاص, له شروط الخاصة به (بحث الاستصناع القرہ داغی) (دیکھئے: مقالہ مفتی عبدالرزاق)۔

مفتی عبدالرزاق لکھتے ہیں: عقد استصناع کے ذکر کردہ تعریفات سے درج ذیل نقاط واضح ہوتے ہیں :

۱ — یہ ایسا عقد ہے جس کی اساس صانع، مستصنع، شیئ مصنوع اور ثمن ہے۔

۲ — یہ بائع اور مشتری کے درمیان ایک معاہدہ ہے، جس کی رو سے ایک شخص دوسرے کے کام کو متعینہ مدت میں مقرر معاوضہ پر انجام دینے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔

۳ — عقد کے وقت مبیع بائع کی ملکیت میں موجود نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ ایک شئی معدوم ہوتی ہے جس کے تیار کرنے کی ذمہ داری بائع قبول کرتا ہے، فقہاء کے قول "مبیع في الذمة" کا یہی مطلب ہے۔

۴ — وہ خام مٹیریل جس سے شیئ مطلوب تیار کی جائے گی وہ بائع کا ہوگا، اگر وہ مشتری کا ہو تو یہ عقد اجارہ ہوگا نہ کہ عقد استصناع۔

۵ — استصناع درحقیقت اس عین کی بیع ہے جو بائع کے ذمہ میں ہے، البتہ اس کو بنانا بائع کی ذمہ داری ہے، اس سے بیع سلم سے ممتاز ہو جاتی ہے، اس لئے کہ سلم میں مبیع موصوف فی الذمہ ہوتی ہے، بائع پر بنانے کی ذمہ داری نہیں ہوتی ہے۔

۶ — استصناع میں مجلس عقد میں ثمن پر قبضہ کرنا شرط نہیں ہوتا، جیسا کہ بیع سلم میں ہوتا ہے، بلکہ اس میں ثمن نقد بھی ہوسکتا ہے، ادھار بھی اور قسط وار بھی۔

۷ — جس چیز کو بنوایا جارہا ہے، اس کے اوصاف کو اس طرح بیان کردینا ضروری ہے کہ کوئی جہالت وغرر باقی نہ رہے جو کہ بعد میں نزاع کا سبب بن سکتا ہو۔

۸ — استصناع انہیں اشیاء میں ہوسکتا ہے جن میں صنعت کو دخل ہو اور جن میں صنعت کو دخل نہ ہو جیسا کہ غلہ اور پھل وغیرہ تو ان میں استصناع درست نہیں ہوگا۔

استصناع کا ثبوت :

اللہ تعالی کا ارشاد ہے : "قالوا يا ذا القرنين إن ياجوج وماجوج مفسدون في الأرض فهل نجعل لک خرجا على أن تجعل بيننا وبينهم سداً, قال ما مكني فيه ربي خير فأعينوني بقوة أجعل بينكم وبينهم ردما" (سورۂ کہف: ۹۴–۹۵) (مفتی عبدالرزاق، مولانا اختر امام عادل)۔

ان آیات میں حضرت ذوالقرنین کی قوم نے ان سے ایک ایسی دیوار بنانے کے لئے کہا جو یاجوج وماجوج سے حفاظت کا ذریعہ

بن سکے اور اس عمل پر انہوں نے ذوالقرنین کو اجرت دینے کا وعدہ بھی کیا اور بظاہر قوم کا مقصد یہ تھا کہ میٹریل اور عمل ذوالقرنین کا ہو اور یہی استصناع ہے۔ (دیکھئے: مقالہ مفتی عبدالرزاق)۔

احادیث

۱— حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے: إن النبی ﷺ اصطنع خاتما من ذهب وكان يلبسه فيجعل فصه في باطن كفه فاصطنع الناس خواتيم ثم انه جلس على المنبر فنزعه۔۔۔ فنبذ الناس خواتيمهم (بخاری مع فتح الباری ۱۰؍۳۵۳) (دیکھئے: مقالہ مفتی محمد عبدالرزاق، مولانا اختر امام عادل)۔

۲— أتى رجال إلى سهل بن سعد يسألونه عن المنبر؟ فقال: أرسل رسول الله ﷺ إلى فلانة امرأة من الأنصار قد سماها سهل مري غلامك النجار أن يعمل لي أعوادا أجلس عليهن إذا كلمت الناس فأمرته فعمل من طرف الغابة (بخاری ۱؍۱۲)، ایک دوسری روایت میں اضافہ ہے: ثم جئ بها، فأرسلت إلى رسول الله ﷺ بها فأمر بها فوضعت فجلس عليها۔

یہ دونوں حدیثیں استصناع کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔

عملی اجماع:

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے لے کر آج تک استصناع پر عمل کرنا متعارف بھی ہے اور ضرورت بھی، حتی کہ ائمہ ثلاثہ جو عقد استصناع کے جواز کے قائل نہیں ہیں وہ بھی اس کو اختیار کرنے پر مجبور ہیں۔

شیخ زرقا لکھتے ہیں:

ويلحظ في هذا المقام أن المشاهد في عصرنا أن فقهاء المذاهب الثلاثة التي لا تجيز الاستصناع إلا بطريق السلم يمارسونه عمليا في حاجاتهم الخاصة و حاجات أبنائهم و لا يجدون منه بدا (مقالہ شیخ مصطفی الزرقاء ص ۲۲) (دیکھئے: مقالہ مفتی عبدالرزاق)۔

استحسان:

جمہور احناف نے عقد استصناع کو استحسانا بربنا ضرورت جائز قرار دیا ہے، ورنہ قیاس تو عدم جواز ہی کا ہے (دیکھئے: مقالہ مفتی عبد الرزاق)۔

سوال ۱: —موجودہ دور میں کس طرح کی اشیاء میں عقد استصناع جاری ہوسکتا ہے اور اس سلسلہ میں اصول کیا ہوگا؟

تقریبا تمام مقالہ نگار کی رائے یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک چونکہ استصناع کا جواز استحسانا تعامل کی بنیاد پر ہے، اس لئے ان تمام چیزوں میں استصناع درست ہے جن کا لوگوں کے درمیان تعامل ہو جائے، اور فقہاء متقدمین نے علی سبیل المثال ان چیزوں کا ذکر کیا ہے جن کا ان کے زمانہ میں تعامل تھا، جیسے لوہا، پیتل، پھر تیرہویں صدی ہجری میں مجلۃ الاحکام العدلیہ کی ترتیب عمل میں آئی تو اس میں ان چیزوں کو ذکر کیا گیا جن کے بنوانے کا اس زمانے میں رواج ہوا، جیسے بندوقیں، جہاز وغیرہ، البتہ جس چیز کا تعامل نہ ہو اس میں استصناع درست نہ ہوگا۔

مفتی عبدالرزاق لکھتے ہیں:

۱—عقد استصناع ہر اس شیئ میں جاری ہوسکتا ہے، جس میں صنعت جاری ہوتی ہے اور اس شیئ کو اوصاف کے بیان سے متعین کیا جاسکتا ہو، خواہ وہ استعمال کے اموال ہوں یا استہلاک کے، نیز ان چیزوں میں استصناع کا عرف بھی ہو، چنانچہ ان اشیاء میں استصناع جاری نہ ہوگا جن میں انسان کی صنعت کو دخل نہ ہو، جیسے غلہ، پھل، سبزیاں اور زرعی پیداوار وغیرہ، البتہ اگر زرعی پیداواروں میں انسان کی صنعت کو دخل ہوجائے تو استصناع درست ہوگا، جیسے پھلوں کو خرید لیا جائے اور پھر ان سے جوس وغیرہ آرڈر پر تیار کرایا جائے۔

مولانا اختر امام عادل لکھتے ہیں:

فقہاء نے اپنے دور کی چند چیزوں کا ذکر کیا ہے، مگر یہ وضاحت نہیں کی ہے کہ اس کا تعلق منقولات سے ہوگا یا غیر منقول چیزوں میں بھی اس کا جواز ہوسکتا ہے، لیکن ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم عام ہے اور ہر وہ چیز جس سے تاجروں کا عرف اور لوگوں کی ضرورتیں وابستہ ہوجائیں اور فریقین کے لئے اس کی تحدید وتوصیف ممکن ہو اس میں استصناع کی گنجائش ہوگی۔

درر الحکام میں ہے: **كل شيئ تعومل استصناعه يصح فيه الاستصناع على الإطلاق، أي أن الاستصناع صحيح في كل ماتعومل به عادة وعرفا** (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۱/ ۴۲۸، مادہ: ۳۸۸)۔

مولانا جہانگیر حیدر لکھتے ہیں:

وہ اشیاء جنہیں آرڈر پر تیار کرانے کا فی زمانہ رواج ہو اور جو تجار اور کاروباری اداروں کے بیچ متعارف ہوں، چند شرطوں کے ساتھ ان میں عقد استصناع درست ہوگا۔

بعض مقالہ نگاروں نے استصناع کی صحت کے لئے جو شرائط ہیں، ان کو بھی ذکر کیا ہے، ذیل میں ان شرائط کو ذکر کیا جاتا ہے:

استصناع کے شرائط:

پہلی شرط: جس چیز کا آرڈر دیا جارہا ہو اس کی جنس، نوعیت، مقدار اور صفات کی تصریح ہوتا کہ کم وکیف میں نزاع کا اندیشہ نہ ہو۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

وأما شرائط جوازه فمنها بيان جنس المستصنع ونوعه وقدره وصفته، لأنه مبيع فلابد أن يكون معلوما والعلم إنما يحصل بهذه الأشياء (بدائع الصنائع ۴/ ۴۴۴، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۶۳۳) (دیکھئے: مقالہ مولانا محمد جہانگیر حیدر، مولانا اختر امام عادل)۔

دوسری شرط: جس چیز کو آرڈر پر تیار کرانے کا معاہدہ ہورہا ہو، وہ اس قبیل سے ہو کہ تجار اور کاروباری ادارے اس میں استصناع کی صورت اختیار کرتے ہوں اور اسے آرڈر پر تیار کرانے کا عام رواج ہو۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

منها أن يكون ما للناس فيه تعامل كالقلنسوة والخف، والآنية ونحوها فلا يجوز فيما لا تعامل لهم فيه (بدائع الصنائع ۴/ ۴۴۴) (دیکھئے: مقالہ مولانا جہانگیر حیدر)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں :

أن يكون مما يجري فيه تعامل بين الناس من الأواني وأحذية وأمتعة الدواب ونحوها، ولا يجوز الاستصناع في الثياب لعدم تعامل الناس به (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴ / ۶۳۳) (مقالہ مولانا جہانگیر حیدر)۔

مولانا اختر امام عادل لکھتے ہیں: اگر کسی چیز میں پہلے استصناع کا رواج تھا پھر موقوف ہو گیا تو اس میں استصناع جائز نہ ہوگا۔

تیسری شرط : امام ابوحنیفہ کے نزدیک استصناع کے درست ہونے کے لئے تیسری شرط یہ ہے کہ مصنوع کی حوالگی کی مدت متعین نہ کی جائے، ورنہ اس کی حیثیت استصناع کی باقی نہیں رہے گی، بلکہ یہ عقد سلم کے درجہ میں ہوگا اور سلم کے شرائط کا لحاظ کیا جائے گا۔ لیکن صاحبین کے نزدیک عدم تاجیل کی شرط درست نہیں، کیونکہ عرف عام میں دونوں صورتوں میں استصناع کا رواج ہے، لہذا حوالگی کی مدت متعین کی جائے یا نہ کی جائے بہر دو صورت عقد استصناع درست ہوگا۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے صاحبین کے قول کو راجح قرار دیا ہے، موصوف لکھتے ہیں :

وقال الصاحبان : ليس هذا بشرط، والعقد استصناع على كل حال، حدد فيه الأجل أو لم يحدد، لأن العادة جارية بتحديد الأجل في الاستصناع، ونرى قولهما هو المتمشي مع ظروف الحياة العملية فهو أولى بالأخذ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴ / ۶۳۳)

(دیکھئے: مقالہ مولانا محمد جہانگیر حیدر، مفتی یحییٰ قاسمی وغیرہم)۔

مفتی عبدالرزاق نے چوتھی شرط کا اضافہ کیا ہے کہ عقد مکتوب (لکھا ہوا) ہو۔ موصوف لکھتے ہیں: متقدمین فقہاء نے اس چوتھی شرط کو بیان نہیں کیا ہے، لیکن ہم اس کا اضافہ اس لئے کر رہے ہیں کہ عقد استصناع میں دین کی بھی جہت ہے اور شریعت نے دیون کو لکھنے کی تاکید کی ہے۔

مفتی یحییٰ صاحب نے مجمع الفقہ الاسلامی جدہ کا فیصلہ بھی نقل کیا ہے :

۱ — عقد استصناع کے معاہدہ میں اگر مطلوبہ شرائط، ارکان، چیز کا معیار، اس کی تیاری کی مدت معین ہو تو طرفین بینک اور صارف کے لئے اس معاہدے کی پاسداری لازم ہو جاتی ہے۔ فریقین میں سے کوئی بھی اس سے انحراف نہیں کر سکتا۔

۲ — صارف کے لئے ضروری ہے کہ وہ مطلوبہ چیز کی جنس کا معاہدہ کے وقت تعین کرے اور اس کی سپردگی کا وقت بھی متعین کرے۔

۳ — عقد استصناع میں قیمت پیشگی بھی دی جا سکتی ہے اور قسطوں کی صورت میں بھی۔

۴ — استصناع کے معاہدہ میں فریقین کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ معاہدے کی شق میں اس شرط کا تذکرہ کر دیں کہ تاخیر کی بظاہر کوئی وجہ نہ ہونے کے باوجود اگر بینک نے مقررہ وقت پر چیز تیار کر کے نہ دی تو اس کی کیا سزا ہوگی (قرار رقم: ۲۷/۳/۷۔ ۱۰ أن عقد الاستصناع: المنعقد ۷ إلى ۱۲ ذوالقعدہ ۱۴۱۲ھ الموافق ۹ — ۱۴/ مایو ۱۹۹۲ء)۔

سوال: ۲ — استصناع خود بیع ہے یا وعدہ بیع؟

اس سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نگاروں نے صراحت کی ہے کہ مشائخ حنفیہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور ۶/ اقوال تک ذکر کئے گئے ہیں، جن میں مشہور تین قول ہیں: اول: وعدہ بیع ہے، یہ چند مشائخ کا قول ہے، دوم: ابتداء میں اجارہ ہے اور انتہاء میں بیع ہے، سوم:

اکثر مشائخ کے نزدیک بیع ہے۔

اکثر مقالہ نگاران نے بیع ہونے کو راجح قرار دیا ہے۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں :

وأما معناه فقد اختلف المشائخ فيه، قال بعضهم :هو مواعدة وليس ببيع، وقال بعضهم :هو بيع لكن للمشتري فيه خيار، وهو الصحيح بدليل أن محمدا ذكر في جوازه القياس والاستحسان، وذلك لا يكون في العدات، وكذا أثبت فيه خيار الرؤية وأنه يختص بالبياعات... ثم اختلفت عباراتهم من هذا النوع من البيع، قال بعضهم :هو عقد على مبيع في الذمة، وقال بعضهم :هو عقد على مبيع في الذمة شرط فيه العمل ورجح الكاساني التعريف الآخير فقال :والصحيح هو القول الأخير، لأن الاستصناع طلب الصنع فما لم يشترط فيه العمل لا يكون استصناعاً، فكان مأخذ الاسم دليلا عليه، ولأن العقد على مبيع في الذمة يسمى سلماً، وهذا العقد يسمى استصناعا (بدائع الصنائع ۲/ ۲۷۷) (دیکھئے: مقالہ ڈاکٹر علی محی الدین القرہ داغی، مولانا احمد فاروق، مولانا محمد عثمان، مفتی ابوبکر قاسمی وغیرہم)۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”فقال الحاكم الشهيد المروزي، والصفار، ومحمد بن مسلمة وصاحب المنثور :الاستصناع مواعدة وإنما ينعقد بيعاً بالتعاطي عند الفراغ من العمل، ولهذا كان للصانع ألا يعمل ولا يجبر عليه بخلاف السلم وللمستصنع ألا يقبل ما يؤتى به ويرجع عنه ولا يلزم العاملة“ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۳۰۲۶) (دیکھئے: مقالہ مفتی حبیب اللہ، مولانا جہانگیر، مولانا محمد عثمان، مولانا [illegible] اللہ وغیرہم)۔

بعض مقالہ نگاروں نے بیع ہونے کے دلائل بھی ذکر کئے ہیں اور بعض نے ان مشائخ کی دلیل بھی نقل کی ہے جو وعدہ [illegible] ہیں۔

ذیل میں مشائخ حنفیہ کے اقوال ذکر کئے جاتے ہیں :

۱— استصناع وعدہ ہے، عقد نہیں ہے، یہ قول متعدد فقہاء احناف کی طرف منسوب ہے، مثلاً، حاکم شہید، صفار، محمد بن [illegible] اور صاحب المنثور۔ امام ابوحنیفہ سے ایک روایت بھی یہی ہے جس کو امام حسن بن زیاد نے نقل کیا ہے (المبسوط ۱۲/ ۱۹۳)۔

۲— استصناع سلم ہے، جمہور فقہاء، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہی ہے، لہذا استصناع میں اسی کے شرائط واحکام ملحوظ ہوں گے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۶۰۲)۔

۳— استصناع بیع مطلق ہے یہ قول بعض فقہاء احناف کی طرف منسوب ہے (بدائع الصنائع ۵/ ۲)۔

۴— عقد اجارہ ہے اور معقود علیہ عمل ہے، اس لئے کہ استصناع نام ہے طلب عمل کا اور ہر وہ عقد جس سے عمل مقصود ہوا [illegible] ہوا کرتا ہے، اسی کے قائل شیخ ابوسعید البردعی ہیں (العنایہ ۷/ ۱۱۵)۔

۵— ابتداء اجارہ ہے انتہاء بیع ہے، یہ بھی بعض احناف کی رائے ہے (فتح القدیر ۷/ ۱۹)۔

۶۔۔۔ استصناع عقد مستقل ہے، جمہور احناف کی رائے یہی ہے۔ (دیکھئے: مقالہ مفتی عبدالرزاق، مولانا اختر امام عادل، مفتی عارف باللہ، مولانا مجتبیٰ حسن وغیرہم)۔

ان اقوال ستہ میں تین قول مشہور ہیں، ذیل میں ان کی تفصیلات ذکر کی جا رہی ہیں:

پہلا قول:

پہلا قول یہ ہے کہ استصناع وعدہ بیع ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے علاوہ حنفیہ میں حاکم شہید، صفار اور محمد بن مسلمہ اسی کے قائل ہیں، کیونکہ اگر صانع کی موت واقع ہو جائے تو عقد استصناع باطل ہو جاتا ہے، اگر عقد بیع ہوتا تو ایسا نہ ہوتا۔ اسی طرح صانع کو اختیار رہتا ہے کہ سامان بنانے سے انکار کر دے اور اس کو بنانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے، نیز آرڈر دینے والا اس کو قبول کرنے سے انکار کر سکتا ہے۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

ثم اختلف المشائخ أنه مواعدة أو معاقدة فالحاكم الشهيد والصفار ومحمد بن مسلمة وصاحب المنثور مواعدة، وإنما ينعقد عند الفراغ بيعاً بالتعاطي، ولهذا كان للصانع أن لا يعمل ولا يجبر عليه بخلاف السلم، وللمستصنع أن لا يقبل ما يأتي به ويرجع عنه (فتح القدیر ۲/ ۲۴۲)، وفي النهر: وأورد أنه بطلانه بموت الصانع ينافي كونه بيعا (شامی ۷/ ۲۲۴) (دیکھئے: مقالہ مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محبوب فروغ قاسمی، مولانا شاہ جہاں ندوی، مفتی شبیر احمد قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی وغیرہم)۔

مولانا نذیر احمد کشمیری نے استصناع کو وعدہ بیع قرار دینے والوں کے دلائل بھی ذکر کئے ہیں جن کا خلاصہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

اول: اس میں صانع کو اختیار رہتا ہے کہ وہ چاہے تو سامان نہ بنائے، اس لئے کہ مستصنع کے ساتھ اس کا عقد صرف وعدہ کے درجہ میں ہوتا ہے، کیونکہ جس شئی کو انسان اپنے اوپر لازم کرے اور پھر بھی اس کی تکمیل لازم نہ ہو تو یہ عقد نہیں بلکہ وعدہ ہے۔

دوم: استصناع میں آرڈر دینے والے کو یہ حق رہتا ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ کی رائے کے مطابق تیار شدہ مال کو مسترد کر دے تو یہ خیار اس کے وعدہ ہونے کا پتہ دیتی ہے نہ کہ بیع ہونے کا۔

سوم: جس شئی کے تیار کرنے کا آرڈر دیا گیا ہے، اس کے مکمل کرنے سے پہلے یا مکمل ہونے کے بعد دیکھنے سے پہلے وہ اس عقد کو یکطرفہ طور پر ختم کر سکتا ہے۔

چہارم: استصناع متعاقدین میں سے کسی ایک کے موت سے باطل ہو جاتا ہے جبکہ بیع تام میں ایسا نہیں ہوتا۔

مفتی اقبال صاحب لکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے استصناع کو وعدہ بیع قرار دیا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ استصناع میں شئی معدوم ہوتی ہے اور معدوم کی بیع ناجائز ہے، نیز استصناع کے مفہوم میں بنوانے کا معاہدہ معہود ہے، اس لئے استصناع کی حیثیت وعدہ کی ہوگی نہ کہ بیع کی، اور یہ وعدہ بیع میں اس وقت تبدیل ہوگا جبکہ عمل سے فراغت کے بعد صانع شئی مصنوع مستصنع کے حوالہ کر دے گا تو پھر بیع تعاطی کے طور پر بیع کا انعقاد ہو جائے گا۔

اور استصناع کو وعدہ بیع قرار دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ صانع کو حق ہوگا کہ وہ چیز نہ تیار کرے، اسی طرح مستصنع کو بھی مبیع کے قبول اور عدم قبول کا حق ہوگا (مقالہ مفتی اقبال احمد قاسمی)۔

مولانا شاہجہاں ندوی استصناع کو وعدہ بیع کہنے والوں کی ایک دلیل پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: استصناع کو وعدہ بیع کہنے والوں کی یہ دلیل کمزور ہے کہ یہ استصناع وعدہ بیع ہے، کیونکہ اس میں خیار حاصل ہوتا ہے، اس لئے کہ بیع مقایضہ میں اگر فریقین نے ایک دوسرے کے سامان کو نہ دیکھا ہو تو دونوں کو خیار حاصل ہوتا ہے، اس کے باوجود مقایضہ بیع ہے وعدۂ بیع نہیں۔

دوسرا قول :

دوسرا قول یہ ہے کہ استصناع ابتداء میں عقد اجارہ ہے اور انتہاء بیع، یعنی حوالگی سے قبل بیع ہو جاتا ہے۔

مولانا راشد حسین ندوی لکھتے ہیں: ہدایہ میں جواہر الاخلاطی کے حوالے سے اور رد المحتار میں ذخیرہ کے حوالہ سے مذکور ہے:

الاستصناع ينعقد إجارة ابتداء ويصير بيعا انتهاء قبل التسليم بساعة هو الصحيح كذا في جواهر الأخلاطي (ہندیہ ۳/ ۲۰۷)، وفي الذخيرة : هو إجارة ابتداء بيع انتهاء لكن قبل التسليم لا عند التسليم (شامی ۴/ ۲۲۷، فتح القدیر ۶/ ۲۴۴، ۲۴۵) (دیکھئے: مقال مولانا محبوب فروغ احمد، مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی اقبال احمد وغیرہم)۔

مولانا شاہجہاں ندوی الذخیرہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ استصناع ابتداء اجارہ ہے اور انتہاء بیع ہے، لیکن یہ صفت بیع حوالگی سے کچھ قبل کی ہے، حوالگی کے وقت یہ صفت بیع نہیں ہے، ورنہ کاریگر کے مرنے پر اس کے ترکہ سے فروخت شدہ سامان کو دینا لازم ہوتا اور استصناع کے اجارہ پر منعقد ہونے کے باوجود کاریگر کو کام پر مجبور نہ کئے جانے کی وجہ یہ ہے کہ کاریگر مٹیریل وغیرہ لگائے بغیر کام انجام نہیں دے سکتا ہے اور اجارہ اس طرح کے اعذار سے فسخ کیا جاسکتا ہے (المبسوط ۱۲/ ۱۳۹)۔

مولانا اقبال ٹنکاروی لکھتے ہیں: زیر بحث عقد اور معاملہ کو بیع استصناع ماننے کی صورت میں ابتداء یہ معاملہ اجارہ کا ہوتا ہے اور مکمل رقم کی ادائیگی کے وقت یہ بیع ہو جاتی ہے، یعنی جب آخری قسط ادا کی جارہی ہوتی ہے اس سے ایک ساعت قبل یہ معاملہ بیع کا ہو جاتا ہے۔

ولو كانت مواعدة لا معاقدة لكان لا يصير الآجر ملكا له فدل أنها تنعقد معاقدة لا مواعدة ثم كيف ينعقد معاقدة يقول ينعقد إجارة ابتداء ويصير بيعاً انتهاء متى سلم قبل التسليم ساعة (المحیط البرہانی ۸/ ۲۵۴)۔

تیسرا قول :

جمہور فقہاء اسے عقد بیع قرار دیتے ہیں، اور اکثر مقالہ نگاروں نے اسی کی تائید کی ہے، مقالہ نگاروں نے فقہاء احناف کی جن کتابوں کی عبارتیں نقل کی ہیں، اکثر ان میں مشترک ہیں، اس لئے طوالت کے خوف سے چند کتابوں کی عبارتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں :

ثم هو بيع عند عامة مشائخنا، وقال بعضهم : هو عدة، وليس بسديد (بدائع الصنائع ۴/ ۴۴۴) (دیکھئے: مقال مولانا محمد اسجد قاسمی، مفتی شبیر احمد قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی عبدالرحیم وغیرہم)۔

علامہ ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں :

”صح على أنه بيع على أنه مواعدة ثم ينعقد عند الفراغ بيعاً بالتعاطي، إذ لو كان كذلك لم يختص بما فيه تعامل،

قال فی النہر :وأورد أن بطلانه بموت الصانع ینافی کونه بیعاً، وأجیب بأنه إنما بطل بموته لشبهه بالإجارة" (ردالمحتار ۷/۴۷۵)

(دیکھئے: مقالہ مولانا محمد عثمان، مفتی ابوبکر قاسمی وغیرہما)۔

علامہ ابن ہمام اس مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

"والصحیح من المذهب جوازه بیعاً لأن محمدا ذکر فیه القیاس والاستحسان وهما لا یجریان فی المواعدة، ولأنه جوزه فیما فیه تعامل دون ما لیس فیه، ولو کان مواعدة جاز فی الکل" (فتح القدیر ۷/۱۱۵) (دیکھئے مقالہ: مولانا مقیم الدین، مولانا روح الامین، مولانا ابوحماد غلام رسول وغیرہم)۔

علامہ اکمل الدین بابرتی لکھتے ہیں :

واختلفوا فی جوازه هل هو بیع أو عدة، والصحیح أنه بیع لا عدة، وهو مذهب عامة مشائخنا (العنایہ شرح الہدایہ علی فتح القدیر ۷/۱۱۴)۔

صاحب تاتارخانیہ فرماتے ہیں :

ثم الاستصناع فیما بین الناس فیه تعامل إذا جاز فیه استحسانا، فإنما یجوز معاقدة لا مواعدة بدلیل أن محمدا ذکر فیه القیاس والاستحسان، ولو کان مواعدة لجاز قیاسا واستحسانا، والدلیل علیه أنه فصل بین ما للناس فیه تعامل وبین ما لا تعامل للناس فیه، ولو کان مواعدة لجاز فی الکل، والدلیل علیه أن محمداً قال فی الکتاب :إذا فرغ الصانع من العمل وأتی به کان المستصنع بالخیار، لأنه اشتری ما لم یره فقد سماه شراء (تاتارخانیہ ۹/۲۰۰) (مولانا محبوب فروغ، مولانا مقیم الدین وغیرہما)۔

علماء عرب کی آراء :

شیخ وہبہ الزحیلی اس مسئلہ پر پوری تحقیق کرنے کے بعد راجح قول درج ذیل عبارت کے ساتھ اس طرح نقل فرماتے ہیں :

"والصحیح الراجح فی المذهب الحنفی أن الاستصناع بیع للعین المصنوعة لا بعمل الصانع فهو لیس وعداً ببیع ولا إجارة علی العمل فلو أتی الصانع بما لم یصنعه هو أو صنعه قبل العقد بحسب الأوصاف المشروطة جاز ذلک، والدلیل أن محمد بن الحسن ذکر فی الاستصناع القیاس والاستحسان وهما لا یجریان فی المواعدة، ولأنه جوزه فیما فیه تعامل دون ما لیس فیه تعامل ولو کان مواعدة جاز فی الکل" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۳۶۴۴) (دیکھئے: مقالہ مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مولانا راشد حسین ندوی)۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی شیخ مصطفی احمد زرقا کے مقالہ سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں :

وقد أشرنا فیما سبق علی أن الأدلة التی یستند إلیها من یقول أنه وعد ولیس بعقد، هی أدلة ضعیفة ومردودة علیها بقوة فلا تنتهض حجة (عقد الاستصناع ومدی أہمیتہ فی الاستثمارات الاسلامیۃ المعاصرۃ ص:۱۸)۔

عصر حاضر کے علماء میں شیخ مصطفی زرقا، شیخ کاسب عبدالکریم البدران، شیخ محمد سلمان الاشقر اور شیخ علی القرہ داغی نے بیع ہونے کو راجح قرار دیا ہے (مفتی عبدالرزاق)۔

فقہ اکیڈمی جدہ کی تجاویز :

فقہ اکیڈمی جدہ نے اپنے ساتویں اجلاس منعقدہ جدہ میں اسی نقطۂ نظر کو اختیار کیا ہے، قرارداد کے الفاظ یہ ہیں :

إن عقد الاستصناع وهو عقد وارد على العمل والعين في الذمة ملزم للطرفين إذا توافرت فيه الأركان والشروط

(مجلۃ المجمع، العدد السابع ۲/ ۲۲۳) (مفتی عبدالرزاق، مفتی عارف باللہ)۔

مقالہ نگاران کی آراء :

مولانا اختر امام عادل لکھتے ہیں: چونکہ اصلاً یہ عقد بیع ہے، اس لئے اس میں ایجاب وقبول اور مبیع وثمن سے متعلق دیگر تفصیلات کا تعین ضروری ہے، اس میں شئی اور محنت دونوں لازمی طور پر بائع کی جانب سے ہونا چاہئے، اس میں مشتری کو خیار رؤیت حاصل ہوگی، لیکن امام ابو یوسف کی رائے جس کو المجلہ اور متاخرین احناف نے اختیار کیا ہے یہ ہے کہ عقد لازم ہوگا اور خیار رؤیت حاصل نہیں ہوگی، بشرطیکہ بائع نے مطلوبہ معیار پورا کیا ہو، البتہ اگر سامان مطلوبہ معیار پر نہ ہو تو خریدار کو خیار وصف اور خیار عیب حاصل ہوگا۔

مولانا اسجد قاسمی لکھتے ہیں: استصناع کو حقیقۃ بیع قرار دینے والے فقہاء کی رائے زیادہ راجح ہے اور اسی کو اختیار کرنا بہتر ہے تاکہ صنعتی ترقی کی رفتار تیزی سے بڑھے۔ (دیکھئے مقالہ مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محبوب فروغ، مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی لکھتے ہیں :

موجودہ دور میں دفع نزاع کے لئے صاحبین کا قول اختیار کرنا بہتر ہے۔

قاضی عبدالجلیل صاحب لکھتے ہیں: کاسانی وغیرہ نے اختلاف نقل کیا ہے، لیکن مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اس کو بیع قرار دیا جائے، لیکن مطلق نہیں بلکہ بیع کی ایک خاص قسم قرار دی جائے جس کے شرائط بھی طے ہوں۔

مفتی اقبال صاحب لکھتے ہیں: احناف کا راجح قول یہ ہے کہ استصناع حقیقتاً بیع ہے، کیونکہ شئی مصنوع پر عقد ہوتا ہے نہ کہ عمل محض پر اور وہ شئی اگرچہ فی الحال موجود نہیں ہے، لیکن حکماً موجود تسلیم کی جاتی ہے، اس لئے اگر صانع مطلوبہ چیز کہیں سے بلا بنائے لا کر دیدے تو بھی درست ہے۔

ذیل میں تیسرے نقطۂ نظر کے دلائل ذکر کئے جاتے ہیں :

۱ — علماء نے اس کو استحساناً جائز قرار دیا ہے اور قیاس کے اعتبار سے اسے ناجائز کہا ہے، اگر یہ محض وعدہ ہوتا تو اس کے جواز کے لئے استحسان کو دلیل بنانے کی ضرورت نہیں ہوتی، چنانچہ علامہ کاسانی فرماتے ہیں: **"قال بعضهم هو بيع: وهو الصحيح بدليل أن محمدا ذكر في جوازه القياس والاستحسان وذلك لا يكون في العدات"** (بدائع الصنائع ۲/ ۵، فصل فی جواز الاستصناع)۔

۲ — استصناع میں بعض علماء نے خریدار کے لئے "خیار رؤیت" ثابت کیا ہے اور خیار رؤیت وعدہ میں نہیں بلکہ بیع میں ہوا کرتا ہے: **"وكذا أثبت فيه خيار الرؤية وأنه يختص بالبياعات"** (حوالہ سابق)۔

۳ — استصناع میں بعض اوقات عاقدین کے درمیان قاضی کے فیصلہ کی ضرورت پڑتی ہے، اور قاضی کے فیصلہ کی ضرورت

وہیں پڑتی ہے جہاں "الزام" پایا جاتا ہے، اور وعدہ میں الزام نہیں ہوا کرتا ہے، اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ استصناع بیع ہے، جس میں الزام پایا جاتا ہے، نہ کہ محض وعدہ: "وكذا يجري فيه التقاضي وإنما يتقاضى فيه الواجب لا الموعود" (حوالہ سابق)۔

۴— استصناع ان ہی چیزوں میں درست ہے جن میں لوگوں کے درمیان تعامل ہو، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بیع ہے وعدہ نہیں، کیوں کہ وعدہ صحیح ہونے کے لئے وعدہ کی گئی چیز میں "تعامل" ہونا ضروری نہیں ہے: **"ولأن جوازه فيما فيه تعامل خاصة ولو كان مواعدة لجاز في الكل"** (البحر الرائق ۱۸۶/۶، باب السلم، السلم والاستصناع في نحو خف وطست)۔ اور ابن مازہ بخاری لکھتے ہیں: **"والدليل عليه: أنه فصل بين ما للناس فيه تعامل وبين ما لا تعامل للناس فيه، ولو كانت مواعدة لجاز في الكل"** (المحيط البرهاني في الفقه النعماني ۱۳۵/۷، الفصل الرابع والعشرون في الاستصناع)۔

۵— استصناع میں پیشگی ثمن دینا ضروری نہیں ہوتا، لیکن اگر مستصنع صانع کو ثمن دے دے تو صانع اس ثمن پر قبضہ کرکے اس کا مالک ہو جاتا ہے اور اس میں تصرف کرسکتا ہے، بلکہ بسا اوقات صانع اسی رقم سے اپنی صنعت میں مدد لیتا ہے، یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ استصناع بیع ہے نہ کہ وعدۂ بیع، کیوں کہ محض وعدہ کی بنیاد پر صانع اس ثمن پر قبضہ کرکے اس کا مالک نہیں ہوسکتا تھا، معلوم ہوا کہ سبب ملک یہاں پر بیع ہے: **"ولأن الصانع يملك الدراهم بقبضها، ولو كانت مواعدة لم يملكها"** (حوالہ سابق)۔

۶— استصناع میں صانع سے اس کی صنعت کے ساتھ میٹیریل طلب کیا جاتا ہے اور صانع رضامندی کے ساتھ اس کے عوض کے طور پر ثمن متعین کرتا ہے، گویا یہ **"مبادلة المال بالمال بالتراضي"** ہے کہ ایک طرف سے مال میٹیریل کی شکل میں اور دوسری طرف سے ثمن کی شکل میں ہوتا ہے، اور اسی کو فقہ میں بیع کہتے ہیں، ہاں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ بیع مطلق نہیں ہے، بلکہ بیع کی خاص قسم ہے، جس میں بائع (صانع) کے عمل کی شرط ہوتی ہے، اسی لئے اس کا خاص نام بھی "استصناع" رکھا گیا ہے۔

۷— استصناع کو امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی بیع سلم اور سلف کی ایک خاص قسم شمار کیا ہے جس میں "طلب الصنع" پایا جاتا ہو، پھر انہوں نے اس میں ضبط اوصاف کی شرط لگائی ہے اور اگر ضبط اوصاف نہ ہوسکے تو اسے ناجائز کہا ہے، جیسے: لوہا اور تانبا مکس کرکے برتن بنوانا جس میں صحیح اندازہ نہ ہوسکے کہ کون سا مادہ کتنا ہے؟ یہ ناجائز ہوگا: **"ولو شرط أن يعمل له طستا من نحاس وحديد أو نحاس ورصاص لم يجز"** (الام ۱۳۴/۳، باب السلف تحل بها خذ المسلف بعض رأس ماله) اور اگر کپڑے میں صنعت طلب کرتے ہوئے اسے رنگوانے کا معاملہ کرے تو یہ جائز ہوگا، اس لئے کہ اس میں محض رنگ کی وجہ سے کپڑے کے اوصاف کے علم میں دقت نہیں ہوگی: **"وليس هذا كالصبغ في الثوب، لأن الصبغ في ثوبه زينة لا يغيره وأن تضبط صفته"** (حوالہ سابق) اس اصول کے بعد امام شافعیؒ نے فرمایا: هكذا كل ما استصنع (حوالہ سابق) کہ ہر بنوائی جانے والی چیز کے سلسلہ میں جواز و عدم جواز کا یہی اصول ہوگا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام شافعی نے بھی استصناع کو بیع ہی کی ایک قسم شمار کیا ہے۔

۸— امام محمدؒ نے مستصنع کے لئے "اشتری" کا لفظ استعمال کیا ہے، یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ استصناع بیع ہے نہ کہ وعدۂ بیع، چنانچہ علامہ ابن مازہ لکھتے ہیں: **"والدليل عليه: أن محمدا رحمه الله قال في الكتاب: إذا فرغ الصانع من العمل وأتى به كان المستصنع بالخيار، لأنه اشترى ما لم يره، فقد سماه شراء"** (المحيط البرهاني في الفقه النعماني ۱۳۵/۷، الفصل الرابع والعشرون في الاستصناع، نیز دیکھئے

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ۴؍ ۱۲۴، السلم والاستصناع فی خف وطست) اور علامہ سرخسی اور ابن نجیم وغیرہ متعدد قدیم فقہاء نے استصناع کے بیع ہونے کے قول کو ہی صحیح قرار دیا ہے، جیسا کہ ماقبل میں مذکور ہوا (دیکھئے: المبسوط للسرخسی ۱۲؍ ۱۳۹، کتاب البیوع، السلم فی اللحم، البحر الرائق ۶؍ ۱۸۵، باب السلم، السلم والاستصناع فی نحو خف وطست)۔

۹ — متاخرین علماء احناف نے اس کے بیع ہونے کو ہی راجح قرار دیا ہے، چنانچہ "مجلۃ الاحکام العدلیہ" میں استصناع کو "ابواب البیع" میں بیان کیا گیا ہے اور اس کے لزوم کو بیان کرتے ہوئے لکھا گیا ہے: "إذا انعقد الاستصناع فلیس لأحد العاقدین الرجوع" (مجلۃ الاحکام العدلیہ، مادہ: ۳۹۲، الباب السابع: فی بیان أنواع البیع وأحکامہ، الفصل الرابع: فی باب الاستصناع)۔

۱۰ — استصناع کو وعدۂ بیع قرار دینے میں عاقدین کے لئے ضرر کا پہلو بھی پایا جاتا ہے، مثلاً: مستصنع نے صانع کو کسی چیز کے تیار کرنے کا آرڈر دیا، صانع نے وہ چیز اپنی پونجی لگا کر مستصنع کی فرمائش کے مطابق خاص شکل میں تیار کردی، اب مستصنع یہ کہہ کر وہ سامان لینے سے انکار کردے کہ یہ محض بیع کا وعدہ تھا جس کی تکمیل ضروری نہیں، تو ظاہر ہے کہ اس میں صانع کے لئے بڑا ضرر ہے کہ اس کی پونجی اور محنت یا تو بے کار جائے گی یا کما حقہ کارگر نہیں ہوگی، اسی طرح اگر مستصنع کے لئے وہ چیز انتہائی ضروری ہو اور صانع کو اس تیار کئے گئے سامان کی قیمت کسی دوسرے کی جانب سے زیادہ مل رہی ہو تو وہ اچانک وہ سامان اس دوسرے شخص سے فروخت کردے، یہ سوچ کر کہ پہلے شخص سے تو میں نے صرف وعدہ کیا تھا جس کی تکمیل ضروری نہیں تو ظاہر ہے کہ اس میں مستصنع کے لئے بڑا ضرر ہے، لہذا بدنیتی اور بددیانتی کے اس دور میں خاص کر اس عقد کو محض "وعدہ" قرار دینے کے بجائے باضابطہ "بیع" قرار دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ (دیکھئے: مقالہ مولانا آفتاب عالم غازی، مفتی عبد الرزاق، مفتی عارف باللہ، مفتی نذیر احمد، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا روح الامین وغیرہم)۔

استصناع کو بیع قرار دینے کی شکل میں جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں، بعض مقالہ نگاروں نے اس کا جواب بھی دیا ہے، ذیل میں جوابات ذکر کئے جارہے ہیں:

اول: استصناع میں خیار کا ثبوت اس کو مستلزم نہیں کہ یہ بیع نہ ہو، جیسے بیع مقایضہ میں عاقدین میں سے دونوں نے ایک دوسرے کے عین کو نہ دیکھا ہو تو عاقدین کے لئے خیار ثابت ہوتا ہے، اس کے باوجود یہ بالاتفاق بیع ہے۔

دوم: یہ کہا جائے کہ استصناع معدوم کی بیع ہے اور معدوم کی بیع شرعاً بیع نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی معدوم کو حکماً موجود کا درجہ دیا جاتا ہے، مثلاً مسلمان ذبح کے وقت بسم اللہ بھول جائے تو مسلمان ہونے کی وجہ سے تسمیہ حکماً مانا جائے گا اور ذبیحہ حلال ہوگا، اسی طرح یہاں جس چیز کے بنانے کا آرڈر دیا گیا ہے وہ فی الجملہ موجود ہے، خام مال کی شکل میں تو اولاً تو یہ بالکلیہ معدوم نہیں، دوم معدوم موجود کے حکم میں قرار دیا جائے گا۔

سوم: یہ کہنا کہ استصناع متعاقدین میں سے کسی ایک کے مرنے سے باطل ہوجاتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ عقد استصناع عقد اجارہ کے مشابہ ہے اور اجارہ متعاقدین میں سے کسی ایک کے مرنے سے باطل ہوجاتا ہے، اور یہ بطلان بھی اس صورت میں ہے جبکہ صانع فرد واحد ہو، اگر وہ کمپنی یا ادارہ و کارخانہ ہو تو فرد واحد کے مرنے سے استصناع باطل نہیں ہوگا۔

چہارم: استصناع میں مستصنع کو خیار رؤیت حاصل ہے اور خیار کا مشروع ہونا اس کے بیع ہونے کی علامت ہے، ورنہ وعدہ میں

خیار کی کوئی ضرورت نہیں (دیکھئے: مقالہ مفتی نذیر احمد، مولانا محبوب فروغ احمد، اور مفتی شاہجہاں ندوی)۔
فقہاء کے درمیان اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کہ یہ بیع لازم ہے یا لازم نہیں، عام طور پر فقہاء اس عقد کو غیر لازم قرار دیتے ہیں، البتہ امام ابو یوسف نے اس کو عقد لازم قرار دیا ہے۔

علامہ سرخسی لکھتے ہیں: وعن أبي يوسف قال: إذا جاء به كما وصفه له فلا خيار للمستصنع استحسانا بدفع الضرر عن الصانع في إفساد أديمه، ولأنه فربما لا يرغب غيره في شرائه على تلك الصفة فلدفع الضرر عنه قلنا بأنه لا يثبت له الخيار (المبسوط ۶/ ۱۳۸) (مولانا محبوب فروغ احمد)۔

اسی طرح امام ابو یوسف کے نزدیک صانع کو بھی حق نہیں ہے کہ وہ آرڈر کے مطابق تیار کرنے سے انکار کردے۔

شیخ فرید الدین لکھتے ہیں: قال أبو يوسف أولا: يجبر المستصنع دون الصانع وهو رواية عن أصحابنا ثم رجع عن هذا وقال: لا خيار لواحد منهما، بل يجبر الصانع على العمل ويجبر المستصنع على القبول (تاتارخانیہ ۹/ ۴۰۱) (دیکھئے: مقالہ مولانا محبوب فروغ احمد)۔

مولانا محبوب فروغ صاحب لکھتے ہیں: امام ابو یوسف کا قول ہی معمول بہا ہے، چنانچہ مجلۃ الاحکام العدلیۃ میں ہے: إذا انعقد الاستصناع فليس لأحد المتعاقدين الرجوع، وإذا لم يكن المصنوع على الأوصاف المطلوبة المبينة كان المستصنع مخيرا (مجلۃ الاحکام العدلیہ مادہ: ۳۹۲ بحوالہ الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۳۶۵۱)۔

سوال نمبر: ۳۔ ظاہر ہے کہ استصناع میں خریدار جس چیز کو خریدتا ہے، وہ عقد کے وقت معدوم ہوتی ہے تو جیسے وہ ایک معدوم شئ کو خرید رہا ہے، کیا مبیع کو وجود میں آنے سے پہلے وہ کسی اور سے اور پھر یہ دوسرا خریدار کسی تیسرے شخص سے فروخت کرسکتا ہے، اور سلسلہ وار بیع کی تمام صورتیں بیع معدوم سے مستثنیٰ ہوں گی؟ آج کل خاص کر فلیٹس کی خرید و فروخت میں کثرت سے یہ بات پیش آتی ہے۔

اس سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ مستصنع کا کسی دوسرے خریدار سے فروخت کرنا درست نہیں ہے، جبکہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ استحسانا اور تعامل کی بنا پر اس کی گنجائش ہے، اور بعض مقالہ نگاروں نے یہ تفصیل کی ہے کہ مستصنع کے فروخت کے وقت اگر فلیٹ کی عمارت کھڑی ہوچکی ہو تو اس کی خرید و فروخت درست ہے، ورنہ درست نہ ہوگی۔

مقالہ نگاروں نے اس صورت کے عدم جواز کی جو وجوہات ذکر کی ہیں، ان کا ماحصل یہ ہے کہ یہ بیع قبل القبض ہے اور کسی شیئ کی قبل القبض خرید و فروخت درست نہیں ہے، نیز اس لئے بھی کہ مبیع ابھی مشتری کے ضمان میں نہیں آئی ہے اور جو چیز ضمان میں نہ آئی ہو اس کو فروخت کرنے میں حدیث کی مخالفت لازم آتی ہے، حدیث میں ہے: أن النبي ﷺ قال: لا يحل سلف وبيع ولا شرطان في بيع ولا ربح ما لم يضمن (سنن ترمذی ۲/ ۵۲۷)، نیز مستصنع کی ملکیت ابھی ضعیف ہے، یہ مکان اگر بغیر زمین کے فروخت ہو تو اموال منقولہ میں سے ہے اور اموال منقولہ کی بیع قبل القبض درست نہیں (دیکھئے: مقالہ مفتی عبد الرزاق، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی سلمان منصور پوری، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، قاضی عبد الجلیل، مولانا محمد اسجد قاسمی، مولانا محمد جہانگیر حیدر، مولانا محمد عثمان، مفتی محمد جعفر ملی، مولانا محمد یوسف قاسمی، مولانا منصف بدایونی، مفتی عبد الرزاق، مولانا آفتاب عالم غازی، مولانا روح الامین، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی اقبال

احمد قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی وغیرہم)۔

دلائل :

۱— مصنوع ابھی مستصنع کی ملکیت اور ضمان میں نہیں آیا ہے اور جب تک کوئی چیز ملکیت اور ضمان میں نہیں آجاتی اسے فروخت کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا: نهى رسول الله ﷺ عن ربح ما لم يضمن (مسند احمد، حدیث: ۶۶۲۸) (دیکھئے: مقالہ مولانا آفتاب عالم، مولانا عبید اللہ ندوی، مفتی شاہد علی وغیرہم)۔

۲— لا يحل بيع ما ليس عندك ولا ربح ما لم يضمن (ابن ماجہ ۲۱۸۸) (دیکھئے: مقالہ مولانا آفتاب عالم، مولانا روح الامین، مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا حذیفہ وغیرہم)۔

۳— نهي أن يبيع الرجل طعاماً حتى يستوفيه قال : فقلت له : كيف ذلك؟ قال : ذلك دراهم بدراهم والطعام مرجأ (بخاری ۲۱۳۲) (مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا ابوبکر قاسمی)۔

۴— عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ : من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يقبضه (مسلم ۲/۵) (مولانا ارشد رحمانی، مولانا محمد یوسف قاسمی وغیرہما)۔

۵— حضرت طاوس فرماتے ہیں: میں نے ابن عباس کو کہتے ہوئے سنا: أما الذي نهى عنه النبي ﷺ فهو الطعام أن يباع حتى يقبض وقال ابن عباس : ولا أحسب كل شيئ إلا مثله (بخاری: ۲۱۳۵) (مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ابوبکر قاسمی وغیرہم)۔

۶— حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ أن تباع السلع حيث تبتاع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم (ابوداؤد ۳۴۹۹) (مولانا شاہجہاں ندوی)۔

۷— حکیم بن حزام سے روایت ہے: قال : سألت رسول الله ﷺ فقلت : يأتيني الرجل فيسئلني من البيع ما ليس عندي أبتاع له من السوق ثم أبيعه؟ قال : لا تبع ما ليس عندك (ترمذی ۱/۲۳۸) (دیکھئے: مقالہ مفتی انور علی، مفتی محمد سلطان کشمیری، مولانا محمد فاروق، مولانا محمد یوسف قاسمی، مولانا ارشد رحمانی، مولانا محمد حذیفہ، مفتی لطیف الرحمن، مولانا کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا ابوبکر قاسمی وغیرہم)۔

بعض مقالہ نگاروں نے دلیل بھی ذکر کی ہے کہ شریعت نے استصناع کو ضرورت کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے، الاستصناع شرع لسد حاجات الناس (الموسوعۃ الفقہیۃ ۳/۳۲۷) اور جو چیز ضرورتاً جائز ہوتی ہے وہ ضرورت کی حد تک ہی جائز ہوتی ہے اور جہاں ضرورت نہ ہو وہاں اپنی اصل کے مطابق وہ چیز ناجائز ہوگی، ما أبيح للضرورة يقدر بقدرها (الاشباہ ۱/۷۳) (دیکھئے: مقالہ مولانا آفتاب ندوی، مولانا اختر امام عادل وغیرہما)۔

مولانا یوسف صاحب نے اس کے عدم جواز پر شامی کی اس عبارت سے بھی استدلال کیا ہے: الأصل أن كل عقد ينفسخ بهلاك العوض قبل القبض لم يجز التصرف في ذلك العوض قبل قبضه كالمبيع في البيع (شامی ۷/۳۷۰) (مولانا ارشد رحمانی)۔

مولانا محمد حذیفہ بیت التمویل الکویتی کے فتاوی کے حوالہ سے لکھتے ہیں: لا يجوز بيع الشقق المشتراة بعقد استصناع

بنفس الشروط والمواصفات وبالثمن الذي يتفق عليه مع المشتري قبل تمام بنائها واستلامها، لأن هذا من بيع المعدوم، لأنها غير موجودة فعلاً بالشكل الذي تباع على أساسه (الفتاوى الشرعية في المسائل الاقتصادية فتوى نمبر: ۳۳۶)۔

مفتی اقبال احمد قاسمی لکھتے ہیں :

اگر شئی مصنوع کو مستصنع دوسرے سے اور تیسرا کسی اور سے فروخت کرتا ہے تو یہ عقد استصناع میں داخل نہیں، کیونکہ مشتری اول صانع کے حکم میں نہیں ہے، اور اس طرح شئی مصنوع کو وجود میں آنے سے قبل فروخت کرنا بیع معدوم ہے جس کی ممانعت ہے، دیگر یہ کہ اس صورت میں غرر کثیر لازم آئے گا، شریعت میں استصناع کا جواز خلاف قیاس ہے اور خلاف قیاس عقد اپنے مورد پر منحصر ہوتا ہے۔

دوسری رائے :

بعض حضرات بر بنائے استحسان وتعامل ناس مذکورہ صورت کے جواز کے قائل ہیں۔

مفتی شبیر صاحب مرادآباد لکھتے ہیں :

عقد استصناع کے جواز کا سارا مدار عرف وعادت اور تعامل ناس پر ہے اور عقد استصناع میں شئی معدوم ہی کی خرید وفروخت ہوتی ہے اور مبیع کا فی الحال وجود ہی نہیں ہوتا ہے، جب کہ عقد سلم میں بوقت عقد اگرچہ مبیع معدوم ہوتی ہے، لیکن تسلسل کے ساتھ بازاروں اور مارکیٹوں میں مدت پوری ہونے تک مبیع کا دستیاب ہونا لازم ہے اور اس کے برخلاف عقد استصناع میں شئی مصنوع (مبیع) کا تسلسل کے ساتھ مارکیٹ میں پایا جانا بھی لازم نہیں ہے، بس عقد استصناع کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ سائز، نمونہ اور ڈیزائن کے ساتھ آرڈر دے کر لوگوں کے درمیان معاملہ کرنے کا تعامل جاری ہو جائے اور بوقت عقد مبیع کا وجود میں ہونا لازم نہیں ہے؛ اس لئے مالیاتی ادارہ کے لئے ایسا کرنا جائز ہے کہ وہ اپنے لئے نمونہ، سائز اور ڈیزائن وغیرہ کی شرائط کے ساتھ مال بنوانے کا آرڈر لے لے اور اسی ڈیزائن اور نمونہ کی شرائط کے ساتھ وہ مالیاتی ادارہ اپنے ماتحت کاریگروں کو مال بنوانے کا آرڈر دے دے اور اس میں اپنے منافع کے شرح کی رعایت رکھے اور اسی طرح جس بائع اور خریدار نے مالیاتی ادارہ کو آرڈر دیا ہے وہ اپنے منافع کی رعایت کرتے ہوئے سائز، نمونہ اور ڈیزائن دکھا کر اپنے خریدار کے ساتھ استصناع کا معاملہ کرے، اسی طرح دوسرے خریدار بھی اپنے نفع کی رعایت کرتے ہوئے تیسرے خریدار سے نمونہ اور ڈیزائنوں کی شرائط کے ساتھ معاملۂ استصناع کرتے جائیں، اور سارے ڈیزائن اور نمونہ اور طے شدہ شرائط کاغذوں میں درج ہوں تو اس طرح کا معاملہ بلاشبہ جائز اور درست ہے، کیوں کہ اس طرح معاملہ کرنے کا تعامل لوگوں کے درمیان جاری ہو چکا ہے؛ اس لئے کہ معاملۂ استصناع میں دو چیزیں بنیادی ہوتی ہیں :

۱— معاملہ کرنے کا عرف اور تعامل لوگوں کے درمیان میں جاری ہو۔

۲— جس شئی پر معاملہ کیا جاتا ہے وہ شئی وجود میں نہیں ہوتی ہے، بلکہ معدوم ہوتی ہے اور یہاں پر یہ دونوں بنیادی چیزیں موجود ہیں؛ اس لئے اس طرح کا معاملہ شرعاً جائز اور درست ہے۔

حضرات فقہاء تحریر فرماتے ہیں :

"یجوز استحساناً والقياس يقتضي عدم جوازه، لأنه بيع المعدوم (قوله) وجه الاستحسان الإجماع الثابت

بالتعامل، فإن الناس فی سائر الأعصار تعارفوا الاستصناع فی ما فیہ تعامل من غیر نکیر، والقیاس یترک بمثلہ" (عنایۃ شرح الہدایۃ، زکریا دیوبند ۶/۱۰۶، مکتبہ پاکستان ۶/۲۴۲)۔

الفقہ الاسلامی میں یہ بات وضاحت سے ذکر کی گئی ہے کہ عقد استصناع میں مبیع کا مارکیٹوں میں موجود ہونا بھی لازم نہیں ہے۔

"ویشترط فی عقد السلم عند الحنفیۃ کون جنس المسلم فیہ (المبیع) موجودا فی الأسواق بنوعہ وصفتہ من وقت العقد إلی وقت حلول آجل التسلیم (قولہ) ولا یشترط ذلک فی عقد الاستصناع" (الفقہ الاسلامی ۴/۶۳۱)۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام صاحب لکھتے ہیں: مستصنع کے حق میں ملکیت کا ثبوت عقد غیر لازم ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اول دوسرے کو، دوسرا تیسرے کو فروخت نہیں کرسکتا، لیکن چونکہ استصناع کا جواز تعامل کے باعث تھا اور فلیٹس وغیرہ کی خریداری میں بھی تعامل عام پایا جانے لگے تو ایک خریدار دوسرے کو اور دوسرے کے لئے تیسرے کو فروخت کرنے کی گنجائش نکلنی چاہئے۔ (مقالہ مولانا محبوب فروغ احمد، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

مفتی باقر ارشد نے جواز کے لئے یہ شرط رکھی ہے کہ عندالبیع شیئی کی جو صفتیں مقرر ہوئی تھیں وہی ہوں ورنہ خیار حاصل ہوگا، نیز دونوں بیع الگ الگ طور سے قرار پائیں۔

تیسری رائے:

مولانا محمد اقبال ٹنکاروی صاحب لکھتے ہیں: اگر کسی شخص نے فلیٹ یا مکان بک کروایا ہے اور اب وہ فلیٹ یا مکان کسی کو بیچنا چاہتا ہے تو دیکھنا یہ ہے کہ فلیٹ تیار ہوا ہے، یا نہیں؟ اگر وہ فلیٹ ابھی تیار نہیں ہوا ہے تو اس کو کسی کے ہاتھ فروخت نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ بیع معدوم ہے، اور اگر بن کر تیار ہو چکا ہے تو اب وہ قبضہ سے پہلے بھی فروخت کرسکتا ہے، کیونکہ جواز قبیل منقولات نہ ہو، اس کی بیع قبل القبض بھی جائز ہے۔

بعض مقالہ نگاران نے تائید میں کتاب الفتاوی سے یہ فتوی نقل کیا ہے:

البتہ اس کی چھت پڑ چکی ہو اور اس کے خریدے ہوئے فلیٹس کی جو سطح ہوگی، خواہ زمین ہو یا کوئی چھت وہ موجود ہو، دیواریں اور مکان سے متعلق دیگر ضروریات موجود نہ ہوں تو بحالت موجودہ اس کی جو قیمت مقرر ہو اس کے لحاظ سے فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ اس حد تک مکان وجود میں آچکا ہے (کتاب الفتاوی ۵/۲۷۴) (دیکھئے: مقالہ مولانا محمد حذیفہ، مفتی لطیف الرحمن ولایت علی، مولانا عارف باللہ)۔

سوال نمبر: ۴۔ استصناع کا تعلق صرف ان اشیاء سے ہے، جو اموال منقولہ کے قبیل سے ہیں یا اموال غیر منقولہ جیسے بلڈنگ وغیرہ سے بھی؟

عام طور پر مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ چونکہ استصناع کی بنیاد لوگوں کی حاجت وضرورت اور تعامل ناس پر ہے، لہذا جس چیز میں بھی لوگوں کا تعامل اور رواج ہو جائے خواہ وہ شیئی منقول ہو یا غیر منقول اس میں عقد استصناع جائز ہوگا۔

بعض مقالہ نگاروں نے اس پہلو پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ فقہاء نے استصناع کی مثالوں میں صرف منقولہ اشیاء ہی کا ذکر کیوں کیا ہے، چنانچہ مقالہ نگاروں نے لکھا ہے:

فقہاء نے منقولہ چیزوں کی جو مثالیں دی ہیں، وہ حصر وتحدید کے لئے نہیں ہیں، بلکہ ان کے زمانے میں انہیں چھوٹی منقولہ

اشیاء کے بنوانے کا رواج تھا (مولانا عارف باللہ، مولانا محمد فاروق، قاضی عبدالجلیل، مفتی انور علی، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی وغیرہم)۔

کس طرح کی منقولہ اور غیر منقولہ اشیاء کے اندر استصناع جاری ہوسکتا ہے، بعض مقالہ نگاروں نے ان کی صراحت وتحدید بھی کی ہے اور لکھا ہے کہ وہ تمام چیزیں جن کا جنس، نوع اور مقدار وغیرہ کے اعتبار سے ضبط ممکن ہو اور ان کے اوصاف مختلفہ کی وضاحت ہوسکتی ہو، ان میں عقد استصناع ہوسکتا ہے، بشرطیکہ ان میں آرڈر دینے کا تعامل ہوجائے (دیکھئے: مقالہ مولانا اختر امام عادل، مفتی نذیر احمد، مفتی اقبال احمد، مولانا خورشید احمد، مفتی لطیف الرحمن ولایت علی، مولانا فاروق وغیرہم)۔

مقالہ نگاروں نے غیر منقولہ اشیاء میں استصناع کے جواز کے لئے فقہاء کرام کی درج ذیل عبارتوں سے استدلال کیا ہے:

۱- جاز استحسانا للإجماع الثابت بالتعامل، وفي فتح القدير :وفيما لا تعامل فيه رجعنا فيه إلى القياس (ہدایہ مع فتح القدیر ۷؍۱۰۸) (مولانا محمد فاروق)۔

۲- لأن جوازه مع أن القياس يأباه ثبت بتعامل الناس فيختص بما لهم فيه تعامل، ويبقى الآمر فيما وراء ذلك موكولا إلى القياس (بدائع الصنائع ۵؍۳) (مولانا اسجد قاسمی، مفتی محمد سلمان منصور پوری، مولانا محمد منصف، مولانا محمد جہانگیر حیدر)۔

۳- كل شيئ تعومل استصناعه يصح فيه الاستصناع على الإطلاق، أي أن الاستصناع صحيح في كل ما تعومل به عادة وعرفا (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۱؍۳۵۸، مادہ ۳۸۸) (مولانا اختر امام عادل، مفتی نذیر احمد، مفتی اقبال احمد، مفتی لطیف الرحمن ولایت علی، مفتی سلمان پالنپوری، مفتی باقر ارشد، مولانا محمد عثمان)۔

۴- يجب أن يعلم أن الاستصناع جائز في كل ما جرى التعامل فيه (المحیط البرہانی ۷؍۱۳۴) (مفتی سلمان پالنپوری)۔

۵- يجب أن يعلم بأن الاستصناع جائز في كل ما جرى التعامل فيه (فتاوی تاتارخانیہ ۹؍۲۰۰) (مفتی محمد سلمان منصور پوری، مولانا محمد منصف، مولانا محمد مقیم الدین)۔

۶- لأنه يجوز فيما فيه تعامل لا فيما لا تعامل فيه (عنایہ مع الفتح ۷؍۱۰۸) (مفتی محمد سلمان، مولانا محمد یوسف)۔

مولانا بدر احمد مجیبی نے جن غیر منقولہ اشیاء کے استصناع کا تعامل ہو، ان کے جواز پر محیط برہانی کے اس جزئیہ سے استدلال کیا ہے:

متولى المسجد استصنع محراب المسجد إلى البحار (النجار) في حسب معلوم وعمل وصناعة معلومة قال: لا يصح، لأنه لا تعارف في هذا الاستصناع وكذا في الابواب والسلاليم والسور (المحیط البرہانی ۶؍۲۱۱، کتاب الوقف)۔

مولانا موصوف لکھتے ہیں: اگر غیر منقولہ اشیاء میں استصناع درست نہیں ہوتا تو اس کی علت عدم تعامل کو نہ بتاتے بلکہ یہ فرماتے کہ غیر منقولہ اشیاء میں تعامل درست نہیں ہے، خواہ ان کا تعامل ہو یا نہ ہو، اس سے ظاہر ہے کہ اگر غیر منقولہ اشیاء میں استصناع کا تعامل ہو تو ان کا عقد استصناع جائز ہوگا۔

مولانا فرقان فلاحی نے منقولہ اشیاء میں استصناع کے جواز پر قصہ ذو القرنین سے استدلال کیا ہے کہ ان سے بستی والوں نے ایک دیوار بنانے کی درخواست کی اور اس پر اجرت کی بھی پیشکش کی اور یہی استصناع کی روح ہے۔

علماءِ عرب کی آراء :

شیخ وہبہ زحیلی لکھتے ہیں :

أن يكون المصنوع مما يجرى فيه تعامل الناس كالمصنوعات و الأحذية و الأواني و أمتعة الدواب و وسائل النقل الأخرى فلا يجوز الاستصناع في الثياب أو في سلعة لم يجر العرف باستصناعها كالدبس لعدم تعامل الناس فيه (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۳۶۴۷) (مولانا محمد ظفر عالم، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مولانا محمد منصف)۔

وانما يشمل أيضا إقامة المباني وتوفير المساكن المرغوبة وقد ساعد كل ذلك في التغلب على أزمة المساكن ومن أبرز الأمثلة و التطبيقات لعقد الاستصناع بيع الدور و المنازل و البيوت السكنية على الخريطة ضمن أوصاف محددة فإن بيع هذه الأشياء في الواقع القائم لا يمكن تسويغه على أساس الوعد الملزم بالبيع أو على عقد الاستصناع ويعد العقد صحيحا إذا صدرت رخصة البناء ووضعت الخريطة و ذكرت في شروط العقد مواصفات البناء بحيث لا تبقى جهالة مفضية إلى النزاع و الخلاف (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۲۰۲) (دیکھئے۔ مقالہ مفتی محمد سلمان منصور پوری، مفتی اقبال احمد، مفتی عبدالرحیم، ڈاکٹر ظفر الاسلام، مفتی شبیر احمد شاہی مرادآباد، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا محمد حذیفہ، مفتی عبداللہ کاوی والا)۔

شاہ اکرام الحق ڈاکٹر مصطفی زرقا کے حوالے سے لکھتے ہیں :

يمكن اليوم استصناع المباني الجاهزة على أرض مملوكة للصانع المقاول نفسه، كما يفعل اليوم تجار البناء إذ يشترون قطع الأراضي المناسبة، وينشؤن عليها بيوتا للسكنى و يبيعونها جاهزة ويسلمه إياه جاهزا بالثمن الذى يتفقان عليه فذلك استصناع واضح (عقد الاستصناع ومدی اہمیتہ فی الاستثمارات الاسلامیۃ المعاصرۃ ص ۳۳)۔

ڈاکٹر مصطفی محمود لکھتے ہیں :

يمكن أن يكون الاستصناع في تخطيط الأراضي وإنارتها وشق الطرق فيها وتعبيدها وغير ذلك من المجالات العقارية والتى يمكن الاستفادة من الاستصناع فيها (آلیۃ تطبیق الاستصناع فی المصارف الاسلامیہ از دکتور مصطفی محمود محمد عبد العال عبد السلام ص ۱۰) (مولانا آفتاب عالم غازی، مولانا عبید اللہ ندوی)۔

ڈاکٹر محمد اسامہ لکھتے ہیں :

ويعد العقد صحيحا إذا صدر رخصة البناء ووضعت الخريطة وذكرت في شروط العقد مواصفات البناء بحيث لا تبقى جهالة مفضية إلى النزاع أو الخلاف، وقد أصبح من السهل ضبط الأوصاف ومعرفة المقادير وبيان نوع البناء (عقد الاستصناع وتطبيقاتہ المعاصرۃ فی المجال المصرفی از دکتور اسامہ محمد السلاوی ص ۳۲) (مولانا آفتاب عالم غازی، مولانا عبید اللہ ندوی)۔

موسوعۃ الفتاوی المعاملات المالیۃ میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے :

الشروط الخاصة بالاستصناع : أن يكون المصنوع مما يجرى فيه التعامل بين الناس : ويشترط الأصناف أن يكون المصنوع مما يجرى فيه التعامل بين الناس و ذكر عدة أمثلة لذلك، فقالوا : مثل استصناع الحديد و الرصاص و النحاس و الزجاج و الخفاف و النعال ونحو ذلك، غير أنه من الجدير بالذكر أن هذه الأمثلة كانت شائعة عندهم ولم يريدوا من خلالها حصر

الاستصناع فیہا فذکرہا کان علی سبیل التمثیل لا الحصر، لذلک وجد مجلۃ الاحکام العدلیۃ ذکرت أمثلۃ أخری لما کان یستخدم فی عصرہا مثل البندقیۃ والسفن الحربیۃ والتجاریۃ، وھذہ الأمثلۃ لم تکن موجودۃ فی العصور السابقۃ۔

والاستصناع الآن أصبح أمراً عاماً یشمل الھیئات والمؤسسات والأفراد، وعلی ذلک فإن الأشیاء المستحدثۃ التی لم یجر فیہا التعامل من قبل وعم التعامل بہا بین الناس الآن تأخذ نفس الحکم ولیس من الصواب أن نحکم علیہا بالفساد علی اعتبار أنہا لم تکن مما تعامل الناس فیہا من قبل، ولماذا لا نقول إن الشرط ھو تعامل الناس فیہا فی أی زمان من الأزمنۃ (موسوعۃ فتاوی المعاملات المالیۃ: الشروط الخاصۃ ۵/۱۰۷-۱۰۸ ط: دار السلام)۔

ومن شروطہ: أن یکون فیما للناس فیہ تعامل، ویمثل الحنفیۃ لہ بالخف والطشت والأوانی، فإذا کان فیما لا یجری تعامل الناس باستصناعہ کان سلما واشترط فیہ جمیع شروط السلم، وھذا الشرط مما یختلف الحکم فیہ باختلاف الأزمان والمرجع فی تحریرہ إلی تعامل الناس فی کل زمان، وقد جری التکافل فی زماننا علی استصناع المنازل فیشملہا الجواز (فتاوی المعاملات المالیۃ ۵/۱۲۶) (مقالہ: مولانا آفتاب غازی، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی)۔

مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی صاحب مفتی تقی عثمانی صاحب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

جدید بوٹ معاہدات (Buy, Operate, and Transfer) (خریدو، چلاؤ اور منتقل کرو) کی بھی استصناع کی بنیاد وں پر تشکیل دیا جاسکتا ہے، اگر کوئی حکومت ایک ہائی وے تعمیر کرنا چاہتی ہے تو سڑک بنانے والی کمپنی کے ساتھ استصناع کا عقد کرسکتی ہے اور قیمت کے طور پر اسے مخصوص مدت تک شاہراہ پر چلانے اور ٹول (Toll) حاصل کرنے کا اختیار دیا جاسکتا ہے (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/۱۵۷)۔

مولانا راشد حسین صاحب لکھتے ہیں کہ مفتی تقی صاحب نے بھی استصناع کے مثالوں میں فلیٹ کا تذکرہ کیا ہے (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/۱۰۷)، (نیز دیکھئے: مقالہ مفتی محمد سلطان کشمیری، مفتی آصف یاسین)۔

چند مقالہ نگاروں نے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی کتاب الفتاوی کے حوالے سے لکھا ہے:

جب تک ایک چیز وجود میں نہ آئے اس کو بیچنا درست نہیں، لیکن اس سے ایک صورت مستثنیٰ ہے، جس کو استصناع کہتے ہیں، یعنی ایسی چیزیں جن کو آرڈر پر تیار کرنے کا رواج ہو، جیسے جوتا وغیرہ، آج کل فلیٹس اسی انداز پر بنائے جاتے ہیں، فلیٹس کے نقشے، اس کی مکانیت، تعمیری معیار اور پوری تفصیلات واضح کردی جاتی ہیں، جس کی وجہ سے نزاع کا اندیشہ ختم یا بہت کم ہوجاتا ہے، اس لئے جو لوگ فلیٹس تعمیر کرکے بیچتے ہیں، ان کے لئے اس طرح خرید و فروخت کی گنجائش ہے (کتاب الفتاوی ۵/۲۷) (مفتی عبد الرحیم، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد حذیفہ، مولانا احسن عبد الحق، مفتی ابوحماد غلام رسول منظور، مفتی اقبال)۔

فقہاء کرام نے استصناع کی مثالوں میں چند منقول اشیاء کا ذکر کیا ہے، بعض مقالہ نگاروں نے اس کی وجہ بھی بیان کی ہے:

مولانا راشد حسین ندوی لکھتے ہیں: اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے زمانے میں بلڈنگ جیسی غیر منقول اشیاء کا انضباط ممکن نہیں تھا، نیز اس میں استصناع کا تعامل بھی نہیں تھا، لہٰذا ان کا ذکر کرنا فضول تھا۔ اب بلڈنگ وغیرہ کا انضباط کیا جاسکتا ہے اور ان میں استصناع کا تعامل بھی ہے، اس لئے اس کے جواز میں کوئی مانع نہیں ہے۔ چنانچہ پہلے زمانے میں تعامل ناس کے نہ ہونے کی وجہ سے کپڑوں میں استصناع کی

اجازت نہیں تھی، لیکن اب اس کا تعامل ہے، اس لئے اس کی اجازت ہوگی۔
شیخ وہبہ زحیلی لکھتے ہیں :

ویصح فی عصرنا الحاضر الاستصناع فی الثیاب لجریان التعامل فیه، والتعامل یختلف بحسب الأزمنة والأمکنة (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۳۶۴۷) (مولانا ظفر عالم، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی سلمان پالنپوری، مفتی شاہد علی)۔

وإنما لا یجوز الاستصناع فی الثوب لعدم التعامل فإذا وجد التعامل فی هذا یجوزه اعتبارا بالاستصناع فیما فیه التعامل (المبسوط ۱۵/ ۸۸) (مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی شاہجہاں ندوی)۔

مولانا محمد یوسف قاسمی نے بلڈنگ کے استصناع کے جواز پر حضرت تھانوی کی اس عبارت سے استیناس کیا ہے :

قال فی نور الانوار . وتعامل الناس ملحق بالإجماع، وفیه : ثم إجماع من بعدهم أی بعد الصحابة من أهل کل عصر۔ اس سے معلوم ہوا کہ تعامل بھی مثل اجماع کے کسی عصر کے ساتھ خاص نہیں، البتہ جو اجماع کا رکن ہے وہی اس میں بھی ہونا ضروری ہے، یعنی اس وقت کے علماء کا اس پر نکیر نہ کرنا، اسی طرح فقہاء نے بہت سے نئے جزئیات کے جواز پر تعامل سے احتجاج کیا ہے (امداد الفتاوی ۳/ ۲۲)۔

سوال: ۵— اسلامی مالیاتی ادارے استصناع کو بطور استثمار استعمال کرنے کے لئے ایک ایسا طریقہ اختیار کرتے ہیں، جسے وہ استصناع موازی یا متوازی کہتے ہیں، یہ معاملہ بنیادی طور پر تین فریقوں کے درمیان ہوتا ہے، جس میں مالیاتی ادارے کی حیثیت درمیانی فریق کی ہوتی ہے، ادارہ ایک شخص سے آرڈر حاصل کرتا ہے اور دوسرے شخص کو خود آرڈر دیتا ہے اور دونوں کی قیمت میں ایسا فرق رکھتا ہے کہ پہلے شخص سے جو زیادہ رقم حاصل ہو، وہ اس کا نفع ہو جائے، اس صورت میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

استصناع موازی کی تعریف :

شیخ وہبہ زحیلی استصناع موازی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

وأما الاستصناع الموازی فهو الذی یتم بین البنک فی العقد الأول بصفة کونه بائعاً وبین صانع اخر یتولی صنع الشیئ بمواصفات مشابهة للمصنوع المتفق علیه فی العقد الأول بصفة کون البنک مستصنعا من الباطن، ویتولی صنع الشیئ بمقتضی الاستصناع الموازی دون أن یکون هناک أي ارتباط بین العقدین فلا توجد علاقته حقوقیة أو مالیة بین المشتری النهائی الفعلی وبین الصانع البائع الفعلی (موسوعۃ الفقہ الاسلامی، احکام المعاملات المالیۃ الرئیسیہ ۳۰۴، ۳۰۵) (مولانا اقبال ٹنکاروی)۔

بعض مقالہ نگاروں نے استصناع موازی کی تصویر کشی بھی کی ہے :

ایک تعمیراتی کمپنی گھر بنا کر فروخت کرتی ہے، زید کو اس سے ایک گھر حاصل کرنا ہے، ایسی صورت میں زید مالیاتی ادارہ کے پاس آتا ہے، مالیاتی ادارہ ایک استصناع کا عقد زید کے ساتھ کرتا ہے جس کی رو سے زید مستصنع اور مالیاتی ادارہ صانع ہوتا ہے، مالیاتی ادارہ ایک اور استصناع کا عقد تعمیراتی کمپنی کے ساتھ کرتا ہے جس کی رو سے مالیاتی ادارہ مستصنع اور تعمیراتی کمپنی صانع ہوتی ہے، دونوں ہی عقود میں گھر کے اوصاف یکساں ہوتے ہیں، البتہ قیمت میں فرق ہوتا ہے، مالیاتی ادارہ تعمیراتی کمپنی کے ساتھ جس قیمت پر عقد کرتا ہے اس سے زیادہ قیمت پر زید کے ساتھ عقد کرتا ہے، قیمت کی ادائیگی کی صورت بھی دونوں میں مختلف ہوتی ہے (مقالہ مولانا محی الدین غازی)۔

اکثر مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ استصناع متوازی کی یہ صورت جائز ہے، اور متعدد مقالہ نگاروں نے مختلف کتابوں کے حوالے سے اس کی شرائط بھی ذکر کی ہیں، تاہم بعض مقالہ نگاروں نے استصناع متوازی کو ناجائز قرار دیا ہے۔ ذیل میں مقالہ نگاروں کی جانب سے پیش کئے گئے دلائل پیش کئے جارہے ہیں:

مولانا راشد حسین ندوی صاحب لکھتے ہیں: مستصنع نے جس سامان کا آرڈر دیا ہے ضروری نہیں کہ صانع آرڈر کے بعد خود بنا کر دے، پہلے سے تیار شدہ سامان بھی آرڈر کے مطابق ہے تو اس کو بھی سپلائی کرسکتا ہے، اور کسی دوسرے صانع سے بھی آرڈر کے مطابق مال تیار کراسکتا ہے۔

والبيع هو المصنوع لا عمله فإن جاء الصانع بمصنوع غيره أو بمصنوعه قبل العقد فأخذه صح، ولو كان البيع عمله لما صح (ردالمحتار ۷/۳۶۶) (مفتی انور علی، مولانا محمد فاروق، مولانا محمد منصف)۔

والمعقود عليه العين دون العمل حتى لو جاء به مفروغا لا من صنعته أو من صنعته قبل العقد جاز (ہدایہ مع الفتح ۶/۲۴۳) (مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا منصف بدایونی، مولانا محمد حذیفہ، مولانا محمد جہانگیر، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی انور علی، مولانا عارف باللہ)۔

لہٰذا اگر ایک بلڈر نے صارفین سے معاملہ کیا پھر اس نے دوسرے بلڈر کو ٹھیکہ پر دیدیا تو یہ جائز ہے۔

چونکہ اکثر مقالہ نگاروں کا رجحان جواز کی طرف ہے اور ان کے دلائل بھی تقریباً مشترک ہیں، اس لئے ذیل میں مجموعی طور پر ان کے دلائل ذکر کئے جاتے ہیں:

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

۱ — لأن العقد ما وقع على عين المعمول به بل مثله في الذمة لما ذكرنا أنه لو اشترى من مكان آخر وسلم إليه جاز (بدائع الصنائع ۴/۹۵) (مولانا منصف بدایونی)۔

۲ — حتى لو جاء به مفروغا لا من صنعته أو من صنعته قبل العقد فأخذه جاز (العنایۃ مع فتح القدیر ۷/۱۰۸) (مولانا منصف بدایونی)۔

۳ — لأن العقد ما وقع على عين المعقود بل على مثله في الذمة، لما ذكرنا أنه لو اشترى من مكان آخر وسلم إليه جاز (مجلۃ الاحکام مادہ: ۳۹۳) (مفتی عارف باللہ)

۴ — والأصح أن المعقود عليه المستصنع فيه، ولهذا لو جاء به مفروغا عنه لا من صنعته أو من صنعته قبل العقد جاز (الہندیہ ۳/۲۰۸) (مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مفتی سلمان پالنپوری)۔

مولانا بدر احمد مجیبی صاحب نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ یہ استصناع قبل قبض المصنوع کا معاملہ ہے اور جب استصناع قبل وجود المصنوع جائز ہے تو استصناع قبل قبض المصنوع بدرجہ اولی جائز ہونا چاہئے (مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

چند مقالہ نگاروں نے حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب کی مختلف کتابوں سے حضرت مفتی صاحب کی رائے بھی نقل کی ہیں جو ذیل میں نقل

کی جاتی ہیں:

۱—"یہ بھی ضروری نہیں کہ تمویل کار گھر کی خود تعمیر کرے، بلکہ وہ کسی تیسرے فریق کے ساتھ متوازی استصناع کے معاہدے میں بھی داخل ہوسکتا ہے۔ یا وہ کسی ٹھیکہ دار کی خدمات بھی حاصل کرسکتا ہے (جو کانٹنٹ کے علاوہ ہو) دونوں صورتوں میں وہ لاگت کا حساب لگا کر استصناع کی قیمت کا تعین اس انداز سے کرسکتا ہے کہ اس سے لاگت پر معقول منافع حاصل ہو جائے (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/۱۵۷)

(دیکھئے: مقالہ مفتی اقبال احمد، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا آصف یاسین، مولانا محمد عثمان، مولانا احسن عبدالحق)۔

۲—"وہ شخص جس کو یہ فلیٹ تعمیر کرنا ہے وہ بینک سے عقد استصناع کرے کہ آپ مجھے یہ فلیٹ بنا کردیں، تو اب بینک خود تو نہیں بنا سکتا، لہٰذا وہ کسی دوسرے آدمی سے علاحدہ اپنے طور پر استصناع کرلیتا ہے۔ آج کل کی اصطلاح میں اس کو "الاستصناع المتوازی" کہتے ہیں، یعنی دونوں متوازی ہیں کہ ایک عقد استصناع ابتداء میں اصل مستصنع اور بینک کے درمیان ہوا اور دوسرا عقد بینک اور اصل صانع کے درمیان ہو، اس کے جواز کی شرط یہ ہے کہ دونوں عقد منفصل ہوں، ایک دوسرے کے ساتھ مشروط نہ ہوں، ایک دوسرے پر موقوف نہ ہو اور ایک کی ذمہ داری یا دوسرے کی ذمہ داریوں کے ساتھ گڈمڈ نہ کی جائیں" (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/۱۷۷، انعام الباری ۶/۱۸۹) (دیکھئے: مقالہ مولانا راشد حسین ندوی، مفتی عبدالرحیم، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا روح الامین، مفتی محمد سلطان کشمیری، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مفتی عبدالرحیم، مفتی لطیف الرحمن، مفتی سید باقر ارشد)۔

علماء عرب کی آراء:

شیخ وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

وأن المعقود عليه هو العين الموصى يصنعها لا عمل الصانع أى ليس إجارة على العمل، فلو أتى الصانع بما لم يصنعه هو، أو صنعه قبل العقد وفقا للأوصاف المشروطة جاز ذلك (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۲۶۳) (مقالہ مولانا محمد جہانگیر حیدر)۔

مفتی عبدالرحیم صاحب نے شامل کی اس عبارت کو پیش کیا ہے:

إن المصرف قد لا يكون قادرا على الاستصناع بنفسه، لكنه يتقبل عقود الاستصناع وفي حال الصفقات المتلاحقة قد يرغب المصرف في تخفيف العب عن نفسه فيقوم بقبول عقد الاستصناع، وليكن مشروع ضاحيه إسكان وبعد قيامه بالدراسات اللازمة قام بطرح عطاء إنشاء وفي حالة رسوم العطاء على أحد المقاولين وقع معه عقد استصناع ضمن المواصفات المطلوبة، وبموظف واحد تابع العمل حتى مراحله النهائية هذا هو الاستصناع الموازى، لأن المصرف قام بقبول الاستصناع وفي نفس الوقت قدمه لمقاول اخر، ليقوم بالعمل ويتقاسمان الربح أو يأخذ المقاول الثانى أجر المثل والباقي للمصرف والاثنان متكافلان متضامنان أمام المستصنع (الشامل فی معاملات وعملیات المصارف الاسلامیہ، تالیف شیخ محمود عبدالکریم ص ۱۳۰)۔

مفتی ابوحماد غلام رسول ڈاکٹر حسام الدین خلیل کے حوالے سے لکھتے ہیں:

بینک یا مالیاتی ادارے کو اس معاملہ میں جو نفع حاصل ہو رہا ہے وہ جائز ہے، بشرطیکہ نفع محدود اور طرفین کو معلوم ہو اور معاہدہ کرتے وقت یہ ساری تفصیلات طے کرلی گئی ہوں۔ عند التوقيع على عقد الاستصناع المصرفى يجب أن يكون مبلغ الاستصناع

مبلغاً محدوداً و معلوماً للطرفین (عقد الاستصناع ۳۸)۔

استصناع متوازی کی شرائط:

مقالہ نگاروں نے استصناع متوازی کے لئے جن شرائط کا ذکر کیا ہے، منجملہ ان کو ذکر کیا جاتا ہے:

۱ — دونوں عقود کے درمیان کوئی ربط نہ ہو بلکہ ہر عقد دوسرے سے الگ ہو، عقد اول میں جو مستصنع (مشتری) ہے اس کو اس شخص کے ساتھ اس معاملہ میں کوئی تعلق نہ ہو جو عقد ثانی میں صانع کی حیثیت رکھتا ہے، بلکہ بینک جس کی حیثیت عقد ثانی میں مستصنع کی ہے وہ عقد ثانی کے صانع سے معاملہ کرے اور مکان کے تمام تر معاملات کی خود نگرانی کرے۔

۲ — بینک مکان کے فریق ثالث سے وصول کے بعد اور فریق اول کو سپرد کرنے سے پہلے اس کے تمام تر مصارف کو خود برداشت کرے، خواہ مرمت وصیانت کے قبیل سے ہو یا بجلی کے بل وغیرہ کے قبیل سے، کیونکہ ابھی بینک کی حیثیت صانع کی ہے، البتہ جب بینک یہ مکان فریق اول کو سپرد کردے تو پھر وہ اس کے مصارف وغیرہ سے بری ہو جائے گا۔

۳ — بینک شیئ مصنوع کی ادائیگی کی اتنی لمبی مدت متعین نہ کرے جو اس شیئ کے بنانے میں درکار مدت سے بہت زیادہ ہو، ایسی صورت میں صانع کے لئے اس مال سے سرمایہ کاری لازم آئے گی جو اس نے بینک سے حاصل کرلیا ہے (دیکھئے: مقالہ مفتی عبدالرزاق، مولانا اقبال ٹنکاروی، مفتی نذیر احمد، مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مفتی انور علی، مولانا محمد اسجد قاسمی، مفتی محمد روح الامین، مولانا عبید اللہ ندوی)۔

مولانا اختر امام عادل نے الفتاوی الشرعیہ کے حوالہ سے استصناع موازی کے لئے درج ذیل شرائط ذکر کی ہیں:

۱ — درمیانی شخص یا ادارہ نے اپنے واسطہ سے ہونے والی بات خریدار سے چھپائی نہ ہو اور خریدار کو اس دھوکہ میں نہ رکھا گیا ہو، وہ خود ہی صنعتکار یا کمپنی کا نمائندہ ہے۔

۲ — درمیانی شخص خریدار اور کمپنی دونوں سے الگ الگ معاملہ کرے اور ایک کو دوسرے سے مربوط نہ کرے۔

۳ — خریدار نے اس سے اپنی مصنوعات یا خدمات کا مطالبہ نہ کیا ہو، بلکہ کسی بھی جہت سے اسے صرف سامان مطلوب ہو۔

۴ — اگر خریدار کسی خاص کمپنی یا شخص کی خدمات کا تعین کرے اور وہ اسے منظور کرے تو اس شرط کی پابندی ضروری ہوگی اور اس میں کسی بھی قسم کی خلاف ورزی درست نہ ہوگی۔

۵ — بہت زیادہ لمبی مدت مقرر نہ کی جائے کہ نفع خوری کا دروازہ کھلے، کیونکہ زیادہ لمبا وقت لینے سے یہ عقد استصناع کے بجائے عقد سلم بن جائے گا اور عقد سلم کی تمام شرطوں کی رعایت ضروری ہوگی۔

موصوف لکھتے ہیں: بیت التمویل الکویتی کے شعبۂ افتاء نے بھی ان ہی شرائط کے ساتھ استصناع متوازی کی اجازت دی ہے

(الفتاوی الشرعیۃ فی المسائل الاقتصادیۃ فتوی نمبر: ۲۵۲، بحوالہ موسوعۃ فقہ المعاملات ۱/۲۸۷)۔

بعض مقالہ نگاروں نے یہ اضافہ کیا ہے کہ مطلوبہ سامان بنانے کی ساری ذمہ داری بینک کی ہو، وہی اصل صانع سے رابطہ کرے اور نیز اس سے لین دین میں مستصنع کو شریک نہ کرے، بینک سامان پر پہلے قبضہ کرے پھر مستصنع کے حوالہ کرے (دیکھئے: مقالہ مولانا روح

اللہ، مولانا عبیداللہ ندوی)۔

قاضی عبدالجلیل صاحب نے استصناع متوازی کے جائز ہونے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ بینک خام مال خود فراہم کرے اور مزدوروں سے تیار کرائے، ورنہ یہ معدوم کی بیع ہوجائے گی اور یہ صورت جائز نہیں ہوگی۔

ذیل میں چند مقالہ نگاروں کی رائے ذکر کی جاتی ہیں۔

مفتی شبیر احمد مرادآبادی صاحب نے لکھا ہے کہ مالیاتی ادارہ کے لئے ایسا کرنا جائز ہے کہ وہ اپنے لئے نمونہ اور سائز اور ڈیزائن وغیرہ کی شرائط کے ساتھ مال بنوانے کا آرڈر دے لے اور اسی ڈیزائن اور نمونہ کی شرائط کے ساتھ وہ مالیاتی ادارہ اپنے ماتحت کاریگروں کو مال بنوانے کا آرڈر دیدے اور اس میں اپنے منافع کے شرح کی رعایت رکھے اور اسی طرح جس بائع اور خریدار نے مالیاتی ادارہ کو آرڈر دیا ہے وہ اپنے منافع کی رعایت کرتے ہوئے سائز، نمونہ اور ڈیزائن دکھا کر اپنے خریدار کے ساتھ استصناع کا معاملہ کرے، اسی طرح دوسرے خریدار بھی اپنے نفع کی رعایت کرتے ہوئے تیسرے خریدار سے نمونہ اور ڈیزائنوں کی شرائط کے ساتھ معاملہ استصناع کرتے جائیں اور سارے ڈیزائن اور نمونہ اور طے شدہ شرائط کاغذوں میں درج ہوں تو اس طرح کا معاملہ بلاشبہ جائز اور درست ہے، کیونکہ اس طرح کے معاملہ کرنے کا تعامل لوگوں کے درمیان جاری ہوچکا ہے۔

مفتی سلمان منصور پوری لکھتے ہیں۔

کاروباری فریق بن کر اور بیع کے حقوق کی ذمہ داری لے کر اگر کوئی اسلامی مالیاتی ادارہ ایک شخص سے آرڈر حاصل کرلے اور پھر وہ آرڈر کسی دوسرے کے ذریعہ سے تیار کراکے مشتری کو مہیا کرائے تو اس کے لئے درمیانی نفع حاصل کرنا حلال ہے، کیوں کہ یہاں دو معاملے الگ الگ ہیں اور اسلامی مالیاتی ادارہ بذات خود فریق بن رہا ہے پس ان میں کوئی حرج نہیں، **يجوز فيما فيه تعامل لا فيما لا تعامل فيه** (ہندیہ ۴/۱۰۸)۔

بعض مقالہ نگاروں نے درمیانی فریق کو دلال کے حکم میں رکھا ہے، اور اجرت سمسار کے جواز پر عبارتیں پیش کی ہیں۔

مفتی عبداللہ کاوی والا لکھتے ہیں:

استصناع موازی یا متوازی کی صورت میں تین فریق میں مطلوبہ شرائط اور اوصاف اس طرح واضح کرلیں کہ جہالت نہ رہے اور مفضی الی النزاع نہ ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں، اس میں درمیانی فریق کی حیثیت دلال کی ہوگی اور منافع دلال کی حیثیت سے طے ہو جس پر آپس میں بائع ومشتری فریق اول اور فریق ثالث راضی ہوں تو درمیان فریق کا استثمار استعمال کرنا صحیح ہوگا (دیکھئے: مقالہ شاہ اکرام الحق)۔

مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صاحب نے بھی تیسرے فریق کو دلال کے حکم میں رکھا ہے، البتہ مولانا لکھتے ہیں کہ اسلامی مالیاتی ادارے دونوں طرف کے پیسے طے کرلینے کے بعد اگر قیمت میں فرق رکھتے ہیں تو یہ زائد رقم ان کا حق المحنت ہوگی اور مولانا موصوف نے دلال کی اجرت کے جواز پر شامی کی عبارت بھی نقل کی ہے:

وفي التاتارخانية: وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل، وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان فاسداً لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز فجوزوا الحاجة

الناس إليه (رد المحتار ۹ / ۸۷، مطلب فی أجرة الدلال)۔

دلال کی اجرت کے جواز پر بعض مقالہ نگاروں نے ان عبارتوں سے استدلال کیا ہے :

ومن ذلک أجرة السمسار والدلال، فإن الأصل فيه عدم الجواز لكنهم أجازوا الناس إليه كدخول الحمام على أن الذى يجوز من ذلک إنما هو أجر المثل۔

فإذا اتفق شخص مع دلال أو مع سمسار على أن يبيع له أرضا بمأة جنيه على أن يكون له قرشين فى كل جنيه مثلاً فإن ذلک لا ينفذ، وإنما الذى ينفذ هو أن يأخذ ذلک الدلال لأجر مثله فى هذه الحالة (الفقہ علی المذاہب الاربعہ، بحث ما تجوز إجارتہ وما لا تجوز ۳ / ۹۵)(شاہ اکرام الحق)۔

علامہ عینی حافظ ابن عبد البر کے حوالہ سے لکھتے ہیں :

وقال عبد الملک : أجرة السمسار محمولة على العرف يقل عن قوم، ويكثر عن قوم ولكن جوزت لما مضى من عمل الناس عليه على أنها مجهولة قال : ومثل ذلک أجرة الحجام (عمدۃ القاری ۱۸ / ۲۸۵)(شاہ اکرام الحق)۔

امام اوزاعی فرماتے ہیں: اس میں کرایہ اور خرچ شامل کرنے کے بعد اس کو فائدہ کے ساتھ فروخت کرے گا۔

وقال الأوزاعي : يرفع فيه كراؤه ونفقته ثم يبيعه بعد ذلک مرابحة (الاستذکار ۱۹ / ۲۷۷)(دیکھئے: مقالہ شاہ اکرام الحق)۔

بعض مقالہ نگاروں نے استصناع متوازی کی صورت کو ناجائز قرار دیا ہے، چنانچہ مفتی حبیب اللہ صاحب لکھتے ہیں :

استصناع کی اس شکل میں بوئے ربا پائی جاتی ہے، اس لئے اس شکل کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

مولانا شاہجہاں ندوی نے استصناع متوازی کی دو صورتیں ذکر کی ہیں: استصناع مربوط اور استصناع غیر مربوط۔

موصوف نے ان دونوں ہی دو صورتوں کو ناجائز قرار دیا ہے۔

مولانا شاہجہاں ندوی صاحب نے استصناع متوازی کی دو صورتیں ذکر کی ہیں اور پھر جواز وعدم جواز کے دلائل نقل کئے ہیں، ذیل میں ان کی جانب سے پیش کردہ دلیلوں کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے :

استصناع مربوط یہ ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارہ خریدار کو ہی ایجنٹ بنادے کہ وہ فلاں کمپنی سے فلاں تاریخ کو اپنے بیان کردہ اوصاف کے تحقق کا یقین کرکے تیار کردہ سامان پر قبضہ کرلے تو گویا خریدار نے مالیاتی ادارہ سے یہ کہا کہ تم فلاں سامان آرڈر پر تیار کرالو، میں وہ سامان تجھ سے ادھار زیادہ قیمت پر خرید لوں گا۔

موصوف لکھتے ہیں کہ یہ صورت درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہ صورۃً استصناع ہے نہ کہ حقیقتاً، مقصد محض دیئے ہوئے قرض پر اضافہ حاصل کرنا ہے، لہٰذا یہ حقیقت میں سود ہے، اور ایک عقد کے اندر دو عقد ہے جو کہ ممنوع ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں عقد استصناع باہم مربوط نہ ہوں بلکہ جدا جدا ہوں اور دونوں تیار کرکے یا کرا کے فروخت کرنے والے اپنے اپنے عقد کے ذمہ دار ہوں، اگر ایک فریق سامان تیار کرکے حوالہ نہ کرے پھر بھی دوسرا فریق سامان تیار کرکے فراہم کرے اور گاہک کو سامان حوالہ کرنے سے پہلے سامان کے سلسلہ میں ساری ذمہ داریاں عقد استصناع کے ذریعہ بیچنے والے مالیاتی ادارہ کی ہے۔

اس صورت کو بہت سے معاصر علماء جائز قرار دیتے ہیں اور اس کے جواز پر درج ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے :

۱- دونوں مستقل عقد ہیں اور عقد کو پورا کرنے کا اللہ تعالی نے حکم دیا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے :"یا أیھا الذین امنوا أوفوا بالعقود" (المائدہ:۱)۔

۲- "بلی من أوفی بعھدہ واتقی فإن اللہ یحب المتقین" (آل عمران:۷۶)۔

۳- استصناع موازی مربوط نہ ہونے کی وجہ سے سودی قرض کا ذریعہ بھی نہیں ہے۔

۴- استصناع موازی میں چونکہ سامان کی خرید وفروخت ہے، لہذا یہ قرض کی دستاویزات کی تکثیر کا ذریعہ بھی نہیں ہے۔

مولانا شاہجہاں ندوی نے استصناع متوازی غیر مربوط کی اس صورت کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔

موصوف نے عدم جواز پر درج ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے :

۱- استصناع متوازی غیر مربوط میں اگرچہ بظاہر ایک عقد دوسرے عقد کے ساتھ مشروط نہیں ہوتا ہے، بلکہ دونوں عقد الگ الگ ہوتے ہیں، لیکن وہ اسلامی معیشت کی روح اور مقصد کے برخلاف ہے، کیونکہ اسلامی اقتصاد کی بنیاد حقیقی اشیاء اور خدمات (Real Goods and Services) کی پیداوار کے ذریعہ نفع کمانے پر ہے، جبکہ مالیاتی ادارہ کا مقصد استصناع کے ذریعہ تمویل کرکے زائد رقم حاصل کرنا ہے، اصل مقصد آرڈر پر سامان تیار کرا کے فروخت کرنا نہیں، بلکہ قرض دے کر زائد رقم حاصل کرنا ہے، اس لئے کہ مالیاتی ادارہ کا مقصد تجارت کرنا نہیں ہے، بلکہ ادھار رقم پر زائد رقم حاصل کرنا ہے، جو کہ سود ہے اور سنگین جرم ہے، اللہ تعالی نے سود خور کو اعلان جنگ دیا ہے، اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے :"درھم ربا یأکلہ الرجل، وھو یعلم أشد من ستۃ وثلاثین زنیۃ" (مسند بزار حدیث نمبر:۳۳۸۱، مسند احمد ۲۱۹۵۷، اور اس کے مرفوع ہونے میں کلام ہے، اور کعب الاحبار کے قول کی حیثیت سے اس کی تصحیح کی گئی ہے)۔

۲- عقد استصناع صوری ہے نہ کہ حقیقی، اس لئے کہ مالیاتی ادارہ کا مقصد سامان تیار کرا کے فروخت کرنا نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد دئیے ہوئے قرض پر محض زائد رقم حاصل کرنا ہے۔

۳- دونوں عقد کا عدم ربط محض فرضی ہے، حقیقت میں دونوں مربوط ہیں، کیونکہ مالیاتی ادارہ کا مقصد تجارتی سرگرمی کے ذریعہ مال کمانا نہیں ہے۔

۴- فریقین کے ذہن میں ربط موجود رہتا ہے، چنانچہ بینک یا مالیاتی ادارہ استصناع کے ذریعہ اسی وقت مال تیار کراتے ہیں، جبکہ گاہک نے استصناع کے ذریعہ مال تیار کرانے کا اس سے معاہدہ کیا ہو، تجارت کے لئے سامان تیار کرانا اس کی سرگرمیوں میں شروع سے داخل نہیں۔

۵- مالیاتی ادارہ بحیثیت صانع میعادی ثمن کے بدلہ کسی گاہک کے ساتھ عقد استصناع کرتا ہے، پھر کسی کاریگر سے یا کسی ٹھیکہ دار سے بعینہ وہی سامان خریدنے کا استصناع کرتا ہے، تو گویا اسے جو زائد رقم حاصل ہوتی ہے وہ میعاد کے بدلہ ہے، حقیقی محنت کے بدلہ نہیں ہے، کیونکہ مارکیٹ ریٹ سے زائد پر نقد استصناع کا معاملہ کوئی گاہک اس کے ساتھ نہیں کرے گا۔

۶- عام طور سے اسلامی مالیاتی ادارے شرطوں کی پابندی نہیں کرتے ہیں، بلکہ خریدار کو ہی ایجنٹ بنا دیتے ہیں کہ وہ فلاں کمپنی

بجائے خود مستصنع کو فون کر دیا کہ فلاں جگہ تمہارے آرڈر کی چیز موجود ہے، اسے لے لو، تو یہ جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ ابھی وہ چیز بینک کے ضمان میں نہیں آئی تھی، لہٰذا اس پر بینک کو ملنے والا نفع اس کے لئے جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ آپ ﷺ نے اس طرح کے نفع سے منع فرمایا ہے: ''نھی رسول اللہ ﷺ عن ربح ما لم یضمن'' (مسند احمد، حدیث نمبر: ۶۶۲۸)، لایحل بیع ما لیس عندک و لا ربح ما لم یضمن (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۲۱۸۸)، ''و لا بیع ما لم یضمن'' (صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: ۴۳۲۱)۔

۲—اس صورت میں بینک سامان تیار کرنے والے کے ساتھ مشارکہ یا مضاربہ کا معاملہ بھی کر سکتا ہے، یعنی بینک صانع کو پیشگی رقم ثمن کے طور پر دینے کے بجائے مشارکہ یا مضاربہ کے طور پر دے اور جب سامان تیار ہو جائے تو اسے خرید کر اپنے مستصنع کے حوالہ کر دے، اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ مثلاً: ایک مکان بنوانا ہو تو اس کے میٹیریل کی قیمت بھی معلوم ہوتی ہے، تیار کرنے میں کتنی لاگت (کاسٹ) آئے گی وہ بھی معلوم ہوتی ہے اور تیار ہونے کے بعد اس کی قیمت چار سو روپے ہیں تو بینک مستصنع سے چار سو روپے میں اس کا معاملہ کرے گا، مشارکہ کی صورت میں صانع کو مکان بنانے کے لئے ایک سو روپے دے گا، مضاربہ کی صورت میں دو سو روپے دے گا اور مکان فروخت ہونے کے بعد آنے والے نفع (ایک سو روپے) کو دونوں آپس میں طے شدہ معاہدہ کے مطابق تقسیم کر لیں گے۔

۳—دو فریق کے درمیان بینک کے واسطہ بننے کی ایک شکل ''وکیل بالشراء'' کی بھی ہو سکتی ہے، یعنی بینک مستصنع (مشتری رموکل) کی طرف سے اس کی فرمائش کے مطابق صرف سامان خریدنے کا وکیل بنے اور سامان بنانے والے سے وہ سامان خرید کر اس کی اصل قیمت پر مشتری کو دے، اور اس سے اپنا حق الخدمت (اجرت رسروس چارج) وصول کرے۔ استصناع میں وکیل بالشراء کے ثبوت کے طور پر بعض لوگوں نے وہ حدیث پیش کی ہے، جس میں آپ ﷺ نے ممبر بنوانے کے لئے ایک شخص کو ایک خاتون کے پاس بھیجا تھا (دیکھئے: صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۴۴۸) گویا وہ شخص آپ ﷺ کے لئے استصناع میں واسطہ اور وکیل کی حیثیت رکھتے تھے۔

۴—اور بینک کے واسطہ بننے کی ایک شکل ''وکیل بالبیع'' کی ہو سکتی ہے، جس میں بینک مستصنع کے بجائے صانع کی طرف سے اس کی مصنوعات فروخت کرنے کا وکیل بنے، یہاں پر بھی وہ صانع (بائع رموکل) کی طرف سے اجرت کا مستحق ہوگا۔

مذکورہ تمام صورتیں چوں کہ فقہی اعتبار سے درست ہیں، لہٰذا بینک بطور استثمار ان کو استصناع میں استعمال کر سکتا ہے (نیز دیکھئے: مقالہ مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی، مولانا عبید اللہ ندوی)۔

مولانا محمد اقبال ٹنکاروی نے استصناع کی دو شکلیں ذکر کی ہیں:

۱—اسلامی بینک مرابحہ کی شکل اختیار کرتا ہے، جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ اسلامی بینک دوسرے ممالک سے آرڈر دہندہ کے آرڈر کے موافق سامان منگاتا ہے، یعنی خود رقم دے کر خریدتا ہے، پھر آرڈر دہندہ کے ہاتھ منافع لے کر فروخت کرتا ہے۔

۲—دوسری صورت اجارہ کی ہوتی ہے کہ کمپنی مطلوبہ سامان کی پوری قیمت ادا نہیں کر رہی ہے تو بقیہ قیمت بینک اپنی طرف سے ادا کرتی ہے، اور اپنی لگائی ہوئی قیمت کے بقدر مالک سے اس سامان کا کرایہ وصول کرتا ہے۔

مولانا نے دونوں شکلوں کو چند شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے، پہلی شکل کی تقریباً وہی شرائط ہیں جو اوپر گذر چکیں، دوسری شکل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ صانع کے ساتھ بینک کا عقد الگ ہو اور مستصنع کے ساتھ عقد اجارہ مستقل ہو اور دونوں میں سے کسی عقد کا دوسرے

بجائے خود مستصنع کو فون کر دیا کہ فلاں جگہ تمہارے آرڈر کی چیز موجود ہے، اسے لے لو، تو یہ جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ ابھی وہ چیز بینک کے ضمان میں نہیں آئی تھی، لہذا اس پر بینک کو ملنے والا نفع اس کے لئے جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ آپ ﷺ نے اس طرح کے نفع سے منع فرمایا ہے: "نهى رسول الله ﷺ عن ربح ما لم يضمن" (مسند احمد، حدیث نمبر: ۶۶۲۸)، "لا يحل بيع ما ليس عندك ولا ربح ما لم يضمن" (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۲۱۸۸)، "ولا بيع ما لم يضمن" (صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: ۴۳۲۱)۔

۲- اس صورت میں بینک سامان تیار کرنے والے کے ساتھ مشارکہ یا مضاربہ کا معاملہ بھی کر سکتا ہے، یعنی بینک صانع کو پیشگی رقم ثمن کے طور پر دینے کے بجائے مشارکہ یا مضاربہ کے طور پر دے اور جب سامان تیار ہو جائے تو اسے خرید کر اپنے مستصنع کے حوالہ کر دے، اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ مثلاً: ایک مکان بنوانا ہو تو اس کے میٹیریل کی قیمت بھی معلوم ہوتی ہے، تیار کرنے میں کتنی لاگت (کاسٹ) آئے گی وہ بھی معلوم ہوتی ہے اور تیار ہونے کے بعد اس کی قیمت چار سو روپے ہیں تو بینک مستصنع سے چار سو روپے میں اس کا معاملہ کرے گا، مشارکہ کی صورت میں صانع کو مکان بنانے کے لئے ایک سو روپے دے گا، مضاربہ کی صورت میں دو سو روپے دے گا اور مکان فروخت ہونے کے بعد آنے والے نفع (ایک سو روپے) کو دونوں آپس میں طے شدہ معاہدہ کے مطابق تقسیم کر لیں گے۔

۳- دو فریق کے درمیان بینک کے واسطہ بننے کی ایک شکل "وکیل بالشراء" کی بھی ہو سکتی ہے، یعنی بینک مستصنع (مشتری رموکل) کی طرف سے اس کی فرمائش کے مطابق صرف سامان خریدنے کا وکیل بنے اور سامان بنانے والے سے وہ سامان خرید کر اس کی اصل قیمت پر مشتری کو دے، اور اس سے اپنا حق الخدمت (اجرت رسروس چارج) وصول کرے۔ استصناع میں وکیل بالشراء کے ثبوت کے طور پر بعض لوگوں نے وہ حدیث پیش کی ہے، جس میں آپ ﷺ نے ممبر بنوانے کے لئے ایک شخص کو ایک خاتون کے پاس بھیجا تھا (دیکھئے: صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۴۴۸) گویا وہ شخص آپ ﷺ کے لئے استصناع میں واسطہ اور وکیل کی حیثیت رکھتے تھے۔

۴- اور بینک کے واسطہ بننے کی ایک شکل "وکیل بالبیع" کی ہو سکتی ہے، جس میں بینک مستصنع کے بجائے صانع کی طرف سے اس کی مصنوعات فروخت کرنے کا وکیل بنے، یہاں پر بھی وہ صانع (بائع رموکل) کی طرف سے اجرت کا مستحق ہوگا۔

مذکورہ تمام صورتیں چوں کہ فقہی اعتبار سے درست ہیں، لہذا بینک بطور استثمار ان کو استصناع میں استعمال کر سکتا ہے (نیز دیکھئے: مقالہ مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی، مولانا عبید اللہ ندوی)۔

مولانا محمد اقبال ٹنکاروی نے استصناع کی دو شکلیں ذکر کی ہیں:

۱- اسلامی بینک مرابحہ کی شکل اختیار کرتا ہے، جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ اسلامی بینک دوسرے مالک سے آرڈر دہندہ کے آرڈر کے موافق سامان منگاتا ہے، یعنی خود رقم دے کر خریدتا ہے، پھر آرڈر دہندہ کے ہاتھ منافع لے کر فروخت کرتا ہے۔

۲- دوسری صورت اجارہ کی ہوتی ہے کہ کمپنی مطلوبہ سامان کی پوری قیمت ادا نہیں کر رہی ہے تو بقیہ قیمت بینک اپنی طرف سے ادا کرتی ہے، اور اپنی لگائی ہوئی قیمت کے بقدر مالک سے اس سامان کا کرایہ وصول کرتا ہے۔

مولانا نے دونوں شکلوں کو چند شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے، پہلی شکل کی تقریباً وہی شرائط ہیں جو اوپر گذر چکیں، دوسری شکل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ صانع کے ساتھ بینک کا عقد الگ ہو اور مستصنع کے ساتھ عقد اجارہ مستقل ہو اور دونوں میں سے کسی عقد کا دوسرے

سے کوئی تعلق نہ ہو۔

سوال: ۶ — عقد استصناع میں بعض دفعہ صانع کو ایک مناسب رقم بطور بیعانہ کے دینی پڑتی ہے، اگر صانع (بائع) آرڈر کے مطابق مال تیار کردے، لیکن خریدار اس کو لینے سے مکر جائے تو بائع اس رقم کو ضبط کرسکتا ہے یا اس سے اپنے نقصان کی تلافی کرسکتا ہے؟ واضح ہو کہ عام طور پر ایسی صورتوں میں مطلوبہ ڈیزائن کے مطابق کثیر مقدار میں کسی چیز کی تیاری کا آرڈر دیا جاتا ہے، اگر خریدار بعد میں مکر جائے تو بائع کے لئے اس کو فروخت کرنا بہت دشوار ہوتا ہے؛ کیوں کہ ضروری نہیں کہ اس ڈیزائن یا معیار کی چیز مارکٹ میں دوسرے لوگوں کو بھی مطلوب ہو۔

چونکہ سوال مذکور بیع عربان کے مشابہ ہے اور بیع عربان کے جواز کے سلسلہ میں مقالہ نگاران حضرات کی آرا مختلف ہیں۔ اس مسئلہ سے متعلق، مختلف احادیث بھی ہیں اور پھر ائمہ کے اختلافات بھی ہیں، اس لئے فاضل مقالہ نگاروں نے تفصیل سے بیع عربان کی تعریف اور ائمہ کے اقوال اور معاصر علماء کے نقاط نظر ذکر کئے ہیں، ذیل میں مقالہ نگاران حضرات کی آرا، اور دلائل اختصار کے ساتھ نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

بیع عربان کی تعریف :

۱- قال أبو عبد الله : العربان أن يشتري الرجل دابة بمائة دينار فيعطيه دينارين عربونا فيقول : إن لم أشتر الدابة فالديناران لک. وقيل : يعني والله أعلم أن يشتري الرجل الشيئ فيدفع إلى البائع درهما أو أقل أو أكثر ويقول : إن أخذته وإلا فالدرهم لک (سنن ابن ماجہ ۱۵۹، باب العربان) (مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی)۔

۲- قال مالک : وذلک فيما نرى والله تعالى أعلم يشتري الرجل العبد أو الوليدة أو يتكارى الدابة ثم يقول للذي اشترى منه أو تكارى منه : أعطيت دينارا أو درهما أو أكثر ذلک أو أقل على أني أخذت السلعة أو ركبت ما تكاريت منک فالذي أعطيتک من ثمن السلعة أو من كراء الدابة، وإن تركت ابتياع السلعة أو كراء الدابة فما أعطيتک لک، باطل بغير شيئ (علاء السنن ۱۴/۱۶۶) (مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

۳- والعربون في البيع هو أن يشتري السلعة فيدفع إلى البائع درهما أو غيره على أنه إن أخذ السلعة احتسب به من الثمن وإن لم يأخذها فذلک للبائع، قال أحمد : لا بأس به وفعله عمر، وعن ابن عمر أنه أجازه، وقال ابن سيرين : لا بأس به، وقال سعيد بن المسيب وابن سيرين : لا بأس إذا كره السلعة أن يردها ويرد معها شيئا (المغنی ۴/۱۶۰) (مفتی شبیر احمد قاسمی، مفتی محمد شاہجہاں ندوی، مولانا محمد حذیفہ، شاہ اکرام الحق)۔

مولانا راشد حسین ندوی مفتی تقی عثمانی صاحب کے حوالہ سے لکھتے ہیں: بیع عربون یا عربان بیعانہ ہی کا دوسرا نام ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ رقم ایڈوانس دیدی جائے اور طے پائے کہ اگر معاملہ ہوگیا تو یہ رقم جزو ثمن بن جائے گی، ورنہ بائع اس کا مالک ہوجائے گا (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/ ۱۵۸—۱۵۹)۔

ائمہ کے اقوال :

بیع عربون یعنی بیعانہ ضبط کرنے کے مسئلہ میں ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی عدم وقوع بیع کی صورت میں اس بیعانہ روپے کے ضبط کے جواز کے قائل نہیں ہیں بلکہ ان کے نزدیک اس کی واپسی ضروری ہوگی، کیونکہ یہ روپے بائع کے پاس بغیر کسی عوض کے چلے گئے ہیں جن کا رکھنا بائع کے لئے جائز نہیں۔

اس کے برخلاف امام احمد کے نزدیک بیعانہ ضبط کرنا درست ہے (مولانا محمد ظفر عالم ندوی، مولانا نذیر احمد)۔

علامہ ابن رشد لکھتے ہیں:

ومن هذا الباب بيع العربان فجمهور علماء الأمصار على أنه غير جائز، وحكي عن قوم من التابعين أنهم أجازوه، منهم: مجاهد وابن سيرين ونافع بن الحارث وزيد بن أسلم... (بدایۃ المجتہد ۵/ ۸) (مولانا حذیفہ)۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری لکھتے ہیں:

يرد العربان إذا ترك العقد على كل حال بالاتفاق (بذل المجهود ۴/ ۲۸۷) (مولانا خورشید انور اعظمی)۔

جمہور فقہاء نے عدم جواز پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے: نهى رسول الله ﷺ عن بيع العربان (موطا امام مالک ۲/ ۶۰۹) (مولانا محمد ظفر عالم، مولانا راشد حسین، مولانا محمد حذیفہ، شاہ اکرام الحق، مفتی ابوحماد غلام رسول، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی نذیر احمد، مفتی محمد انور قاسمی، مفتی عابد الرحمن مظاہری)۔

بعض مقالہ نگاران نے جمہور کی جانب سے پیش کردہ حدیث: "نهى النبي ﷺ عن بيع العربان" کا محمل بھی متعین کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس کا تعلق عام بیع سے ہے جس میں نہ لینے سے بائع کا کوئی خاص نقصان نہیں ہوتا ہے، استصناع کا معاملہ الگ ہے، جس میں بائع اجیر رکھ کر آرڈر کے مطابق سامان تیار کراتا ہے (مفتی شاہجہاں ندوی، مفتی ابوبکر قاسمی)۔

اس کے برخلاف حنابلہ نے درج ذیل حدیث کی بنیاد پر بیع عربان کو جائز قرار دیا ہے:

عن زيد بن أسلم أن النبي ﷺ أحل العربان في البيع (المصنف لابن ابی شیبہ ۱۱/ ۶۷) (مفتی شبیر احمد، مولانا محمد ظفر عالم، مولانا روح الامین، مفتی عابد الرحمن مظاہری)۔ البتہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہے۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں: حديث مرسل وفي إسناده إبراهيم بن أبي يحيى وهو ضعيف (نیل الاوطار ۵/ ۱۰۲، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۳۴۳۵) (مولانا محمد ظفر عالم ندوی)۔

آثار صحابہ:

عن نافع بن عبد الحارث أنه اشترى دار السجن من صفوان بن أمية بأربعة آلاف درهم فإن رضي عمر فالبيع له وإن لم يرض فأربع مائة لصفوان (المصنف لابن ابی شیبہ ۱۱/ ۶۷، موسوعۃ فقہ عمر: ۶۴۸) (مفتی شبیر احمد، مفتی شاہجہاں ندوی، شاہ اکرام الحق، مولانا روح الامین، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی آصف یاسین)۔

بخاری نے ترجمۃ الابواب میں اس روایت کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

واشترى نافع بن عبد الحارث دارا للسجن بمكة من صفوان بن أمية على إن عمر رضي بالبيع فالبيع بيعه، وإن لم يرض عمر فلصفوان أربع مائة دينار (بخاری شریف ۱/ ۳۲۷) (مفتی شبیر احمد)۔

بعض مقالہ نگاروں نے حضرت عمر کے اس اثر کا جواب بھی دیا ہے کہ اس اثر میں کافی اختلاف ہے کہ اصل قیمت کیا تھی، اور جو رقم دی گئی تھی وہ جزء ثمن تھی یا کل ثمن وغیرہ (فتح الباری ۵/۵۷)(مقالہ مفتی آصف یاسین پالنپوری)۔

آثار تابعین :

۱ — عن سعيد بن المسيب قال : لا عربون في ودك، ولا علف، ولا طعام، والعربون في غيرهن (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۲۰۵۷)(مولانا روح الامین)۔

۲ — عن مجاهد كان لا يرى بالعربون بأسا (حوالہ سابق)(مولانا روح الامین)۔

۳ — امام محمد بن سیرین سے مروی ہے : قال رجل لكريه : ارحل ركابك فإن لم أرحل معك يوم كذا وكذا فلك مائة درهم، فلم يخرج فقال شريح : من شرط على نفسه طائعا غير مكره، فهو عليه (صحیح البخاری ۲/۱۹۸)(مولانا شاہجہاں ندوی)۔

مولانا شاہجہاں ندوی نے اس واقعہ کو ذکر کیا ہے :

۴ — ابن سیرین کہتے ہیں : ایک شخص نے غلہ بیچا اور خریدار نے اس سے کہا : إن لم آتك الأربعاء فليس بيني وبينك بيع فلم يجيء فقال شريح للمشتري : أنت أخلفت فقضى عليه (صحیح البخاری ۲/۱۹۸)(مفتی شاہجہاں ندوی)۔

علامہ عینی اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

وهذا الشرط جائز أيضا عند شريح، لأنه قال للمشتري عند التحاكم إليه : أنت أخلفت الميعاد فقضى عليه برفع البيع وهذا أيضا مذهب أبي حنيفة وأحمد وإسحاق (عمدۃ القاری ۹/۱۵۴-۱۵۵)(مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی) کے نزدیک بیعانہ کی رقم ضبط کرنا جائز نہیں ہے، اس کی وجہ بھی بعض مقالہ نگاروں نے لکھی ہے۔

علامہ ابن رشد مالکی فرماتے ہیں :

وإنما صار الجمهور إلى منعه، لأنه من باب الغرر والمخاطرة وأكل مال بغير عوض (بدایۃ المجتہد ۲/۵)(مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا محمد حذیفہ، مفتی محمد انور قاسمی)۔

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں :

نهى عن العربان أن يقدم إليه شيئ من الثمن، فإن اشترى حسب عن الثمن وإلا فهو له مجانا وفيه معنى الميسرة (حجۃ اللہ البالغہ ۲/۱۰۰)(مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی مجتبی حسن قاسمی، مفتی عابد الرحمن مظاہری)۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری فرماتے ہیں :

وقد اختلف الناس في جوازه فأبطله مالك والشافعي للخبر ولما فيه من الشرط الفاسد والغرر ويدخل ذلك في أكل المال بالباطل وأبطله أصحاب الرأي أيضا (بذل المجہود ۴/۲۸۶)(مولانا محمد حذیفہ)۔

مولانا راشد صاحب مولانا تقی عثمانی صاحب کے حوالہ سے لکھتے ہیں :

دلائل کے اعتبار سے جمہور کا مسلک راجح اور حنابلہ کا مسلک کمزور ہے، لیکن ان کے اختلاف سے مسئلہ مجتہد فیہ ہو چکا ہے، لہذا اجتماعی اجتہاد کے ذریعہ ضرورت کے پیش نظر ان کا مسلک اختیار کیا جا سکتا ہے (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/۱۵۸–۱۶۲)۔

ارباب افتاء کے فتاوے :

مولانا راشد صاحب مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کی کتاب کا ایک طویل اقتباس نقل کیا ہے، جس میں ائمہ کے اختلافات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ان تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ یہ ایک عقد لازم ہے، خریدار کا لینے سے انکار کرنا صحیح نہیں ہے، اسے سامان لے کر بقیہ رقم حسب شرط ادا کرنی چاہئے، لیکن بہر حال اگر کوئی خریدار قانونی اور شرعی دباؤ ڈالنے کے باوجود لینے پر تیار نہیں ہے، تو بیعانہ یا ایڈوانس رقم جمہور کے نزدیک ضبط نہیں کی جا سکتی، تمام اصحاب فتاوی اس پر متفق ہیں۔ فتاوی رحیمیہ (۹/ ۲۶۴)، احسن الفتاوی (۶/ ۵۰۱)، کفایت المفتی (۸/ ۴۳) (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/ ۱۵۸–۱۵۹)۔

مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں :

اصل یہ ہے کہ بیع کا معاملہ شرعاً بھی مکمل ہو چکا ہے، اب مشتری کو بدون رضا بیع کی واپسی کا کوئی اختیار نہیں ہے، بائع اس کو زرِ ثمن ادا کرنے اور مبیع پر قبضہ کرنے کے لئے مجبور کیا جا سکتا ہے، شرعی ضابطہ تو یہی ہے اور جہاں تک معلوم ہے موجودہ حکومت کا قانون یہی ہے کہ تکمیل معاہدہ کا دعوی اس پر ہو سکتا ہے، اس لئے بائع کو حق حاصل ہے کہ دعوی کر کے اس کو تکمیل معاہدہ پر مجبور کرے، اس صورت میں زر بیعانہ کی واپسی اور اس سے بائع کے ضرر کا سوال نہیں رہتا اور اگر کسی وجہ سے بائع دعوی نہیں کرتا تو زر بیعانہ کی واپسی لازم ہے اور اس سے جو ضرر بائع کو لازم آتا ہے اس کا وہ خود ذمہ دار ہے کہ دعوی کیوں نہیں کرتا۔ زر بیعانہ کی واپسی کا لازم وضروری ہونے کی دلیل یہ ہے کہ شریعت میں تعزیر مالی جائز نہیں، رد المحتار باب التعزیر میں جمہور کا اس پر اتفاق منقول ہے (فتاوی دار العلوم، امداد المفتین ۲/ ۷۰۰) (مفتی اقبال احمد قاسمی)۔

اس تفصیل کے بعد اب ہم فاضل مقالہ نگاران کے اقوال وآراء ذکر کر رہے ہیں :

فاضل مقالہ نگاران کی آراء :

سوال کے اس شق پر تو تقریباً تمام مقالہ نگاران متفق ہیں کہ مستصنع کو شئ مصنوع کا لینا ضروری ہے، بعض مقالہ نگاروں نے نہ لینے پر صانع کو عدالتی چارہ جوئی کا حق دیا ہے، لیکن اگر عدالتی چارہ جوئی کے باوجود مستصنع نہ لے تو پھر کیا کیا جائے گا؟ اس سلسلہ میں بعض مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ زر بیعانہ واپس کرنا ہوگا، جبکہ بعض مقالہ نگاروں نے زر بیعانہ سے نقصان کی تلافی کی اجازت دی ہے۔

پہلی شق پر اکثر مقالہ نگاروں نے مجلۃ الاحکام العدلیہ کی اس عبارت سے استدلال کیا ہے :

إذا انعقد الاستصناع فليس لأحد العاقدين الرجوع، وإذا لم يكن المصنوع على الأوصاف المطلوبة المبينة كان المستصنع مخيرا (مجلۃ الاحکام العدلیہ ۳۹۲) (مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مولانا راشد حسین، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی عارف باللہ، مولانا محمد اسجد قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد فاروق)۔

مفتی عارف باللہ علامہ ابن مازہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں :

أنه يجبر كل واحد منهما، أما الصانع فلأنه ضمن العمل فيجبر عليه، وأما المستصنع فلأنه لو لم يجبر على القبول يتضرر به الصانع، لأنه عسى لا يشتريه غيره منه أصلاً أو لا يشتري بذلك القدر من الثمن فيجبر على القبول دفعا للضرر عن البائع (بحوث فقہیہ فی قضایا اقتصادیہ معاصرہ ۱/۲۲۲) (مفتی عارف باللہ)۔

لیکن اگر مجبور کرنے کے بعد بھی نہ لے تو کیا بیعانہ کی رقم ضبط کرنا درست ہوگا؟

اس سلسلہ میں مقالہ نگاران کی آرا مختلف ہیں جو درج ذیل ہیں:

مولانا زبیر احمد صاحب لکھتے ہیں:

صانع جب مبیع کو آرڈر کے مطابق تیار کر کے لایا تو اب مشتری پر لینا اور اس کی قیمت ادا کرنا واجب اور ضروری ہوگا انکار قطعاً درست نہیں، لیکن آرڈر کے مطابق مبیع تیار ہونے کے باوجود بیعانہ کی رقم کو ضبط کر کے اس نقصان کی تلافی کرنا درست نہیں ہوگا، کیونکہ یہ بیع عربان کی صورت ہے جس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔

مولانا موصوف نے درج ذیل عبارت سے استدلال کیا ہے:

وإن لم يشتر السلعة لم يستحق البائع الدرهم، لأنه يأخذه بغير عوض، ولصاحبه الرجوع فيه (الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۹۵) (نیز دیکھئے مقالہ مولانا راشد حسین صاحب)۔

مولانا بدر احمد مجیبی صاحب کی رائے یہ ہے کہ اگر مشتری کے آرڈر کے مطابق سامان تیار نہیں ہوا ہے تو اس صورت میں مشتری کو خیار فسخ حاصل ہوگا اور اگر مشتری کے آرڈر کے مطابق تیار ہوا ہے تو اس صورت میں مصنوع عقد استصناع کے بعد بائع کی ملکیت نہیں رہا وہ مشتری کی ملکیت ہے، لہذا مشتری کو لینے پر عدالت کے ذریعہ مجبور کیا جائے گا، لیکن بائع بیعانہ ضبط نہیں کرسکتا ہے۔

مولانا کلیم اللہ عمری صاحب کی رائے یہ ہے کہ مال مطلوبہ اوصاف کے مطابق نہ ہونے کی صورت میں ایڈوانس کی رقم کی حیثیت امانت کی ہوگی، اس رقم پر بائع کا قبضہ صحیح نہیں ہوگا، مبیع کو بیچنے کے بعد اس رقم کی ادائیگی درست ہوگی۔

جبکہ بعض مقالہ نگار حضرات نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر صانع نے مطلوبہ صفت کے مطابق شیٔ مصنوع تیار نہیں کیا ہے تو مستصنع کو خیار فسخ حاصل ہوگا، اور اس صورت میں زر بیعانہ ضبط کرنا جائز نہ ہوگا، لیکن اگر مطلوبہ صفت کے مطابق ہے، پھر صانع لینے سے مکر جائے تو اس صورت میں بیعانہ ضبط کر کے نقصان کی تلافی کی جاسکتی ہے، البتہ اس میں بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس کے لئے عدالتی چارہ جوئی اور قضاء قاضی ضروری ہے۔

مفتی عبد اللہ کاوی والا لکھتے ہیں:

خریدار کی شرائط مطلوبہ کے مطابق صانع نے تیار کیا ہو اور پھر خریدار مکر جائے تو صانع اپنے نقصان کی تلافی کی مقدار ضبط کرسکتا ہے اور اگر مطلوبہ شرائط کے خلاف صانع نے تیار کیا ہے تو خیار رؤیت کی بنا پر اس عقد کو فسخ کرسکتا ہے، ایسی صورت میں صانع رقم ضبط نہیں کرسکتا۔

قاضی عبد الجلیل صاحب لکھتے ہیں کہ حاکم کی اجازت سے تیار شدہ مال فروخت کرے گا اور اس میں جو نقصان ہوگا خریدار کی دی ہوئی

رقم سے اس کی تلافی کر سکے گا۔

بعض مقالہ نگاران نے ابتداء عقد میں ہی اس طرح کی شرط لگانے کی تجویز ذکر کی ہے۔

مولانا شاہجہاں ندوی لکھتے ہیں:

بائع نے اگر یہ شرط لگائی تھی کہ آرڈر کے مطابق مال تیار کردینے کی صورت میں اگر تم لینے سے مکر گئے تو میں بیعانہ کی رقم سے نقصان کی تلافی کروں گا تو اس صورت میں فروخت کنندہ نقصان کے بقدر بیعانہ کی رقم لے سکتا ہے، لیکن زائد رقم اسے لوٹانی ہوگی۔

علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

وإن کان شرطاً لا یقتضیہ العقد، وفیہ عرف ظاہر فذلک جائز أیضاً کما لو اشتری نعلاً وشراکا بشرط أن یحذوہ البائع، لأن الثابت بالعرف ثابت بدلیل شرعی، ولأن في النزوع عن العادۃ الظاہرۃ حرجاً بیناً (المبسوط ۱۳/ ۱۴)۔

مفتی اقبال احمد قاسمی لکھتے ہیں:

بیعانہ لیتے وقت پیشگی یہ بات طے کرلی جائے کہ مطلوبہ شیئ معیار کے مطابق ہونے کے باوجود اگر مال رد کردیا گیا تو بیعانہ سوخت ہوجائے گا، اس شرط کے لگانے یا معہود ومعروف ہونے کے بعد ہی بیعانہ ضبط کرنے کی گنجائش ہوگی (دیکھئے مقالہ مفتی انور علی)۔

صانع کو نقصان نہ ہو، اس لئے وہ بیعانہ ضبط کرکے اپنے نقصان کی تلافی کرسکتا ہے (مولانا محمد اقبال ٹنکاروی)۔

مولانا محمد ظفر عالم لکھتے ہیں:

بیعانہ ضبط کرنے کا مسئلہ مجتہد فیہ ہے، جس میں توسع اختیار کیا جاسکتا ہے، عرف عام اور تعامل ناس کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسی صورت میں امام احمد کے قول کو اختیار کرتے ہوئے اگر بیعانہ ضبط کرنے کی شرط لگادی جائے تو اس کا رکھنا جائز اور درست معلوم ہوتا ہے (مولانا محمد ظفر عالم)۔

اس کے برخلاف بعض مقالہ نگاران نے بیعانہ کے سوخت کرنے کی اجازت دی ہے۔

مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی لکھتے ہیں:

موجودہ کاروباری حالات اور حدیث نبوی: "والنصح لکل مسلم... الخ" کا تقاضا ہے کہ زر بیعانہ کی سوخت اور ضبطی ہی نہیں بلکہ حتی الامکان ایک خسارہ زدہ مسلمان کی خیرخواہی اور اس کے دفع ضرر اور تلافی نقصان کی خاطر حضرت امام احمد بن حنبل کی رائے پر فتوی دیا جائے۔

مفتی شبیر احمد شاہی مرادآباد صورت مسئولہ کے جواب میں لکھتے ہیں:

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کی رائے بھی یہی ہے کہ تعامل ناس اور ضرورت کی بناء پر "عربون" (بیعانہ) کی رقم امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے ضبط کی گنجائش ہے اور جہاں ضرورت نہ ہو وہاں جمہور کے قول پر عمل کیا جائے گا؛ اسی لئے احقر کی رائے بھی یہی ہے کہ تعامل ناس کی وجہ سے عقد استصناع میں عربون (بیعانہ) کی رقم خریدار کے مبیع کو رد کرنے کی صورت میں ضبط کرنے کی گنجائش ہوگی۔ حنفی مسلک کے علماء سے گزارش ہے کہ مسئلہ کے اسی نقطہ پر غور فرمائیں، اگر سارے علماء ایک بات پر متفق ہوجاتے ہیں تو بہتر

ہوگا؛لہذا ایسی صورت میں آرڈر دے کر فلیٹ اور مکان بنوانے میں یا چھوٹی چیزیں بھاری تعداد میں بنوانے کی صورت میں عربون (بیعانہ) کا مسئلہ انتہائی قابل غور ہے(مستفاد از اسلام اور جدید معاشی مسائل ۱۹۱/۴ – ۱۹۲) ۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام صاحب کی رائے یہ ہے کہ اگر مستصنع اضطراری حالت کے باعث انکار کر رہا ہے تو بیعانہ کی رقم واپس کر دینی چاہئے ورنہ بیع عربون کے تحت سوخت ہو جانی چاہئے ۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی لکھتے ہیں :

صانع اس رقم میں سے اتنی ضبط کر سکتا ہے جتنے میں اپنے نقصان کی تلافی کر سکے(مولانا عبد القیوم پالنپوری) ۔

بعض مقالہ نگاران نے یہ اضافہ کیا ہے کہ بائع نے جس قدر سامان کی قیمت وصول کی ہے، وہ سامان مشتری کو کسی بھی طرح پہنچادے، اس لئے کہ تیار شدہ سامان بھی اس کے پاس رہے اور وصول شدہ رقم بھی تو یہ جائز نہ ہوگا(مفتی سلمان منصور پوری، مفتی نذیر احمد) ۔

چونکہ جمہور فقہاء کے نزدیک بیعانہ سوخت کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے بعض مقالہ نگاران نے صانع کو نقصان سے بچانے کے لئے درج ذیل تجاویز ذکر کی ہیں :

دشواری کا حل :

مفتی راشد حسین صاحب لکھتے ہیں :

جہاں تک اس دشواری کا تعلق ہے جس کا ذکر سوال میں کیا گیا ہے تو وہ ایک حقیقت ہے، فقہاء نے اس کے دو حل تجویز کئے ہیں :

۱ — مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی اس دشواری کا حل تجویز کرتے ہوئے فرماتے ہیں : جو سامان آرڈر پر بنا کر فروخت کئے جاتے ہیں اگر ان کا آرڈر دیا گیا، اور جو نمونہ دکھایا گیا تھا اسی کے مطابق سامان تیار کیا گیا، تو بعد میں خریدار کا اس سے انکار کر جانا درست نہیں، کیونکہ خرید و فروخت کا معاملہ مکمل ہو چکا ہے، لہذا اس پر اس سامان کا لینا اور قیمت ادا کرنا واجب ہے، تاہم اگر وہ اس کے لئے تیار نہ ہو، اور شرعی و قانونی حدود میں رہتے ہوئے اس پر دباؤ اثر انداز بھی نہ ہو تو ایسا کیا جا سکتا ہے کہ اس کی رقم ضمانت میں بازار کے عام نرخ کے مطابق اس سامان کی جو مقدار مل سکتی ہو، وہ اسے دے دیجائے، اور باقی کو کسی اور سے فروخت کرنے کی کوشش کی جائے (کتاب الفتاوی ۵/ ۲۱۲) (مقالہ : مولانا محمد حذیفہ، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مفتی مجتبی حسن قاسمی، مفتی محمد روح اللہ قاسمی) ۔

۲ — دوسرا حل یہ ہے کہ تیار شدہ سامان کا مالک مستصنع یا مشتری ہے، اور صانع کی رقم اس کے پاس پھنسی ہوئی ہے، لہذا صانع مسئلۃ الظفر سے فائدہ اٹھائے، یعنی اپنی رقم حاصل کرنے کے لئے مشتری کے اس سامان کو بیچ دے اور اگر گھاٹا ہو رہا ہو تو بیعانہ کی رقم سے گھاٹا پورے کر لے، لیکن خیال رہے کہ اگر سامان فروخت کرنے ہی سے پوری رقم حاصل ہو رہی ہو تو بیعانہ نہیں روک سکتا، یہ بات ذہن میں رہے کہ احناف کے نزدیک مسئلۃ الظفر میں اپنے حق کی جنس کے علاوہ سے حق وصول کرنا ناجائز ہے، شوافع کے نزدیک جائز ہے، متاخرین احناف نے امام شافعی کا قول اختیار کر لیا ہے جیسا کہ علامہ شامی نے تصریح کی ہے "لیس لذی الحق أن یأخذ غیر جنس حقه و جوزه الشافعی و هو الأوسع (قوله و جوزه الشافعی) قدمنا فی کتاب الحجر أن عدم الجواز کان فی زمانهم، أما الیوم فالفتوی علی الجواز)" (شامی ۵/ ۳۰۰ کتاب الحظر والاباحۃ تفصیلی بحث کے لئے دیکھئے : اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/ ۷۷ – ۷۸) ۔

اسی حل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صاحب احسن الفتاوی فرماتے ہیں : ''بائع مشتری کی اجازت سے مبیع کو دوسری جگہ فروخت کردے، اگر پہلی قیمت سے کم پر فروخت ہوئی تو یہ نقصان بیعانہ سے وصول کرے اور زیادہ قیمت مل گئی تو زیادتی مشتری اول کو واپس کرے'' (احسن الفتاوی ۶/ ۵۰۱)۔

میرے خیال سے جب مسئلۃ الظفر سے فائدہ اٹھانے کی نوبت آگئی ہو تو مشتری کی اجازت کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی (دیکھئے: مقالہ مولانا راشد حسین ندوی)۔

۳۔ بیعانہ کی رقم روک کر اس کے بقدر سامان مشتری کو دیدیا جائے یا مسئلۃ الظفر سے فائدہ اٹھا کر سامان کسی اور کے ہاتھ فروخت کردیا جائے اور اگر کچھ کم کا بکے تو بیعانہ کی رقم سے اس کو پورا کرلے، زائد رقم مستصنع کو لوٹادے، البتہ اگر امام احمد کا مسلک اختیار کرلیا جائے تو اس میں بیعانہ کی رقم ضبط کرنے کی گنجائش موجود ہے۔

ذیل میں اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ اور بعض معاصر عرب علماء کی آراء ذکر کی جاتی ہیں :

اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ کا فیصلہ :

مجمع الفقہ الاسلامی کے آٹھویں سمینار منعقدہ برونائی میں اس موضوع سے متعلق درج ذیل تجاویز پاس ہوئیں :

۱—إن عقد الاستصناع هو عقد وارد على العمل والعين في الذمة ملزم للطرفين إذا توفرت فيه الأركان والشروط۔

۲—يجوز بيع العربون إذا قيدت فترة الانتظار بزمن محدود، ويحتسب العربون جزئا من الثمن إذا تم الشراء، ويكون من حق البائع إذا عدل المشتري عن الشراء (فقہ المعاملات المالیۃ المقارن ص: ۶۵) (شاہ اکرام الحق، مولانا محمد حذیفہ، مفتی عابد الرحمن مظاہری)۔

مفتی محمد انور قاسمی نے نقصان کی تلافی کے درست ہونے پر المعیار الشرعی کی درج ذیل عبارت کو تائید میں پیش کیا ہے: يجوز النص في عقد الاستصناع على توكيل المستصنع للصانع ببيعه إذا تأخر المستصنع عن تسلمه مدة معينة، فيبيعه على حساب المستصنع، ويرد الزيادة إليه إن وجدت، أو يرجع عليه بالنقص إن وجد وتكون تكلفة البيع على المستصنع (المعیار الشرعی رقم ۱۱، الاستصناع والاستصناع الموازی، ۲۱۲، ہیئۃ المحاسبۃ والمراجعۃ للمؤسسات المالیۃ الإسلامیۃ)۔

عرب علماء کی آراء :

دکتور وہبہ زحیلی لکھتے ہیں :

وبيع العربون ... اختلف العلماء فيه فقال الجمهور : أنه بيع ممنوع غير صحيح فاسد عند الحنفية، باطل عند غيرهم... وقال أحمد بن حنبل : لا بأس به، وفي تقديري أنه يصح ويحل بيع العربون وأخذه عملاً بالعرف، لأن الأحاديث الواردة في شأنه عند الفريقين لا تصح وهذا قرار مجمع الفقه الاسلامي في دورته الثامنة في بروني في غرة المحرم (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۲۱۹—۲۲۰) (مولانا محمد حذیفہ، مولانا محمد ظفر عالم، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی ابوبکر قاسمی)۔

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں :

فهو أى التغريم جائز أيضاً و داخل تحت مفهوم ما يسمى قانونا بالشرط الجزائي وقد أقره القاضي شريح, و أيده قرار هيئة كبار العلماء في السعودية ١٣٩٤ه قال شريح :من شرط على نفسه طائعاً غير مكره فهو عليه(الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۳۶۵۸) (مفتی اقبال احمد قاسمی)۔

شیخ احمد مصطفی زرقا لکھتے ہیں :

و من المعلوم أن طريقة العربون هي وثيقة الارتباط العامة في التعامل التجاري في العصور الحديثة و تعتمدها قوانين التجارة و عرفها, و هي أساس لطريقة التعهد بتعويض ضرر الغير عن التعطل و الانتظار (المدخل الفقہی العام ۱/ ۴۹۵فقرہ: ۲۳۴)(مولانا محمد ظفر عالم ندوی)۔

مولانا محمد فاروق نے درج ذیل عبارت تائید میں پیش کی ہے :

فإذا امتنع رب العمل دون سبب مشروع عن التسليم رغم دعوته إلى ذلك بإنذار رسمي اعتبر أن العمل قد سلم إليه (إلى قوله) ويترتب على هذا التسلم الحكمي جميع النتائج التي تترتب على التسلم الحقيقي فتنتقل ملكية الشيئ المصنوع إلى رب العمل و يستحق دفع الأجر (الوسیط فی شرح القانون المدنی ۷/ ۵۳)۔

مولانا تھانوی کا بیعانہ کی ضبطی سے متعلق ایک فتوی :

مولانا تھانوی استصناع کے ایک مسئلہ کے تحت بیعانہ ضبط کرنے کے استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں :

یہ معاملہ وعدہ نہیں بیع ہے، تو بنوانے والا لینے سے انکار نہیں کرسکتا اور انکار کی صورت میں صانع زرِ ثمن رکھ سکتا ہے (امداد الفتاوی ۳/ ۱۴۱)(مفتی اقبال احمد، مولانا محمد حذیفہ)۔

حضرت مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں :

''چونکہ معاملہ مجتہد فیہ ہے، اس لئے عربون کو بالکلیہ باطل نہیں کہہ سکتے اور بسا اوقات اس قسم کے معاملہ کی ضرورت پیش آتی ہے، بالخصوص ہمارے زمانے میں جہاں ایک ملک سے دوسرے ملک بین الاقوامی تجارت ہوتی ہے، وہاں یدا بید معاملہ نہیں ہوتا اور نہ ہوسکتا ہے اور اگر کوئی شخص دوسرے سے معاملہ کرلے کہ میں تم سے سامان منگوا رہا ہوں، بائع نے اس کے لئے سامان اکٹھا کیا سب کچھ کیا، لاکھوں روپے خرچ کئے بعد میں وہ مکر جائے کہ میں بیع نہیں کرتا، تو اس صورت میں بائع کا بڑا سخت نقصان ہوتا ہے، ایسی صورت میں بائع اگر عربون کی شرط لگالے تاکہ مشتری پابند ہوجائے، تو اس کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ اس صورت میں امام احمد بن حنبلؒ کے قول پر عمل کیا جائے، باقی جہاں ضرورت نہ ہو ویسے ہی لوگوں نے پیسے کمانے کا ذریعہ بنالیا، تو وہ جائز نہیں'' (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/ ۱۶۱—۱۶۲)(مفتی سلمان پالنپوری)۔

بعض مقالہ نگاروں نے فقہ المعاملات المالیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جمہور اور حنابلہ کے قول کو کس طرح جمع کیا جائے :

و في الجمع بين القولين :يعمل بقول جمهور الفقهاء عند عدم وجود الضرر على البائع و المشتري ويعمل بقول فقهاء الحنابلة عند وجود ضرر لأحد المتعاقدين (فقہ المعاملات المالیہ: ۱۵)(مفتی عابد الرحمن مظاہری)۔

سوال: ۷— اگر کسی چیز کا آرڈر دیا جائے اور مصنوع کے لئے موجودہ میٹریل خود خریدار فراہم کر دے تو یہ" عقد "استصناع کے حکم میں ہوگا یا اجارہ کے؟ عقد استصناع میں اگر آرڈر کے مطابق چیز نہ پائی جائے تو خریدار کو رد کرنے کا اختیار ہوتا ہے، کیا اس صورت میں بھی آرڈر دینے والے کو اس کا حق حاصل ہوگا؟ اور اگر آرڈر دینے والے کو اس کا قبول کرنا ضروری ہو تو مکمل طور پر آرڈر کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے جو نقصان ہوا ہے، کیا وہ صانع سے اس کا جرمانہ وصول کر سکتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام مقالہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ مذکورہ صورت اجارہ کی ہے اور اس میں عقد اجارہ کے احکام جاری ہوں گے، البتہ اگر آرڈر کے مطابق چیز نہ پائی جائے تو خریدار کو رد کرنے کا اختیار حاصل ہوگا یا نہیں، اور اس سے جرمانہ وصول کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس ذیل میں مقالہ نگاروں نے مختلف پہلوؤں کو سامنے رکھ کر گفتگو کی ہے۔ ذیل میں فاضل مقالہ نگاران کی آراء ودلائل ذکر کی جاتی ہیں:

اجارہ ہونے سے متعلق تقریباً تمام مقالہ نگار مجموعی طور پر متفق ہیں، اس لئے چند عبارتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے

والاستصناع أن يكون العين والعمل من الصانع، فأما إذا كان العين من المستصنع لا من الصانع يكون اجارة ولا يكون استصناعاً (تاتارخانیہ ۱۵/۲۴۷، رقم: ۲۲۲۲۲) (مفتی شبیر احمد)۔

شرح المجلہ میں ہے:

وشرطه أن يكون العين والعمل من الصانع، فإن كانت العين من المستصنع كان العقد إجارة (شرح مجلہ ۲۵۰) (مفتی شبیر احمد، مولانا محمد حذیفہ)۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام صاحب ڈاکٹر مصطفی احمد زرقا کے حوالے سے لکھتے ہیں: وكذلك يخرج عنه الاستئجار على الصنعة حيث يقدم المستصنع المواد اللازمة من عنده، ليقوم الصانع بصنعها وفقا للمطلوب فهذا استئجار وليس استصناعا (عقد الاستصناع ومدى أهميته في الاستثمارات الإسلامية المعاصرة: ۲۲)۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

"استصناع میں تیار کنندہ خود اپنے خام مال سے چیز تیار کرنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے، لہذا یہ معاہدہ اس بات کو بھی شامل ہوتا ہے کہ اگر خام مواد تیار کنندہ کے پاس موجود نہیں ہے تو وہ اسے مہیا کرے اور اس بات کو بھی کہ مطلوبہ چیز کی تیاری کے لئے کام کرے۔ اگر خام مواد گاہک کی طرف سے مہیا کیا گیا ہے اور تیار کنندہ سے صرف اس کی محنت اور مہارت مطلوب ہے تو یہ معاہدہ استصناع نہیں ہوگا، اس صورت میں یہ اجارہ کا عقد ہوگا، جس کے ذریعہ کسی شخص کی خدمات ایک متعین معاوضے کے بدلے میں حاصل کی جاتی ہے (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/۱۵۵، ط: فیصل بکڈپو دیوبند) (مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مولانا راشد حسین ندوی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی عبد الرحیم قاسمی)۔

مولانا اختر امام عادل لکھتے ہیں:

اس پر اجارہ کے احکام جاری ہوں گے، یعنی یہ عقد لازم ہوگا، اگر سامان آرڈر کے مطابق ہے تو اس کو قبول کرنا لازم ہوگا، اور اسے کوئی خیار حاصل نہ ہوگا اور اگر آرڈر کے مطابق نہیں ہے تو اس کو اختیار ہوگا، چاہے تو وہی تیار شدہ مال مقررہ قیمت پر قبول کرے یا پھر کاریگر سے اپنے سامان کا ضمان وصول کرے، پھر اس کے بعد سامان کا مالک کاریگر ہو جائے گا۔

اور اگر کچھ مال آرڈر دہندہ کی جانب سے ہو اور کچھ صانع کی جانب سے تو پھر کس کا اعتبار ہوگا؟

تو اس سلسلہ میں مفتی اقبال احمد قاسمی بحر العلوم مولانا فتح محمد لکھنوی کے حوالہ سے لکھتے ہیں: مگر جب کہ کچھ مال صانع کا ہو اور کچھ آمر کا تو قلیل تابع کثیر ہوگا (تطہیر الاموال فی تحقیق الحرام والحلال عطر ہدایہ: ۱۱۲)۔

ب — اگر آرڈر میں تبدیلی ہوگئی ہو، تو کیا مشتری کو سامان کے رد کرنے کا اختیار حاصل ہوگا؟

اکثر مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ اگر آرڈر کے مطابق چیز نہ پائی جائے تو اسے دو چیزوں کا اختیار ہوگا: اگر مثلی ہے تو اس کا مثل اور اگر قیمی ہے تو اس کی قیمت، چاہے تو وہ سامان کو رد کر کے خام مال کی قیمت وصول کر لے یا اس سامان کو لے کر صانع کو طے شدہ اجرت کے بجائے اجرت مثل دیدے جو طے شدہ اجرت سے زائد نہ ہو۔ (مولانا زبیر احمد قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مفتی نذیر احمد، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد فاروق، مفتی ابوبکر، مفتی لطیف الرحمن، مفتی عارف باللہ، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا اکمل یزدانی، مفتی شاہجہاں ندوی، مولانا محمد جہانگیر حیدر، مفتی ابوحماد)۔

مقالہ نگاران نے مجموعی طور پر درج ذیل عبارتیں ذکر کی ہیں:

امام سرخسی لکھتے ہیں:

۱ - ولو أسلم غزلا إلى حائك لينسج له سبعا في أربع، فحاكه أكثر من ذلك أو أصغر فهو بالخيار إن شاء ضمنه مثل غزله وسلم له الثوب، وإن شاء أخذ ثوبه وأعطاه الأجر إلا في النقصان فإنه يعطيه الأجر بحساب ذلك ولا يجاوز به ما سمى (مبسوط ۱۵؍۸۰) (مفتی شبیر احمد، مفتی سلمان منصور پوری)۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

۲ - إذا أسلم حديدا إلى حداد ليصنعه إناء مسمى بأجر مسمى، فإنه جائز، ولا خيار له فيه إذا كان مثل ما سمى ---، ولا يثبت خيار الرؤية فيما يكون محله الذمة كالمسلم فيه --- وإن أفسده الحداد، فله أن يضمنه حديدا أمثل حديده، ويصير الإناء للعامل، وإن شاء رضي به، وأعطاه الأجر؛ لأن العامل مخالف له من وجه، حيث أفسد عمله، وموافق من وجه، وهو إقامة أصل العمل (مبسوط ۱۵؍۸۵) (مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا اختر امام عادل، ڈاکٹر ظفر الاسلام، مولانا محمد حذیفہ)۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

۳ - ولو دفع إلى خياط ثوبا ليخيطه قميصا بدرهم فخاطه قباء فإن شاء ضمنه قيمة الثوب وإن شاء أخذ القباء وأعطاه أجر مثله لا يجاوز ما سمى (بدائع ۴؍۸۱) (مولانا زبیر احمد قاسمی)۔

۴ — فإن سلم إلى حداد حديدا ليعمل له إناء معلوما بأجر معلوم أو جلدا إلى خفاف ليعمل له خفا معلوما بأجر معلوم فذلك جائز، ولا خيار فيه، لأن هذا ليس باستصناع بل هو استئجار فكان جائزا، فإن عمل كما أمر استحق الأجر، وإن فسد فله أن يضمنه حديدا مثله، لأنه لما أفسده، فكأنه أخذ حديدا له، واتخذ منه آنية من غير إذنه، والإناء للصانع، لأن المضمونات تملك بالضمان (بدائع الصنائع ۴؍۹۱) (مفتی شبیر احمد، مفتی شاہجہاں ندوی، مفتی سلمان منصور پوری، مولانا زبیر احمد، مولانا محمد اسجد قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا خورشید احمد انور اعظمی، مفتی نذیر احمد، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، شاہ اکرام الحق، مولانا محمد

حذیفہ، مفتی لطیف الرحمن ولایت علی، مفتی منصف، مفتی سلمان پالنپوری، مولانا ارشد علی رحمانی، مفتی محبوب فروغ احمد، مفتی شاہد علی، مفتی ابوحماد)۔

۵— فأما إذا أفسد بأن خالف في صفة ما أمر به، ذكر أن صاحب الجلد بالخيار إن شاء ترك الخف عنده و ضمنه قيمة جلده، وإن شاء الخف و أعطاه الأجر، فإن ترك الخف عليه و ضمنه فلا أجر عليه، وإن أخذ الخف فإنه يعطيه أجر مثل عمله (فتاوی ہندیہ ۴/ ۵۱۵) (مولانا محمد فاروق)۔

علامہ شامی لکھتے ہیں :

۶- إن شاء ضمنه قيمة الثوب غير معمول و لا أجر له، وإن شاء أخذه و أعطاه أجر مثله لا يتجاوز به المسمى، لأنه امتثل أمره في أصل ما أمر به وهو القطع و الخياطة، لكن خالفه في الصفة، فيختار أيهما شاء (شامی ۹/ ۱۰۲) (مولانا محمد فاروق)۔

علامہ بغدادی فرماتے ہیں :

۷— دفع إلى حداد حديدا ليعمل له إناء منه فأفسده يضمن حديداً مثله وما لا مثل له يضمن قيمته كذا في باب الاستصناع من الوجيز (مجمع الضمانات ۱/ ۴۷) (مولانا آفتاب غازی)۔

۸—الواجب في الإجارة الفاسدة أجر المثل لا يجاوز به المسمى (بدایۃ المجتہد ۱/ ۱۸۸) (مولانا آفتاب غازی)۔

اور مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ہے :

۹- والأجر إن أوفى الشرط استحق الأجر المسمى وإلا استحق أجر المثل بشرط أن لا يتجاوز الأجر المسمى (مجلۃ الاحکام العدلیہ ۱/ ۱۶۵ مادۃ: ۵۰۵) (مولانا آفتاب غازی)۔

مولانا اقبال احمد ٹنکاروی نے تفصیل سے لکھا ہے کہ صانع نے آرڈر کے خلاف کام کیا ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ اس نے مخالفت من حیث الجنس کی ہے یا من حیث الوصف؟ اگر من حیث الجنس کی ہے، مثلاً ایک چیز بنانے کے لئے کہا تھا اور اس نے دوسری چیز بنا ڈالی تو مستصنع کو دو چیزوں کے درمیان خیار ملے گا: چاہے تو اپنا مواد واپس لے لے اور اگر چاہے تو شئی مصنوع لے لے، لیکن اس کو کوئی خیار نہیں ملے گا۔ اور اگر اوصاف کے اعتبار سے مخالفت کی ہے تو چاہے تو شئی مصنوع بائع کے یہاں چھوڑ دے اور مواد کا اس کو ضامن بنائے، اس صورت میں صانع کو کوئی اجرت نہیں ملے گا اور مستصنع اگر چاہے تو اسی چیز کو لے لے جو تیار کی ہے اور اس کے مطابق اجرت دیدے یعنی اجرت مثل۔

مولانا راشد حسین صاحب نے اضافہ کیا ہے کہ اختلاف بنیادی قسم کا ہو تو قبول کرنے کی صورت میں اجرت دے گا ہی نہیں صرف اس کی کاریگری کے سبب جو اضافہ ہوا ہے وہ دے گا۔

علامہ محمود بن احمد البخاری لکھتے ہیں :

قال محمد : وإذا دفع حديداً إلى حداد يصنعه إناء بأجر مسمى فجاء به الحداد على ما أمره به صاحب الحديد يجبر على القبول و لو خالفه فيما أمره به، فإن خالفه من حيث الجنس بأن أمره بأن يصنع له قدوماً فصنع مراءً ضمن حديداً مثل حديده والإناء له ولا خيار لصاحب الحديد، فإن خالفه من حيث الوصف بأن أمره أن يصنع له منه قدوماً يصلح للتجارة فصنع له منه قدوماً يصلح لكسر الحطب فصاحب الحديد بالخيار إن شاء ضمنه حديداً مثل حديده و ترك القدوم عليه و لا أجر، وإن شاء

أخذ القدوم و أعطاه الأجر، و كذلك الحكم في كل ما يسلمه إلي عامل يصنع منه شيئاً مسماة كالجلد يسلمه إلي الإسكاف ليصنعه خفين أو ما أشبهه (المحيط البرہانی فی الفقہ النعمانی ۹ / ۳۶۲، ۳۶۲) (مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مفتی عبدالرحیم)۔

مولانا سید باقر ارشد لکھتے ہیں کہ اجارہ میں خیارِ عیب حاصل ہوتا ہے، چنانچہ یا تو وہ اس معاملہ کو ختم کردے یا پوری اجرت پر اسی حالت میں اس سے فائدہ اٹھائے۔

يثبت خيار العيب في الإجارة كالبيع و العيب الموجب للخيار فيها هو ما يكون سببا لنقص المنافع التي هي محل العقد، و لو بفوات وصف في إجارة الذمة، و لو حدث العيب قبل استيفاء المنفعة و بعد العقد و يكون المستاجر بالخيار بين فسخ العقد و بين استيفاء المنفعة مع الالتزام بتمام الأجر (موسوعہ فقہیہ بحث: اجارہ)۔

مولانا محمد فاروق لکھتے ہیں:

اگر تیار کردہ چیز بیان کردہ شرط کے عین مطابق تو نہیں لیکن اس کے قریب قریب قدر فرق کے ساتھ تیار ہوئی ہے اور عرف و عادت میں اس طرح کے تفاوت پر چشم پوشی کی جاتی ہے تو اس صورت میں مستصنع کے لئے لینا ضروری ہوگا اور اجرت متعینہ دینا ہوگی، کیونکہ لزوم اجرت کے لئے من کل الوجوہ موافقت ضروری نہیں ہے۔

ہندیہ میں ہے:

إن كان عمله صالحاً مقارباً لا فساد فيه أجبر صاحب الجلد على القبول، و لم يكن له خيار، فقد اعتبر المقاربة للزوم لا حقيقة الموافقة من كل وجه (الہندیہ ۴ / ۵۶۵) (دیکھئے: مقالہ مولانا محمد حذیفہ)۔

بعض مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ چونکہ یہ عقد اجارہ ہے، اس لئے آرڈر دہندہ کو سامان نہ لینے کا اختیار حاصل نہ ہوگا۔

البتہ تاوان یا اجرت میں کمی کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اس سلسلہ میں مختلف رائیں ہیں:

مفتی سلمان منصور پوری صاحب کی رائے یہ ہے کہ یہ صورت اجارہ کی ہوگی، اور اجارہ میں معاہدہ کے مطابق کام نہ ہونے کی صورت میں آرڈر دہندہ کو رد کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا، بلکہ اس کو قبول کرنا ضروری ہوگا اور اجیر کو اجر مثل دینا ضروری ہوگا، اس کے علاوہ آرڈر دہندہ مذکورہ صورت میں صانع سے کوئی جرمانہ وصول کرنے کا حق دار نہ ہوگا (شاہ اکرام الحق)۔

إذا فسد العقد وجب أجر المثل بعد الفراغ من العمل على ما جرى فيه العرف من أهل تلك الصناعة (فتاوی تاتارخانیہ ۱۵ / ۱۳۶)۔

البتہ ڈاکٹر ظفر الاسلام صاحب لکھتے ہیں کہ مستصنع کا صانع سے تاوان وصول کرنا درست ہونا چاہئے اور اس صورت میں خریدار کو خیار حاصل نہ ہوگا (مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

مولانا عبداللہ کاوی والا لکھتے ہیں: یہ عقد اجارہ ہے اور اجارہ میں آرڈر کے مطابق چیز نہ پائی جائے تو مصنوع کو رد نہیں کرسکتے مگر اجارہ کی اجرت میں حسب نقصان کمی کرسکتا ہے (مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا روح الامین)۔

مولانا کلیم اللہ عمری نے بغیر کسی تفصیل کے لکھا ہے کہ اگر آرڈر دینے والے کے شرط کے مطابق مذکورہ مال نہ پایا جائے تو ایسی

صورت میں نقصان کی تلافی وصول کرنا درست نہیں اور نہ ہی جرمانہ وصول کرنا صحیح ہوگا، الا یہ کہ مزدور عمداً مبیع کو نقصان پہنچائے (نیز دیکھئے : مقالہ مفتی اقبال قاسمی)۔

سوال: ۸— عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی تاریخ مقرر ہوجائے، مگر بائع اسے وقت پر فراہم نہ کر پائے تو کیا خریدار اس کا تاوان وصول کرسکتا ہے— واضح ہو کہ بعض اوقات خریدار اسی مقررہ تاریخ کے لحاظ سے اپنے گاہک سے معاملہ طے کرتا ہے، اگر بائع مقررہ وقت پر مبیع تیار کرکے حوالہ نہ کرے اور اسے بروقت مارکٹ سے وہی شئے حاصل کرکے اپنے گاہک کو دینی پڑے، تو اس کو مارکٹ سے گراں قیمت پر یہ شئے خریدکرنی پڑتی ہے اور دوہرا نقصان اٹھانا پڑتا ہے، ایک تو اس نے وہ سامان زیادہ قیمت پر خریدکیا، دوسرے جب خود اس کا آرڈر موصول ہوگا تو اب اس شئے کو فروخت کرنا دشوار ہوجائے گا اور نیا خریدار تلاش کرنا ہوگا۔

اس سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نگاروں نے اس اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک عقد استصناع میں وقت کی تحدید کی گئی تو عقد استصناع عقد سلم میں تبدیل ہوجائے گا، البتہ صاحبین کے نزدیک چونکہ استصناع میں وقت کی تحدید کا تعامل ہے، اس لئے وقت کی تحدید کی جاسکتی ہے، اکثر مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ صاحبین کے قول کو ترجیح دی جائے، البتہ مولانا ابوسفیان مفتاحی کی رائے یہ ہے کہ وقت کی تحدید سے استصناع بیع سلم بن جائے گا۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی صاحب لکھتے ہیں: تاریخ مقرر کرنے کی وجہ سے یہ عقد عقد سلم ہوگیا، لہذا سلم کی شرائط معتبر ہوں گی، اگر وہ پائی جائیں گی تو عقد سلم صحیح ہے ورنہ نہیں۔

ذیل میں فاضل مقالہ نگاران کے دلائل اختصار کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں :

وقت کی تحدید سے متعلق فاضل مقالہ نگاروں نے مختلف کتابوں سے اس جزئیہ کو ذکر کیا ہے، ان میں سے چند عبارتیں پیش خدمت ہیں :

علامہ کاسانی لکھتے ہیں :

ومنها أن لا يكون فيه أجل، فإن ضرب للاستصناع أجلاً صار سلماً حتى يعتبر فيه شرائط السلم هو قبض البدل في المجلس، ولا خيار لواحد منهما إذا سلم الصانع المصنوع على وجه الذى شرط فيه السلم، وهو قول أبي حنيفة وقال ابويوسف ومحمد . هذا ليس بشرط، وهو استصناع على كل حال ضرب فيه أجلا أو لم يضرب، ووجه قولهما أن العادة جارية بضرب الأجل في الاستصناع (بدائع الصنائع ۵؍۳ ۹۴) (مفتی ابوحماد غلام رسول، مولانا آفتاب غازی)۔

فتاوی ہندیہ میں ہے :

وإن ضرب الأجل فيما للناس فيه تعامل صار سلماً عند أبي حنيفة حتى لا يجوز إلا بشرط السلم، ولا يثبت فيه الخيار، وعندهما يبقى استصناعاً ويكون ذكر المدة للتعجيل، وإن ضرب الأجل فيما لا تعامل فيه صار سلما بالإجماع كذا في الجامع الصغير، هذا إذا كان ضرب المدة على وجه الاستمهال، بأن قال :شهر أو ما أشبه ذلك، أما إذا ذكر على وجه الاستعجال بأن قال :على أن تفرغ منه غدا أو بعد غد لا يصير سلما في قولهم جميعاً كذا في الصغرى (الفتاوی الہندیہ

٢٠٨/٣)(مفتی باقر ارشد)۔

وحكي عن الفقيه أبي جعفر :أنه قال :إن كان ذكر المدة من قبل المستصنع فهو للاستعجال ولا يصير سلما في قولهم، وإن ذكر مدة يتمكن فيها من الفراغ عن العمل فهو استصناع، وإن كان أكثر من ذلك فهو سلم(التاتارخانیہ ٢٠١/٩)(مولانا محمد حذیفہ)۔

سعد بن عبد اللہ بن عبد العزیز السبیر لکھتے ہیں :

وفي هذا الشرط خلاف ولكن مجمع الفقه الإسلامي الدولي قرر اشتراط تحديد الأجل فيه قطعاً للنزاع والخصومة، وما قرره المجمع أوجه، إذ أن من مقاصد الشريعة في المعاملات قطع المنازعات (الاستصناع المقاولات شروط الاستصناع ص ٩) (مولانا آفتاب غازی)۔

ذهب مجمع الفقه الاسلامي في دورة مؤتمره السابع إلى أنه يشترط في عقد الاستصناع أن يحدد فيه الأجل، أي يشترط ذكر أجل لتسليم الشيئ المصنوع، ذلك أن هذا العقد قائم على العمل والعين المؤجلين عادة، وكل ما هو شأنه لابد فيه من تحديد المدة لئلا يؤدي إلى النزاع والخصام فالصانع قد يتأخر في التنفيذ والمستصنع يريد التعجيل فإذا لم يكن في العقد تحديد للمدة أدى بلا شك إلى النزاع، واتفق العلماء على ما يؤدي في العقود إلى النزاع (فقہ المعاملات ٢٨٧/١) (مولانا محمد حذیفہ)۔

اس سوال میں ایک شق یہ ہے کہ اگر صانع وقت مقررہ پر سامان فراہم نہ کر سکے، تو کیا اس پر تاوان عائد کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

اس شق کے جواب میں مقالہ نگاروں کی آراء مختلف ہیں، اکثر مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ ابتداء عقد میں ہی یہ شرط لگادی جائے توشرط کے مقتضا کے مطابق تاوان عائد کیا جا سکتا ہے، جبکہ بعض مقالہ نگاروں نے مطلقاً تاوان لگانے کے جواز سے متعلق بات کہی ہے، تاہم بعض مقالہ نگاروں نے لکھا ہے کہ چونکہ حنفیہ کے یہاں تعزیر مالی جائز نہیں، اس لئے تاوان اور جرمانہ لینا درست نہ ہوگا۔

مولانا اختر امام عادل لکھتے ہیں :

یہ شرط جزائی کا مسئلہ ہے جو کئی دہائیوں سے علماء عصر کے درمیان زیر بحث رہا ہے، عام طور پر فقہاء کے یہاں تاریخ کے تعین کے ساتھ معاملہ کرنے کی اجازت دی گئی ہے (مجلۃ الاحکام ٧/١ ٤٣)۔

لیکن اگر شرط پوری نہ ہو سکی تو کیا ہر جانہ وصول کیا جائے گا؟ اس سلسلہ میں بنیادی طور پر دو رائیں ہیں :

معاملات کے عام اصولوں کے مطابق بہت سے علماء نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے، کیونکہ اس میں تعلیق مجہول پائی جاتی ہے، دوسرے وقت کے بدلے قیمت کی وصولی ہے اور دیون میں یہ صورت ربا کا معنی پیدا کرتی ہے۔ لیکن فقہاء معاصرین کی بڑی تعداد اس کے جواز کی طرف گئی ہے اور دلیل میں قاضی شریح کا فیصلہ ''من شرط علی نفسه طائعا غیر مکره فهو علیه''، نیز بیع عربون کے جواز سے متعلق آثار وغیرہ کو موصوف نے پیش کیا ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ١٩٧/٧)۔

مفتی شبیر احمد صاحب لکھتے ہیں :

مبسوط سرخسی میں مسئلہ اجارہ کی بحث کے (مسئلہ خیاط کے ضمن میں ہے) تحت اور تاتارخانیہ میں کلیم کاٹنے کی شرط کو جائز قرار

دیا گیا ہے، لہٰذا عقد استصناع میں بھی مال کی قیمت کو فراہمی کے وقت کے ساتھ منسلک کیا جاسکتا ہے اور اگر فریقین اس بات پر متفق ہو جائیں کہ فراہمی میں تاخیر کی صورت میں فی یوم یا فی ہفتہ قیمت میں سے متعین مقدار کم ہوتی جائے گی، تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہوگا۔

مفتی سلمان منصور پوری کی بھی رائے یہی ہے کہ مبیع کی قیمت میں کمی کی شرط لگانا جائز ہے، البتہ موصوف نے لکھا ہے کہ اسے تاوان سے تعبیر کرنے کے بجائے مصنوع کی قیمت میں کمی کرنے سے تعبیر کرنا بہتر ہوگا۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام لکھتے ہیں :

اگر اضطراری وغیر اختیاری حالات پیش نہ آنے کے باوجود مبیع وقت پر فراہم نہ کی گئی تو قیمت میں کمی کی شرط عائد کرنے کی اجازت ہے۔ موصوف نے جدہ فقہ اکیڈمی کے فیصلے کا حوالہ دیا ہے۔

مفتی عبداللہ کاوی والا لکھتے ہیں :

جس مقررہ تاریخ پر معاملہ طے ہوا تھا، اس سے اتنی زیادہ تاخیر کی جائے کہ آرڈر دینے والے کا ناقابل برداشت نقصان ہو، تو ایسی صورت میں آرڈر دینے والا صانع سے بقدر نقصان تاوان لے سکتا ہے۔

مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی لکھتے ہیں :

جب مصالح مستصنع کے مطابق صانع سامان تیار کرنے نہ دے تو اس کو اپنے نقصان کی تلافی کے لئے صانع پر جرمانہ عائد کرنا درست ہے، اجرت خیاط والی جزئیہ سے اس کی تائید ہوتی ہے (مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

مفتی حبیب اللہ قاسمی لکھتے ہیں :

امام ابوحنیفہ کی رائے کے مطابق عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی تاریخ مقرر نہیں کی جاسکتی ورنہ تو یہ عقد سلم بن جائے گا، لیکن حضرات صاحبین نے عرف کی بنا پر استصناع میں وقت مقرر کرنے کی اجازت دی ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ وقت مقرر کرتے وقت ہی یہ شرط لگادی جائے کہ اگر وقت مقررہ پر مبیع کی حوالگی نہیں ہوئی تو اس کا تاوان دینا ہوگا، اس شرط کی بنیاد پر جزا کے ترتب کی گنجائش ہے، بشرطیکہ اس تاخیر میں غیر اختیاری احوال کی دخل اندازی نہ ہو (مفتی انور علی، مولانا محبوب فروغ احمد، مولانا محمد فاروق)۔

مولانا زبیر صاحب لکھتے ہیں :

تاخیر کا تاوان وصول کرنا درست نہیں، البتہ نقصان کی تلافی کے لئے شرط جزائی یعنی قیمت میں کمی کی شرط عائد کی جاسکتی ہے۔ بشرطیکہ غیر اختیاری حالات پیدا نہ ہوئے ہوں، موصوف نے فقہ اکیڈمی جدہ کے فیصلہ کا حوالہ دیا ہے۔

مولانا اختر امام عادل لکھتے ہیں :

قطع نظر اس سے کہ دلائل کے لحاظ سے شرط جزائی کے جواز کی رائے کتنی مضبوط ہے، لیکن موجودہ حالات کے تناظر میں اگر شرط جزائی کی اجازت دی جائے تو لوگوں کی بہت سی مشکلات حل ہوسکتی ہیں۔

موصوف لکھتے ہیں: فتاوی الازہر میں شرط جزائی کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

مفتی اقبال احمد قاسمی کی رائے یہ ہے کہ تاخیر پر تاوان علی الاطلاق جائز نہیں، البتہ ابتداء سے فریقین فراہمی کے وقت کے ساتھ قیمت

میں کمی بیشی کا معاملہ طے کرلیں تو عقد اجارہ کی طرح یہاں بھی گنجائش ہوگی۔

مولانا ظفر عالم لکھتے ہیں :

اس مسئلہ میں فقہاء خاموش نظر آتے ہیں، البتہ اجارہ میں اس کی نظیر موجود ہے اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مذکورہ صورت میں بائع کو یہ نقصان برداشت کرنا پڑے گا، جبکہ مشتری کو معاملہ رد کرنے کا حق ہوگا۔

مفتی شاہجہاں ندوی لکھتے ہیں :

مجبوری اور ناگہانی حالات کو چھوڑ کر خریدار اس کا تاوان وصول کرسکتا ہے۔

مولانا محمد فاروق لکھتے ہیں :

اگر عقد میں مالی جرمانہ وغیرہ کا ذکر نہیں ہوا اور صانع وقت پر آرڈر سپرد نہیں کرسکا، جس سے مستصنع کو ضرر فاحش لاحق ہوا تو اس صورت میں بھی تجار کے عرف وعادت کے مطابق جو ضرر لاحق ہوا ہے، اس کی ادائیگی صانع سے کی جائے گی، **المعروف بین التجار کالمشروط بینهم** (شرح المجلہ ۱/۳۸، مادۃ: ۴۴) لیکن عدم ضرر کی صورت میں تاوان لینا درست نہیں ہے، **والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال** (شامی ۶/۱۰۶)۔

مفتی عبدالرزاق قاسمی لکھتے ہیں :

صانع وقت مقررہ پر سامان کی تیاری میں تاخیر کرے تو طے شدہ قیمت میں کمی کی شرط لگادی جائے، خواہ یہ شرط اصل معاملہ کے وقت ہی لگادی جائے، یا نقصان سے پہلے ہی اسے معاہدہ میں طے کرلیا جائے تو یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔

جن مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ تاوان وصول کیا جاسکتا ہے، انہوں نے فقہ حنفی کی کتابوں میں ذکر کردہ اس جزئیہ سے استدلال کیا ہے: إذا قال للخیاط: إن خطته الیوم فلک درهم، وإن خطته غدا فلک نصف درهم، قال أبو حنیفة: یصح الشرط الأول، ولا یصح الشرط الثاني، وقال صاحباه: یصح الشرطان جمیعاً، فإن خاطه في الیوم الأول یجب المسمی في ذلک الیوم، وإن خاطه في الیوم الثاني یجب أجر المثل لا یزاد علی درهم ولا ینقص عن نصف درهم، وفي النوادر: یجب أجر المثل لا یزاد علی نصف درهم، ذکر القدوري الصحیح روایة النوادر کذا في فتاوی قاضي خان (الہندیہ ۴/ ۴۲۳، رد المحتار ۵/ ۳۱۱، بدائع ۴/ ۲۰۵) (مولانا محمد حذیفہ، مولانا محبوب فروغ احمد، مولانا محمد فاروق، مفتی ابوحماد غلام رسول، مفتی انور علی)۔

مختلف مقالہ نگاروں نے مذکورہ بالا جزئیہ کو فقہ حنفی کی مختلف کتابوں سے نقل کیا ہے، لیکن طوالت کے خوف سے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ کا فیصلہ :

یجوز أن یتضمن عقد الاستصناع شرطا جزائیا بمقتضی ما اتفق علیه العاقدان ما لم تکن هناک ظروف قاهرة۔

یجوز هذا الشرط مثلا في عقد الاستصناع بالنسبة للصانع إذا لم ینفذ ما التزم به أو تأخر في تنفیذه۔۔۔ ولا یجوز في عقد الاستصناع بالنسبة للمستصنع إذا تأخر في أداء ما علیه (قرارات وتوصیات مجمع الفقہ الاسلامی) (مفتی محمد روح اللہ، مفتی عبدالرزاق، مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام)۔

مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں :

یہ بات یقینی بنانے کے لئے کہ سامان مطلوبہ مدت میں فراہم کردیا جائے گا اس طرح کہ بعض جدید معاہدے ایک تعزیری شق پر مشتمل ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں اگر تیار کنندہ فراہمی میں متعین وقت سے تاخیر کردے تو اس پر جرمانہ عائد ہوگا جس کا حساب یومیہ بنیاد پر کیا جائے گا، کیا شرعاً بھی اس طرح کی کوئی تعزیری شق شامل کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر چہ فقہاء استصناع پر بحث کے دوران اس سوال پر خاموش نظر آتے ہیں لیکن انہوں نے اس طرح کی شرط کو اجارہ میں جائز قرار دیا ہے، فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کپڑوں کی سلائی کے لئے کسی خیاط کی خدمت حاصل کرتا ہے تو فراہمی کے حساب سے اجرت مختلف ہوسکتی ہے، مستاجر (جو کپڑا سلوانا چاہتا ہے) یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر خیاط ایک دن میں یہ کپڑا تیار کردے تو وہ سو روپے اجرت دے گا اور اگر دو دن میں تیار کرتا ہے تو وہ اسّی روپے دے گا، اسی طرح سے عقد استصناع میں قیمت کو فراہمی کے وقت کے ساتھ منسلک کیا جاسکتا ہے، اگر فریقین اس بات پر متفق ہوجائیں کہ فراہمی میں تاخیر کی صورت میں فی یوم متعین مقدار میں قیمت کم ہوجائے گی تو یہ شرعاً جائز ہوگا (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۱۵۶/۵) (مفتی ابوحماد غلام رسول، مولانا راشد حسین، مفتی شبیر احمد قاسمی، مفتی انور علی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا اقبال ٹنکاروی، مولانا محمد عثمان) ۔

مولانا راشد حسین صاحب مولانا تقی عثمانی صاحب کی مذکورہ بالا عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ مولانا کی تحریر سے مسئلہ کا مکمل جواب ہوگیا، لیکن اس پر کئی اشکالات ذکر کرکے اس کے جوابات خود ہی دیئے ہیں، پھر آگے لکھتے ہیں: خلاصہ کلام یہ کہ اجارہ کے جزئیہ کے پیش نظر یہ طے کیا جاسکتا ہے کہ اگر متعینہ وقت پر سامان فراہم نہ کیا گیا تو ثمن میں اتنی اتنی کمی کردی جائے گی، شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہوگا لیکن کیا اس کو ہر دن کی تاخیر سے مربوط کیا جاسکتا ہے؟ بعض جلیل القدر علماء نے اس کو جائز قرار دیا ہے، لیکن راقم کے خیال میں اس کا جواز محل نظر ہے۔

علماء عرب کی آراء :

مفتی محمد روح اللہ شیخ مصطفی الزرقاء کے حوالہ سے لکھتے ہیں :

تولدت في العصر الحديث أنواع من الحقوق لم تكن معهودة، واتسع مجال عقود الاستصناع في التعامل بطريق الإيصاء على المصنوعات مع المعامل والمصالح الأجنبية، وازدادت أيضا قيمة الزمن في الحركة الاقتصادية فأصبح تأخر أحد المتعاقدين أو امتناعه عن تنفيذ التزاماته في مواعيدها المشروطة مضرا بالطرف الآخر في وقته وماله أكثر مما قبل. فلو أن متعهدا أيتقدم المواد الصناعية إلى صاحب معمل تأخر عن تسليمها إليه في الموعد المضروب لتعطل المعمل وعماله، وكذا تأخر الصانع عن القيام بعمله في وقته، وقد ضاعف احتياج الناس إلى أن يشترطوا في عقودهم ضمانات مالية على الطرف الذي يتأخر عن تنفيذ التزامه في حينه، ومثل هذا الشرط يسمى في اصطلاح الفقه الأجنبي :الشرط الجزائي (المدخل الفقہی العام ۵۹-۷۶۰) (ڈاکٹر ظفر الاسلام، مفتی شاہجہاں ندوی) ۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں :

وأما في مجال المقاولات التي يتم فيها عادة الاتفاق على مدة التسليم والإلزام بغرامات معينة عند التاخير فهو أي

التغریم جائز أیضاً، وداخل تحت مفهوم ما یسمی قانوناً بالشرط الجزائی، وقد أقره القاضی شریح، وأیده قرار هیئة کبار العلماء في السعودیة لسنة ١٣٩٤ھ، وقال شریح: من شرط علی نفسه طائعا غیر مکره فهو علیه- اعلام الموقعین (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۳۶۵۸) (مفتی اقبال احمد قاسمی)۔

جبکہ دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ تاوان حاصل کرنا درست نہیں۔

مولانا بدر احمد مجیبی لکھتے ہیں:

آرڈر دینے والے شخص کو مقررہ وقت پر مصنوع چیز تیار ہو کر نہ ملے بعد میں ملے جس سے اس کو نقصان ہو رہا ہو تو اس صورت میں وہ بنانے والے سے تاوان وصول نہیں کرسکتا ہے، کیونکہ اس نے جس چیز کا آرڈر دیا ہے وہ چیز مقررہ اوصاف کے مطابق ملی ہے۔

مولانا خورشید احمد اعظمی کی رائے یہ ہے کہ مشتری کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا، لیکن اس کی وجہ سے تاوان نہیں وصول کرسکتا ہے۔ (دیکھئے مقالہ: مفتی عبد الرحیم، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محمد اسجد قاسمی)۔

مفتی عبد الرحیم صاحب نے ڈاکٹر وہبہ زحیلی کی درج ذیل عبارت تائید میں پیش کی ہے:

واذا حددت مدة لتقدیم المصنوع فانقضت دون أن یفرغ الصانع منه ویسلمه فالظاهر أن یتخیر المستصنع بین الانتظار والفسخ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۳۹۶) (مولانا محمد اسجد قاسمی)۔

فتاوی دار العلوم میں ہے:

سوال: کوئی شخص پیشگی روپیہ دے کر کوئی چیز خریدے اور یہ تحریر لکھا لے کہ فلاں وقت تک یہ چیزیں نہیں آئے گی تو وعدہ خلافی کا دس روپیہ فی من منافع لیا جائے گا، وقت مقررہ پر وہ چیزیں نہیں بھیجیں تو دس روپے فی من منافع لینا جائز ہے؟

جواب: یہ شرط باطل اور ناجائز ہے اور منافعہ مذکورہ کا لینا درست نہیں ہے (فتاوی دار العلوم ۱۴/۴۰۸) (مولانا محمد حذیفہ)۔

نیز ایک دوسرے استفتاء کے جواب میں ہے:

ہرجانہ کا لینا دینا خلاف شرع ہے (فتاوی دار العلوم ۱۴/۳۱۸) (مولانا خورشید انور اعظمی)۔

☆ ☆ ☆

عرض مسئلہ :

عقد استصناع

(سوال:١—٤)

مولانا محمد حذیفہ بن محمود ٹیلر، داحودی

الحمد لولیہ والصلوۃ علی نبیہ والرضوان عن اصحابہ والرحمۃ علی اتباعہ، امابعد :

محترمین ومکرمین!

بے انتہاء مسرت وسعادت کا مقام ہے کہ اسلامک فقہ اکیڈمی کا تیئسواں فقہی سیمینار اپنی خصوصیات وامتیازات کے ساتھ حدیث وسنت کے اولین شہ سوار اور فقہ وحکمت کے علمبردار حضرات صحابۂ کرام جیسی مقدس ہستیوں کے ورود ہند کی پہلی منزل گاہ اور فقیہ اسلام، امام حدیث، اول المصنفین حضرت ربیع بن صبیح کی خواب گاہ یعنی علاقۂ بھروچ کے جامعہ علوم القرآن، جمبوسر میں منعقد ہورہا ہے، اس مبارک اور تاریخی مقام کے آج کے علمی سیمینار میں جن موضوعات پر بحث وتمحیص کی سعادت سے بہرہ ور ہورہے ہیں ان میں سے ایک نہایت اہم موضوع : ''عقد استصناع '' ہے، اس موضوع پر ہمارے قدیم فقہاء کی مفصل بحثیں کتب فقہ میں موجود ہونے کے باوجود اجتماعی طور پر اس کو زیر بحث اس وجہ سے لایا جارہا ہے کہ گذشتہ زمانوں میں فقہاء نے استصناع کی جو مثالیں دی ہیں، وہ چھوٹی اور معمولی چیزوں سے متعلق ہیں، جنہیں آرڈر پر تیار کرایا جاتا تھا، لیکن موجودہ عہد میں ایک طرف آرڈر پر تیار کی جانے والی اشیاء کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا ہے، ملکی اور بین الاقوامی طور پر چھوٹی، بڑی، منقول اور غیر منقول چیزوں کو بڑی بھاری مقدار میں آرڈر پر تیار کرایا جانے لگا ہے اور اس کی بہت سی جدید شکلیں سامنے آرہی ہیں، اہل صنعت اور اہل ثروت نے اس کو وسیع پیمانہ پر تمویل واستثمار کے لئے اختیار کیا ہے، تو دوسری طرف استصناع کی جزئیات سے متعلق فقہاء کی مختلف آراء میں سے بعض آراء موجودہ حالات میں زیادہ مناسب اور عدل اور اعتدال کے مطابق محسوس ہوتی ہے، پس ان حالات میں از سر نو تطبیق کی اور غور وخوض کی ضرورت ہوئی، اس بنا پر اس موضوع سے متعلق آٹھ شقوں پر مشتمل سوال نامہ اکیڈمی کی طرف سے اہل علم اور ارباب فقہ وافتاء کے نام جاری کیا گیا، جن کے مختصر یا مفصل جوابات اہل علم حضرات نے اکیڈمی کو بھیجے، اکیڈمی کی طرف سے متعلقہ تحقیقات وتطبیقات پر مشتمل ۸۵ مقالات احقر کو موصول ہوئے، جن کے پیش نظر پہلے چار سوالات کے جوابات کا یہ عرض تیار کیا گیا ہے۔

سوال نامہ میں مختصری تمہید کے بعد عقد استصناع کے مختلف پہلوؤں سے متعلق قائم کردہ سوالات میں سے پہلا سوال یہ ہے :

(۱): موجودہ دور میں کس طرح کی اشیاء میں عقد استصناع جاری ہوسکتا ہے اور اس سلسلہ میں اصول کیا ہوگا؟

اور اسی سے مربوط چوتھا سوال یہ ہے :

(۴): استصناع کا تعلق صرف ان اشیاء سے ہے جو اموال منقولہ کی قبیل سے ہیں یا اموال غیر منقولہ جیسے بلڈنگ وغیرہ سے بھی ہے؟

ان دونوں سوالوں کے جواب میں تمام ہی مقالہ نگار حضرات کا اتفاق ہے کہ عقد استصناع یعنی : ''یہ کہ کوئی شخص کسی چیز کی نوعیت، مقدار اور صفت بیان کرتے ہوئے متعین قیمت کے عوض وہ چیز بنانے کا اس چیز کے کاریگر سے مطالبہ کرے اور کاریگر اسے منظور کرلے۔'' بالفاظ دیگر : ''ایسا عقد جس کے ذریعہ فی الحال ایسی چیز خریدی جائے جس کو صانع اپنا میٹریل لگا کر تیار کریگا اور جس کے اوصاف متعین اور ثمن طے کردیا گیا ہو،'' یہ معاملہ عقد کے وقت مبیع معدوم ہونے کے باوجود لوگوں کی ضرورت و حاجت کے پیش نظر عرف وتعامل کی بنیاد پر درست ہے، اگر شرعاً اس کی اجازت حاصل نہ ہوتو ظاہر ہے کہ لوگ حرج میں پڑ جائیں گے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ کے عہد سے ہر زمانہ میں بغیر کسی نکیر کے اس کا رواج اور تعامل چلا آرہا ہے، گویا کہ اس کے جائز ہونے پر امت کا عملاً اجماع ہے۔

موجودہ دور میں یہ عقد ہر اس چھوٹی، بڑی، منقول اور غیر منقول چیز میں جائز اور درست ہے جس میں استصناع کی صحت کے جملہ شرائط پائے جائیں، یعنی :

(۱): وہ چیز قابل صنعت ہو۔

(۲): اس لائق ہو کہ قدر و وصف اور وزن و سائز وغیرہ کے ذریعہ اس کو منضبط اور متعین کیا جاسکتا ہو۔

(۳): اس شیء کو بنانے کا بنیادی اور غالبی مواد صانع کی طرف سے ہو۔

(۳): اس میں استصناع کا تعامل اور رواج ہو۔

(۴): عقد کے وقت اس چیز کی جنس و اصلیت، نوعیت و کوالٹی، صفت و اسٹائل، مقدار و وزن، سائز و ڈیزائن، قیمت و لاگت وغیرہ ہر اس امر کی مکمل وضاحت کردی جائے جو اس میں خریدار (آرڈر دہندہ) کے پیش نظر ہے، جس کے بعد نہ کوئی ابہام اور خفاء باقی رہے اور نہ ہی بعد میں اختلاف اور نزاع کی نوبت آئے۔

دلائل: اس کے مندرجہ ذیل عبارات فقہیہ ہیں :

بدائع میں ہے :

''أما صورة الاستصناع فهي أن يقول انسان لصانع من خفاف أو صفار أو غيرهما : اعمل لي خفا أو انية من أديم أو نحاس من عندك بثمن كذا ويبين نوع ما يعمل وقدره وصفته فيقول الصانع : نعم... ويجوز استحسانا لاجماع الناس على ذلك، لأنهم يعملون ذلك في سائر الامصار من غير نكير وقد قال عليه الصلاة و السلام : ''لا تجتمع امتي على ضلالة''... والقياس يترك بالاجماع... ولان الحاجة تدعو اليه... فلو لم يجز لوقع الناس في الحرج... واما شرائط جوازه فمنها بيان جنس المصنوع ونوعه وقدره وصفته لانه لا يصير معلوما بدونه، ومنها أن يكون مما يجري فيه التعامل بين الناس من أواني الحديد والرصاص والنحاس و الزجاج والخفاف والنعال ولجم الحديد للدواب ونصول السيوف والسكاكين والقسي

والنبل و السلاح کله والطشت والقمقمة ونحوذلک ولایجوزفی الثیاب لأن القیاس یأبی جوازہ وإنما جوازہ استحسانا لتعامل الناس ولاتعامل فی الثیاب"(البدائع: ۴/ ۹۳-۹۴، فتح القدیر: ۷/ ۱۰۷، المبسوط: ۱۵۶۳، ردالمحتار: ۷/ ۴۷۴)۔

مبسوط میں ہے: "حاصل ذلک ان المعتبر فیه العرف وکل ما تعارف الناس الاستصناع فیه فهو جائز"(المبسوط: ۱۸۸۵)۔

ہدایہ میں ہے: "وفیما فیه تعامل إنما یجوز إذا أمکن إعلامه بالوصف لیمکن التسلیم" (الهدایة فی هامش فتح القدیر: ۷/ ۱۰۹)۔

شرح مجلہ میں ہے: "کل شئی تعومل فیه استصناعه یصح فیه الاستصناع علی الاطلاق...یلزم فی الاستصناع وصف المصنوع وصفا یمنع حدوث ای نزاع لجهالة شيء من أوصافه وتعریفه تعریفا یتضح به جنسه و نوعه علی الوجه المطلوب"(دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام: ۱/ ۳۵۹-۳۶۰، المادۃ: ۳۸۹-۳۹۰، الفتاوی الهندیۃ: ۳/ ۲۰۷، التاتارخانیۃ: ۹/ ۴۰۰)۔

محیط برہانی میں ہے: "متولی المسجداستصنع محراب المسجد الی البحار (النجار)فی حسب معلوم وعمل وصناعة معلومة قال لایصح لانه لاتعارف فی هذا الاستصناع وکذافی الابواب والسلالیم والسور" (کتاب الوقف، الفصل الثانی والعشرون فی المسائل التی تعود الی الرباطات والمقابر والخانات، المحیط البرہانی: ۶/ ۲۱۱)۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے: "وانما یشمل اقامة المبانی وتوفیر المساکن المرغوبة وقد ساعد کل ذلک فی التغلب علی ازمة المساکن ومن ابرزالامثلة والتطبیقات لعقد الاستصناع بیع الدوروالمنازل والبیوت السکنیة علی الخریطة ضمن اوصاف محددة فان بیع هذه الاشیاء فی الواقع القائم لایمکن تسویغه الا علی اساس الوعد الملزم بالبیع او علی عقد الاستصناع ویعد العقدصحیحا اذا صدرت رخصة البناء ووضعت الخریطة وذکرت فی شروط العقد مواصفات البناء بحیث لاتبقی جهالة مفضیة الی النزاع والخلاف"(الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۴/ ۳۰۲)۔

اس عقد میں یہ ضروری نہیں ہے کہ سامان کی فراہمی کا وقت متعین کیا جائے، تاہم سامان کو جلد از جلد حاصل کرنے کے مقصد سے اور اس غرض سے کہ صانع سستی و کاہلی نہ کرے، کام میں جلدی کرے اور مدت گذرنے سے پہلے پہلے کام سے فارغ ہوجائے، سامان لینے کی مدت مقرر کی جائے تب بھی صحیح ہے اور یہ عقد استصناع ہی رہے گا۔ "وإن کان للاستعجال بأن قال علی ان تفرغ منه غدا او بعد غد کان صحیحا"(ردالمحتار: ۷/ ۴۷۴) "منها أن لایکون فیه أجل فان ضرب للاستصناع اجلا صار سلما حتی یعتبر فیه شرائط السلم وهو قبض البدل فی المجلس وهذاقول ابی حنیفة...وقال ابویوسف ومحمد: هذالیس بشرط وهو استصناع علی کل حال ضرب فیه أجلا أولم یضرب...وجه قولهما أن العادة جاریة بضرب الأجل فی الاستصناع وإنما یقصد به تعجیل العمل لا تأخیر المطالبة فلا یخرج به عن کونه استصناعا..." (البدائع: ۴/ ۹۴-۹۵، البحر: ۶/ ۲۸۵) "إن کان ذکر المدة من قبل المستصنع فهو للاستعجال و لا یصیر به سلما"(المبسوط: ۱۵۶۶) وحکی عن الفقیه ابی جعفر انه قال: إن کان ذکر المدة من قبل المستصنع فهو للاستعجال و لا یصیر سلما فی قولهم وإن ذکر مدة یتمکن فیها من الفراغ عن العمل فهو استصناع وان کان اکثر من ذلک

فھو سلم، وفی الصغری اذا کان ضرب المدة علی وجه الامتھال بان قال علی ان تفرغ منه غدا او بعد غد لا یصیر سلما فی قولھم" (التاتارخانیة ۹/ ۳۰۱)۔

نیز اس عقد میں عقد کے وقت ہی قیمت دینا ضروری نہیں ہے، بلکہ پوری قیمت بھی ادھار ہو سکتی ہے اور قسط وار بھی طے کی جا سکتی ہے، گویا کہ یہ ایک ایسا عقد ہے جس میں مبیع بھی ادھار ہو سکتی ہے اور ثمن بھی۔ "الاستصناع ھو ان یجیء انسان الی صانع فیقول . . . ویسلم له جمیع الدراھم او لا یسلم او یسلم بعضه" (التاتارخانیة ۹/ ۳۰۰، العنایة فی حاشی فتح القدیر ۷/ ۱۰۸) "لا یشترط فی عقد الاستصناع تعجیل الثمن کله عند العقد بل یجوز تقسیط الثمن الی اقساط معلومة الآجال محددة أو تاجیله کله" (فقہ المعاملات، الاستصناع ۲۹۵)۔

(۲):استصناع خود بیع ہے یا وعدۂ بیع؟

اس سوال کے جواب میں مفتی محمد عظمت اللہ رحیمی نے کہا ہے کہ ایجاب وقبول کے بعد بائع یا مشتری کی طرف سے عقد کی تکمیل کے متعلق کوئی بھی چیز مثلاً: صانع کا چیز کا مٹیریل منگوالینا یا مشتری کا پیشگی کچھ ثمن دے دینا وغیرہ میں سے کوئی بھی چیز سامنے آنے سے پہلے یہ معاملہ وعدۂ بیع ہے اور اس کے بعد عقد بیع ہے، جبکہ مفتی زین العابدین کوثری اور عبداللہ سعدی نے لکھا ہے کہ استصناع وعدۂ بیع ہی ہے، نہ کہ عقد بیع، کیوں کہ اگر معاملہ کے وقت ہی اس کو بیع قرار دیا جائے تو یہ معدوم چیز کی بیع ہوگی اور معدوم کی بیع شرعاً درست نہیں ہے، حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، اگرچہ اس معاملہ کا تعامل ہے، مگر یہ تعامل علی وجہ البیع نہیں ہے، بلکہ علی وجہ الوعد ہے، یہ معاملہ کرتے وقت یہی سمجھتے ہیں کہ میں وعدہ کرتا ہوں، نہ یہ کہ میں سودا کرتا ہوں، چنانچہ جب مطالبہ کرنے والا کاریگر سے کہتا ہے کہ میرے لئے فلانی چیز اس طرح کی بنا دو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر تم فلانی چیز اس طرح کی بنا دو گے تو بن جانے کے بعد میں تمہارے پاس سے خرید لوں گا، خریدنے کی نسبت مستقبل کی طرف کرنا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہ سودا آئندہ ہوگا، ابھی نہیں ہو رہا ہے، ابھی تو صرف وعدہ ہو رہا ہے، اگر اس کو بیع مانا جائے تو پھر یہ یا تو بیع مطلق مانی جائے گی یا بیع سلم اور ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں نہ تو بیع سلم کی صحت کے جملہ شرائط پائے جاتے ہیں اور نہ ہی بیع مطلق کی صحت کے، پس یہ معاملہ علی وجہ البیع درست نہ ہوگا۔ "کیف یجوز ان یکون بیعا والمعدوم لا یصلح ان یکون مبیعا" (العنایة فی حاشی فتح القدیر ۷/ ۱۰۹)۔

☆ حالانکہ اس معاملہ میں اگرچہ عقد کے وقت مبیع معدوم ہوتی ہے، مگر کبھی معدوم کو حکماً موجود تسلیم کر لیا جاتا ہے، "والصحیح انه یجوز بیعا لا عدة والمعدوم قد یعتبر موجودا" (الھدایة فی حاشی فتح القدیر ۷/ ۱۰۸) جیسا کہ کوئی مسلمان ذبح کرتے وقت بسم اللہ کہنا بھول جائے تو نسیان کے عذر کی وجہ سے تسمیہ کو موجود تسلیم کر لیا جاتا ہے، تاکہ لوگ حرج ومشقت میں مبتلا نہ ہوں، نیز مستحاضہ عورت اور سلس البول کے مریض وغیرہ معذورین کے لئے ناپاکی کے باوجود طہارت کو حکماً تسلیم کر لیا جاتا ہے، اسی طرح استصناع میں بھی لوگوں کے تعامل اور ضرورت کی وجہ سے معدوم معقود علیہ کو حکماً موجود تسلیم کر لیا جائیگا۔ "وقد خرج الجواب عن قوله انه معدوم لانه الحق بالموجود لمساس الحاجة إليه کالمسلم فیه فلم یکن بیع مالیس عند الانسان علی الاطلاق" (البدائع ۴/ ۹۳، فتح القدیر ۷/ ۱۰۹) "ان المعدوم قد یعتبر موجودا حکما کالناسی للتسمیة عند الذبح فان التسمیة جعلت موجودة لعذر النسیان والطھارة للمستحاضة

جعلت موجودۃ لعذر جواز الصلوات لئلا تتضاعف الواجبات فکذالک المستصنع المعدوم جعل موجودا حکماً للتعامل" (العنایۃ فی ھامش فتح القدیر: ۷/ ۱۰۸، البحر: ۶/ ۲۸۴) بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ جس طرح بیع سلم میں مبیع معدوم ہونے کے باوجود اس کی بیع جائز ہے اور وہ بیع معدوم کی ممانعت سے مستثنیٰ ہے، اسی طرح بیع استصناع بھی تعامل واجماع کی وجہ سے، نیز حضور اکرم ﷺ کے انگوٹھی وغیرہ بنوانے کی وجہ سے بیع معدوم کی ممانعت سے مستثنیٰ ہوگی، اس سلسلہ کی متعدد روایات وارد ہیں۔"عن عبد اللہ ان رسول اللہ ﷺ اصطنع خاتما من ذھب" (اخرجہ مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب فی خاتم الذھب رقم: ۵۵۹۴) وغیرہ۔

اسی لئے مابقیہ تمام ہی مقالہ نگار حضرات کی رائے وہی ہے جو فقہاء احناف کا راجح اور صحیح مسلک ہے کہ استصناع عقد بیع ہے، وعدہ بیع نہیں، یعنی فی الحال ایجاب وقبول کے وقت ہی بیع منعقد کی جارہی ہے، آئندہ چل کر بیع کرنے کا وعدہ اور معاہدہ نہیں ہے، جبکہ مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی یاسر قاسمی اور ڈاکٹر محی الدین غازی نے اس کو مزید واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عقد بیع ہونے کے باوجود یہ بیع، سلم اور اجارہ سے مرکب اور مشابہ ایک مستقل عقد ہے اور دکتور علی محی الدین قرہ داغی، مفتی عبدالرزاق قاسمی امروہی، مفتی نثار عالم ندوی، مفتی عارف باللہ قاسمی، مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی کے الفاظ میں: نہ تو یہ وعدۂ بیع ہے اور نہ بیع مطلق، نہ بیع سلم ہے اور نہ اجارہ، بلکہ یہ ایک الگ مستقل عقد ہے، لیکن ظاہر ہے کہ جن حضرات نے اس عقد کو بیع کہا ہے ان کا منشا ومقصود بھی یہی ہے کہ یہ معاملہ وعدۂ بیع نہیں، بلکہ ایک ایسا عقد بیع ہے جس کے مستقل اور مخصوص احکام ہیں اور جو بہت سے احکام میں بیع مطلق سے مخالف اور سلم واجارہ سے موافق ہے، جیسا کہ ان کے بیان کردہ تفصیلات واحکامات سے واضح ہے، ان مابقیہ حضرات کے نام یہ ہیں:

مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی شبیر احمد قاسمی شاہی مرادآباد، مفتی محمد اشرف قاسمی گونڈوی، مفتی آصف یاسین پالنپوری، مفتی محمد یحییٰ قاسمی، مفتی ابوحماد غلام رسول قاسمی، مفتی روح الامین سعادتی، مفتی محمد شاہ جہاں ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی احسن عبدالحق ندوی، مولانا کلیم اللہ عمری مدنی، مفتی محمد ریاض ارمان قاسمی، مفتی لطیف الرحمن ولایت علی، مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی شبیر احمد دیولوی، مولانا ظفر عالم ندوی، مفتی عبدالقیوم پالنپوری، مظاہر حسین عماد قاسمی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مفتی جنید پالنپوری، مفتی سلمان پالنپوری، مفتی رحمت اللہ ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی عبد التواب اناوی، مفتی روح اللہ قاسمی، مولانا یوسف علی آسامی، مولانا عبد الباسط پالنپوری، مفتی سید باقر ارشد قاسمی بنگلوری، مولانا عابد الرحمن مظاہری بجنوری، مفتی نثار احمد گودھروی، مولوی محمد زبیر ندوی، مفتی محمد فاروق دربھنگوی، مولانا محمد الیاس قاسمی، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی محمد سلطان کشمیری، مولوی محمد عاشق الہی، مولانا عبد الخالق رامپور، مفتی محمد فرقان فلاحی، مفتی شاہد علی قاسمی، مفتی عمر امین الہی، مفتی محمد اکرام پالنپوری، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی اکمل یزدانی قاسمی، مولانا یوسف قاسمی، مولانا ارشد علی رحمانی، مولانا محمد مقیم الدین ندوی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی ابوسفیان مفتاحی، مفتی محمد جعفر علی رحمانی، مفتی ریاست علی قاسمی رامپوری، مفتی منصف بدایونی، مولوی محمد عثمان گریٹی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مفتی رضوان الحسن مظاہری، مفتی آفتاب عالم غازی، مفتی محمد سلمان منصورپوری، مفتی محمد اسجد قاسمی ندوی، مفتی اسماعیل گودھروی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مفتی ابوبکر شکرپوری، مفتی اکرام الحق ربانی ندوی، مفتی جہانگیر حیدر قاسمی، مفتی بدر احمد مجیبی، مفتی محفوظ الرحمن قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مفتی محمد انور قاسمی، مفتی محمد یوسف ایلولوی، مفتی محمد اقبال ٹنکاروی، ڈاکٹر قطب ریسونی شارجہ، عارض محمد حذیفہ داحودی گجراتی۔

چنانچہ علامہ سرخسیؒ رقمطراز ہیں :

"اعلم بأن البیوع أنواع أربعة بیع عین بثمن وبیع دین فی الذمة بثمن وهو السلم وبیع عمل العین فیه تبع وهو الاستئجار للصناعة ونحوها . . . وبیع عین شرط فیه العمل وهو الاستصناع فالمستصنع فیه مبیع عین ولهذا یثبت فیه خیار الرؤیة والعمل مشروط فیه۔"(المبسوط: ۱۸۸۲)۔

علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں :

"وأما معناه فقد اختلف المشائخ فیه قال بعضهم :هو مواعدة ولیس ببیع وقال بعضهم :هو بیع لکن للمشتری فیه خیار وهو الصحیح بدلیل أن محمدا رحمه الله ذکر فی جوازه القیاس والاستحسان وذلک لا یکون فی العدات وکذا اثبت فیه خیار الرؤیة وانه یختص بالبیاعات وکذا یجری فیه التقاضی وانما یتقاضی فیه الواجب لا الموعود۔"(البدائع: ۴/ ۹۳)۔

عقد بیع ہونے کے دلائل :

☆ اگر صنعت کار ثمن پر قبضہ کر لے تو وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے اور جب تک قبضہ کئے رہتا ہے وہ اس کا مالک رہتا ہے، حالانکہ ملکیت عقد میں ہوتی ہے، نہ کہ وعدۂ عقد میں، معلوم ہوا کہ استصناع باضابطہ بیع ہے، نہ کہ صرف وعدۂ بیع "لأن الصانع یملک الدراهم بقبضها ولو کانت مواعید لم یملکها"(فتح القدیر: ۷/ ۱۰۹، البحر: ۶/ ۲۸۴، التاتارخانیة: ۹/ ۴۰۰)۔

☆ استصناع کو بیع وشراء کے الفاظ سے ذکر کر کے اس میں خیار رؤیت ثابت کیا گیا ہے، جبکہ وعدہ میں خیار ثابت کرنے کی ضرورت نہیں رہتی ہے، معلوم ہوا کہ یہ وعدہ نہیں ہے۔ "وجه العامة أنه سماه فی الکتاب بیعا وأثبت فیه خیار الرؤیة"(العنایة فی هامش فتح القدیر: ۷/ ۱۰۸، التاتارخانیة: ۹/ ۴۰۰)۔

☆ استصناع کے ثبوت کے لئے قیاس اور استحسان کو پیش کیا گیا ہے، حالانکہ وعدہ کو ثابت کرنے کے لئے قیاس واستحسان کو پیش کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔ "والصحیح من المذهب جوازه بیعا لأن محمدا ذکر فیه القیاس والاستحسان وهما لا یجریان فی المواعدة"(فتح القدیر: ۷/ ۱۰۸، العنایة فی هامش فتح القدیر: ۷/ ۱۰۸، البحر: ۶/ ۲۸۴، التاتارخانیة: ۹/ ۴۰۰)۔

☆ عقد استصناع ایسی چیزوں میں جائز ہوتا ہے جن میں استصناع کا تعامل وتعارف ہے، اگر یہ وعدۂ بیع ہوتا تو پھر متعارف اور غیر متعارف میں کوئی فرق نہ ہوتا۔ "والدلیل علیه انه فصل بین ما للناس فیه تعامل وبین ما لا تعامل للناس فیه ولو کان مواعدة لجاز فی الکل"(التاتارخانیة: ۹/ ۴۰۰)۔

☆ اس معاملہ میں ایک دوسرے کو تقاضہ اور مطالبہ کا حق ہوتا ہے، جو حقوق واجبہ میں ہوتا ہے، نہ کہ موعودہ میں "وکذا یجری فیه التقاضی وانما یتقاضی فیه الواجب لا الموعود"(البدائع: ۴/ ۹۳)۔

☆ لوگوں کی زندگی میں استصناع کی ضرورت وحاجت اور مصلحت ومنفعت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ استصناع بیع ہو، کیوں کہ آج کل انتہائی قیمتی چیزوں میں اور کروڑوں روپیوں کے عوض بھی استصناع کا رواج اور تعامل ہے، پس اس کو وعدۂ بیع قرار دینے کی صورت میں اگر صانع اس وعدہ کی خلاف ورزی کرے اور سامان تیار نہ کرے تو آرڈر دہندہ کی مصلحت فوت ہوگی اور اس کا شدید نقصان ہوگا، اسی طرح

اگر آرڈر دہندہ سامان تیار ہو جانے کے بعد وعدہ پورا کرنے سے مکر جائے تو ظاہر ہے کہ صانع کا سخت نقصان ہوگا، کیوں کہ ضروری نہیں ہے کہ اس نوعیت کا سامان مارکیٹ میں بک جائے اور دوسرا ضرورت مند کھڑا ہو جائے۔

غرضیکہ صحیح اور راجح بات یہی ہے کہ استصناع وعدۂ بیع نہیں، بلکہ بیع ہے، البتہ یہ عقد لازم ہے یا غیر لازم؟ اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اس کے دو مرحلے ہیں :

پہلا مرحلہ: ایجاب وقبول کے بعد سے طے کردہ شرائط واوصاف کے مطابق مصنوع کو بنا کر مستصنع کے سامنے پیش کرنے سے پہلے پہلے تک یہ عقد غیر لازم ہوتا ہے، پس نہ صانع کو چیز بنانے پر مجبور کیا جائے گا اور نہ ہی مستصنع کو اپنے مطالبہ پر برقرار رہنے کا پابند کیا جائیگا، بلکہ کاری گر اور آرڈر دہندہ دونوں کو رجوع کر کے معاملہ ختم کرنے کا اختیار رہے گا، فریقین میں سے کوئی بھی دوسرے کو نوٹس دیکر معاملہ منسوخ کر سکتا ہے، بلکہ کاری گر بنی ہوئی چیز کسی اور کو بیچنا چاہے تو بیچ سکتا ہے، یہی ظاہر الروایت ہے اور اکثر فقہاء کے طرز بیان بلکہ تصریح سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ائمہ احناف حضرت امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا اتفاقی مسلک ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ کاسانی رقمطراز ہیں :''وأما صفة الاستصناع فهي انه عقد غير لازم قبل العمل في الجانبين جميعا بلاخلاف حتى كان لكل واحد منهما خيار الامتناع قبل العمل كالبيع المشروط فيه الخيار للمتبايعين ان لكل واحد منهما الفسخ . . . وأما بعد الفراغ من العمل قبل ان يراه المستصنع فكذالك حتى كان للصانع ان يبيع ممن شاء كذاذكر في الاصل, لأن العقد ماوقع على عين المعمول بل على مثله في الذمة لماذكرنا انه لو اشترى من مكان آخر وسلم اليه جاز ولو باعه الصانع وأراد المستصنع ان ينقض البيع ليس له ذلك ولو استهلكه قبل الرؤية فهو كالبائع اذااستهلك المبيع قبل التسليم كذا قال أبويوسف . . . اذاقطع الجلد ولم يعمل فقال المستصنع، لاأريد لانا لاندري أن العمل يقع على الصفة المشروطة او لا فلم يكن الامتناع منه اضرارا بصاحبه فثبت الخيار'' (البدائع: ۴: ۹۵، الدروالرد: ۷: ۴۷۵–۴۷۷) ''وإنما لم يجبر الصانع على العمل والمستصنع على اعطاء المسمى لانه لايمكنه الاباتلاف عين له من قطع الاديم ونحوه والاجارة تفسخ ففسخ بهذا العذر . . . وكذا المستصنع ولو شرط تعجيله، لأن هذه الإجارة في الآخرة كشراء مالم يره، لأن جواز الاستصناع للحاجة وهي في الجواز لا اللزوم'' (فتح القدیر: ۷: ۱۱۰، البحر: ۶: ۲۸۵)۔

البتہ صاحب محیط برہانی نے اور اسی سے اخذ کرتے ہوئے صاحب تاتارخانیہ نے اس سلسلہ میں حضرت امام ابویوسف کی ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ ان کے نزدیک اس صورت میں عقد لازم ہوگا، دونوں میں سے کسی کو اختیار حاصل نہ ہوگا، بلکہ صانع کو متعینہ اوصاف کے مطابق چیز بنانے اور مستصنع کے حوالہ کرنے پر مجبور کیا جائیگا اور مستصنع معاملہ پر قائم رہنے اور بنی ہوئی چیز قبول کرنے کا پابند ہوگا، کوئی بھی دوسرے کی رضامندی کے بغیر یک طرفہ طور پر عقد کو منسوخ نہیں کرسکتا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ صانع نے تو معاملہ قبول کر کے اس بات کا ضمان لے لیا ہے کہ وہ مطلوبہ شیء تیار کرے گا، پس جس کام کا ضامن وہ خود بنا ہے اس کو پورا کرنا بھی اسی کی ذمہ داری ہوگی اور پورا کرنے پر اس کو مجبور کیا جائیگا، پھر اگر مستصنع کو شیء مصنوع کے لینے پر مجبور نہ کیا جائے تو ظاہر ہے کہ اس میں صانع اور بائع کا ضرر ہوگا، کیوں کہ ممکن ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس شیء مصنوع کو نہ خریدے یا خرید لے، مگر اس قیمت میں نہ خریدے، ایسی صورت میں بائع کا نقصان ہوگا، پس بائع اور صانع

کونقصان سے بچانے کے لئے مستصنع کوبھی شی ءمصنوع کے لینے پر مجبور کیا جائیگا۔

بعض مقالہ نگار حضرات ڈاکٹر قطب ریسونی شارجہ، دکتور علی محی الدین قرہ داغی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی شبیر احمد قاسمی مرادآباد، مفتی عبدالرزاق قاسمی امروہی، مفتی روح الامین سعادتی وغیرہ کی رائے اسی کی تائید میں ہے، بلکہ بعض فقہاء جیسے صاحب تنویر الابصار (مع الرد: ۸/ ۴۷۵)، صاحب درمختار (مع الرد: ۸/ ۴۷۵)، صاحب مختصر الوقایۃ (شرح وقایہ: ۳/ ۸۳)، صاحب ملتقی الابحر (۱/ ۱۵۰)، صاحب عنایہ (فی ھامش فتح القدیر: ۷/ ۱۰۹) وغیرہ نے شاید اسی کی بنیاد پر اس طرح کہا ہے: ”وھو بیع لاعدۃ فیجبر الصانع علی عملہ ولا یرجع المستصنع عنہ“ (ملتقی الابحر: ۱/ ۱۵۰) مجمع الانہر میں اس کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے: ”وفرع علی کونہ بیعا بقولہ فیجبر الصانع علی عملہ ولو کان عدۃ لم یجبر ولا یرجع المستصنع عنہ ای عن امرہ ولو کان عدۃ لجاز رجوعہ“ (مجمع الانھر فی حاشیہ ملتقی الابحر: ۲/ ۱۵۰) لیکن علامہ شامیؒ نے اس پر مفصل اور مدلل گفتگو کرتے ہوئے اس کو مخالف کتب مذہب اور ان مصنفین کا وہم اور سہو قرار دیا ہے (ردالمحتار: ۷/ ۴۷۵–۴۷۶)، شیخ احمد زرقاء نے بھی شرح القواعد الفقھیۃ (۵۶) میں مجلۃ الاحکام کی تصریح کو غیر صحیح قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ چیز تیار ہونے سے پہلے عقد استصناع کے غیر لازم ہونے اور دونوں کے لئے خیار ثابت ہونے میں ائمہ احناف میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ فیتدبر۔

دوسرا مرحلہ: صانع جب چیز تیار کر کے آرڈر دہندہ کے سامنے پیش کرے، پس اگر وہ چیز مطلوبہ اوصاف کے مطابق نہ ہوتو آرڈر دہندہ کے لئے اس کو قبول کرنا ضروری نہیں ہے، وہ اسے رد کرسکتا ہے، لیکن اگر وہ چیز مطلوبہ اوصاف کے مطابق ہوتو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صانع کے حق میں یہ عقد لازم ہوگا، مگر مستصنع کے حق میں لازم نہ ہوگا، چنانچہ صانع کو شئی مصنوع حوالہ کرنے پر مجبور کیا جائے گا، وہ معاملہ ختم کر کے تیار شدہ مال واپس لے جانا چاہے تو نہیں لے جاسکتا، اس لئے کہ اس نے تو سامان حاضر کر کے خود اپنے حق کو ساقط کر دیا ہے۔

”ولذا قلنا للصانع أن یبیع المصنوع قبل ان یراہ المستصنع، لأن العقد غیر لازم اما بعد ماراہ المستصنع فالأصح أنہ لا خیار للصانع بل إذا قبلہ المستصنع اجبر علی دفعہ لہ لانہ بالاخرۃ بائع“ (فتح القدیر: ۷/ ۱۱۰، البحر: ۶/ ۲۸۵) مگر آرڈر دہندہ (مشتری) کے حق میں لازم نہ ہوگا، اس کو دوسری بیوع کی طرح اس بیع میں بھی سامان دیکھنے کے وقت خیار رؤیت حاصل ہوگا اور اسے قبول کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہوگا، وہ مال دیکھنے کے بعد یہ کہہ کر واپس کرسکتا ہے کہ اگر چہ طے شدہ شرائط اور نمونہ کے مطابق مال بن گیا ہے، لیکن مجھے پسند نہیں، میں نہیں لوں گا، یہی ظاہر الروایت اور ائمہ احناف حضرت امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا معتمد اور صحیح مسلک ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ دونوں کو اختیار ہوگا اور حضرت امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ صانع یعنی بائع کی طرح مستصنع یعنی مشتری کے حق میں بھی عقد لازم ہوگا، چنانچہ جب ذکر کئے گئے اوصاف کے مطابق چیز بنائی گئی ہے، تو پھر مشتری اسے قبول کرنے کا پابند ہوگا، اس کو خیار رؤیت حاصل نہ ہوگا۔

علامہ کاسانی رقمطراز ہیں: ”فأما إذا احضر الصانع العین علی الصفۃ المشروطۃ فقد سقط خیار الصانع وللمستصنع الخیار، لأن الصانع بائع مالم یرہ فلا خیار لہ واما المستصنع فمشتری مالم یرہ فکان لہ الخیار... لأن الخیار کان ثابتا لھما قبل الاحضار لما ذکرنا ان العقد غیر لازم فالصانع بالاحضار اسقط خیار نفسہ فبقی خیار صاحبہ علی حالہ... ھذا جواب ظاہر

الروایۃ عن أبی حنیفۃ و ابی یوسف و محمد رضی اللہ عنھم و روی عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ أن لکل واحد منھما الخیار. و روی عن ابی یوسف انہ لا خیار لھما جمیعاً. وجہ روایۃ ابی یوسف ان الصانع قد افسد متاعہ و قطع جلدہ و جاء بالعمل علی الصفۃ المشروطۃ فلو کان للمستصنع الامتناع من اخذہ لکان فیہ اضرار بالصانع بخلاف ما اذا قطع الجلد ولم یعمل فقال المستصنع: لا أرید لأنا لا ندری أن العمل یقع علی الصفۃ المشروطۃ أو لا فلم یکن الامتناع منہ إضرارا بصاحبہ فثبت الخیار. ووجہ روایۃ أبی حنیفۃ أن فی تخییر کل واحد منھما دفع الضرر عنہ وإنہ واجب والصحیح ظاھر الروایۃ...''(البدائع ۳/ ۹۵، الدر والرد: ۷/ ۴۷۵–۴۷۷)۔

صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں: ''وھو بالخیار إن شاء أخذہ وإن شاء ترکہ لأنہ اشتری شیئا لم یرہ، ولا خیار للصانع کذا ذکرہ فی المبسوط وھو الأصح، لانہ باع مالم یرہ وعن أبی حنیفۃ أن لہ الخیار أیضا لأنہ لا یمکنہ تسلیم المعقود علیہ إلا بضرر وھو قطع الصرم وغیرہ، وعن ابی یوسف انہ لا خیار لھما، أما الصانع فلما ذکرنا، وأما المستصنع فلان فی اثبات الخیار لہ اضرارا بالصانع، لأنہ ربما لا یشتریہ غیرہ بمثلہ''(الھدایۃ فی حاشیۃ فتح القدیر ۷/ ۱۰۸، البحر ۲/ ۲۸۵، المبسوط: ۱۵۶۳)۔

قابل عمل اور لائق فتوی یہی حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ چیز مطلوبہ اوصاف کے مطابق ہے تو صانع اور مستصنع دونوں کے حق میں یہ عقد لازم ہوگا، تقریباً تمام ہی مقالہ نگار حضرات کا رجحان بھی اسی قول کی طرف ہے، کیوں کہ یہ بڑی نقصان کی بات ہوگی کہ مستصنع کی فرمائش کی وجہ سے تیار کنندہ نے اپنے تمام وسائل مطلوبہ چیز کی تیاری پر لگا دیئے، اس کے بعد فراہم کردہ چیز مطلوبہ اوصاف کے مطابق ہونے کے باوجود بلاوجہ خریدار سودا منسوخ کردے، پھر ضروری بھی نہیں کہ اس قسم کی چیز جو مستصنع نے اپنے لئے بنوائی تھی وہ دوسرے کے لئے بھی کارآمد ہو، اس لئے اس میں صانع کا بڑا ضرر ہو سکتا ہے کہ اس کی محنت بھی برباد ہو جائے اور پیسہ بھی۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایسی چیزیں جن کے افراد متفاوت نہ ہوں ان کے سلسلہ میں فقہاء نے صراحت کی ہے کہ ایک چیز بطور نمونہ کے دیکھ لینا پورے مال کو دیکھ لینے کے درجہ میں ہو کر خریدار کا خیار رؤیت ساقط ہو جائے گا اور اس کے لئے مال سے دستبردار ہونے کی گنجائش نہ ہوگی، ''فان کان لا یتفاوت احادھا کالمکیل والموزون وعلامتہ ان یعرض بالنموذج یکتفی برؤیۃ واحد منھا الا اذا کان الباقی اردا مما رای فحینئذ یکون لہ الخیار''(الھدایۃ ۳/ ۳۶)، پس استصناع کے مسئلہ میں بھی چیز کے اوصاف طے کردینے اور پھر طے شدہ اوصاف کے مطابق بن جانے کے بعد مشتری کے لئے خیار رؤیت باقی رہنے کے کوئی معنی نہ ہوں گے، بلکہ مقررہ اوصاف کے مطابق چیز کا بن جانا حکماً اس کو دیکھ لینا ہی کہلائے گا اور اسے کوئی اختیار حاصل نہ ہوگا۔

حضرت اقدس تھانویؒ نے بھی یہی بات ذکر کی ہے کہ چیز بن جانے کے بعد بنوانے والا لینے سے انکار نہیں کر سکتا، لکھتے ہیں: ''یہ معاملہ وعدہ نہیں، بیع ہے، تو بنوانے والا لینے سے انکار نہیں کر سکتا اور انکار کی صورت میں صانع زرِ ثمن رکھ سکتا ہے''(امداد الفتاوی: ۳/ ۱۴۱)۔

مولانا فتح محمد صاحب نے تکملۃ عمدۃ الرعایہ حاشیۂ شرح الوقایۃ میں اپنا یہی خیال ظاہر فرمایا ہے: ''عن أبی یوسف أنہ لا خیار لھما لا للصانع ولا للمستصنع، وھذا مما یتم بہ غرض الاستصناع ویجری المعاملات وفی الخیار لا اعتماد ولا انعقاد إلا

صورۃ" (تکملۃ عمدۃ الرعایۃ حاشیۂ شرح الوقایۃ: ۳/ ۸۴) (کہ متعاقدین کو خیار نہ ملنے ہی سے استصناع کی غرض پوری ہوگی اور اس قسم کے معاملات جاری رہیں گے، ورنہ تو نہ کوئی اعتماد ہوگا اور نہ کوئی انعقاد مگر صرف صورۃً)۔

مجلۃ الاحکام العدلیۃ میں چیز مطلوبہ اوصاف کے مطابق تیار ہو کر مشتری کے سامنے پیش کرنے سے پہلے اور پیش کرنے کے بعد دونوں مرحلوں کے سلسلہ میں حضرت امام ابو یوسفؒ کے اقوال کو اختیار کرتے ہوئے ایجاب وقبول کے بعد ہی سے اس معاملہ کو لازم قرار دیا گیا ہے۔"اذا انعقد الاستصناع فلیس لأحد العاقدین الرجوع وإذا لم یکن المصنوع علی الأوصاف المطلوبة المبینة کان المستصنع مخیرا... الاستصناع بیع ولیس وعدا مجردا فإذا انعقد فلیس لأحد العاقدین علی روایة ابی یوسف الرجوع عنه بدون رضاء الاخر فیجبر الصانع علی عمل الشیء المطلوب ولیس له الرجوع عنه، لأن الذی یبیع مالا لم یرد له الخیار وکذالک لیس للمستصنع أن یرجع عنه، لانه لو جعل له الخیار للحق البائع اضرار، لانه قد لا یرغب فی المصنوع احد غیر المستصنع۔لیس للصانع بعد عمل المصنوع الامتناع عن تسلیمه الی المستصنع واذا امتنع الصانع بعد ما رآه المستصنع عن تسلیمه له أجبر علی تسلیمه له أما اذا باعه من آخر وقد رآه المستصنع وکان البیع قبل القبول فله ذلک، واذا کان المصنوع غیر موافق للأوصاف المطلوبة فإن کان النقص الموجود فیه من قبیل العیب فللمستصنع خیار العیب، وإن کان من قبیل الوصف فله خیار الوصف إن شاء قبله وإن شاء رده ومتی قبله بعد رؤیته فلیس له رده، وقال ابو یوسف :لیس للمستصنع خیار الرؤیة خلافا لبعض الفقهاء" (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام: ۱/ ۴۲۱، المادۃ: ۳۹۲)۔

دکتور وہبہ زحیلی صاحب نے بھی اس رائے کی تائید کی ہے کہ یہ عقد شروع ہی سے لازم ہونا چاہئے۔"وفی تقدیری ان الرأی الذی أخذت به المجلة سدید جدا منعا من وقوع المنازعات بین المتعاقدین ودفعا للضرر عن الصانع اذ أن اغراض الناس تختلف باختلاف الشیء المصنوع حجما ونوعا وکیفیة، ولأن هذا الرای یتفق مع مبدأ القوة الملزمة للعقود بصفة عامة فی الشریعة ویتناسب مع الظروف الحدیثة التی یتفق فیها علی صناعة اشیاء خطیرة وغالیة الثمن کالسفن والطائرات فلا یعقل والحالة هذه أن یکون عقد الاستصناع فیها غیر لازم" (الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۴/ ۶۹۸)۔

مجمع الفقہ الاسلامی جدہ کے ساتویں سیمینار کا فیصلہ ہے:

"ان عقد الاستصناع هو عقد وارد علی العمل والعین فی الذمة ملزم للطرفین اذا توافرت فیه الارکان والشروط"

(کہ عقد استصناع ایسا عقد ہے جس میں بائع کوئی عمل کر کے کوئی چیز تیار کرنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے، یہ فریقین پر لازم ہوتا ہے، بشرطیکہ عقد کے شرائط موجود ہوں۔)

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے بھی یہ لکھا ہے کہ استصناع عقد بیع ہے اور فریقین پر لازم ہے (دیکھئے: جدید مالیاتی ادارے: ۵۰)۔

جبکہ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب کی رائے یہ ہے کہ صانع کے اپنا کام شروع کرنے سے پہلے یہ عقد لازم نہ ہوگا، البتہ اس کے کام شروع کرنے کے بعد یہ معاملہ لازم ہوگا، اس لئے استصناع کے معاہدے کی وجہ سے تیار کنندہ پر یہ اخلاقی ذمہ داری عائد ہوگی کہ اس چیز

کوتیار کرے، تیار کنندہ کے اپنا کام شروع کرنے سے پہلے فریقین میں سے کوئی بھی دوسرے کو نوٹس دے کر معاہدہ منسوخ کرسکتا ہے، البتہ تیار کنندہ کے کام شروع کرنے کے بعد معاہدہ یک طرفہ طور پر ختم نہیں کیا جاسکتا (دیکھئے: اسلامک بنکاری اور دور حاضر میں اس کی عملی شکل ملحقہ: اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۵/ ۱۵۴)۔

(۳): ظاہر ہے کہ استصناع میں خریدار جس چیز کو خریدتا ہے وہ عقد کے وقت معدوم ہوتی ہے، تو جیسے وہ ایک معدوم شیء کو خرید کر رہا ہے، کیا مبیع (مصنوع) کو وجود میں لانے سے پہلے وہ اسے کسی اور سے اور پھر یہ دوسرا خریدار کسی تیسرے شخص سے فروخت کرسکتا ہے؟ اور سلسلہ وار بیع کی تمام صورتیں بیع معدوم سے مستثنیٰ ہوگی؟ آج کل خاص کر فلیٹس کی خرید و فروخت میں کثرت سے ایسی بات پیش آتی ہے۔

اس سوال کے متعلق مقالہ نگار حضرات کے تین نقطہا ئے نظر ہیں:

پہلا نقطۂ نظر: یہ ہے کہ ایک مرتبہ عقد استصناع کے بعد مبیع (مصنوع) کے وجود میں آنے سے پہلے مستصنع وہ چیز کسی اور سے اور پھر یہ دوسرا خریدار کسی تیسرے شخص سے فروخت کرسکتا ہے اور یہ سلسلہ وار بیع کی تمام صورتیں بیع معدوم کی ممانعت سے مستثنیٰ ہوکر درست ہوگی۔

اس رائے کے قائلین یہ ہیں: مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی شبیر احمد قاسمی شاہی مرادآباد، مولانا محمد مقیم الدین ندوی، مفتی رضوان الحسن مظاہری، مفتی محمد اشرف قاسمی گونڈوی، مفتی محمد ریاض ارمان قاسمی، مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی بنگلوری، مولوی محمد زبیر ندوی، مفتی محمد سلطان کشمیری، مولوی محمد عاشق الہی، مفتی اکمل یزدانی، مفتی ابوسفیان مفتاحی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مفتی اکرام الحق ربانی ندوی، مفتی محفوظ الرحمن قاسمی۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ دوسری، تیسری مرتبہ سلسلہ وار عقد میں مبیع اگرچہ معدوم ہے، لیکن حکماً موجود سمجھی جائے گی، کیوں کہ اس طرح عقد کا تعامل ہے اور استصناع کے جواز کی بنیاد تعامل ہے، جیسا کہ پہلی مرتبہ کے عقد میں تعامل کی وجہ سے مبیع حکماً موجود سمجھی جاتی ہے۔

دوسرا نقطۂ نظر: یہ ہے کہ (مصنوع) کو وجود میں لانے سے پہلے خریدار کا کسی اور سے اور پھر دوسرے خریدار کا کسی تیسرے شخص سے فروخت کرنا درست نہیں ہے اور سلسلہ وار بیع کی تمام صورتیں بیع معدوم سے مستثنیٰ نہ ہوگی، البتہ خاص کر فلیٹس میں اس طرح کی خرید و فروخت کا رواج ہونے کی وجہ سے اس کا حکم مذکورہ حکم سے مستثنیٰ ہوگا اور یہ معاملہ جائز ہوگا۔ یہ رائے مفتی نثار عالم ندوی، مفتی عمر امین الہی کی ہے، جبکہ مفتی روح اللہ قاسمی، مولانا ارشد علی رحمانی، مفتی محمد عظمت اللہ رحیمی نے لکھا ہے کہ سلسلہ وار بیع اگر منقولات کی ہو تو ناجائز ہے اور اگر غیر منقول اشیاء کی ہو تو جائز ہے اور مولوی محمد عثمان گوریني نے لکھا ہے کہ قبل القبض فروخت کرنا تو جائز نہیں ہے، البتہ نزول عن الحق کے طریقہ پر اس کا عوض لینے کی اور صانع کے ذمہ جو حق متعلق ہوگیا ہے اس کا عوض لیکر دستبردار ہونے کی گنجائش ہے۔

تیسرا نقطۂ نظر: یہ ہے کہ ایک مرتبہ عقد استصناع کے بعد جب تک مبیع (مصنوع) وجود میں نہ آجائے تب تک مستصنع وہ چیز کسی اور سے اور پھر یہ دوسرا شخص کسی تیسرے شخص سے فروخت نہیں کرسکتا اور پہلی مرتبہ کے عقد کے علاوہ سلسلہ وار بیع کی ماباقیہ تمام صورتیں بیع معدوم کی ممانعت سے مستثنیٰ نہ ہوگی۔

اس رائے کے حاملین اکثر مقالہ نگار حضرات ہیں، جن کے اسماء گرامی یہ ہیں: اختر امام عادل قاسمی، مفتی آصف یاسین پالنپوری، مفتی ابوحماد غلام رسول قاسمی، مفتی روح الامین سعادتی، مفتی محمد شاہ جہاں ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا کلیم اللہ عمری مدنی، مفتی لطیف الرحمن ولایت علی، مفتی شبیر احمد دیولوی، مفتی عبد القیوم پالنپوری، مظاہر حسین عماد قاسمی، مفتی عبد اللہ کاوی والا، مفتی جنید پالنپوری، مفتی سلمان پالنپوری، مفتی رحمت اللہ ندوی، مفتی عبد التواب اناوی، مولانا عبد الباسط پالنپوری، مفتی عبد الرزاق قاسمی امروہی، مولانا عابد الرحمن مظاہری بجنوری، مفتی نثار احمد گودھروی، مفتی محمد فاروق دربھنگوی، مولانا محمد الیاس قاسمی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی محمد فرقان فلاحی، مفتی شاہد علی قاسمی، مفتی عارف باللہ قاسمی، مفتی محمد اکرام پالنپوری، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا یوسف قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مفتی یاسر قاسمی، مفتی ریاست علی قاسمی رامپوری، مفتی منصف بدایونی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا زبیر احمد قاسمی، عبد القادر عبد اللہ کیرالا، عبد اللہ سعدی، مفتی آفتاب عالم غازی، مفتی محمد سلمان منصور پوری، مفتی محمد اسجد قاسمی ندوی، مفتی اسماعیل گودھروی، مفتی ابوبکر شکر پوری، مفتی جہانگیر حیدر قاسمی، مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی، مفتی بدر احمد مجیبی، مفتی انور علی اعظمی، مفتی محمد انور قاسمی، مفتی محمد یوسف ایلولوی، مفتی محمد اقبال ٹنکاروی اور عارض حقیر کی بھی یہی رائے ہے۔

دلائل :

☆ دوسری اور تیسری مرتبہ کے عقد میں مبیع معدوم ہے، ابھی تک تیار نہیں کی گئی ہے اور معدوم شی، کی بیع درست نہیں ہوتی، حدیث میں اس کو منع کیا گیا ہے، حضرت حکیم بن حزامؓ کی روایت ہے: ''اتیت رسول اللہ ﷺ فقلت یاتینی الرجل یسئلنی من البیع ما لیس عندی ابتاع له من السوق ثم ابیعه قال لا تبع مالیس عندک'' (رواہ ابوداؤد وسکت عنہ: اعلاء السنن ۱۴ / ۱۵۸ و رواہ الترمذی، ابواب البیوع، باب کراھیة بیع مالیس عندک: ۱/ ۱۴۸، رقم: ۱۲۳۲) (حضرت حکیم بن حزامؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر عرض کیا، میرے پاس لوگ آکر ایسی چیزیں فروخت کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں کہ جو میرے پاس نہیں ہوتی ہے، تو کیا میں بازار سے خرید کر اس کو بیچ سکتا ہوں؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو چیز تمہارے پاس موجود نہ ہو اس کی بیع نہ کیا کرو)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ نہ تو سودا اور قرض جائز ہے، نہ سودے کے ساتھ دو شرطیں درست ہیں، نہ غیر مضمون چیز کا نفع لینا صحیح ہے اور نہ ہی غیر موجود شی، کی بیع جائز ہے۔ ''لا یحل سلف وبیع، و شرطان فی بیع، ولا ربح مالم یضمن، ولا بیع مالیس عندک'' (رواہ الترمذی عن عبد اللہ بن عمرو، ابواب البیوع، باب ماجاء فی کراھیة بیع مالیس عندک وقال: ھذا حدیث حسن صحیح: ۱/ ۱۴۸، رقم: ۱۲۳۴)۔

فقہاء نے بھی اس ممانعت کو ذکر کیا ہے: ''من شرط المعقود علیه ان یکون موجودا مالا متقوما مملوکا فی نفسه وأن یکون ملک البائع فیما یبیعه لنفسه وأن یکون مقدور التسلیم'' (الدر مع الرد: ۷/ ۲۲۶) وبطل بیع مالیس بمال... والمعدوم...'' (الدر فی ھامش الرد، ۷/ ۲۳۵–۲۳۶)۔

اس ممانعت کی وجہ غرر و ضرر اور دھوکہ و جہالت ہے، جس کی وجہ سے لوگوں کے درمیان اختلاف اور نزاع پیدا ہوتا ہے، معدوم شی، کی بیع میں جو دھوکہ اور غرر و ضرر ہے وہ مخفی نہیں، ایسا ہوسکتا ہے کہ یہ شخص مطلوب شی، پر قدرت حاصل نہ کر سکے اور نبی کریم ﷺ نے دھوکہ کی بیع سے بھی منع فرمایا ہے، روایت میں ہے: ''نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع الغرر'' (رواہ الترمذی عن ابی ھریرة، ابواب البیوع، باب ماجاء فی کراھیة بیع الغرر

وقال: حدیث حسن صحیح: ۱/۱۴۸، رقم: ۱۲۳۰) اس میں معدوم، غیر مملوک، غیر مقدور التسلیم، مجہول، غیر مقبوض سبھی قسم کی چیزیں داخل ہیں، کیوں کہ غرر ان سبھی چیزوں میں پایا جاتا ہے، صورت مذکورہ میں گہرائی سے غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر تسلسل بڑھے گا اسی قدر نزاع کے امکانات میں اضافہ ہوگا۔

☆ ابھی وہ فلیٹ وغیرہ مصنوع تعمیر اور تیار نہ ہونے کی وجہ سے خود اس مستصنع کے ضمان اور ذمہ داری میں نہیں آیا ہے، جبکہ غیر مضمون چیز کو بیچنا اور اس سے نفع حاصل کرنا شرعاً ممنوع ہے، جیسا کہ پہلے روایت میں گذرا: ’’**ولا ربح مالم یضمن**‘‘ اور صحیح ابن حبان میں ہے: ’’**ولا بیع مالم یضمن**‘‘ (رواہ ابن حبان عن عبداللہ بن عمرو بن عاص: کتاب العتق، باب الکتابة، رقم: ۴۳۲۱)۔

☆ یہ بات تو مسلم ہے کہ استصناع یہ بیع سلم ہی کی ایک نوع ہے، البتہ بعض احکام میں اس سے مختلف ہے، جن بعض احکام میں یہ دونوں الگ الگ ہیں مثلاً: مبیع کے لئے مدت کا متعین ہونا یا نہ ہونا، ثمن کی نقد ادائیگی لازم ہونا یا نہ ہونا، مبیع میں معاملہ کا تعامل ہونا یا نہ ہونا، مبیع کا قابل صنعت ہونا یا نہ ہونا وغیرہ، اس کو فقہاء اور علماء نے تفصیل سے ذکر کر دیا ہے، لیکن مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کو فروخت کرنے کے سلسلہ میں بیع سلم اور بیع استصناع باہم مختلف ہے، اس کی تصریح کتب فقہیہ میں احقر کو نہیں ملی، جس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اس باب میں دونوں باہم متفق ہیں اور بیع سلم کے متعلق صراحت ہے کہ مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں بیع وغیرہ کسی قسم کا تصرف کرنا درست نہیں ہے:

’’لایجوز التصرف للمسلم الیه فی راس المال ولا لرب السلم فی المسلم فیه قبل قبضه بنحو بیع و شرکة و مرابحة و تولیة‘‘

(الدر مع الرد، ۷، ۴۹۷) پس اسی طرح استصناع میں بھی مصنوع کے وجود میں آنے سے پہلے اس مبیع (مصنوع) کو بیچنا درست نہ ہونا چاہئے۔

☆ اس میں سود کا دروازہ کھلنے کا بھی اندیشہ ہے، کیوں کہ جب تک شیء وجود میں نہ آئے اور لوگ یکے بعد دیگرے بیچتے چلے جائیں تو بظاہر یہ روپیوں کا تبادلہ روپیوں سے ہونا معلوم ہوتا ہے اور جب روپیوں کا تبادلہ روپیوں سے ہو تو کمی زیادتی کے ساتھ معاملہ ناجائز ہو جاتا ہے، لہٰذا اس طرح کرنا درست نہ ہوگا۔

☆ جواز کے قائلین نے دوسری اور تیسری مرتبہ کے عقد کو پہلی مرتبہ کے عقد پر قیاس کیا ہے، مگر شاید یہ قیاس مع الفارق ہے، کیوں کہ:

الف — پہلی مرتبہ کا عقد مبیع معدوم ہونے کے باوجود دو باتوں کی وجہ سے جائز ہوتا ہے: اول: لوگوں میں استصناع کی ضرورت اور تعامل کا ہونا، دوم: استصناع (آرڈر دے کر بنوانے) کی حقیقت کا پایا جانا، ظاہر ہے کہ دوسری، تیسری مرتبہ کے عقد میں پہلی مرتبہ کی طرح عمومی اور واقعی ضرورت اور تعامل تسلیم کرنا مشکل ہے، کیوں کہ اس عقد سے عامۃ حاجت انسانی کی تکمیل مقصود نہیں ہوتی، بلکہ تمویل مقصود ہوتی ہے اور پھر اس میں استصناع (آرڈر دے کر چیز بنوانا) بھی نہیں پایا جاتا، کیوں کہ صورت مذکورہ میں پہلا خریدار دوسرے خریدار سے یا دوسرا خریدار پہلے خریدار سے آرڈر دے کر چیز نہیں بنواتا، بیع استصناع نہیں کرتا، جیسا کہ استصناع متوازی میں ہوتا ہے، بلکہ بیع مطلق کرتا ہے، تیار کی جانے والی چیز کا سودا کرتا ہے اور بیع مطلق میں عقد کے وقت مبیع کا وجود شرط ہے، جو یہاں نہیں ہے، بالفاظ دیگر: اس عقد کا جواز صانع یعنی آرڈر لے کر بنانے والے یا بنوانے والے کے ساتھ ہی مشروط ہے، غیر صانع سے کیا جائے تو وہ استصناع نہیں ہوگا، بلکہ کلی طور پر معدوم کی بیع مطلق ہوگی، جس کی ممانعت منصوص ومصرح ہے، اس لئے پہلی مرتبہ کے عقد پر قیاس کرنا محل نظر ہے۔

ب — مستصنع کیلئے شیء معدوم کی خریداری کا جواز لوگوں کی ضرورت وحاجت کی وجہ سے ثابت ہے: اَلحق بالموجود لمساس

الحاجة اليه" (البدائع: ۳، ۹۳) اور فقہ کا مسلمہ اصول ہے :"ما ابيح للضرورة يقدر بقدرها" (الاشباہ والنظائر، القاعدة الخامسة الضرر يزال ۸۶) (کہ جس چیز کا جواز ضرورت کی وجہ سے ہو وہ بقدر ضرورت ہی جائز رہتی ہے۔) لہذا پہلی مرتبہ کے عقد میں تو مستصنع کی ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے حق میں تو معدوم چیز کی خریداری جائز ہوگی، مگر مصنوع کے وجود میں آنے سے پہلے اس کا دوسرے کو اور دوسرے کا تیسرے کو بطور تجارت بیچنا ضرورت سے زائد ہو کر نا جائز ہوگا۔

ج۔ مستصنع کیلئے شیءِ معدوم کی خریداری کا جواز خلاف قیاس بطور استحسان ثابت ہے اور فقہ اسلامی کا مسلمہ اصول ہے :"ما ثبت على خلاف القياس فغيره لايقاس عليه" (شرح القواعد الفقهية للزرقا، القاعدة الرابعة عشرة: ۱۵۱) "ثم المستحسن بالقياس الخفي يصح تعديته بخلاف المستحسن بالاثر او بالاجماع أو الضرورة كالسلم والاستصناع" (منتخب الحسامی ۱۰۴) (کہ جو چیز خلاف قیاس بطور استحسان ثابت ہو وہ مورد شرع ہی پر منحصر رہتی ہے۔ اس میں تعدیہ جائز نہیں ہوتا، اس پر قیاس کر کے دوسرے میں حکم ثابت کرنا درست نہیں ہوتا) پس یہاں بھی ایسا ہی ہوگا اور دوسری اور تیسری مرتبہ کے عقد کو پہلی مرتبہ کے عقد پر قیاس کرنا صحیح نہ ہوگا۔

☆ منقول چیزوں اور مکان، فلیٹ وغیرہ غیر منقول چیزوں کے درمیان فرق کرنے والے حضرات کو شاید فقہاء کی اس تصریح سے اشتباہ ہو گیا ہے کہ منقول چیزوں کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں ہے اور مکان، فلیٹ وغیرہ غیر منقول چیزوں کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے، حالانکہ صورت مذکورہ میں عدم جواز کی بنیادی وجہ مبیع کا حقیقۃً اور حکماً ہر دو طرح معدوم ہونا ہے، مقبوض نہ ہونا یہ دوسرے درجہ کی چیز ہے اور معدوم ہونا یہ منقول اور غیر منقول دونوں قسم کی چیزوں میں پایا جاتا ہے، پس منقول چیزوں اور مکان، فلیٹ وغیرہ غیر منقول چیزوں کے درمیان فرق کرنا محل نظر ہے۔

☆ واضح رہے کہ صورت مذکورہ یعنی یہ کہ مصنوع کے تیار کئے جانے سے پہلے مستصنع کا اس کو کسی اور شخص سے بیچ دینا یہ صورت اور استصناع متوازی کی صورت دونوں الگ الگ صورتیں ہیں، ایک یا قریب قریب نہیں ہیں، ایک شخص کا دوسرے کو آرڈر دیکر کوئی چیز بنوانا، پھر تیسرے شخص کا آرڈر پر بنوائی ہوئی چیز کو تیار ہونے سے پہلے خرید لینا اور ہے اور ایک شخص کا دوسرے کو کوئی چیز بنانے کا آرڈر دینا پھر اس شخص کا دوسرے سے بنوانا اور چیز ہے، دونوں میں فرق موجود ہے جو ادنیٰ غور و فکر سے سمجھا جا سکتا ہے مختصر طور پر اس طرح کہ استصناع متوازی میں پہلا شخص مستصنع، دوسرا شخص صانع پھر مستصنع اور تیسرا شخص صانع ہے، جبکہ زیر بحث صورت میں پہلا شخص صانع، دوسرا شخص مستصنع اور تیسرا شخص مستصنع سے بیع مطلق کر کے شیءِ مصنوع کو وجود میں آنے سے پہلے خریدنے والا ہے، یہ دونوں آپس میں عقد استصناع نہیں کرتے ہیں، بیع مطلق کرتے ہیں پس دونوں صورتوں کا حکم بھی الگ الگ ہوگا، زیر بحث صورت نادرست ہے اور استصناع متوازای کی صورت درست ہے۔ یا پھر اس طرح کہ زیر بحث صورت میں فلیٹ وغیرہ فروخت کرنے والا یعنی مستصنع نفع کے ساتھ دوسرے کو بیچ کر درمیان سے الگ ہو جاتا ہے، اور معاملہ کا ذمہ دار بنوانے والا ہی رہتا ہے، اس لئے یہ درست نہ ہوگا جبکہ استصناع متوازی میں ایسا نہیں ہوتا۔

مذکورہ بالا وجوہات کے پیش نظر دوسری اور تیسری مرتبہ کا عقد معدوم شیء کی بیع کی ممانعت سے مستثنیٰ ہونا اور سلسلہ واری تمام بیوع کا درست ہونا فہم سے بالاتر ہے۔

بیت التمویل الکویتی کا فتوی بھی عدم جواز کا ہے :

"لایجوز بیع الشقق المشتراة بعقد استصناع بنفس الشروط والمواصفات وبالثمن الذی یتفق علیه مع المشتری قبل تمام بنائها واستلامها، لأن هذا من بیع المعدوم ولأنها غیر موجودة فعلا بالشکل الذی تباع علی اساسه" (الفتاوی الشرعیۃ فی المسائل الاقتصادیۃ، رقم الفتوی ۳۳۶، المسائل الاقتصادیۃ: ۱/ ۲۰۷)۔

مفتی گجرات حضرت اقدس مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم نے بھی اپنے فتاوی میں اس طرح کے معاملہ کو نادرست قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ بیع المعدوم ہے، جو باطل ہے (دیکھئے محمود الفتاوی: ۲/ ۴۶۵-۴۶۷)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب مدظلہ العالی کے فتاوی میں بھی یہی بات مذکور ہے، لکھا ہے :

"اگر ابھی بلڈنگ تعمیر ہی نہیں ہوئی ہے، تو خریدنے والے شخص سے اس کا بیچنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ جو چیز بیچی جائے اس کا فی الجملہ موجود ہونا ضروری ہے" (کتاب الفتاوی: ۵/ ۲۷۲)۔

عقد استصناع

(سوال نمبر ۵ – ۸)

مفتی عبدالرزاق قاسمی امروہی ☆

"عقد استصناع" کے موضوع پر اکیڈمی کی جانب سے راقم السطور کے پاس سوال نمبر ۵ تا ۸ کے عرض مسئلہ کے لئے کل ۶۷ مقالات بھیجے گئے، مقالہ نگار حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی شبیر احمد قاسمی، مولانا روح الامین سعادتی، مفتی ابوحماد غلام رسول منظور قاسمی، مفتی محمد اشرف قاسمی، مفتی محمد یحییٰ قاسمی، مفتی آصف یاسین قاسمی، ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محمد احسن عبدالحق ندوی، حافظ مولانا کلیم اللہ عمری، مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی، مفتی لطیف الرحمن ولایت علی، مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا شبیر احمد دیولوی، مولانا محمد ظفر عالم ندوی، مفتی عبدالقیوم پالنپوری، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مفتی جنید بن محمد پالنپوری، مفتی سلمان پالنپوری، ڈاکٹر علی محی الدین قرہ داغی، مولانا محمد حذیفہ بن محمود ٹیلر داحودی، مولانا رحمت اللہ ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا محمد نثار عالم ندوی، مولانا عبد التواب اندوی، مفتی محمد روح اللہ قاسمی، مولانا محمد یوسف علی، مولانا عبدالباسط پالنپوری، مفتی عبدالرزاق قاسمی، مفتی باقر ارشد قاسمی، مفتی عابد الرحمن مظاہری، مفتی نثار احمد گودھروی، مولانا زین العابدین کوثری، مولانا محمد زبیر ندوی، مولانا محمد فاروق بارڈولی، مولانا محمد الیاس قاسمی، مولانا عبد القادر عبداللہ، مولانا عبیداللہ سعدی، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی محمد سلطان کشمیری، مولوی محمد عاشق الٰہی، مولانا عبدالخالق صاحب، مولانا محمد فرقان فلاحی، مفتی محمد منصف قاسمی، مفتی شاہد علی قاسمی، مفتی محمد عارف باللہ قاسمی، مفتی عمر امین الٰہی، مفتی محمد اکرام پالنپوری، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مفتی محمد رضوان الحسن قاسمی، مولانا محمد عثمان جونپوری، مفتی محمد جعفر علی رحمانی، مولانا محمد یاسر قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی اکمل یزدانی قاسمی، مولانا محمد یوسف قاسمی جودھپوری، مولانا محمد ارشد جودھپوری، مولانا نسیم الدین ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی ریاست علی امروہوی۔

جن چار سوالات کے متعلق عرض مسئلہ کا بندے کو حکم دیا گیا تھا ان میں پہلا سوال یہ ہے :

سوال نمبر ۵ — اسلامی مالیاتی ادارے استصناع کو بطور استثمار استعمال کرنے کے لئے ایک ایسا طریقہ اختیار کرتے ہیں جسے وہ استصناع موازی یا متوازی کہتے ہیں، یہ معاملہ بنیادی طور پر تین فریقوں کے درمیان ہوتا ہے، جس میں مالیاتی ادارے کی حیثیت درمیانی فریق کی ہوتی ہے، ادارہ ایک شخص سے آرڈر حاصل کرتا ہے، اور دوسرے شخص کو خود آرڈر دیتا ہے اور دونوں کی قیمت میں ایسا فرق رکھتا ہے کہ پہلے شخص سے جو رقم حاصل ہو وہ اس کا نفع ہو جائے، اس صورت میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

☆ [illegible]

اس سوال کے جواب میں ۶۵ مقالہ نگار حضرات تو اس بات پر متفق ہیں کہ استصناع کی یہ شکل جس کو استصناع متوازی کہا جاتا ہے شرعی طور پر چند قیود اور شرائط کے ساتھ جائز ہے، البتہ تین مقالہ نگار حضرات کا خیال یہ ہے کہ استصناع متوازی درست نہیں ہے، ان تین مقالہ نگار کے نام حسب ذیل ہیں: مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی۔

جو حضرات اس عقد کو جائز قرار دیتے ہیں انہوں نے مشترکہ طور پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ:

۱- حضرات فقہاء نے استصناع کے تحقق کے لئے ایسی کوئی شرط نہیں لگائی ہے جس کی رو سے یہ لازم آتا ہو کہ یہ عقد اسی کے ساتھ ہوگا جو اس شئی کو خود تیار کرے، پھر یہ شخص کسی دوسرے سے مشتری کی مطلوبہ شئی تیار کرا کر خریدار کو سپرد کر دے تو بھی شرعاً یہ عقد درست ہو جائے گا، اس کے بارے میں علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

"لأن العقد ماوقع علی عین المعقود بل علی مثله في الذمة لما ذکرنا أنه لو اشتری من مکان اخر و سلم الیه جاز"

(بدائع ۵/۴)، صاحب ہدایہ اور علامہ شامی نے بھی اسی طرح کی عبارات پیش کی ہیں۔

۲— دوسری دلیل یہ ہے کہ فقہاء نے اجارہ کے باب میں یہ صراحت کی ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی کام کرانے کے لئے کسی شخص کو اجرت پر لیا اور اجیر پر کوئی شرط نہ لگائی کہ وہ خود کام کرے تو اجیر کے لئے جائز ہے کہ کام کسی تیسرے شخص سے کرالے، استدلال میں فقہ المعاملات کی عبارت کو پیش کیا گیا ہے:

"وإن أطلق کان له أی للأجیر أن یستأجر غیره" (فقہ المعاملات ۱/۲۷۲)، بلکہ اس سے بھی زیادہ واضح عبارت استصناع متوازی کے جواز میں بدائع کی ہے، علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

"والدلیل علیه أن صانعا تقبل عملا بأجر ثم لم یعمل بنفسه، ولکن قبله لغیر بأقل من ذلک طاب له الفضل" (بدائع ۶/۱۲)۔

لہذا اگر عقد کا انحصار کاریگر کی کاریگری پر ہوتا تو اس صورت میں عقد ہی درست نہ ہوتا، کیونکہ صنعت اور عمل تو دوسرے کی طرف سے وجود میں آیا ہے، پس استصناع متوازی کی زیر بحث صورت کہ ادارہ یا اصل صانع کسی سے آرڈر لے کر خود عمل کے بجائے دوسرے کو آرڈر پر دیدے تو یہ معاملہ درست ہے۔

۳— صنعت کار اور خریدار کے درمیان کبھی واسطہ کی ضرورت پڑتی ہے، کبھی خریدار کو اصل صنعت کار کا پتہ نہیں ہوتا یا اچھے اور برے کی ان کو تمیز نہیں ہوتی، یا کہ خود معاملہ کرنے میں ان کو کسی نقصان یا فریب کا اندیشہ ہوتا ہے، ایسی صورتوں میں کسی درمیانی فرد یا ادارے کی ضرورت پڑتی ہے جو اس کی صحیح رہنمائی کر سکے، ہر فن کے کچھ ماہرین ہوتے ہیں اور ہر ایک کا ایسا میدان کار ہوتا ہے، اس طرح درمیان میں ایک واسطہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، اس طرح استصناع متوازی کا جواز سمجھ میں آتا ہے۔

۴— مفتی عابد الرحمن مظاہری بجنوری، مفتی نثار عالم ندوی اور مفتی ابوحماد غلام رسول منظور صاحب اسلامی مالیاتی ادارے کو دلال اور وکیل کی حیثیت دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ مالیاتی ادارہ یا بینک صانع اور مستصنع کے درمیان داخل ہو کر جو نفع حاصل کرتا ہے وہ درست اور جائز ہے، بینک یا مالیاتی ادارہ مستصنع کے حق میں دلال یا وکیل ہے اور اگر بینک، یا مالیاتی ادارہ کو اجیر مان لیا جائے تو بھی نفع حلال ہے۔

۵—مفتی احسن عبد الحق ندوی، مولانا ریاض ارمان قاسمی، مولانا لطیف الرحمن ولایت علی، مولانا شبیر احمد دیولوی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مفتی جنید احمد پالنپوری، مولانا عبد التواب، مولانا عبد الباسط پالنپوری، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مفتی نثار احمد، مفتی اقبال احمد قاسمی اور مولانا راشد حسین ندوی نے مفتی محمد تقی عثمانی کی کتاب سے یہ اقتباس پیش کیا ہے: ضروری نہیں کہ تمویل کار گھر کی خود تعمیر کرے، بلکہ وہ کسی تیسرے فریق کے ساتھ متوازی استصناع کے معاہدہ میں داخل ہوسکتی ہے، یا کسی ٹھیکہ دار کی خدمات بھی حاصل کرسکتا ہے، دونوں صورتوں میں وہ لاگت کا حساب لگا کر استصناع کی قیمت کا تعین اس انداز سے کرسکتا ہے کہ اس سے اسے لاگت پر معقول منافع حاصل ہوجائیں (اسلام اور جدید معاشی مسائل ر ۱۵۷)۔

۶—اسلامی مالیاتی ادارے دونوں طرف کے پیسے طے کر لینے کے بعد اگر قیمت میں فرق رکھتے ہیں تو یہ زائد رقم ان کا حق المحنت ہوگی اور حق المحنت اجرت مثل کے بقدر ہونی چاہئے۔

البتہ جن مقالہ نگار حضرات نے استصناع متوازی کے جواز کی بات کہی ہے انہوں نے اس کی کچھ شرائط بیان کی ہیں جو اختصار کے ساتھ حسب ذیل ہیں:

۱—دونوں عقد منفصل ہوں، ایک دوسرے کے ساتھ مشروط نہ ہوں اور اس طرح باہم منسلک نہ ہوں کہ ان میں سے ایک کے حقوق اور ذمہ داریاں دوسرے عقد کے حقوق اور ذمہ داریوں پر موقوف ہوں۔

۲—مالیاتی ادارے مستصنع کو صانع کے ساتھ عقد کا مکلف نہ بنائے اور نہ اس کو نگرانی کا یا شئی مصنوع پر قبضہ کا وکیل بنائے۔

۳—یہ معاملہ تیسرے فریق سے ہو جس کا مستصنع سے کوئی ربط نہ ہو۔

۴—ادارہ شئی مصنوع کو اولا اپنی تحویل میں لے پھر استقرار ملک کے بعد مستصنع کو حوالہ کرے۔

۵—بینک یا مالیاتی ادارہ شئی مصنوع کی ادائیگی کی اتنی لمبی مدت متعین نہ کرے جو اس شئی کے بنانے میں درکار مدت سے بہت زیادہ ہو، بلکہ مناسب طور پر اتنی ہی مدت مقرر کی جائے جتنی کہ مطلوبہ سامان کی تیاری میں واقعی ضرورت ہو، کیونکہ زیادہ لمبا وقت لینے سے اس مال سے سرمایہ کاری لازم آئے گی جس میں سود کا شبہ ضروری ہے۔

تین مقالہ نگار حضرات: مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی شاہجہاں ندوی اور مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی کی رائے یہ ہے کہ استصناع متوازی جائز نہیں ہے۔

مفتی حبیب اللہ قاسمی نے لکھا ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارے استصناع کو بطور استثمار استعمال کرنے کے لئے جو طریقہ اختیار کرتے ہیں اس میں بوئے ربا پائی جاتی ہے، اس لئے اس شکل کی اجازت نہیں ہونی چاہئے، مولانا موصوف نے مزید کوئی وضاحت نہیں لکھی کہ اس میں بوئے ربا کیوں پائی جاتی ہے، البتہ مفتی شاہجہاں ندوی صاحب نے اس بارے میں تفصیلی کلام کیا ہے، اولاً: استصناع متوازی کی دونوں صورتوں کو نقل کیا ہے (یعنی مربوط وغیر مربوط) اس کے بعد لکھا ہے کہ استصناع متوازی غیر مربوط کو بہت سے معاصر فقہاء جائز قرار دیتے ہیں، لیکن میرے نزدیک (استصناع مربوط کے ناجائز ہونے کے ساتھ ساتھ) استصناع متوازی غیر مربوط بھی جائز نہیں ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱— استصناع متوازی غیر مربوط میں اگر چہ صورۃً ایک عقد دوسرے عقد سے مربوط نہیں ہوتا ہے، بلکہ بظاہر دونوں عقد الگ الگ ہوتے ہیں لیکن یہ اسلامی معیشت کے برخلاف ہے، کیونکہ اسلامی معیشت کی بنیاد حقیقی اشیاء اور خدمات کی پیداوار کے ذریعہ نفع کمانے پر ہے، جبکہ مالیاتی ادارہ کا مقصد استصناع کے ذریعہ تمویل کر کے زائد رقم حاصل کرنا ہے، اصل مقصد آرڈر پر سامان تیار کر کے فروخت کرنا نہیں، بلکہ قرض دے کر زائد رقم حاصل کرنا ہے جو کہ سود ہے۔

۲— مالیاتی ادارہ بحیثیت صانع میعادی ثمن کے بدل کسی گاہک کے ساتھ عقد استصناع کرتا ہے، پھر کسی کاریگر سے یا ٹھیکہ دار سے بعینہ وہی سامان خریدنے کا استصناع کرتا ہے تو گویا اسے جو رقم حاصل ہوتی ہے وہ میعاد کے بدلہ ہے، حقیقی محنت کے بدلہ نہیں ہے۔

۳— عام طور سے اسلامی مالیاتی ادارے شرطوں کی پابندی نہیں کرتے، بلکہ خریدار کو ہی ایجنٹ بنا دیتے ہیں کہ وہ فلاں کمپنی سے فلاں تاریخ کو اپنے بیان کردہ اوصاف کے تحقق کا یقین کر کے تیار کردہ سامان پر قبضہ کرے۔

۴— یہ معدوم کی بیع ہے اور ارشاد نبوی ﷺ ہے: ”لاتبع مالیس عندک“۔

ہماری نظر میں یہی رائے راجح ہے کہ استصناع متوازی جائز ہے، اس لئے کہ استصناع کے تحقق کے لئے حضرات فقہاء نے ایسی کوئی شرط نہیں لگائی ہے جس کی رو سے یہ لازم آتا ہو کہ یہ عقد اسی کے ساتھ ہوگا، جو اس شئی کو خود اختیار کرے۔

سوال نمبر ۶— استصناع کے تعلق سے چھٹا سوال یہ ہے کہ عقد استصناع میں بعض دفعہ صانع کو ایک مناسب رقم بطور بیعانہ کے دینی پڑتی ہے، اگر صانع (بائع) آرڈر کے مطابق مال تیار کردے، لیکن خریدار اس کو لینے سے مکر جائے تو بائع اس رقم کو ضبط کرسکتا ہے یا اس سے اپنے نقصان کی تلافی کرسکتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں (۵۳) مقالہ نگار حضرات کی رائے تو یہ ہے کہ صانع کے لئے عقد استصناع میں بیعانہ کی رقم سے اپنے نقصان کی تلافی کرنا (حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک کو ضرورت کی وجہ سے اختیار کرتے ہوئے) شرعاً درست ہے، البتہ بیعانہ کی رقم کو ضبط کرنے یا اس سے اپنے نقصان کی تلافی کرنے کا جواز صرف عقد استصناع کے دائرہ ہی تک محدود ہے، دیگر عقود میں اس کی اجازت نہ ہوگی، ان مقالہ نگار حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مولانا حبیب اللہ، مولانا روح الامین، مفتی شبیر احمد، مولانا اشرف علی، مولانا محمد تحیٰی قاسمی، مولانا آصف یاسین، مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا احسن عبدالحق، مولانا شبیر احمد دیلوی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا عبدالقیوم، مولانا مظاہر حسین، مولانا عبد اللہ، مولانا محمد جنید، مفتی محمد سلمان، مولانا حذیفہ، مولانا رحمت اللہ، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا محمد نثار عالم، مولانا عبدالباسط، مولانا یوسف علی، مولانا باقر ارشد، مولانا عابد الرحمن، مولانا زین العابدین، مولانا زبیر عالم، مولانا محمد فاروق، مولانا محمد الیاس، مولانا عبدالقادر، مفتی محمد اقبال، مولانا محمد سلطان، مولانا عاشق الٰہی، مولانا عبدالخالق، مولانا محمد فرقان، مولانا شاہد علی، مولانا عارف باللہ، مولانا عمر امین، مولانا شاہین جمالی، مولانا محمد رضوان، مولانا محمد منصف، مفتی محمد عثمان، مولانا خورشید احمد، مولانا ارشد رحمانی، مولانا یوسف علی قاسمی، مولانا خورشید، مولانا ابوسفیان، مولانا محمد اکمل یزدانی، مولانا اشتیاق احمد، مولانا محمد یاسر قاسمی، مولانا جعفر علی رحمانی۔

گیارہ مقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ بیعانہ کی رقم کو عقد استصناع میں بیعانہ کی رقم ضبط کرنا یا اس سے اپنے نقصان کی تلافی کرنا

شرعا درست نہیں ہے، پھر ان میں بعض حضرات نے یہ رائے دی ہے کہ بائع کو چاہئے کہ وہ عدالت سے رجوع کرے، ان حضرات کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں :

مفتی اختر امام عادل قاسمی، مفتی ابوحماد غلام رسول، مولانا عبد التواب، مولانا روح اللہ، مولانا نثار احمد، مفتی عبد اللہ سعدی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا اکرام، مولانا زبیر احمد قاسمی، مفتی ریاست علی، مولانا مقیم الدین، اور راقم السطور عبد الرزاق قاسمی۔ تین حضرات نے اس بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے۔

جو حضرات بائع کے لئے بیعانہ کی رقم کو ضبط کرنے یا اس سے اپنے نقصان کی تلافی کرنے کے جواز کی رائے رکھتے ہیں انہوں نے مشترک طور پر یہ بات لکھی ہے کہ ضرورت شدیدہ کی بنا پر امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کو چھوڑ کر امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک کو اختیار کیا جاسکتا ہے، کیونکہ امام احمد بن حنبلؒ عربون (بیعانہ) کی رقم ضبط کرنے کی اجازت دیتے ہیں اور امام احمد بن حنبلؒ کا استدلال اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کے فیصلہ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے فتوی سے ہے، چنانچہ علامہ ابن قدامہ نے "المغنی" میں لکھا ہے :

"والعربون في البيع هو أن يشتري السلعة، فيدفع إلى البائع درهما أو غيره على أنه إن أخذ السلعة احتسب به من الثمن، وإن لم يأخذها فذلك للبائع... قال أحمد : لا بأس به وفعله عمر ﷺ وعن ابن عمر ﷺ أنه أجازه، وقال ابن سيرين : لا بأس به، وقال سعيد بن المسيب وابن سيرين : لا بأس إذا كره السلعة أن يردها ويرد معها شيئا" (المغنی ۴/۱۶۰)۔

اس بارے میں حسب ذیل روایات ان کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں : "عن زيد بن أسلم أن النبي ﷺ أحل العربان في البيع" (المصنف لابن ابی شیبہ ۱۱/۱۶۷، رقم ۲۳۲۵۶، ۲۳۲۶۱) "عن عبد الرحمن بن فروخ أن نافع بن عبد الحارث اشترى دار السجن من صفوان بن أمية بأربعة آلاف درهم، فإن رضي عمر ﷺ فالبيع له، وإن عمر لم يرض فأربع مائة لصفوان" (المصنف لابن أبی شیبہ ۱۱/۱۶۷، رقم ۲۳۲۶۲) اور بخاری کے ترجمۃ الباب میں اس روایت کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے : "واشترى نافع بن عبد الحارث دارا للسجن بمكة من صفوان بن أمية على إن عمر ﷺ رضي بالبيع فالبيع بيعه، وإن لم يرض عمر ﷺ فلصفوان أربع مائة دينار" (بخاری شریف ۱/۳۲۷)۔

مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی لکھتے ہیں کہ یہ عقد لازم ہے اور جو اس عقد کو توڑے گا اس پر لازم ہے کہ وہ فریق ثانی کو ہرجانہ ادا کرے، ارشاد ربانی ہے : "أن لا تزر وازرة وزر أخرى، وأن ليس للإنسان إلا ما سعى" اگر ایسا نہ ہوگا تو صانع کو مال تیار کرنے یا معیاری مال تیار کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہوگی۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی کہتے ہیں کہ : اس سلسلہ میں بعض نظیروں سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے، غرور کی وجہ سے بعض اوقات رجوع بالنقصان جائز ہوتا ہے، علامہ شامی لکھتے ہیں : "وإذا قال الأب لأهل السوق : بايعوا ابني، فقد أذنت له في التجارة فظهر أنه ابن غيره رجعوا عليه للغرور وكذا لو قال : بايعوا عبدي فقد أذنت له فبايعوه ولحقه دين ثم ظهر أنه عبد لغيره رجعوا عليه" (شامی ۴/۱۰۹، کتاب المرابحہ، مطلب الغرر درلا یوجب الرجوع، مکتبہ رشیدیہ پاکستان)۔

یہی صورت حال استصناع میں ہوتی ہے، صانع محض مستصنع کے آرڈر کی وجہ سے مال تیار کراتا ہے، اب اگر مستصنع لینے سے

انکار کر دے تو صانع کا نقصان ہو رہا ہے، وہ دیکھ لے کہ کتنا نقصان ہو رہا ہے، اسی کے بقدر بیعانہ سے وضع کرے تو گنجائش ہے۔

مفتی اقبال احمد صاحب اور مولانا محمد حذیفہ صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت تھانویؒ نے بھی عقد استصناع میں مشتری کے مکر جانے اور انکار کرنے کی صورت میں اس سے لیا ہوا ثمن روک رکھنے کی اجازت دی ہے، فرماتے ہیں: ''یہ معاملہ وعدہ نہیں بیع ہے تو بنوانے والا لینے سے انکار نہیں کرسکتا اور انکار کی صورت میں صانع زر ثمن رکھ سکتا ہے'' (امداد الفتاوی ۳؍۱۴۱)۔

مفتی عارف باللہ صاحب اور مفتی جنید پالنپوری نے دلیل میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی عبارت پیش کی ہے۔ اگر وہ اس کے لئے تیار نہ ہو اور شرعی اور قانونی حدود میں رہتے ہوئے اس پر دباؤ اثر انداز بھی نہ ہو تو ایسا کیا جاسکتا ہے کہ اس کی رقم ضمانت میں بازار کے عام نرخ کے مطابق اس سامان کی جو مقدار مل سکتی ہے وہ اس کو دے دی جائے اور باقی کو کسی اور سے فروخت کرنے کی کوشش کی جائے۔

جو حضرات کسی بھی صورت میں بیعانہ کی رقم سے تلافی نقصان کی اجازت نہیں دیتے، انہوں نے درحقیقت نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے مروی اس حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں آپ ﷺ نے بیع عربون سے صاف طور پر منع فرمایا ہے، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے: ''نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع العربان'' (مشکوۃ رص ۲۴۸)، اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے اپنی مشہور کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں تحریر فرمایا ہے: ''فیہ معنی المیسر'' کہ اس میں جوئے کا معنی پایا جاتا ہے جو کہ شرعاً حرام ہے۔

اب رہ جاتا ہے کہ صانع کو ضرر سے کیسے بچایا جائے؟ کیونکہ اس نے آرڈر کے مطابق بہت زیادہ مال تیار کر دیا ہے اور اس ڈیزائن اور اس معیار کا مال مارکیٹ میں کوئی لینے کے لئے تیار نہیں، اگر مستصنع نہیں لیتا تو بائع شدید نقصان سے دو چار ہوگا، اور دوسری طرف مشتری بھی جری ہو جائے گا مال تیار کروا دے گا اور بہانے بنا کر لینے سے یہ سوچ کر انکار کر دے گا کہ مجھ پر کیا تاوان اور جرمانہ ہے جو ڈرنے کی بات ہے۔

اس سلسلہ میں مفتی ابو حماد غلام رسول قاسمی صاحب نے لکھا ہے کہ بیعانہ کی رقم تو بہر صورت بائع واپس کر ہی دے۔ لیکن معاہدہ اور معاملہ طے کرتے وقت مشتری سے اس بات کی وضاحت کر دے کہ اگر تم نے مال تیار کروا کے نہیں لیا اور میرا مال کہیں دوسری جگہ فروخت بھی نہیں ہوا اور مجھے نقصان سے دو چار ہونا پڑا تو اس صورت میں دو عادل متدین آدمی جو طے کریں گے وہ دینا ہوگا اور اس وقت ''الضرر یزال'' اور ''لا ضرار في الإسلام'' اور ''المسلمون علی شروطھم'' کے قواعد پر عمل کیا جائے گا تو مناسب ہوگا۔ تاکہ بائع کو نقصان سے بچایا جاسکے تاہم اس پر مزید غور وخوض کی ضرورت ہے۔

راقم السطور کی رائے بھی یہی ہے کہ مشتری اگر مال لینے سے بلا کسی وجہ شرعی کے انکار کرے تب بھی اس پر جرمانہ عائد کرنا یا بیعانہ کو ضبط کرنا درست نہ ہوگا، اس لئے کہ وہ ثمن جو مال بنوانے والے کے ذمہ میں ہے مانند قرض کے ہے جس کی عدم ادائیگی کی صورت میں کسی بھی طرح کا مالی جرمانہ عائد کرنا درست نہ ہوگا، البتہ ایسے مواقع پر شریعت کی ان احتیاطی تدبیروں کو اختیار کرنا چاہئے جن سے قرضوں کے ضائع ہونے کو بچایا جاتا ہے، مثلاً مستصنع سے کوئی شئی رہن رکھوا دی جائے یا اس کا کوئی کفیل لے لیا جائے، یا پھر قانونی چارہ جوئی کی جائے۔

سوال نمبر: ۷—اگر کسی چیز کا آرڈر دیا جائے اور مصنوع کے لئے موجودہ میٹریل خود خریدار فراہم کردے تو یہ عقد استصناع کے حکم میں ہوگا یا اجارہ کے؟ عقد استصناع میں اگر آرڈر کے مطابق چیز نہ پائے جائیں تو خریدار کو رد کرنے کا اختیار ہوتا ہے، کیا اس صورت میں بھی آرڈر دینے والے کو اس کا حق حاصل ہوگا؟ اور اگر آرڈر دینے والے کو اس کا قبول کرنا ضروری ہو تو مکمل طور پر آرڈر کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے جو نقصان ہوا ہے، کیا وہ صانع سے اس کا جرمانہ وصول کرسکتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام ہی مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ عقد کی یہ صورت عقد اجارہ شمار ہوگی اور صانع کی حیثیت اجیر مشترک کی ہوگی اور مستصنع کی حیثیت مستاجر کی ہوگی، اس سلسلے میں حضرات فقہاء کی نصوص واضح ہیں، ''فتاوی تاتارخانیہ'' میں ہے:

''والاستصناع أن يكون العين والعمل من الصانع، فأما إذا كان العين من المستصنع لا من الصانع يكون اجارة ولا يكون استصناعا'' (تاتارخانیہ ۱۵/ ۳۴۷)، اسی طرح کے الفاظ ''شرح المجلہ'' میں بھی ہیں، لہٰذا اگر سامان آرڈر کے مطابق نہ ہو تو اس پر اجارہ کے احکام جاری ہوں گے اور خریدار کو رد کرنے کا اختیار ہوگا، اور بائع کو میٹریل کا تاوان دینا ہوگا، گویا یہ مانا جائے گا کہ صانع نے خریدار کا میٹریل ہلاک کردیا ہے اجیر پر تاوان کے احکام کتب فقہ میں تفصیل سے مذکور ہیں۔

مولانا اختر امام عادل صاحب نے اس سلسلے میں ''المبسوط'' کی یہ عبارت نقل کی ہے: ''إذا أسلم حديدا إلى حداد ليصنعه إناء مسمى بأجر مسمى فإنه جائز ولا خيار له فيه إذا كان مثل مسمى ... وإن أفسده الحداد، فله أن يضمنه حديده مثل حديد ويصير الإناء للعامل وإن شاء رضي به وأعطاء الأجر'' (المبسوط ۱۵/ ۱۵۵)۔

البتہ اس سوال کے جواب میں صرف مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی نے اختلاف کیا ہے اور لکھا ہے کہ میٹریل خود خریدار فراہم کرے تب بھی یہ عقد استصناع ہی ہوگا، چنانچہ لکھتے ہیں کہ: جس طرح صاحبین کے نزدیک استصناع میں وقت متعین کرنے کے باوجود وہ استصناع ہی رہتا ہے اور وقت متعین کرنے کا مقصد کام میں جلدی کرنا ہوتا ہے، میرا خیال یہ ہے کہ یہاں مستصنع (خریدار) کی طرف سے میٹریل کی فراہمی کا مقصد استعجال ہے اور اسی خواہش کے تحت مستصنع صانع کو میٹریل فراہم کررہا ہے، تاکہ کام جلد ہوجائے، عقد استصناع میں اگرچہ عین اور عمل یعنی میٹریل اور کام دونوں صانع کی ذمہ داری ہے: ''والاستصناع يستلزم شيئين هما العين والعمل وكلاهما يطلب من الصانع'' (موسوعۃ فقہیہ ۳/ ۳۲۸)۔

راقم الحروف کی رائے میں یہی راجح ہے کہ عقد کی یہ صورت اجارہ شمار ہوگی، اس میں اگر سامان آرڈر کے مطابق نہ ہو تو بائع کو میٹریل کا نقصان دینا ہوگا، کیونکہ کتب فقہ میں اجیر پر تاوان کی صراحت موجود ہے۔

سوال نمبر: ۸—عقد استصناع کے تعلق سے آٹھواں سوال یہ ہے کہ: عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی تاریخ مقرر ہوجائے، مگر اسے بائع وقت پر فراہم نہ کرپائے تو کیا خریدار اس کا تاوان وصول کرسکتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں ۵۵ مقالہ نگار حضرات کی رائے تو یہ ہے کہ عقد استصناع میں صانع کے لئے جرمانہ کی شرط فریقین کے باہمی اتفاق کے مطابق شامل کی جاسکتی ہے، بشرطیکہ ذمہ داری کو پورا نہ کرنے یا اس میں تاخیر کرنے کے مجبور کن حالات نہ ہوں، مجبور کن حالات کی صورت میں تاوان کی شرط پر عمل نہ کیا جائے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ عام حالات میں شئی مصنوع کی ادائیگی میں تاخیر پر اگر جرمانہ کی شرط

نہ لگائی جائے تو صانع کی طرف سے ٹال مٹول کے قوی امکانات ہیں جس سے باہمی نزاع پیدا ہوگا، اور شرط لگانے کی صورت میں صانع کو فکر ہوگی کہ وقت مقررہ پر سامان ادا کرے۔

مفتی شبیر احمد صاحب، مولانا ظفر عالم ندوی، اور مولانا عبدالقیوم پالنپوری نے بھی اس کو اجارہ پر ہی قیاس کیا ہے اور لکھا ہے: اجارہ میں اس کی نظیر موجود ہے اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ مذکورہ صورت میں بائع کو یہ نقصان برداشت کرنا پڑ جائے گا، جبکہ مشتری کو معاملہ رد کرنے کا حق ہوگا "أما استيجار الصانع كالحائك و الخائط و الصباغ ففي حالة المخالفة في الجنس كأن يسلم انسان ثوبا إلى صباغ ليصبغه لونا معينا فصبغه لونا آخر يكون صاحب الثوب بالخيار إن شاء ضمن الصباغ قيمة الثوب وإن شاء أخذ الثوب و أعطى الصباغ ما زاد الصبغ فيه" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۳۸۵۵)۔

چنانچہ حضرات فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کپڑوں کی سلائی کے لئے کسی خیاط کو یہ کہہ کر کپڑا پیش کرتا ہے کہ اگر خیاط ایک دن میں یہ کپڑا تیار کردے تو اس کی اجرت سو روپے ہوگی، دو دن میں تیار کرے تو سو روپے کے بجائے پچاس روپے ہوگی، تو اس طرح سے عقد استصناع میں بھی مال کی قیمت کو فراہمی کے وقت کے ساتھ منسلک کیا جا سکتا ہے، لہذا اگر فریقین اس بات پر متفق ہوں کہ فراہمی میں تاخیر کی صورت میں فی یوم یا فی ہفتہ قیمت میں سے متعینہ مقدار کم ہوتی جائے گی، ایسا کرنا شرعاً جائز ہے اور اس زمانہ کے مفکر مفتی تقی عثمانی صاحب نے اس کو جائز لکھا ہے۔

مولانا روح الامین صاحب نے لکھا ہے کہ اس کی تخریج کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک تو یہ ہے کہ نظائر پر قیاس کیا جائے، دوسرے اصول عامہ سے استنباط کیا جائے، پھر مولانا نے نظائر میں ایک تو ضرورت کے وقت بیع عربون کے جواز کو پیش کیا ہے، دوسری نظیر رہن و کفالت کو قرار دیا ہے، تیسری نظیر اجارہ کو قرار دیا ہے، یعنی اگر آج سل کردے گا تو ایک درہم اجرت کل دے گا تو آدھا درہم اجرت ہوگی اور اصول عامہ سے اس شرط کا جواز اس طرح معلوم ہوتا ہے۔

۱— یہ اصول ثابت کیا جا چکا کہ عقود و شروط اور معاملات میں اصل اباحت ہے اور جب تک دلیل سے حرمت ثابت نہ ہو، اسے حرام قرار نہیں دیا جائے گا، اس کا تقاضہ ہے کہ شرط جزائی کی اجازت ہو، جبکہ عاقدین پہلے سے اس پر اتفاق کریں۔

۲— اس ضمان کی مشروعیت سے حقوق العباد کے ساتھ کھلواڑ اور بہت سے مفاسد کا سد باب ہے، لہذا "لا ضرر و لا ضرار" اصول کے تحت اس کی اجازت ہونی چاہئے۔

۳— "المسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما" اصول بھی اسی کا متقاضی ہے۔

۴— "الضرر يزال" اصول کا یہ مطالبہ ہے، کیونکہ کبھی ازالہ کی صورت تعویض ہی ہوتی ہے۔

۵— قاضی شریح کا یہ ارشاد "من شرط على نفسه طائعا غير مكره فهو عليه" بھی اس کا مؤید ہے، اس کے بعد مولانا نے چند شبہات کا جواب دیا ہے:

۱— حدیث میں شرط فی البیع کی مخالفت ہے، پھر اس کی گنجائش کیوں کر ہو سکتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ: حدیث اگر ثابت ہے تو اپنے عموم اور ظاہر پر نہیں ہے، چنانچہ تمام ہی فقہاء نے شرط کے جواز میں اس حدیث سے کوئی معارضہ نہیں کیا ہے۔

۲ — بظاہر شرط جزائی میں احد العاقدین کی منفعت ہے اور جو شرط احد العاقدین کی منفعت پر مشتمل ہو فقہاء کے نزدیک فاسد ہے؟ جواب یہ ہے کہ: شرط جزائی کسی عاقد کے لئے منفعۃ محضہ نہیں ہے، بلکہ فریق آخر کی طرف سے وعدہ کی مخالفت کی بناء پر ہونے والے ضرر کا تدارک ہے، اسی لئے فقہاء کی بیان کردہ شرط فاسد میں یہ شامل نہیں۔

۳ — یہ تعزیر مالی ہے، جس کی فقہاء جمہورا اجازت نہیں دیتے؟ جواب: اولاً: تو یہ تسلیم نہیں کہ یہ تعزیر مالی ہے، کیونکہ یہ عقوبات و زواجر کے قبیل سے نہیں ہے جو حرام کے ارتکاب پر قاضی یا حاکم مقرر کرتا ہے، بلکہ یہ فریقین کی جانب سے طے شدہ معاہدہ کی خلاف ورزی پر ہونے والے ضرر کا ازالہ، اور اس کا معاوضہ ہے، ثانیا: اگر یہ بھی ایک قسم کی تعزیر مالی ہے تو جواب یہ ہے کہ بہت سے محققین نے سنن وآثار کی بنیاد پر بعض صورتوں میں اسے جائز قرار دیا ہے۔

۴ — یہ بظاہر ربا النسیئہ ہے جس کی حرمت منصوص ہے؟ جواب: ربا النسیئہ کی حرمت نقدین اور اموال ربویہ میں ہے، یہی وجہ ہے کہ بیع معجّل اور مؤجل میں قیمت کا تفاوت جائز ہے، تاہم چند امور کا لحاظ لابدی ہے، ۱ — تاوان یا معاوضہ کی شرط پر متعاقدین اتفاق کر کے معاملہ طے کریں، جیسا کہ فقہاء نے مسئلہ اجارہ کی صورت بیان کی ہے "إن خطته اليوم فبدرهم أو غدا فبنصف درهم"، ۲ — ضرر واقعی، محض احتمال ضرر پر معاوضہ وصول کرنے کا حق نہ ہوگا، ۳ — بقدر ضرر ہی معاوضہ وصول کرنا جائز ہوگا، ۴ — اگر تاخیر کسی غیر اختیاری امر کی وجہ سے ہو تو ضمان واجب کرنا درست نہ ہوگا۔

مولانا سید باقر ارشد قاسمی لکھتے ہیں: فقہاء کے مسلمہ قاعدہ "المعروف كالمشروط" کے مطابق اس وقت عرف وقت کے تعیین کا ہے اور تاخیر کی صورت میں خود معاہدہ کے وقت جرمانہ کی صراحت بھی کردی جاری ہے، ایسی صورت میں عوام کے عرف کے مطابق آج ضروری ہے کہ مدت کی صراحت ہے علی سبیل الاستعجال کے ساتھ ساتھ تاخیر کی صورت میں جرمانہ کو عائد کیا جائے۔

مولانا اختر امام عادل صاحب نے شرط جزائی کے بارے میں تین باتوں سے استیناس کیا ہے: ۱ — قاضی شریح کی عدالت میں ایک مسئلہ اسی طرح کا آیا تو انہوں نے کہا: "من شرط على نفسه طائعا غير مكره فهو عليه" اس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے، ۲ — اس کو بیع عربون پر قیاس کرلیا جائے بوقت ضرورت، ۳ — امام احمد بن حنبلؒ کی طرف سے یہ بات کہی جاتی ہے کہ اگر شرطوں کا تجزیہ کیا جائے تو ایسی شرط ہے جو گو مقتضائے عقد سے نہیں، لیکن مصالح عقد سے ضرور ہے لہذا فی زمانہ اسے اختیار کیا جانا چاہئے۔

آٹھویں سوال کے جواب میں ۱۲ مقالہ نگار حضرات نے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی تاریخ مقرر کی جانے اور بائع اس تاریخ پر مبیع حوالہ نہ کر سکے جس کی وجہ سے خریدار کو نقصان ہو کہ اس کو بازار سے اس سے دوگنی رقم میں مبیع خرید کر اپنے مشتری کو حوالہ کرنی پڑے تو اس صورت میں اس نقصان کا تاوان بائع پر لازم نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ خریدار بائع کی جانب سے اس بات پر مامور نہیں تھا کہ وہ کسی تیسرے سے ایسی چیز کا عقد کرے جو ابھی وجود میں نہیں آئی اور نہ ہی عقد استصناع میں اس قسم کی شرط ملحوظ ہوتی ہے، رہی یہ بات کہ بائع اپنے کئے ہوئے وعدہ پر قائم نہ رہ سکا تو وعدہ خلافی پر کسی قسم کا مالی تاوان بائع پر لازم نہیں کیا جاسکتا، اس رائے کو مندرجہ ذیل افراد نے اختیار کیا ہے، مولانا اشرف قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا احسن عبدالحق، مولانا کلیم اللہ عمری، مولانا محمد حذیفہ، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا عبداللہ سعدی، مولانا محمد اکرام، مفتی منصف، مولانا خورشید احمد، مفتی ریاست علی، مولانا خورشید انور، مولانا محمد یاسر قاسمی۔

لیکن اس رائے پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ مستصنع کو جو نقصان ہو رہا ہے وہ بائع کی وعدہ خلافی پر ہو رہا ہے، تو کیا اس کے نقصان کی تلافی کی بھی کوئی صورت ممکن ہے؟ اس کے جواب میں مفتی محمد اکرام صاحب پالنپوری نے لکھا ہے کہ: خریدار کو اتنا اختیار ہو سکتا ہے کہ بازار میں دونوں چیزوں کی قیمت کا پتہ لگائے کہ فلاں چیز اتنی مقدار میں اتنے دن میں بنائی جائے تو کتنی رقم دی جاتی ہے اور اگر اتنے زیادہ وقت میں بنائی جائے تو کتنی رقم دی جاتی ہے؟ عرف کے اعتبار سے دونوں کے درمیان جو فرق ہوگا اتنی مقدار وہ اپنے ثمن سے وضع کر سکتا ہے، جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اجارہ کا مشہور مسئلہ ہے کہ اگر کوئی درزی سے کہہ دے کہ اگر آج یہ کپڑا بنا کر دیا تو اتنی اجرت دی جائے گی اور اگر کل بنا کر دیا تو اتنی اجرت دی جائے گی، اب اگر دوسرے دن بنا کر دیا تو امام صاحب کے نزدیک اجرت مثل دی جاتی ہے۔

راقم الحروف کی نظر میں پہلی ہی رائے قرین قیاس ہے، اس لئے کہ عقد میں اصل اباحت ہی ہے جب تک کہ دلیل حرمت ثابت نہ ہو، نیز اگر شرط جزائی نہ لگائی جائے گی تو اس میں مشتری کے لئے ضرر عظیم لازم آئے گا، اور قاعدہ ہے: "الضرر یزال"۔

دوسرا باب

تفصیلی مقالات

لوکل اور بین الاقوامی مارکیٹ میں عقدِ استصناع کے مسائل

مفتی شبیر احمد قاسمی ☆

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم أما بعد!

آج کے زمانہ میں عقدِ استصناع کا معاملہ عالمی سطح پر وسیع تر ہو چکا ہے، مقامی اور لوکل مارکیٹوں سے تجاوز کر کے ممالک بعیدہ سے عقدِ استصناع کا تجارتی معاملہ پھیل چکا ہے، اس لئے موضوع کی اہمیت اور اس میں پیدا ہونے والے نئے مسائل کی وجہ سے اس نوع کی تجارت کے بعض جزئی مسائل وضاحت طلب ہیں، اسی کے تناظر میں یہ مضمون پیش خدمت ہے۔

معاملۂ استصناع کے جواز کا مدار تعامل ناس پر :

استصناع کا معاملہ ایسی شئی کا عقد ہے جو شئی معدوم ہوتی ہے، عقد کے وقت اس شئی کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہوتا ہے، اور شرعی ضابطہ اور اصول کے مطابق ایسی شئی کی خرید و فروخت جائز اور مشروع نہیں ہوتی ہے، جس شئی کا خارج میں کوئی وجود نہ ہو؛ اس لئے اصول اور ضابطہ کے مطابق استصناع کا معاملہ جائز نہیں ہونا چاہئے، مگر شریعت نے تعاملِ ناس اور لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے عقدِ استصناع کو اصول وضوابط سے مستثنیٰ کر کے جائز قرار دیا ہے؛ اس لئے استصناع کا معاملہ ہر ایسے امور اور ایسی اشیاء میں جائز ہوگا جن اشیاء کو آرڈر دیکر بنوانے کا لوگوں کے درمیان تعارف اور تعامل ہو چکا ہو اور ایسی اشیاء میں جائز نہیں ہوگا جن اشیاء کو آرڈر دے کر تیار کروانے کا لوگوں کے درمیان تعامل نہ ہو، اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔ اس کو عنایہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے :

يَجُوزُ اسْتِحْسَانًا وَالْقِيَاسُ يَقْتَضِي عَدَمَ جَوَازِهِ لأَنَّهُ بَيْعُ الْمَعْدُومِ وَقَدْ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَيْعِ مَا لَيْسَ عِنْدَ الإِنْسَانِ (إلى قوله) وَجْهُ الاسْتِحْسَانِ الإِجْمَاعُ الثَّابِتُ بِالتَّعَامُلِ، فَإِنَّ النَّاسَ فِي سَائِرِ الأَعْصَارِ تَعَارَفُوا الاِسْتِصْنَاعَ فِي مَا فِيهِ تَعَامُلٌ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ، وَالْقِيَاسُ يُتْرَكُ بِمِثْلِهِ (وقوله) وَلأَنَّهُ يَجُوزُ فِيمَا فِيهِ تَعَامُلٌ لاَ فِيمَا لاَ تَعَامُلَ فِيهِ (عنایہ مع فتح القدیر زکریا دیوبند ۷/۱۰۸)۔

(استصناع کا معاملہ استحساناً جائز ہے اور قیاس اس کے عدم جواز کا متقاضی ہے؛ اس لئے کہ یہ معاملہ شئی معدوم کی بیع ہے اور یقیناً حضور ﷺ نے ایسی چیز کے بیچنے سے منع فرمایا ہے جو انسان کے پاس نہ ہو اور استحساناً جواز کی دلیل ایسا اجماع ہے جو تعاملِ ناس سے ثابت ہے؛ اس لئے کہ بے شک لوگ ہر زمانہ میں ایسی چیزوں میں بلا نکیر استصناع کا معاملہ کرنے کو متعارف جانتے ہیں، جن چیزوں میں معاملہ کرنے کا تعامل ہو چکا ہو۔ اور اس جیسے تعامل کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور مصنف کا قول : بے شک معاملۂ استصناع ان

☆ [illegible]رالافتاء، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (الہند)۔

چیزوں میں جائز ہے جن میں معاملہ کرنے کا تعامل ہے اور ان چیزوں میں جائز نہیں ہے جن میں تعامل نہیں ہے)۔

اسی کو امام زیلعیؒ نے ''تبیین الحقائق'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

وَأَمَّا الْاِسْتِصْنَاعُ فَلِلْاِجْمَاعِ الثَّابِتِ بِالتَّعَامُلِ مِنْ لَدُنِ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى يَوْمِنَا هٰذَا، وَهُوَ مِنْ أَقْوَى الْحُجَجِ (تبیین الحقائق ملتان ۴/ ۱۲۳، زکریا ۴/ ۵۳۲، بکذا فی البدائع زکریا دیوبند ۴/ ۹۳، مبسوط سرخسی ۱۲/ ۱۳۸)۔

(اور بہر حال استصناع کا معاملہ اس اجماع کی وجہ سے مشروع ہے، جو حضور ﷺ کے زمانہ سے لے کر ہمارے اس زمانہ تک تعاملِ ناس کے ذریعہ سے ثابت ہے اور یہ قوی ترین حجت شرعیہ میں سے ہیں)۔

عقدِ استصناع اور عقدِ سلم کا فرق:

عقدِ استصناع اور عقدِ سلم میں کیا فرق ہے؟ اس سلسلے میں کتب فقہ میں کافی تفصیلات موجود ہیں اور دونوں عقد اس بات میں مشترک ہیں کہ دونوں میں شئی معدوم کی بیع ہوتی ہے اور تعامل ناس اور ضرورت کی وجہ سے ان دونوں عقدوں میں شئی معدوم کی خرید وفروخت کی اجازت دی گئی ہے اور دونوں عقدوں میں سے ہر ایک میں ثمن کا متعین ہونا اور مبیع کی جنس کا متعین ہونا اور اس کی قسم کا متعین ہونا اور اس کی مقدار اور صفت کا متعین ہونا لازم ہے، ورنہ عقد فاسد ہو جائے گا۔ چند امور میں دونوں عقد کے درمیان فرق ہے:

۱— عقدِ سلم میں رأس المال یعنی ثمن اور قیمت کا مکمل طور پر نقد ادا کرنا لازم ہو جاتا ہے اور مجلسِ عقد میں ثمن پر قبضہ کرنا بھی لازم ہو جاتا ہے، اس کے برخلاف عقد استصناع میں ثمن اور قیمت کا پیشگی ادا کرنا لازم نہیں ہے؛ جانبین کی تراضی سے جیسا طے ہو جائے ویسا ہی عمل کرنا جائز ہے، چاہے ساری قیمت پیشگی ادا کردے یا کچھ پیشگی ادا کردے، باقی بعد میں ادا کردے، یا کچھ بھی ادا نہ کرے؛ بلکہ مبیع کی وصولی کے وقت میں ادا کرے، تو ہر طرح سے جائز ہے (شرح المجلۃ رستم باز ۱/ ۲۲۱، رقم المادۃ: ۳۹۱، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۳۹۹)۔

۲— عقدِ سلم میں خیارِ شرط کا ثبوت نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ عقد کے وقت سے لازم ہو جاتا ہے، اس میں کسی کو خیار نہیں ہوتا ہے اور عقد استصناع غیر لازم ہوتا ہے، اس میں عقد کے بعد عمل سے پہلے خیار ثابت ہوتا ہے۔

۳— عقدِ سلم میں جنس مسلم فیہ جس کو مبیع کہا جاتا ہے، اسی قسم کی اشیاء کا بازار کے اندر ہر زمانہ میں موجود ہونا لازم ہے اور عقد استصناع میں شئی مصنوع کی قسم کی اشیاء کا بازار میں ہر وقت موجود ہونا لازم نہیں ہے۔

۴— عقدِ سلم میں مسلم فیہ کا از قبیل ذوات الامثال ہونا لازم ہے اور اس کے برخلاف عقد استصناع میں ذوات الامثال ہونا لازم نہیں ہے؛ بلکہ مبیع ذوات القیم بھی ہو سکتی ہے، جب کہ ایسی شئی میں معاملہ کرنے کا لوگوں کے درمیان تعامل ہو۔

۵— عقدِ سلم ایسی چیزوں میں جائز ہے جس کا لوگوں کے درمیان میں تعامل ہے اور ایسی چیزوں میں بھی جائز ہے جس کا لوگوں میں تعامل نہیں ہے، اس کے برخلاف عقد استصناع صرف ایسی چیزوں میں جائز ہے جس میں معاملہ کرنے کا لوگوں کے درمیان میں تعامل ہے اور ایسی چیزوں میں جائز نہیں ہے جس کا لوگوں میں تعامل نہیں ہے۔ یہ پوری تفصیل ''الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۳۹۹ سے ۴۰۱'' تک کے اندر موجود ہے۔

عقدِ استصناع بیع ہے یا وعدۂ بیع؟

معاملۂ استصناع کے بارے میں غور طلب بات یہ ہے کہ جب آرڈر دینے والا مال کانمونہ اور سائز دکھا کر مال بنانے کیلئے آرڈر دیتا ہے اور صانع اور کاریگر طے شدہ معاہدہ کے مطابق آرڈر قبول کرلیتا ہے تو یہ معاملہ عقدِ بیع ہے یا وعدۂ بیع ہے؟ تو اس سلسلے میں مسلکِ حنفی کے فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ اس بارے میں دو فریق ہیں:

فریق اول: حضرت امام حاکم شہید مروزیؒ، امام محمد بن سلمہؒ، امام صفارؒ۔ صاحبِ منثور امام ابوالقاسم ناصر الدین سمرقندیؒ وغیرہ۔ نے اس طرح کے معاملہ کے نفس بیع ہونے کا انکار کیا ہے اور انہوں نے یہ ثابت فرمایا ہے کہ یہ بیع نہیں ہے؛ بلکہ آئندہ چل کر عقدِ بیع کرنے کا معاہدہ اور وعدہ ہے؛ لہٰذا استصناع کا معاملہ طے ہوجانے کے بعد جانبین میں سے ہر ایک کو معاملہ ختم کرنے کا حق ہوگا اور عقدِ بیع اس وقت منعقد ہوگا جب صانع (کاریگر) طے شدہ شرائط کے مطابق مال تیار کر کے خریدار کو پیش کردے، اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ کیساتھ نقل فرمایا ہے:

ثُمَّ اختلفَ الْمَشَايِخُ أَنَّهُ مُوَاعَدَةٌ أَوْ مُعَاقَدَةٌ؟ فالْحَاكِمُ الشَّهِيدُ رحمه الله والصَّفَّارُ رحمه الله ومُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ رحمه الله وَصَاحِبُ الْمَنْثُورِ مواعدةٌ، وَإِنَّمَا يَنعَقِدُ عِندَ الْفَرَاغِ بَيْعًا بِالتَّعَاطِي، وَلِهٰذَا كَانَ لِلصَّانِعِ أَنْ لَا يَعْمَلَ وَلا يُجْبَرُ عَلَيْهِ بِخِلَافِ السَّلَمِ، وَلِلْمُسْتَصْنِعِ أَنْ لايَقْبَلَ مَا يَأْتِي بِهِ وَيَرْجِعَ عَنْهُ وَلا تَلْزَمُ الْمُعَامَلَةُ (فتح القدیر زکریا ۷/ ۱۰۸، بحر زکریا ۶/ ۲۸۳، الناظ کے فرق کے ساتھ مجمع الانہر بیروت ۳/ ۱۴۹، مبسوط سرخسی ۱۲/ ۱۳۹، تبیین الحقائق ملتان ۴/ ۱۲۳، زکریا ۴/ ۵۲۷)۔

(پھر مشائخ کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ استصناع کا معاملہ وعدۂ بیع ہے یا عقدِ بیع ہے؟ تو حاکم شہیدؒ، امام صفارؒ، محمد بن سلمہؒ اور صاحبِ منثورؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ وعدۂ بیع ہے اور یقیناً عقدِ بیع منعقد ہوگی مال کی تیاری کے بعد لین دین کے وقت۔ اور اسی وجہ سے کاریگر کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ مال نہ بنائے اور نہ ہی اس پر جبر کیا جاسکتا ہے، برخلاف معاملۂ سلم کے اور مستصنع (آرڈر دینے والے) کے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ جو مال بنا کر لائے اسے قبول نہ کرے اور اس معاملہ سے رجوع کرلے اور معاملہ ان دونوں کے درمیان میں لازم نہیں ہوتا ہے)۔

فریق ثانی: جمہور فقہاء کے نزدیک معاملۂ استصناع وعدۂ بیع نہیں ہے؛ بلکہ نفس عقدِ بیع ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امام محمدؒ نے استصناع کے اندر قیاس اور استحسان دونوں کو ذکر فرمایا ہے اور قیاس واستحسان وعدہ میں جاری نہیں ہوتے ہیں، نیز اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ معاملۂ استصناع ایسی چیزوں میں جائز ہے جن کے معاملہ کرنے کا لوگوں کے درمیان میں تعامل اور متعارف ہے اور جن معاملات میں تعامل نہیں ہے، اس میں استصناع جائز نہیں ہے، اس کو صاحبِ عنایہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ بَيْعٌ لَا عِدَةٌ وَهُوَ مَذْهَبُ عَامَّةِ مَشَايِخِنَا (عنایہ مع فتح القدیر زکریا دیوبند ۷/ ۱۰۸، کوئٹہ ۶/ ۲۴۲)۔

(اور صحیح یہی ہے کہ معاملۂ استصناع عقدِ بیع ہے نہ کہ وعدۂ بیع، یہی ہمارے عامۃ المشائخ کا مذہب ہے)۔

اور اس کو تبیین الحقائق میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

ثُمَّ فِي الصَّحِيحِ أَنَّ الاسْتِصْنَاعَ يَجُوزُ بَيْعًا (إلى قوله) وَجْهُ قَوْلِ الْجُمْهُوْرِ أَنَّ مُحَمَّدًا سَمَّاهُ شِرَاءً، وَذَكَرَ فِيهِ الْقِيَاسَ

وَالاسْتِحْسَانَ، وَفَصَلَ بَيْنَ مَافِيهِ تَعَامُلٌ وَمَا لَاتَعَامُلَ فِيهِ (تبیین الحقائق ملتان ۴/ ۱۲۳، زکریا ۴/ ۵۲۷)۔

(پھر صحیح یہی ہے کہ معاملۂ استصناع عقد بیع بن کرکے جائز ہے اور جمہور کے قول کی دلیل یہ ہے کہ امام محمدؒ نے معاملۂ استصناع کا نام خرید وفروخت رکھا ہے اور اس میں قیاس اور استحسان دونوں کو ذکر کیا ہے اور جن چیزوں میں تعامل ناس ہے ان کے درمیان اور جن چیزوں میں تعامل ناس نہیں ہے ان کے درمیان میں فرق بیان فرمایا ہے)۔

پہلے خریدار کا دوسرے خریدار کو اور دوسرے خریدار کا تیسرے خریدار کو فروخت کرنے کا معاملہ :

عقدِ استصناع کے جواز کا سارا مدار عرف وعادت اور تعاملِ ناس پر ہے اور عقدِ استصناع میں شئی معدوم ہی کی خرید وفروخت ہوتی ہے اور مبیع کا فی الحال وجود ہی نہیں ہوتا ہے، جب کہ عقدِ سلم میں بوقت عقد اگرچہ مبیع معدوم ہوتی ہے؛ لیکن تسلسل کے ساتھ بازاروں اور مارکیٹوں میں مدت پوری ہونے تک مبیع کا دستیاب ہونا لازم ہے اور اس کے برخلاف عقدِ استصناع میں شئی مصنوع (مبیع) کا تسلسل کے ساتھ مارکیٹ میں پایا جانا بھی لازم نہیں ہے، بس عقدِ استصناع کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ سائز، نمونہ اور ڈیزائن کے ساتھ آرڈر دیکر لوگوں کے درمیان معاملہ کرنے کا تعامل جاری ہوجائے اور بوقت عقد مبیع کا وجود میں ہونا لازم نہیں ہے؛ اس لئے مالیاتی ادارہ کے لئے ایسا کرنا جائز ہے، وہ اپنے لئے نمونہ اور سائز اور ڈیزائن وغیرہ کی شرائط کے ساتھ مال بنوانے کا آرڈر لے لے اور اسی ڈیزائن اور نمونہ کی شرائط کے ساتھ وہ مالیاتی ادارہ اپنے ماتحت کاریگروں کو مال بنوانے کا آرڈر دیدے اور اس میں اپنے منافع کے شرح کی رعایت رکھے اور اسی طرح جس بائع اور خریدار نے مالیاتی ادارہ کو آرڈر دیا ہے وہ اپنے منافع کی رعایت کرتے ہوئے سائز، نمونہ اور ڈیزائن دکھا کر اپنے خریدار کے ساتھ استصناع کا معاملہ کرے، اسی طرح دوسرے خریدار بھی اپنے نفع کی رعایت کرتے ہوئے تیسرے خریدار سے نمونہ اور ڈیزائنوں کی شرائط کے ساتھ معاملۂ استصناع کرتے جائیں اور سارے ڈیزائن اور نمونہ اور طے شدہ شرائط کاغذوں میں درج ہوں تو اس طرح کا معاملہ بلا شبہ جائز اور درست ہے، کیوں کہ اس طرح معاملہ کرنے کا تعامل لوگوں کے درمیان جاری ہوچکا ہے؛ اس لئے کہ معاملۂ استصناع میں دو چیزیں بنیادی ہوتی ہیں :

(۱) معاملہ کرنے کا عرف اور تعامل لوگوں کے درمیان میں جاری ہو۔

(۲) جس شئی پر معاملہ کیا جاتا ہے وہ شئی وجود میں نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ معدوم ہوتی ہے اور یہاں پر یہ دونوں بنیادی چیزیں موجود ہیں؛ اس لئے اس طرح کا معاملہ شرعاً جائز اور درست ہے۔

یہ حکم حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے :

يَجُوزُ اسْتِحْسَانًا وَالْقِيَاسُ يَقْتَضِي عَدَمَ جَوَازِهِ لِأَنَّهُ بَيْعُ الْمَعْدُومِ (قوله) وَجهُ الاسْتِحْسَانِ الإِجْمَاعُ الثَّابِتُ بِالتَّعَامُلِ، فَإِنَّ النَّاسَ فِي سَائِرِ الْأَعْصَارِ تَعَارَفُوا الاسْتِصْنَاعَ فِي مَافِيهِ تَعَامُلٌ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ، وَالْقِيَاسُ يَتْرُكُ بِمِثْلِهِ (عنایہ مع فتح القدیر علی الہدایہ زکریا دیوبند ۷/ ۱۰۸، کوئٹہ پاکستان ۶/ ۲۴۲)۔

(اور عقد استصناع استحساناً جائز ہے اور قیاس اس کے عدم جواز کا تقاضہ کرتا ہے؛ اس لئے کہ یہ شئی معدوم کی بیع ہے اور استحساناً جواز کی وجہ وہ اجماع ہے جو تعامل ناس سے ثابت ہے؛ اس لئے کہ بے شک لوگوں میں ہر زمانہ میں ان چیزوں میں عقد استصناع بلا کسی نکیر

کے متعارف رہا ہے، جن میں عقدِ استصناع کا تعامل رہے اور اس جیسے تعاملِ ناس کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے)۔

" الفقہ الاسلامی میں یہ بات وضاحت سے ذکر کی گئی ہے کہ عقدِ استصناع میں مبیع کا مارکیٹوں میں موجود ہونا بھی لازم نہیں ہے۔

وَيُشْتَرَطُ فِي عَقْدِ السَّلَمِ عِنْدَ الْحَنَفِيَّةِ كَوْنُ جِنْسِ الْمُسْلَمِ فِيهِ (الْمَبِيع) مَوْجُودًا فِي الأَسْوَاقِ بِنَوْعِهِ وَصِفَتِهِ مِنْ وَقْتِ الْعَقْدِ إِلَى وَقْتِ حُلُولِ أَجَلِ التَّسْلِيمِ (قوله) وَلَا يُشْتَرَطُ ذٰلِكَ فِي عَقْدِ الاسْتِصْنَاعِ (الفقہ الاسلامی ۴/۲۰۱)۔

(اور حنفیہ کے نزدیک عقد سلم میں مسلم فیہ (مبیع) کا اپنے جنس اور صفت کے ساتھ عقد کے وقت سے سونپنے کے زمانہ تک بازاروں اور مارکیٹوں میں موجود ہونا شرط ہے اور عقدِ استصناع میں یہ شرط نہیں ہے)۔

چھوٹی منقول اشیاء کی طرح بڑی چیزوں میں استصناع کا معاملہ :

جس طرح جوتا، چپل، اوانی، برتن اور گھریلو اشیاء کو استصناع کے طور پر آرڈر دے کر بنوانا جائز ہے، اسی طرح استصناع کا معاملہ بڑی بڑی منقول چیزوں میں بھی جائز اور درست ہے، مثلاً بحری جہاز، ہوائی جہاز، چھوٹی بڑی گاڑیاں اور ٹرین کے ڈبے وغیرہ جب ایسی چیزوں میں سائز، نمونہ اور ڈیزائن کے ساتھ آرڈر دے کر بنوانے کا تعامل ہو تو عقدِ استصناع کا معاملہ ایسی بڑی بڑی چیزوں میں بھی جائز اور درست ہو جائے گا۔

اس کو الفقہ الاسلامی میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے :

ثُمَّ انْتَشَرَ الاسْتِصْنَاعُ انْتِشَارًا وَاسِعًا فِي الْعَصْرِ الْحَدِيثِ فَلَمْ يَعُدْ مَقْصُورًا عَلَى صِنَاعَةِ الأَحْذِيَةِ وَالْجُلُودِ وَالنِّجَارَةِ وَالْمَعَادِنِ وَالأَثَاثِ الْمَنْزِلِيِّ مِنْ مَفْرُوشَاتٍ وَغَيْرِهَا مِنَ الْخَزَائِنِ وَالْمَقَاعِدِ وَالْمَسَانِدِ وَالصَّنَادِيقِ، وَإِنَّمَا شَمَلَ صِنَاعَاتٍ مُقْطَوَرَةٍ وَمُهِمَّةٍ جِدًّا فِي الْحَيَاةِ الْمُعَاصِرَةِ كَالطَّائِرَاتِ وَالسُّفُنِ وَالسَّيَّارَاتِ وَالْقِطَارَاتِ وَغَيْرِهَا مِمَّا أَدَّى إِلَى تَنْشِيطِ الْحَرَكَةِ الصِّنَاعِيَّةِ (الفقہ الاسلامی ۴/۲۰۳)۔

(پھر استصناع کا معاملہ دورِ حاضر میں وسیع تر ہو کر پھیلتا چلا گیا؛ لہٰذا جوتا، چپل، چمڑے کی اشیاء، بڑھئی کی اشیاء، دھات کی اشیاء اور لوگوں کے صندوق، صوفے، کرسیاں، لاکر، بچھونے اور گھریلو سامان وغیرہ کے کے دائرہ میں محدود کر کے شمار نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ یقینی طور پر معاملۂ استصناع دورِ حاضر میں بہت زیادہ اور ترقی یافتہ مصنوعات کو بھی شامل ہے، جیسا کہ ہوائی جہاز، بحری جہاز، گاڑیاں، ٹرین کے ڈبے وغیرہ، جو صنعتی سرگرمیوں کی ترقی کو شامل ہے)۔

غیر منقول عقار میں استصناع کا معاملہ :

جس طرح چھوٹی بڑی منقول اشیاء میں نمونہ کے ساتھ آرڈر دے کر استصناع کا معاملہ جائز اور درست ہوتا ہے، اسی طرح جب غیر منقول عقار کو نمونہ اور سائز کے ساتھ آرڈر دے کر بنوانے کا لوگوں کے درمیان عرف اور تعامل جاری ہو جائے تو ایسی صورت میں غیر منقول عقار میں بھی استصناع کا معاملہ جائز اور درست ہو جائے گا؛ نمونہ اور نقشہ تیار کر کے عمارت، مکانات، فلیٹ وغیرہ کا بنوانا بھی معاملۂ استصناع کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز اور درست ہو جائے گا اور آج کے زمانہ میں بڑے شہروں میں نقشہ اور نمونہ کے مطابق فلیٹ بنوایا جاتا ہے، کتنے

کمرے، کس سائز کے کمرے، کتنے بیت الخلاء ہوں گے، کتنے غسل خانہ ہوں گے اور ان کا سائز کیا ہوگا اور کچن کتنا بڑا ہوگا؟ ان سب چیزوں کی تفصیل کے ساتھ جب فلیٹ بنانے کا آرڈر دیا جائے اور اسی کے مطابق جب فلیٹ تیار ہو جائے تو یہ معاملہ استصناع کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز اور درست ہو جائے گا، اسی طرح چھوٹے شہروں میں پلاٹنگ کا سلسلہ جاری ہے، پھر ان پلاٹوں میں نقشہ اور نمونہ کے مطابق عمارت بنانے کا مکان بنانے کا آرڈر دیا جاتا ہے، تو یہ بھی معاملہ استصناع کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز ہو جائے گا۔ اس کو "الفقہ الاسلامی" میں اس طرح کے الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

وإنما يشمل أيضا إقامة المباني وتوفير المساكن المرغوبة، وقد ساعد كل ذلك في التغلب على أزمة المساكن، ومن أبرز الأمثلة والتطبيقات لعقد الاستصناع بيع الدور والمنازل والبيوت السكنية على الخريطة ضمن أوصاف محددة (الفقہ الاسلامی ۲/۷۰۲)۔

(اور بے شک عقد استصناع مکانات کی تعمیر کرنے اور پسندیدہ رہائش کے حاصل کرنے کو بھی شامل ہے اور یقیناً یہ سب کے سب رہائشی بحران پر غلبہ حاصل کرنے میں معاون ہیں اور عقد استصناع کو عملی تشکیل دینے اور اس کی مثالوں کو عام کرنے میں نقشوں کے مطابق متعین اوصاف کے ضمن میں رہائشی کمروں اور گھروں اور مکانوں کی خرید و فروخت بھی شامل ہے)۔

عقد استصناع میں بیعانہ ضبط کرنے کا حکم:

معاملہ استصناع چونکہ وسیع ترین دائرہ میں پھیلا ہوا ہے، مقامی اور ملکی دائرہ میں وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ ممالک بعیدہ کے ساتھ بھی بین الاقوامی مارکیٹ میں استصناع کا معاملہ عام ہو چکا ہے اور ایسے حالات میں جب خریدار صانع کو آرڈر دیتا ہے، تو بسا اوقات ایسی بھی نوبت آجاتی ہے کہ نمونہ، سائز اور ڈیزائن دکھا کر آرڈر کا معاملہ مکمل ہو جاتا ہے اور بائع آرڈر اور طے شدہ شرائط کے مطابق مال تیار کر لیتا ہے، اس کے بعد خریدار بسا اوقات لینے سے مکر جاتا ہے، جس سے صانع اور بائع کو خطیر رقم کا نقصان اٹھانا پڑتا ہے، تو اس نقصان اور خطرہ سے بچنے کے لئے صانع (آرڈر لینے والا) مستصنع (آرڈر دینے والا) سے بطور بیعانہ کے پیشگی متعین رقم کا مطالبہ کرتا ہے اور اس میں یہ شرط لگاتا ہے کہ اگر مستصنع (آرڈر دینے والا) بعد میں لینے سے انکار کر دے تو بائع (آرڈر لینے والا) بیعانہ کی پیشگی رقم ضبط کر لے گا، اس کو شرعی اصطلاح اور لغت میں "عربون" کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے (بذل المجہود بیروت ۱۱/۲۲۱، مکتبہ مظاہر العلوم قدیم ۴/۲۹۵)۔

اب یہاں زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ استصناع کے معاملہ میں پیشگی رقم جو بطور بیعانہ دی جاتی ہے، طے شدہ شرائط کے مطابق مال تیار ہو جانے کے بعد خریدار کے لینے سے انکار کرنے پر صانع (آرڈر لینے والے) کے لئے وہ رقم شرائط کے مطابق ضبط کر کے اپنے استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں حنفیہ اور جمہور کے نزدیک شرعی حکم یہ ہے کہ بیعانہ کی رقم ضبط کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ شریعت میں مالی جرمانہ لینا جائز نہیں ہے؛ لیکن حضرت امام احمد بن حنبلؒ، امام سعید بن المسیبؒ، امام محمد بن سیرینؒ وغیرہ کے نزدیک بیعانہ ضبط کرنا شرائط کے مطابق جائز اور درست ہے اور مال تیار کرنے والے کے لئے اس رقم کا استعمال بھی جائز ہے اور اس سلسلے میں امام احمد بن حنبلؒ حضرت عمرؓ کا فیصلہ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا فتویٰ دلیل میں پیش کرتے ہیں۔ اب حنفی مسلک کے علماء کو عصر حاضر کے بین الاقوامی تجارت پر نظر رکھتے ہوئے غور کرنا ہے کہ عقد استصناع کا سارا مدار عرف اور تعامل ناس پر ہے اور مقامی، ملکی، بین الاقوامی مارکیٹ میں خطرہ اور

نقصان سے بچنے کے لئے پیشگی رقم لینے اور خریدار کی طرف سے انکار کی صورت میں پیشگی دی ہوئی رقم ضبط کرنے کا تعامل اور تعارف ہو چکا ہے، تو اس تعامل ناس کے پیش نظر امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کے قول پر عمل کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ تو اس بارے میں دور حاضر کے مفکر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کی رائے بھی یہی ہے کہ تعامل ناس اور ضرورت کی بناء پر ''عربون'' (بیعانہ) کی رقم امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے ضبط کرنے کی گنجائش ہے اور جہاں ضرورت نہ ہو وہاں جمہور کے قول پر عمل کیا جائے گا؛ اسی لئے احقر کی رائے بھی یہی ہے کہ تعامل ناس کی وجہ سے عقد استصناع میں عربون (بیعانہ) کی رقم خریدار کے مبیع کو رد کرنے کی صورت میں ضبط کرنے کی گنجائش ہوگی۔ حنفی مسلک کے علماء سے گزارش ہے کہ مسئلہ کے اس نقطہ پر غور فرمائیں، اگر سارے علماء ایک بات پر متفق ہو جاتے ہیں تو بہتر ہوگا؛ لہٰذا ایسی صورت میں آرڈر دے کر فلیٹ اور مکان بنوانے میں یا چھوٹی چیزیں بھاری تعداد میں بنوانے کی صورت میں عربون (بیعانہ) کا مسئلہ انتہائی قابل غور ہے (مستفاد اسلام اور جدید معاشی مسائل ۶: ۱۶۱۔ ۱۶۲)۔

اس کے جواز سے متعلق حسب ذیل دلائل ملاحظہ فرمائیے: مغنی ابن قدامہ میں اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

وَالعربونُ في البيعِ هو أن يشتري السلعةَ فيدفع إلى البائع درهما أو غيره على أنه إن أخذ السلعة احتسب به من الثمن، وإن لم يأخذها فذلك للبائع . . . قال أحمد رحمه الله: لا بأس به وفعله عمر رضي الله عنه، وعن ابن عمر رضي الله عنهما أنه أجازه، وقال ابن سيرين رحمه الله: لا بأس به، وقال سعيد بن المسيب رحمه الله وابن سيرين رحمه الله: لا بأس إذا كره السلعة أن يردها ويرد معها شيئا (المغنی ۶: ۱۶۰)۔

(عقد بیع میں عربون (بیعانہ) وہ اس طرح سے ہے کہ مشتری سامان کی خریداری کا معاملہ کر کے بائع کو درہم (روپیہ) وغیرہ اس شرط پر دے دے کہ اگر سامان لے گا تو یہ روپیہ ثمن میں شمار ہو جائے گا اور اگر سامان (مبیع) نہیں لیتا ہے تو یہ بیعانہ کی رقم بائع کے لئے ہو جائے گی۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ اس طرح کا معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اسی کو حضرت عمرؓ نے بھی کیا ہے اور ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اسی کی اجازت دی ہے۔ اور امام محمد بن سیرینؒ نے فرمایا کہ اس طرح کا معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور امام سعید بن المسیبؒ اور ابن سیرینؒ نے کہا کہ جب مشتری سامان لینے سے انکار کر کے رد کر دے تو اس کے ساتھ کچھ چیز بھی رد کرنے کے ساتھ واپس دے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

اس بارے میں حسب ذیل روایات ان کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں:

عن زيد بن أسلم رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم أحل العربان في البيع (المصنف لابن أبي شيبة ۱۱/ ۲۷۱، رقم: ۲۳۶۵۲، ۲۳۲۹۱) (زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع میں عربان (بیعانہ) کو حلال رکھا ہے)۔

عن عبد الرحمن بن فروخ أن نافع بن عبد الحارث اشترى دار السجن من صفوان بن أمية بأربعة آلاف درهم، فإن رضي عمر رضي الله عنه فالبيع له، وإن عمر رضي الله عنه لم يرض، فأربع مائة لصفوان رضي الله عنه (المصنف لابن أبي شيبة ۱۱/ ۲۷۲، رقم: ۲۳۲۹۲)۔

(عبد الرحمن بن فروخ کہتے ہیں کہ نافع بن عبد الحارث نے صفوان بن امیہ سے اس شرط پر قید خانہ کا گھر چار ہزار درہم میں خریدا کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس عقد پر راضی ہو جائیں، تو مبیع ان کے لئے ہے اور اگر حضرت عمرؓ راضی نہ ہوں تو صفوان بن امیہ کے لئے چار سو درہم

ہوں گے)۔

اور بخاری کے ترجمۃ الباب میں اس روایت کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

وَاشْتَرَى نَافِعُ بْنُ عَبْدِ الْحَارِثِ دَارًا لِلسِّجْنِ بِمَكَّةَ مِنْ صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ عَلَى إِنْ عُمَرَ ﷺ رَضِيَ بِالْبَيْعِ فَالْبَيْعُ بَيْعُهُ، وَإِنْ لَمْ يَرْضَ عُمَرُ ﷺ فَلِصَفْوَانَ ﷺ أَرْبَعُ مِائَةِ دِينَارٍ (بخاری شریف ۱/ ۳۲۷)۔

(نافع بن عبدالحارث نے قید خانہ کے لئے مکہ مکرمہ میں ایک گھر صفوان بن امیہ سے اس شرط پر خریدا ہے کہ اگر حضرت عمرؓ بیع پر راضی ہو جائیں تو عقد بیع اسی طرح قائم رہے گی اور اگر حضرت عمرؓ راضی نہ ہوں تو صفوان بن امیہ کے لئے چار سو دینار ہیں)۔

ضروری وضاحت:

اس مسئلہ میں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ہم نے جو بیعانہ کی رقم ضبط کرنے کی گنجائش کی طرف رجحان ظاہر کیا ہے، وہ صرف عقد استصناع کے دائرہ میں محدود ہے اور ملکی اور بین الاقوامی مارکیٹ میں آرڈر دے کر مال بنوانے اور مال ایکسپورٹ کرنے اور ایمپورٹ کرنے کا معاملہ عقدِ استصناع کے ساتھ متعلق ہوتا ہے، اور اس میں آرڈر کینسل کرنے کی صورت میں آرڈر لینے والے کا بھاری نقصان ہو جاتا ہے اور اس نقصان کی تلافی بیعانہ کی رقم کے ذریعہ سے جہاں تک ممکن ہو کرنے کی گنجائش ہے، مثلاً بائع نے دیگر ممالک کے بائع سے بیس لاکھ روپیہ کا مال طے شدہ شرائط کے مطابق ایکسپورٹ کرنے کا معاملہ طے کرلیا ہے اور بیعانہ کے طور پر کچھ رقم پیشگی وصول کرلیا ہے اور اس نے بیس لاکھ روپیہ کا مال تیار کرلیا ہے، اس کے بعد باہر کے بایر (خریدار) نے آرڈر کینسل کر دیا، تو ایسی صورت میں بائع نے مال کی تیاری میں جو بھاری رقم خرچ کیا ہے، اس کا بھاری نقصان بائع کے سر پڑتا ہے، تو ایسے بڑے نقصان سے بچنے کیلئے عربون (بیعانہ) کی پیشگی رقم ضبط کرنے کے علاوہ اس کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے، اسی طرح اندرون ملک میں بھی کثرت کے ساتھ ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں اور بائع کو نقصان بھگتنا پڑ جاتا ہے، اس طرح کے نقصانات کے پیشِ نظر حضرت امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کے قول پر عمل کی گنجائش قرار دی جارہی ہے اور یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اندرونِ ملک میں زمین کی خریداری اور پلاٹ کی خریداری، تیار شدہ مکان کی خریداری میں جو بیعانہ پیش کیا جاتا ہے، مشتری بعد میں لینے سے مکر جائے اور لینے سے انکار کر دے تو بیعانہ کی رقم مکمل طور پر واپس کر دینا بائع کے اوپر لازم اور ضروری ہے؛ اس لئے کہ یہ عقود عقدِ استصناع کے دائرہ میں داخل نہیں ہیں، نیز ایسے معاملات میں مشتری کے انکار کرنے کی صورت میں بائع کا عمومی طور پر کوئی نقصان نہیں ہوتا اور پھر بھی اگر کسی کو نقصان ہو جاتا ہے اور پھر اس طرح کے نقصان کا سلسلہ عام ہونے کا خطرہ ہے، تو اس سے بچنے کے لئے حضرت مفتی شفیع صاحب عثمانیؒ نے امداد المفتیین میں ایک حیلہ نقل فرمایا ہے اور وہ حیلہ یہ ہے کہ ظاہری حالات کے اعتبار سے بائع بیعانہ کی رقم ضبط کرلے؛ لیکن خفیہ طور پر کسی بھی حیلہ سے مشتری کے پاس وہ رقم پہنچا دے، مثلاً کسی دوسرے کے واسطے سے بطورِ ہدیہ یا ہبہ واپس کردے، یا ایک مدت کے گذر جانے کے بعد بطور تحفہ وغیرہ کے عنوان سے واپس کر دے، ملاحظہ فرمائیے (امداد المفتیین کراچی ۲ ۸۴۳)۔

معاملۂ استصناع اجارہ کب بن سکتا ہے؟

استصناع کا معاملہ مال اور سامان کے اعتبار سے دو طرح سے وجود میں آتا ہے:

۱— مال بنانے کا سامان، اوزار اور عمل یہ سب کے سب کاریگر کے ذمہ ہوں گے، ایسی صورت میں یہ معاملۂ استصناع حاکم شہیدؒ وغیرہ کے قول کے مطابق وعدۂ بیع ہے اور عامۃ المشائخ اور جمہور کے نزدیک عقدِ بیع ہے، جس کو استصناع کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اس کو معاملۂ اجارہ میں کسی نے بھی داخل نہیں کیا (جیسا کہ اس کی تفصیل عقدِ استصناع بیع ہے یا وعدۂ بیع ہے کہ عنوان کے ذیل میں مفصل طور پر آچکی ہے)

۲— مال تیار کرنے کا سامان اور میٹیریل خریدار کی طرف سے ہو اور کاریگر کا کام صرف یہی ہے کہ طے شدہ شرائط کے مطابق مال بنا کر تیار کردے اور اس میں اس کو اپنی طرف سے کوئی سامان نہیں لگانا ہے، تو ایسی صورت میں استصناع کی یہ شکل عقدِ بیع یا معاہدۂ بیع نہیں رہے گی؛ بلکہ استصناع کی شکل میں اجارہ بن جائے گی اور صانع (کاریگر) اجیرِ مشترک بن جائے گا اور آرڈر دینے والا مستصنع متاجر بن جائے گا۔ اس سلسلے میں حضرات فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمائیے، اس کو فتاویٰ تاتارخانیہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

وَالاستصناعُ أَنْ يَكُونَ الْعَيْنُ وَالْعَمَلُ مِنَ الصَّانِعِ، فَأَمَّا إِذَا كَانَ الْعَيْنُ مِنَ الْمُسْتَصْنِعِ لا مِنَ الصَّانِعِ يَكُونُ إِجَارَةً وَلا يَكُونُ اسْتِصْنَاعًا (تاتارخانیہ ۱۵/۳۴۷، رقم: ۲۳۳۲۳)۔

(استصناع کی شکل یہ ہے کہ عین (مال کا سامان) اور عمل دونوں کاریگر کی طرف سے ہو، پس بہر حال جب سامان مستصنع (آرڈر دینے والے) کی طرف سے ہو، کاریگر کی طرف سے نہ ہو، تو یہ معاملہ اجارہ بن جائے گا اور بیع استصناع باقی نہیں رہے گا)۔

اور ''شرح المجلہ'' میں اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

وَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ الْعَيْنُ وَالْعَمَلُ مِنَ الصَّانِعِ، فَإِنْ كَانَتِ الْعَيْنُ مِنَ الْمُسْتَصْنِعِ كَانَ الْعَقْدُ إِجَارَةً (شرح المجلۃ ۱/۶۹) (اور استصناع کی شرط یہی ہے کہ سامان اور عمل دونوں کاریگر کی طرف سے ہو؛ لہٰذا اگر سامان مستصنع (آرڈر دینے والے) کی طرف سے ہو تو عقد اجارہ بن جائے گا)۔

بین الاقوامی تاجر جن کی فیکٹریاں بڑی اور وسیع ہوتی ہیں، ان کے یہاں یہی شکل زیادہ پیش آتی ہے، وہ لوگ باہر سے خام مال ایمپورٹ کرکے لاتے ہیں اور کارخانہ دار اور کاریگروں کو اپنی ہی فیکٹری میں ٹھیکہ پر رکھتے ہیں اور اسی فیکٹری میں ہی کاریگروں کو ایکسپورٹر لوگ نمونہ اور سائز دکھا کر مال بنانے کا آرڈر دیتے ہیں اور کچا مال بھی اپنی طرف سے ان کو دیتے ہیں، پھر ٹھیکہ دار اپنے کاریگروں کے ذریعہ سے اسی خام مال کو گلا کر طے شدہ شرائط کے مطابق مال کا آرڈر تیار کرکے ایکسپوٹر کو پیش کرتے ہیں، پھر ایکسپوٹر اس مال کی پیکنگ وغیرہ کرکے اپنے خریداروں کو ایکسپوٹ کرتے ہیں، تو ایسی صورت میں ان بڑے تاجروں کے یہاں اپنے کاریگروں سے مال بنوانے کا معاملہ اجارہ ہی کا ہوگا، بیع یا معاہدہ بیع کا نہیں ہوگا، ہاں البتہ ایکسپوٹر اور اس کے خریدار کے درمیان میں بیع استصناع کا معاملہ جاری رہے گا۔

طے شدہ شرائط اور نمونہ کی خلاف ورزی پر نقصان کا بھگتان کس پر؟

طے شدہ شرائط اور نمونہ کی خلاف ورزی کی دو شکلیں ہوسکتی ہیں:

۱— استصناع کی شکل خریدار نے بائع کو نمونہ اور سائز پیش کردیا اور مال بنانے کے لئے سارے شرائط جانبین میں طے ہوگئے، اس کے بعد کاریگر نے اپنے میٹیریل کے ذریعہ سے مال بنا کر تیار کردیا ہے، مگر جو مال تیار کردیا ہے وہ نمونہ اور شرائط کے خلاف ہے، ایسی

صورت میں مشتری کو اختیار ہے کہ مال قبول کرے یا واپس کردے اور واپسی کی صورت میں جو بھی نقصان ہوگا، اس کا پورا بھگتان کاریگر کو اٹھانا پڑے گا، آرڈر دینے والا خریدار نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔ اس کو شرح مجلہ رستم باز میں مادہ ۳۹۲ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

وإذا لم یکن المصنوع علی الأوصاف المطلوبة المبینة کان المستصنع مخیرًا الفوات الوصف المرغوب فیه (شرح المجلة ۲۲۱/۱، رقم: ۳۹۲، الفقہ الاسلامی ۳۹۸/۴) (اور جب بنا ہوا مال طے شدہ اور واضح اوصاف کے مطابق نہ ہو تو آرڈر دینے والے خریدار کو ایسے پسندیدہ اوصاف کے نہ ہونے کی وجہ سے اختیار حاصل ہوگا جس کی شرط اس میں لگائی گئی تھی)۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مطلوبہ شرائط اور نمونہ کے مطابق مال نہ بنانے کی وجہ سے مستصنع (آرڈر دینے والے خریدار) کو صرف اتنا اختیار ہوگا کہ وہ مال لینے سے انکار کردے اور اس مال کے بنانے میں کاریگر کی محنت وغیرہ کے نقصان کا بھگتان خود کاریگر برداشت کرے گا اور خریدار کو اس مال سے متوقع منافع میں جو نقصان ہوا ہے، اس نقصان کی تلافی کاریگر سے نہیں کرسکتا۔

۲ — اجارہ کی شکل ایکسپوٹر نے کاریگر اور ٹھیکیدار کو نمونہ کے مطابق مال بنانے کے لئے مٹیریل اور خام مال اپنی طرف سے پیش کردیا ہے، تو دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

(۱) ٹھیکیدار اور کاریگر نے مال تیار کرنے میں نمونہ اور شرائط کی خلاف ورزی کی ہے، تو ایسی صورت میں ٹھیکیدار اور کاریگر خام مال اور مٹیریل کا ضامن ہوگا کہ مٹیریل جیسا آیا تھا، ویسا ہی اس کے ہم مثل واپس کردے گا اور آرڈر دینے والے ایکسپوٹر کا جو مال خراب ہوا ہے، وہ ٹھیکیدار اور کاریگر کو مل جائے گا اور محنتانہ کا جو نقصان ہوا ہے اس کا بھگتان ٹھیکیدار اور کاریگر کو برداشت کرنا پڑے گا اور اس نقصان میں آرڈر دینے والا ایکسپوٹر شریک نہیں ہوگا۔

اس کو صاحب بدائع نے اس طرح کے الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

فإن سلم إلی حداد حدیدا لیعمل له إناء معلوما بأجر معلوم، أو جلدا إلی خفاف لیعمل له خفا معلوما بأجر معلوم فذلک جائز، ولا خیار فیه، لأن هذا لیس باستصناع بل هو استئجار فکان جائزا، فإن عمل کما أمر استحق الأجر، وإن فسد فله أن یضمنه حدیدا مثله، لأنه لما أفسده فکأنه أخذ حدیدا له واتخذ منه آنیة من غیر إذنه، والإناء للصانع، لأن المضمونات تملک بالضمان (بدائع زکریا دیوبند ۹۲/۴)۔

(پس اگر لوہا وغیرہ دھات کے کاریگر کو لوہے کی دھات سونپ دیا ہے، تا کہ اس کے لئے متعین اجرت کے عوض میں متعین برتن بنا کردے، یا جوتا موزہ کے کاریگر کو چمڑا سونپ دیا ہے، تا کہ اس کے لئے متعین اجرت کے بدلہ میں متعین شرائط کے مطابق جوتا موزہ بنا کر تیار کردے، تو ایسا معاملہ جائز ہے اور اس میں کسی قسم کا خیار نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ عقد استصناع نہیں ہے؛ بلکہ وہ اجارہ بن کر کے جائز ہوگیا ہے؛ لہٰذا اگر حکم کے مطابق مال بنادیا ہے، تو طے شدہ اجرت کا مستحق ہوجائے گا اور اگر مال کو بگاڑ دیا ہے، تو آرڈر دینے والے کے لئے اسی کے ہم مثل لوہے کی دھات کا تاوان وصول کرنا جائز ہے، اس لئے کہ جب کاریگر نے اسے بگاڑ دیا ہے، تو گویا کہ کاریگر نے اس کے لوہے کا دھات لے کر اس دھات سے اس کی اجازت کے بغیر برتن بنادیا ہے اور برتن کاریگر کو مل جائے گا؛ اس لئے کہ بنے ہوئے برتن کا ضامن اور تاوان کے بدلہ میں مالک ہوجاتے ہیں)۔

(۲) دوسری صورت اجارہ کی شکل میں یہ ہو سکتی ہے کہ ایکسپوٹر اور مالیاتی ادارہ نے مال بنانے کے لئے سارے میٹیریل اپنی طرف سے کاریگر کو دیا ہے اور کاریگر نے مال بنانے میں نمونہ، سائز اور ڈیزائن کی خلاف ورزی کی ہے کہ مال کا ڈیزائن خراب کر دیا، یا مال کو چھوٹا بڑا کر دیا، تو ایسی صورت میں مالیاتی ادارہ کے ذمہ دار ایکسپوٹر وغیرہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ بنا ہوا مال اسی حالت میں کاریگر کو دے دے اور اپنے دئیے ہوئے میٹیریل کے ہم مثل میٹیریل اس سے وصول کر لے، یا تیار شدہ وہی مال قبول کر لے، اگر مال کی قیمت میں کوئی فرق نہیں آیا ہے، تو اس کو پوری اجرت ادا کر دے، لیکن اگر مال خراب بنانے کی وجہ سے مال کی قیمت گھٹ گئی ہے، تو جتنی گھٹی ہے اتنے نقصان کی تلافی کاریگر کی اجرت میں سے وصول کر لے۔ یہ حکم مبسوط سرخسی کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے:

ولو اسلم غزلا إلى حائك لينسج له سبعا في أربع، فحاكه أكثر من ذلك أو أصغر فهو بالخيار إن شاء ضمّنه مثل غزله وسلّم له الثوب، وإن شاء أخذ ثوبه وأعطاه الأجر إلا في النقصان، فإنه يعطيه الأجر بحساب ذلك ولا يجاوز به ما سمى (مبسوط سرخسی ۱۵/۸۷)۔

(اور اگر کپڑا بننے والے کو سوت اور دھاگا پیش کر دیا ہے، تاکہ اس کے لئے چار بائی سات طول وعرض میں کپڑا بنا کر دے، تو کپڑا بننے والے نے اس سے بڑا بنا دیا، یا اس سے چھوٹا تو آرڈر دینے والے کو اختیار ہے کہ اگر چاہے اپنے دئیے ہوئے سوت اور دھاگے کے ہم مثل تاوان میں وصول کر لے اور بنا ہوا کپڑا بننے والے کو دے دے اور اگر چاہے تو اسی کپڑے کو لے کر اس کی اجرت ادا کر دے، الا یہ کہ قیمت کا نقصان ہو جائے تو بے شک وہ اس نقصان کو مجری کر کے اجرت دے گا۔ اور اس میں متعین قیمت سے تجاوز نہیں کرے گا)۔

معاملۂ استصناع کو منسوخ کرنے کی شکلیں:

نمونہ، سائز اور طے شدہ شرائط کے مطابق فریقین کے درمیان استصناع کا معاملہ طے ہو جانے کے بعد پھر اس معاملہ کو جانبین میں سے کسی ایک کی طرف سے فسخ کر کے ختم کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کی تین شکلیں پیش آ سکتی ہیں:

شکل (۱): طے شدہ شرائط کے مطابق معاملۂ استصناع جانبین کے درمیان طے ہو جانے کے بعد ابھی مال بنانے کی تیاری شروع نہیں ہوئی ہے، تو اس حالت میں جانبین میں سے کسی کو بھی معاملہ منسوخ کرنے کا اختیار ہے، ایسی صورت میں کسی کا کوئی نقصان نہیں ہوتا ہے، اس کو حضرت فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وأما صفة الاستصناع فهي: أنه عقد غير لازم قبل العمل في الجانبين جميعا بلا خلاف حتى كان لكلّ واحد منهما خيار الامتناع قبل العمل (بدائع الصنائع زکریا ۴/۹۵)۔

(جانبین کے درمیان عمل سے پہلے بالاتفاق عقد غیر لازم ہے، یہاں تک کہ مال کی تیاری سے پہلے دونوں میں سے ہر ایک کے لئے عقد کو منع کرنے کا اختیار ہے)۔

شکل (۲): مال بنانے کی تیاری شروع ہو گئی ہے، مگر ابھی مال نمونہ کے مطابق مکمل تیار نہیں ہو پایا ہے، تو ایسی صورت میں خریدار کو معاملہ ختم کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں جمہور کی رائے یہی ہے کہ چونکہ آرڈر دینے والے خریدار کے نمونہ کے مطابق ابھی مال تیار نہیں ہوا ہے، اس لئے آرڈر کینسل کر دینے کا خریدار کو اختیار رہے گا۔ اس کو صاحب بدائع نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

إذا قطع الجلد ولم يعمل فقال المستصنع: لا أريد لأنا لا ندري أن العمل يقع على الصفة المشروطة أو لا فلم يكن الامتناع منه إضرارا بصاحبه، فثبت الخيار (بدائع الصنائع زکریا ۴/۹۶)۔

(جب چمڑے کو جوتا یا موزہ بنانے کے لئے کاٹ لیا ہے اور ابھی بنایا نہیں ہے، تو آرڈر دینے والے خریدار نے کہا: میں لینے کا ارادہ نہیں رکھتا؛ اس لئے کہ ہم نہیں جانتے ہیں کہ تمہارا کام ہمارے طے شدہ شرائط کے مطابق ہو پائے گا یا نہیں؟ لہٰذا اس حالت میں لینے سے منع کر دینا، اپنے فریق کو نقصان پہنچانے کے مرادف نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ اس کو فسخ کا اختیار حاصل ہوگا)۔

شکل (۳): طے شدہ شرائط اور نمونہ کے مطابق مال تیار ہو چکا ہے، اب مکمل تیار ہو جانے کے بعد یہ معاملہ ختم کرنے کا اختیار ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو ایسی صورت میں اگر مال مکمل تیار کر کے کاریگر نے آرڈر دینے والے مشتری کے پاس پیش کر دیا ہے اس کے بعد کاریگر معاملہ ختم کر کے مال واپس لے جانا چاہے، تو کسی کے نزدیک بھی واپس لے جانا جائز نہیں ہے، مگر اختلاف اس بارے میں ہے کہ آرڈر دینے والے خریدار کو ایسی حالت میں واپس کر دینے کا اختیار ہے یا نہیں؟ تو جمہور احناف کے نزدیک ایسی صورت میں بھی آرڈر دینے والے خریدار کو خیار رؤیت حاصل رہے گا، چنانچہ خریدار مال دیکھنے کے بعد یہ کہہ کر واپس کر سکتا ہے کہ اگرچہ طے شدہ شرائط اور نمونہ کے مطابق مال بن گیا ہے؛ لیکن مال مجھے پسند نہیں ہے، میں نہیں لوں گا، یہ قول ظاہر الروایہ کے مطابق ہے؛ لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مال تیار ہونے سے پہلے پہلے عقد غیر لازم رہتا ہے اور مال مکمل تیار ہو جانے کے بعد یہ عقد خود بخود لازم ہو جاتا ہے اور آرڈر دینے والے مشتری کو خیار رویت حاصل نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ ایسی حالت میں مشتری کو اگر خیار رؤیت کے نام سے اختیار دیا جائے اور وہ مال لینے سے انکار کر دے تو بائع (کاریگر) کو بڑا نقصان ہو سکتا ہے اور شریعت چھوٹے نقصان کے مقابلے میں بڑے نقصان سے بچنے کو اہمیت دیتی ہے؛ اس لئے خریدار پر لازم ہو جائے گا کہ مال کو واپس نہ کرے اور بلا کسی اڑ چن لگائے اس کو قبول کر لے، اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔ بدائع کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

فأما إذا أحضر الصانع العين على الصفة المشروطة فقد سقط خيار الصانع وللمستصنع الخيار، لأن الصانع بائع ما لم يره فلا خيار له، وأما المستصنع فمشتري ما لم يره، فكان له الخيار (إلى قوله) هذا جواب ظاهر الرواية عن أبي حنيفة رحمه الله وأبي يوسف رحمه الله ومحمد رحمه الله، وروي عن أبي حنيفة رحمه الله أن لكل واحد منهما الخيار، وروى عن أبي يوسف: أنه لا خيار لهما، وجه رواية أبي يوسف أن الصانع قد أفسد متاعه وقطع جلده وجاء بالعمل على الصفة المشروطة فلو كان للمستصنع الامتناع من أخذه لكان فيه إضرار بالصانع (بدائع الصنائع زکریا دیوبند ۴/۹۵، ۹۶)۔

(اور بہر حال جب کاریگر سامان کو طے شدہ شرائط کے مطابق بنا کر پیش کر دے تو کاریگر کا اختیار ختم ہو جائے گا اور آرڈر دینے والے خریدار کو اختیار باقی رہے گا؛ اس لئے کہ کاریگر ایسی چیز کا بیچنے والا ہے جس کو اس نے نہیں دیکھا ہے (پھر بنا کر تیار کرنے کے بعد) اس کے لئے خیار ثابت نہیں ہوگا اور بہر حال آرڈر دینے والا خریدار ایسی چیز کا خریدنے والا ہے جس کو اس نے دیکھا نہیں ہے؛ اس لئے اس کو خیار رؤیت حاصل ہوگا، یہ ظاہر الروایہ کا جواب ہے جو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے مروی ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار حاصل ہوگا اور امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی کو

بھی فسخ کا اختیار حاصل نہیں ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ کاریگر نے اپنا سامان مال بنانے کے لئے توڑ دیا اور چمڑا کاٹ دیا اور اس کے بعد طے شدہ شرائط کے مطابق مال بنا کر تیار کرلیا ہے، پھر اگر آرڈر دینے والا خریدار اس کو لینے سے انکار کردیگا تو کاریگر کو بڑا نقصان پہنچ جائے گا)۔

اور اسی کو عنایہ میں اس طرح کے الفاظ سے نقل کیا گیا ہے :

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ ﷺ أَنَّهُ لَا خِيَارَ لَهُمَا، أَمَّا الصَّانِعُ فَلِمَا ذَكَرْنَا أَوَّلًا، وَأَمَّا الْمُسْتَصْنِعُ فَلِأَنَّ الصَّانِعَ أَتْلَفَ مَالَهُ بِقَطْعِ الصَّرْمِ وَغَيْرِهِ لِيَصِلَ إِلَى بَدَلِهِ، فَلَوْ ثَبَتَ لَهُ الْخِيَارُ تَضَرَّرَ الصَّانِعُ؛ لِأَنَّ غَيْرَهُ لَا يَشْتَرِيهِ بِمِثْلِهِ، أَلَا تَرَى! أَنَّ الْوَاعِظَ إِذَا اسْتَصْنَعَ مِنْبَرًا وَلَمْ يَأْخُذْهُ فَالْعَامِيُّ لَا يَشْتَرِيهِ أَصْلًا"(عنایۃ مع فتح القدیر زکریا دیوبند ۷/۱۰۹، کوئٹہ پاکستان ۶/۲۴۴)۔

(اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ دونوں میں سے کسی کو فسخ کا اختیار نہیں ہے، بہر حال صانع کو اس لئے نہیں ہے کہ جو ہم نے شروع میں ذکر کیا ہے اور بہر حال آرڈر دینے والے خریدار کو اس لئے اختیار حاصل نہیں ہے کہ کاریگر نے اپنا مال چمڑا وغیرہ کاٹنے کے ذریعہ سے خراب کردیا ہے، تاکہ اس کا بدل (قیمت) حاصل کرلے؛ لہٰذا اگر خریدار کے لئے اختیار ثابت ہوجائے تو کاریگر کو نقصان پہنچ جائے گا؛ اس لئے کہ اس خریدار کے علاوہ دوسرا آدمی اس جیسی چیز خریدتا نہیں ہے، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ بے شک خطیب نے جب منبر بنوا کر اس کو نہیں لیا تو عام آدمی اسے بالکل نہیں خریدے گا)۔

امام ابو یوسفؒ کے قول کی ترجیح :

امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق عقدِ استصناع بیع لازم ہے اور جب نمونہ اور شرائط کے مطابق مال تیار ہوجائے اس کے بعد اگر آرڈر دینے والے خریدار کو مال قبول نہ کرنے کا اختیار دیا جائے، تو کاریگر کا زبردست نقصان ہوسکتا ہے اور بلا کسی شرعی وجہ کے کاریگر کو اتنے بڑے نقصان کا مکلف شریعت نہیں بناتی؛ اسی لئے حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کو راجح قرار دیا جائے اور آرڈر دینے والے خریدار پر لازم کردیا جائے کہ اس کو قبول کرنے کا پابند ہوجائے۔ اور خیار رؤیت استعمال کرنے کا حق اس کو حاصل نہیں ہوگا، اسی کو مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے بھی "اسلام اور جدید معاشی مسائل" (۵/ ۱۵۵) میں واضح فرما کر ترجیح دی ہے؛ اسی لئے امام ابو یوسفؒ کی رائے کو ترجیح دینے میں علماء متفق ہوجائیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ نیز فتاویٰ تاتارخانیہ میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ امام ابو یوسفؒ شروع میں امام ابوحنیفہؒ کی طرح اس بات کے قائل تھے کہ عقدِ استصناع عقد غیر لازم ہے؛ لہٰذا معاملہ ہوجانے کے بعد فریقین میں سے ہر ایک کو اختیار رہے گا، چاہے عقد کو باقی رکھے یا ختم کردے، اس کے بعد امام ابو یوسفؒ نے اپنے اس قول سے رجوع کر کے فرمایا کہ صانع پر جبر نہیں کیا جاسکتا اور مستصنع کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا، پھر اس کے بعد امام ابو یوسفؒ نے اپنے اس قول سے بھی رجوع کر کے فرمایا کہ استصناع کا معاملہ منعقد ہوجانے کے بعد عقد لازم ہوجائے گا اور جانبین میں سے کسی کو بھی مسترد کرنے کا حق نہیں ہوگا؛ بلکہ کاریگر کو عمل پر مجبور کیا جائے گا اور آرڈر دینے والے خریدار کو مبیع کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ اور آج کے زمانہ میں حضرت امام ابو یوسفؒ کے اس قول سے کوئی مفر نہیں ہے، ورنہ جانبین کو نقصان اٹھاتے رہنا پڑے گا۔ حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول ہی کو مفتی بہ قرار دینا زیادہ مناسب ہوگا۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے :

وَرَوَى أَبُو يُوسُفَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ ﷺ : الصَّانِعُ لَا يُجْبَرُ عَلَى الْعَمَلِ بَلْ يَتَخَيَّرُ إِنْ شَاءَ فَعَلَ وَإِنْ شَاءَ لَمْ يَفْعَلْ، وَإِذَا أَتَى

الصَّانِعُ بِالْمَصْنُوْعِ لَا يُجْبَرُ الْمُسْتَصْنِعُ عَلَى الْقَبُوْلِ بَلْ هُوَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَبِلَ وَإِنْ شَاءَ لَمْ يَقْبَلْ . . . وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ أَوَّلاً : يُجْبَرُ الْمُسْتَصْنِعُ دُوْنَ الصَّانِعِ، وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَصْحَابِنَا، ثُمَّ رَجَعَ عَنْ هٰذَا وَقَالَ : لَا خِيَارَ لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا، بَلْ يُجْبَرُ الصَّانِعُ على العمل، ويجبر الْمُسْتَصْنِعُ على الْقَبُوْلِ (الفتاوی التاتارخانیہ زکریا ۹/۱۰۰، رقم ۱۹۰۷۳)۔

(حضرت امام ابو یوسفؒ امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ کاریگر کو عمل پر مجبور نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ اس کو اختیار رہے گا، چاہے کرے اور چاہے نہ کرے اور جب کاریگر شرائط کے مطابق مال بنا کر کے لے آئے تو آرڈر دینے والے خریدار کو قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ اس کو اختیار ہے چاہے قبول کرلے اور چاہے قبول نہ کرے۔ اور امام ابو یوسفؒ نے شروع میں یہ فرمایا تھا کہ آرڈر دینے والے خریدار کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا، صانع کو عمل پر مجبور نہیں کیا جائے گا، یہ ہمارے اصحاب کی ایک روایت ہے۔ پھر امام ابو یوسفؒ نے اس قول سے رجوع کر کے فرمایا کہ دونوں میں سے کسی ایک کو بھی اختیار نہیں ہے؛ بلکہ صانع (کاریگر) کو عمل پر مجبور کیا جائے گا اور آرڈر دینے والے (مستصنع) کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا)۔

اور یہ حکم ملتقی الابحر کی ذیل کی عبارت سے بھی واضح ہوتا ہے :

وَهُوَ بَيْعٌ لَا عِدَةٌ، فَيُجْبَرُ الصَّانِعُ عَلَى عَمَلِهِ وَلَا يَرْجِعُ الْمُسْتَصْنِعُ عَنْهُ (ملتقی الابحر مع مجمع الأنہر بیروت ۳/۱۴۹) (اور وہ عقد بیع ہے وعدۂ بیع نہیں ہے؛ لہٰذا کاریگر کو عمل پر مجبور کیا جائے اور آرڈر دینے والے مستصنع کو اس عقد سے رجوع کا حق نہیں ہوگا)۔

عقدِ استصناع میں مدت کی تعیین کا مسئلہ :

عقدِ سلم میں مسلم فیہ (مبیع) کے سونپنے کے زمانہ اور مدت کی تعیین لازم ہے، مگر عقدِ استصناع میں زمانہ اور مدت کی تعیین کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر مدت متعین کردی جائے، تو عقدِ استصناع عقدِ سلم میں تبدیل ہو جائے گا؛ لیکن حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ایسی کوئی شرط مشروط نہیں ہے؛ اس لئے کہ عقدِ استصناع کا سارا مدار تعامل ناس اور عرف پر ہے اور جب تعامل ناس اور عرف میں عقدِ استصناع کے اندر مدت متعین کرنے کا سلسلہ جاری ہو جائے تو اس کا اعتبار کرنا ضروری ہو جائے گا؛ لہٰذا اگر عقد استصناع میں مبیع کو سونپنے کی مدت متعین کردی جائے تو وہ سلم میں تبدیل نہیں ہوگا؛ بلکہ بدستور معاملہ عقدِ استصناع کے طور پر باقی رہے گا؛ اس لئے عقدِ استصناع دونوں طرح جائز ہوگا کہ اگر مدت متعین کردی جاتی ہے تب بھی عقدِ استصناع ہی رہے گا اور مدت متعین نہ کرے تب بھی استصناع ہی کے دائرہ میں رہے گا اور دورِ حاضر میں استصناع کے معاملہ میں عام طور پر مدت متعین کرنے کا دستور ہے، تاکہ جانبین کے لوگ اس کی پابندی کی کوشش کریں اور زیادہ تاخیر کی وجہ سے آرڈر دینے والے کو نقصان نہ پہنچے اور اس زمانہ کے تعامل کے لحاظ سے صاحبینؒ کے قول کو ترجیح حاصل ہوگی۔

اس کو صاحب بدائع نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے :

وَمِنْهَا أَنْ لَا يَكُوْنَ فِيْهَا أَجَلٌ، فَإِنْ ضَرَبَ لِلْاسْتِصْنَاعِ أَجَلاً صَارَ سَلَمًا (قوله) وَهٰذَا قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ، وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ : هٰذَا لَيْسَ بِشَرْطٍ وَهُوَ اسْتِصْنَاعٌ عَلَى كُلِّ حَالٍ، ضَرَبَ فِيْهِ أَجَلاً أَوْ لَمْ يَضْرِبْ (بدائع الصنائع زکریا ۴/۹۴، اسی طرح کی عبارت البحر الرائق زکریا دیوبند ۲۸۵/۶، مبسوط سرخسی ۱۲/۹۳، تبیین الحقائق ملتان ۴/۱۲۴، زکریا ۴/۵۲۸ میں موجود ہے)۔

(اور ان شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ استصناع کے اندر مدت متعین نہ ہو؛ لہٰذا اگر استصناع میں مدت متعین کر دے گا، تو وہ سلم میں تبدیل ہو جائے گا اور یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ شرط مشروط نہیں ہے اور یہ عقد ہر حال میں استصناع ہی رہے گا، اس میں مدت متعین کر دی ہو یا نہ کی ہو)۔

اور اس حکم کو "الفقہ الاسلامی" میں مزید واضح الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وقال الصاحبان: ليس هذا بشرط، والعقد استصناع على كل حال حدد فيه أجل أو لم يحدد، لأن العادة جارية بتحديد الأجل في الاستصناع، فيكون شرطا صحيحا لذلك (الفقہ الاسلامی ۴/۲۹۶)۔

(اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ایسی کوئی شرط مشروط نہیں ہے اور عقد ہر حال میں استصناع کے طور پر باقی رہے گا، اس میں مدت متعین کر دی ہو یا نہ کی ہو؛ اس لئے کہ عادت وعرف عقد استصناع میں مدت متعین کرنے کے بارے میں جاری ہو چکی ہے؛ لہٰذا شرعی طور پر یہ جائز اور صحیح ہو جائے گا)۔

عقد استصناع میں طے شدہ مدت سے تاخیر کے نقصان کا عوض:

عقد استصناع میں مال تیار کر کے پیش کرنے کی مدت کا تعین لازم اور ضروری نہیں ہے؛ بلکہ اس میں جانبین کو اختیار ہے کہ مدت متعین کر دیں، یا نہ کریں؛ لہٰذا اگر جانبین کی تراضی سے مدت متعین ہو جاتی ہے اور مال تیار کنندہ اس کی فراہمی میں طے شدہ وقت سے تاخیر کر دے، تو آرڈر دینے والے خریدار کو اختیار ہے کہ قیمت ادا کر کے اسے قبول کر لے، یا اس کو قبول کرنے سے انکار کر دے، تو اس بات کو یقینی بنانے کے لئے آپس کی تراضی سے معاملہ کے وقت یہ طے کر لیں کہ بائع مال تیار کر کے فراہم کر دینے میں اگر متعین وقت سے تاخیر کرے گا تو اس پر جرمانہ عائد ہوگا، جیسا کہ بین الاقوامی مارکیٹ میں اس طرح کی تاخیر کی صورت میں کلیم کاٹنے کا تعامل اور دستور جاری ہے، تو سوال یہ ہے کہ شریعت میں بھی اس طرح کسی تعزیری جرمانے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں مبسوط سرخسی میں مسئلہ اجارہ کی بحث کے تحت میں تاخیر کے نتیجہ میں کلم کاٹنے کی شرط کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ حضرات فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کپڑوں کو سلائی کے لئے کسی درزی کو یہ کہہ کر کے کپڑا پیش کرتا ہے کہ اگر خیاط ایک دن میں یہ کپڑا تیار کر دے، تو اس کی اجرت سو روپیہ ہوگی اور اگر دو دن میں تیار کرتا ہے، تو اجرت سو روپیہ کے بجائے پچاس روپیہ ہو جائے گی، تو اس طرح کی تاخیر کی کلیم کاٹنا مسئلہ اجارہ کے ذیل میں فقہاء نے جائز لکھا ہے، تو اس طرح سے عقد استصناع میں بھی مال کی قیمت کو فراہمی کے وقت کے ساتھ منسلک کیا جا سکتا ہے؛ لہٰذا اگر فریقین اس بات پر متفق ہو جائیں کہ فراہمی میں تاخیر کی صورت میں فی یوم یا فی ہفتہ قیمت میں سے متعین مقدار کم ہوتی جائے گی، تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہوگا۔ اور اس زمانہ کے مفکر حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ نے بھی اس کو جائز لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو "جدید معاشی مسائل (۵/۱۵۶)"۔ اب فقہاء کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

لو دفع إليه ثوبا ليقطعه قميصا، واشترط عليه إن خاطه اليوم فله درهم، وإن لم يفرغ منه اليوم فله نصف درهم، عند أبي حنيفة: إن خاطه اليوم فله درهم، وإن لم يفرغ منه اليوم فله أجر مثله، لا ينقص عن نصف درهم ولا يجاوز به درهما۔ وقال أبو يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى: وهو على ما اشترط إذا فرغ منه اليوم فله درهم، وإن فرغ منه بعد ذلك فله نصف درهم

(إلى قوله) ثُمَّ رَجَعَ أَبُوْ حَنِيفَةَ فَقَالَ : الشَّرطَانِ جَائِزَانِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ (مبسوط سرخسی ۱۵/ ۹۹، ۱۰۰)۔

(اور اگر درزی کو کوئی کپڑا یہ کہہ کر دیا ہے کہ اسے کاٹ کر قمیص بنا دے اور اس پر یہ شرط لگائی ہے کہ اگر اس کو آج سی کر تیار کر دے گا، تو اس کے لئے ایک درہم ہے اور اگر آج اس سے فارغ نہیں ہو پاتا ہے تو اس کے لئے نصف درہم ہوگا، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر اس نے اس کو آج ہی سی کر کے تیار کر دیا ہے، تو اس کو ایک درہم ملے گا اور اگر آج اس سے فارغ نہیں ہو پایا ہے، تو اس کے لئے اس کے ہم مثل اجرت ہوگی، جو نصف درہم سے کم نہ ہوگی اور ایک درہم سے تجاوز بھی نہیں کرے گی۔ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ وہ معاملہ لگائی ہوئی شرط کے مطابق رہے گا کہ جب اس سے آج فارغ ہو جائے گا، تو اس کے لئے ایک درہم ہے اور اگر اس کے بعد سی کر فارغ ہوتا ہے تو اس کو نصف درہم ملے گا، پھر امام ابوحنیفہؒ نے اپنے قول سے رجوع کر کے فرمایا کہ دونوں شرطیں جائز ہیں اور وہی امام ابو یوسفؒ اور امام محمد رحمہما اللہ کا قول ہے)۔

مقالہ کا خلاصہ اور جوابات کا حاصل :

۱— عقدِ استصناع شئی معدوم پر منعقد ہوتا ہے اور یہ عقد شرعی اصول اور قیاس کے تناظر میں شئی کے معدوم ہونے کی وجہ سے جائز نہ ہونا چاہئے؛ لیکن شریعت نے اس عقد کو اصول اور قیاس سے مستثنیٰ کر کے ایک ضابطہ کے دائرہ میں رکھا ہے اور وہ ضابطہ یہی ہے کہ جن چیزوں کے بارے میں لوگوں کے درمیان شئی معدوم پر عقدِ استصناع کا معاملہ کرنے کا عرف اور تعامل جاری ہو چکا ہو، ان تمام چیزوں میں عقدِ استصناع جائز اور درست ہے۔

۲— عقدِ استصناع اور عقدِ سلم دونوں میں شئی مبیع معدوم ہوتی ہے، مگر فرق یہ ہے کہ عقدِ سلم میں مسلم فیہ (مبیع) کی جنس کی اشیاء کا حلول مدت تک بازاروں میں ہر وقت دستیاب ہونا لازم ہے، مگر عقدِ استصناع میں شئی (مبیع) کا بازاروں میں موجود ہونا لازم نہیں ہے اور عقدِ سلم میں مجلس عقد میں رأس المال (ثمن اور قیمت) کا ادا کرنا لازم ہے۔ اور عقدِ استصناع میں لازم نہیں ہے، اسی طرح عقدِ سلم میں خیارِ شرط کا ثبوت نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ بر وقت عقد لازم ہو جاتا ہے اور عقدِ استصناع میں لازم نہیں ہوتا اور اسی طرح عقدِ سلم میں مسلم فیہ (مبیع) کا مثلی اور ذوات الامثال میں سے ہونا لازم ہے اور عقدِ استصناع میں شئی (مبیع) کا ذوات الامثال میں سے ہونا لازم نہیں، نیز عقدِ سلم ایسی چیزوں میں جائز ہے جس کا لوگوں کے درمیان تعامل ہے اور ایسی چیزوں پر بھی جائز ہے جس کا تعامل نہیں ہے، اس کے برخلاف عقدِ استصناع صرف ایسی چیزوں میں جائز ہے جن میں عقدِ استصناع کا معاملہ کرنا لوگوں کے درمیان میں تعامل ہے اور جن میں تعامل نہیں ہے اس میں جائز نہیں ہے۔

۳— معاملۂ استصناع عقدِ بیع ہے یا وعدۂ بیع؟ تو اس سلسلے میں امام حاکم شہید مروزیؒ، امام محمد بن سلمہؒ، امام صفارؒ، امام ابوالقاسمؒ، ناصر الدین سمرقندیؒ، صاحب منثور وغیرہ کے نزدیک یہ معاملۂ استصناع عقدِ بیع نہیں ہے؛ بلکہ وعدۂ بیع ہے اور حضرات جمہور کے نزدیک معاملۂ استصناع وعدۂ بیع نہیں ہے؛ بلکہ نفس بیع ہے، دونوں فریق کے دلائل مقالہ میں مفصل موجود ہیں۔

۴— پہلے خریدار کا دوسرے خریدار کو اور اسی طرح دوسرے خریدار کا تیسرے خریدار کو نمونہ اور ڈیزائن دکھا کر معاملۂ استصناع کے طور پر فروخت کرنا جائز اور درست ہے، تو ایسی صورت میں مالیاتی ادارہ عام طور پر درمیان کا خریدار ہوتا ہے، وہ اپنے کاریگروں سے مال بنوا کر خریدتا ہے، اور پھر اپنے بائروں کے ہاتھ نمونہ اور آرڈر کے مطابق فروخت کرتا ہے، اسی طرح بائر جس نے مالیاتی ادارہ سے معاملہ کیا ہے، تیار

ہونے سے پہلے دوسروں کو وہی نمونہ دکھا کر کے استصناع کا معاملہ کرسکتا ہے؛ اس لئے کہ عقد استصناع کے جواز کا سارا مدار تعامل ناس پر ہے اور اسی طرح کا معاملہ کرنے کا ملکی اور بین الاقوامی مارکیٹوں میں تعامل ہو چکا ہے؛ اس لئے اس کے جواز میں کسی قسم کا تردد نہیں ہے۔

۵۔ جس طرح چھوٹی چھوٹی منقول چیزوں میں معاملہ استصناع جائز اور درست ہے، جیسا کہ جوتا، چپل، دھات کے برتنوں وغیرہ میں، اسی طرح بڑی بڑی منقول چیزوں میں بھی معاملہ استصناع جائز اور درست ہے، مثلاً بحری جہاز، ہوائی جہاز، چھوٹی بڑی گاڑیاں اور ٹرین کے ڈبے وغیرہ، جب ایسی چیزوں میں سائز اور نمونہ وڈیزائن کے ساتھ آرڈر دے کر بنوانے کا تعامل ہو تو عقد استصناع کا معاملہ ایسی بڑی بڑی چیزوں میں بھی جائز اور درست ہے۔

۶۔ جس طرح چھوٹی بڑی منقول اشیاء میں سائز اور نمونہ کے ساتھ آرڈر دے کر استصناع کا معاملہ جائز اور درست ہے، اسی طرح غیر منقول عقار میں بھی جائز اور درست ہے۔ تفصیل مقالہ میں موجود ہے۔

۷۔ عقد استصناع میں بیعانہ کب ضبط کرسکتے ہیں؟ جب ڈیزائن اور سائز اور طے شدہ شرائط کے مطابق مال تیار ہو جائے اس کے بعد بلا کسی خامی کے مستصنع (آرڈر دینے والا خریدار) لینے سے مکر جائے، تو پیشگی دی ہوئی بیعانہ کی رقم ضبط کرنے کی گنجائش ہے۔

۸۔ معاملہ استصناع اجارہ کب بن سکتا ہے؟ اگر مالیاتی ادارہ عقد استصناع کا معاملہ کرتے وقت سارے میٹیریل کاریگر کو دے دے اور کاریگر اسی میٹیریل سے شرائط کے مطابق مال بنا کر پیش کردے تو یہ معاملہ عقد استصناع سے بدل کر عقد اجارہ بن جائے گا۔

۹۔ طے شدہ شرائط اور نمونہ کی خلاف ورزی پر نقصان کا بھگتان کس پر ہوگا؟ ایسی صورت میں نقصان کا بھگتان کاریگر کو برداشت کرنا پڑے گا، استصناع کی شکل میں اس نے اپنے میٹیریل سے جو مال بنایا ہے اور نمونہ اور ڈیزائن کے خلاف بنایا ہے، تو اس طرح مال کے خراب ہو جانے کا نقصان اسے خود برداشت کرنا پڑے گا۔ اور اگر میٹیریل مالیاتی ادارہ نے اپنی طرف سے پیش کردیا ہے، تو ایسی صورت میں مالیاتی ادارہ کو اختیار ہے کہ اپنے میٹیریل کے مثل کاریگر سے وصول کرلے اور بنا ہوا مال کاریگر کے پاس چھوڑ دے اور چاہے بنا ہوا مال اسی حالت میں قبول کرلے، اگر اس مال کی قیمت میں کوئی کمی نہیں آتی ہے، تو پوری اجرت ادا کردے اور اگر مال کی قیمت میں کمی آتی ہے، تو اس مال کے وصول کے ساتھ ساتھ کمی کے بقدر نقصان کی تلافی اسی کی اجرت میں سے کاٹ لے۔

۱۰۔ معاملہ استصناع کو منسوخ کرنے کی شکلیں: اگر طے شدہ شرائط کے مطابق معاملہ استصناع جانبین کے درمیان طے ہو جائے اور ابھی مال کی تیاری شروع نہیں ہوئی ہے، تو ابھی جانبین میں سے ہر ایک کو معاملہ منسوخ کرنے کا اختیار ہے اور اگر طے شدہ شرائط کے مطابق معاملہ طے ہو چکا ہے، اور کاریگر نے اپنے میٹیریل کے ذریعہ سے مال کی تیاری شروع کردی ہے، مگر ابھی مال مکمل تیار نہیں ہوا ہے، تو ایسی صورت میں جمہور کے نزدیک آرڈر منسوخ کرنے کا اختیار ہے؛ لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مال تیار ہو جانے کے بعد آرڈر کینسل کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور اس سلسلے میں امام ابو یوسفؒ کا آخری قول یہی ہے کہ طے شدہ شرائط کے ساتھ عقد استصناع منعقد ہو جانے کے بعد یہ عقد لازم ہو جاتا ہے، جانبین میں سے کسی کو بھی معاملہ منسوخ کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور عقد ہو جانے کے بعد کاریگر مال بنانے کا پابند ہو جائے گا اور مستصنع (آرڈر دینے والا) مال مصنوع (مبیع) کو قبول کرنے کا پابند ہو جائے گا اور آج کے زمانہ میں امام ابو یوسفؒ کا قول ہی زیادہ راجح ہے۔

۱۱— عقدِ استصناع میں مدت کی تعیین کا حکم کیا ہے؟ تو اس بارے میں راجح قول یہی ہے کہ عقد استصناع میں مدت متعین نہ کرے، تب بھی جائز ہے اور مدت متعین کردے تب بھی جائز ہے اور مدت متعین کرنے کی وجہ سے عقد استصناع سلم میں تبدیل نہیں ہوگا۔

۱۲— عقدِ استصناع میں طے شدہ مدت سے تاخیر کے نقصان کا عوض وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ عقدِ استصناع میں اگر جانبین کے درمیان اس طرح شرائط طے ہو جائے کہ طے شدہ مدت کے اندر کاریگر مال تیار کرکے فراہم نہ کرے اور مالیاتی ادارہ نے جس خریدار سے آرڈر دے رکھا ہے وہ خریدار تاخیر کی وجہ سے طے شدہ قیمت میں کلم کاٹ کر کمی کرتا ہے، تو اس کمی کی تلافی کاریگر سے کی جائے گی، اگر بوقت عقد اس طرح کے شرائط طے ہو جائیں اور پھر کاریگر نے مال کی فراہمی میں تاخیر کردی ہے، تو یومیہ یا ہفتہ کے حساب سے کمی کے نقصان کی تلافی اس کے مال یا اس کی اجرت میں سے کرنے کی گنجائش ہے۔ واللہ الموفق والمعین۔

عقد استصناع شریعت اسلامیہ کی نظر میں

مفتی راشد حسین ندوی ☆

سوال نمبر ۱: ۱- عقد استصناع کی شرطیں:

اسلام میں بیع معدوم ناجائز ہے، حدیث شریف میں ارشاد ہے: **"عن حکیم بن حزام قال: قلت: یارسول اللہ! الرجل یسألنی البیع ولیس عندی، أفأبیعه؟ قال: "لاتبع مالیس عندک"** (سنن ابن ماجہ باب النہی مالیس عندک (۲۱۸۷) کتاب التجارات، ابوداؤد باب فی الرجل یبیع مالیس عندہ (۳۵۰۳) والترمذی ماجاء فی کراہیۃ مالیس عندہ (۱۲۳۲) والنسائی (۱۶۱۵)) (حضرت حکیم ابن حزام سے روایت ہے فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آدمی مجھ سے بیچنے کو کہتا ہے حالانکہ مبیع میرے پاس نہیں ہے، کیا میں اس سے بیع کروں؟ فرمایا: جو چیز تمہارے پاس نہیں ہے اس کی بیع نہ کرو)۔ لیکن اس ممانعت سے دو عقود مستثنیٰ ہیں، ایک بیع سلم، دوسرے بیع استصناع، بیع سلم کا جواز آیت مداینہ اور کئی احادیث سے ہے، اسی لئے جمہور اس کے جواز کے قائل ہیں اور اس کی شرائط بھی منضبط ہیں۔

جہاں تک عقد استصناع کا تعلق ہے تو اگرچہ بعض احادیث سے اس کے جواز کا اشارہ ملتا ہے، مثلاً: آنحضرت ﷺ نے آرڈر دے کر منبر اور انگوٹھی بنوائی، ظاہری طور سے یہ استصناع ہی کا عقد تھا، لیکن اس کا اصل مدار تعامل اور عرف پر ہے، اسی لئے اس کا جواز بھی متفق علیہ نہیں ہے، اور جواز کی شرائط بھی سلم کی شرائط کی طرح منضبط نہیں ہیں، لیکن فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ چار شرائط پائی جائیں تو عقد استصناع جائز ہوگا:

۱- جس چیز کا آرڈر دینا ہے، اس کی جنس، نوع، مقدار اور اوصاف کو بیان کر کے اس کا اس طرح مکمل تعاون کرادیا جائے کہ نزاع کا اندیشہ باقی نہ رہ جائے، **"وأما شرائط جوازه فمنها بيان جنس المستصنع ونوعه وقدره وصفته، لأنه مبيع فلابد أن يكون معلوما"** (بدائع الصنائع، کتاب البیوع، حکم الاستصناع ۴؍۴۴۴، شامی کتاب البیوع، باب السلم مطلب فی الاستصناع ۴؍۲۲۳)۔

اس شرط کی روح اور لب لباب یہ ہے کہ تیار کرائی جانے والی چیز کے اوصاف بیان کر کے اس کا مکمل تعارف کرادیا جائے تاکہ بعد میں نزاع کا کوئی اندیشہ نہ رہے، اسی لئے اس شرط کو ہندیہ اور ہدایہ میں مختصر کر کے ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے: **"وفيما فيه تعامل إنما يجوز إذا أمكن إعلامه بالوصف يمكن التسليم"** (ہدایہ مع الفتح ۶؍۲۴۴) (جن اشیاء میں تعامل ہے، ان میں استصناع اسی وقت جائز ہوگا جب وصف بیان کر کے ان کی وضاحت ممکن ہوتا کہ حوالگی ممکن ہو سکے)۔

"ثم إنما جاز الاستصناع فيما للناس فيه تعامل إذا بين وصفا على وجه يحصل التعريف" (ہندیہ ۳؍۲۰۷) (پھر جن میں

☆ ... ضیاء العلوم میدان پور، تکیہ کلاں رائے بریلی یوپی۔

لوگوں کا تعامل ہے ان میں استصناع تبھی جائز ہوگا جب اس طرح واضح اور صاف کردے کہ تعریف حاصل ہوجائے)۔

اس شرط کی تفاصیل سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ اصل چیز یہ ہے کہ جس چیز کا آرڈر دیا ہے اس کا بھرپور تعارف اس طرح کرادیا گیا ہو کہ نزاع کا اندیشہ ختم ہوگیا ہو، یہ ایک ایسی شرط ہے کہ ممکن ہے کسی زمانہ میں کسی چیز میں نہ پائی جارہی ہو، اور آج اس کا وجود ممکن ہو، مثلاً : اگر کسی کو عمارت کا آرڈر دیا جائے تو آج ممکن ہے کہ اس کا مکمل تعارف کرادیا جائے، اس لئے کہ نقشہ اور آلات جدیدہ نے تعارف کو آسان کردیا ہے، لیکن پہلے یہ چیز ممکن نہیں تھی، اسی لئے عمارتوں میں استصناع کا تعامل بھی نہیں تھا، اب تعارف بھی ممکن ہے، اور تعامل بھی ہے، اسی طرح ہوائی جہاز، بحری جہاز، آلات حرب، ٹرین کے انجن، ٹرین کی بوگی، بس، مختلف گاڑیاں یہاں تک کہ سڑکوں کی تعمیر میں بھی نزاع کے اندیشہ کے بغیر تعارف ممکن ہے، اسی لئے تعامل بھی ہے۔

۲— دوسری شرط یہ ہے کہ اس میں استصناع کا عرف اور تعامل بھی ہو، چنانچہ جن چیزوں میں تعامل نہ ہو، ان میں استصناع جائز نہ ہوگا، علامہ کاسانی فرماتے ہیں : **"منها أن يكون ما للناس فيه تعامل كالقلنسوة والخف والآنية ونحوها، فلا يجوز فيما لا تعامل لهم فيه ---- لأن جوازه مع أن القياس يأباه ثبت بتعامل الناس فيختص بما لهم فيه تعامل، ويبقى الأمر فيما وراء ذلك موكولاً إلى القياس "** (بدائع ۴؍۴۴۴، وانظر : شامی ۴؍۲۲۴، ہندیہ ۳؍۲۰۷، ہدایہ مع الفتح ۶؍۲۴۴) (ایک شرط یہ بھی ہے کہ استصناع اس چیز میں ہو جس میں لوگوں کا تعامل ہے جیسے ٹوپی، خف اور برتن وغیرہ، چنانچہ جن چیزوں میں لوگوں کا تعامل نہ ہو اس میں جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ خلاف قیاس ہونے کے باوجود اس کا جواز لوگوں کے تعامل ہی کے سبب ہے، لہٰذا جس میں تعامل ہو اسی کے لئے جواز مخصوص ہوگا اور اس کے علاوہ میں معاملہ قیاس پر محمول ہوگا)۔

۳— تیسری شرط یہ ہے کہ سامان کی حوالگی کی متعین تاریخ بطور شرط کے نہ بیان کی گئی ہو، یہ شرط امام صاحب کے یہاں ہے، صاحبین کے یہاں تاجیل کردی ہو تب بھی استصناع ہی رہے گا، لیکن اگر لوگوں کا تعامل نہ ہو اور سلم کی شرائط پائی جارہی ہوں تو بالاتفاق یہ بیع سلم ہوجائے گی، **"وأن لا يكون مؤجلاً وإلا كان سلماً، وعندهما المؤجل استصناع، إلا إذا كان مما لا يجوز فيه الاستصناع فينقلب سلماً في قولهم جميعاً"** (شامی ۴؍۲۲۴) (یہ شرط بھی ہے کہ مؤجل نہ ہو ورنہ سلم ہوجائے گی، اور صاحبین کے نزدیک مؤجل استصناع ہی ہے، الا یہ کہ ایسی چیز میں ہو جس میں استصناع جائز نہیں ہوتا تو سب کے قول میں سلم ہوجائے گی)۔

۴— چوتھی شرط یہ ہے کہ ثمن متعین کرلی جائے، **"على هيئة كذا بكذا"** (فتح القدیر ۶؍۲۴۴، شرح العنایہ ۶؍۲۴۱) (اس ہیئت کے مطابق اتنے کے بدلہ میں)۔

مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں : "لیکن استصناع کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ قیمت فریقین کی رضامندی سے طے کرلی جائے، اور مطلوبہ چیز (جس کی تیاری مقصود ہے) کے ضروری اوصاف بھی متعین کرلیئے جائیں (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵؍۱۵۴)۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ ہر اس چیز میں استصناع درست ہے جس میں استصناع کا تعامل ہو، اور اس کے اوصاف کی وضاحت ایسے انداز سے کردی ہو کہ مبیع کا پورا تعارف حاصل ہوگیا ہو اور نزاع کا اندیشہ ختم ہوگیا ہو، ثمن بھی متعین کرلی ہو، امام صاحب کے نزدیک ایک شرط یہ بھی ہے کہ اجل متعین نہ کی ہو، واللہ اعلم۔

سوال ۲: — استصناع بیع ہے :

استصناع بیع ہے یا وعدہ بیع ؟ اس سوال پر ابتداء میں اختلاف رہا ہے، چنانچہ کئی جلیل القدر مشائخ نے اس کو وعدہ بیع قرار دیا ہے، اس فہرست میں ائمہ ثلاثہ کے علاوہ خود احناف کے کئی مشائخ جیسے حاکم شہید، صفار اور محمد بن مسلمہ جیسے اساطین امت کے نام آتے ہیں، ان حضرات کے دلائل فقہی کتابوں میں تفصیل سے لکھے گئے ہیں، مثلاً ایک دلیل یہ دی گئی ہے کہ اگر صانع کی موت واقع ہو جائے تو عقد استصناع باطل ہو جاتا ہے، اگر یہ عقد بیع ہوتا تو ایسا نہ ہوتا، اسی طرح صانع کو اختیار رہتا ہے کہ سامان بنانے سے انکار کر دے، اس کے بنانے پر اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح آرڈر دینے والا اس کو قبول کرنے سے انکار کر سکتا ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ سب اس بات کی علامتیں اور دلائل ہیں کہ یہ وعدہ بیع ہے نہ کہ بیع، "ثم اختلف المشائخ أنه مواعدة أو معاقدة، فالحاكم الشهيد و الصفار و محمد بن مسلمة و صاحب المنثور مواعدة، و إنما ينعقد عند الفراغ بيعاً بالتعاطي، و لهذا كان للصانع أن لا يعمل و لا يجبر عليه بخلاف السلم، و للمستصنع أن لا يقبل ما يأتي به و يرجع عنه" (فتح القدیر ۶/ ۲۴۲)، "قال في النهر : و أورد أنه بطلانه بموت الصانع ينافي كونه بيعاً" (شامی ۴/ ۲۲۳)۔

لیکن صحیح اور راجح قول کے مطابق یہ بیع ہے نہ کہ وعدہ بیع، اکثر مشائخ کا قول یہی ہے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں : "و الصحيح أنه يجوز بيعاً لا عدة، و المعدوم قد يعتبر موجوداً حكماً" (ہدایہ مع الفتح ۶/ ۲۴۲، ۲۴۳) (صحیح یہ ہے کہ استصناع باعتبار بیع جائز ہے نہ کہ وعدہ کے طور پر، اور معدوم کو کبھی کبھی باعتبار حکم موجود مانا جاتا ہے)۔

اور صاحب فتح فرماتے ہیں : "و الصحيح من المذهب جوازه بيعاً، لأن محمداً ذكر فيه القياس و الاستحسان و هما لا يجريان في المواعدة، و لأنه جوزه فيما فيه تعامل دون ما ليس فيه، و لو كان مواعدة جاز في الكل، و سماه شراء فقال : إذا رآه المستصنع فهو بالخيار، لأنه اشترى بما لم يره، و لأن الصانع يملك الدراهم بقبضها، و لو كانت مواعيد لم يملكها" (فتح القدیر ۶/ ۲۴۲، ۲۴۳) (صحیح مذہب اس کا بیع کے طور پر جواز ہے، اس لئے کہ امام محمد نے اس کے بارے میں قیاس اور استحسان بیان کیا ہے، یہ دونوں وعدوں میں جاری نہیں ہوتے، نیز اس کو ان چیزوں میں جائز قرار دیا ہے جن میں تعامل ہو جس میں تعامل نہ ہو اس میں نہیں، اور اگر یہ وعدہ ہوتا تو سب میں جائز ہوتا، نیز اس کو شراء قرار دیا چنانچہ فرمایا : جب بنوانے والا اس کو دیکھے تو اسے خیار ہوگا، اس لئے کہ اس نے ایسی چیز خریدی ہے جس کو دیکھا نہیں ہے، نیز قبضہ کرنے سے کاریگر دراہم کا مالک ہو جاتا ہے، اگر یہ وعدہ ہوتا تو وہ مالک نہ ہوتا)۔

البتہ ہندیہ میں جواہر الاخلاطی کے حوالے سے اور رد المحتار میں ذخیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ عقد ابتداء میں اجارہ ہوتا ہے، اور بعد میں حوالگی سے پہلے ہی عقد بیع ہو جاتا ہے، "الاستصناع ينعقد إجارة ابتداء و يصير بيعاً انتهاء قبل التسليم بساعة هو الصحيح، كذا في جواهر الأخلاطي" (ہندیہ ۳/ ۲۰۷)۔

"و في الذخيرة : هو إجارة ابتداء، بيع انتهاء، لكن قبل التسليم لا عند التسليم" (شامی ۴/ ۲۲۳، وانظر فتح القدیر ۶/ ۲۴۴، ۲۴۵)۔

خلاصہ یہ کہ استصناع عقد بیع ہے نہ کہ وعدہ بیع، واللہ اعلم۔

سوال نمبر: ۳—کیا مستصنع شیئ کے وجود میں آنے سے پہلے اسے فروخت کرسکتا ہے؟

اوپر گزر چکا ہے کہ بیع معدوم ناجائز ہے، لیکن بیع استصناع کچھ شرائط کے ساتھ جائز ہے، لہذا جہاں استصناع کا مفہوم پایا جائے وہاں شیئ کے وجود میں آنے سے پہلے اسے فروخت کرنا جائز ہوگا، جہاں اس کا مفہوم نہ پایا جائے وہاں ایسا کرنا جائز نہیں ہوگا، لہذا ضروری ہے کہ استصناع کا مطلب سمجھ لیا جائے، صاحب فتح فرماتے ہیں:

"الاستصناع: طلب الصنعة، وهو أن يقول لصاحب خف أو مكعب أو أواني الصفر: اصنع لي خفا طوله كذا وسعته كذا أو دستاً أي برمة تسع كذا وزنها كذا على هيئة كذا بكذا، ويعطي الثمن المسمى أو لا يعطي شيئا، فيعقد الآخر معه جاز استحسانا تبعاً للعين" (فتح القدیر ۶/۲۴۲) (استصناع: بنانے کے آرڈر کو کہتے ہیں، اس کی کیفیت یہ ہے کہ خف یا زنبیل یا پیتل کے ظروف بنانے والے سے کہے: میرے لئے ایک ایسا خف بنادو جس کا طول اتنا ہو، وسعت اتنی ہو یا دیگ یعنی ہانڈی بنا دو جس میں اتنا رکھا جائے اور جس کا وزن اتنا ہو، ہیئت ایسی ہو اتنے پیسوں میں، اور متعینہ رقم دیدے یا کچھ بھی نہ دے اور دوسرا اس کے ساتھ عقد کرلے تو عین کے تابع ہو کر استحساناً جائز ہے)۔

اور شرح العنایہ میں ہے: "الاستصناع: هو أن يجيء إنسان إلى صانع، فيقول: اصنع لي شيئاً صورته كذا وقدره كذا بكذا درهماً، ويسلم إليه جميع الدراهم أو بعضها أو لا يسلم" (شرح العنایہ علی الہدایہ مع الفتح ۶/۲۴۱) (استصناع یہ ہے کہ کوئی انسان کسی کاریگر کے پاس آئے اور کہے: میرے لئے سامان بنادو جس کی شکل ایسی ہو، مقدار اتنی ہو، اتنے درہم میں اور تمام یا کچھ درہم حوالہ کردے یا حوالہ نہ کرے)۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اس عقد کا جواز صانع کے ساتھ ہی مشروط ہے، غیر صانع سے کیا جائے تو وہ استصناع نہیں ہوگا، بلکہ کلی طور پر بیع معدوم ہوگی جس کی ممانعت کی حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

اس کے ساتھ ہی فقہاء نے اس کی بھی تصریح کی ہے کہ مستصنع نے جس سامان کا آرڈر دیا ہے، ضروری نہیں ہے کہ صانع آرڈر کے بعد خود بنا کردے، پہلے سے تیار سامان بھی اگر آرڈر کے مطابق ہے تو اس کو بھی سپلائی کرسکتا ہے، اور کسی دوسرے صانع سے بھی آرڈر کے مطابق مال تیار کراسکتا ہے۔ "والمعقود عليه العين دون العمل حتى لو جاء به مفروغاً لا من صنعته أو من صنعته قبل العقد جاز" (ہدایہ مع الفتح ۶/۲۴۳، فتح القدیر ۶/۲۴۴، شامی ۴/۲۲۸) (اور معقود علیہ سامان ہوتا ہے نہ کہ عمل، چنانچہ اگر وہ اس کو تیار حالت میں لائے لیکن خود بنا کر نہیں یا عقد سے پہلے کی اپنی بنائی ہوئی چیز میں سے ہو تو جائز ہوگا)۔

معلوم یہ ہوا کہ دوسرے سے بنوا کر بھی دے سکتا ہے، عبارات میں اگرچہ کوئی صراحت نہیں ہے، لیکن اطلاق عبارات سے خود یہ بات صاف ہو رہی ہے کہ دوسرے سے بنوانے کا عمل اجارہ سے بھی کرنا درست ہوگا، اور استصناع کے انداز میں بھی درست ہوگا۔ اس لئے کہ جس طرح مستصنع نے اس سے عقد استصناع کیا، اسی طرح یہ دوسرے سے بھی استصناع کرسکتا ہے بشرطیکہ استصناع کی تعریف صادق آرہی ہو، مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: "یہ بھی ضروری نہیں کہ تمویل کار گھر کی خود تعمیر کرے، بلکہ وہ کسی تیسرے فریق کے ساتھ متوازی

استصناع کے معاہدے میں بھی داخل ہوسکتا ہے، یا وہ کسی ٹھیکہ دار کی خدمات بھی حاصل کرسکتا ہے، (جو کلائنٹ کے علاوہ ہو) (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/۱۵۷)۔

اس کے برخلاف اگر مستصنع خود کاریگر یا اس سامان کو تیار کرا کے فروخت کرنے والا نہیں ہے، اس نے دوسرے کو آرڈر دیا، پھر سامان کے وجود میں آنے سے پہلے دوسرے کو فروخت کرنا چاہتا ہے تو یہ کھلم کھلا بیع معدوم ہے، جس کی ممانعت مذکورہ حدیث میں وارد ہوئی ہے۔

اس تفصیل کے بعد سوال کا جواب خود بخود واضح ہوگیا کہ فلیٹس کی خرید و فروخت کا یہ سلسلہ درسلسلہ اس انداز میں ہے کہ ایک بلڈر نے صارفین سے معاملہ کیا، پھر اس نے دوسرے بلڈر کو ٹھیکہ دے دیا، اس ٹھیکہ دار نے دوسرے کے حوالہ کردیا تو یہ فقہی عبارات کی صراحتوں کے پیش نظر جائز ہوگا، لیکن صارفین میں سے کوئی اگر اپنا فلیٹ وجود میں آنے سے پہلے دوسرے صارف کے ہاتھ فروخت کرتا ہے تو یہ جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ بالکل واضح انداز میں بیع معدوم ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مستصنع (خریدار) کے لئے مبیع کے وجود میں آنے سے پہلے دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا ناجائز ہے، اور یہ بیع معدوم کی ممانعت میں داخل ہے، واللہ اعلم۔

سوال نمبر: ۳—استصناع کا تعلق اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ دونوں سے ہے:

قدیم فقہاء نے صرف یہ ذکر کیا ہے کہ جن اشیاء کے اوصاف کا انضباط ممکن ہو، اس طرح کہ نزاع کا اندیشہ نہ ہو، ان میں استصناع جائز ہے، لیکن مثالیں ذکر کرتے وقت انہوں نے صرف چند منقولہ اشیاء مثلاً جوتے، خف اور برتن کا ذکر کیا ہے، تفصیل اس کے تحت گزر چکی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں بلڈنگ جیسی غیر منقولہ اشیاء کا انضباط ممکن نہیں تھا، ان میں استصناع کا تعامل بھی نہیں تھا، لہٰذا ان کا ذکر بھی فضول تھا۔

اب بلڈنگ وغیرہ کا انضباط بھی کیا جاسکتا ہے، ان میں استصناع کا تعامل بھی ہے، لہٰذا شرعاً بھی اس کے جواز میں کوئی مانع نہیں ہے، یہ بتادیا جائے کہ بلڈنگ کا محل کیا ہوگا، فلیٹ کس منزل پر ہوگا، اس میں کتنے کمرے کس کس سائز کے ہوں گے، دوسری سہولیات کی نوعیت کیا ہوگی، تعمیری معیار کیا ہوگا، ثمن کیا ہوگی، نقشہ کے ذریعہ ان امور کی وضاحت کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح چونکہ فقہاء کی بیان کردہ شرائط پوری ہوسکتی ہیں، لہٰذا بلڈنگ جیسی غیر منقول اشیاء میں بھی استصناع جائز ہوگا، عصر حاضر کے کئی اساطین فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے، چنانچہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں: ''جب تک ایک چیز وجود میں نہ آجائے اس کو بیچنا درست نہیں، لیکن اس سے ایک صورت مستثنیٰ ہے، جس کو استصناع کہتے ہیں، یعنی ایسی چیزیں جن کو آرڈر پر تیار کرنے کا رواج ہو، جیسے جوتا وغیرہ، آج کل فلیٹس اسی انداز پر بنائے جاتے ہیں، فلیٹ کے نقشے، اس کی مکانیت، تعمیری معیار اور پوری تفصیلات پہلے واضح کردیجاتی ہیں، محل وقوع دیکھنے کی گنجائش ہوتی ہے، اور اس کا فلیٹ کس منزل پر ہوگا، یہ بھی واضح کردیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے نزاع کا اندیشہ ختم ہوجاتا ہے، اس لئے جو لوگ فلیٹس تعمیر کرکے بیچتے ہیں، ان کے لئے اس طرح خرید و فروخت کی گنجائش ہے (کتاب الفتاوی ۵/۱۷۲)۔

مولانا تقی عثمانی صاحب عصر حاضر میں اسلامی نظام معاشیات کے بڑے ماہرین میں شمار کئے جاتے ہیں، انہوں نے بھی استصناع

کی مثالوں میں فلیٹ کا تذکرہ کیا ہے (دیکھئے :اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/۷۱)۔

خلاصہ یہ کہ استصناع میں اصل یہ ہے کہ مبیع کے اوصاف کو غیر نزاعی انداز میں منضبط کرنا ممکن ہو، اور اس میں تعامل بھی پایا جارہا ہو، یہ شرائط اگر مبیع میں پائی جارہی ہوں تو عقد استصناع جائز ہوگا، چاہے وہ جوتے جیسی اشیاء منقولہ میں سے ہو یا فلیٹ کی طرح اشیاء غیر منقولہ سے تعلق رکھتی ہو، واللہ اعلم۔

سوال نمبر :۵— استصناع متوازی جائز ہے :

پیچھے گزر چکا ہے کہ صانع پر یہ لازم نہیں ہوتا کہ وہ سامان خود بنا کر دے، بلکہ دوسرے سے بنوا کر بھی دے سکتا ہے، بس مستصنع کی شرائط کا خیال رکھنا ضروری ہوگا، "والمعقود علیه عین دون العمل حتی لو جاء به مفروغا لا من صنعته أو من صنعته قبل العقد فأخذه جاز" (ہدایہ مع الفتح ۶/ ۲۴۴، فتح القدیر ۶/ ۲۴۴، شامی ۴/ ۲۳۸)۔

مولانا تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں :

"یہ بھی ضروری نہیں کہ تمویل کار گھر کی خود تعمیر کرے، بلکہ وہ کسی تیسرے فریق کے ساتھ متوازی استصناع کے معاہدے میں بھی داخل ہوسکتا ہے، یا وہ کسی ٹھیکہ دار کی خدمات بھی حاصل کرسکتا ہے، (جو کلائنٹ کے علاوہ ہو) دونوں صورتوں میں وہ لاگت کا حساب لگا کر استصناع کی قیمت کا تعین اس انداز سے کرسکتا ہے کہ اس سے اسے لاگت پر معقول منافع حاصل ہوجائے (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/ ۱۵۷)۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں : "اس میں ایک طریق کار استصناع کا ہے، وہ شخص جس کو فلیٹ تعمیر کرنا ہے وہ بینک سے عقد استصناع کرے کہ آپ مجھے یہ فلیٹ بنا کر دیدیں، اب بینک خود تو نہیں بنا کر دے سکتا، لہذا وہ خود کسی دوسرے آدمی سے علاحدہ اپنے طور پر استصناع کرلیتا ہے،...... آج کل کی اصطلاح میں اس کو "الاستصناع المتوازی" کہتے ہیں، یعنی دونوں متوازی ہیں کہ ایک عقد استصناع ابتداء میں اصل مستصنع اور بینک کے درمیان ہوا، اور دوسرا عقد بینک اور اصل صانع کے درمیان ہوا،... اس کے جواز کی شرط یہ ہے کہ دونوں عقد منفصل ہوں، ایک دوسرے کے ساتھ مشروط نہ ہوں، ایک دوسرے پر موقوف نہ ہوں، ایک کی ذمہ داریاں دوسرے کے ذمہ داریوں کے ساتھ گڈمڈ نہ کی جائیں (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/ ۷۱ — ۷۲)۔

خلاصہ کلام یہ کہ استصناع متوازی اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ دونوں عقد ایک دوسرے سے جدا ہوں، ایک کو دوسرے پر موقوف نہ کیا گیا ہو، اس لئے کہ فقہاء نے اگرچہ اس کے جواز کا اشارہ دیا ہے، لیکن اگر پہلا عقد دوسرے پر موقوف ہوجائے تو یہ مطلق عقد ہوجائے گا جس کو ناجائز کیا گیا ہے، واللہ اعلم۔

سوال :۷— بیعانہ ضبط کرنا ناجائز ہے :

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عقد استصناع وعدہ بیع ہے، عقد بیع نہیں ہے اور احناف کے نزدیک جیسا کہ گزر چکا ہے، راجح قول کے مطابق عقد بیع ہے، لیکن احناف میں سے طرفین کے نزدیک وہ عقد غیر لازم ہے، یہاں تک کہ صانع بنانے سے پہلے اور بنانے کے بعد مستصنع کے سامان دیکھ کر راضی ہونے سے پہلے امتناع کرسکتا ہے، مستصنع کو تو ابتداء سے لے کر دیکھنے کے بعد امتناع کرسکتا ہے، البتہ امام

ابو یوسف کے نزدیک یہ عقد عام عقود ہی کی طرح دونوں پر لازم ہوتا ہے، دونوں میں سے کوئی بھی رجوع نہیں کر سکتا، متاخرین نے فتوی امام ابو یوسف کے قول پر دیا ہے، ائمہ ثلاثہ نے بھی استصناع میں احناف بلکہ امام ابو یوسف کا قول اختیار کرلیا ہے، علامہ کاسانی فرماتے ہیں :

"أنه عقد غير لازم في حق كل واحد منهما الخ" (بدائع ۴/ ۴۴۴، شامی ۴/ ۲۳۸) (استصناع دونوں کے حق میں غیر لازم عقد ہے الخ)۔

صاحب ہدایہ امام ابو یوسف کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں :"وعن أبي يوسف أنه لا خيار لهما" (ہدایہ مع الفتح ۱/ ۴۴۴، بدائع ۴/ ۴۴۴، شامی ۴/ ۲۳۸) (امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ دونوں میں سے کسی کو خیار نہیں ہوگا)۔

اور امام ابو یوسف کے قول بلکہ ان کی روایت کی ترجیح سے متعلق تفصیل بتاتے ہوئے مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں :

"ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا کہنا یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی سے کوئی چیز بنواتا ہے تو یہ بذات خود کوئی عقد نہیں ہے بلکہ یہ ایک فرمائش ہے کہ میرے لئے بنادو، لہذا یہ بیع بھی نہیں، چنانچہ یہ عقد لازم بھی نہیں، بلکہ اس کی حیثیت ایک وعدہ کی سی ہے (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/ ۶۳) ـــــــ جن مسائل کے اندر مجلہ کی مجلس نے معروف قول کو چھوڑ کر ایک ایسے قول کو اختیار کیا جو معروف نہیں تھا، ان مسائل میں سے ایک مسئلہ استصناع کا بھی ہے، اس میں انہوں نے امام ابوحنیفہ کے قول کے بجائے امام ابو یوسف کے قول پر فتوی دیا ہے (ایضا: ص: ۶۸ بحوالہ شرح المجلہ ۲/ ۴۰۳، ۴۰۶، المادہ ۳۸۹، ۳۹۲)، اب ضرورت ایسی شدید پیدا ہوگئی کہ اب مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ بھی نہ صرف حنفیہ کے قول پر بلکہ امام ابو یوسف کے قول پر فتوی دینے پر مجبور ہیں (ایضا ص/ ۶۹)۔

ان تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ یہ ایک لازم عقد ہے، خریدار کا لینے سے انکار کرنا صحیح نہیں ہے، اسے سامان لے کر بقیہ رقم حسب شرط ادا کرنی چاہئے، لیکن بہر حال اگر کوئی خریدار قانونی اور شرعی دباؤ ڈالنے کے باوجود لینے پر تیار نہیں ہے تو بیعانہ یا ایڈوانس رقم جمہور کے نزدیک ضبط نہیں کی جاسکتی، تمام اصحاب فتاوی اس پر متفق ہیں (دیکھئے : فتاوی رحیمیہ ۹/ ۲۶۴، احسن الفتاوی ۶/ ۵۰۱، کفایت المفتی ۸/ ۴۳) اس لئے کہ حدیث میں بیع عربان سے منع کیا گیا ہے :"عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله ﷺ نهى عن بيع العربان" (موطا مع شرح المسوی ۲/ ۳۳ کتاب البیوع باب النہی عن بیع العربان/ ۱۰۰۸، سنن بیہقی ۵/ ۳۴۳ باب النہی عن بیع العربان) (نبی کریم ﷺ نے بیع عربان سے منع فرمایا ہے)۔

اور بیع عربون یا عربان بیعانہ ہی کا دوسرا نام ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ رقم ایڈوانس دی جائے، اور طے یہ پائے کہ اگر معاملہ ہو گیا، تو یہ رقم جزء ثمن بن جائے گی، ورنہ بائع اس کا مالک ہو جائے گا (دیکھئے : اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/ ۱۵۸، ۱۵۹)۔

دشواری کا حل :

جہاں تک اس دشواری کا تعلق ہے جس کا ذکر سوال میں کیا گیا ہے تو وہ ایک حقیقت ہے، فقہاء نے اس کے دو حل تجویز کئے ہیں :

۱ــ مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی اس دشواری کا حل تجویز کرتے ہوئے فرماتے ہیں : جو سامان آرڈر پر بنا کر فروخت کئے جاتے ہیں اگر ان کا آرڈر دیا گیا، اور جو نمونہ دکھایا گیا تھا اسی کے مطابق سامان تیار کیا گیا، تو بعد میں خریدار کا اس سے انکار کر جانا درست نہیں، کیونکہ خرید و فروخت کا معاملہ مکمل ہو چکا ہے، لہذا اس پر اس سامان کا لینا اور قیمت ادا کرنا واجب ہے، تاہم اگر وہ اس کے لئے تیار نہ ہو، اور شرعی و قانونی حدود میں رہتے ہوئے اس پر دباؤ اثر انداز بھی نہ ہو تو ایسا کیا جاسکتا ہے کہ اس کی رقم ضمانت میں بازار کے عام نرخ کے مطابق اس سامان کی جو مقدار مل سکتی ہو وہ اسے دے دی جائے، اور باقی کو کسی اور سے فروخت کرنے کی کوشش کی جائے (کتاب الفتاوی ۵/ ۲۱۲)۔

۲ — دوسرا حل یہ ہے کہ تیارشدہ سامان کا مالک مستصنع یا مشتری ہے، اور صانع کی رقم اس کے پاس پھنسی ہوئی ہے، لہذا صانع مسئلۃ الظفر سے فائدہ اٹھائے، یعنی اپنی رقم حاصل کرنے کے لئے مشتری کے اس سامان کو بیچ دے اور اگر گھاٹا ہو رہا ہو تو بیعانہ کی رقم سے گھاٹا پورا کرلے، لیکن خیال رہے کہ اگر سامان فروخت کرنے ہی سے پوری رقم حاصل ہو رہی ہو تو بیعانہ نہیں روک سکتا، یہ بات ذہن میں رہے کہ احناف کے نزدیک مسئلۃ الظفر میں اپنے حق کی جنس کے علاوہ سے حق وصول کرنا ناجائز ہے، شوافع کے نزدیک جائز ہے، متاخرین احناف نے امام شافعی کا قول اختیار کرلیتا ہے جیسا کہ علامہ شامی نے تصریح کی ہے: ''ليس لذي الحق أن يأخذ غير جنس حقه وجوزه الشافعي وهو الأوسع (قوله وجوزه الشافعي) قدمنا في كتاب الحجر أن عدم الجواز كان في زمانهم، أما اليوم فالفتوى على الجواز'' (شامی ۵/۳۰۰ کتاب الحظر والاباحۃ تفصیلی بحث کے لئے دیکھئے: اسلام اور جدید معاشی مسائل ۳/۴۷، ۴۷)۔

اسی حل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صاحب احسن الفتاوی فرماتے ہیں: ''بائع مشتری کی اجازت سے مبیع کو دوسری جگہ فروخت کردے، اگر پہلی قیمت سے کم پر فروخت ہوئی تو یہ نقصان بیعانہ سے وصول کرے اور زیادہ قیمت مل گئی تو زیادتی مشتری اول کو واپس کرے (احسن الفتاوی ۶/۵۰۱) میرے خیال سے جب مسئلۃ الظفر سے فائدہ اٹھانے کی نوبت آ گئی ہو تو مشتری کی اجازت کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔

حنابلہ کا مسلک :

یہ تفصیل احناف اور جمہور کے قول کے مطابق ہے، دلائل کے اعتبار سے جمہور کا مسلک راجح بھی ہے، لیکن امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک یہ ہے کہ بیعانہ کی رقم ضبط کی جاسکتی ہے، حنابلہ کے مشہور متن ''الاقناع'' میں ہے: ''وإلا بيع العربون وإجارته فيصح، وهو أن يشتري شيئاً أو يستأجره ويعطي البائع أو المؤجر درهماً أو أكثر من المسمى ويقول: إن أخذته فهو عن الثمن وإلا فالدرهم لك، فإن تم العقد فالدرهم من الثمن وإلا فللبائع ومؤجر'' (الاقناع ۲/۱۹۴ کتاب البیع باب الشروط فی البیع، فصل الضرب الثانی، النوع الثالث) (سوائے عربون کے بیچنے اور کرایہ پر دینے کے کہ وہ صحیح ہے، عربون یہ ہے کہ کچھ خریدے یا کرایہ پر لے اور بائع یا کرایہ پر دینے والے کو متعین ثمن میں سے ایک درہم یا زیادہ دے اور کہے: اگر میں نے اس کو لے لیا تو یہ ثمن میں سے ہے، ورنہ درہم تمہارا ہے تو اگر عقد ہو گیا تو درہم ثمن میں سے ہوگا، ورنہ بائع اور کرایہ دار کا ہوگا)۔

دلائل کے اعتبار سے جمہور کا مسلک راجح اور حنابلہ کا مسلک کمزور ہے (دلائل کے لئے دیکھئے: اسلام اور جدید معاشی مسائل ۷/۱۵۹–۱۶۲) لیکن ان کے اختلاف سے مسئلہ مجتہد فیہ ہو چکا ہے، لہذا اجتماعی اجتہاد کے ذریعہ ضرورت کے پیش نظر ان کا مسلک اختیار کیا جاسکتا ہے، مولانا تقی عثمانی صاحب نے حالات کے پیش نظر جواز کا فتوی دیا ہے (ایضا)۔

خلاصہ کلام یہ کہ بیعانہ کی رقم کا ضبط کرنا جائز نہیں ہے، البتہ نقصان کی تلافی کی ایک شکل یہ ہوسکتی ہے کہ بیعانہ کی رقم روک کر اس کے بقدر سامان مشتری کو دیدیا جائے، یا مسئلۃ الظفر سے فائدہ اٹھا کر سامان کسی اور کے ہاتھ فروخت کردیا جائے، اور اگر کچھ کم کا بکے تو بیعانہ کی رقم سے اس کو پورا کرلے، زائد رقم مستصنع کو لوٹادے، البتہ اگر امام احمد کا مسلک اختیار کرلیا جائے تو اس میں بیعانہ کی رقم ضبط کرنے کی گنجائش موجود ہے، واللہ اعلم۔

سوال: ۷— یہ عقد اجارہ ہے استصناع نہیں ہے:

مولانا تقی عثمانی صاحب اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں: ''یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ استصناع میں تیار کنندہ خود اپنے خام مال سے چیز تیار کرنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ اگر خام مال گاہک کی طرف سے مہیا کیا گیا ہے اور تیار کنندہ سے صرف اس کی محنت اور مہارت مطلوب ہے تو یہ معاہدہ استصناع نہیں ہوگا، اس صورت میں یہ اجارہ کا عمل ہوگا جس کے ذریعہ کسی شخص کی خدمات ایک متعین معاوضہ کے بدلہ حاصل کی جاتی ہیں (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/۱۵۵، ۴/۲۰۵)۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس پر استصناع کے بجائے اجارہ کی تعریف صادق آرہی ہے: ''وأما بيان أنواعها فنقول: إنها نوعان: نوع يرد على منافع الأعيان، ونوع يرد على العمل، كاستئجار المحترفين للأعمال كالقصارة والخياطة والكتابة وما أشبه ذلك كذا في المحيط (ہندیہ ۴/۴۱۱) (اجارہ کی انواع دو ہیں: ایک وہ جو اعیان کے منافع پر واقع ہو، دوسری وہ جو عمل پر واقع ہو، جیسے پیشہ ور لوگوں کو مزدوری پر رکھنا، جیسے: کپڑا دھلنا، سلانا، لکھنا اور اس سے مشابہ چیزیں)۔

جب ہم نے تسلیم کرلیا کہ یہ اجارہ کی شکل ہے، تو ظاہر بات ہے کہ اجارہ کی شرائط بھی اس میں ملحوظ رکھی جائیں گی، جن میں ایک اہم شرط یہ ہے کہ مطلوبہ عمل کی وضاحت کردی جاتے، ''ومنها بيان العمل في استئجار الصناع والعمال'' (بدائع ۴/۱۸۴ کتاب الاجارات باب اجارۃ المنازل والارض)۔

اختلاف کی صورت میں جرمانہ:

اگر عقد استصناع میں سامان مطلوبہ اوصاف کے مطابق نہ ہوتو مستصنع اس کو لینے سے انکار کرسکتا ہے، اور اگر مٹیریل خود فراہم کرکے کوئی سامان بنوانے کے لئے عقد اجارہ کیا ہے تو اگر صانع مطلوبہ اوصاف کے مطابق سامان تیار نہ کرے تو اس میں بھی مستجیر سامان لینے سے انکار کرسکتا ہے، اور کہہ سکتا ہے کہ میرا مٹیریل واپس کرو، اور یہ بھی کرسکتا ہے کہ سامان لے لے لیکن طے شدہ مزدوری نہ دے، پھر اگر اختلاف غیر معمولی ہو، جنس ہی بدل دی ہو تو اگر صانع نے اپنا کوئی میٹریل بھی اس میں لگایا ہے تو صرف اس میٹریل کے لگانے سے جو اضافہ قیمت میں ہوا ہے وہ دکھائے، اجرت بالکل نہیں دے گا، جبکہ اختلاف اگر معمولی یعنی صرف اوصاف میں ہو تو سامان قبول کرنے کی صورت میں اجرت مثل دے گا، ''وأما استئجار الصناع من الحائك والخياط والصباغ ونحوهم فالخلاف إن كان في الجنس فصاحب الثوب بالخيار إن شاء ضمنه قيمة ثوب أبيض وسلم الثوب للأجير وإن شاء أخذ الثوب وأعطاه ما زاد الصبغ فيه... ولا أجر له... وإذا كان الخلاف في الصنعة فلصاحب الثوب أن يضمنه قيمته أبيض ويسلم إليه الثوب وإن شاء أخذ الثوب وأعطاه أجر مثله لايجاوز به ما سمى'' (بدائع ۴/۸۱، ۸۲، ہندیہ ۴/۴۹۵) (رہا کاریگر کو اجرت پر رکھنا جیسے کپڑا بننے والا، درزی، رنگ ریز وغیرہ تو اختلاف اگر جنس میں ہو تو کپڑے والے کو اختیار ہوگا، اگر چاہے تو اسے سفید کپڑے کا ضامن بنادے اور کپڑا اجیر کے سپرد کردے، اور چاہے تو کپڑا لے لے اور رنگ نے اس کی قیمت میں جو اضافہ کیا ہے وہ اضافہ اسے دیدے... اور اس کو اجرت کا حق نہیں ہوگا... اور اختلاف جب صفت میں ہو تو کپڑے والے کو خیار ہے کہ اسے سفید کپڑے کا ضامن بنادے اور کپڑا اسے دیدے اور اگر چاہے تو کپڑا لے لے اور اسے اجرت مثل دیدے

جیسے وہ متعین اجرت سے نہیں بڑھائے گا)۔

خلاصہ کلام یہ کہ میٹریل اگر خود آرڈر دینے والا فراہم کرے تو یہ عقد اجارہ ہے، اور اگر صانع سامان میں مطلوبہ اوصاف کی خلاف ورزی کرے تو آرڈر دینے والا اس کو قبول کرنے سے انکار کرسکتا ہے، اور اس کو اپنے میٹیریل کا ضامن بنا سکتا ہے، اور قبول کرنے کی صورت میں متعینہ اجرت کے بجائے (صفات میں اختلاف کی صورت میں) اجرت مثل دے گا جو متعینہ اجرت سے بڑھائی نہیں جائے گی، اور اختلاف اگر بنیادی قسم کا ہو تو قبول کرنے کی صورت میں اجرت دے گا ہی نہیں، صرف اس کی کاریگری کے سبب ہونے والا اضافہ دے گا، واللہ اعلم۔

سوال :۸— فراہمی میں تاخیر پر جرمانہ :

مولانا تقی عثمانی صاحب نے تاخیر کرنے پر جرمانہ عائد کرنے کو جائز قرار دیا ہے، اور اس کی دلیل اجارہ کے ایک جزئیہ سے دی ہے، مولانا فرماتے ہیں : ''یہ بات یقینی بنانے کے لئے کہ سامان مطلوبہ مدت میں فراہم کردیا جائے گا اس طرح کے بعض جدید معاہدے ایک تعزیری شق پر مشتمل ہوتے ہیں، جس کے نتیجہ میں اگر تیار کنندہ فراہمی میں متعین وقت سے تاخیر کردے، تو اس پر جرمانہ عائد ہوگا جس کا حساب یومیہ بنیاد پر کیا جائے گا، کیا شرعاً بھی اس طرح کی کوئی تعزیری شق شامل کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگرچہ فقہاء استصناع پر بحث کے دوران اس سوال پر خاموش نظر آتے ہیں، لیکن انہوں نے اس طرح کی شرط کو اجارہ میں جائز قرار دیا ہے، فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کپڑوں کی سلائی کے لئے کسی خیاط کی خدمات حاصل کرتا ہے، تو فراہمی کے حساب سے اجرت مختلف ہوسکتی ہے، مستاجر (جو کپڑے سلوانا چاہتا ہے) یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر خیاط ایک دن میں یہ کپڑے تیار کردے تو وہ سو روپے کی اجرت دے گا اور اگر وہ دو دن میں تیار کرتا ہے تو وہ اسی روپے دے گا، اسی طرح سے استصناع میں قیمت کو فراہمی کے وقت کے ساتھ منسلک کیا جاسکتا ہے، اگر فریقین اس بات پر متفق ہوجائیں کہ فراہمی میں تاخیر کی صورت میں فی یوم متعین مقدار میں قیمت کم ہوجائے گی، تو یہ شرعاً جائز ہوگا (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/ ۱۵۶)۔

مولانا کی تحریر سے مسئلہ کا مکمل جواب آگیا، لیکن اس پر ایک قوی اشکال یہ ہے کہ عقد استصناع بیع ہے نہ کہ اجارہ، اور عقد بیع میں ثمن کو اس طرح معلق رکھا جائے تو عقد فاسد ہوجاتا ہے، چنانچہ نقد کم قیمت اور ادھار زیادہ قیمت رکھنا جائز تو ہے، ''ألا یری أنه یزاد في الثمن لأجل الأجل'' (ہدایہ ۳/ ۷۳ ط ہند)، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ کسی ایک شکل پر مجلس عقد میں متفق ہوجائیں ورنہ عقد فاسد ہوجاتا ہے، ''رجل باع علی أنه بالنقد بکذا وبالنسیئة بکذا أو إلی شهر بکذا أو إلی شهرین بکذا، لم یجز کذا في الخلاصة'' (ہندیہ ۳/ ۱۳۶، کتاب البیوع الباب العاشر) اور مذکورہ شکل فساد ہی والی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عقد استصناع ابتداء میں اجارہ ہی رہتا ہے، سامان حوالگی سے کچھ پہلے بیع کی شکل اختیار کرتا ہے، ''وفي الذخیرة : هو إجارة ابتداء بیع انتهاء لکن قبل التسلیم لا عند التسلیم'' (شامی ۷/ ۴۷۳، فتح القدیر ۶/ ۲۴۴، ۲۴۵)، لہذا حوالگی سے پہلے اس پر عقد اجارہ کے احکام نافذ کئے جاسکتے ہیں۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ مذکورہ فتوی صاحبین کے قول پر دیا گیا ہے، امام صاحب کے نزدیک پہلی شرط صحیح ہوتی ہے، دوسری فاسد، لہذا دوسرے دن سینے پر اجرت مثل دی جائے گی، ''وإن قال إن خطته غدا الخ'' (ہدایہ مع الفتح ۸/ ۷۰، ۷۱، ہندیہ ۴/ ۴۲۳، شامی اجارہ ۵/ ۵۰، شرح العنایہ مع الفتح ۸/ ۷۴)، اور کتابوں میں فتوی امام صاحب کے قول پر درج ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ضرورتاً صاحبین کے قول پر فتوی دیا جا سکتا ہے۔

تیسرا اشکال یہ ہے کہ اگر خیار دو انواع میں دیا گیا ہو تو بالاتفاق جائز ہے، زمان میں دیا گیا ہو تو صاحبین اس کو انواع ہی کے اختلاف پر قیاس کرتے ہیں، امام صاحب دوسری شرط کو ناجائز قرار دیتے ہیں، اور انواع کے خیار کی بحث میں تصریح ہے کہ دو یا تین انواع میں بیع کے مثل خیار دیا جا سکتا ہے، تین سے زائد میں نہ بیع میں خیار دیا جا سکتا ہے اور نہ اجارہ میں "وإذا قال للخياط إن خطت هذا الثوب فارسيا فبدرهم وإن خطته روميأ فبدرهمين جاز وأى عمل من هذين العملين عمل استحق الأجر ... وكذا إذا خيره بين ثلاثة أشياء، وإن خيره بين أربعة أشياء لم يجز والمعتبر في جميع ذلك البيع" (ہدایہ مع نتائج الافکار ۸/۷۰)، صاحبین نے زمان میں خیار کو انواع ہی کے خیار پر قیاس کر کے جائز قرار دیا ہے، چنانچہ صاحبین کے دلائل دیتے ہوئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: "ولأن التعجيل والتاخير مقصود فنزل منزلة اختلاف النوعين" (۸/۷۱)۔

اس بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ دو یا تین مراحل کی قیمتیں الگ الگ بتائی گئی ہوں تو اس کو جائز ہونا چاہئے، تین سے زائد مراحل مقرر کئے ہوں تو جائز نہ ہونا چاہئے تو صاحبین کا قول اختیار کر لیں تب بھی یومیہ بنیاد پر اس مسئلہ پر قیاس کر کے جرمانہ مقرر کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟

راقم کو اس اشکال کا جواب سمجھ میں نہیں آیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ اجارہ کے ایک جزئیہ کے پیش نظر یہ طے کیا جا سکتا ہے کہ اگر متعینہ وقت پر سامان فراہم نہ کیا گیا تو ثمن میں اتنی اتنی کمی کر دی جائے گی، شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہوگی، لیکن کیا اس کو ہر دن کی تاخیر سے مربوط کیا جا سکتا ہے، بعض جلیل القدر علماء نے اس کو جائز قرار دیا ہے، لیکن راقم کے خیال میں اس کا جواز محل نظر ہے، واللہ اعلم۔

عصر حاضر میں عقد استصناع کی شکلیں اور ان کے احکام

مفتی محمد اقبال ٹنکاروی ☆

شریعت اسلامیہ میں خرید و فروخت کے بنیادی اصول میں سے ایک یہ ہے کہ جو چیز فروخت کی جائے وہ موجود ہو، فی الحال معدوم نہ ہو، بیچنے والے کی ملکیت اور قبضے میں ہو، اور ان شرائط بالا میں سے کسی ایک شرط کے نہ پائے جانے کی صورت میں بیع وشراء صحیح نہ ہو۔ لیکن بیع سلم اور عقد استصناع اس سے مستثنیٰ ہے، بیع سلم میں قیمت نقد ہوتی ہے اور مبیع ادھار، اس میں جانبین کو فائدہ بھی ہوتا ہے، مشتری کو چیز سستے داموں میں مل جاتی ہے اور بائع کو مطلوبہ سامان یا غلہ وغیرہ کے لئے پیسے مل جاتے ہیں: تا کہ وہ محنت کر کے کاشت کاری کرے یا مطلوبہ سامان کے لئے محنت۔

اور استصناع میں چیز آرڈر کے مطابق بنائی جاتی ہے اور بعض مرتبہ آرڈر کے وقت کل یا بعض رقم بھی ادا کی جاتی ہے: تا کہ صنعت کاری میں آسانی رہے، ان دونوں طریقوں میں شرط بالا مفقود ہونے کے باوجود عقد جائز ہے اور دونوں طریقے جانبین کے لئے مفید بھی ہوتے ہیں۔

پہلے چھوٹی اور معمولی چیزوں میں صنعت کاری کا تعامل تھا لیکن جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا لوگوں کی حاجتیں اور رغبتیں بھی نئی نئی ہوتی گئیں، اور عصر حاضر کی نت نئی اقتصادی صورتوں نے صنعت کاری میں بھی اثر ڈالا اور نئے مسائل وجود میں آئے، اور اب بڑی بڑی تعمیرات، ترقیاتی منصوبے وغیرہ میں بھی استصناع اور صنعت کاری ہونے لگی، جیسے آج کل اسلامی مالیاتی ادارے سرمایہ کاری میں بھی اسی سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور استصناع کے ذریعہ ایک شئے کم قیمت میں حاصل کر کے زیادہ نفع کے ساتھ فروخت کر دیتے ہیں، جس کو استصناع متوازی کہا جاتا ہے۔

چوں کہ عقد استصناع میں مبیع موجود نہیں ہوتی: بلکہ مستقبل میں تیار کرنی پڑتی ہے، اس اعتبار سے اس کو وعدۂ بیع کہا جائے یا مبیع موجود نہ ہونے کے باوجود تعامل اور حاجت کی بناء پر اس کو بیع کہا جائے؟ کیوں کہ اگر وعدۂ بیع سمجھیں تو صانع کی طرف سے عمل پائے جانے کی صورت میں وہ ایفائے وعدہ کے فضائل اور اجر وثواب کا مستحق ہو سکے اور عمل نہ پائے جانے کی صورت میں وعدہ کی خلاف ورزی سے متعلق وعیدوں کا مستحق ہو؛ لیکن قانونی طور پر اسے کچھ نہ کر سکیں اور بیع ماننے کی صورت میں اگر صانع کی طرف سے عمل نہ پایا جائے تو اسے ضامن بنایا جائے، یا مقدمہ دائر کر کے اس پر کوئی کارروائی کی جائے۔

فقہاء کے درمیان اس بابت اختلاف ہے کہ بیع ہے یا وعدہ بیع یا اجارہ، اور بیع ماننے کی صورت میں مبیع کس کو مانا جائے، جو چیز

☆ مہتمم دار العلوم ماٹلی والا، بھروچ۔

تیار کی جائے گی اس کو یا صانع کے عمل اور محنت کو؟

چنانچہ حاکم شہید مروزی، صفار، محمد بن سلمہ اور صاحب منثور اس کو وعدۂ بیع مانتے ہیں اور عمل انتہاء کو پہنچنے کے بعد یہ بیع تعاطی ہو جائے گا، یعنی بھاؤ کئے بغیر ہی مصنوع مستصنع کے حوالے کیا جائے گا۔

دوسری رائے جمہور احناف کی ہے کہ اسے بیع ہی قرار دیں اور چوں کہ یہ شئے مصنوع کی بیع ہے، صانع کے عمل کی نہیں ہے، لہٰذا اسے وعدۂ بیع یا اجارہ قرار نہیں دیا جاسکتا، کیوں کہ اگر صانع اس کی خلاف ورزی کرے اور آرڈر کے مطابق چیز تیار نہ کرے تو مستصنع کا نقصان ہوگا اور اس کی حاجت پوری نہ ہوگی، اور اگر اس نے مال بھی دیا تھا تو وہ بھی ضائع ہوگا اس کے باوجود قانونی طور پر صانع کی گرفت نہیں کرسکتے؛ کیوں کہ یہ صورت بیع میں ہوا کرتی ہے کہ ایک خاص وصف کے ساتھ چیز کا مطالبہ ہو بصورت دیگر ضمان عائد ہو جائے۔

اور اس کو بیع قرار دینے میں جانبین کا فائدہ ہے کہ آرڈر دینے والے کی حاجت و مصلحت کی تکمیل ہوگی اور صانع کو ثمن مل جائے گا، اور اگر اس کو وعدۂ بیع قرار دیا جائے تو صانع ہر ایک سے وعدہ کرتا رہے گا اور آرڈر کے مطابق چیز تیار نہ ہوئی تو وہ آرڈر دہندہ کا نقصان کرے گا۔

پھر جمہور نے اس دوسرے فریق کی رائے کو قابل ترجیح قرار دیتے ہوئے بطور دلیل ذکر کیا ہے:

۱— امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے استصناع کے باب میں قیاس و استحسان کو ذکر کیا ہے اور یہ دونوں قسمیں بیوعات کو ثابت کرنے میں تو جاری ہوسکتی ہے، وعدہ میں نہیں۔

۲— انہوں نے اس عقد کو ان چیزوں میں ہی جائز رکھا ہے، جس میں لوگوں کا تعامل ہو اور جن چیزوں میں تعامل نہ ہو وہاں اسے جائز نہیں کہا، یہ بھی اس عقد کے بیع ہونے کی دلیل ہے؛ کیوں کہ وعدہ میں تعامل وغیر تعامل کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔

۳— اس کے لئے جو عبارات استعمال کی گئی اس میں ''اشتری'' کا صیغہ ذکر کیا اور ''شراء'' بیع ہی میں مستعمل ہوتا ہے، نہ کہ وعدۂ بیع میں۔

۴— خیار کا اثبات بھی اس عقد کے بیع ہونے پر دلیل ہے؛ کیوں کہ مستصنع کے لئے خیار رؤیت کا اثبات بیوعات کے خصائص میں سے ہے۔

اس پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر وہبہ زحیلی تحریر فرماتے ہیں:

اختلف المشائخ او فقهاء الحنفية في تخريج الاستصناع، أهو بيع أم وعد بالبيع، أم إجارة، وإذا كان بيعا، هل المبيع هو العين المصنوعة أو العمل الذي قام به الصانع؟

فقال الحاكم الشهيد المروزي، والصفار، ومحمد بن سلمة وصاحب المنثور: الاستصناع مواعدة، وانما ينعقد بيعا بالتعاطي عند الفراغ من العمل، ولهذا كان للصانع ألا يعمل ولا يجبر عليه، بخلاف السلم، وللمستصنع ألا يقبل ما يؤتي به، ويرجع عنه ولا تلزم المعاملة۔

والصحيح الراجح في المذهب الحنفي: إن الاستصناع بيع للعين المصنوعة لا لعمل الصانع فهو ليس وعدا ببيع ولا اجارة على العمل، فلو أتى الصانع بما لم يصنعه هو، أو صنعه قبل العقد بحسب الأوصاف المشروطة جاز ذلك، والدليل ان محمد بن الحسن رحمه الله ذكر في الاستصناع القياس والاستحسان وهما لا يجريان في المواعدة، ولأنه جوزه فيما فيه

تعامل ولو كان مواعدة جاز في الكل، وسماه شراء فقال : اذا راه المستصنع فهو بالخيار، لانه اشترى مالم يره، و لأن الصانع يملك الدراهم بقبضها، ولو كان العقد مواعدة لم يملكها۔ و اثبات الخيار لكل من العاقدين لا يدل على انه غير بيع، بدليل انه في بيع المقايضة لو لم ير كل من العاقدين عين الآخر اي مبيعه كان لكل منهما الخيار، وثبوت خيار الرؤية للمستصنع من خصائص البيوع، فدل على ان جوازه جواز البياعات، لا جواز العدات۔ ويترتب على كونه بيعا انه يجبر الصانع على عمله، و لا يرجع الآمر المستصنع عنه ولو كان عدة لما لزم (الفقہ الاسلامی وادلتہ: القسم الثالث العقود، المبحث السادس، انواع البیوع، عقد الاستصناع ۴/۳۹۱، ۳۹۲، ط: الهدی انٹرنیشنل دیوبند)۔

دراصل بیع استصناع قیاسی اعتبار سے جائز نہیں ہونی چاہئے، چوں کہ اس میں شئے معدوم کی بیع ہو رہی ہے، اور معدوم شئے کی بیع درست نہیں ہے؛ مگر تعامل ناس اور لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر اس کو استحساناً جائز قرار دیا ہے۔

زیر بحث عقد اور معاملہ کو بیع استصناع ماننے کی صورت میں ابتداءً یہ معاملہ اجارہ کا ہوتا ہے اور مکمل رقم کی ادائیگی کے وقت یہ بیع ہوجاتی ہے، یعنی جب آخری قسط ادا کی جارہی ہوتی ہے اس سے ایک ساعت قبل یہ معاملہ بیع کا ہوجاتا ہے۔

ولو كانت مواعدة لا معاقدة لكان لا يصير الأجر ملكاً له، فدل انها تنعقد معاقدة لا مواعدة، ثم كيف ينعقد معاقدة (يقول) ينعقد إجارة ابتداءً ويصير بيعاً انتهاءً متى سلم قبل التسليم بساعة (المحیط البرہانی: کتاب البیوع، الفصل الرابع والعشرون فی الاستصناع ۸/۲۵۴، ط: داراحیاء التراث العربی)۔

اب ظاہر ہے کہ عقد اجارہ میں بعض رقم دینا باقی ہوتی ہے، لہذا زیر تعمیر یا قبل تعمیر عمارت میں خریدے ہوئے مکان ودکان کے معاملہ کو بیع استصناع شمار کیا جائے گا، بیع تو مکمل رقم کی ادائیگی کے وقت ہوگی، اب بیع استصناع ماننے کی صورت میں چند باتیں خود بخود لازم ہوجائے گی۔

اولاً : فلیٹ یا دکان کی مکمل رقم کی ادائیگی سے قبل اگر صانع (بلڈر) کا انتقال ہوجاتا ہے تو یہ فلیٹ اور دکان مکمل تیار ہوچکی ہوگی یا تیار ہونا باقی ہوگی، ہر دو صورت میں فلیٹ اور دوکان صانع (بلڈر) کے ترکہ میں شمار ہوکر اس کے ورثاء میں تقسیم ہوگی اور مستصنع (خریدار) کو اس کی دی ہوئی رقم لوٹادی جائے گی، یعنی وہ رقم جو اس نے اب تک جمع کی ہے، چاہے ملکیت کا دام کتنا ہی کیوں نہ بڑھ گیا ہو :

بأن الصانع اذا مات قبل تسليم العمل بطل الاستصناع ولا يستوفي المصنوع من تركته، ولو انعقد بيعا ابتداء وانتهاءً ألا يبطل بموته، كما في بيع العين والسلم (المحیط البرہانی ۸/۲۵۵)۔

بیع استصناع کا یہ حکم سامنے آنے کے بعد صانع (بلڈر) سے معاہدہ کے وقت مذکورہ معاملہ ضبط تحریر میں لانا ضروری ہے؛ تا کہ مستقبل میں خلاف شرع کام ہو، نہ کسی طرح کا نزاع ہو اور اگر اس معاملہ کو اگریمنٹ پیپر اور معاہدہ کے کاغذات پر نہیں لایا گیا تو صانع (بلڈر) کی موت پر جو نزاع ہوگا وہ ناقابل تحمل ہوگا۔

ظاہری بات ہے ایسی صورت میں شاید ہی کوئی مستصنع (خریدار) معاملہ کرنے پر راضی ہو اور جب راضی نہیں ہوگا تو گویا جس ضرورت اور غرض کی بنیاد پر اس معاملہ کو خلاف قیاس استحساناً جائز قرار دیا گیا ہے، وہ ضرورت اپنی جگہ باقی رہ جائے گی اور لوگوں کا حرج

دور نہ ہوگا۔

ثانیاً : بیع استصناع ماننے کی صورت میں مستصنع (خریدار) کے لئے اس فلیٹ اور دکان کو فروخت کرنا درست نہ ہوگا، جب تک کہ مکمل رقم ادا نہ کر دیں، چاہے فلیٹ اور دکان مکمل تیار ہوگئی ہو یا جواز بیع کی حد تک تیار ہوئی ہو؛ چوں کہ ابھی یہ اجارہ ہے اور بیع مکمل ہوگی آخری قسط ادا کرنے پر۔

اس صورت میں انویسٹرس (فلیٹ اور دوکان کی تجارت کرنے والوں) کو حرج عظیم ہوگا، چوں کہ آج کل اکثر حضرات پچاس فیصد پر ہی فلیٹ اور دکان بک کرواتے ہیں، یعنی کل قیمت کا نصف حصہ ہی شروع میں دیتے ہیں، اور پھر ہر منزل کے بننے پر قسط وار رقم دینے کا معاہدہ ہوتا ہے اور اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ صانع (بلڈر) عمارت جلد از جلد بنانے کی فکر کرتا ہے، اب یہ انویسٹر جب تک مکمل رقم ادا نہ کریں فلیٹ اور دکان بیچ نہیں سکتا؛ کیوں کہ ابھی یہ اجارہ ہے اور اس طرح کے جتنے معاملات اب تک ہوئے ہیں، خلاف شرع ہونے کی وجہ سے قابل فسخ ہیں۔

ثالثاً : بیع استصناع اور عقد غیر لازم ماننے کی صورت میں صانع (بلڈر) کے لئے مستصنع (خریدار) کی طرف سے بک کروائے گئے فلیٹ اور دکان کو اس کی رؤیت اور رضامندی سے پہلے کسی اور کو بھی بیچنے کا حق ہوگا اور اگر بیچ دے گا تو مستصنع اس بیع اور معاملہ کو ختم کرنے کا مجاز بھی نہ ہوگا اور اس کو اب تک کی جمع کی ہوئی رقم لوٹا دی جائے گی :

وأما بعد الفراغ من العمل قبل أن يراه المستصنع فكذلك حتى كان للصانع أن يبيعه ممن شاء-إلى أن قال-ولو استهلكه قبل الرؤية فهو كالبائع إذا استهلك المبيع قبل التسليم (بدائع الصنائع: کتاب الاستصناع ۳/۵، ط: ایچ ایم سعید کمپنی)۔

اس صورت میں تو حرج ناقابل بیان ہے اور لازمی طور پر مفضی الی النزاع ہے جو ناقابل تحمل ہے اور شریعت مطہرہ نے ہر معاملہ میں نزاع سے بچایا ہے۔

البتہ اس تیسری صورت میں دھوکہ اور نزاع سے بچانے کے لئے یہ کیا جا سکتا ہے کہ بلڈر سے مکمل بیع کا وعدہ لیا جائے اور یہ کہ وہ کسی اور کو نہ بیچے۔

اب اس وعدۂ بیع کا وفا دیانتاً لازم ہے یا قضاءً تو اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، بعضوں نے اسے دیانتاً لازم قرار دیا ہے کہ بلڈر خریدے ہوئے فلیٹ اور دکان مستصنع کو ہی بیچنے پر اخلاقی طور پر بندھا ہوا ہے تاہم اگر مستصنع کی رویت اور رضا سے قبل کسی اور کو بیچ دیں تو گنہگار ضرور ہوگا؛ البتہ عدالت اور قضا کے ذریعہ اس پر جبر نہیں کیا جا سکتا۔

اور بعض فرماتے ہیں کہ بیع وشراء اور معاملات میں وفائے عہد قضاءً بھی لازم ہے کہ بلڈر مستصنع کے علاوہ کسی اور کو بیچ نہیں سکتا، اگر بیچ دے گا تو کورٹ اور عدالت کے ذریعہ اس کو فسخ کرایا جا سکتا ہے، راجح قول بھی یہی ہے۔

وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولا (بنی اسرائیل)۔

امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی یہ آیت بتاتی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کام کو کرنے کی ذمہ داری قبول کر لیتا ہے، خواہ عبادات میں سے ہو یا معاملات میں سے اسے پورا کرنا اس پر لازم ہے۔

بیع استصناع میں وفائے عہد کو قضاءً لازم ماننے کی صورت میں تیسرا حرج تو دور ہو جائے گا: تاہم پہلا اور دوسرا حرج بدستور اپنی جگہ باقی رہے گا؛ نیز پہلے حرج میں ضرورت کے اپنی جگہ باقی رہنے کے ساتھ مفضی الی النزاع کا بھی خطرہ ہے اور تعامل ناس کا بھی خطرہ ہے اور تعامل ناس کے بھی خلاف ہے۔

رابعاً: بیع استصناع کو عقد غیر لازم ماننے کی صورت میں اگر بلڈر کی طرف سے اپنے مفاد کی خاطر یا واقعتاً قانونی رکاوٹوں کی وجہ سے تعمیری کام نہ ہوا تو یہاں کس بنیاد پر بلڈر سے آج کا بھاؤ اور قیمت لینے کی خاطر حیلہ کریں گے؛ کیوں کہ پہلا عقد ہی مکمل نہیں ہوا: بلکہ مکمل ہونے سے پہلے ہی منسوخ ہو گیا، اور اگر زیر بحث معاملہ کو عقد لازم مانا جاتا ہے تو تمام حرج خود بہ خود دور ہو جائیں گے۔

اولاً: بلڈر کے مرنے پر زیر تعمیر عمارت میت یعنی بلڈر کے ترکہ میں نہیں جائے گی:

بأن الصانع إذا مات قبل تسليم العمل بطل الاستصناع ولا يستوفي المصنوع من تركته ولو انعقد بيعا وانتهاى لا يبطل بموته كما في بيع العين والسلم (المحیط البرہانی ۸/ ۲۵۵)۔

ثانیاً: مکمل عمارت بننے پر یا جواز بیع کی حد تک بننے پر اس کا بیچنا بھی درست ہوگا۔

ثالثاً: بلڈر کے لئے مستصنع کی طرف سے رضا اور رویت سے پہلے فلیٹ اور دکان کسی اور کو بھی بیچنے کا حق نہ ہوگا۔

رابعاً: تعمیری کام نہ ہونے پر حیلہ کا دروازہ بھی کھلا ہوا ہے۔

(۳) اگر کسی شخص نے فلیٹ یا مکان بک کروایا ہے، اور اب وہ فلیٹ یا مکان کسی کو بیچنا چاہے تو یہ دیکھنا ہے کہ فلیٹ تیار ہوا ہے یا نہیں؟ اگر وہ فلیٹ بن کر ابھی تیار نہیں ہوا ہے تو اس کو کسی کے ہاتھ فروخت نہیں کیا جاسکتا ہے؛ کیوں کہ یہ بیع معدوم ہے۔

ہاں! اگر بن کر تیار ہو چکا ہے تو اب وہ قبضہ سے پہلے بھی کسی کو فروخت کرنا چاہے تو فروخت کرسکتا ہے؛ کیوں کہ جواز قبیل منقولات نہ ہو اس کی بیع قبل القبض بھی جائز ہے۔

شرح المجلہ میں ہے: **يلزم أن يكون المبيع موجودا وأن يكون المبيع مقدور التسليم** (المادة: ۱۹۷، ۱۹۸، ص ۹۰، ج ۱، ط: اتحاد بک ڈپو دیوبند)۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

بیع قبل القبض کے جواز و عدم جواز کے سلسلہ میں فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے۔ اس میں پانچ مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: عثمان البتی کی طرف منسوب ہے، انہوں نے کہا کہ بیع قبل القبض مطلقاً جائز ہے، طعام میں بھی اور غیر طعام میں بھی، اگر کسی شخص نے خرید لیا تو اس کو آگے فروخت کرسکتا ہے، چاہے اس پر قبضہ نہ کیا ہو، لیکن یہ قول شاذ ہے، جمہور امت نے اس کو رد کیا ہے، کہا ہے کہ عثمان البتی کا قول اجماع کے خلاف ہے؛ کیوں کہ بیع الطعام قبل القبض کے بارے میں نہی کے آثار کثرت سے ہیں، ان کا یہ قول مردود ہے۔

دوسرا مذہب: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور حنفیہ میں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ بیع قبل القبض ہر چیز میں ناجائز ہے، خواہ وہ طعام ہو یا غیر طعام ہو، منقولات میں سے ہو یا غیر منقولات میں سے ہو، کسی شئی کی بیع بھی اس پر قبضہ کرنے

سے پہلے ناجائز ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ظاہری قول بھی یہی ہے۔

تیسرا مذہب: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ منقولات میں بیع مطلقاً ناجائز ہے خواہ طعام ہو یا غیر طعام ہو؛ البتہ زمین یا مکان کی بیع قبل القبض جائز ہے۔

چوتھا مذہب: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ بیع قبل القبض کی ممانعت مطعومات کے ساتھ مخصوص ہے، غیر مطعومات میں بیع قبل القبض جائز ہے، لہٰذا گندم، جو، کھجور، چاول کی فروخت ہو تو قبل القبض جائز نہیں۔

پانچواں مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مطعومات میں جو مکیلی اور موزونی اشیاء ہیں ان کی بیع قبل القبض ناجائز ہے اور جو مکیلی اور موزونی نہیں ہیں ان میں بیع قبل القبض جائز ہے، اب بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ مکیلی اور موزونی بھی مطعومات میں سے ہوں تب تو ناجائز اور بعض کہتے ہیں موزونی جتنی بھی ہیں ان سب کے اندر بیع قبل القبض ناجائز ہے۔

ایک حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ بیع قبل القبض سے منع فرمایا؛ بلکہ اس کی اصل علت بھی بتادی کہ بیع قبل القبض کے ناجائز ہونے کی علت کیا ہے؟ وہ حدیث شریف سنن الترمذی میں ہے: **نهى رسول الله عليه وسلم عن بيع وشرط، وعن بيع ماليس عندك، وعن ربح مالم يضمن** (السنن الکبری: کتاب البیوع، باب سلف وبیع وباب شرطان فی بیع وباب النھی عن بیعتین، رقم الحدیث: ۶۲۲۵، ۶۲۲۶، ۶۲۲۷، ص: ۴۳، ج: ۴، ط: دارالکتب العلمیہ بیروت)۔

تو آپ ﷺ نے اس چیز کی بیع کرنے سے منع فرمایا جو کہ انسان کے پاس نہیں ہے اور آگے اس کی علت اور اصول بھی بیان فرمادیا کہ منع فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ جو چیز انسان کے اپنے ضمان میں نہ آئی ہو اس پر اس کو نفع لینا جائز نہیں۔

شریعت کا ایک بہت بڑا اصول ہے کہ ربح ہمیشہ ضمان کا معاوضہ ہوتا ہے، چنانچہ اگر زید نے گندم لے کر اس کو قبضہ میں کرلیا، اس طرح کرلیا کہ اگر وہ ہلاک ہوجائے تو اس کو نقصان ہوگا؛ کیوں کہ اپنے ضمان میں لے لیا اب اگر یہ ماجد کو فروخت کرے تو جائز ہوگا۔ اس پر نفع لینا بھی جائز ہوگا؛ لیکن اگر اس نے قبضہ نہیں کیا، گندم ابھی خالد کے پاس موجود ہے، چوں کہ اس نے ابھی ضمان میں نہیں لیا، اس لئے اگر وہ ماجد کو فروخت کرتا ہے تو ایسی چیز سے نفع اٹھارہا ہے جو اس کے ضمان میں نہیں ہے۔

زمین کی بیع قبل القبض:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ضمان کا سوال اس جگہ پیدا ہوتا ہے جہاں کہیں ہلاکت کا اندیشہ ہو، جو اشیاء قابل ہلاکت ہوں انہیں میں ضمان ہوتا ہے اور جو اشیاء قابل ہلاکت نہیں تو اس میں ضمان کا بھی سوال نہیں، اور زمین ایسی چیز ہے جو قابل ہلاکت نہیں، جب قابل ہلاکت نہیں تو اس میں ضمان کا بھی سوال نہیں کہ کس کے ضمان میں آئی اور کس کے ضمان میں نہیں آئی، لہٰذا وہاں بیع قبل القبض کی شرط لگانے کی ضرورت نہیں۔

البتہ علامہ ابن الہمام نے "فتح القدیر" میں فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا تقاضہ ہے کہ اگر کسی جگہ زمین ہو جو ہلاکت کے لائق ہو تو وہاں بھی بیع قبل القبض ناجائز ہوگی، مثلاً سمندر یا دریا کے قریب زمین ہے، اس میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ سمندر اس کے اوپر آجائے اور زمین ختم ہوجائے اور جو پہاڑی علاقے ہیں ان کی یہ صورت حال ہوتی ہے کہ کسی وقت پوری کی

پوری زمین ہی گر جائے، جہاں زمین کی ہلاکت کے اس قسم کے اندیشے ہوں، وہاں پھر اصل اصول لوٹ آئے گا اور اس کی بیع بھی قبل القبض ناجائز ہوگی اور یہی بات دلیل کے لحاظ سے زیادہ قوی ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ ''ربح مالم یضمن'' علت ہے، وہ علت جہاں پائی جائے گی وہ عقد ناجائز ہوگا۔

معنوی قبضہ :

قاعدہ یہ ہے کہ جب تک آدمی مبیع پر قبضہ نہ کرلے اس وقت تک اس کو آگے فروخت نہیں کرسکتا، اس قاعدے کو پورا کرنے کے لئے حسی قبضہ ضروری نہیں، بلکہ اگر معنوی قبضہ ہوجائے تو بھی کافی ہے۔ اس سے فقہاء کرام کے اس اختلاف کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ قبضہ کس چیز سے متحقق ہوتا ہے؟

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ جب بائع ایسی چیز فروخت کرے، جو منقولات میں سے ہو تو جب تک وہ بائع کی جگہ سے ہٹ نہ جائے اس وقت تک مشتری کو مبیع پر قابض نہیں سمجھا جائے گا، گویا ان کے نزدیک مشتری کا اس پر حسی قبضہ ضروری ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ حسی قبضہ نہیں بلکہ تخلیہ کافی ہے۔

تخلیہ کے معنی یہ ہیں کہ مشتری کو اس بات پر قدرت دیدی جائے کہ وہ جب چاہے آکر مبیع پر قبضہ کرلے، جب قبضہ کرنے میں کوئی مانع باقی نہ رہے تو سمجھیں گے کہ تخلیہ ہوگیا، مثلاً کوئی بکس ہے، اس کے اندر کئی چیزیں رکھی ہوئی ہیں، اس کی چابی اس کے حوالہ کردی، تو جب چابی حوالے کردی، اب چاہے وہ اٹھائے یا نہ اٹھائے، قبضہ متحقق ہوگیا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ جب تک مشتری اس کو وہاں سے نہیں اٹھائے گا، اس وقت تک قبضہ تصور نہیں کیا جائے گا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اختیار کیا ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا واقعہ موصولاً روایت کیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ خریدا اور پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اونٹ پر مدینہ منورہ تک سفر کیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس سے نہیں اترے، لیکن تخلیہ متحقق ہوگیا تھا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ کہتے ہیں کہ معلوم ہوا کہ تخلیہ سے قبضہ متحقق ہوگیا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل : تخلیہ کے کافی ہونے پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اصل دلیل یہ ہے کہ مبیع پر مشتری کا قبضہ ضروری ہے؛ تاکہ مشتری کو اتنی قدرت حاصل ہوجائے کہ وہ اس کو آگے بیچ سکے اور جس چیز پر ابھی اس نے قبضہ ہی نہیں کیا، اس کو آگے بیچ بھی نہیں سکتا، اس نہی کی علت ''ربح ما لم یضمن'' ہے، یعنی اگر وہ قبضہ نہیں کرے گا تو وہ مشتری کے ضمان میں نہیں آئے گی، نہ آنے کے معنی یہ ہیں کہ اگر وہ ہلاک ہوجائے تو بائع کا نقصان سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر مشتری نے قبضہ کرلیا تو اب ہلاک ہونے کی صورت میں مشتری کا نقصان ہوگا، اگر مبیع بائع کے پاس ہے اور ابھی تک مشتری کے ضمان میں نہیں آئی، اب اگر مشتری اس کو بغیر قبضہ کے تیسرے شخص کو فروخت کرے اور اس پر نفع کمائے تو یہ ''ربح ما لم یضمن'' ہوجائے گی۔ یعنی اس چیز پر نفع کمانا جو اس کے ضمان میں نہیں آئی اور یہ ناجائز ہے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصل چیز ضمان میں آجانا ہے، اس ضمان میں آجانے کے لئے حسی قبضہ کوئی ضروری نہیں؛ بلکہ اگر اس نے حساً قبضہ نہیں کیا؛ لیکن بائع نے تخلیہ کردیا تو تخلیہ کرنے کے معنیٰ یہ ہوتے ہیں کہ میں نے تمہیں قدرت دیدی ہے،

جب جا ہو اس پر قبضہ کر لینا، پھر بھی اگر وہ بائع کے پاس ہی رہی تو بطور امانت ہوگی نہ کہ ضمان، کیوں کہ اب ضمان بائع سے مشتری کی طرف منتقل ہو گیا ہے، تو قبضہ کا حکم بھی متحقق ہو گیا، اب اگر مشتری اسے آگے فروخت کرنا چاہے تو "ربح ما لم یضمن" نہیں لازم آئے گا (اسلام اور جدید معاشی مسائل قبضہ سے پہلے بیع کرنے کا حکم ص: ۹۳—۱۰۰، ج: ۲، ط: فیصل بکڈپو دیوبند)۔

نیز مکان اور فلیٹ تیار ہو گیا؛ لیکن ابھی قبضہ میں نہیں آیا ہے، تو بھی شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ نے استحساناً قبضہ سے پہلے فروخت کرنے کو جائز قرار دیا، اور استحسان کی علت یہ پیش کی کہ اب اس میں غرر و تغیر کا وہم نہیں ہے، تو اگر وہ فلیٹ بن کر تیار ہی نہ ہوئے ہوں تو اس میں یہ علت غرر اور تغیر کا امکان ہے۔ یا تو صانع بنائے ہی نہیں یا مثلاً ایک ہی منزل بنا کر صانع نے تعمیر روک دی اور فلیٹ دوسری منزل پر بک کروایا ہے، تو مشتری ثانی کو دھوکہ ہوا، کیوں کہ فلیٹ معدوم ہے۔

۴—استصناع کا تعلق تعامل کے مطابق منقول و غیر منقول دونوں میں ہوسکتا ہے، چوں کہ کتب فقہ میں ہر زمانہ کے عرف و تعامل کے مطابق استصناع کی مثالیں دی ہیں، اور جن چیزوں میں تعامل نہ تھا اس میں استصناع کے عدم جواز کا فیصلہ کیا، متقدمین نے جن اشیاء سے منع کیا تھا، ان میں اگر لوگوں کا تعامل ہو گیا تو متاخرین نے اس میں بھی استصناع کے جواز کا فیصلہ فرمایا، جیسا کہ کپڑوں کے بارے میں متقدمین نے منع فرمایا اور متاخرین نے اس میں بھی تعامل کی بنا پر جواز کا فیصلہ کیا، جیسے ڈاکٹر وہبہ زحیلی رقم طراز ہیں:

اشترط الحنفية لجواز الاستصناع شروطاً ثلاثة اذا فاتت او فات واحد منها فسد العقد... منها: أن يكون المصنوع مما يجري فيه تعامل الناس كالمصنوعات والأحذية والأواني وأمتعة الدواب ووسائل النقل الاخرى، فلا يجوز الاستصناع في الثياب او في سلعة لم يجر العرف باستصناعها كالدبس (ما يخرج من العنب) لعدم تعامل الناس به، ويجوز ذلك على اساس عقد السلم اذا استوفى شروط السلم........ ويصح في عصرنا الحاضر الاستصناع في الثياب لجريان التعامل فيه، والتعامل يختلف بحسب الأزمنة والأمكنة (الفقہ الاسلامی وادلتہ عقد الاستصناع ۴/ ۹۴ ص ۳—۹۵ ۴۳، ط: الہدی انٹرنیشنل دیوبند)۔

موسوعۃ الفتاوی المعاملات المالیہ میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے:

الشروط الخاصة بالاستصناع: ان يكون المصنوع مما يجري فيه التعامل بين الناس: ويشترط الاصناف ان يكون المصنوع مما يجري فيه التعامل بين الناس، وذكر عدة امثلة لذلك، فقالوا: مثل استصناع الحديد والرصاص والنحاس والزجاج والخفاف والنعال ونحو ذلك، غير انه من الجدير بالذكر ان هذه الامثلة كانت شائعة عندهم ولم يريدوا من خلالها حصر الاستصناع فيها فذكرها كان على سبيل التمثيل لا الحصر، لذلك وجد مجلة الاحكام العدلية ذكرت امثلة اخرى لما كان يستخدم في عصرها مثل البندقية والسفن الحربية والتجارية، وهذه الامثلة لم تكن موجودة في العصور السابقة۔

۵—استصناع متوازی یا موازی کی دو صورتیں ہیں:

اسلامی بینک مرابحہ اور اجارہ کی شکل اختیار کرتا ہے، مرابحہ کی شکل یہ ہوتی ہے کہ اسلامی بینک دوسرے ممالک سے آرڈر دہندہ کے آرڈر کے موافق سامان منگاتا ہے، یعنی خود رقم دے کر خریدتا ہے، پھر آرڈر دہندہ کے ہاتھ منافع لے کر فروخت کرتا ہے، مثلاً کسی کمپنی کو

ایک مشین کی ضرورت پڑی تو اب یہ کمپنی بینک سے بات کرے گی اور سامان کی نوعیت بیان کردے گی اور اسلامی بینک مذکورہ نوعیت کے مطابق وہ سامان دوسرے ممالک سے مثلاً ایک لاکھ کے عوض خرید لے گا اور آرڈر دہندہ کو ایک لاکھ پانچ ہزار میں فروخت کرے گا۔

دوسری صورت اجارہ کی ہوتی ہے، مثلاً کمپنی اگر مطلوبہ سامان کی پوری قیمت ادا نہیں کررہی ہے تو بقیہ قیمت بینک اپنی طرف سے ادا کرتی ہے اور اپنی لگائی ہوئی قیمت کے بقدر مالک سے اس سامان کا کرایہ وصول کرتی ہے، مثلاً کمپنی نے ایک لاکھ روپے کی کوئی چیز بینک کے ذریعہ بنوائی یا منگوائی، جس میں سے صرف پچاس ہزار ادا کیے اور باقی پچاس ہزار بینک نے اپنی طرف سے ادا کیا، بینک وہ سامان خرید کر کمپنی کے حوالے کردے گی؛ لیکن اس سامان کے آدھے حصہ کا مالک فی الحال بینک ہوگی، اور وہ آدھا حصہ کمپنی کو کرایہ پر دے گا، پھر جب کمپنی بینک کی بقیہ رقم ادا کردے گی تو وہ اس آدھے حصہ کی بھی مالک ہوجائے گی اور اس کو کرایہ ادا کرنا نہیں پڑے گا۔

سطور بالا میں ذکر کردہ دونوں صورتوں میں ضروری ہے کہ بینک دو مختلف معاہدوں میں داخل ہو، پہلی صورت کے مطابق صانع کے ساتھ بینک کا تعلق خریدار کا ہے، اور دوسرے (مستصنع) کے ساتھ اس کا تعلق بائع کا، اور دونوں عقد ایک دوسرے سے الگ اور مستقل ہونے چاہئے، یعنی صانع اور بینک کا عقد مستقل ہو، اور بینک اور مستصنع کے درمیان بالکل الگ، ان دونوں عقد کو اس انداز سے باہم منسلک نہ کیا جائے کہ ان میں سے کسی ایک عقد کے حقوق اور ذمہ داریاں دوسرے عقد کے حقوق اور ذمہ داریوں پر موقوف ہوں، ہر عقد کی اپنی الگ قوت اور وجود ہونا چاہئے، دوسرے پر موقوف اور منحصر نہ ہونا چاہئے۔

اور دوسری صورت کے مطابق صانع کے ساتھ بینک کا عقد الگ ہو اور مستصنع کے ساتھ عقد اجارہ مستقل ہو، اور دونوں میں سے کسی عقد کا دوسرے سے کوئی تعلق نہ ہو، یعنی اول عقد بیع (استصناع) کا ثانی عقد اجارہ سے علیحدہ اور غیر موقوف ہونا ضروری ہوگا۔

اگر اس طرح اوپر ذکر کردہ شرطیں پائی جائیں تو بینک اور اسلامی مالیاتی اداروں کے لئے نفع لینا جائز ہوگا اور شرعاً کوئی قباحت نہ ہوگی۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی صاحب نے استصناع اصلی اور استصناع موازی کی جو تعریف کی ہے اس سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے جیسا کہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

الاستصناع الاصلي هو المعتاد بين الناس، كما وضح في تعريفه حيث يتم الاتفاق بين المستصنع (المشتري) وبين الصانع (البائع) على صناعة شيئي معين باوصاف محددة، يتم انجازه وتسليمه في المستقبل ويصح كونه حالا او مؤجلا۔

واما الاستصناع الموازي فهو الذي يتم بين البنك في العقد الاول بصفة كونه بائعا، وبين صانع اخر يتولى صنع الشئي بمواصفات مشابهة للمصنوع المتفق عليه في العقد الاول بصفة كون البنك مستصنعا من الباطن، ويتولى صنع الشئي بمقتضى الاستصناع الموازي، دون ان يكون هناك اى ارتباط بين العقدين، فلا توجد علاقته حقوقية اومالية بين المشتري النهائي الفعلي وبين الصانع البائع الفعلي (موسوعۃ الفقہ الاسلامی: احکام المعاملات المالیۃ الرئیسیۃ، المبحث السابع بیع السلم، ۱۱/ ۳۰۴-۳۰۵، ط: دار الفکر دمشق)۔

۶ــ مستصنع نے صانع کو کسی چیز کے بنانے کا آرڈر دیا اور صانع اپنی ملکیت کا خام مال لگا کر چیز تیار کرنے کی ذمہ داری قبول کرلیتا ہے تو عقد استصناع وجود میں آجاتا ہے؛ جب کہ استصناع کی دیگر شرطیں بھی پائی جائیں۔

عقد استصناع کے معاہدہ کی وجہ سے صانع پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس چیز کو تیار کردے؛ لیکن چیز تیار کرنے سے پہلے فریقین میں سے کوئی بھی اقالہ کرنا چاہے تو کرسکتا ہے اور عقد فسخ ہوجائے گا، ہاں! اگر صانع کام شروع کردے اور اب اقالہ کرنا چاہے تو جانبین کی رضامندی ضروری ہے، ورنہ عقد فسخ نہ ہوگا۔

شامی میں ہے: **واما صفته فهي انه عقد غير لازم قبل العمل من الجانبين بلاخلاف، حتى كان لكل واحد منهما خيار الامتناع من العمل كالبيع بالخيار للمتبايعين، فان لكل منهما الفسخ** (مطلب الاستصناع ۵/۲۲۴، ط: دار الفکر)۔

اور آج کل صانع کو یہ خطرہ درپیش ہوتا ہے کہ کوئی آدمی کسی چیز کا آرڈر دے اور چیز تیار ہونے کے بعد لے ہی نہ جائے یا لینے تو آئے؛ لیکن چیز لینے سے مکر جائے، حالانکہ چیز آرڈر کے مطابق تیار کی ہے اس خطرہ کے پیش نظر پیشگی کچھ رقم بطور بیعانہ لی جاتی ہے؛ تاکہ صانع کو نقصان نہ ہو۔

اب چیز تیار ہونے کے بعد مستصنع، صانع کی رضامندی کے بغیر اقالہ کررہا ہے اور چیز لینے سے انکار کررہا ہے تو یہ اس کے لئے درست نہیں ہے؛ کیوں کہ صانع کو نقصان اٹھانا پڑے گا، اس لئے آرڈر دینے والے کو آرڈر دینے سے قبل ہی سوچ لینا چاہئے اور آرڈر دینے اور کام کاج شروع ہوجانے کے بعد اس کے لئے رجوع کا کوئی حق نہ ہونا چاہئے۔

شرح مجلہ میں ہے: **اذا انعقد الاستصناع فليس لأحد العاقدين الرجوع عنه، واذا لم يكن المصنوع على الأوصاف المطلوبة المبينة كان المستصنع مخيرا** (الباب السابع فی انواع البیع واحکامه، الفصل الرابع فی الاستصناع، رقم المادۃ ۱/۳۹۲، ۲۲۱، ط: اتحاد بکڈپو دیوبند)۔

اس تفصیل کے مطابق صانع کو نقصان نہ ہو، اس لئے وہ بیعانہ ضبط کرکے اپنے نقصان کی تلافی کرسکتا ہے۔

۷ــ اگر خام مواد مستصنع کی طرف سے پیش کیا جائے اور وہ اس مواد کی قیمت وصول کرلے اور صانع کو مطلوب چیز بنانے کے لئے کہے تو یہ استصناع ہوگا اور اگر مواد آرڈر دینے والے نے دیا اور صانع سے صرف محنت، عمل اور مہارت ہی مطلوب ہے، اس کو اجارہ شمار کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

"استصناع میں تیار کنندہ خود اپنے خام مال سے چیز تیار کرنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے، لہٰذا یہ معاہدہ اس بات کو بھی شامل ہوتا ہے کہ اگر خام مواد تیار کنندہ کے پاس موجود نہیں ہے تو وہ اسے مہیا کرے اور اس بات کو بھی کہ مطلوبہ چیز کی تیاری کے لئے کام کرے، اگر خام مواد گاہک کی طرف سے مہیا کیا گیا ہے اور تیار کنندہ سے صرف اس کی محنت اور مہارت مطلوب ہے تو یہ معاہدہ استصناع نہیں ہوگا، اس صورت میں یہ اجارہ کا عقد ہوگا، جس کے ذریعہ کسی شخص کی خدمات ایک متعین معاوضے کے بدلے میں حاصل کی جاتی ہے۔

جب مطلوبہ چیز کو بائع تیار کرلے تو اسے خریدار کے سامنے پیش کرے، فقہاء کے اس بارے میں مختلف نقطہائے نظر ہیں کہ اس مرحلے پر خریدار یہ چیز مسترد کرسکتا ہے یا نہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ خریدار وہ چیز دیکھنے پر اپنا خیار رؤیت استعمال

کرسکتا ہے، اس لئے کہ استصناع ایک بیع ہے اور جب کوئی شخص کوئی ایسی چیز خریدتا ہے جو اس نے دیکھی نہیں ہے تو دیکھنے کے بعد اسے سودا منسوخ کرنے کا اختیار رہتا ہے، استصناع پر بھی یہی اصول لاگو ہوگا۔

لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ (فراہم کردہ) فریقین کے درمیان عقد کے وقت طے شدہ اوصاف کے مطابق ہے تو خریدار اسے قبول کرنے کا پابند ہوگا اور وہ خیار رؤیت استعمال نہیں کرسکے گا، خلافت عثمانیہ میں فقہاء نے اسی نقطہ نظر کو ترجیح دی تھی اور حنفی قانون اسی کے مطابق مدون کیا گیا تھا، اس لئے کہ جدید صنعت وتجارت میں یہ بڑی نقصان کی بات ہوگی کہ تیار کنندہ نے اپنے تمام وسائل مطلوبہ چیز کی تیاری پر لگادیئے، اس کے بعد خریدار کوئی وجہ بتائے بغیر سودا منسوخ کردے، اگرچہ فراہم کردہ چیز مطلوبہ اوصاف کے مکمل طور پر مطابق ہو" (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/۱۵۵، ط: فیصل بکڈپو دیوبند)۔

اگر پہلی صورت ہے، یعنی مشتری نے مواد کا ثمن وصول کرلیا ہے اور آرڈر دیا ہے، اس صورت میں بائع (صانع) نے مطلوبہ اوصاف کے مطابق چیز تیار نہ کی تو مشتری (مستصنع) کو خیار رویت ملے گا اور یہ عقد غیر لازم ہوگا، لہذا وہ خیار رویت کے تقاضہ پر عمل کرے گا، موسوعۃ الفقہ الاسلامی میں ہے: للاستصناع احکام...منها...أخذت المجلة برأي ابي حنيفة رحمه الله تعالى في ان الاستصناع عقد لازم للطرفين دفعا للضرر عن الصانع كما تقدم، فليس لأحدهما الرجوع عما التزم به، ولا خيار للمستصنع اذا جاء الشئى موافقا للمواصفات المطلوبة، فان جاء المصنوع مغايراً للاوصاف المحدودة المطلوبة كان المشتري المستصنع مخيراً بمقتضى خيار الرؤية (القسم الثانی احکام المعاملات المالیۃ الحدیثۃ، المبحث السابع: بیع السلم ۷/۱۱۰۲، ط: دار الفکر دمشق)۔

اور اگر دوسری صورت یعنی اجارہ ہے تو دیکھا جائے کہ صانع نے آرڈر کے خلاف جو کام کیا ہے، اس میں مخالفت من حیث الجنس کی ہے یا من حیث الوصف؟ اگر من حیث الجنس کی ہے، مثلاً ایک چیز بنانے کے لئے کہا تھا اور اس نے دوسری ہی چیز بنالی تو مستصنع کو دو چیزوں کے درمیان خیار ملے گا، چاہے تو اپنا مواد واپس لے لے، اور اگر چاہے تو شئی مصنوع لے لے لیکن اس کو کوئی خیار نہ ملے گا۔

اور اگر اوصاف کے اعتبار سے مخالفت کی ہے تو چاہے تو شئی مصنوع بائع کے یہاں چھوڑ دے اور مواد کا اس کو ضامن بنائے، اس صورت میں صانع کو کوئی اجرت نہ ملے گی، اور مشتری (مستصنع) اگر چاہے تو اسی چیز کو لے لے جو تیار کی ہے اور اس کے مطابق اجرت دے دے۔

۸- استصناع میں یہ ضروری نہیں ہے کہ سامان کی فراہمی کا وقت متعین کیا جائے، تاہم خریدار سامان کی فراہمی کے لئے زیادہ سے زیادہ مدت مقرر کرسکتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر تیار کنندہ فراہمی میں متعین وقت سے تاخیر کردے تو خریدار اسے قبول کرنے اور قیمت ادا کرنے کا پابند نہیں ہوگا۔ یہ بات یقینی بنانے کے لئے کہ سامان مطلوبہ مدت میں فراہم کردیا جائے گا، اس طرح کے بعض جدید معاہدے ایک تعزیری شق پر مشتمل ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں اگر تیار کنندہ فراہمی میں متعین وقت سے تاخیر کردے تو اس پر جرمانہ عائد ہوگا، جس کا حساب یومیہ بنیاد پر کیا جائے گا، کیا شرعاً بھی اس طرح کی کوئی تعزیری شق شامل کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگرچہ فقہاء استصناع پر بحث کے دوران اس سوال پر خاموش نظر آتے ہیں لیکن انہوں نے اس طرح کی شرط کو اجارے میں جائز قرار دیا ہے، فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کپڑوں کی سلائی کے لئے کسی خیاط کی خدمات حاصل کرتا ہے تو فراہمی کے حساب سے اجرت مختلف ہوسکتی ہے، مستاجر (جو

کپڑے سلوانا چاہتا ہے) یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر خیاط ایک دن میں یہ کپڑے تیار کردے تو وہ سو روپے اجرت دے گا اور اگر وہ دو دن میں تیار کرتا ہے تو وہ اسی (۸۰) روپے دے گا۔

اسی طرح سے استصناع میں قیمت کو فراہمی کے وقت کے ساتھ منسلک کیا جا سکتا ہے، اگر فریقین اس بات پر متفق ہو جائیں کہ فراہمی میں تاخیر کی صورت میں فی یوم متعین مقدار میں قیمت کم ہو جائے گی تو یہ شرعاً جائز ہوگا (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/۱۵۶ط: فیصل بکڈپو دیوبند)۔

عقد استصناع کے مسائل واحکام

مولانا بدر احمد مجیبی ☆

الحمد لله رب العالمین و الصلاة و السلام علی سید المرسلین و علی اله الطیبین و أصحابه الطاهرین۔

استصناع کی لغوی تعریف :

طلب عمل الصنعة أو طلب صنع الشیئ ہے۔یعنی کسی صنعت کے عمل کو طلب کرنا۔یا کسی چیز کے بنانے کو طلب کرنا۔

اس کی اصطلاحی تعریف مختلف انداز میں کی گئی ہے۔چند تعریفات درج ذیل ہیں :

العقد علی مبیع موصوف فی الذمة اشترط فیه العمل (کما یفهم من البدائع)۔

هو طلب العمل منه فی شیئ خاص علی وجه مخصوص (رد المحتار)۔

عقد مقاولة مع اهل الصنعة علی أن یعملوا شیئاً ، فالعامل صانع و المشتری مستصنع و الشیئ مصنوع (تعریف مجلة الاحکام العدلیة ،مقدمة مادہ ۱۲۴)۔

هو عقد یشتری به فی الحال شیئ مما یصنع صنعاً یلزم البائع بتقدیمه مصنوعاً بمواد من عنده بأوصاف مخصوصة وبثمن محدد (تعریف الزرقا، فی رسالة "عقد الاستصناع" ص ۱۹)۔

ائمہ ثلاثہ امام مالک ،امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک استصناع سلم ہی ہے،اس لئے جو سلم کے شرائط ہیں وہی استصناع کے شرائط بھی ہیں۔احناف کے نزدیک استصناع ایک عقد مستقل ہے جو سلم سے علیحدہ ہے۔

عقد استصناع کا جواز قیاس کے خلاف ہے اور استحسان پر ہے۔قیاس کے خلاف اس لئے ہے کہ اس میں ایسی چیز کی بیع ہوتی ہے جو اس وقت موجود نہیں ہوتی ہے بلکہ معدوم ہوتی ہے۔یعنی معقود علیہ عقد کے وقت معدوم ہوتا ہے۔یہ صورت بیع میں درست نہیں ہے، حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : **لا تبع ما لیس عندک** (ابوداؤد، باب فی الرجل یبیع مالیس عنده، ترمذی، باب ما جاء فی کراهیة بیع ما لیس عندک، نسائی، بیع ما لیس عند البائع)۔

صرف بیع سلم میں اس کی اجازت ہے۔عقد استصناع چونکہ عقد سلم سے علیحدہ ہے،اس لئے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ عقد استصناع درست ہی نہ ہو،لیکن احناف اس کو استحساناً درست مانتے ہیں۔استحسان کی دلیل یہ ہے کہ استصناع کا تعامل قدیم زمانے سے ہی رہا ہے اور کسی سے اس کی نکیر منقول نہیں ہے۔عہد نبوی میں بھی استصناع پر عمل رہا ہے،خود عمل نبوی سے اس کی صراحت ملتی ہے، چنانچہ حدیث میں

☆ المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء، پٹنہ۔

موجود ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے آرڈر دے کر انگوٹھی بنوائی تھی)۔ اصطنع خاتماً من ذهب (صحیحین)۔
اس لئے عقد استصناع تعامل کی وجہ سے جائز ہے اور اجماع سے اس کا جواز ثابت ہے۔ اس کے علاوہ اس میں ضرورت بھی پائی جا رہی ہے، اگر اس کے جواز کا قول اختیار نہیں کیا جائے تو لوگ حرج اور مشقت میں پڑ جائیں گے۔

ولأن الحاجة تدعو إليه، لأن الإنسان قد يحتاج إلى خف أو نعل من جنس مخصوص ونوع مخصوص على قدر مخصوص وصفة مخصوصة وقلما يتفق وجوده مصنوعاً فيحتاج إلى أن يستصنع فلو لم يجز لوقع الناس في الحرج (بدائع ۴/۹۳)۔

لہٰذا قیاس کے خلاف ہونے کے باوجود تعامل اور ضرورت کی وجہ سے استصناع کو استحساناً جائز قرار دیا گیا ہے۔
عقد استصناع بیع ہے، وعدۂ بیع نہیں ہے، یہ مکمل عقد ہے، اس لئے اس پر عقد کے تمام احکام ثابت ہوتے ہیں۔ اس کے جواز کے لئے درج ذیل شرائط ہیں:

الف — شیئ مصنوع کی جنس، اس کا نوع، اس کی مقدار اور اس کی صفت بیان کردی گئی ہو، کیونکہ جب تک یہ چیزیں بیان نہ کردی جائیں اس چیز کا علم نہیں ہوسکتا ہے۔ **أما شرائط جوازه، فمنها بيان جنس المصنوع ونوعه وقدره وصفته لأنه لايصير معلوماً بدونه** (بدائع ۴/۹۳)۔

ب — دوسری شرط یہ ہے کہ جس چیز کا آرڈر دیا گیا ہے اس کو آرڈر دے کر بنوانے کا تعامل اور رواج ہو۔
ومنها : أن يكون مما يجري فيه التعامل بين الناس من أواني الحديد والرصاص والنحاس والزجاج والخفاف والنعال ولجم الحديد للدواب ونصول السيف والسكاكين والقسي والنبل والسلاح كله والطشت والقمقمة ونحو ذلك، ولا يجوز في الثياب، لأن القياس يأبى جوازه وإنما جوازه استحساناً لتعامل الناس ولا تعامل في الثياب (بدائع ۴/۹۳)۔

ج — امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس عقد میں مدت (ایک ماہ یا اس سے زیادہ کی) متعین نہ کی گئی ہو۔ اگر سامان لینے کے لئے ایسی کوئی مدت متعین کردی گئی ہے تو وہ عقد استصناع نہیں رہے گا بلکہ عقد سلم ہو جائے گا اور اس میں سلم کی شرائط لازم ہوں گی۔ جن میں سے یہ شرطیں بھی ہیں کہ عقد کی مجلس میں ہی بدل یعنی ثمن دینا لازم ہو جائے گا اور جب بائع مبیع کو ان تمام شرائط کے مطابق سپرد کردے جو عقد کے وقت طے ہوئی تھیں تو عاقدین میں سے کسی کو خیار حاصل نہیں ہوگا۔
لیکن صاحبین کے نزدیک استصناع میں مدت (ایک ماہ یا اس سے زیادہ کی) متعین کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو دونوں صورتوں میں وہ استصناع ہی ہوگا۔ تعیین مدت سے اس پر کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ ہر حال میں استصناع ہی ہوگا۔ اگر ایک ماہ سے کم کی مدت متعین کی گئی ہے تو امام صاحب اور صاحبین سب کے نزدیک وہ استصناع ہی ہوگا اور جن چیزوں میں استصناع کا تعامل نہیں ہے ان میں ایک ماہ یا اس سے زیادہ کی مدت متعین کی گئی ہے تو وہ سب کے نزدیک سلم ہو جائے گا۔

ومنها : أن لايكون فيه أجل فإن ضرب للاستصناع أجلاً صار سلماً حتى يعتبر فيه شرائط السلم۔۔۔ وهذا قول أبي حنيفة رحمه الله وقال أبويوسف ومحمد : هذا ليس بشرط وهو استصناع على كل حال ضرب فيه أجلاً أو لم

یضرب (بدائع ۴/ ۹۴)۔

فقہاء نے استصناع کو عقد غیر لازم قرار دیا ہے۔اس میں کچھ تفصیل ہے :

عقد کے بعد جب تک بائع (آرڈر لینے والا) اس کا کام شروع نہ کردے اس وقت تک یہ عقد غیر لازم ہے۔یعنی مشتری (آرڈر دینے والا) اور بائع (آرڈر لینے والا) دونوں کو اختیار رہوتا ہے کہ وہ اگر چاہیں تو اس عقد کو ختم کردیں، کیونکہ اس کی حیثیت اس بیع بشرط الخیار کی ہے جس میں بائع اور مشتری دونوں کو خیار حاصل ہو۔ان دونوں میں کوئی بھی اس کو فسخ کرسکتا ہے۔اسی طرح عقد استصناع میں بھی عمل شروع کرنے سے پہلے عاقدین کو خیار رہوتا ہے۔

أما صفة الاستصناع فهي أنه عقد غير لازم قبل العمل في الجانبين جميعاً بلاخلاف، حتى كان لكل واحد منهما خيار الامتناع قبل العمل (بدائع ۴/ ۹۵)۔

آرڈر لینے والے نے کام شروع کیا اور پھر کام مکمل بھی کرلیا لیکن ابھی مشتری کو سپرد نہیں کیا ہے تو اس وقت بھی عاقدین کو خیار حاصل رہتا ہے۔

وأما بعد الفراغ من العمل قبل أن يراه المستصنع فكذلك، حتى كان للصانع أن يبيعه ممن شاء كذا ذكر في الأصل (بدائع ۴/ ۹۵)۔

بائع (آرڈر لینے والے) نے شرائط کے مطابق کام مکمل کر کے مشتری (آرڈر دینے والے) کے سپرد کردیا تو اب بائع کا خیار ختم ہوجاتا ہے، البتہ مشتری کو خیار باقی رہتا ہے، وہ چاہے لے یا نہ لے، کیونکہ اس کی حیثیت ایسے مشتری کی ہے جس کو خیار رویت حاصل ہے اور خیار رویت کی وجہ سے عقد بیع کو فسخ کیا جاسکتا ہے۔

فأما إذا أحضر الصانع العين على الصفة المشروطة فقد سقط خيار الصانع وللمستصنع الخيار، لأن الصانع بائع مالم يره فلاخيار له، وأما المستصنع فمشترى مالم يره فكان له الخيار (بدائع ۴/ ۹۵)۔

یہ ظاہر الروایت ہے۔امام صاحبؒ سے ایک روایت یہ بھی منقول ہے کہ اس وقت بھی دونوں کو خیار حاصل ہوگا۔امام ابو یوسفؒ سے ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ اس صورت میں ان دونوں میں سے کسی کو خیار حاصل نہیں ہوگا یعنی عقد لازم ہوجائے گا۔ هذا جواب ظاهر الرواية عن أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رضي الله عنهم وروى عن أبي حنيفة رحمه الله أن لكل واحد منهما الخيار، وروى عن أبي يوسف أنه لا خيار لهما جميعاً (بدائع ۴/ ۹۵)۔

امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ اگر آرڈر دینے والے کو خیار رویت دیا جائے تو وہ اس بیع استصناع کو ختم بھی کرسکتا ہے۔اس صورت میں جب آرڈر دینے والا خیار کی وجہ سے معاملہ ختم کردے تو آرڈر لینے والے کا بڑا نقصان ہوگا، کیونکہ اس نے اس کے آرڈر پر اس چیز کو تیار کیا ہے اور اس کی تمام شرائط کے مطابق بنایا ہے۔ہوسکتا ہے کہ اس کا کوئی دوسرا گاہک بھی نہیں ملے اور اس کا سارا سامان برباد ہوجائے، اس لئے آرڈر دینے والے کو کوئی اختیار نہیں ہوگا۔عقد لازم ہوگا اور اس کو لینا پڑے گا۔وعن أبي يوسف قال : إذا جاء به كما وصفه له فلاخيار للمستصنع استحساناً لدفع الضرر عن الصانع في إفساد أديمه والآته فربما لا يرغب فيه غيره في شرائه على

تلک الصفة فلدفع الضرر عنه قلنا بأنه لا یثبت له الخیار (مبسوط ۱۲/ ۲۴۳)۔

استصناع میں معقود علیہ یعنی مبیع شیئ مصنوع کو قرار دیا گیا ہے۔ یعنی جس چیز کو بنانے کا آرڈر دیا گیا ہے وہی چیز مبیع ہوتی ہے، اس لئے اگر کسی نے آرڈر لے کر وہ چیز کسی اور سے بنوا کر دیدی یا آرڈر سے پہلے بنوا رکھی تھی وہی دیدی اور آرڈر دینے والے نے اس کو لے لیا تو یہ جائز ہے۔ اس میں آرڈر لینے والے کا عمل ہونا ضروری نہیں ہے۔ والمعقود علیه العین دون العمل، حتی لو جاء به مفروغا لا من صنعته أو من صنعته قبل العقد فأخذه جاز (ہدایہ)۔

فقہ کی اہم کتابوں (مبسوط، محیط، بدائع، ہدایہ، تبیین الحقائق، اختیار شرح المختار، درر الحکام شرح غرر الاحکام، جامع الفصولین، فتح القدیر، البحر الرائق، الدر المختار، مجمع الانہر وغیرہ) میں عقد استصناع سے متعلق یہ تفصیلات ہیں جو پیش کی گئی ہیں۔

لیکن بعد کے زمانے میں جب حالات بدل گئے اور بڑے پیمانے پر استصناع کا رواج ہوا اور بڑی بڑی چیزوں کو آرڈر دے کر بنوایا جانے لگا تو اس زمانے کے فقہاء اور اہل فتوی نے حالات کے پیش نظر استصناع کو عقد لازم قرار دیا۔ یعنی ایجاب وقبول کے بعد ہی سے یہ عقد لازم ہو جاتا ہے، ایجاب وقبول کے بعد عاقدین میں سے کسی کو فسخ کرنے کا خیار نہیں رہتا ہے۔ عقد کے بعد آرڈر لینے والے پر لازم ہے کہ وہ مطلوبہ چیز متعینہ اوصاف کے ساتھ تیار کر کے آرڈر دینے والے کے حوالہ کرے اور آرڈر دینے والے پر لازم ہے کہ جب اس کو مطلوبہ چیز تیار ہو کر مل جائے تو وہ اس کو لے لے، وہ اس کو واپس نہیں کر سکتا ہے، چنانچہ ترکی دور حکومت میں جب شہری قانون کا مجلہ اس دور کے اہم فقہاء نے مرتب کیا تو اس میں ان تمام چیزوں کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ "مجلة الاحکام العدلیہ" میں ہے :

جب کوئی شخص کسی اہل صنعت سے کہتا ہے کہ میرے لئے فلاں چیز اتنے قرش (سکے) میں بنا دو اور وہ قبول کر لیتا ہے تو استصناع کی حیثیت سے یہ بیع منعقد ہو جاتی ہے۔ مثال : مشتری خف بنانے والے کو اپنا پیر دکھا کر کہے کہ میرے لئے فلاں قسم کا ایک جوڑا خف بنا دو جس کا ثمن اتنا قرش ہوگا اور صانع اس کو قبول کر لے۔ یا بڑھئی سے کہے کہ میرے لئے ایک کشتی بنا دو، کشتی کے طول وعرض کی تعیین کر دے، نیز اس کے ضروری اوصاف بھی بتا دے اور بڑھئی اس کو قبول کر لے، اسی طرح کسی کارخانے والے سے کہے کہ میرے لئے اتنی تعداد میں بندوق تیار کر دو، ہر بندوق کا ثمن بھی بتا دے اور اس کا طول وعرض اور ضروری اوصاف بھی بتا دے اور کارخانے والا اس کو قبول کر لے تو ان تمام صورتوں میں عقد استصناع ہو جاتا ہے (مجلة الاحکام العدلیہ ۱/ ۶۷ مادہ : ۳۸۸)۔

مثالوں کے ساتھ استصناع کی اس وضاحت کے بعد اس کتاب میں دوسرے دفعات کے تحت اس کے احکام کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

المادة ۳۸۹ : کل شیئ تعومل استصناعه یصح فیه الاستصناع علی الإطلاق، وأما ما لم یتعامل باستصناعه إذا بین فیه المدة صار سلما، وتعتبر فیه حینئذ شروط السلم، وإذا لم یبین فیه المدة کان من قبیل الاستصناع أیضاً (دفعہ : ۳۸۹ جس چیز کے استصناع (یعنی اس کو آرڈر دے کر بنوانے) کا تعامل ہو اس میں مطلقاً عقد استصناع درست ہے اور جس چیز کے استصناع کا تعامل نہ ہو اگر اس کے عقد میں مدت کا ذکر کیا گیا ہے تو وہ عقد سلم ہے اور اس میں سلم کے شرائط کا اعتبار کیا جائے گا، اور اگر اس میں مدت کا ذکر نہیں کیا گیا ہے تو وہ بھی استصناع کے قبیل سے ہوگا)۔

المادة ۳۹۰ :یلزم في الاستصناع وصف المصنوع وتعریفه علی الوجه الموافق المطلوب (دفعہ ۳۹۰: استصناع میں مصنوع (جس چیز کا آرڈر دیا جارہا ہے) کی صفت اور اس کی تعریف وتعیین موافق مطلوب طریقہ پر کرنی لازم ہے)۔

المادة :۳۹۱ لا یلزم في الاستصناع دفع الثمن حالاً أي وقت العقد۔ (دفعہ :۳۹۱ استصناع میں عقد کے وقت ثمن ادا کرنا لازم نہیں ہے)۔

المادة: ۳۹۲ وإذا انعقد الاستصناع فلیس لأحد العاقدین الرجوع، وإذا لم یکن المصنوع علی الأوصاف المطلوبة المبینة کان المستصنع مخیراً (مجلة الاحکام العدلیة ۱/۷۶)۔ (دفعہ ۳۹۲: جب عقد استصناع منعقد ہوجائے تو عاقدین میں سے کسی ایک کو رجوع کرنے کا (یعنی اس عقد کو فسخ کرنے) کا اختیار نہیں ہوتا۔ البتہ جب عقد کے وقت بیان کئے گئے مطلوبہ اوصاف کے مطابق مصنوع نہ ہوتو آرڈر دینے والے (مشتری) کو (لینے یا نہ لینے کا) اختیار ہوگا)۔

عقد استصناع کی اس تفصیلی وضاحت کے بعد اس سے متعلق سوالات کے جواب ملاحظہ فرمائیں:

۱ — موجودہ دور میں کس طرح کی اشیاء میں عقد استصناع جاری ہوسکتا ہے اور اس سلسلہ میں اُصول کیا ہوگا؟

جواب: جن اشیاء کو آرڈر دے کر بنوانے کا تعامل ہو اس میں عقد استصناع درست ہے اور جن اشیاء کو آرڈر دے کر بنوانے کا تعامل نہ ہو ان میں عقد استصناع درست نہیں ہے، کیونکہ یہ عقد قیاس کے خلاف ہے، اس کو تعامل کی وجہ سے استحساناً جائز قرار دیا گیا ہے، اس لئے جن چیزوں کو آرڈر دے کر بنوانے کا تعامل ہے ان ہی چیزوں کا عقد استصناع درست ہوگا، دوسری چیزوں میں عقد استصناع درست نہیں ہوگا، کیونکہ اس کا تعامل نہیں ہے، اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ فقہاء کرام نے استصناع کے درست ہونے کے لئے جو شرطیں رکھی ہیں وہ بھی پائی جارہی ہوں، یعنی مصنوع کی جنس، اس کی نوع، اس کی صفت اور اس کی مقدار عقد کے وقت بیان کردی گئی ہو۔

(۲) استصناع خود بیع ہے یا وعدہ بیع؟

جواب: عقد استصناع عقد بیع ہے، وعدہ بیع نہیں ہے، کیونکہ اس پر مکمل عقد کے احکام جاری ہوتے ہیں، وعدہ بیع کوئی عقد نہیں ہے۔ اس پر کوئی حکم جاری نہیں ہوتا۔ والصحیح أنه یجوز بیعاً لا عدة (ھدایہ)۔

وأما معناه فقد اختلف المشائخ فیه، قال بعضھم: ھو مواعدة، ولیس ببیع، وقال بعضھم: ھو بیع، لکن للمشتري فیه خیار، وھو الصحیح، بدلیل أن محمداً رحمه الله ذکر في جوازه القیاس والاستحسان، وذلک لا یکون في العدات، وکذا أثبت فیه خیار الرؤیة وأنه یختص بالبیاعات، وکذا یجری فیه التقاضي وإنما یتقاضی فیه الواجب لا الموعود (بدائع)۔

(۳) ظاہر ہے کہ استصناع میں خریدار جس چیز کو خریدتا ہے، وہ عقد کے وقت معدوم ہوتی ہے تو جیسے وہ ایک معدوم شے کو خرید کررہا ہے، کیا مبیع (مصنوع) کو وجود میں آنے سے پہلے وہ اسے کسی اور سے اور پھر یہ دوسرا خریدار کسی تیسرے شخص سے فروخت کرسکتا ہے؟ اور سلسلہ وار بیع کی تمام صورتیں بیع معدوم سے مستثنیٰ ہوں گی؟ ——— آج کل خاص کر فلیٹس کی خرید وفروخت میں کثرت سے ایسی بات پیش آتی ہے۔

جواب: یہ سلسلہ وار بیع اگر تمام استصناع ہی ہیں یعنی سب میں کسی چیز بنانے کا آرڈر دیا جارہا ہے، اس طرح پر کہ زید نے عمر و کو

کسی چیز کے بنانے کا آرڈر دیا، اس نے خود بنانے کے بجائے بکر کو اسی چیز کے بنانے کا آرڈر دیدیا، پھر بکر نے بھی خود نہیں بنایا، بلکہ خالد کو اسی چیز کے بنانے کا آرڈر دیدیا اور جب خالد نے بنا کر وہ چیز بکر کے سپرد کی تو بکر نے اس کو عمرو کے سپرد کیا اور عمرو نے وہ چیز زید کے سپرد کردی اور اس کا عرف وتعامل بھی ہے تو ایسی صورت میں یہ جائز اور درست ہے، کیونکہ بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، لیکن یہ عام بیع نہیں ہے، یہ عقد استصناع ہے جو بیع معدوم ہے اور اس کو تعامل ناس کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہے۔ جب استصناع تعامل کی وجہ سے بیع معدوم ہونے کے باوجود جائز ہے تو قبل القبض بدرجہ اولی جائز ہونا چاہیے، اس سلسلے میں فقہاء کرام کے اس جزئیہ کو بھی پیش کیا جاسکتا ہے کہ استصناع میں یہ ضروری نہیں ہے کہ بائع خود سے آرڈر والی چیز بنا کر دے بلکہ کسی دوسرے کی بنی ہوئی چیز بھی دیتا ہے اور مشتری اس کو لے لیتا ہے تو درست ہے۔ وينعقد على العين دون العمل حتى لو جاء بعين من غير عمله جاز (الاختیار شرح المختار ۲/۴۰)۔

ولذا لو جاء به مفروغاً لا من صنعته أو من صنعته قبل العقد فأخذه جاز (تبیین الحقائق باب السلم، البحر الرائق، باب السلم)۔

لیکن اگر آرڈر دینے والا خود دوسرے سے مطلق بیع کر رہا ہے، اس طرح پر کہ زید نے عمرو کو کسی چیز کے بنانے کا آرڈر دیا اور پھر زید نے اس چیز کے تیار ہو کر ملنے سے قبل ہی اس کو راشد سے فروخت کردیا تو یہ بیع قبل القبض ہے، یہ صورت جائز نہیں ہونی چاہیے۔

(۴) استصناع کا تعلق صرف ان اشیاء سے ہے، جو اموالِ منقولہ کے قبیل سے ہیں یا اموالِ غیر منقولہ جیسے بلڈنگ وغیرہ سے بھی ہے؟

جواب: جن اشیاء کو آرڈر دے کر بنوانے کا رواج اور تعامل ہو ان میں عقد استصناع درست ہے، خواہ وہ منقولہ اشیاء ہوں، یا غیر منقولہ۔ فقہاء کرام نے اس سلسلے میں کوئی تفریق نہیں کی ہے، اس لئے منقولہ اور غیر منقولہ تمام اشیاء میں عقد استصناع درست ہے۔ جن غیر منقولہ اشیاء کے استصناع کا تعامل ہو ان کے استصناع کا جواز محیط میں مذکور ایک مسئلہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ مسجد کے متولی نے مسجد کے محراب بنانے کا آرڈر دیا یا اسی طرح دروازے یا سیڑھیاں یا چہار دیواری بنانے کا آرڈر دیا تو یہ جائز نہیں ہے۔ اس کے عدم جواز کی علت یہ بتائی کہ اس کا تعامل نہیں ہے۔ اگر غیر منقولہ اشیاء میں استصناع درست نہیں ہوتا تو اس کی علت عدم تعامل کو نہ بتاتے بلکہ یہ فرماتے کہ غیر منقولہ اشیاء میں استصناع درست نہیں ہے خواہ ان کا تعامل ہو یا نہ ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر غیر منقولہ اشیاء میں استصناع کا تعامل ہو، یعنی ان کو آرڈر دے کر بنانے کا رواج ہو تو ان کا عقد استصناع جائز ہوگا۔

متولي المسجد استصنع محراب المسجد إلى البحار (النجار) في حسب معلوم وعمل وصناعة معلومة، قال: لا يصح، لأنه لا تعارف في هذا الاستصناع، وكذا في الأبواب والسلاليم والسور (المحیط البرہانی ۱۱/۳۰۶ کتاب الوقف)۔

(۵) اسلامی مالیاتی ادارے استصناع کو بطور استثمار استعمال کرنے کے لئے ایک ایسا طریقہ اختیار کرتے ہیں، جسے وہ استصناع موازی یا متوازی کہتے ہیں، یہ معاملہ بنیادی طور پر تین فریقوں کے درمیان ہوتا ہے، جس میں مالیاتی ادارے کی حیثیت درمیانی فریق کی ہوتی ہے، ادارہ ایک شخص سے آرڈر حاصل کرتا ہے اور دوسرے شخص کو خود آرڈر دیتا ہے اور دونوں کی قیمت میں ایسا فرق رکھتا ہے کہ پہلے شخص سے جو زیادہ رقم حاصل ہو، وہ اس کا نفع ہوجائے، اس صورت میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

جواب: اس صورت میں اگر سب فریق استصناع ہی کر رہے ہیں، یعنی آرڈر دے کر بنوا رہے ہیں اور آرڈر لے رہے ہیں تو یہ

صورت جائز اور درست ہے۔ اس میں شرعاً کوئی قباحت بھی نہیں ہے، کیونکہ یہ استصناع قبل قبض المصنوع کا معاملہ ہے اور جب استصناع قبل وجود المصنوع جائز ہے تو استصناع قبل قبض المصنوع بدرجہ اولی جائز ہونا چاہیے۔

(۲) عقد استصناع میں بعض دفعہ صانع کو ایک مناسب رقم بطور بیعانہ کے دینی پڑتی ہے، اگر صانع (بائع) آرڈر کے مطابق مال تیار کردے؛ لیکن خریدار اس کو لینے سے مکر جائے تو بائع اس رقم کو ضبط کرسکتا ہے یا اس سے اپنے نقصان کی تلافی کرسکتا ہے؟ واضح ہو کہ عام طور پر ایسی صورتوں میں مطلوبہ ڈیزائن کے مطابق کثیر مقدار میں کسی چیز کی تیاری کا آرڈر دیا جاتا ہے، اگر خریدار بعد میں مکر جائے تو بائع کے لئے اس کو فروخت کرنا بہت دشوار ہوتا ہے؛ کیوں کہ ضروری نہیں کہ اس ڈیزائن یا معیار کی چیز مارکٹ میں دوسرے لوگوں کو بھی مطلوب ہو۔

جواب : عقد بیع کے وقت بیعانہ کے طور پر جو رقم دی جاتی ہے اس کی حیثیت ثمن کے ایک حصہ کی ہوتی ہے، مبیع پر قبضہ کے بعد بقیہ ثمن دیتے ہوئے حساب کر کے اس کو منہا کر دیا جاتا ہے، اس لئے اگر بیع ختم کر دی گئی تو بیعانہ کی رقم کو واپس کرنا ضروری ہے، کیونکہ بیع کو ختم کرنے سے پورے ثمن کی واپسی ضروری ہوتی ہے اور بیعانہ بھی ثمن کا ایک حصہ ہے، اس لئے اس کی واپسی بھی ضروری ہے۔ بائع کا اس کو روک لینا اور ضبط کر لینا شرعاً درست نہیں ہے، کیونکہ اس کے مقابلہ میں کوئی عوض نہیں ہے، یہ عام بیع میں بیعانہ کا حکم ہے۔ استصناع میں بھی یہی صورت ہوگی کہ مصنوع کو سپرد کرنے کے وقت بیعانہ کی رقم کو ثمن میں منہا کر دیا جائے گا، اگر کسی وجہ سے استصناع کا معاملہ ختم کر دیا گیا تو بیعانہ کی واپسی بھی ضروری ہوگی۔

البتہ اس صورت میں کہ جب مشتری (آرڈر دینے والا) بیعانہ دے چکا ہے، لیکن اب مصنوع کو لینے کو تیار نہیں ہے اور بائع (صانع) اس مصنوع کی تیاری میں کافی خرچ کر چکا ہے۔ اگر مشتری مصنوع کو نہیں لے گا تو بائع کو بڑا نقصان ہوسکتا ہے۔ اس مسئلہ پر غور کرنے سے اس کی دو صورتیں نکلتی ہیں :

الف— ایک یہ ہے کہ مشتری کے آرڈر کے مطابق مصنوع تیار ہوا ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہے، جیسا مشتری نے آرڈر دیا تھا ویسا ہی مصنوع تیار ہے۔ اس صورت میں مصنوع عقد استصناع کے بعد بائع کی ملکیت نہیں رہا، وہ مشتری کی ملکیت ہے، یہ عقد لازم ہے، مشتری اس کو تنہا ختم نہیں کرسکتا ہے۔ اب مشتری اس کو نہیں لے رہا ہے تو مشتری کو عدالت کے ذریعہ لینے پر مجبور کیا جائے گا۔ یہ درست نہیں ہے کہ بائع مصنوع کو خود رکھ لے اور بیعانہ کو ضبط کر لے، کیونکہ بائع بیعانہ کا کوئی عوض نہیں دے رہا ہے۔ ایسے معاملات میں عدالت کے ذریعہ مشتری کو مجبور کیا جاتا ہے۔ اس کی صراحت فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

(اشترى شيئاً) منقولاً إذ العقار لا يبيعه القاضي و(غاب) المشترى (قبل القبض و نقد الثمن) غيبة معروفة فأقام بائعه بينة أنه باعه منه لم يُبعْ في دينه) لإمكان ذهابه إليه (وإن جهل مكانه بيعَ) المبيع أي باعه القاضي أو مأموره نظراً للغائب و أدى الثمن و مافضل يمسكه للغائب و إن نقص تبعه البائع إذا ظفر به (الدر المختار، کتاب البیوع باب المتفرقات)۔

بائع بیعانہ کو ضبط کرنے کا مستحق اس وجہ سے بھی نہیں ہوسکتا ہے کہ ضبط نہ کرنے میں بائع کا نقصان ابھی یقینی نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ اس کو اس سامان کا دوسرا مشتری مل جائے اور اس کو نقصان نہ ہو بلکہ زیادہ فائدہ ہوجائے اور ضبط کرنے میں مشتری کا یقینی نقصان ہے، کیونکہ اس کے بیعانہ کی رقم ختم ہوجائے گی، اس کو واپس نہیں ملے گی۔

ب — دوسری صورت یہ ہے کہ مشتری کے آرڈر کے مطابق مصنوع نہیں ہے، اس وجہ سے مشتری اس کو نہیں لے رہا ہے تو اس صورت میں مشتری کو خیار حاصل ہے وہ چاہے تو اس عقد کو ختم کردے، کیونکہ جب اس کے آرڈر کے مطابق سامان تیار نہیں ہوا ہے تو اس سامان کو لینے میں اس کو نقصان ہوگا، لہذا مشتری کو اس عقد کو فسخ کرنے کا اختیار مل جائے گا۔ اس صورت میں بائع عدالت کے ذریعہ بھی مشتری کو مجبور نہیں کرسکتا ہے۔ جب مشتری اس کو لینے کو تیار نہیں ہے تو یہ سامان بائع کی ملکیت ہے، وہ جہاں چاہے اس کو فروخت کرے۔ اس میں جو نفع یا نقصان ہوگا اس کا اپنا ہوگا۔

۷— اگر کسی چیز کا آرڈر دیا جائے اور مصنوع کے لئے موجودہ میٹریل خود خریدار فراہم کردے تو یہ "عقد "استصناع کے حکم میں ہوگا یا اجارہ کے؟ عقد استصناع میں اگر آرڈر کے مطابق چیز نہ پائی جائے تو خریدار کو رد کرنے کا اختیار رہتا ہے، کیا اس صورت میں بھی آرڈر دینے والے کو اس کا حق حاصل ہوگا؟ اور اگر آرڈر دینے والے کو اس کا قبول کرنا ضروری ہو تو مکمل طور پر آرڈر کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے جو نقصان ہوا ہے، کیا وہ صانع سے اس کا جرمانہ وصول کرسکتا ہے؟

جواب : جب آرڈر دینے والا مصنوع چیز کا سامان بنانے والے کو خود فراہم کررہا ہے اور دوسرے فریق کا کام صرف عمل ہے تو یہ عقد استصناع نہیں ہے یہ اجارہ ہے، اس پر اجارہ کے احکام جاری ہوں گے۔ اگر اس کی مرضی کے مطابق بنانے والے نے نہیں بنایا ہے تو اس کی اجرت میں کمی کرے گا یا اجرت نہیں دے گا، لیکن سامان تو خود اسی کا فراہم کیا ہوا ہے، اس لئے تیار شدہ سامان تو اس کو لینا ہی ہوگا۔

(۸) عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی تاریخ مقرر ہو جائے، مگر بائع اسے وقت پر فراہم نہ کرپائے تو کیا خریدار اس کا تاوان وصول کرسکتا ہے؟ واضح ہو کہ بعض اوقات خریدار اسی مقررہ تاریخ کے لحاظ سے اپنے گاہک سے معاملہ طے کرتا ہے، اگر بائع مقررہ وقت پر مبیع تیار کرکے حوالہ نہ کرے اور اسے بروقت مارکٹ سے وہی شئے حاصل کرکے اپنے گاہک کو دینی پڑے، تو اس کو مارکٹ سے گراں قیمت پر یہ شئے خرید کرنی پڑتی ہے اور دوہرا نقصان اٹھانا پڑتا ہے، ایک تو اس نے وہ سامان زیادہ قیمت پر خرید کیا، دوسرے جب خود اس کا آرڈر موصول ہوگا تو اب اس شئے کو فروخت کرنا دشوار ہو جائے گا اور نیا خریدار تلاش کرنا ہوگا۔

جواب : آرڈر دینے والے شخص کو مقررہ وقت پر مصنوع چیز تیار ہو کر نہ ملے، بعد میں ملے جس سے اس کو نقصان ہو رہا ہو تو اس صورت میں وہ بنانے والے سے تاوان وصول نہیں کرسکتا ہے۔ مقررہ وقت میں کچھ تاخیر ہو جانے سے تاوان لازم نہیں ہوتا، کیونکہ اس نے جس چیز کا آرڈر دیا ہے وہ چیز اس کو ملی ہے اور ان اوصاف کے مطابق ملی ہے جس کو اس نے متعین کیا تھا، اگرچہ وقت مقررہ کے بعد ملی ہے۔ اس لئے اس صورت میں بنانے والے پر کوئی تاوان لازم نہیں ہوگا۔

عقد استصناع—احکام ومسائل

مولانا اشتیاق احمد الاعظمی ☆

استصناع کی تعریف:

الاستصناع لغةً:طلب الصنعة أی أن یطلب من الصانع العمل (لغۃً: استصناع کا معنیٰ صنعت (کسی کام کے کرنے کو) طلب کرنا) (الدر المختار مع الرد ۷؍۴۷۴)۔

شرعاً :فهو طلب العمل من الصانع فی شئی خاص علی وجه مخصوص بشرائط مخصوصة (شرعی معنیٰ :صانع سے کسی عمل کو چاہنا کسی خاص چیز میں، مخصوص طریقہ اور مخصوص شرائط کے ساتھ)۔

من شروطه :بیان جنس المصنوع و نوعه وقدره وصفته و أن یکون مما فیه تعامل و أن لا یکون مؤجلا و الا کان سلماً، وعندهما :المؤجل استصناع إلا إذا کان مما لا یجوز فیه الاستصناع فینقلب سلماً فی قولهم جمیعاً (ردالمحتار ۷؍۴۷۴ والبدائع)۔

(1) مذکورہ بالا فقہی عبارتوں اور فقہاء کرام کے اقوال وشرائط کی روشنی میں یہ کہا جائے گا کہ عقد استصناع کے جاری ہونے کے لئے درج ذیل اصول ہوگا:

۱—آرڈر پر تیار کرائی جانے والی شئی کی جنس، اس کی نوع، مقدار اور صفت بیان کی گئی ہو، علاوہ ازیں امام صاحبؒ کے نزدیک یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں اجل (مدت) کی تحدید نہ کی گئی ہو، لیکن صاحبینؒ اس میں اجل کے قائل ہیں، کیونکہ اجل کی تحدید لوگوں میں متعارف بھی ہے اور اس کا تعامل بھی، ومن مراعاة التعاون بین الناس رأی الصاحبین أن الاستصناع قد تعورف فیه علی ضرب الأجل (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۳؍۳۲۹)۔

۲—یہ عقد اسی چیز میں جاری ہوسکتا ہے، جس میں لوگوں کا تعامل ہو۔ قدیم زمانہ میں تعامل، چھوٹی چھوٹی چیزوں میں تھا، جیسا کہ کتابوں میں بطور مثال؛ خف، قمقمہ اور طست وغیرہ کی مثالیں ملتی ہیں اور موجودہ دور میں بھاری بھاری اشیاء مثلاً ہوائی جہاز، پانی کا جہاز، ٹرین کے ڈبے اور اس کے انجن، بس (bus) اور اس طرح کی دیگر مصنوعات اور جدید ایجادات۔

(2) فقہاء احناف کا اس بابت اختلاف ہے کہ عقد استصناع بیع ہے یا وعدۂ بیع؟

اس بابت دو قول ملتے ہیں:

☆ استاذ دار العلوم مئو۔

قول اول : حاکم شہید مروزی، صفار، محمد بن مسلمہ اور صاحب منثور کی رائے ہے کہ استصناع، وعدۂ بیع ہے، لیکن صانع کے عمل سے فراغت پر بیع تعاطی کے طور پر منعقد ہو جاتی ہے، چونکہ استصناع وعدۂ بیع ہے، اس لئے صانع کو عمل پر مجبور نہیں کیا جاسکتا اور مستصنع (آرڈر دینے والے) کو بھی مصنوع کو قبول نہ کرنے کا اختیار ہوا کرتا ہے۔ معاملۂ استصناع اِن حضراتِ فقہا کے نزدیک لازم نہیں ہوا کرتا۔

قول ثانی : حنفیہ کے نزدیک راجح اور صحیح مسلک یہ ہے کہ استصناع عین مصنوعہ کی بیع کا نام ہے نہ کہ صانع کے عمل صنع کا، اس لئے ان حضرات کے نزدیک، نہ تو وعدہ بیع ہے نہ ہی اجارہ علی عمل۔ چنانچہ صانع غیر کی بنائی ہوئی چیز، یا عقد استصناع سے پہلے کی بنائی ہوئی چیز جو کہ مطلوبہ اوصاف وشرائط کے مطابق ہو، مستصنع کے حوالے کر دے تو یہ جائز ہے: الصحيح الراجح في المذهب الحنفي :أن الاستصناع بيع العين المصنوعة لا لعمل الصانع فهو ليس وعدا بيع ولا اجارة على العمل, فلو اتى الصانع بمالم يصنعه هو, او صنعه قبل العقد بحسب الأوصاف المشروطة جاز ذلك۔

ان حضرات نے اپنے قول پر بطور دلیل یہ پیش کیا ہے کہ امام محمد بن الحسنؒ نے استصناع میں قیاس اور استحسان دونوں کا ذکر کیا ہے جبکہ یہ دونوں وعدہ بیع میں جاری نہیں ہوا کرتے، دوسرے یہ کہ امام محمدؒ نے اس کا جواز انہی چیزوں میں بیان کیا ہے جس میں لوگوں کا تعامل ہو، اگر یہ وعدہ بیع ہوتی تو اس کا جواز، تعامل، غیر تعامل والی چیزیں، دونوں میں ہوتا۔ نیز اس پر شراء کا اطلاق بھی کیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ مستصنع کو عین مصنوعہ کے دیکھنے کے بعد خیار رویت حاصل ہوتا ہے، لأنه اشترى مالم يره۔

اور اس لیے بھی کہ صانع ان دراہم کا مالک ہو جاتا ہے جو مستصنع اسے ادا کرتا ہے، اگر یہ عقد، صرف وعدہ بیع ہوتا تو صانع دراہم کا مالک نہیں بن پاتا۔

مستصنع کے لیے خیار رویت کا ثبوت، بیع کے خصائص میں سے ہے، یہ سب کھلی دلیلیں ہیں کہ استصناع کا جواز بحیثیت بیع کے ہے نہ کہ وعدۂ بیع کے۔

بیع ہونے ہی کا نتیجہ ہے کہ صانع کو عمل پر مجبور کیا جاتا ہے، اور مستصنع کو معاملہ سے رجوع کا اختیار نہیں ہوتا اگر یہ عقد، صرف وعدہ ہوتا تو عقد لازم نہ ہوتا (دیکھئے الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/۲۶۲)۔

شامی میں ہے : صح الاستصناع بيعا لاعدة على الصحيح ثم فرع عليه بقوله : فيجبر الصانع على عمله لا يرجع الآمر عنه ولو كان عدة لما لزم (۴/۲۷۵ شامی مع الدر، انظر : فقہ المعاملات ۱/۲۹۶)۔

اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ معاصر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ استصناع مستقل ہوتا ہے، یہ کسی دوسرے متعارف عقود میں داخل نہیں ہوتا؛ بلکہ اسکی مستقل حیثیت ہے اور اس کے مخصوص احکام ہیں: الذي مال إليه جمع من الفقهاء في العصر الحاضر أن الاستصناع عقد مستقل لا يدخل تحت أي من العقود المسماة الأخرى المتعارف عليها, بل هو عقد له شخصيته المستقلة وله أحكامه الخاصة (فقہ المعاملات ۲۹۹)۔

(3) استصناع میں خریدار جس چیز کو خریدتا ہے، وہ عقد کے وقت معدوم ہوتی ہے، اسی لئے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ جائز نہ ہو، خاص طور پر جب کہ معدوم کی بیع شرعاً منہی عنہ ہے، :نهي عن بيع ما ليس عند الانسان (بدائع ۴/۴۴۷)۔

بدائع ہی میں یہ بھی مذکور ہے: فالقیاس یأبی جواز الاستصناع لأنہ بیع المعدوم......وفی الاستحسان جاز لأن الناس تعاملوہ فی سائر الامصار من غیر نکیر فکان اجماعا منھم علی الجواز فیترک القیاس (۴/۴۴۴)۔

معلوم ہوا کہ استصناع کا معاملہ لوگوں کے تعامل اور ضرورتوں کی فراہمی کے پیش نظر، خلاف قیاس، بطور استحسان کے اس کا جواز ہے، اور لوگوں کی احتیاج کی تکمیل کے لئے عقد استصناع کو گوارا کیا گیا ہے، اس لئے مبیع کے وجود میں آنے سے پہلے، مستصنع کسی اور خریدار کو بیچ دے تو جائز نہیں ہوگا، کیونکہ بیع قبل القبض بھی منہی عنہ ہے، وعلی ہذا القیاس، دوسرا تیسرے کو، تیسرا چوتھے کو بیچتا چلے اور مبیع سرے سے وجود میں آئی ہی نہ ہو۔

سلسلہ وار بیع کی یہ تمام صورتیں ناجائز ہونی چاہئیں، خواہ فی زمانہ فیلڈس کی بیع ہو یا کسی اور شی ءکی۔

(4) عصر حاضر میں استصناع کا رواج بہت زیادہ چلن پا چکا ہے، آرڈر پر چیزوں کی تیاری صرف، جوتوں، چمڑوں، فرنیچر، معدنیات سے بنے ہوئے سامان، گھریلو استعمال کی اشیاء خواہ کارپیٹ ہو، صوفہ سیٹ یا دیگر اشیا، بڑے بڑے باکس اور الماریاں، انہیں تک محدود نہیں رہا بلکہ آج زندگی کی ضروریات میں انتہائی پھیلاؤ آ چکا ہے، طرح طرح کی اشیاء آئے دن وجود میں آ رہی ہیں اور ہر شخص، ہر چیز تیار نہیں کر سکتا، لامحالہ دوسروں سے تیار کرانا ناگزیر ہو چکا ہے، ان چیزوں کا تعلق افراد سے بھی ہو سکتا ہے اور سماج سے بھی، نیز حکومتیں بھی اس کی محتاج ہو سکتی ہیں، مثلاً ہوائی جہاز، ریل گاڑیوں کے ڈبے، اس کے انجن، ریلوے لائنوں کے بچھانے کا کام، بسیں، کاریں، کشتیاں وغیرہ وغیرہ۔ عقد استصناع کا دائرہ یہیں آ کر رک نہیں جاتا: بلکہ یہ ان تمام چیزوں میں جاری ہو سکتا ہے، جہاں کسی چیز کو جنس، نوع اور دیگر تمام حیثیتوں سے نہایت باریکی کے ساتھ اس طرح دائرہ وصف میں لایا جا سکتا ہو کہ جس کی بنا پر نزاع کی کوئی گنجائش باقی ہی نہ رہے۔

علامہ وہبہ زحیلی اس سلسلے میں رقم طراز ہیں: لم یقتصر الأمر علی الصناعات المختلفة ما دام ضبطها بالمقاییس والمواصفات المتنوعة، وإنما یشمل ایضاً اقامة المبانی وتوفیر المساکن المرغوبة (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۰ / ۵۶۲)۔

معلوم ہوا کہ عقد استصناع، اموال منقولہ اور غیر منقولہ دونوں میں جاری ہو سکتا ہے۔

(5) اسلامی مالیاتی ادارے، استصناع کو بطور استثمار استعمال کرنے کے لئے ایک ایسا طریقہ اختیار کرتے ہیں، جسے وہ استصناع موازی یا متوازی کہتے ہیں۔

یہ معاملہ تین فریقوں کے مابین ہوا کرتا ہے، جس میں مالیاتی ادارے کی حیثیت درمیانی فریق کی ہوتی ہے۔ ادارہ ایک شخص سے آرڈر حاصل کرتا ہے اور دوسرے شخص کو خود آرڈر دیتا ہے اور دونوں کی قیمتوں میں ایسا فرق رکھتا ہے کہ پہلے شخص سے جو زائد رقم حاصل ہو، وہ اس کا نفع ہو جائے۔

اس قسم کے معاملہ کو فقہاء معاصرین نے جائز قرار دیا ہے، لیکن ساتھ ہی چند امور کے ملحوظ رکھے جانے کی سخت تاکید بھی کی ہے۔ فقہ المعاملات کی درج ذیل عبارت سے اس معاملہ کی تصویر کشی کے ساتھ ساتھ جواز نیز استصناع موازی کے اندر قابل لحاظ امور کی وضاحت ہوتی ہے۔

الاستصناع الموازی: معناہ أن یعقد المصرف مثلاً بخصوص السلعة الواحدة عقدین أحدهما مع الراغب فی

السلعة، يكون المصرف فيه في دور الصانع ، والآخر مع القادر على الصناعة ليقوم بانتاج سلعة مطابقة في المواصفات والتصاميم والشروط للمذكور في العقد الأول، ويكون البنك هنا في دور المستصنع ... يمكن أن يكون الثمن في العقد الأول مؤجلاً، وفي العقد الثاني معجلاً فتكون فرصة التمويل للبنك مضاعفة، مما يتيح للمصرف قسطاً من الربح وافراً... وإذا تسلم المصرف السلعة من المنتج، دخلت في حيازته، يقوم بتسلمها الى المستصنع ولا مانع من أن يعقد العقدان في نفس الوقت او يتقدم أي منها (فقہ المعاملات ۱ / ۲۷۳)۔

مذکورہ بالا عبارت میں استصناع موازی کی مکمل تصویر کشی کی گئی ہے، بنک ایک ہی سامان کی خرید وفروخت میں دوہرا رول ادا کرتا ہے، ایک تو سامان کے خواہش مند سے رابطہ اور اس سے سامان کا آرڈر لینا، اور یہاں بنک کا رول سامان تیار کرنے والے (صانع) کا ہوتا ہے۔ دوسرا رول کسی ماہر فن سے اس مطلوبہ سامان کو ان مطلوبہ اوصاف، ڈیزائن اور شرائط کے ساتھ تیار کروانے والے (مستصنع) کا ہوتا ہے، جو اس نے پہلے عقد میں طے کیا تھا، یہاں بنک کا رول (آرڈر دینے والے/مستصنع) کا ہوتا ہے۔ بنک پہلے عقد میں ہوسکتا ہے کہ ثمن کو مؤجل (ادھار) رکھے، اور دوسرے عقد میں معجّل (نقد) رکھے، اس طور پر بنک کو مال لگانے کا بھرپور موقع ملے گا اور یہ شکل اس کو خاطر خواہ منافع بخش ثابت ہوسکتی ہے۔

بنک جب بنانے والے سے سامان وصول کر کے اپنے قبضہ میں لے گا تو پھر مستصنع (آرڈر دینے والے) کے حوالہ کردے گا۔

بنک کا ایک ہی وقت میں دو عقد کرنا بھی جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ دونوں عقد الگ الگ انجام دے، لیکن اس عقد کے سلسلے میں چند امور ملحوظ ہونے چاہئیں:

۱ — دونوں عقد ایک دوسرے سے علیحدہ ہونا چاہئے، ایک کا دوسرے سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہونا چاہئے، بنک کی ذمہ داری (صانع) سامان تیار کرا کر، آرڈر دینے والے (مستصنع) کے حوالہ کرنے کی ہوگی۔

مستصنع کا صانع سے کوئی تعلق نہیں ہوگا، بالفرض اگر صانع نے وقت مقررہ پر کام پورا کر کے نہ دیا تو اس کی ذمہ داری بنک پر عائد ہوگی کہ سامان تیار کرا کر مستصنع کے حوالہ کرے: يجب أن يكون كل من العقدين منفصلاً عن الآخر وغير مبني عليه، فتكون مسؤلية المصرف ثابتة قبل المستصنع ولا شان للمستصنع بالصانع في العقد الثاني اذا لم يقم الصانع بالعمل او لم ينجزه في الموعد فعلى المصرف انجازه۔

۲ — یہ بھی ضروری ہوگا کہ بنک، مستصنع کو صانع کے ساتھ عقد کرنے یا کام کی نگرانی کرنے یا مصنوع پر سپروائزری کرنے یا مصنوع پر قبضہ کرنے کا وکیل نہ بنائے۔

مذکورہ بالا امور کی قید لگانے کی اس لئے ضرورت پڑی تا کہ بنک کی حیثیت اصلیہ، جو مستصنع ہونے کی ہے، کہیں قرض دیکر فائدہ اٹھانے والے کی نہ ہو جائے اور ربوا کی بو آنے لگے، کیونکہ کل قرض جر نفعا فهو ربا کا ضابطہ اپنی جگہ مسلم ہے۔

يجب أن لا يكلف المصرف المستصنع بالتعاقد أو متابعته ولا بوكله بالاشراف على المصنوع أو قبضه، أو نحو ذلك، وهذان الأمران لئلا يتقلص دور المصرف في العملية الصناعية ويتحول من مستصنع حقيقة إلى مقرض

بالفائدة (فقہ المعاملات ۱/ ۴۷۲)۔

۳— اسلامی بنک کی حیثیت صرف تمویل (پیسہ لگانے والے) کی نہیں ہونی چاہئے، اس کے پاس ایسے ذرائع ہونے چاہئیں، جہاں آرڈر پر سامانوں کی تیاری کا پورا پورا بندوبست ہو، خواہ لوگ بنک کے ذریعہ بلڈنگ کی تعمیر کی خواہش رکھنے والے آئیں یا راستہ کو قابل استعمال بنانے کے خواہش مند حاضر ہوں، حکومتی سطح پر ریلوے لائن بچھانے کا کام حوالہ ہو یا ایر پورٹ کی تعمیر کا پروجیکٹ ہو یا کوئی اور منصوبہ ہو، ہر طرح کی چیزوں کو بنک آرڈر پر تیار کروا سکتا ہو، تو بنک اپنے بل بوتے پر ایک طرف سے آرڈر لے اور دوسری طرف آرڈر دے کر تیار کرائے اور سامان کو اپنے ذمہ داری پر سپلائی کرے۔

درحقیقت یہ دفعہ، دفعہ نمبر (۲) کی تکمیل اور تشریح ہے۔

۴— استصناع میں خاص کر اس بات پر توجہ دینی ہوگی کہ سامان تیار کرنے میں جتنی واقعی مدت درکار ہو اتنی ہی مدت کی تعیین اور تحدید کی جائے، ہرگز اس سے زائد مدت نہ متعین کی جائے ورنہ یہ معاملہ عقد استصناع کے بیع سلم میں داخل ہو جائے گا اور پھر عقد سلم کے احکام وشروط ملحوظ رکھنے پڑیں گے۔ لا يجوز أن يضرب لتسليم السلعة اجل بعيد بغرض إتاحة الفرصة له لينتفع بالتمويل المبكر، لكن يكون الأجل فقط بقدر المدة التي يحتاج اليها في التصنيع فعلا، فان زادت عن ذلك كان العقد سلما و وجبت مراعاة شروطه و أحكامه (فقہ المعاملات ۱/ ۴۷۴)۔

(6) عقد استصناع میں صانع (بائع) اور مستصنع (مشتری) جو عقد کرتے ہیں، وہ باہمی طور پر طرفین کے درمیان لازم ہوتا ہے کہ نہیں۔ اس مسئلہ میں خود حنفیہ کے درمیان اختلاف رائے ہے:

۱— اکثر احناف عقد استصناع کو غیر لازم کہتے ہیں، خواہ عقد کی تکمیل ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، خواہ تیار کیا ہوا سامان شرائط اور صفات کے مطابق ہو یا غیر مطابق۔ الاستصناع عقد غير لازم عند اكثر الحنفية، سواء تم أم لم يتم، وسواء كان موافقا للصفات متفق عليها أم غير موافق۔

۲— امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر مصنوع سامان، تمام مشروط اوصاف کے مطابق ہو تو عقد لازم ہوگا۔ اگر شرائط کے موافق نہ ہو تو غیر لازم ہوگا (اور یہ حکم تمام فقہاء کے نزدیک ہے) وذهب أبو يوسف إلى انه ان تم صنعه وكان مطابقا للاوصاف المتفق عليها، يكون عقدا لازما، وأما ان كان غير مطابق لها فهو غير لازم عند الجميع (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۳/ ۳۰-۳۲۹)۔

علامہ وہبہ زحیلی نے عقد استصناع کے لئے جہاں چند شرطیں تحریر فرمائی ہیں، اس سے پہلے یہ بھی لکھا ہے کہ شروط و ارکان کے متوافر ہونے کی صورت میں یہ عقد، طرفین کے لئے لازم ہو جاتا ہے، ”هو عقد وارد على العمل و العين في الذمة ملزم للطرفين إذا توافرت فيه الأركان والشروط (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۰/ ۴۷۲۵)۔

فقہ المعاملات میں یہ عبارت مذکور ہے: المشهور عند الحنفية أن عقد الاستصناع عقد غير لازم تھوڑا آگے یہ مکتوب ہے: أما المتاخرون من الحنفية فقد اعتمدوا القول الذي يقول بلزوم العقد۔ معلوم ہوا کہ احناف کے یہاں دونوں طرح کی آراء موجود ہیں؛ لیکن متاخرین احناف نے لزوم عقد کے قول کو معتمد گردانا ہے۔ بعض خاص اور ناگزیر حالات میں صانع اور مستصنع دونوں کو فسخ

عقد کا اختیار بھی دیا گیا ہے۔

ایسی صورت میں اگر صانع نے آرڈر کا سامان پورے صفات اور شرائط کے مطابق تیار کر دیا ہے تو مستصنع کو نہ لینے کا اختیار متاخرین حنفیہ کے یہاں تو عقد لازم ہونے کے بعد نہیں رہ جاتا بالخصوص جبکہ سامان تمام خوبیوں اور شرائط واوصاف کے ساتھ تیار ہوا ہو، یہی وجہ ہے کہ ایسے ہی خسارہ کا باعث بننے والی صورتوں سے بچنے کے لئے معاصر فقہاء نے "شرط جزائی" کے جواز کی بات کہی ہے۔

شیخ مصطفی زرقاؒ رقم طراز ہیں: وقد ازدادت قيمة الزمن في الحركة الاقتصادية فاصبح تاخر أحد المتعاقدين او امتناعه عن تنفيذ التزاماته في مواعدها المشروطة مضرا بالطرف الاخر في وقته و ماله اكثر مما قبل (فقہ المعاملات ۱؍ ۲۹۳)۔

(اقتصادی معاملات میں وقت کی قیمت کافی بڑھ چکی ہے، چنانچہ متعاقدین میں کسی ایک کا مقررہ وقت پر اپنے اوپر عائد ذمہ داریوں کی ادائیگی سے باز آجانے یا اس میں تاخیر کرنے کی صورت میں، صاحب معاملہ کو مالی خسارہ یا وقت کے ضیاع کا باعث پہلے سے کہیں زیادہ اب بن سکتا ہے)۔

چنانچہ اگر کوئی آدمی جو مختلف سامانوں کی تیاری میں میٹریل (Materials) کی سپلائی کا کام کرتا ہے۔ اگر کسی کارخانہ یا فیکٹری کے مالک کو مطلوبہ میٹریل وقت مقررہ پر نہ دے سکے تو فیکٹری اور کارخانہ کا سارا نظام درہم برہم ہوجائیگا۔ اس کے ملازمین بیکار پڑے رہ جائیں گے۔

ایسی ہی اگر صانع، سامان بروقت تیار کر کے مستصنع کو حوالے نہ کرے تو اس مستصنع کو صرف تاخیر کی بنا پر کافی خسارہ اٹھانا پڑ سکتا ہے۔

اسی امر نے موجودہ دور میں لوگوں کو معاملہ کرتے وقت، مالی تاوان کی اُس پارٹی پر شرط لگانے کی حمایت کی ہے، جو ذمہ داری نباہنے میں وقت کی پابندی پر کھری نہ اترے اور اس قسم کی شرط کو، اجنبی فقہ میں "شرط جزائی" کا نام دیا گیا ہے۔

اور فی زمانہ "شرط جزائی" سامان تیار کرنے والوں اور کنسٹرکشن (construction) کا کام کرنے والوں کے درمیان خوب متعارف ہوچکی ہے؛ بلکہ اقتصادیات کی گاڑی اور اس کے پہیئے کو اچھی طرح چلانے اور کام کرنے والوں "صانع اور کنسٹرکٹر" کو وقت کی پابندی کا احترام اور خیال کرنے میں زبردست محرک بن گئی ہے۔

چنانچہ عقد استصناع میں "شرط جزائی" کے لگانے کی گنجائش، مکہ فقہ اکیڈمی نے بھی دی ہے۔ مکہ فقہ اکیڈمی کے فیصلہ میں کہا گیا ہے: "يجوز أن يتضمن عقد استصناع شرطاً جزائياً بمقتضى ما اتفق عليه العاقدان ما لم تكن هناك ظروف قاهرة" (فقہ المعاملات ۱؍ ۲۹۳)۔

اس بنیاد پر مستصنع صانع کے مستحقات میں سے، اس کی طرف سے سامان کو دیر سے حوالگی کی صورت میں، ہر دن کے بدلے، کٹوتی کرسکتا ہے، لیکن یہ کٹوتی، متوقع نقصان کے حدود سے زائد مالیت کی صورت میں نہیں ہونی چاہئے، اس قسم کی کٹوتی کا جواز اسی صورت میں ہوگا؛ جبکہ صانع کی طرف سے تکاسل یا سستی کا دخل رہا ہو، ہاں مجبوری کے حالات میں کٹوتی کا جواز نہ ہوگا، مثلاً فیکٹری میں آگ لگ گئی، خام مال لانے والی کشتی ڈوب گئی، یا جس ملک سے مال کی سپلائی ہوتی تھی، اس سے ہمارے ملک کے تعلقات منقطع ہوگئے تو ایسی تمام صورتوں

میں جس میں صانع کے ارادہ کا کوئی دخل نہ ہو تو اس صورت میں مستصنع کو کٹوتی کا حق نہ ہوگا، ہاں اسے عقد کو فسخ کرنے یا سامان کے تیار ہونے تک کے انتظار کے درمیان کا خیار ہوگا۔

ایسے ہی اگر مستصنع، غیر مالی قسطوں کی ادائیگی میں تاخیر کرے، تو صانع کی طرف سے بھی اس طرح کی شرط لگانا جائز ہوگا، اور مالی التزام میں کوتاہی کی صورت میں یہ شرط جائز نہ ہوگی، کیونکہ مالی التزامات کی تقصیر پر مالی تاوان کا مطلب، سود وصولنا ہوگا۔

يجوز للصانع أيضا اشتراط مثل ذلك في حال تقصير المستصنع في أداء التزاماته غير المالية، ولا يجوز أن يشترط ذلك في حالة التقصير في أداء الالتزامات المالية، لأن ذلك يؤول الى الربا (فقہ المعاملات، ۲۹۳)۔

مذکورہ بالا پوری بحث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اگر صانع، سامان آرڈر کے مطابق تیار کرکے مستصنع کو وقت پر دے رہا ہے تو اسے نہ لینے کا خیار نہ ہوگا؛ تاکہ صانع کو نقصان کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ رہا بیعانہ کی رقم کا معاملہ، تو ہمارے یہاں اردو کتب فتاویٰ میں مندرج آراء سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بیعانہ کی رقم، مستصنع کی امانت ہوا کرتی ہے جو صانع کے پاس موجود ہے، اس میں تصرف، صانع کے لئے جائز نہ ہوگا، دوسرے یہ کہ عقد استصناع کو لازم ماننے کے بعد، اس کی حاجت ہی نہیں رہ جاتی۔ **وإذا انعقد الاستصناع فليس لأحد العاقدين الرجوع** (فقہ المعاملات ۱/۲۹۰)۔

(7) مستصنع اگر مصنوع کیلئے خود میٹریل فراہم کردے تو یہ عقد "اجارہ" کے حکم میں ہوگا؛ کیونکہ یہ عقد علی العمل ہوا۔ کسی کام کو اجرت پر کرانا ہی اجارہ کہلاتا ہے۔

استصناع اور اجارہ علی الصنع دونوں میں یکسانیت بایں معنی ہے کہ استصناع میں عمل صانع کے ذمہ ہوتا ہے اور اجارہ علی الصنع میں اجیر کے ذمہ، اور محل بیع میں دونوں الگ الگ ہیں، چنانچہ اجارہ علی الصانع میں محل، عمل ہوا کرتا ہے اور استصناع میں: عین موصوف فی الذمہ ہوتا ہے، نہ کہ محل بیع، عمل ہوتا ہے۔

ایک دوسرا فرق بھی دونوں کے درمیان ہے۔ وہ یہ کہ اجارہ علی الصنع میں مستاجر کے ذمہ اجیر (عامل) کو میٹریل فراہم کرنا ضروری ہوتا ہے، عامل کے ذمہ صرف عمل ہوا کرتا ہے اور مستاجر کی طرف سے میٹریل کی فراہمی، جبکہ استصناع میں: میٹریل اور عمل دونوں صانع کی طرف سے ہوتا ہے۔

اجارہ علی الاعمال یا علی الصناعات میں سامان، آرڈر کے مطابق نہ ہو تو آرڈر دینے والے کو اختیار رہوگا کہ چاہے تو اپنے میٹریل کو واپس لے لے اور صانع کو اجرت مثل ادا کردے۔ یا صانع سے میٹریل کی قیمت وصول لے اور میٹریل اس کے حوالے کردے۔

علامہ وہبہ زحیلی مدظلہ نے آرڈر کی موافقت نہ ہونے کی دو صورتیں تحریر فرمائی ہیں:

۱- آرڈر کی مخالفت جنس کی تبدیلی کی صورت میں ہو، مثلاً ایک آدمی درزی کو کپڑا قمیص سلنے کیلئے دیتا ہے، اور درزی بجائے قمیص کے کوٹ سل دیتا ہے تو کپڑے والے کو اختیار رہتا ہے کہ چاہے تو درزی سے کپڑے کی قیمت وصول لے یا سلی ہوئی کوٹ لے لے اور اسکی اجرت مثل درزی کو دیدے۔ **مثله أن يسلم شخص خياطا قماشا ليخيطه قميصا، فخاطه معطفا مثلاً فيكون صاحب القماش بالخيار بين أن يضمن الخياط قيمة القماش أو أن يأخذ المخيط ويعطي أجر المثل** (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۵۰۳)۔

۲ — دوسری صورت یہ ہے کہ عامل آرڈر کی مخالفت کسی وصف میں کرے مثلاً : ایک آدمی کسی رنگائی والے کو کپڑا ایک مخصوص رنگ کا رنگنے کو دے، رنگائی والا کپڑے کو اسی رنگ میں ضرور رنگے؛ مگر پھیکا یا گہرا رنگ دے جو مطلوب کے خلاف ہو تو اس صورت میں کپڑے والے کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو رنگائی والے سے کپڑے کی قیمت کا تاوان وصول لے یا وہی رنگا ہوا کپڑا لے لے اور اس کو اجرت مثل دے دے وأما المخالفة في الصفة كأن يسلم صباغاً الثوب ليصبغه بصبغ معين، فصبغه آخر من جنس اللون المتفق عليه فيكون صاحب الثوب ايضاً مخيراً بين تضمين قيمة الثوب أو أخذه وأعطاه أجر المثل (فقہ المعاملات ۵ / ۵۰۳)۔

(8) عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی جو تاریخ مقرر ہو چکی ہے، اگر بائع (صانع) اسے وقت پر فراہم نہ کر پائے تو خریدار اس کا تاوان، صانع سے وصول سکتا ہے؛ کیونکہ وقت پر سامان مہیا نہ کرانے سے خریدار کا کافی نقصان ہو سکتا ہے، اسی لئے فقہاء معاصرین نے پیشگی تاوان عائد کر لینے کی بات طے کر دی ہے تاکہ جانبین، تاخیر کے سبب ہونے والے خسارہ سے محفوظ رہ سکیں، جس کی تفصیل جواب (۲) میں لکھی جا چکی ہے، اس قسم کی شرط کو فقہاء معاصرین نے ''شرط جزائی'' کا نام دیا ہے۔

هذا ما عندي والله اعلم بالصواب۔

عقد استصناع عصر حاضر کے تناظر میں

ڈاکٹر ومفتی محمد شاہجہاں ندوی ☆

مختصر تمہید :

اسلامی شریعت حاجتوں کی رعایت کرتی ہے، چنانچہ اس کے بہت سے احکام انسانی حاجتوں کی رعایت پر مبنی ہیں، عقد استصناع جس میں آرڈر پر کوئی چیز تیار کرائی جاتی ہے، اس کا جواز حاجت انسانی کی رعایت کی روشن مثال ہے۔

استصناع کے لغوی معنی :

استصناع باب استفعال کا مصدر ہے، اس کے لغوی معنی ہیں : "طلب الصنعة" یعنی کسی چیز کے بنانے اور تیار کرنے کا مطالبہ کرنا۔

اصطلاحی معنی :

وہ عقد ہے جس میں کاریگر کو مخصوص طریقہ پر مخصوص چیز کے تیار کرنے کا آرڈر دیا جائے۔

ردالمحتار میں ہے : "هو طلب العمل منه - أي من الصانع - في شيئ خاص على وجه مخصوص" (ردالمحتار، کتاب البیوع، مطلب فی الاستصناع ۵/ ۲۲۳، ط ۲، بیروت، دارالفکر ۱۴۱۲ھ—۱۹۹۲ء) (کاریگر سے کسی مخصوص چیز کے اندر مخصوص طریقہ پر کام کرنے کا مطالبہ کرنا، شرعی اصطلاح میں "استصناع" کہلاتا ہے)۔

اس مختصر تمہید کے بعد سوالات کے جوابات درج ہیں :

۱—موجودہ دور میں ان تمام اشیا، میں عقد استصناع جاری ہوسکتا ہے، جن میں استصناع کا عرف وتعامل ہو، اور ان کے اوصاف متعین کئے جاسکتے ہوں، جیسے ہوائی جہاز، کشتیاں، موٹر گاڑیاں، کاریں، بسیں، ٹرک، ٹریکٹر، مال بردار گاڑیاں، ریل اور رہائشی مکانات وغیرہ۔

اس سلسلہ میں اصول درج ذیل ہیں :

الف—اس چیز میں استصناع کا عرف وتعامل ہو، علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں :

"أن يكون مما يجري فيه التعامل بين الناس" (بدائع الصنائع، کتاب الاستصناع، فصل شرائط جواز الاستصناع ۵/ ۳، ط ۲، بیروت، دارالکتب العلمیہ ۱۴۰۶ھ—۱۹۸۶ء) (استصناع کے جائز ہونے کی شرطوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ چیز ایسی ہو جس میں استصناع کا لوگوں کے درمیان

☆ صدر شعبہ حدیث وعلوم حدیث، استاذ فقہ واصول فقہ، جامعہ اسلامیہ شانتاپورم، پی کاڈ، ملاپورم، کیرالا۔

عرف وتعامل ہو)۔

ب- وہ چیز ایسی ہو جو اپنی جنس، نوع، مقدار اور اوصاف کے بیان کے ذریعہ متعین ومعلوم ہوسکتی ہو، جیسا کہ علامہ کاسانی تحریر کرتے ہیں:

"منها بيان جنس المصنوع ونوعه وقدره وصفته، لأنه لا يصير معلوما بدونه" (بدائع الصنائع ۵/ ۳) (اور اس کے جائز ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط: تیار کی جانے والی شیئ کی جنس، نوع، مقدار اور اوصاف کا بیان ہے، کیونکہ ان امور کے بغیر وہ معلوم ومتعین نہ ہو سکے گی)، اور "مجلۃ الاحکام" میں ہے: "يلزم في الاستصناع وصف المصنوع وتعريفه على الوجه الموافق المطلوب" (مجلۃ الاحکام دفعہ ۳۹۰، ص ۷۲) (تیار کرائی جانے والی شیئ کی صفت بیان کرنا، اور مطلوبہ طریقہ پر اس کی شناخت کرانا عقد استصناع میں لازم ہے)۔

ج- صرف ایسی ہی چیز میں عقد استصناع ہوسکتا ہے، جس میں کاریگری کی ضرورت ہو، اور اسے طبعی حالت سے نکالنے کی حاجت ہو، لہذا جانوروں، پھلوں اور سبزیوں میں استصناع درست نہیں ہے، کیونکہ ان میں کاریگری کی حاجت نہیں، علامہ سرخسی تحریر کرتے ہیں:

"والأصح أن المعقود عليه المستصنع فيه، وذكر الصنعة لبيان الوصف" (المبسوط کتاب البیوع بحث الاستصناع ۱۲/ ۱۳۹) (صحیح یہ ہے کہ معقود علیہ وہ چیز ہے جسے تیار کرایا جائے، اور کاریگری کا ذکر وصف بیان کرنے کے لئے ہے)۔

د- بذات خود متعین شیئ کا استصناع درست نہیں ہے، جیسے دس من لوہے کا استصناع صحیح نہیں ہے، البتہ لوہے سے ہتھیار بنانے کے لئے استصناع ہوسکتا ہے، کیونکہ "الاستصناع هو عقد على مبيع في الذمة، وشرط عمله على الصانع" (تحفۃ الفقہاء، کتاب الاجارہ، باب الاجارۃ الفاسدۃ ۲/ ۳۶۲) (استصناع ذمہ میں موصوف شیئ کی فروختگی کا عقد ہے، جس کی تیاری کاریگر کے ذمہ ہے)۔

اور اس لئے بھی کہ بذات خود متعین شیئ معدوم ہوگی، اور معدوم کی بیع درست نہیں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "لا تبع ما ليس عندك" (سنن ابی داود حدیث نمبر: ۳۵۰۳، سنن ترمذی حدیث نمبر: ۱۲۳۲، سنن ابن ماجہ: ۲۱۸۷) (جو چیز تیرے پاس موجود نہ ہو اسے مت بیچو)۔

و- عقد استصناع کا ثمن معلوم ومتعین ہو، تاکہ جہالت باقی نہ رہے، اور عقد نزاع کا باعث نہ بنے۔

ز- عقد استصناع میں مبیع کے اندر پائے جانے والے عیب سے براءت کی شرط نہ لگائی جائے، کیونکہ عیب سے براءت متعین شیئ کی فروختگی میں ہوتی ہے، نہ کہ ذمہ میں موصوف شیئ کی فروختگی میں۔

ح- عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی تاریخ مقرر کرلی جائے، اور یہ ایک ماہ یا اس سے زائد کی مدت ہو، تو یہ عقد امام صاحب کے نزدیک عقد سلم میں تبدیل ہوجائے گا، جبکہ صاحبین کے نزدیک جس چیز میں استصناع کا تعامل ہو، اس میں مدت کی تعیین ہو یا نہ ہو، ہر حال میں وہ عقد استصناع ہے، کیونکہ لوگوں کا عرف ہے کہ وہ استصناع میں مدت کی تحدید کرتے ہیں، اور مدت کی تحدید سے عمل کی تعجیل مقصود ہوتی ہے، مطالبہ مؤخر کرنا مقصود نہیں ہوتا ہے (بدائع الصنائع ۵/ ۳)۔

حرج شدید کو دور کرنے اور لوگوں کی حاجت کی تکمیل کی خاطر صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے، کیونکہ مدت کی تحدید فریقین کے درمیان ہونے والی نزاع ختم کردے گی، پھر اگر سامان کی تیاری سے پہلے ہی سامان کی حوالگی کی تاریخ گزر جائے، تو خریدار کو فسخ کرنے یا

انتظار کرنے کا حق ہوگا (عقد البیع للأستاذ مصطفی الزرقاء، دفعہ ۱۴۵)۔

۲ — استصناع خود بیع ہے، یہی صحیح ہے، اور اس کے دلائل درج ذیل ہیں :

الف — امام محمد بن الحسن بن فرقد شیبانی (و: ۱۸۹ھ) نے استصناع میں قیاس اور استحسان دونوں کا ذکر کیا ہے، اور یہ دونوں باب وعدہ میں جاری نہیں ہوتے ہیں۔

ب — استصناع کا جواز انہی چیزوں میں ہے، جن میں تعامل جاری ہو، تو اگر یہ وعدہ ہوتا تو تعامل اور عدم تعامل دونوں صورتوں میں جائز ہوتا۔

ج — خریدار کو خیار رؤیت حاصل ہوتا ہے، اس لئے کہ اس نے ایسی چیز خریدی جو اس نے نہیں دیکھی، اور خیار رؤیت عقد بیع کے ساتھ خاص ہے۔

د — اس عقد کے اندر فریقین کو باہم تقاضے کرنے اور وصول کرنے کا حق ہے، اور یہ حق واجب میں ہوتا ہے، نہ کہ وعدہ کردہ شیئ میں۔

ہ — کاریگر ثمن کے روپے پر قبضہ کرنے سے مالک ہو جاتا ہے، تو اگر یہ عقد وعدہ ہوتا، تو وہ ثمن کا مالک نہیں ہوتا۔

و — کاریگر کو کام پر مجبور کیا جائے گا، اور آرڈر پر تیار کرانے والا رجوع نہیں کرسکتا ہے، اگر یہ عقد وعدہ ہوتا، تو لازم نہیں ہوتا (دیکھئے : المبسوط، کتاب البیع، باب السلم، السلم فی اللحم ۱۲/ ۱۳۹، فتح القدیر، کتاب البیع، باب السلم ۷/ ۱۱۵، بیروت، دار الفکر، بدائع الصنائع، کتاب الاستصناع ۵/ ۲)۔

اور صحیح یہ ہے کہ معقود علیہ تیار کرائی جانے والی متعین چیز ہے جس کی صفت بیان کردی گئی ہے، اور جس کی تیاری وفراہمی کاریگر کے ذمہ ہے، اور معقود علیہ کام نہیں ہے، جیسا کہ مبسوط میں ہے : "والأصح أن المعقود عليه المستصنع فيه، وذكر الصنعة لبيان الوصف، فإن المعقود هو المستصنع فيه، أو من صنعته قبل العقد، مفروغاعنه، لا من صنعته، أو من صنعته قبل العقد، فأخذه كان جائزاً، والدليل عليه أن محمداً قال : إذا جاء مفروغاعنه، فللمستصنع الخيار، لأنه اشترى شيئاً لم يره، وخيار الرؤية إنما يثبت في بيع العين، فعرفنا أن المبيع هو المستصنع فيه" (المبسوط، کتاب البیع، باب السلم ۱۲/ ۱۳۹) (اور صحیح یہ ہے کہ محل عقد تیار کرائی جانے والی چیز ہے، (نہ کہ عمل) اور کاریگری کا ذکر وصف بیان کرنے کے لئے ہے، سو محل عقد تیار کرائی جانے والی چیز ہے، کیا تم دیکھتے نہیں کہ اگر کاریگر سامان تیار حالت میں پیش کرے، جو اس کی کاریگری سے تیار نہ ہو، یا عقد سے پہلے اس کی کاریگری سے تیار ہو، اور تیار کرنے کا آرڈر دینے والا اسے لے لے، تو یہ جائز ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امام محمد نے تحریر کیا ہے کہ اگر سامان تیار کر کے پیش کرے، تو آرڈر دے کر تیار کرانے والے کو اختیار ہوگا، اس لئے کہ اس نے ایسی چیز خریدی ہے، جسے دیکھی نہیں، اور خیار رؤیت متعین سامان کی فروختگی میں ثابت ہوتا ہے، تو ہمیں معلوم ہوا کہ فروخت کردہ شیئ تیار کرائی جانے والی چیز ہے)۔

۳ — جبکہ حاکم شہید محمد بن محمد بن احمد، ابو الفضل مروزی سلمی بلخی (و: ۳۳۴ھ) صفار، ابراہیم بن اسماعیل بن احمد، ابو اسحاق، رکن الاسلام، بخاری (و: ۵۳۴ھ) محمد بن سلمہ اور "المنثور" کے مؤلف کا قول ہے کہ استصناع وعدہ بیع ہے، اور سامان کی تیاری کے وقت باہم لینے سے بیع منعقد ہوگی، کیونکہ عاقدین میں سے ہر ایک کو اس میں خیار ملتا ہے، چنانچہ کاریگر کو کام نہ کرنے کا اختیار ہے، اور سامان تیار کرانے والے کو تیار کردہ سامان کے نہ لینے کا اختیار ہے۔

لیکن یہ دلیل کمزور ہے کیونکہ بیع مقایضہ میں اگر فریقین نے ایک دوسرے کے سامان کو نہ دیکھا ہو، تو دونوں کو خیار حاصل ہوتا ہے، اس کے باوجود مقایضہ (سامان کی سامان سے خرید وفروخت) بیع ہے، نہ کہ وعدہ بیع، نیز اگر استصناع وعدۂ بیع ہوتا، تو ایسی چیز کے ساتھ خاص نہ ہوتا، جس میں تعامل جاری ہو۔

اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کاریگر کے مرنے سے استصناع باطل ہو جاتا ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع استصناع کو اجارہ سے مشابہت حاصل ہے۔

۳- "الذخیرہ" میں ہے کہ "استصناع" ابتداءً اجارہ ہے، اور انتہاءً بیع ہے، لیکن یہ صفت بیع حوالگی سے کچھ پہلے کی ہے، اور حوالگی کے وقت یہ صفت بیع نہیں ہے، ورنہ کاریگر کے مرنے پر اس کے ترکہ سے فروخت شدہ سامان کو دینا لازم ہوتا، کیونکہ "بیع" عاقدین میں سے کسی کے مرنے سے باطل نہیں ہوتی ہے اور استصناع کے اجارہ کے طور پر منعقد ہونے کے باوجود، کاریگر کو کام پر مجبور نہ کیا جانا، اس وجہ سے ہے کہ وہ کام اپنی چیز جیسے میٹریل وغیرہ کو ضائع کئے بغیر انجام نہیں دے سکتا ہے اور اجارہ اس طرح کے عذر سے فسخ کیا جا سکتا ہے (دیکھئے: المبسوط، کتاب البیع، باب السلم ۱۲/۱۳۹، فتح القدیر، کتاب البیع، باب السلم ۷/۱۱۵، المحیط البرہانی، کتاب البیع، الفصل الرابع والعشرون فی الاستصناع ۷/۱۳۶، ط ۱، بیروت، دار الکتب العلمیہ ۱۴۲۴ھ-۲۰۰۴ء)۔

۳- عقد استصناع کا محرک یہ ہے کہ آرڈر پر تیار کرانے والے کی حاجت پوری ہو، لہٰذا عقد استصناع میں خرید کی جانے والی چیز کو وجود میں آنے سے پہلے وہ اسے کسی اور سے، اور پھر یہ دوسرا خریدار کسی تیسرے شخص سے فروخت نہیں کرسکتا ہے، لہٰذا فلیٹس (Flats) پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کی فروخت درست نہیں ہے، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے **"نهى أن يبيع الرجل طعاماً، حتى يستوفيه، قال: فقلت له: كيف ذلك؟ قال: ذلك دراهم بدراهم، والطعام مرجأ"** (صحیح البخاری: حدیث نمبر: ۲۱۳۲) (منع فرمایا کہ کوئی آدمی قبضہ سے پہلے غلہ فروخت کرے، اس کو سن کر میں نے (طاوس) نے پوچھا، ایسا کیوں؟ تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ درہم کو درہم کے بدلہ (ادھار) بیچنا ہے، اور غلہ غائب ہے اس لئے یہ سود ہے)۔

نیز حضرت طاوس کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس کو فرماتے ہوئے سنا: **"أما الذي نهى عنه النبي ﷺ فهو الطعام أن يباع حتى يقبض"، قال ابن عباس: ولا أحسب كل شيئ إلا مثله"** (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۲۱۳۵، صحیح مسلم: ۱۵۲۵) (جس چیز سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا، وہ غلہ ہے، جسے قبضہ سے قبل فروخت کیا جائے، حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میرے خیال میں ہر چیز کا اسی کی مانند حکم ہے)۔ اور حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے منع فرمایا کہ **"أن تباع السلع حيث تبتاع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم"** (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۳۴۹۹، المستدرک للحاکم حدیث نمبر: ۲۲۷۱، اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے) (سامان تجارت کی فروخت اسی جگہ ہو، جہاں خریدی جائے، یہاں تک کہ تاجر اسے اپنے ٹھکانے پر لے جائیں)۔ نیز اس کے اندر یہ بھی خرابی ہے کہ جس چیز کا رسک (Risk) نہ اٹھایا گیا ہو، تو اس چیز سے نفع کیسے حاصل کرنا روا ہوگا، جبکہ نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے: **"عن ربح ما لم يضمن"** (سنن النسائی حدیث نمبر: ۴۶۲۹، سنن ترمذی حدیث نمبر: ۱۲۳۴، ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۲۱۸۸، اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے) (اس چیز کے نفع سے جس کا رسک نہ اٹھایا گیا ہو)، ایک روایت میں ہے: **"بيع ما لم يضمن"** (صحیح ابن حبان حدیث نمبر: ۴۳۲۱) (جس چیز کا رسک نہ اٹھایا گیا ہو، اسے فروخت کرنے سے)۔

۴- تمام ان اشیاء میں استصناع ہوسکتا ہے جن میں کاریگری کی ضرورت ہو، اور انہیں طبعی حالت سے نکالنے کی حاجت ہو، اور اس

میں استصناع کا تعامل جاری ہو، اور اوصاف کے ذریعہ ان کا اس طرح تعین ہوسکتا ہو کہ باعث نزاع جہالت باقی نہ رہے، لہذا اموال منقولہ کی طرح اموال غیر منقولہ جیسے بلڈنگ وغیرہ میں بھی استصناع ہوسکتا ہے، علامہ سرخسی تحریر کرتے ہیں : ''أصل الاستصناع یجوز فیما فیه التعامل'' (المبسوط ۱۲؍۱۴۹) (اصل استصناع ان اشیاء میں جائز ہے، جن میں تعامل جاری ہو)۔ لہذا بلڈنگ کی تعمیر کے لئے استصناع کا تعامل جاری ہوجائے، تو بلڈنگ میں بھی استصناع درست ہے، بشرطیکہ عمارت کے اوصاف اس طرح متعین کردیئے جائیں، کہ باعث نزاع جہالت باقی نہ رہے۔

۵— استصناع موازی یہ ہے کہ بینک کے پہلے فریق کے ساتھ استصناع کا معاملہ کرے، اور کسی تیسرے فریق کے ساتھ بھی استصناع کا معاملہ کرے، اور اس کو مطلوبہ اوصاف کے مطابق سامان تیار کرنے کا خود آرڈر دے، اور دونوں کی قیمت میں ایسا فرق رکھے کہ پہلے آرڈر دینے والے فریق سے جو زیادہ رقم حاصل ہو، وہ اس کا نفع ہوجائے۔

عام طور سے بینک پیشگی یا بعض ثمن ادا کرتا ہے، اور پہلا آرڈر دینے والا فریق ثمن کو ادھار یا قسط وار رکھتا ہے۔

میرے نزدیک استصناع متوازی کی دو صورتیں ہیں :

الف— ایک استصناع دوسرے استصناع سے مربوط ہو، مثال کے طور پر اسلامی مالیاتی ادارہ خریدار کو ہی ایجنٹ بنادے کہ وہ فلاں کمپنی سے فلاں تاریخ کو اپنے بیان کردہ اوصاف کے تحقق کا یقین کرکے تیار کردہ سامان پر قبضہ کرلے، تو گویا خریدار نے مالیاتی ادارہ سے یہ کہا کہ تم فلاں سامان آرڈر پر تیار کرالو، میں وہ سامان تجھ سے ادھار زیادہ قیمت پر خریدلوں گا۔

چنانچہ استصناع متوازی مربوط درست نہیں ہے، اس لئے کہ عقد استصناع صوری ہے، نہ کہ حقیقی، مقصد محض دیئے ہوئے قرض پر اضافہ حاصل کرنا ہے، لہذا یہ حقیقت میں سود ہے، اور استصناع موازی کو سودی قرض دینے کا ذریعہ بنایا گیا ہے، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ایک عقد کے اندر دو عقد کرنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ سے مروی ہے کہ ''نهی رسول الله ﷺ عن بیعتین في بیعة'' (مسند احمد، حدیث نمبر : ۶۶۲۸، اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے) (رسول کریم ﷺ نے ایک عقد کے اندر دو عقد کرنے سے منع فرمایا) اور امام مالک ؒ رقمطراز ہیں : ''أن رجلاً قال لرجل : ابتع لي هذا البعیر بنقد حتی أبتاعه منک إلی أجل، فسئل عن ذلک عبد الله بن عمر، فکرهه ونهی عنه'' (مؤطا مالک، روایۃ أبي مصعب الزہری، حدیث نمبر : ۲۶۳۹) (ایک شخص نے ایک دوسرے شخص سے کہا، میرے لئے اس اونٹ کو نقد خریدلو، یہاں تک کہ میں اسے تجھ سے ادھار خریدلوں، چنانچہ اس کے بارے میں عبداللہ بن عمر سے دریافت کیا گیا، تو انہوں نے اسے مکروہ قرار دیا اور اس سے منع فرمایا)۔

چنانچہ استصناع موازی مربوط میں بھی یہی بات پائی جاتی ہے کہ گاہک مالیاتی ادارہ سے کہتا ہے کہ نقد فلاں سامان آرڈر پر تیار کرادو میں ادھار زائد قیمت پر اسے خریدلوں گا۔

ب— استصناع موازی کی دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں عقد استصناع باہم مربوط نہ ہوں، بلکہ جدا جدا ہوں، اور دونوں تیار کرکے یا کراکے فروخت کرنے والے اپنے اپنے عقد کے ذمہ دار ہوں، سو اگر ایک تیار کرکے فروخت کرنے والا سامان حوالہ نہ کرے، پھر بھی دوسرا فروخت کنندہ سامان تیار کراکے فراہم کرے، اور گاہک کو سامان حوالہ کرنے سے پہلے سامان کے سلسلہ میں ساری ذمہ داریاں عقد

استصناع کے ذریعہ بیچنے والے مالیاتی ادارہ کی ہو، تو اس صورت کو بہت سے معاصر فقہاء جائز قرار دیتے ہیں، ان کے دلائل یہ ہیں :

۱ — دونوں مستقل عقد ہیں، اور عقد کو پورا کرنے کا اللہ تعالی نے حکم دیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے : ”یاآیھا الذین اٰمنوا أوفوا بالعقود“ (المائدہ : ۱) (اے ایمان والو! اپنے عہد و پیمان پورے کرو)، اور دوسری جگہ ارشاد ہے ”بلی من أوفی بعھدہ واتقی فإن اللہ یحب المتقین“ (آل عمران : ۷۶) (ہاں جو اپنے عہد کو پورا کریں گے، اور اللہ سے ڈریں گے، تو بے شک اللہ اپنے سے ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)، اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا : ”المسلمون علی شروطھم ما وافق الحق منھا“ (المنتقی لابن الجارود حدیث نمبر : ۶۳۷، سنن ابی داؤد حدیث نمبر : ۳۵۹۴، اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے) (مسلمان اپنی ان شرطوں کے پابند ہیں جو حق کے مطابق ہوں)۔

۲ — دونوں عقد استصناع مربوط نہ ہونے کی وجہ سے ایک عقد بیع میں دو بیع کرنے کی ممانعت میں داخل نہیں۔

۳ — استصناع متوازی مربوط نہ ہونے کی وجہ سے سودی قرض کا ذریعہ بھی نہیں ہے۔

۴ — استصناع موازی میں چونکہ سامان کی خرید و فروخت ہے، لہذا یہ قرض کی دستاویزات کی تکثیر کا ذریعہ بھی نہیں ہے۔

میرے نزدیک استصناع متوازی کی یہ صورت بھی درست نہیں ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں :

(۱) استصناع متوازی غیر مربوط میں اگر بظاہر ایک عقد دوسرے عقد کے ساتھ مشروط نہیں ہوتا ہے، بلکہ دونوں عقد الگ الگ ہوتے ہیں، لیکن وہ اسلامی معیشت کی روح اور مقصد کے برخلاف ہے، کیونکہ اسلامی اقتصاد کی بنیاد حقیقی اشیاء اور خدمات (Real Goods and Services) کی پیداوار کے ذریعہ نفع کمانے پر ہے، جبکہ مالیاتی ادارہ کا مقصد استصناع کے ذریعہ تمویل کر کے زائد رقم حاصل کرنا ہے، اصل مقصد آرڈر پر سامان تیار کرا کے فروخت کرنا نہیں، بلکہ قرض دے کر زائد رقم حاصل کرنا ہے، اس لئے کہ مالیاتی ادارہ کا مقصد تجارت کرنا نہیں ہے۔ بلکہ ادھار رقم پر زائد رقم حاصل کرنا ہے، جو کہ سود ہے اور سنگین جرم ہے، اللہ تعالی نے سود خور کو اعلان جنگ دیا ہے، اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے : ”درھم ربا یأکلہ الرجل، وھو یعلم، أشد من ستة وثلاثین زنیة“ (مسند بزار حدیث نمبر : ۳۳۸۱، مسند احمد ۲۱۹۵۷، اور اس کے مرفوع ہونے میں کلام ہے، اور کعب الاحبار کے قول کی حیثیت سے اس کی تصحیح کی گئی ہے) (سود کا ایک درہم جسے جانتے بوجھتے کوئی کھائے، وہ چھتیس زنا سے زیادہ سنگین ہے)۔

(۲) عقد استصناع صوری ہے نہ کہ حقیقی، اس لئے کہ مالیاتی ادارہ کا مقصد سامان تیار کرا کے فروخت کرنا نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد دیئے ہوئے قرض پر محض زائد رقم حاصل کرنا ہے۔

(۳) لفظ میں اگرچہ دونوں مربوط نہ ہوں، لیکن فریقین کے ذہن میں یہی ہوتا ہے۔

(۴) دونوں عقد کا عدم ربط محض فرضی ہے، حقیقت میں دونوں مربوط ہیں، کیونکہ مالیاتی ادارہ کا مقصد تجارتی سرگرمی کے ذریعہ مال کمانا نہیں ہے۔

(۵) فریقین کے ذہن میں ربط موجود رہتا ہے، چنانچہ بینک یا مالیاتی ادارہ استصناع کے ذریعہ اسی وقت مال تیار کراتے ہیں، جبکہ گاہک نے استصناع کے ذریعہ مال تیار کرانے کا اس سے معاہدہ کیا ہو، تجارت کے لئے سامان تیار کرانا اس کی سرگرمیوں میں شروع سے داخل نہیں۔

(٦) مالیاتی ادارہ بحیثیت صانع میعادی ثمن کے بدلہ کسی گاہک کے ساتھ عقد استصناع کرتا ہے، پھر کسی کاریگر سے یا کسی ٹھیکہ دار سے بعینہ وہی سامان خریدنے کا استصناع کرتا ہے، تو گویا اسے جو زائد رقم حاصل ہوتی ہے، وہ میعاد کے بدلہ ہے، حقیقی محنت کے بدلہ نہیں ہے، کیونکہ مارکٹ ریٹ سے زائد پر نقد استصناع کا معاملہ کوئی گاہک اس کے ساتھ نہیں کرے گا۔

(۷) عام طور پر اسلامی مالیاتی ادارے شرطوں کی پابندی نہیں کرتے ہیں، بلکہ خریدار کو ہی ایجنٹ بنادیتے ہیں کہ وہ فلاں کمپنی سے فلاں تاریخ کو اپنے بیان کردہ اوصاف کے تحقق کا یقین کرکے تیار کردہ سامان پر قبضہ کرلے، اس لئے استصناع متوازی کے جواز کا دروازہ کھولنا قرض پر مبنی سندات اور تمسکات کی مقدار کو بڑھائے گا، اور مالیاتی ادارے شرطوں کو نظر انداز کرکے جواز کا فائدہ اٹھائیں گے، اور اپنی گڑبڑی کو علماء کے دامن میں چھپائیں گے۔

البتہ اگر کوئی مالیاتی ادارہ شروع سے تجارتی کاروبار کرتا ہے، اور نقد و ادھار ہر طرح کی تجارت اس کا معمول ہے، تو اگر اس طرح کا مالیاتی ادارہ استصناع متوازی غیر مربوط کرے، اور شرائط کی پابندی کرے، تو اس کے لئے جواز کی گنجائش ہے۔

٦— دیون میں کسی طرح کا تاوان درست نہیں ہے، لہذا ثمن کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں کسی طرح کا تاوان مقرر کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ دین کی ادائیگی میں تاخیر پر دین کی رقم میں اضافہ کرنا سود ہے، خلاصہ یہ کہ ہر وہ تاوان جو مدین پر مقرر کیا جائے وہ سود ہے۔

البتہ ایسے مالی عقود میں جو دیون سے خالی ہوں، جیسے ٹھیکہ، سلائی اور استصناع وغیرہ، ان میں بدلہ کی فراہمی کی شرط لگائی جاسکتی ہے، اور تاوان مقرر کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''لا ضرر ولا ضرار'' (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۲۳۴۱، مسند احمد حدیث نمبر: ۲۸۶۵، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (نہ خود نقصان اٹھانا ہے اور نہ ہی دوسروں کو ضرر پہنچانا ہے)، اور علامہ محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے غلہ بیچا اور خریدار نے اس سے کہا: ''إن لم آتک الأربعاء، فليس بيني و بينک بيع، فلم يجيئ، فقال شريح للمشتري: أنت أخلفت، فقضى عليه'' (صحیح البخاری ۳/۱۹۸) (اگر میں تیرے پاس بدھ کے دن نہیں آیا تو میرے اور تمہارے درمیان بیع نہیں، تو وہ اس دن نہیں آیا، چنانچہ قاضی شریح نے خریدار سے کہا کہ تو نے وعدہ خلافی کی، اور اس کے خلاف فیصلہ سنایا)۔ اور علامہ عینی اس کی شرح میں رقم طراز ہیں: ''وهذا الشرط جائز أيضاً عند شريح؛ لأنه قال للمشتري عند التحاكم إليه: أنت أخلفت الميعاد، فقضى عليه برفع البيع، وهذا أيضا مذهب أبي حنيفة وأحمد وإسحاق'' (عمدۃ القاری ۹/ ۶۵۴—۶۵۵) اور یہ شرط بھی شریح کے نزدیک جائز ہے، اس لئے کہ انہوں نے معاملہ کی پیشی کے وقت خریدار سے کہا کہ تو نے وعدہ خلافی کی، اور امام محمد بن سیرین سے یہی مروی ہے، ''قال رجل لكريه: أرحل ركابک، فإن لم أرحل معک يوم كذا و كذا، فلک مائة درهم، فلم يخرج، فقال شريح: "من شرط على نفسه طائعاً غير مكره، فهو عليه'' (صحیح البخاری ۳/۱۹۸) (ایک شخص نے کرایہ پر جانور دینے والے سے کہا کہ اپنے اونٹ پر کجاوہ کس دو، اگر میں تمہارے ساتھ فلاں دن نہیں نکلا، تو تمہارے لئے سو درہم ہے، لیکن وہ شخص نہیں نکلا، چنانچہ شریح نے فیصلہ کیا کہ جو شخص اپنے اوپر رضا و رغبت اور بے جبر کے کوئی شرط عائد کرلے، تو وہ شرط اس کے ذمہ لازم ہے)، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وأوفوا بالعهد، إن العهد كان مسئولاً'' (الاسراء: ۳۴) (اور عہد کو پورا کرو، کیونکہ عہد کی پرسش ہونی ہے)، اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ينصب لكل غادر لواء يوم القيامة'' (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۳۱۸۸، ۷۱۱۱، صحیح مسلم ۱۷۳۵) (قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لئے جھنڈا

گا (جائے گا)، اور علامہ سرخسیؒ رقمطراز ہیں: "وإن كان شرطاً لا يقتضيه العقد، وفيه عرف ظاهر، فذلك جائز أيضاً، كما لو اشترى نعلاً وشراكاً بشرط أن يحذوه البائع، لأن الثابت بالعرف ثابت بدليل شرعي، ولأن في النزوع عن العادة الظاهرة حرجاً بيناً" (المبسوط، کتاب البیوع، باب البیوع إذا كان فيها شرط، ۱۳/۱۴) (اور اگر ایسی شرط ہو جس کا عقد تقاضا نہ کرے، لیکن اس سلسلہ میں رائج عرف ہو، تو ایسی شرط بھی جائز ہے، جیسے چمڑا اور تسمہ خریدے، اس شرط کے ساتھ کہ بیچنے والا جوتے کو کسی نمونہ پر کاٹ دے، اس لئے کہ عرف کے ذریعہ ثابت ہونے والی چیز شرعی دلیل سے ثابت ہونے والی چیز کی طرح ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ واضح عادت کو ترک کرنے میں کھلا ہوا حرج ہے)۔

لہذا اگر صانع (بائع) آرڈر کے مطابق مال تیار کردے، لیکن خریدار اس کو لینے سے مکر جائے، تو بائع نے اگر یہ شرط لگائی تھی کہ آرڈر کے مطابق مال تیار کردینے کی صورت میں اگر تم لینے سے مکر گئے، تو میں بیعانہ کی رقم سے نقصان کی تلافی کروں گا، تو اس حالت میں فروخت کنندہ کاریگر نقصان کے بقدر بیعانہ کی رقم سے لے سکتا ہے، لیکن زائد رقم اسے لوٹانی ہوگی۔

جہاں تک اس حدیث کی بات ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ "نهى النبي ﷺ عن بيع العربان" (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر ۳۵۰۲، ابن ماجہ حدیث نمبر ۲۱۹۲، مسند احمد ۶۷۲۳، اور اس کی سند میں کلام ہے) (نبی کریم ﷺ نے بیعانہ کی بیع سے منع فرمایا) تو اس کا تعلق عام بیع سے ہے جس میں نہ لینے سے بائع کا کوئی خاص نقصان نہیں ہوتا ہے، لہذا ایسی صورت میں بائع کا بیعانہ کی رقم ضبط کرلینا بلا عوض ہے، جو درست نہیں ہے۔ ابن قدامہؒ تحریر کرتے ہیں: "والعربون في البيع هو أن يشتري السلعة فيدفع إلى البائع درهماً أو غيره، على أنه إن أخذ السلعة، احتسب به من الثمن، وإن لم يأخذها فذلك للبائع، قال أحمد: لا بأس به، وفعله عمر ﷺ، وعن ابن عمر ﷺ أنه أجازه، وقال ابن سيرين: لا بأس به، وقال سعيد بن المسيب وابن سيرين: لا بأس إذا كره السلعة أن يردها، ويرد معها شيئاً، وقال أحمد: هذا في معناه، واختار أبو الخطاب أنه لا يصح، وهو قول مالك والشافعي وأصحاب الرأي، يروى ذلك عن ابن عباس والحسن، لأن النبي ﷺ: نهى عن بيع العربون" (رواه ابن ماجہ)، ولأنه شرط للبائع شيئاً بغير عوض، فلم يصح، وإنما صار أحمد فيه إلى ما روي فيه عن نافع بن عبد الحارث أنه اشترى لعمر دار السجن من صفوان بن أمية، فإن رضي عمر، وإلا فله كذا وكذا، قال الأثرم: قلت لأحمد: تذهب إليه؟ قال: أي شيئ أقل؟ هذا عمر ﷺ وضعف الحديث المروي" (المغنی کتاب البیوع، فصل فی بیع العربون ۴/۱۷۵) (بیع کے اندر بیعانہ کی صورت یہ ہے کہ سامان خریدے، اور فروخت کنندہ کو ایک دو درہم حوالہ کرے، اس شرط کے ساتھ کہ اگر اس نے سامان لے لیا، تو وہ اسے ثمن میں سے شمار کرلے، اور اگر خریدار نے سامان نہیں لیا، تو وہ بائع کا ہے... امام احمد نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور حضرت عمرؓ نے ایسا کیا ہے، اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس کی اجازت دی ہے، اور ابن سیرین کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور سعید بن المسیب اور ابن سیرین کہتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں، اور اگر سامان ناپسند ہو تو اسے لوٹادے اور اس کے ساتھ کچھ دے دے، اور امام احمد کہتے ہیں کہ یہ بیعانہ بھی اسی کے مفہوم میں ہے، اور ابو الخطاب حنبلی نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ بیعانہ سوخت کرنا صحیح نہیں ہے، اور یہی مالک، شافعی، اور حنفیہ کا قول ہے، اور یہی ابن عباس اور حسن بصری سے منقول ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے بیعانہ کی فروخت سے منع فرمایا ہے، اس کی روایت ابن ماجہ نے کی ہے، اور اس لئے کہ اس نے بلا عوض فروخت کنندہ کے لئے کچھ مشروط قرار دیا ہے، لہذا یہ درست نہیں ہے اور امام احمد نے اس روایت پر عمل کیا ہے جو نافع بن عبد الحارث سے

مروی ہے کہ انہوں نے صفوان بن امیہ سے حضرت عمرؓ کے لئے قید خانہ خریدا، کہ اگر حضرت عمرؓ راضی ہو گئے تو بہتر ہے ورنہ اتنا مال آپ کو ملے گا، اثرم کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے پوچھا، کیا آپ اس پر عمل کریں گے؟ تو انہوں نے جواب دیا: میں کونسا قول اختیار کروں گا؟ یہ حضرت عمرؓ ہیں، اور انہوں نے روایت کردہ حدیث کو ضعیف قرار دیا)۔ اس حالت میں بہتر یہ ہے کہ آرڈر کے مطابق تیار مال کو لینے پر خریدار کو مجبور کیا جائے، جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کا مسلک ہے، اور مجلۃ الاحکام العدلیہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، چنانچہ دفعہ (۳۹۲) میں ہے: ''إذا انعقد الاستصناع فليس لأحد العاقدين الرجوع، وإذا لم يكن المصنوع على الأوصاف المطلوبة المبينة كان المستصنع مخيراً'' (مجلۃ الاحکام ص: ۷۶) (جب استصناع منعقد ہو جائے تو عاقدین میں سے کسی کو رجوع کا حق نہیں، اور اگر سامان بیان کردہ مطلوبہ اوصاف کے مطابق نہ ہو، تو آرڈر دے کر تیار کرانے والے کو اختیار ہوگا)۔

موجودہ حالت میں امام ابو یوسفؒ کے قول کو اختیار کرنا مناسب ہے، کیونکہ بڑی بڑی قیمتوں والی چیزوں میں استصناع کا رواج ہو گیا ہے، اور ضروری نہیں کہ اس ڈیزائن یا معیار کی چیز مارکیٹ میں دوسرے لوگوں کو بھی مطلوب ہو، لہذا صانع (بائع) سے ضرر شدید کو دور کرنے کی خاطر عقد لازم ہوگا۔

۷۔ اگر کسی چیز کا آرڈر دیا جائے اور مصنوع (تیار کئے جانے والے سامان) کے لئے مطلوب میٹریل خود خریدار فراہم کرے، تو یہ ''اجارہ'' ہے، اور اگر آرڈر کے مطابق سامان نہ تیار کیا جائے، تو مستاجر (کرایہ پر کام کرنے والے) کو رد کرنے کا اختیار ہے، اور تیار کردہ سامان اجیر (کرایہ پر کام کرنے والے) کا ہوگا، اور اسے دیئے گئے میٹریل کے بقدر واپس کرنا ہوگا، اور اگر مستاجر اس ناقص سامان کو لینے پر راضی ہو جائے، تو اسے اجرت مثل دینی پڑے گی: علامہ سرخسیؒ رقمطراز ہیں: ''إذا أسلم حديداً إلى حداد ليصنعه إناء مسمى بأجر مسمى، فإنه جائز، ولا خيار له فيه إذا كان مثل ما سمى؛ ولأن الحداد هنا يلتزم العمل بالعقد في ذمته، ولا يثبت خيار الرؤية فيما يكون محله الذمة كالمسلم فيه وإن أفسده الحداد، فله أن يضمنه حديداً مثل حديده، ويصير الإناء للعامل، وإن شاء رضي به، وأعطاه الأجر؛ لأن العامل مخالف له من وجه، حيث أفسد عمله، وموافق من وجه، وهو إقامة أصل العمل، فإن شاء مال إلى جهة الخلاف'' (المبسوط، کتاب الاجارات، باب کل الرجل یستصنع الشیئ ۱۵/ ۸۵) (اگر لوہار کو لوہا حوالہ کرے، تاکہ وہ متعین اجرت کے بدلہ متعین برتن بنا دے، تو یہ جائز ہے، اور اگر وہ بیان کردہ وصف کے مطابق ہو تو اسے کوئی اختیار نہ ہوگا، اس لئے کہ اختیار ملنا عقد کو ختم کرنے کے لئے ہے، تاکہ اس کا سرمایہ اسے لوٹ جائے اور اس کا نقصان دور ہو جائے، اور یہ سبب اس جگہ موجود نہیں ہے۔ کیونکہ لوہے کے ساتھ لوہار کی کاریگری متصل ہونے کے بعد اس کے بارے میں منعقد عقد فسخ کرنے کی کوئی وجہ نہیں، اور اس لئے کہ اس جگہ لوہار اپنے ذمہ میں ثابت عقد کی وجہ سے کام کی پابندی کر رہا ہے اور جس چیز کا محل ذمہ ہو، اس کے اندر خیار رؤیت ثابت نہیں ہوتا ہے، جیسے عقد سلم کے مبیع میں خیار رؤیت ثابت نہیں ہوتا، اور اگر لوہار اس لوہے کو بگاڑ دے، تو اسے حق ہے کہ اسے اس لوہے کی مانند لوہے کا ضامن قرار دے، اور برتن کاریگر کا ہو جائے گا، اور اگر چاہے تو مستاجر اس پر راضی ہو جائے اور اسے اجرت دے دے، اس لئے کہ کاریگر ایک پہلو سے اس کی مخالفت کرنے والا ہے، کیونکہ اس نے اس کے کام کو بگاڑ دیا ہے، اور ایک پہلو سے موافقت کرنے والا ہے، اور وہ پہلو اصل کام کو انجام دینا ہے، سو اگر چاہے تو مستاجر اختلاف کے پہلو کی طرف مائل ہو)۔

البتہ اگر اس نے عقد کے وقت یہ شرط عائد کر دی تھی کہ آرڈر کے مطابق اگر سامان تیار نہ ہوا، تو اتنا جرمانہ دینا ہوگا، تو وہ جرمانہ وصول کر سکتا ہے، کیونکہ مستاجر صانع (کاریگر) کی وجہ سے نقصان میں پڑا، لہذا اس نقصان کی بھرپائی صانع (کاریگر) کو کرنی ہوگی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یاأیھا الذین آمنوا أوفوا بالعقود" (المائدہ: ۱) (اے ایمان والو، عہد و پیمان کو پورا کرو)۔

اگرچہ احناف کے نزدیک مالی تعزیر نہیں ہے، جیسا کہ علامہ ابن نجیمؒ نے تحریر کیا ہے:

"والحاصل أن المذھب عدم التعزیر بأخذ المال" (البحر الرائق، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر ۵/۴۴) (حاصل یہ کہ مذہب حنفی مال کے ذریعہ تعزیر نہ کرنا ہے)۔

لیکن اس جگہ جرمانہ وصول کرنا شرعی سبب کی وجہ سے ہے، اور وہ یہ ہے کہ صانع (کاریگر) کا عمل مستاجر (کرایہ پر کام کرنے والے) کے نقصان کا سبب بنا۔

۸- عقد استصناع میں یہ شرط لگائی جا سکتی ہے کہ مبیع کی حوالگی کی مقررہ تاریخ پر بائع (فروخت کنندہ) نے اگر سامان فراہم نہیں کیا، تو اسے تاوان دینا ہوگا، کیونکہ اس شرط میں مصلحت عقد شامل ہے، اور تاوان کا تعلق ذمہ میں موصوف ایسے مبیع سے ہے، جس کے بارے میں عمل مشروط ہے، اور وہ ذمہ میں دین نہیں ہے، جیسا کہ علامہ کاسانیؒ نے لکھا ہے:

"إذ لا دین فی الاستصناع" (البدائع ۵/۳) (کیونکہ استصناع میں کوئی دین نہیں ہے) اور سود اس وقت لازم آتا ہے جبکہ دین کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں تاوان مقرر کیا جائے اور جس شرط کا رواج ہو جائے وہ احناف کے نزدیک درست ہے۔

علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں: "کذلک إن کان مما لا یقتضیه العقد ولا یلائم العقد أیضاً، لکن للناس فیه تعامل، فالبیع جائز، کما إذا اشتری نعلاً علی أن یحذوه البائع أو جراباً علی أن یخرز له خفاً، أو ینعل خفه، لأن الناس تعاملوا هذا الشرط فی البیع، کما تعاملوا الاستصناع، فسقط القیاس بتعامل الناس، کما سقط فی الاستصناع" (بدائع الصنائع، کتاب البیوع، فصل فی شرائط الصحۃ فی البیوع ج ۵، ۱۷۲) (ایسی ہی اگر وہ شرط ایسی ہو جس کا عقد تقاضا نہ کرے اور عقد کے مناسب بھی نہ ہو، لیکن اس شرط کے سلسلہ میں لوگوں کے اندر تعامل اور رواج ہو تو بیع جائز ہے، جیسے چمڑا خریدے اس شرط کے ساتھ کہ فروخت کنندہ اس کو جوتا بنا دے، یا چمڑا خریدے، بشرطیکہ فروخت کنندہ اس کے لئے چرمی موزہ تیار کر دے، یا اس کے موزہ میں تلا لگا دے... اس لئے کہ بیع کے اندر اس شرط کے لگانے کا لوگوں کے درمیان تعامل جاری ہے، جیسے ان کے اندر استصناع کا تعامل ہے، لہذا لوگوں کے تعامل کی وجہ سے قیاس ساقط ہو گیا، جس طرح استصناع میں قیاس ساقط ہو گیا ہے)۔

اور استاذ مصطفی زرقاؒ رقمطراز ہیں:

"ولا یعوض هذا الضرر القضاء علی الملتزم بتنفیذ التزامه الأصلی، لأن هذا القضاء إنما یضمن أصل الحق لصاحبه، ولیس فیه جبر لضرر التعطیل أو الخسارۃ، ذلک الضرر الذی یلحقه من جراء تأخر خصمه عن وفاء الالتزام فی حینه تهاوناً منه وامتناعاً، وهذا قد ضاعف احتیاج الناس إلی أن یشترطوا فی عقودهم ضمانات مالیۃ علی الطرف الذی یتأخر عن تنفیذ التزامه فی حینه، ومثل هذا الشرط یسمی فی اصطلاح الفقه الأجنبی: الشرط الجزائی" (المدخل الفقہی العام ۱/۷۱۴، دفعہ ۳۸۲)

(اوراس ضرر کی تلافی اس فیصلہ سے نہیں ہوسکتی ہے کہ معاملہ کا پابند شخص اپنی اصلی ذمہ داری ادا کرے، اس لئے کہ یہ فیصلہ حقدار کے اصل حق کا ضامن ہے، اوراس کے اندر معطل کرنے یا نقصان کے ضرر کی کوئی تلافی نہیں، وہ ضرر جواسے بروقت اپنے فریق کی سستی یا بازر ہنے کی وجہ سے قرض کی ادائیگی میں تاخیر کے سبب لاحق ہوگا، اوراس صورت حال نے لوگوں کی ضرورت کو دوچند کردیا کہ وہ اپنے عقد کے اندر بروقت اپنے قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرنے والے فریق پر مالی تاوان کی شرط لگائیں، اوراس طرح کی شرط کو غیر اسلامی فقہ میں ''شرط جزائی'' (عوض کی فراہمی کی شرط) سے موسوم کیا جاتا ہے)۔

چونکہ مقررہ وقت پر مبیع کی حوالگی نہ ہونے سے دوسرے فریق کا زبردست نقصان ہوسکتا ہے، دام میں گراوٹ آسکتی ہے، کاروبار معطل ہوسکتا ہے، عملہ اور ملازمین بے کار بیٹھے رہ سکتے ہیں، لہذا مجبوری کی حالات اور ناگہانی آفات کو چھوڑ کر عام حالات میں اگر بائع مقررہ وقت پر مبیع تیار کر کے حوالہ نہ کرے، تو اس سے مناسب تاوان لینے میں شرعی اعتبار سے کوئی قباحت نہیں ہے، کیونکہ اس سے عقد کے تقاضے میں کوئی خلل نہیں پڑا، اور وہ حق کی توثیق واستحکام اوراس کے سلسلہ میں اعتماد واطمینان کا ذریعہ بنا۔

عقد استصناع — تحقیق و تطبیق

مولانا اختر امام عادل قاسمی ☆

استصناع مالی معاملات کی ایک اہم صورت ہے، جو اپنی ابتدائی شکل میں عہد نبوت ہی میں وجود پذیر ہو چکا تھا (دیکھئے انگوٹھی بنوانے والی روایت، صحیح بخاری باب من جعل لبس الخاتم ۵/۲۲۰۵ حدیث نمبر ۵۵۳۸ ط دار ابن کثیر الیمامہ بیروت ۱۹۸۷ء، اسی طرح آرڈر پر منبر بنوانے والی روایت، صحیح بخاری باب النجار ۷/۴۰۲ حدیث نمبر ۱۹۵۲)۔

بلکہ بعض علماء نے اس کی جڑیں عہد نبوت سے بھی بہت قبل عہد سکندری میں تلاش کی ہیں، قرآن کریم میں سد سکندری کی تعمیر کا ذکر ہے اس موقعہ پر :

"قالوا یا ذا القرنین إن یاجوج و ماجوج مفسدون في الارض فهل نجعل لک خرجاً علیٰ أن تجعل بیننا و بینهم سداً"

(سورۃ الکہف: ۹۴) لوگوں نے سکندر ذو القرنین سے ایک ایسی دیوار بنوانے کا مطالبہ کیا، جو ان کو یاجوج اور ماجوج سے تحفظ فراہم کر سکے، اور اس کے مصارف و اخراجات وہ خود ادا کریں۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے "خرجاً" کی تفسیر "اجراً عظیماً" سے کی ہے، یعنی بڑی مالیت (الدر المنثور فی التاویل بالماثور ۴۰/۶، تفسیر ابن ابی حاتمؒ (م ۳۲۷ھ) ۹/۲۳۶، تفسیر ابن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ) ۵/۱۹۶ ط دار طیبہ للنشر والتوزیع ۱۹۹۹ء)۔

ذو القرنین کا انکار اس کے عدم جواز کی بنا پر نہیں تھا بلکہ اس سے بہتر صورت ان کے ذہن میں تھی، اور وہ لوگوں کے مال کے بجائے ان کی جسمانی اور فنی صلاحیتوں کے خواستگار تھے۔

البتہ اس کا فروغ بعد کے ادوار میں ہوا، استصناع کی متعدد شکلیں وجود میں آئیں اور اس نے معاملہ کی ایسی مستقل صورت اختیار کر لی جس کو بیع وشراء کی بعض اصولی باتوں کے فقدان کے باوجود ہر زمان و مکان میں قبولیت حاصل ہوئی، ہر زمانہ کے علماء و فقہاء نے اس پر اظہار خیال کیا، اہل صنعت اور اہل ثروت نے ذریعۂ تمویل کے طور پر اس کو اختیار کیا، اور اس طرح یہ طریقۂ تجارت پوری عالمی منڈی پر چھا گیا۔

تطبیق کی ضرورت :

غرض مسئلہ جدید نہیں ہے، اور نہ اس پر الگ سے کسی نئی رائے کی ضرورت ہے، مسئلہ کی تمام بنیادی شقوں پر فقہاء متقدمین کی آراء موجود ہیں۔ آج مسئلہ کی تحقیق کی نہیں بلکہ موجودہ حالات میں اس کی تطبیق کی ضرورت ہے، مثلاً ہماری قدیم کتابوں میں جو مثالیں ذکر کی گئی ہیں، وہ بہت معمولی صورتیں ہیں، نیز زیادہ تر ان کا تعلق اموال منقولہ سے ہے، وغیرہ، جبکہ آج عالمی پیمانہ پر اس کو اختیار کیا جا رہا ہے، اور اس کا دائرہ

☆ مہتمم جامعہ ربانی منوروا شریف سمستی پور بہار۔

منقولات تک محدود نہیں ہے، بلکہ وسیع بنیادوں پر اس طریقۂ تجارت کو استعمال کیا جا رہا ہے، اور اسی لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا استصناع کا موجودہ معیار اصولی طور پر معروف شرعی استصناع سے ہم آہنگ ہے؟ اور کیا استصناع کے دائرہ کو اس حد تک عام کیا جا سکتا ہے؟

یہ سوال اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ عقد استصناع کی اجازت شریعت کے عام ضابطۂ تجارت سے الگ طور پر دی گئی ہے، ورنہ عام ضابطہ کے مطابق اس کی اجازت نہیں ہونی چاہئے لیکن ضرورت وعرف کی بنا پر استحساناً اس کی اجازت دی گئی ہے، تو کیا اس اجازت کو اسی مورد تک محدود رکھا جائے گا جس میں اس کی اجازت دی گئی تھی یا اس میں تعدیہ کی گنجائش ہے؟

اسی طرح کئی مسائل میں فقہاء کے درمیان پہلے سے اختلاف موجود ہے، ان مختلف فیہ صورتوں میں آج کس قول کو اختیار کرنا زیادہ مناسب ہوگا؟ پہلے جن اقوال پر فتویٰ دیا گیا، آج کے حالات میں اگر حرج اور تنگی کا احساس ہوتا ہے تو کیا ان سے عدول کی گنجائش ہے؟

استصناع کا تصور:

فقہاء کے یہاں استصناع کا جو تصور ملتا ہے اور جن حالات کے تناظر میں فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، اس کو پیش نظر رکھا جائے تو موجودہ حالات میں اس کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔

استصناع کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ کوئی فرد یا ادارہ کسی صنعتی فرد یا ادارہ کو مقررہ نمونہ کے مطابق قیمت کی تعیین کے ساتھ سامان کی فراہمی کا آرڈر دے، جس میں خام مواد اور میٹیریل صنعتکار کے ذمہ ہو اور صنعتکار اسے قبول کر لے (بدائع الصنائع للکاسانی (م ۵۸۷ھ) باب الاستصناع ۵/ ۲ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان ۱۹۸۶، العنایۃ شرح الہدایۃ للبابرتی (م ۷۸۶ھ) باب السلم فی الجواہر ۹/ ۴۵۹، رد المحتار لابن عابدین ۴/ ۲۱۲، درر الحکام شرح غرر الاحکام ۱/ ۵۸۳، مادۃ ۳۸۸ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت، المحیط البرہانی لبرہان الدین مازہ الفصل الثالث والثلاثون فی الاستصناع ۸/ ۳۴۰ ط دار احیاء التراث العربی، مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر لشیخی زادہ (م ۱۰۷۸ھ) ۳/ ۴۹ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۸ء)۔

یہ استصناع کا عمومی مفہوم ہے جس کے جواز پر تقریباً تمام فقہاء کا اتفاق ہے لیکن اس کی تفصیل میں تھوڑا اختلاف ہے۔

استصناع دیگر فقہاء کے نزدیک:

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے اس کو عقد سلم کا حصہ قرار دیا ہے، اسی لئے ان کے نزدیک درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

☆ اس میں وہ تمام شرائط ضروری ہیں جو عقد سلم کی صحت کے لئے معروف ہیں، چنانچہ ان کے نزدیک پیشگی قیمت کی ادائیگی مجلس عقد ہی میں ضروری ہے، ورنہ یہ بیع الدین بالدین یا بیع الکالی بالکالی ہو جائے گی جو شرعاً ممنوع ہے، البتہ مالکیہ نے ایک سے دو دن تک مشروط یا غیر مشروط طور پر تاخیر کی اجازت دی ہے۔

☆ اسی طرح معاملہ ہو جانے کے بعد عقد لازم ہو جائے گا، اور کسی فریق کے لئے باہمی رضامندی کے بغیر اس سے منحرف ہونے کی گنجائش نہ ہوگی۔

☆ مطلوبہ سامان کی ادائیگی کے لئے وقت کا تعین بھی ضروری ہے، اور یہ بھی کہ معاملہ طویل مدتی نہ ہو، ورنہ معاملہ فاسد ہو جائے گا۔

☆ اسی طرح یہ حضرات معاملہ میں نہ صانع کی تعیین کی اجازت دیتے ہیں اور نہ مصنوع کی، بلکہ اس لحاظ سے معاملہ کو مبہم رکھنا ضروری سمجھتے ہیں، ورنہ معاملہ فسخ ہو جائے گا۔ اگر بائع مطلوبہ سامان مقررہ شرائط کے مطابق فراہم کر دے تو اس کو قبول کرنا لازم ہوگا خواہ وہ اس

کی اپنی مصنوعات سے ہو یا کسی دوسرے کی۔

☆ مالکیہ خام مواد کی تحدید و تعیین کو بھی درست نہیں کہتے، بلکہ زیادہ سے زیادہ تعیین جنس کی اجازت دیتے ہیں (دیکھئے المدونۃ الکبری للامام مالک ۳/۶۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، حاشیۃ الدسوقی (م ۱۲۳۰ھ) علی الشرح الکبیر ۳/۲۱۳ دار الفکر بیروت، الشرح الکبیر للدردیر المالکی (م ۱۲۰۱ھ) ۳/۲۱۷، بلغۃ السالک لاقرب المسالک للصاوی باب السلم وشروط ۳/۱۸۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۵، کتاب الام للشافعی باب السلف ۳/۱۳۱ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۳ھ، الفروع لابن مفلح الحنبلی (م ۷۶۳ھ) ۴/۲۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ ۲۰۰۳، کشاف القناع للبہوتی الحنبلی (م ۱۰۵۱ھ) فصل الشرط السادس ۳/۲۹۵ دار الفکر بیروت ۱۴۰۲ھ)۔

یہ تمام حدود و قیود صرف اسی بنا پر ہیں کہ ان کے نزدیک عقد استصناع کوئی مستقل عقد نہیں ہے بلکہ بیع سلم ہی کا ایک جزو ہے، اس لئے اس میں ان تمام شرطوں کی رعایت ضروری ہے جو صحت سلم کے لئے معروف ہیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اگر یہ واقعی عقد سلم ہی ہے تو اس کے لئے الگ نام اور اصطلاحات کی ضرورت نہ تھی، کتب فقہیہ میں بھی اور تجار کے عرف میں بھی اس کے لئے بائع و مشتری یا اجیر و مستاجر یا اجرت و ثمن وغیرہ کی اصطلاحات استعمال نہیں ہوتیں بلکہ استصناع، صانع، مستصنع اور بدل وغیرہ کی جداگانہ اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں، نام کا فرق حقیقت کے فرق پر غماز ہے۔

استصناع حنفیہ کے نزدیک :

حنفیہ کے یہاں اس سلسلے میں کئی نظریات پائے جاتے ہیں، مثلاً :

وعدۂ بیع :

(۱) ایک رائے یہ ہے کہ استصناع عقد نہیں بلکہ محض وعدۂ عقد ہے، اور اس خیال کی بنیاد فقہاء کا وہ عام تصور ہے کہ یہ عقد طرفین میں سے کسی کے لئے لازم نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ عقد کا وجود نہیں ہوا بلکہ صرف وعدۂ عقد ہے، البتہ وعدہ کے مطابق اگر صنعتکار سامان فراہم کردے اور خریدار اسے قبول کرلے تو یہ بیع بالتعاطی کے طور پر درست ہوگا، یہ رائے حاکم شہید، صفارؒ، محمد بن سلمہؒ، اور صاحب المنثور وغیرہ کی ہے، یہ دراصل امام ابوحنیفہؒ ہی سے ایک روایت ہے جس کو امام حسن بن زیادؒ نے نقل کیا ہے (المبسوط للسرخسی ۱۲/۲۴۴ دار الفکر للطباعۃ بیروت لبنان ۲۰۰۰، المحیط البرہانی الفصل الخامس والعشرون — الیمین ۸/۲۰۸، فتح القدیر لابن الہمامؒ (م ۶۸۱ھ) ۷/۱۱۵ دار الفکر بیروت تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق للزیلعیؒ (م ۷۴۳ھ) ۴/۱۲۳ دار الکتب الاسلامی قاہرۃ ۱۳۱۳ھ وغیرہ)۔

بیع خالص :

(۲) بعض علماء استصناع کو خالصتاً بیع تصور کرتے ہیں جس میں مبیع بائع کے ذمہ واجب ہوتا ہے، وہ اس میں صنعت وعمل کے دخل کو تسلیم نہیں کرتے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر بائع قبل سے یا کسی دوسرے کی تیار کردہ چیز خریدار کے سامنے پیش کرے اور وہ اس کو لینے پر راضی ہوجائے تو ایسا کرنا فقہاء کے نزدیک جائز ہے، اگر عمل معاملہ کا حصہ ہوتا تو یہ بیع جائز نہ ہوتی، لیکن اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ بیع بالتعاطی کے طور پر جائز مانا گیا ہے نہ کہ عقد اول کی بنا پر، عقد اول میں شئی اور عمل دونوں مطلوب ہیں (فتح القدیر لابن الہمامؒ (م ۶۸۱ھ) ۷/۱۱۵ دار الفکر بیروت، بدائع الصنائع للکاسانی (م ۵۸۷ھ) باب الاستصناع ۱۱/۲ وغیرہ)۔

عقد اجارہ :

(۳) جبکہ اس کے بالمقابل شیخ ابو سعید البردعیؒ کا خیال یہ ہے کہ عقد استصناع میں عین مقصود نہیں ہے بلکہ اصلاً عمل مقصود ہے، اور اس کا پتہ خود اس کے نام سے چلتا ہے، مثلاً کوئی استصباغ بولے تو صاف ظاہر ہوگا کہ وہ فنکار سے رنگ کا عمل چاہتا ہے، خود رنگ مقصود نہیں ہے، یعنی گویا ان کے نزدیک استصناع عقد اجارہ ہے، مگر اس صورت میں بڑی مشکلات پیش آئیں گی، علاوہ ازیں اگر یہ واقعتاً عقد اجارہ ہی تھا تو اس کے لئے فقہاء اور اہل تجارت کو الگ سے اصطلاح بنانے کی ضرورت نہ تھی (حوالہ جات بالا)۔

ابتداءً اجارہ انتہاءً بیع :

(۴) بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ ابتداءً اجارہ اور انتہاءً بیع ہے، یعنی سامان حوالہ کرنے سے چند لمحے قبل تک یہ اجارہ رہتا ہے اور حوالہ کرنے کے بعد بیع بن جاتا ہے، رہا یہ کہ پھر اس کو طرفین کے لئے لازم ہونا چاہئے، جبکہ اصل مذہب کے مطابق یہ لازم نہیں ہے، تو اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ چونکہ معاملہ کی تکمیل کے لئے بائع کو اپنی کچھ چیزیں تلف کرنی ہوتی ہیں، مثلاً جوتے تیار کرنا ہے تو چمڑے کو کاٹنا ہوگا وغیرہ، اس عذر کی بنا پر فسخ اجارہ کی گنجائش ہوگی اور صنعتکار کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا (فتح القدیر لابن الہمامؒ (م ۶۸۱ھ) ۷/ ۱۱۶، حاشیۃ ابن عابدین ۵/ ۲۲۴ ط دار الفکر بیروت ۲۰۰۰ء، البحر الرائق لابن نجیمؒ (م ۹۷۰ھ) باب السلم ۶/ ۱۸۶ ط دار المعرفۃ بیروت)۔

بیع بشرط العمل :

(۵) بعض فقہاء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ استصناع اصلاً بیع ہی ہے، لیکن اس میں صنعتکار کی فنی صلاحیت سے استفادہ کرنے کی غرض سے اس کے عمل و محنت کی اضافی شرط لگادی گئی ہے، تاکہ وہ چیز خریدار کو سادہ صورت کے بجائے مطلوبہ صورت میں حاصل ہو سکے، ظاہر ہے کہ عقد بیع میں اس طرح کی شرط زائد لگانا اصل مذہب کی رو سے ناجائز ہے، لیکن عرف و عادت اور تعامل کی بنا پر اس کی اجازت دی گئی ہے، جیسے خریدار کسی دکاندار سے مال خریدے اور اسے گھر تک پہنچوانے کی شرط لگائے (بدائع الصنائع للکاسانیؒ (م ۵۸۷ھ) باب الاستصناع ۱۱/ ۲، المبسوط ۱۵/ ۱۵۵، تحفۃ الفقہاء لعلاء الدین السمرقندیؒ (م ۵۳۹ھ) ۲/ ۳۶۲ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۸۴ء)۔

استصناع ایک عقد مستقل ہے :

لیکن حنفیہ کے یہاں سب سے معتبر رائے جس کو اکثر لوگوں نے قبول کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس کو بیع خالص، عقد سلم اور اجارہ سے جداگانہ ایک عقد مستقل قرار دیا جائے، جو بنیادی طور پر عقد بیع ہونے کے باوجود سلم اور اجارہ کی مشابہتیں اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے، اس لئے اس کو کسی ایک صورت عقد کے احکام کا پابند کرنے کے بجائے ہر ایک کے احکام سے کچھ نہ کچھ حصہ دیا جائے گا، چنانچہ :

☆ اس میں عقد کا تعلق عین اور عمل دونوں سے مساوی طور پر ہوتا ہے، بشرطیکہ دونوں قابل لحاظ مقدار میں مطلوب ہوں۔

علامہ برہان الدین مازہؒ رقمطراز ہیں :

والمعنی فی ذلک ان المستصنع طلب منه العمل و العین جمیعاً فلابد من إعتبارهما جمیعاً (المحیط البرہانی لبرہان الدین مازہ ۷/ ۲۹۹) (اصل وجہ یہ ہے کہ مستصنع نے شیء اور عمل دونوں کا مطالبہ کیا ہے، اس لئے دونوں کا اعتبار کرنا ضروری ہے)۔

اسی سے ملتی جلتی عبارت علامہ زیلعیؒ کی ہے

و المعنی فیه آن المستصنع طلب منه العین و الدین فاعتبر ناهما جمیعا توفیرا علی الآمرین حظهما (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق للزیلعی (م ۷۴۳ھ) بحث السلم والاستصناع ۴/۱۲۴ المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق قاہرۃ ۱۳۱۳ھ)۔

☆ چونکہ اصلاً یہ عقد بیع ہے، اس لئے اس میں ایجاب وقبول اور مبیع وثمن سے متعلق دیگر تفصیلات کا تعین ضروری ہے۔

☆ اس میں شئے اور محنت دونوں لازمی طور پر بائع (صنعتکار) کی جانب سے ہونا چاہئے۔

☆ اس میں مشتری (آرڈر دینے والے) کو خیار رویت حاصل ہوگی، حنفیہ کی مشہور روایت یہی ہے، لیکن امام ابو یوسفؒ کی رائے جس کو المجلۃ اور متأخرین احناف نے اختیار کیا ہے، یہ ہے کہ عقد لازم ہوگا اور خیار رویت حاصل نہیں ہوگی، بشرطیکہ بائع نے مطلوبہ معیار کو پورا کیا ہو، اس لئے کہ بسااوقات اس میں صنعتکار کو اپنے بہت سے خام مواد لگانے پڑتے ہیں اور پھر خریدار اس کو نہ لے تو صانع کا سخت نقصان ہوگا (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۱/۳۵۸ مادۃ ۳۸۸)۔

☆ البتہ اگر سامان مطلوبہ معیار پر نہ ہو تو خریدار کو خیار وصف حاصل ہوگا، اور اگر اس میں کوئی عیب ہو تو خیار عیب بھی حاصل ہوگا، اور وہ سامان لینا اس کے لئے ضروری نہ ہوگا۔

☆ عقد سلم کی مشابہت کی وجہ سے معدوم کو موجود کے درجہ میں رکھ کر معاملہ کی اجازت دی گئی، اور مبیع کو محدد کرنے کے بجائے ذمہ میں لازم کیا گیا۔

☆ مگر یہ خالص عقد سلم بھی نہیں ہے، اسی لئے تعیین وقت کی ضرورت نہیں ہے، امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہی ہے، ان کے نزدیک تعیین وقت سے یہ استصناع عقد سلم میں تبدیل ہو جائے گا، کیونکہ وقت کی تعیین تاخیر ومہلت کے لئے ہوتی ہے، اور اگر مجلس عقد میں قیمت کی ادائیگی نہ ہو تو بیع الکالی بالکالی کی صورت بن جائے گی، جو ممنوع ہے، مگر صاحبین کا خیال یہ ہے کہ جن چیزوں میں استصناع کا رواج ہے ان میں محض تعیین وقت سے استصناع باطل نہ ہوگا، اس لئے کہ تعیین وقت ہمیشہ تاخیر ومہلت ہی کے لئے نہیں ہوتی بلکہ کبھی اس کا مقصد تعجیل بھی ہوتا ہے، لیکن یہ اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ ایک ماہ سے لمبی مدت مقرر کی گئی ہو، ایک ماہ سے کم ہونے کی صورت میں معتبر قول کے مطابق کوئی اختلاف نہیں ہے، یا یہ کہ صراحت کے ساتھ کہہ دیا جائے کہ تعین مدت کا مقصد مہلت وتاخیر نہیں بلکہ شیء کے جلد از جلد حصول کو یقینی بنانا ہے، تاکہ صانع خواہ مخواہ کی تاخیر نہ کرے، اسی طرح اگر یہ مہلت خود خریدار کی طرف سے دی جائے تب بھی کوئی اشکال نہیں ہے (رد المحتار لابن عابدین مطلب فی الاستصناع ۲۰/۲۸۷)۔

میرا خیال یہ ہے کہ موجودہ حالات میں دفع نزاع کے لئے صاحبین کا قول اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے۔

☆ مجلس عقد میں پیشگی قیمت ادا کرنا صحت استصناع کے لئے لازم نہیں ہے۔

☆ یہ عقد سلم کی طرح عقد لازم نہیں ہے جس سے انحراف کی گنجائش نہ ہو، حنفیہ کا معروف قول یہی ہے، اس میں بائع ومشتری دونوں کو اختیار ہوتا ہے، بائع بھی اپنی مصنوعات دوسرے کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے، خواہ اس نے آرڈر ملنے کے بعد ہی وہ مال تیار کیا ہو، اسی طرح مشتری بھی مطلوبہ مال دیکھنے سے قبل تک آزاد ہوتا ہے کہ وہ سامان لے یا نہ لے، البتہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دوسری روایت اور

حضرت امام ابو یوسفؒ کی آخری رائے یہ ہے کہ اگر معاملہ شرائط کے مطابق ہو تو طرفین کے لئے انحراف کی گنجائش نہیں ہے، اس لئے کہ لازم نہ ہونے کی صورت میں دونوں کو ہی شدید نقصانات سے دوچار ہونا پڑ سکتا ہے، البتہ سامان میں کوئی واقعی عیب ہو یا مطلوبہ معیار کے مطابق نہ ہو تو خریدار کو اختیار حاصل ہوگا، مجلۃ الاحکام العدلیہ میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔ اور بحالات موجودہ اسی قول میں لوگوں کے لئے زیادہ سہولت ہے، دنیا کے بہت سے علمی اور مالی اداروں اور شخصیات نے المجلۃ کے فیصلے کو قبول کیا ہے اور قول ابی یوسف کو ترجیح دی ہے (موسوعۃ فقہ المعاملات، مجموعۃ من المؤلفین ۱/ ۲۸۷)۔

وبما أنه قد قبل في هذه المسئلة قول ابي يوسفؒ (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۱/ ۵۸ ۳، مادۃ ۳۸۸)۔

إذا انعقد الاستصناع فليس لأحد العاقدين الرجوع فيه وإذا لم يكن على الاوصاف المطلوبة كان المستصنع مخيرا (المجلۃ ۱/ ۷۰، مادۃ ۹۲ ۳، کارخانہ تجارت کتب، ترکی، درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۱/ ۶۱ ۳، ط دار الکتب العلمیہ بیروت) (استصناع منعقد ہو جانے کے بعد کسی فریق کو رجوع کا اختیار نہیں ہے، البتہ سامان مطلوبہ معیار پر نہ ہو تو خریدار کو اختیار حاصل ہوگا)۔

کہتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ بھی پہلے اسی رائے کے قائل تھے جو حضرت الامامؒ کی پہلی روایت ہے، لیکن بعد میں حالات کے پیش نظر ان کی رائے تبدیل ہوگئی، گویا یہ اختلاف تبدل زمان کا نتیجہ ہے (المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی ۸/ ۳۰۴)۔

☆ اجارہ کی مشابہت کا تقاضا یہ ہے کہ معقود علیہ بائع کے عمل وصنعت سے گذر کر خریدار کے پاس آئے، (حنفیہ کا معروف قول یہی ہے) نیز انہوں نے (صحیح قول کے مطابق) یہ شرط بھی لگائی ہے کہ وہ چیز صنعتکار کی اپنی مصنوعات میں سے ہو اور آرڈر کے بعد تیار کی گئی ہو، اگر بائع نے آرڈر سے قبل کی تیار کردہ اسی معیار کی چیز مشتری کے سامنے پیش کی اور مشتری اس پر راضی ہو گیا تو یہ معاملہ بھی درست قرار پائے گا مگر عقد اول کی بنا پر نہیں بلکہ اس کو (بیع بالتعاطی) کے طور پر عقد جدید قرار دیا جائے گا۔

☆ عقد استصناع کی اجازت صرف ایسے امور میں ہوگی جن کے اوصاف وحدود کی تعیین بآسانی ممکن ہو اور مقدار، معیار اور کم وکیف میں نزاع کا اندیشہ نہ ہو۔

☆ نیز اس کی اجازت چونکہ خلاف قیاس ضرورت وعرف کی بنا پر دی گئی ہے، اس لئے اس کی اجازت صرف ان چیزوں کے ساتھ خاص ہوگی جن میں لوگوں کا تعامل اور تاجروں کا عرف جاری ہو، اگر کسی چیز میں پہلے استصناع کا رواج تھا پھر موقوف ہو گیا تو اس میں استصناع جائز نہ ہوگا۔

فقہاء نے اپنے دور کی چند چیزوں کا ذکر کیا ہے مگر یہ وضاحت نہیں کی ہے کہ اس کا تعلق منقولات سے ہوگا یا غیر منقول چیزوں میں بھی اس کا جواز ہو سکتا ہے، لیکن ان کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم عام ہے اور ہر وہ چیز جس سے تاجروں کا عرف اور لوگوں کی حاجتیں وابستہ ہو جائیں، اور فریقین کے لئے اس کی تحدید وتوصیف ممکن ہو، اس میں استصناع کی گنجائش ہوگی۔ درر الحکام کے الفاظ ہیں:

كل شيء تعومل استصناعه يصح فيه الاستصناع على الاطلاق ... اى أن الاستصناع صحيح في كل ماتعومل به عادة وعرفا (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۱/ ۵۸ ۳، مادۃ ۳۸۸)۔

(ہر وہ چیز جس میں استصناع کا تعامل ہو اس میں علی الاطلاق استصناع درست ہے، یعنی عرف وعادت میں جن چیزوں کے

استصناع کا رواج ہو اس میں استصناع جائز ہے)۔

بدائع میں ہے: وأما شرائط جوازه فمنها أن يكون فيما يجري فيه التعامل بين الناس ...ويبقى ماعداه موكولا إلى القياس (۱۱/۲)۔

ہدایہ میں ہے: ولا يجوز فيما لا تعامل فيه للناس (ج ۱۱۶)

یہ مضمون الفاظ کے فرق کے ساتھ فقہ حنفی کی تقریبا تمام کتابوں میں آیا ہے۔

مذکورہ تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جمہور احناف کے نزدیک عقد استصناع بنیادی طور پر عقد بیع ہونے کے باوجود ایک مستقل عقد ہے جس میں مادہ اور عمل دونوں ہی مساوی طور پر مطلوب ہیں، اکثر محققین حنفیہ نے اس کو اختیار کیا ہے (دیکھئے بدائع الصنائع للکاسانی (م ۵۸۷ھ) باب الاستصناع ۱۱/۲ ط دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ۱۹۸۶ء، العنایہ شرح الہدایہ للبابرتی (م ۷۸۶ھ) باب السلم فی الجواہر ۹/۵۹۰، رد المحتار لابن عابدین ۲۱۲/۴، درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۱/۵۸ ۳ مادہ ۳۸۸ ط دار الکتب العلمیہ بیروت، المحیط البرہانی لبرہان الدین مازہ الفصل الثالث والثلاثون فی الاستصناع ۳۰۶/۸ ط دار احیاء التراث العربی، مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر لشیخی زادہ (م ۱۰۷۸ھ) ۳/۱۴۹ ط دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۸ء)۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ حنفیہ کی بصیرت و دیدہ ری ہے جو انہوں نے زمانہ کی رفتار پر نظر کی، آنے والے دور کی نزاکتوں کو سمجھا، اور صدیوں قبل ان خطوط کی تعیین کی جو آج استصناع کی بنیاد پر عالمی تجارت میں دلیل راہ بنے ہوئے ہیں، حنفیہ کے علاوہ کسی مکتب فقہ میں وہ تفصیلات موجود نہیں ہیں جو عقد استصناع کے تمام گوشوں کے لئے پوری طرح تشفی بخش ہوں، اور جن سے استصناع کا کوئی کامل طریقۂ تجارت برآمد ہوتا ہو۔

عصر حاضر کے متعدد عرب محققین مثلاً شیخ مصطفی الزرقاء، اور ڈاکٹر علی محی الدین القرہ داغی وغیرہ نے بھی حنفیہ کی اس فکر کو قبول کیا ہے، اور استصناع کو عقد مستقل لازم قرار دیا ہے، اسی طرح مجمع الفقہ الاسلامی جدہ نے بھی اپنے ساتویں سمینار (منعقدہ جدہ ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۲ء) کی قراردادوں میں اسی کے مطابق فیصلہ کیا ہے (قرارداد نمبر ۶۶/۳/۷، موسوعۃ فقہ المعاملات، مجموعۃ من المؤلفین ۱/۲۸۷)۔

چند احکام و مسائل :

استصناع کی حقیقت اور اس کی قانونی تفصیلات جاننے کے بعد ہم سلسلہ وار ان سوالات کی جانب متوجہ ہوتے ہیں جو اس ضمن میں اٹھائے گئے ہیں، اور یہ تمام تفصیلات اسی لئے عرض کی گئیں کہ ان کی روشنی میں ان سوالات کو حل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

استصناع کن چیزوں میں درست ہے؟

(۱-۴) آج کے دور میں عقد استصناع کے جواز کے لئے ضروری ہے کہ ایسی چیزوں کا انتخاب کیا جائے :

الف — جن کے اوصاف و حدود کی ایسی تعیین ممکن ہو جس سے فریقین میں اندیشۂ نزاع باقی نہ رہے، خواہ ان کا تعلق منقولات سے ہو یا غیر منقولات سے۔

ب — لوگوں کے عرف میں ان کے استصناع کا تعامل قائم ہو، اگر کسی چیز کے استصناع کا رواج تھا، پھر موقوف ہو گیا تو اس کا جواز بھی باقی نہ رہے گا۔

فقہاء نے اشیاء استصناع کے لئے انہی دو باتوں کو بنیاد بنایا ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل پچھلے صفحات میں گذر چکی ہے۔ فقہاء نے کہیں منقول وغیر منقول کی بحث سے تعرض نہیں کیا ہے، اور نہ کسی خاص جنس ونوع کی طرف اشارہ کیا ہے، بلکہ اس کو عرف وتعامل پر محمول کر دیا ہے (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۱؍۳۵۸ مادۃ ۳۸۸)۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں :

وأما شرائط جوازه فمنها أن يكون فيما يجری فيه التعامل بين الناس، ومن شروط الاستصناع بيان جنس المصنوع ونوعه وقدره وصفته (۲؍۱۱) (استصناع کے جواز کی شرط یہ ہے کہ اس میں اس کا رواج ہو، نیز مصنوع کی جنس، نوع، قدر اور صفات کی پوری وضاحت کی جائے)۔

علامہ موصلی رقمطراز ہیں :

ويكتفی فی الاستصناع بصفة معروفة تحتمل الادراک (الاختیار لتعلیل المختار ۲؍۴۰ ط دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲۰۰۵ء)

(استصناع میں ان صفات کا بیان کافی ہے جو معروف ہوں اور جن سے مطلوبہ چیز کی حقیقت کا ادراک ہو جائے)۔

استصناع کی حقیقت :

(۲) عقد استصناع کی ماہیت کے بارے میں فقہاء کے نظریات مختلف ہیں، مگر ان میں زیادہ بہتر بات یہ نظر آتی ہے کہ بنیادی طور پر یہ عقد بیع ہونے کے باوجود بیع، عقد سلم اور اجارہ سے مرکب ایک عقد مستقل ہے، جس میں عقد عین اور عمل دونوں کے ساتھ مساوی طور پر متعلق ہوتا ہے بشرطیکہ دونوں قابل لحاظ مقدار میں مطلوب ہوں، اسی لئے اس کی ترکیب اور احکام میں بیع، سلم اور اجارہ تینوں کی حصہ داری پائی جاتی ہے، تفصیل پچھلے صفحات میں گذر چکی ہے۔

استصناع موازی (واسطہ کے ذریعہ معاملہ کرنا) :

(۳-۵) استصناع میں خریدار جس چیز کو خریدتا ہے، وہ عقد کے وقت معدوم ہوتی ہے، تو جیسے وہ ایک معدوم شئی کی خرید کر رہا ہے، کیا مبیع کے وجود میں آنے سے پہلے وہ اسے کسی اور سے اور پھر یہ دوسرا خریدار کسی تیسرے شخص سے فروخت کر سکتا ہے؟ اور کیا سلسلہ وار بیع کی تمام صورتیں بیع معدوم سے مستثنیٰ ہونگی؟ آج کل خاص کر فلیٹس کی خرید وفروخت میں کثرت سے ایسی بات پیش آتی ہے۔

اسی سے قریب ایک صورت "استصناع موازی" کی ہے، جو تجارتی اداروں نے استثمار کی غرض سے "استصناع عادی" سے الگ ایک قسم نکالی ہے، جس میں مصنوعات کا آرڈر لینے والا خود سامان تیار نہیں کرتا بلکہ کسی دوسرے شخص یا ادارہ سے سامان تیار کرا کے آرڈر دینے والے کو فراہم کرتا ہے۔

دونوں صورتوں میں قدر مشترک یہ ہے دونوں میں خریدار براہ راست بائع (صانع) سے معاملہ نہیں کرتا بلکہ درمیانی واسطے کے ذریعہ سے کرتا ہے۔

یہ دونوں شکلیں فقہاء کے یہاں صراحت کے ساتھ مذکور نہیں ہیں، لیکن غور کرنے سے ان کے حکم تک پہونچا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے بنیادی طور پر چند باتیں قابل توجہ ہیں :

الف — ان دونوں مسئلوں کی جڑ ایک ہی ہے یعنی استثمار، دونوں میں ضرورت مند اور صنعتکار کے درمیان ایک یا چند لوگ درآتے ہیں جن کا مقصد بالعموم ایک کی ضرورت اور دوسرے کی صنعت وصلاحیت کے بیچ واسطہ بن کر فائدہ اٹھانا اور دولت کمانا ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ اگر اس پر کنٹرول نہ کیا جائے، اور واسطہ در واسطہ کی کھلی چھوٹ دے دی جائے تو دلالی، کمیشن خوری اور اعداد وشمار کے کھیل سے دولت بٹورنے کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

جبکہ استصناع کے جواز کی بنیاد اصلاً ضرورت ہے، جس کو خلاف اصول لوگوں کی حاجات کی بنا پر گوارا کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ جو چیز فی نفسہ جائز نہیں ہے، ضرورتاً اس کی اجازت دی گئی ہے اس کو دیگر عام ذرائع تجارت کی طرح ذریعۂ استثمار بنانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، بلکہ اس کو واقعی ضرورت کی بنیاد تک ہی محدود رکھا جانا چاہئے، اور حقیقی ضرورتوں کیلئے کوئی معیار اور ضابطۂ عمل وجود میں آنا چاہئے۔

ب — دوسری بات یہ ہے کہ استصناع صرف اشیاء کا معاملہ نہیں ہے بلکہ صحیح ترین تعریف کے مطابق شئی اور عمل دونوں کا معاملہ ہے، اسی لئے اگر صنعتکار قبل سے یا کسی دوسرے کی تیار کردہ چیز آرڈر دینے والے کے سامنے پیش کرے اور آرڈر دینے والا اس کو قبول کرلے تو معاملہ کو عقد اول کی بنا پر جائز قرار نہیں دیا جاتا بلکہ اس کو بیع بالتعاطی کے طور پر ایک نیا معاملہ گردانا جاتا ہے، اس کا مطلب ہے کہ فقہاء چاہتے ہیں کہ یہ معاملہ حتی الامکان ضرورت مندوں اور صنعتکاروں کے درمیان براہ راست ہو، گوکہ ان کے نزدیک یہ شرط کے درجے کی چیز نہیں ہے، اور نہ اس کی انہوں نے صراحت کی ہے، لیکن بلا ضرورت واسطہ کا استعمال پسندیدہ بھی نہیں ہے، علامہ کاسانی لکھتے ہیں :

قال بعضهم : هو عقد على مبيع في الذمة وقال بعضهم : هو عقد على مبيع في الذمة شرط فيه العمل ... والصحيح هو القول الأخير لأن الاستصناع طلب الصنع فمالم يشترط فيه العمل لايكون استصناعاً، فكان مأخذ الاسم دليلاً عليه، ولأن العقد على مبيع في الذمة يسمى سلماً وهذا العقد يسمى استصناعاً، واختلاف الاسامي دليل اختلاف المعاني في الأصل، وأما إذا أتى الصانع بعين صنعها قبل العقد ورضى به المستصنع، فإنما جاز لا بالعقد الاول، بل بعقد آخر وهو التعاطي بتراضيهما (بدائع الصنائع ۱۱؍۲)۔

(بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ ذمہ میں مبیع کا معاملہ ہے جبکہ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ یہ ذمہ میں ایسے مبیع کا معاملہ ہے جس میں عمل کی شرط ہوتی ہے، اور یہی دوسرا قول صحیح ہے، اس لئے کہ استصناع کہتے ہیں طلب صنعت کو، تو اگر عمل کی شرط نہ ہو تو استصناع کیسے ہوگا؟ تو خود یہ نام عمل کی دلیل ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ ذمہ میں مبیع کا جو معاملہ ہوتا ہے اس کو سلم کہا جاتا ہے، حالانکہ اس کا نام استصناع ہے، نام کا فرق اس کی حقیقت کے فرق کو بتاتا ہے، رہی وہ صورت کہ صانع عقد سے قبل کی تیار کردہ چیز پیش کرے اور خریدار اس پر راضی ہو جائے، تو اس کا جواز عقد اول کی بنا پر نہیں ہوگا بلکہ یہ رضائے باہم سے ایک نیا معاملہ ہوگا جس کو بیع بالتعاطی کہتے ہیں)۔

ج — استصناع میں چونکہ اجارہ کا بھی جزو شامل ہے، اس لئے زیر بحث صورت میں اس مسئلے سے بھی روشنی ملتی ہے جو فقہاء نے کتاب الاجارہ میں بیان کیا ہے کہ اگر مستاجر اجیر سے اس کے خود کام کرنے کی شرط نہ لگاوے تو وہ دوسرے کی مدد سے کام انجام دے سکتا ہے، لیکن اگر وہ اس کے عمل کی شرط لگادے اور وہ اسے قبول کرلے تو وہ خود اس کو انجام دینے کا پابند ہوگا، دوسرے سے مدد لینے کی گنجائش نہ ہوگی، ہدایہ میں ہے :

وإذا شرط على الصانع أن يعمل بنفسه ليس له أن يستعمل غيره، لأن المعقود عليه العمل من محل بعينه فيستحق

عينه كالمنفعة في محل بعينه وإن أطلق له العمل فله أن يستاجر من يعمله، لأن المستحق عمل في ذمته ويمكن إيفائه بنفسه وبالاستعانة بغيره بمنزلة إيفاء الدين (الہدایہ للمرغینانیؒ (م ۵۹۳ھ) ۳/ ۲۳۴ ط المکتبۃ الاسلامیۃ، کذا فی الاختیار لتعلیل المختار للموصلیؒ ۲/ ۵۹، الجوہرۃ النیرۃ للعبادی الزبیدیؒ (م ۸۰۰ھ) ۳/ ۴۸، اللباب فی شرح الکتاب لعبد الغنی المیدانیؒ ۱/ ۸۷ ط دار الکتاب العربی)۔

(اگر کاریگر سے یہ شرط لگائے کہ وہ خود کام کرے تو اس کو دوسرے کو استعمال کرنے کی اجازت نہ ہوگی، اس لئے کہ معاملہ میں محل کے ساتھ عمل کی بھی تعیین ہوگئی ہے جیسے کہ کوئی مخصوص مقام کی منفعت پر معاملہ کرے، البتہ اگر اس طرح کی کوئی قید نہ لگائی گئی، تو وہ خود کے بجائے کسی سے بھی اجرت پر کام لے سکتا ہے، اس لئے کہ عمل اس کے ذمہ واجب ہے، اس لئے وہ خود بھی کرسکتا ہے اور دوسرے کی مدد سے بھی انجام دے سکتا ہے، جیسے کہ ادائے قرض کے معاملہ میں)۔

فقہ شافعی اور فقہ حنبلی میں بھی اجارہ کے ضمن میں اسی طرح کی بات ذکر کی گئی ہے۔

البتہ فقہاء شافعیہ نے تعبیر یہ اختیار کی ہے کہ اجارہ کی دو قسمیں ہیں: اجارۂ عین اور اجارۂ ذمہ، اجارۂ عین میں اجیر خود اس کام کو انجام دینے کا پابند ہوتا ہے جبکہ اجارۂ ذمہ میں اس کام کی انجام دہی اس کے ذمہ عائد ہوتی ہے، خواہ وہ خود انجام دے یا کسی کی مدد سے انجام دلوائے:

وقيل: إجارة ذمة لأن المقصود حصول العمل من جهة المخاطب فله تحصيله بغيره (حاشیۃ قلیوبی وعمیرۃ علی کتاب المنہاج للنوویؒ (م ۶۷۶ھ) لشہاب الدین القلیوبیؒ (م ۱۰۶۹ھ) واحمد البرلسی عمیرۃؒ (م ۹۵۷ھ) ۹/ ۲۹۰، وکذا فی مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج للشربینی کتاب الاجارۃ ۲/ ۳۳۴ ط دار الفکر بیروت، السراج الوہاج علی متن المنہاج للغمراوی ۱/ ۲۸۷ ط دار المعرفۃ بیروت، الغرر البہیۃ فی شرح البہجۃ الوردیۃ (لابن الوردیؒ (م ۷۴۹ھ) لزکریا الانصاری (م ۹۲۶ھ) ۱۲/ ۵۵)۔

(ایک رائے یہ ہے کہ یہ اجارۂ ذمہ کی صورت ہے، اس لئے کہ مقصود مخاطب کی جانب سے حصول عمل ہے، اس لئے وہ دوسرے سے بھی مدد لے سکتا ہے)۔

مشہور حنبلی فقیہ علامہ ابن قدامہؒ ایک صورت مسئلہ کے تجزیہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

وقياس المذهب جواز ذلك سواء أعان فيها بشيء أو لم يعن (المغنی لابن قدامہؒ فصل اجارۃ العین الموجرۃ ۶/ ۱۰۲ ط دار الفکر بیروت ۱۴۰۵)

(مذہب کے اصول کا تقاضا یہ ہے کہ یہ صورت جائز ہے، خواہ اس میں کسی چیز سے مدد لے یا نہ لے)۔

ان تفصیلات سے جن کے اکثر حصہ پر فقہاء کا اتفاق ہے اصولی طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ استصناع میں اصل یہ ہے کہ اس کو ضرورت کے دائروں تک محدود رکھا جائے، اور بلا ضرورت اس سے خروج نہ کیا جائے، البتہ صنعتکار اور خریدار کے درمیان کبھی واسطہ کی ضرورت پڑتی ہے، کبھی خریدار کو اصل صنعتکاروں کا پتہ نہیں ہوتا، یا اچھے اور برے کی تمیز ان کو نہیں ہوتی، یا یہ کہ خود معاملہ کرنے میں ان کو کسی نقصان یا فریب کا اندیشہ ہوتا ہے، ایسی صورتوں میں کسی درمیانی فرد یا ادارہ کی ضرورت پڑتی ہے جو اس کی صحیح رہنمائی کرسکے، ہر فن کے کچھ ماہرین ہوتے ہیں، اور ہر ایک کا اپنا میدان کار ہوتا ہے، اور کاروبار حیات اسی طرح ایک دوسرے کے تعاون سے چلتا ہے، اس طرح درمیان میں زیادہ سے زیادہ ایک واسطہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، اس طرح استصناع موازی کا جواز سمجھ میں آتا ہے، لیکن سلسلہ وار درمیانی کئی واسطوں کا جواز فہم سے بالاتر ہے کہ یہ محض تمویل واستثمار کے لئے دائرۂ ضرورت سے خروج ہے، اور اگر جواز کا حیلہ نکل بھی آئے تب بھی سداً للباب اس سے اجتناب ہی میں خیر ہے۔

استصناع موازی کے جواز کی شرطیں :

البتہ استصناع موازی (یا متوازی) میں چند چیزوں کی رعایت ضروری ہے، جو اوپر دی گئی فقہی تفصیلات سے سمجھ میں آتی ہے :

☆ درمیانی شخص یا ادارہ نے اپنے واسطہ ہونے والی بات خریدار سے چھپائی نہ ہو، اور خریدار کو اس دھوکہ میں نہ رکھا گیا ہو کہ وہ خود ہی صنعتکار یا کمپنی کا نمائندہ ہے۔

☆ درمیانی شخص خریدار اور کمپنی دونوں سے الگ الگ معاملہ کرے، اور ایک کو دوسرے سے مربوط نہ کرے۔

☆ خریدار نے اس سے اپنی مصنوعات یا خدمات کا مطالبہ نہ کیا ہو بلکہ کسی بھی جہت سے اسے صرف سامان مطلوب ہو۔

☆ اگر خریدار کسی خاص کمپنی یا شخص کی خدمات کا تعین کرے اور وہ اسے منظور کر لے تو اس شرط کی پابندی ضروری ہوگی، اور اس میں کسی بھی قسم کی خلاف ورزی درست نہ ہوگی۔

☆ بہت زیادہ لمبی مدت مقرر نہ کی جائے، کہ نفع خوری کا دروازہ کھلے، بلکہ مناسب طور پر اتنی ہی مدت مقرر کی جائے جتنی کہ مطلوبہ سامان کی تیاری میں واقعی ضرورت ہو، کیونکہ زیادہ لمبا وقت لینے سے یہ عقد استصناع کے بجائے عقد سلم بن جائے گا اور پھر سلم کی تمام شرطوں کی رعایت ضروری ہو جائے گی، اس لئے کہ صاحبین کے نزدیک استصناع میں تعین مدت کی گنجائش تو ہے مگر اتنی لمبی مدت نہیں جس کو تاخیر یا استمہال قرار دیا جائے، امام ابوحنیفہؒ کے یہاں تو اس کی بھی گنجائش نہیں ہے، البتہ ہندوانیؒ کے بقول جس کو ہمارے اکثر مصنفین نے نقل کیا ہے کہ اگر یہ مہلت خود خریدار کی طرف سے دی جائے تو قباحت نہیں ہے (مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر لشیخی زادہؒ (م ۱۰۷۸ھ) ۳/ ۱۴۹ط دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۸ء)۔

لیکن خروج عن الاختلاف کے لئے اس سے بچنا بہتر ہے، تفصیل گذر چکی ہے۔

ان حدود میں رہتے ہوئے استصناع موازی سے استفادہ کرنا درست ہے، اور اس کو تبعاً تمویل و استثمار کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

بیت التمویل الکویتی کے شعبۂ افتاء نے بھی ان شرائط کے ساتھ استصناع موازی کی اجازت دی ہے (دیکھئے: الفتاوی الشرعیۃ فی المسائل الاقتصادیۃ ج ۲ فتوی نمبر: ۲۵۲، بحوالہ موسوعۃ فقہ المعاملات، مجموعۃ من المؤلفین ۱/ ۲۸۷)۔

عقد استصناع میں کسی فریق کے انحراف کا مسئلہ :

(۶) عقد استصناع میں بعض دفعہ صانع کو ایک مناسب رقم بطور بیعانہ کے دینی پڑتی ہے، اگر صانع آرڈر کے مطابق مال تیار کر دے لیکن خریدار اس کو لینے سے مکر جائے تو کیا بائع اس رقم کو ضبط کر سکتا ہے یا اس سے اپنے نقصان کی تلافی کر سکتا ہے؟

اس سوال کی اہمیت اس وقت ہے جب کہ حنفیہ کی اس روایت کو اختیار کیا جائے، جس کو تمام کتب فقہیہ میں اصل مذہب قرار دیا گیا ہے، یعنی عقد استصناع میں صانع کی طرف سے مال تیار ہونے اور مطلوبہ معیار پر ہونے کے باوجود خریدار کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اس معاملہ سے دست بردار ہو جائے، اور تیار شدہ مال قبول نہ کرے، یہ اختیار اس کو مال دیکھنے کے وقت تک رہتا ہے، لیکن اگر کوئی خریدار دیکھنے سے پہلے ہی اس کو رد کر دے، یا دیکھنے ہی پر رضامند نہ ہو تو صانع کے لئے اس میں بڑے ضرر کا اندیشہ ہے، لیکن اگر حضرت امام ابوحنیفہ

کی ایک دوسری روایت (جس کو حضرت امام ابو یوسفؒ نے اختیار کیا ہے اور جس کو مجلۃ الاحکام میں قول مقبول قرار دیا گیا ہے، اور اس کے بعد تقریباً ہر عہد کے علماء نے "المجلۃ" کے اس رجحان کو قبول کیا اور اس کے مطابق فتوے دیئے،) جس میں عقد استصناع کو طرفین کے لئے لازم کہا گیا ہے، اور خریدار کے لئے خیار عیب اور خیار وصف کو چھوڑ کر کسی بھی خیار کی نفی کی گئی ہے، اس قول کو بنیاد بنایا جائے اور المجلۃ اور علماء متاخرین کے فیصلوں کو قبول کیا جائے تو اس سوال کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی، مال تیار ہونے کے بعد خریدار کو انحراف کا اختیار نہیں ہے، وہ قانونی طور پر مقررہ مال لینے کے لئے مجبور ہے، بصورت دیگر اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جا سکتی ہے، الایہ کہ مال میں کوئی عیب ہو یا آرڈر کے مطابق نہ ہو۔

فإذا انعقد فليس لأحد العاقدين على رواية أبي يوسف الرجوع عنه بدون رضاء الآخر, راجع المادة (۳۳۲) وكذلك ليس للمستصنع أن يرجع عنه, لأنه لو جعل له الخيار لحق البائع ضرر, لأنه قد لا يرغب في المصنوع أحد غير المستصنع, راجع المادة (۲۰) ليس للصانع بعد عمل المصنوع الامتناع عن تسليمه إلى المستصنع وإذا كان المصنوع غير موافق للأوصاف المطلوبة فإن كان النقص الموجود من قبيل العيب فللمستصنع خيار العيب, وإن كان من قبيل الوصف فله خيار الوصف ان شاء قبله وإن شاء رده, وقال ابويوسف ﷺ: ليس للمستصنع خيار الروية خلافاً لبعض الفقهاء, وبما أنه قد قبل في هذه المسئلة قول ابي يوسف ﷺ فلايكون الخيار الوارد هنا خيار روية (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام لعلی حیدرؒ ۱/ ۳۶۱ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت)۔

(استصناع منعقد ہو جانے کے بعد امام ابو یوسفؒ کی روایت کے مطابق عاقدین میں سے کسی کو باہم رضامندی کے بغیر رجوع کا اختیار نہیں ہے، اسی طرح مستصنع بھی اس سے رجوع نہیں کر سکتا، اس لئے کہ اگر اس کو اختیار دیا جائے تو بائع کو نقصان پہنچے گا، اس لئے کہ کبھی مستصنع کے علاوہ دوسرا شخص اس سامان کو لینے پر رضامند نہیں ہوتا، اسی طرح سامان تیار ہونے کے بعد صانع سامان حوالہ کرنے سے مکر نہیں سکتا، البتہ اگر سامان مطلوبہ اوصاف کے موافق نہ ہو تو اگر یہ نقص اس میں عیب کی بنا پر ہو تو مستصنع کو خیار عیب حاصل ہوگا، اور اگر کسی وصف کی کمی سے ہے تو اس کو خیار وصف حاصل ہوگا، چاہے تو لے اور چاہے تو رد کر دے، امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مستصنع کو خیار رویت حاصل نہیں ہے، بعض فقہاء کو اس سے اختلاف ہے، مگر اس باب میں چونکہ امام ابو یوسفؒ کا قول قبول کیا گیا ہے، اس لئے خیار رویت حاصل نہیں ہوگا۔

استصناع میں اگر مٹیریل خود خریدار فراہم کر دے:

(۷) اگر کسی چیز کا آرڈر دیا جائے اور مصنوع کے لئے درکار مٹیریل خود خریدار فراہم کر دے تو یہ عقد اجارہ ہے، عقد استصناع نہیں ہے، اس لئے کہ استصناع کے لئے ضروری ہے کہ سامان اور عمل دونوں بائع کی طرف سے ہوں، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے:

الاستصناع أن تكون العين والعمل من الصانع, فاما إذا كان العين من المستصنع لا من الصانع يكون إجارة ولا يكون استصناعا (المحیط البرہانی لبرہان الدین مازہ ۸/ ۳۴۰ ط دار احیاء التراث، فتاویٰ ہندیہ بحث الاستصناع ۴/ ۵۱۷) (استصناع یہ ہے کہ سامان اور عمل دونوں صنعتکار کی جانب سے ہوں، اگر سامان صانع کے بجائے مستصنع نے فراہم کر دیا تو یہ اجارہ ہوگا استصناع نہیں)۔

اس لئے اس پر اجارہ کے احکام جاری ہوں گے استصناع کے نہیں، یعنی یہ عقد لازم ہوگا، اگر سامان آرڈر کے مطابق ہے تو اس کو قبول

کرنا لازم ہوگا، اور اسے کوئی اختیار حاصل نہ ہوگا اور اگر آرڈر کے مطابق نہیں ہے تو اس کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو وہی تیار شدہ مال مقررہ قیمت پر قبول کرلے یا پھر کاریگر سے اپنے سامان کا ضمان وصول کرے، پھر اس کے بعد سامان کا مالک کاریگر کا ہو جائے گا، امام سرخسیؒ لکھتے ہیں :

إذا أسلم حديداً إلى حداد ليصنعه إناءاً مسمىً باجر مسمىً فإنه جائز، ولا خيار له فيه إذا كان مثل ماسمى . . . وإن أفسده الحداد فله أن يضمنه حديداً مثل حديده، ويصير الإناء للعامل وإن شاء رضى به وأعطاه الاجر (المبسوط للسرخسیؒ ۱۵/۱۵۵ط دارالفکر بیروت ۲۰۰۰ء، بدائع الصنائع للکاسانی ۵/۴ط دارالکتاب العربی بیروت ۱۹۸۲ء)۔

(اگر کسی نے لوہار کو خاص قسم کا برتن بنانے کے لئے لوہا دیا اور اس کی اجرت بھی طے کردی تو ایسا کرنا جائز ہے، پھر اگر برتن اس کے آرڈر کے مطابق ہے تو اس کو اختیار حاصل نہ ہوگا، البتہ اگر برتن اس کے آرڈر مطابق نہیں ہے تو اپنے لوہے کے برابر لوہا ضمان میں لے سکتا ہے، پھر برتن عامل کا ہو جائے گا اور اگر چاہے تو اجرت دے کر اسی کو قبول کرلے، دونوں باتوں کا اختیار ہے)۔

شرط جزائی کا مسئلہ :

(۸) عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی تاریخ مقرر ہو جائے، مگر بائع اسے وقت پر فراہم نہ کر پائے تو کیا خریدار اس کا تاوان وصول کرسکتا ہے؟ واضح ہو کہ بعض اوقات خریدار اسی مقررہ تاریخ کے لحاظ سے اپنے گاہک سے معاملہ کرتا ہے، اگر بائع مقررہ وقت پر مبیع تیار کرکے حوالہ نہ کرے اور اسے بروقت مارکیٹ سے وہی شئی حاصل کرکے اپنے گاہک کو دینی پڑے، تو اس کو مارکٹ سے گراں قیمت پر یہ شئی خریدنی پڑتی ہے، اور دوہرا نقصان اٹھانا پڑتا ہے، ایک تو سامان زیادہ قیمت پر خرید کیا، دوسرے جب خود اس کا آرڈر موصول ہوگا تو اب اس شئی کو فروخت کرنا دشوار ہو جائے گا، اس لئے کہ ضروری نہیں کہ دوسرا خریدار اس معیار اور ڈیزائن کو قبول ہی کرے۔

یہ شرط جزائی کا مسئلہ ہے، جو کئی دہائیوں سے علماء عصر کے درمیان زیر بحث رہا ہے، عام طور پر فقہاء کے یہاں تاریخ کے تعین کے ساتھ معاملہ کرنے کی اجازت دی گئی ہے :

إذا اشترط على الاجير إنجاز العمل إلى يوم كذا . . . تكون صحيحة . . . ان الاجارة مع شرط يوجبه العرف والعادة صحيحة والشرط معتبر كمافي البيع انظر المادة (۱۸۸) (دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام ۱/۴۳۷) (اگر اجیر نے کسی خاص دن تک کام پورا کرنے کی شرط لگائے، تو جائز ہے . . . اسی طرح ہر ایسی شرط کو معاملہ میں شامل کیا جاسکتا ہے جس کا عرف میں رواج ہو اور اس شرط کا اعتبار کیا جائے گا)۔

لیکن اگر کسی وجہ سے وہ شرط پوری نہ ہوسکے اور وقت پر سامان نہ مل سکے تو کیا اس سے ہونے والے نقصانات کا ہرجانہ وصول کیا جائے؟ یہ بحث ہماری قدیم کتابوں میں موجود نہیں ہے، مگر بعد میں جب معاملات نے وسعت اختیار کی، اس کا دائرہ بڑھا اور وقت کے حساب سے اشیاء کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ آنے لگے، تو یہ مسئلہ علماء کے درمیان زیر بحث آیا، چنانچہ اس میں بنیادی طور پر دو رائے سامنے آئی :

۱ — معاملات کے عام اصولوں کے مطابق بہت سے علماء نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ السلم وتطبیقاتہ المعاصرۃ؛ ڈاکٹر وہبہ زحیلی ص ۱۹ ط دارالفکر دمشق) اس لئے کہ

☆ ایک تو اس میں تعلیق مجہول پائی جاتی ہے، جو وجہ فساد ہے، عقود معلقہ کی شکلیں ہمارے یہاں آئی ہیں مگر عقد کے وقت کسی شئی کی

تعیین ہو جانی چاہئے۔

☆ دوسرے نتیجہ کے اعتبار سے یہ وقت کے بدلے میں قیمت کی وصولی ہے، جبکہ دیون میں یہ صورت ربا کا معنی پیدا کرتی ہے۔

۲۔ مگر فقہاء معاصرین کی بہت بڑی تعداد موجودہ تقاضوں، دیانت وامانت کی کمی اور وقت کے استعمال کی حساسیت کی بنا پر اس کے جواز کی طرف گئی ہے، اور اس کے لئے ان کے پیش نظر کئی بنیادیں ہیں :

(۱) امام بخاریؒ نے ایک باب قائم کیا ہے "باب مایجوز من الاشتراط والثنیافی الاقرار والشروط التی یتعارفها بینهم" اور اسی کے ساتھ ابن سیرینؒ کے حوالہ سے قاضی شریحؒ کا ایک فتویٰ نقل کیا ہے: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی سواری والے سے معاملہ کیا کہ فلاں دن تمہاری سواری سفر کے لئے میں لوں گا اور اگر میں نے اس دن تمہاری سواری نہیں لی تو تم کو ایک سو درہم دوں گا (یعنی ہرجانہ)، معاملہ طے پا گیا مگر وقت مقرر پر وہ شخص اس کی سواری نہ لے سکا، اور نزاع پیدا ہوا، یہ مسئلہ قاضی شریح کی عدالت میں آیا تو انہوں نے یہ فیصلہ سنایا: "من شرط علی نفسه طائعاً غیر مکره فهو علیه" (جس نے بلا جبر واکراہ خود اپنی مرضی سے اپنے اوپر کوئی شرط لگائی تو وہ اس کے ذمہ واجب ہوگی)۔

اسی طرح ایک اور معاملہ میں جس میں ایک شخص نے غلہ بیچا اور خریدار نے اس شرط کے ساتھ قبول کیا کہ اگر میں بدھ کے روز نہ آیا تو معاملہ کالعدم مانا جائے گا، چنانچہ وہ وقت مقرر پر نہیں آیا، قاضی شریح کے یہاں معاملہ پہونچا تو انہوں نے خریدار کے خلاف فیصلہ کیا اور کہا کہ تم نے شرط کی خلاف ورزی کی (صحیح البخاری ۲/۹۸۱ ط دار ابن کثیر الیمامۃ بیروت ۱۹۸۷ء)۔

(۲) ہماری کتابوں میں ایک مسئلہ بیع عربان (یا عربون) کے نام سے آیا ہے، یعنی خریدار معاملہ کرتے وقت پیشگی کچھ رقم بیعانہ کے طور پر اس شرط کے ساتھ دے کہ اگر میں نے وہ چیز خرید لی تو وہ قیمت میں شمار ہوگی ورنہ وہ چیز بائع کی ہوگی، جمہور ائمہ (حضرت امام ابوحنیفہ، امام مالکؒ، اور امام شافعیؒ) اس کو جائز قرار نہیں دیتے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت امام حسنؓ کی بھی یہی رائے ہے (التاج والاکلیل للمواقؒ (م ۸۹۷ھ) ۷/۳۲۲، (بدایۃ المجتہد لابن رشد الحفیدؒ (م ۵۹۵ھ) ۲/۱۳، الاستذکار للقرطبیؒ (م ۴۶۳ھ) باب ماجاء فی بیع العربون ۶/ ۲۶۴ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲۰۰۰ء، الحاوی فی فقہ الشافعی للماوردیؒ (م ۴۵۰ھ) ۵/۳۳۸ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۴ء، روضۃ الطالبین للنوویؒ (م ۶۷۶ھ) ۳/ ۹۵ ط دار الکتب العلمیۃ)۔

عربان کی دوسری صورت یہ ہے کہ سامان نہ لینے کی صورت میں پیشگی دی گئی رقم مشتری کو واپس کرنے کی شرط لگائی جائے، دیگر فقہاء کے یہاں اس کی گنجائش ہے۔

فقہ حنفی کی کتابوں میں بالعموم اس بیع کا تذکرہ موجود نہیں ہے، لیکن جن چند کتابوں میں اس کا ذکر آیا ہے، وہاں اس دوسری صورت کو بھی عقد فاسد قرار دیا گیا ہے، غالباً اس لئے کہ یک گونہ اس میں بھی خیار مجہول اور اندیشۂ غرر پایا جاتا ہے :

الثانی والعشرون بیع العربان ویقال : الاربان وهو أن یشتری الرجل السلعة فیدفع إلی البائع دراهم علی أنه إن أخذ السلعة كانت تلك الدراهم من الثمن وإن لم یاخذ فیسترد الدراهم (النتف فی الفتاویٰ لابی الحسن علی بن الحسین السعدیؒ (م ۴۶۱ھ) انواع البیوع الفاسدۃ ۱/ ۴۷۳ ط مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۸۴ء)۔

(بیوع فاسدہ کی بائیسویں قسم بیع عربان ہے، اس کو اربان بھی کہتے ہیں، اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی سامان اس طرح خریدے کہ

پیشگی بائع کو کچھ رقم یہ کہہ کر دے کہ اگر اس نے سامان لے لیا تو یہ قیمت میں شمار ہوگی ورنہ یہ رقم واپس لے لیں گے، لیکن یہاں عربون کی صرف پہلی صورت زیر بحث ہے، اور وہی موقع استدلال بھی ہے، جمہور فقہاء کے نزدیک وہ صورت جائز نہیں ہے)۔

جمہور کے پیش نظر ایک حدیث ہے جس میں صاف طور پر اس بیع کا نام لیکر منع کیا گیا ہے عمرو بن شعیب عن جدہ ؓ کی سند سے مروی ہے کہ ''نهى رسول الله ﷺ عن بيع العربان'' (ابن ماجہ ۲/ ۷۳۶ حدیث نمبر ۲۱۹۲ ط دار الفکر بیروت، موطا امام مالک ۴/ ۸۷۹ حدیث نمبر ۲۲۵۷ ط مؤسسۃ زاید ابن سلطان ۲۰۰۴ء، ابوداؤد ۳/ ۳۰۲ حدیث نمبر ۳۵۰۴ ط دار الکتاب العربی بیروت، مسند احمد ۲/ ۱۸۳ حدیث نمبر ۶۷۲۳ ط مؤسسۃ القرطبۃ القاہرۃ، فتح الغفار لصنعانی ۳/ ۱۱۶۴ ط دار عالم الفوائد ۱۴۲۷ھ) (نبی کریم ﷺ نے بیع عربان سے منع کیا ہے)، مگر امام احمدؒ نے اس حدیث کو کمزور کہا ہے۔

دوسرے اس میں بائع کے لئے ایسی شرط لگائی گئی ہے جس کا کوئی عوض نہیں ہے، اس لئے یہ درست نہیں ہے، نیز اس میں خیار مجہول ہے، جبکہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یہ معاملہ درست ہے، حضرت سعید بن المسیبؒ اور حضرت ابن سیرینؒ نے بھی اس کو جائز کہا ہے۔

☆ حضرت عمرؓ کے عمل سے بھی اس پر استدلال کیا گیا ہے، منقول ہے کہ نافع بن عبدالحارث نے حضرت عمر بن الخطابؓ کے لئے صفوان بن امیہ کا ایک مکان قیدخانہ کی غرض سے اس شرط پر خریدا کہ اگر حضرت عمرؓ اس سودا پر راضی ہو گئے تو ٹھیک ہے ورنہ تم کو اتنا (کوئی مقررہ رقم) دیا جائے گا۔

مگر اس روایت میں ایک راوی عبدالرحمن الفروخ السعد مولی عمر مجہول العین ہیں، نیز اس روایت میں نافع وصفوان کے معاملہ کرنے کی خبر ہے، حضرت عمرؓ کی رائے کیا ہوئی؟ اس سلسلے میں یہ روایت خاموش ہے۔

نیز حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی اس کا جواز نقل کیا گیا ہے (المغنی لابن قدامہؒ ۴/ ۲۳۲، ۲۳۳ ط المنار)۔

(۳) امام احمدؒ کی طرف سے ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ اگر شرطوں کا تجزیہ کیا جائے تو یہ ایسی شرط ہے جو گو مقتضائے عقد سے نہیں ہے لیکن مصالح عقد سے ضرور ہے، اس لئے فی زمانہ اسے اختیار کیا جانا چاہئے۔

شرط جزائی کے مسئلے میں فی الجملہ مذکورہ تینوں باتوں سے استیناس کرتے ہوئے علماء عصر کی ایک بڑی تعداد اس کے جواز کی طرف گئی ہے، بشرطیکہ تاخیر کسی ہنگامی یا غیر اختیاری سبب سے نہ ہوئی ہو، اور خریدار کو اس کی خبر ہو، نیز یہ معاملہ بیع سلم یا بیع بالتقسیط کا نہ ہو کہ اس میں یہ ربا کے معنی پیدا کرے گا۔

مجمع الفقہ الاسلامی جدہ نے (اپنے بارہویں سمینار منعقدہ ریاض جمادی الثانیۃ ۱۴۲۱ھ م ستمبر ۲۰۰۰ء میں) مذکورہ شرط کے ساتھ استصناع میں شرط جزائی کے جواز کا فیصلہ کیا ہے (قرارات المجمع الفقہی ۱/ ۱۳۶، موسوعۃ فقہ المعاملات، بحث الشرط الجزائی فی عقد الاستصناع ۱/ ۲۹۳)۔

☆ فتاوی الازہر میں بھی شرط جزائی کو جائز قرار دیا گیا ہے (۶/ ۱۰۶ الشاملۃ)۔

قطع نظر اس سے کہ دلائل کے لحاظ سے یہ رائے کتنی مضبوط ہے لیکن موجودہ حالات کے تناظر میں استصناع سے جڑے کاروبار میں اگر شرط جزائی کی مشروط طور پر اجازت دی جائے تو لوگوں کی بہت سی مشکلات حل ہو سکتی ہیں، واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔

بیع استصناع — احکام ومسائل

مولانا نذیر احمد کشمیری ☆

استصناع کے لغوی وشرعی معنی :

استصناع کا مادہ "صنع" ہے، صنع کے معنی بنانا، یا بناوٹ یا کام ہے، قرآن کریم میں ہے : "صنع اللہ التی أتقن کل شیئ" (یہ ہے اللہ کی کاری گری (بناوٹ) ہے جس نے ہر چیز کو پختہ اور ٹھوس بنایا ہے)، اس لئے صنعت یا صناعت کسی بھی قسم کی کاریگری کو کہتے ہیں۔ استصناع اسی سے ماخوذ ہے، تو اس کے معنی ہیں کسی سے کوئی چیز بنوانا، جس کو آج کی عرفی اصطلاح میں آرڈر دینا کہتے ہیں، اگر کسی شخص سے صرف کسی کام کے کرنے کی فرمائش کی جائے تو یہ استصناع ہوگا۔ استصناع کی شرعی تعریف علامہ کاسانی کے الفاظ میں یہ ہے "عقد علی بیع فی الذمۃ" (بدائع الصنائع)۔

اس تعریف میں ایک نقص یہ ہے کہ اس میں دیگر بیوع بھی داخل ہوجاتی ہیں، اس لئے علامہ سمرقندی نے اس پر اضافہ کیا تو یہ تعریف کی : "عقد علی بیع فی الذمۃ وشرط عملہ علی الصانع" (بدائع الصنائع)۔

عقد استصناع کو شرعی طور پر واضح کرنے کے بعد اب فقہ اکیڈمی کے قائم کردہ سوالات کے مطابق جوابات درج کئے جاتے ہیں :

۱— استصناع کی مشروعیت چونکہ بربنائے ضرورت ہے اور ضرورت کی وجہ سے ہی اس کا استثناء عمومی قانون بیع سے کیا گیا ہے، اس لئے جہاں اور جن اشیاء میں عقد استصناع کی ضرورت پڑے ان اشیاء میں یہ عقد درست ہوگا، اور ضرورت کا تعین تعامل سے ہوگا، چنانچہ تمدن اور صنعت کی مسلسل ترقی پذیر ہونے کا بدیہی تقاضا یہ ہے کہ تعامل کی بنیاد پر تمام ان اشیاء کے عقد استصناع کو درست قرار دیا جائے۔ جن کا عقد استصناع رائج ہوجائے، اس سلسلہ میں فقہاء نے تعامل کو ہی مدار قرار دیا ہے، چنانچہ عالمگیری میں ہے : "الاستصناع جائز فی کل ما جری التعامل فیہ استحساناً" (الہندیہ ۳؍۲۰۷)۔

قدیم عہد میں تو تمدن اور صنعت بھی محدود تھی، اس لئے بہت محدود اشیاء میں ہی اس کی ضرورت تھی۔ چنانچہ دور قدیم میں کچھ ہتھیار، کپڑے، موزے، کجاوے، برتن وغیرہ تک ہی یہ محدود تھی، مگر دور جدید جو صنعتی دور ہے اس میں گاڑیاں، جہاز، سمندری جہاز، مشینیں، قسم قسم کا گھریلو مال، اداروں اور دفتروں کا فرنیچر اور اسٹیشنری کی اشیاء، حکومتوں کے بڑے پروجیکٹ مثلاً جہاز، ٹرینیں، کارخانے، پل، عمارتیں، سڑکیں، اور جدوجہد کے متنوع ہتھیار یہ سب استصناع میں داخل ہوسکتے ہیں، عہد قدیم میں چمڑے میں خف، جوتے، ڈول، نیام، مشک اور دسترخوان پائے جاتے تھے، لیکن آج کے عہد میں قسم قسم کے بیگ، بٹوے، گاڑیوں میں سیٹوں کے کور، نوع بنوع کے جوتے، چھوٹے بیگ،

☆ دار العلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کشمیر۔

جیکٹ، قیمتی اشیاء کے لئے حفاظتی تھیلے بنائے جاتے ہیں، آج کے عہد میں کاغذ اور پلاسٹک سے کتنی ہی اشیاء تیار کی اور کرائی جاتی ہیں، یہ تمام جب تعامل کا درجہ اختیار کرلیں تو شرعی طور پر یہ بیع استصناع میں داخل ہو جائیں گی، حضرت مولانا تقی عثمانی نے ایرکنڈیشن پلانٹ لگانے کی مثال دی ہے۔

۲۔ فقہاء میں سے احناف نے اس کو مستقل بیع قرار دیا ہے، جبکہ دیگر فقہاء نے بیع سلم کے ضمن میں اس کی مشروعیت کا قول اختیار کیا ہے، چنانچہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے اس کو بیع سلم کے ساتھ منسلک کیا ہے، پھر فقہاء احناف میں سے کچھ حضرات نے اس کو وعدہ بیع قرار دیا ہے، چنانچہ جو حضرات اس کو وعدہ قرار دیتے ہیں وہ یہ ہیں: شہید مروزی، صفار، محمد بن مسلمہ (بدائع الصنائع)۔ ان حضرات نے یہ وجوہ بیان کرتے ہوئے اس کو وعدہ بیع قرار دیا۔

اول: اس میں صانع (بائع) کو اختیار رہتا ہے کہ وہ چاہے تو سامان نہ بنائے، اس لئے مستصنع (مشتری) کے ساتھ اس کا عقد صرف وعدہ کے درجہ میں ہوتا ہے، اس لئے جس شیئ کو انسان اپنے اوپر لازم کرے، اور اس کی تکمیل پھر بھی لازم نہ ہو تو وہ عقد نہیں بلکہ وعدہ ہے نہ کہ عقد حقیقی، چنانچہ آرڈر لینے کے باوجود اگر صانع نے وہ چیز تیار نہ کی تو مستصنع (مشتری) اسے مجبور نہیں کرسکتا۔ اس لئے یہ صرف وعدہ ہے۔

دوم: استصناع میں آرڈر دینے والے کو یہ حق ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ کی رائے کے مطابق تیار شدہ مال کو مسترد کردے، تو یہ خیار اس کے وعدہ ہونے کا ثبوت ہے نہ کہ بیع ہونے کا۔

سوم: جس شیئ کے تیار کرنے کا آرڈر دیا گیا ہے اس کے مکمل کرنے سے پہلے یا مکمل ہوکر دیکھنے سے پہلے وہ اس عقد کو یک طرفہ طور پر ختم کرسکتا ہے اور یہ علامت ہے کہ یہ عقد نہیں، بلکہ صرف وعدہ ہے۔

چہارم: عقد کے تام ہونے کے لئے ضروری ہے کہ معقود علیہ موجود ہو ورنہ معدوم کی بیع لازم آئے گی، جب معقود علیہ موجود ہی نہیں تو یہ عقد بیع نہیں بلکہ صرف وعدہ ہے کہ مصنوع کو تیار کردے گا۔

پنجم: عقد بیع کا اصول یہ ہے کہ متعاقدین میں سے کسی ایک کے وفات پانے سے عقد باطل نہیں ہوتا جبکہ استصناع میں کسی ایک کے مرنے پر یہ عقد خودبخود باطل ہو جاتا ہے، یہ بھی علامت ہے کہ یہ بیع نہیں بلکہ صرف وعدہ ہے، مگر جمہور فقہاء احناف نے اس کو وعدہ نہیں بلکہ بیع قرار دیا ہے۔ یہ حضرات یہ دلائل اور وجوہات بیان فرماتے ہیں:

اول: بیع میں خیار کا ثبوت اس کو مستلزم نہیں کہ یہ بیع نہ ہو جیسے بیع مقایضہ میں عاقدین میں سے دونوں نے ایک دوسرے کے عین کو نہ دیکھا تو ان کے لئے خیار ثابت ہوتا ہے، مگر اس کے باوجود وہ بیع ہی ہے، اسی طرح یہاں اگر خیار ثابت مانا جائے تو بھی یہ بیع ہی ہے۔

دوم: استصناع میں آرڈر دینے والے کو سامان قبول نہ کرنے اور صانع کو سامان تیار نہ کرنے کا اختیار باقی رہتا ہے تو اس کی بنا پر یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ وعدۂ بیع ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ استصناع اسی وقت لازم ہوگا جب صانع نے مقررہ شرائط اور اوصاف کے مطابق چیز تیار کردی ہو اور جب یہ چیز پوری شرائط کے ساتھ تیار ہو جائے تو اس وقت یہ بیع لازم ہوگی، جیسے خیار شرط اور خیار رؤیت میں ہوتا ہے، اس لئے بھی اس کو بیع ہی کہا جائے گا۔

سوم: یہ کہنا کہ معدوم کی بیع شرعاً بیع نہیں، اس لئے صحیح نہیں کہ بیع سلم میں تو معدوم کی بیع ہی ہوتی ہے اور اس کو شارع نے

درست قرار دیا ہے، اسی طرح کبھی معدوم کو حکماً موجود کا درجہ دیا جاتا ہے، مثلاً مسلمان ذبح کرتے ہوئے بسم اللہ بھول گیا تو مسلمان ہونے کی وجہ سے تسمیہ حکماً مانا جائے گا اور ذبیحہ حلال قرار پائے گا، اسی طرح یہاں جس چیز کے بنانے کا آرڈر دیا گیا وہ فی الجملہ موجود ہے، مثلاً خام مال کی شکل میں تو اولاً یہ بالکلیہ معدوم نہیں، دوم معدوم موجود کے حکم میں قرار دیا جائے، اور اس کی وجہ تعامل ناس ہے۔

چہارم: یہ کہنا کہ استصناع کا عقد متعاقدین میں سے کسی ایک کے مرنے پر باطل ہوجاتا ہے، اس لئے کہ یہ وعدہ ہے، یہ اس لئے درست نہیں کہ دراصل عقد استصناع عقد اجارہ کے مشابہ ہے اور عقد اجارہ متعاقدین میں سے کسی ایک کے مرنے پر باطل ہوجاتا ہے، گویا عقد استصناع میں ابطلان عقد اس کے وعدہ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ مشابہت اجارہ ہونے کی بنا پر ہے اور یہ بطلان بھی اس صورت میں ہے جب صانع فرد واحد ہو، اگر وہ کوئی کمپنی ہو یا کارخانہ ہو یا متعدد افراد کا گروپ ہو تو فرد واحد کی موت سے استصناع باطل نہیں ہوتا، چنانچہ اس وقت تعامل یہی ہے کہ کسی کمپنی کو آرڈر دیا جائے تو نہ مالک کے مرنے پر نہ کسی دوسرے کے مرنے پر آرڈر منسوخ ہوتا ہے۔

پنجم: استصناع کے عقد ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ صانع نے عوض یعنی رقم جب وصول کرلی تو وہ اس رقم کا مالک بن جاتا ہے اور اس میں عمداً تصرف بھی کرتا ہے بلکہ بسا اوقات اسی رقم کو وہ معقود علیہ (سامان) کے تیار کرنے میں استعمال کرتا ہے۔ رقم پر ملکیت ثابت ہونا اور حق تصرف ملنا اس کے عقد ہونے کی علامت ہے، ورنہ صرف وعدہ پر وہ رقم کا مالک کیسے بن سکے گا، اور حق تصرف بھی کیسے مل سکے گا؟

ششم: اس کے عقد ہونے کی ایک دلچسپ دلیل یہ بھی ہے کہ اس عقد کو بر بنائے قیاس یا بر بنائے استحسان جائز قرار دیا گیا ہے، اگر اس کو صرف وعدہ قرار دیا جائے تو پھر اس کے لئے نہ قیاس کی ضرورت ہے نہ استحسان کی، اس لئے کہ وعدہ کا پورا کرنا تو قرآن وحدیث کی بہت ساری نصوص سے ثابت ہے، معلوم ہوا کہ یہ دراصل بیع ہی ہے نہ کہ وعدہ، اسی لئے قیاس واستحسان کو ماخذ بنانا پڑا۔ ائمہ ثلاثہ نے اس کو سلم قرار دیا ہے۔

ہفتم: استصناع میں مستصنع (مشتری) کو خیار رؤیت حاصل ہے اور خیار کا مشروع کرنا اس کے بیع ہونے کی علامت ہے، صرف وعدہ میں خیار ثابت کرنے کی نہ ضرورت ہے اور نہ کوئی شخص وعدہ کی بنا پر کبھی کسی خیار کے ہونے یا نہ ہونے کا مطالبہ کرتا ہے۔ یہ بھی اس کے بیع ہونے کی دلیل ہے۔

ہشتم: بیع استصناع میں متعاقدین کو حق ہے کہ وہ فریق مخالف کے متعلق کسی امر متنازع فیہ کی بنا پر قضاء قاضی کے لئے چارہ جوئی کرے تو یہ عدالتی کارروائی کا استحقاق اس کے بیع ہونے کی دلیل ہے، اگر یہ صرف وعدہ قرار دیا جائے تو یقیناً اس کے لئے قضاء قاضی کی نہ ضرورت ہے، نہ دار القضاء اس کو قبول کرے گا۔

نہم: مستصنع آرڈر دینے کے بعد اپنے آرڈر سے رجوع نہیں کرسکتا، اس لئے کہ اگر اس کو رجوع کرنے کا حق دیا جائے تو اس صورت میں صانع کا نقصان ہونے کا ظن غالب ہے، اس نے آرڈر کی بنا پر جو خام مال خریدا ہو یا وہ معقود علیہ کا کچھ حصہ تیار کر چکا ہو تو عاقد (مستصنع) کے انکار کی بنا پر ہوسکتا ہے کہ دوسرا کوئی شخص اس سے وہ مال نہ خریدے۔ تو اس کے لئے یہ واضح ضرر ہے، اس لئے اس کو بیع قرار دینا زیادہ قرین عدل ہے نہ کہ وعدۂ بیع، یہ رائے حضرت امام ابو یوسف کی رائے کے مطابق ہے کہ وہ اس بیع میں خیار کے قائل نہیں۔

۳— فقہ اکیڈمی کے سوالنامہ میں تیسرا سوال یہ ہے کہ کیا یہ شیئ معدوم کی بیع ہونے کی وجہ سے ناجائز نہیں؟ اور کیا مصنوع کے

وجود میں آنے سے پہلے اس کو آگے فروخت کرنا درست ہے، یعنی متوازی استصناع کا حکم کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ یہ شیئ معدوم کی ہی بیع ہے اور یقینا حدیث میں معدوم کی بیع کی ممانعت ثابت ہے، چنانچہ حضرت حکیم بن حزام سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایسی چیز کے فروخت کرنے سے منع فرمایا جو میرے پاس نہ ہو (ترمذی وغیرہ)۔

اس حدیث میں شیئ معدوم کے بیع کی ممانعت کی وجہ کیا ہے، یہ سوال اہم ہے اس کا جواب دوسری احادیث سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اس کی بنیادی وجہ غرر، جہالت اور شیئ معدوم کو مہیا کرنے سے عاجز ہونے کا خدشہ ہے، بیع استصناع میں جنس، نوع، صفت، مقدار وغیرہ تمام امور کا تعین ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی عاقدین عرف وعادت اور تجربات وشرائط کے تعین میں معاصرانہ طرز عمل اختیار کرنے کی بنا پر غرر اور جہالت سے محفوظ رہ سکتے ہیں، اس لئے اس حدیث کی ممانعت کا مصداق یہ بیع نہیں، چنانچہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ممبر تیار کرنے کا حکم دیا (بخاری، مسلم)۔ اسی طرح آپ نے حجامت کے لئے صحابہ مقرر فرمائے، انگوٹھی تیار کرائی۔ ان نصوص کو اور تعامل کو نیز اجماع امت کو اس کا مقیس علیہ قرار دے کر اس کے جواز کا قول اختیار کیا گیا ہے۔ حنفیہ نے قیاس اور استحسان کو اس کا مبنی قرار دیا ہے، مقیس علیہ بیع سلم بھی ہوسکتی ہے اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ضرورت ہے۔ اور استحسان بربنائے ضرورت یا قیاس جلی کے مقابلے میں قیاس خفی کا نام ہے، اس لئے اس کا اصل مدار ممبر کے استصناع پر ہے۔ دوسرے تعامل ناس کی بنا پر اس کے لئے وجہ جواز استحسان ہے اور تیسرے بیع سلم پر قیاس کرتے ہوئے اس کا جواز ہے، ان تین امور کی بنا پر یہ حدود ممانعت سے خارج ہے۔ یاد رہے کہ امام زفر اس بیع کے جواز کے قائل نہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ کیا شیئ مطلوب کے وجود میں آنے سے پہلے اس کے آگے کی بیع جائز ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ استصناع کو واضح اور غیر مبہم معاہدوں کے نتیجے میں جائز دینے کا مقتضی یہ ہے کہ اس کی آگے کی بیع بھی جائز ہو، چنانچہ حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی نے لکھا ہے :

استصناع کو مخصوص معاہدوں میں تمویل کی سہولت فراہم کرنے کے لئے استعمال کرنا جائز ہے، خاص طور پر ہاؤس بلڈنگ فائنانس کے شعبہ میں (اسلام اور جدید معاشی مسائل)۔

بیع استصناع میں اگرچہ اولین عقد شیئ معدوم ہی کا ہوتا ہے، لیکن چونکہ عقد میں جنس، نوع، اوصاف وغیرہ شرائط طے ہو جانے کی شرطیں طے ہیں، اس لئے یہ بیع درست ہے، ان شرائط کے تعین کی بنا پر جہالت یا غرر باقی نہیں رہتا، اس لئے یہ بیع نہ فاسد ہے نہ باطل۔ اسی طرح اگر صانع نے آگے کسی تیسرے فرد کے ساتھ یہی معاہدہ کیا تو یہ بھی درست ہوگا۔

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی نے مکان تعمیر کرنے کے سلسلہ میں بیع استصناع کے متعلق لکھا ہے یہ ضروری نہیں کہ تمویل کار (صانع اول) گھر خود تعمیر کرے بلکہ وہ کسی تیسرے فریق کے ساتھ متوازی عقد استصناع کے معاہدے میں داخل ہوسکتا ہے یا کسی ٹھیکہ دار کی خدمت لے سکتا ہے، دونوں صورتوں میں وہ لاگت کا حساب لگا کر استصناع کی قیمت کا تعین اس انداز سے کر سکتا ہے کہ اس سے اسے لاگت پر معقول منافع حاصل ہو جائے (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/ ۱۵۷)۔

غرض کہ جن شرائط کے ساتھ استصناع کا عقد اول درست ہے، انہی شرائط کا تعین جب متوازی استصناع کے لئے ہو جائے تو پھر یہ بھی شرعا درست ہوگا۔

چنانچہ ایسے بہت سے افراد ہیں کہ جو ایک جگہ سے آرڈر لیتے ہیں پھر انہی شرائط کے ساتھ اپنا نفع شامل کر کے کسی دوسرے صنعت

کار سے مطلوبہ اشیاء تیار کراتا ہے، پھر مستصنع اول کو وہ اشیاء فراہم کرتا ہے۔ یہی تعامل ہے جو اشیاء منقولہ میں رائج ہو چکا ہے، اور اب فلیٹس میں بھی بہت سارے بڑے شہروں میں شروع ہو چکا ہے، اس لئے بر بنائے تعامل اس کے جواز کا قول اختیار کیا جا سکتا ہے۔

۴— یہ بیع بر بنائے تعامل وضرورت جائز قرار دی گئی ہے، اب جب یہی تعامل اور ضرورت اشیاء غیر منقولہ میں بھی پایا جائے تو یہاں بھی درست ہوگا اور وہ شرائط جو اشیاء منقولہ کے بیع استصناع کے جواز کے لئے ملحوظ رکھنا ضروری ہیں، جب وہی شرائط اموال غیر منقولہ میں بھی ملحوظ رکھی جائیں گی تو اشیاء غیر منقولہ کا استصناع بھی جائز ہوگا۔ اس سلسلہ میں حنفیہ نے جو شرائط مقرر کی ہیں، وہ حسب بیان الفقہ الاسلامی وادلتہ از دکتور وہبہ زحیلی یہ ہیں :

اول : شیئ مصنوع کی جنس، نوع، مقدار اور اس کے اوصاف مقرر کئے جائیں، مثلاً برتن بنانے کا آرڈر دیا گیا، تو کس دھات کا ہوگا، کون سا برتن ہوگا، کتنا بڑا ہوگا، حجم کیا ہوگا اور برتنوں کی تعداد کیا ہوگی، یہ تمام امور طے کرنا ضروری ہیں، تا کہ نہ کسی قسم کا ابہام رہے اور نہ شیئ مجہول رہے، ورنہ یہ عقد مفضی الی النزاع ہو سکتا ہے۔ یہ تمام شرائط طے نہ ہوں تو یہ عقد درست نہ ہوگا۔

دوم : شیئ مصنوع ان اشیاء میں سے ہو جن کا تعامل ہو چکا ہو، اگر کسی ایسی چیز کا عقد استصناع کیا گیا جو متعارف بھی نہیں اور عوام میں اس کا تعامل بھی نہیں تو اس کا یہ عقد درست نہ ہوگا۔

آج کے دور میں اس کا تعامل بہت زیادہ وسیع ہو چکا ہے، حتی کہ تعمیرات خصوصاً مکانات اور فلیٹ تعمیر کرنے کا سلسلہ پورے عالم میں جاری ہے، اسی لئے جب فلیٹس کے متعلق تعامل پایا گیا ہے تو اس کا عقد استصناع درست ہوگا۔ تیسرے اس عقد میں کوئی مدت مقرر نہ کی جائے گی، اگر مدت مقرر کر دی گئی تو اس صورت میں یہ عقد استصناع نہیں بلکہ عقد سلم قرار پائے گا اور اس صورت میں عقد سلم کے احکام جاری ہوں گے اور اس کے احکام میں سے ایک حکم یہ ہے کہ پوری قیمت کی ادائیگی مجلس عقد میں ہی لازم ہوگی۔ اس تیسری شرط کی بنا پر یہ عقد استصناع سے نکل کر بیع سلم بن جائے گا، اس سلسلہ میں آج کے عہد میں صاحبین کی رائے کے مطابق اس کو مدت کی شرط کے بغیر اس کو استصناع قرار دینا بہتر ہے، چنانچہ صاحبین کی رائے یہ ہے : صاحبین کی رائے یہ ہے کہ مدت کی عدم تحدید شرط نہیں ہے، اور یہ عقد بہر حال استصناع ہی رہے گا چاہے مدت کا تعیین کیا ہو یا نہ کیا ہو، "**قال الصاحبان : لیس بشرط والعقد استصناع علی کل حال حدد فیہ آجل أو لم یحدد**" (الفقہ الاسلامی: ۳۶۴۸) ۔ اسی اصول کی بنا پر مجلۃ الاحکام میں یہ دفعہ لکھی گئی :

"**کل شیئ تعومل استصناعہ یصح فیہ الاستصناع علی الإطلاق، وأما ما لم یتعامل باستصناعہ إذا بین فیہ المدۃ صار سلماً، وإذا لم یبین فیہ المدۃ کان من قبیل الاستصناع أیضاً**" (ہر وہ شیئ جس کے استصناع کا تعامل ہو چکا ہو، اس کی بیع استصناع مطلقاً جائز ہے (مدت کا تعیین کیا ہو یا نہ کیا ہو) اور جس کا تعامل نہ ہو اس کے استصناع میں اگر مدت کی تعیین کیا ہو تو وہ بیع سلم ہوگی اور اگر مدت کا تعیین نہ کیا ہو تو وہ بیع استصناع کے قبیل سے ہوگی۔ اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ جن اشیاء کے بیع استصناع کا تعامل ہو گیا ہو ان اشیاء کا استصناع متوازی بھی درست ہوگا اور جیسے استصناع اول کے لئے جنس، نوع، صفت، قدر کا تعیین لازم ہے، اسی طرح متوازی استصناع کے لئے بھی جب یہ شرط پائی جائے تو درست ہوگا۔

۵— اس سوال کا جواب اوپر آ چکا ہے کہ استصناع متوازی درست ہے، عاقدین اولین میں سے ایک طرف فرد ہوگا جو مستصنع ہے

اور دوسری طرف سے فرد ہو یا ادارہ جو صانع (بائع) ہوگا، پھر یہ فرد یا ادارہ آرڈر لے کر کسی تیسرے فرد یا ادارے کو ٹھیک انہی شرائط کے ساتھ یہ کام تفویض کرے تو اس طرح یہ استصناع متوازی ہوگا، یہ شکل یقیناً درست ہے، چنانچہ اوپر حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی کے حوالے سے جواز نقل کیا جا چکا ہے، اس سلسلہ میں اصل نکتہ یہ ہے کہ شرائط کا تعین اور ضوابط کی پابندی بہرحال لازم ہے، چاہے یہ عقد دو افراد کے درمیان ہو یا ایک فرد اور ادارے کے درمیان ہو پھر وہ ادارہ چاہے مفوضہ کام خود انجام دے یا کسی دوسرے فرد کے ساتھ اس طرح عقد استصناع کرے۔

۶ — عقد استصناع میں صانع کو جو رقم دینی پڑتی ہے، اس کی حیثیت اصولی طور پر بیعانہ کی ہوتی ہے اور بیعانہ وہی عربان ہے جس کو حدیث میں منع کیا گیا ہے، چنانچہ ابوداؤد اور نسائی ان میں ہے: عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده قال: نهی رسول الله ﷺ عن بیع العربان۔

اس کی شرح کرتے ہوئے صاحب لمعات نے لکھا: هو أن یشتری السلعة و یعطی البائع درهماً أو أقل أو أکثر علی أنه إن تم البیع حسب من الثمن و إلا لکان للبائع و لم یرجعه المشتری و هو باطل لما فیه من الشرط و الغرر۔

اس حدیث کی بنا پر حنفیہ، شافعیہ و مالکیہ کے یہاں بیعانہ ناجائز ہے، اب خریدار یعنی مستصنع نے جن شرائط اور اوصاف سے متصف شیئ تیار کرنے کا عہد کیا تھا، اگر صانع نے ان تمام شرائط کی پابندی کی ہے تو پھر مستصنع کا مکر جانا غیر شرعی ہوگا، یہ عقد چونکہ قائم ہے، اس لئے ایسی صورت میں اس عقد لازم کی نفی کرنے کا اسے کوئی حق نہیں، لیکن اگر وہ اس کے باوجود عقد پر قائم نہ رہے تو صانع کے لئے وصول کردہ رقم کے جواز کی کوئی صورت بجز اس کے نہیں کہ وہ صرف اتنی رقم لینے کا حقدار ہوگا جتنا سامان وہ تیار کر چکا ہے اور وہ سامان بھی مستصنع کو حوالہ کرنے کا ذمہ دار ہوگا، اس لئے کہ تیار شدہ سامان بھی اگر اسی کے پاس رہے اور وصول شدہ رقم بھی بطور جرمانہ یا تلافی نقصان کے نام رکھے تو اس کے لئے یہ جائز نہ ہوگا۔ وہ سامان جو مستصنع کے مطلوب اوصاف اور ڈیزائن کے مطابق تیار کیا گیا مثلاً فرنیچر (میز، کرسیاں، پلنگ وغیرہ) اور اس نے معاہدے کے مطابق مطلوبہ شرائط کی پابندی کر کے سامان تیار کر دیا، پھر اس کا رد کر دینا ظلم ہے مگر وہ پھر بھی سامان ہی ہے، اور مال متقوم ہے نہ کہ ضائع ہونے والی کوئی ایسی شیئ جس کی اب کوئی قیمت نہیں۔ اس سلسلہ میں وہ ایک طریقہ کار یہ اپنا سکتا تھا کہ ایگریمنٹ کرتے ہوئے پہلے ہی یہ طے کرے کہ اگر مطلوبہ سامان تمام شرائط و اوصاف کے مطابق تیار کر دینے کے باوجود مستصنع نے رد کر دیا تو ادا شدہ رقم اس وقت تک واپس نہیں کی جائے گی جب تک یہ سامان کسی اور جگہ فروخت نہ ہو جائے۔ بہرحال علی الاطلاق اس رقم کو صانع کے لئے اس لئے جائز قرار نہیں دیا جا سکتا کہ یہ عربان ہی ہے جو قمار کے پائے جانے کی وجہ سے ممنوع ہے، اور امام احمدؒ کے سوا تمام ائمہ اس کی حرمت کے قائل ہیں، لیکن اگر ابتداء عقد میں ہی یہ شرط لگائی کہ اگر مشتری (مستصنع) نے تیار شدہ مال شرائط کے مطابق ہونے کے باوجود رد کر دیا تو ادا شدہ رقم (بیعانہ) صانع کا حق ہوگا تو اس شرط لگانے کی بنا پر یہ عقد صحیح ہوگا یا فاسد۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حنفیہ کے یہاں یہ بیع فاسد اور دیگر ائمہ کے یہاں باطل ہوگی۔ اور وجہ وہی حدیث میں وارد ممانعت اور دوسرے یہ کہ کسی کا مال بغیر عوض لینا ہے، لہذا بیعانہ لینے کا صانع کو کوئی حق نہیں۔

۷ — مصنوع کے لئے ضرورت کا خام مال (میٹریل) اگر مستصنع (خریدار) نے مہیا کر دیا تو اب عقد استصناع ہوگا یا اجارہ، اس کا جواب یہ ہے کہ مستصنع نے میٹریل مہیا کر دیا تو اب یہ استصناع نہیں بلکہ عقد اجارہ علی الصنع ہوگا جو اجارہ ہی کے قبیل سے ہے، چنانچہ علامہ

سرخسی نے لکھا ہے کہ کسی چیز کے بنانے کے لئے اجارہ عمل کی بیع ہے نہ کہ عین کی اور عین اس کے تابع ہے۔ اس لئے کہ استصناع میں معقود علیہ عین ہوتا ہے جبکہ اجارہ میں معقود علیہ عمل ہوتا ہے، علامہ کاسانی نے فرق کرنے کے لئے یہ مثال دی ہے کہ اگر کسی شخص نے لوہار کو لوہا دے کر کوئی برتن یا اوزار بنانے کو دیا اور اجرت مقرر کردی تو یہ جائز ہے اور اس میں فسخ کا اختیار نہیں اور اگر اس شخص نے آرڈر کے مطابق وہ چیز تیار کردی تو وہ مستحق اجرت ہوگا اور اگر چیز خراب کردی تو لوہار اتنی مقدار کے لوہے کا ضامن ہوگا، عقد استصناع میں جب خام مال مستصنع نے فراہم کردیا تو اب چونکہ یہ عقد اجارہ بن گیا، اس لئے صانع اجیر مشترک قرار پائے گا اور وہ اجرت علی الصنع کا مستحق ہوگا اور متعاقدین میں سے کسی ایک کے فوت ہونے پر یہ عقد ختم ہوگا، البتہ خام مال مستصنع کا ہوگا، کیونکہ درحقیقت یہ اسی کا تھا، اس طرح یہ حکم بھی ہوگا کہ اگر خام مال مستصنع سے لیا اور آرڈر کے مطابق اس نے وہ چیز تیار نہ کی تو خریدار کو حق ہوگا کہ وہ اس کو روک دے اور اس پر اس بات کا جبر نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مطلوبہ اوصاف کے مطابق چیز نہ ہونے کے باوجود اسے قبول کرے، اب جب وہ رد کرنے کا اختیار رکھتا ہے تو صانع خود اس شیئ کا مالک ہوگا اور خام مال کے بقدر وہی مال یا اس کی قیمت ادا کرنے کا ضامن ہوگا یا ایسی نوع کے خام مال سے مقررشدہ آرڈر کے مطابق وہ شیئ تیار کرکے دینے کا ضامن ہوگا، چنانچہ علامہ کاسانی کی اوپر بیان کردہ مثال سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

۸— عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی تاریخ کے اندر اگر بائع (صانع) نے وہ چیز مہیا نہ کی تو یقیناً اس میں مستصنع (خریدار) کا نقصان ہوسکتا ہے مگر اس کی تاخیر پر وہ کوئی جرمانہ وصول کرنے کا حق نہیں رکھتا، اس لئے کہ یہ تاوان تاخیر مدت کی بنا پر ہے اور تاخیر مدت کی بنا پر کوئی جرمانہ لینا مال کا جرمانہ ہے جو شرعاً درست نہیں، یقیناً اس میں اس بات کا خدشہ ہے کہ مستصنع کو یہی چیز کسی اور جگہ سے زائد قیمت پر لے کر گاہک کو فراہم کرنی پڑ سکتی ہے، تو اس صورت میں جو زائد رقم اس کو صرف کرنی پڑی اتنی رقم اس صانع سے لینے کا حق ہوگا، جو درحقیقت تاوان نہیں ہے، اس لئے کہ اس نقصان کا سبب وہی بنا ہے، اس لئے اس کا ضمان بھی اس کے ذمہ ہوگا، اس سلسلہ میں فقہ کا یہ اصول ملحوظ رکھا جائے جو دراصل حدیث ہے: ”لا ضرر و لا ضرار“ زیر نظر معاملے میں صانع کی طرف سے جو ضرر ہے، وہ واضح ہے، اس لئے اس زائد رقم کے ضرر کا سبب جو شخص بنا ہے، اس سے اتنی ہی مقدار کا ضمان لینا درست ہوگا۔

البتہ اس کا بہتر حل یہ ہوگا کہ وہ سامان اسی صانع کو اسی مقررہ رقم پر فروخت کرسکتا ہے، لیکن درحقیقت صانع کی طرف سے مقررہ تاریخ پر سامان نہ تیار کرنا یا تو اس کے کوتاہی کے سبب سے ہوگا یا کسی ایسے بائع کی وجہ سے جو اس کے اختیار سے باہر ہو، اگر کوتاہی صانع کی طرف سے ہو تو از قبیل استہلاک ہوگا اور اگر کوتاہی اس کی نہیں بلکہ ایسا مانع قوی تھا جو اس کے اختیار سے باہر تھا تو یہ از قبیل ہلاک ہوگا، اس لئے ان دونوں صورتوں میں حکم بھی الگ الگ ہوگا۔

شریعت کے عمومی ضوابط کا مقتضا یہی ہے کہ اس طرح کے نقصان پر تاوان لازم نہیں ہوتا، چنانچہ دیکھئے متعاقدین کے درمیان عقد بیع ہوگیا۔ مشتری نے مبیع پر قبضہ کرلیا اور ثمن کی ادائیگی کے لئے مہلت مانگی، بائع نے مہلت دی مگر پھر بھی مشتری نے اس مہلت کے باوجود ثمن ادا نہیں کیا تو اس صورت میں بھی مشتری پر کوئی تاوان لازم نہیں ہوتا۔ حالانکہ ممکن ہے کہ بائع کو وقت پر ثمن نہ ملنے کی وجہ سے کوئی نقصان ہوا ہو، مثلاً خود اسے کوئی چیز خریدنی تھی جو نہ خرید سکا، اس نقصان کے باوجود کوئی تاوان لازم نہ ہوا، مستاجر نے دکان یا مکان کا کرایہ وقت پر ادا نہ کیا جس کی بنا پر موجر کو نقصان ہوا تو اس میں بھی مستاجر پر کوئی تاوان لازم نہیں ہوتا۔ ایک شخص نے مکان یا زمین فروخت کی اور

مشتری سے قسطوں میں ثمن ادا کرنے کا معاہدہ ہو گیا، اس کے بعد بائع نے ثمن کی وصولیابی کی اور امید پر دوسری جگہ کوئی مکان یا زمین خریدی، لیکن اس مشتری نے حسب عقد ثمن کی قسطیں ادا نہ کیں، اور اس بنا پر بائع یا تو وہ مکان یا زمین خرید ہی نہ سکا یا خرید لینے کے بعد محض قیمت ادا نہ کر پانے کی بنا پر بیع ٹوٹ گئی تو یہاں بھی اس مشتری سے کوئی تاوان نہیں لے سکتے، اس نقصان کا سبب بننے والے شخص کی اس صورت حال کو دیکھنا ضروری ہے جس میں وہ عقد استصناع میں مبیع کو وقت مقررہ پر ادا نہ کر سکا۔

عقد استصناع سے متعلق بعض مسائل

مولانا محمد ظفر عالم ندوی ☆

موجودہ دور میں تمویل کے جو طریقے اختیار کئے گئے ہیں، ان میں ایک طریقہ استصناع (Manufacturing) کا ہے۔ جس کا اس وقت کافی رواج ہوتا جا رہا ہے، عہد نبوی اور بعد کے ادوار میں استصناع کا رواج معمولی اشیاء میں تھا لیکن اب اس کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ہے اور مالیاتی ادارے استثمار اور تمویل کے لئے اس کو اختیار کر رہے ہیں۔ یقیناً یہ ایک اہم موضوع ہے اور غور و فکر کی چیز ہے۔ اس موضوع پر بحث سے قبل ہم استصناع سے متعلق ضروری امور کی وضاحت مناسب سمجھتے ہیں۔ تاکہ اصل موضوع پر گفتگو آسان ہو اور اس سلسلہ میں جو سوالات ہیں ان کا حل پیش کیا جا سکے۔

تعریف:

مشہور فقیہ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے استصناع کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"طلب العمل من الصانع فی شیئ مخصوص علی وجه مخصوص" (ردالمحتار ۵/ ۲۲۳ جدید نسخہ) (کسی مخصوص چیز کو مخصوص انداز میں تیار کرنے کے لئے صانع کو آرڈر دینا عقد استصناع کہلاتا ہے)۔

وضاحت: دوسرے عقود کے مقابلہ عقد استصناع کے کچھ امتیازی پہلو بھی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں: استصناع میں عقد کے وقت مبیع معدوم ہوتی ہے اور بعد کو تیار کی جاتی ہے جس طرح بیع سلم معدوم کی ممانعت سے مستثنیٰ کی جانے والی خصوصی صورت ہے۔ وہی صورت استصناع کی بھی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ استصناع میں مبیع اور ثمن دونوں ادھار ہو سکتے ہیں۔

مشروعیت:

اس عقد کا جواز خود نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اسی طریقہ پر آرڈر دے کر انگوٹھی بنوائی ہے، اسی طرح آپ ﷺ کے لئے ممبر بنوایا گیا ہے، امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح البخاری میں یہ روایت نقل کی ہے:

"أن رجالاً أتوا سهل بن سعد الساعدی وقد امتروا فی المنبر ثم عاده، فسألوه عن ذلک فقال: واللہ إنی لأعرف مما هو ولقد رأیته أول یوم وضع وأول یوم جلس علیه رسول اللہ ﷺ، أرسل رسول اللہ ﷺ إلی فلانة امرأة من الأنصار قد

☆ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

سماها سهل : ''مری غلامک النجار أن یعمل لی أعواداً أجلس علیهن إذا کلمت الناس'' فأمرته، فعملها من طرفاء الغابة ثم جاء بها، فأرسلت إلی رسول اللہ ﷺ فأمر بها فوضعت هاهنا''۔

شرائط : استصناع درست ہونے کے لئے درج ذیل شرائط کا لحاظ ضروری ہے :

۱— استصناع کے لئے یہ ضروری ہے کہ عمل بھی صانع کی طرف سے ہو اور بناوٹ کا میٹریل بھی صانع کی طرف سے ہو، اگر میٹریل آرڈر دینے والے کی طرف سے ہو تو یہ اجارہ کی شکل ہو جائے گی بیع نہیں ہوگی۔

۲— دوسری شرط یہ ہے کہ ایسی چیزوں میں درست ہے جس میں انسانی صنعت کا دخل ہو، شیخ وہبہ الزحیلی صراحت کرتے ہیں :

''الاستصناع کما عرفنا عقد مع ذی صنعة علی عمل بشیئ معین وتکون مادة الصنع من الصانع'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ)۔

۳— بیع سلم کی طرح استصناع میں قیمت کا پہلے ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔

۴— استصناع عقد بیع ہے اور دونوں فریق پر لازم ہے۔

مذکورہ تفصیلات کو سامنے رکھتے ہوئے سوالنامہ میں درج سوالات کے جوابات اس طرح ہوں گے :

۱— استصناع کی جو تعریف اور شرائط اوپر بیان کی گئی ہیں، ان کے پیش نظر استصناع میں وہ تمام چیزیں داخل ہوں گی جن کی انسانی سماج کو ضرورت ہو اور اشیا کے اوصاف منضبط اور متعین کئے جاسکتے ہوں، اور لوگوں میں ان کا تعامل بھی ہو، نیز یہ چیزیں صناعت میں سے ہوں خواہ یہ معمولی اشیاء ہوں یا اہم اور قیمتی اشیاء۔

اس میں اصل الاصول تعامل ناس ہے، الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید کے مصنف لکھتے ہیں :

''نحن ترکنا القیاس لتعامل الناس فی ذلک فإنهم تعاملوه من لدن رسول اللہ ﷺ إلی یومنا هذا من غیر نکیر منکر، وتعامل الناس من غیر نکیر أصل من الأصول کبیر'' (۴/ ۳۳)۔

علامہ کاسانی نے اسی اصول کی بناپر بدائع الصنائع میں کچھ چیزوں کو بطور مثال بیان کیا ہے۔

موصوف لکھتے ہیں :

''وأن یکون مما یجری فیه تعامل بین الناس من أوانی الحدید والرصاص والنحاس، ونحو ذلک'' (بدائع ۶/ ۸۶)۔

گویا اس مسئلہ میں مدار تعامل ناس ہے، اسی لئے شیخ وہبہ زحیلی نے کچھ اور چیزوں کو بھی شامل کیا ہے۔

''وأن یکون المصنوع مما یجری فیه تعامل الناس کالمصنوعات والأحذیة والأوانی وأمتعة الدواب ووسائل النقل الأخری'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۲۶۴۳)۔

موصوف آگے لکھتے ہیں :

''ویصح فی عصرنا الحاضر الاستصناع فی الثیاب لجریان التعامل فیه والتعامل یختلف بحسب الأزمنة والأمکنة'' (حوالہ سابق)۔

ان اصولی بحثوں سے معلوم ہوا کہ مصنوعات خواہ بڑی ہوں یا چھوٹی، اگر ان کا تعامل ہو جائے تو ان کا استصناع جائز ہوگا۔

۲— استصناع بیع ہے یا وعدۂ بیع؟

اس سلسلہ میں فقہا کے کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقد بیع ہے وعدہ نہیں۔

علامہ عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں:

"صح علی أنه بیع علی أنه مواعدة ثم ینعقد عند الفراغ بیعا بالتعاطی إذ لو کان کذلک لم یختص بما فیه تعامل، قال فی النهر: وأورد أن بطلانه بموت الصانع ینافی کونه بیعا وأجیب بأنه إنما بطل بموته لشبهه بالإجارة" (رد المحتار ۷/ ۵۰۵)۔

شیخ وہبہ الزحیلی اس مسئلہ پر پوری تحقیق کرنے کے بعد راجح قول درج ذیل عبارت کے ساتھ اس طرح نقل فرماتے ہیں:

"والصحیح الراجح فی المذهب الحنفی أن الاستصناع بیع للعین المصنوعة لا بعمل الصانع فهو لیس وعداً ببیع ولا إجارة علی العمل فلو أتی الصانع بما لم یصنعه هو أو صنعه قبل العقد بحسب الأوصاف المشروطة جاز ذلک والدلیل أن محمد بن الحسن ذکر فی الاستصناع القیاس والاستحسان وهما لا یجریان فی المواعدة ولأنه جوزه فیما فیه تعامل دون ما لیس فیه تعامل ولو کان مواعدة جاز فی الکل" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۳۶۴۴)۔

۳— عقد استصناع کا تعلق شیئ معدوم کی بیع ہے جیسا کہ بحث کی ابتداء میں یہ صراحت آچکی ہے۔ اور قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ شیئ معدوم کی بیع درست نہ ہو لیکن دلیل استحسان اور تعامل ناس کی وجہ سے اس کے جواز پر امت کا اجماع ہے۔

تو جس طرح ابتداءً استصناع جائز ہے، اسی طرح بعد میں بھی جائز ہے، یعنی شیئ اول کے وجود میں آنے سے پہلے درست ہے۔ بشرطیکہ یہ دوسرا معاملہ اپنا مستقل وجود رکھتا ہو اور یہ معاملہ کسی تیسرے فریق سے ہو، اس طور پر کہ جو شخص اپنے بائع (صانع) کا مشتری ہو تو یہ شخص اب تیسرے شخص کا بائع (صانع) ہو اور تیسرا شخص تصرفات میں خود کفیل ہو، اس کا تعلق پہلے شخص سے بطور تصرف نہ ہو اگر اس کے خلاف ہو اور تیسرا شخص پہلے شخص کے ساتھ مل کر معاملہ کرتا ہے تو یہ معاملہ عائد إلی الاول ہوگا جو شرعاً درست نہیں۔

اس کو مثال سے یوں واضح کیا جا سکتا ہے کہ زید نے بکر سے عقد استصناع کیا، لیکن زید نے مصنوع کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اس چیز کا تیسرے شخص عمرو سے عقد استصناع کر لیا اور یہ تمام افراد مستقل طور پر اپنا مکمل وجود رکھتے ہیں، یعنی زید اور تیسرا شخص عمر مل کر یہ معاملہ کرتے ہیں تو یہ جائز نہیں ہوگا، یہ by back معاملہ ہوگا جو شرعاً جائز نہیں اور یہ تمام صورتیں بیع معدوم سے مستثنیٰ ہوں گی، کیونکہ آج کل عالمی پیمانہ پر اس طرح کے معاملات انجام دیئے جا رہے ہیں جس نے ایک ضرورت کا درجہ حاصل کر لیا ہے، گویا یہ معاملہ عقد متوازی ہی کی ایک شکل ہے۔

۴— عقد استصناع منقولہ یا غیر منقولہ کن چیزوں میں جاری ہوگی؟

اس سلسلہ میں بھی تعامل الناس اور عرف وعادات کو معیار بنایا جائے گا تعامل وعادات ازمنہ وامکنہ کی وجہ سے بدلتے رہتے ہیں، اسی اصول کے پیش نظر استصناع کے معاہدے کو بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی منقولہ اور غیر منقولہ اشیاء جیسے عمارت تعمیر کرنا، اس کے

ساتھ زمین فراہم کرنا، پل یا سڑک تعمیر کرنا، پلانٹ لگانا وغیرہ ان چیزوں اور ان جیسی دیگر چیزوں کے تحت عقد استصناع کی گنجائش ہوگی۔

شیخ وہبہ زحیلی لکھتے ہیں :

''أن يكون المصنوع مما يجري فيه تعامل الناس كالمصنوعات والأحذية والأواني وأمتعة الدواب ووسائل النقل الأخرى فلا يجوز الاستصناع في الثياب أو في سلعة لم يجر العرف باستصناعها كالدبس (ما يخرج من العنب) لعدم تعامل الناس به''۔

پہلے کے ادوار میں تعامل ناس نہ ہونے کی وجہ سے کپڑوں میں استصناع کی اجازت نہیں تھی، لیکن آج اس کا تعامل ہے، اس لئے اس کی اجازت ہوگی۔ اسی طرح منقولہ وغیر منقولہ اشیاء کا بھی معاملہ ہوگا۔

شیخ موصوف آگے لکھتے ہیں :

''ويصح في عصرنا الحاضر الاستصناع في الثياب لجريان التعامل فيه والتعامل يختلف بحسب الأزمنة والأمكنة'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۳۶۴۷)۔

د — عقد استصناع متوازی جو ابتداءً ادارہ اور مستصنع کے درمیان پھر ادارہ اور صانع کے درمیان ہوتا ہے اس طریقہ کو اسلامی مالیاتی ادارے تمویل کی سہولت فراہم کرنے کے لئے مخصوص شرائط و معاہدات کے ساتھ استعمال کرسکتے ہیں، شرعاً اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی ہے، خاص طور پر تعمیر وغیرہ کے موقع پر تحویل کے لئے اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہ معاملہ چونکہ دو مختلف معاہدوں میں داخل ہوتا ہے، اس لئے اس میں یہ شرط ضروری ہے کہ ان دونوں میں سے ہر معاہدہ اس طور پر دوسرے سے الگ اور مستقل الوجود ہو کہ ایک فریق (معاہد) کی ذمہ داریاں دوسرے فریق (معاہد) کی ذمہ داریوں پر موقوف نہ ہوں بلکہ اپنے آپ میں دونوں مستقل بالذات ہوں۔

اس کو مثال سے یوں واضح کیا جاسکتا ہے کہ ادارہ درمیانی فریق ہے، ادارہ نے استصناع کا معاملہ عمر سے کیا، لیکن ساتھ ہی ساتھ اس ادارہ نے دوسرا معاملہ زید سے بطور استصناع کیا تو اس طرح معاملہ میں ضروری ہے کہ دونوں معاملے اپنی اپنی شرائط پر منحصر ہوں۔ ایک کے حقوق و شرائط دوسرے پر موقوف نہ ہوں تو یہ جائز اور درست ہے۔

اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ان دونوں کی تفصیلات پہلے سے طے کرلی جائیں، مثلاً قیمت کی ادائیگی کے وقت کا تعین کہ قیمت قسطوں میں ادا کرے گا یا نقد اور ادارہ قیمت کا تعین اس طور پر کرسکتا ہے کہ اس کو منافع بھی حاصل ہوجائے لیکن ادارہ (تمویل کار) کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ طے شدہ معاملہ کے مطابق چیز فراہم کرے اور اس کے لئے جو اخراجات بھی ہوں گے وہ ادارہ برداشت کرے گا۔

لیکن یہ بات بھی واضح رہے کہ عقد استصناع میں ضروری نہیں کہ روپیہ عقد سلم کی طرح ادا کیا جائے بلکہ روپیہ کی ادائیگی عقد کی تکمیل ہونے کے بعد درمیان یا ابتداء، جب چاہے یا طے شدہ وقت پر قسطوں میں یا نقد ادا کرسکتے ہیں۔

اگر عقد استصناع متوازی کا یہ طریقہ اختیار نہ کیا جائے تو استصناع متوازی کی کوئی شکل نہیں رہ جاتی، مثلاً اجارہ مانا جائے تو درست نہیں قرض مانا جائے تو یہ بھی جائز نہیں کیونکہ مبیع موجود ہے۔

خلاصہ یہ کہ مذکورہ طریقہ پر عقد استصناع متوازی کے معاملہ میں شرعاً کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔

عصر حاضر کے مشہور فقیہ اور جدید اقتصادیات کے ماہر مولانا تقی عثمانی مدظلہ العالی فرماتے ہیں :

''یہ بھی ضروری نہیں کہ تمویل کار گھر کی خود تعمیر کرے، بلکہ وہ کسی تیسرے فریق کے ساتھ متوازی استصناع کے معاہدے میں بھی داخل ہو سکتا ہے۔ یا وہ کسی ٹھیکہ دار کی خدمات بھی حاصل کر سکتا ہے (جو کلائنٹ کے علاوہ ہو) دونوں صورتوں میں وہ لاگت کا حساب لگا کر استصناع کی قیمت کا تعین اس انداز سے کر سکتا ہے کہ اس سے لاگت پر معقول منافع حاصل ہو جائے'' (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/ ۱۵)۔

۶ — ہمارے ملک ہندوستان میں بیعانہ کی جو صورت رائج ہے، اس میں شرط یہ ہوتی ہے کہ جو روپے بطور بیعانہ دیئے جاتے ہیں، اگر معاملہ طے پا گیا تو وہ روپے جز وثمن بن جاتے ہیں، اگر طے نہ پایا تو وہ روپیہ بائع کے ہو جاتے ہیں۔ علماء عرب اس کو بیع العربون کہتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ آیا یہ روپے معاملہ بیع نہ ہونے کی صورت میں بائع کے لئے ضبط کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں امام احمد بن حنبلؒ کے علاوہ تمام ہی فقہاء اس کے ناجائز ہونے پر متفق نظر آتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ عدم وقوع بیع کی صورت میں روپے (بیعانہ) کے ضبط کر لینے کے قائل نہیں ہیں، بلکہ ان کے نزدیک اس کی واپسی ہوگی، وجہ یہ ہے کہ یہ روپے بائع کے پاس بغیر کسی عوض کے چلے گئے ہیں جن کا رکھنا بائع کے لئے جائز نہیں، استدلال میں موطا مالک میں مذکورہ وہ حدیث پیش کرتے ہیں، جس میں آپ ﷺ نے بیعانہ کے رکھنے سے منع فرمایا ہے، ''نهی رسول الله ﷺ عن بیع العربان'' (موطا ۲/ ۶۰۹)۔

امام احمد بن حنبلؒ کا موقف اس کے جواز کا ہے اور دلیل کے طور پر وہ حدیث پاک پیش کرتے ہیں جس میں بیعانہ رکھنے کا جواز ہے آپ ﷺ نے اس کو حلال قرار دیا ہے۔ ''عن زید بن أسلم أنه سئل رسول الله ﷺ عن العربان في البیع فأحله'' (مصنف عبد الرزاق بحوالہ الفقہ الاسلامی ۵/ ۳۴۳۵)۔

اگرچہ اس حدیث پاک پر کلام کیا گیا ہے۔ نیل الاوطار (۵/ ۱۰۲) پر اس حدیث سے متعلق وضاحت ہے: حدیث مرسل وفي إسناده إبراهيم بن أبي يحيى وهو ضعيف (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۳۴۳۵)۔

اسی طرح امام احمدؒ حضرت نافع کے ایک اثر سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ نافع بن عبد الحارث نے صفوان بن امیہ سے حضرت عمر فاروقؓ کی جانب سے بیع کی اور چار سو درہم بطور بیعانہ دیے اور مزید یہ شرط رکھی کہ اگر حضرت راضی ہو گئے تو ٹھیک ورنہ یہ درہم تمہارے ہیں۔

لیکن جمہور فقہاء اس حدیث پر بھی اشکال کرتے ہیں، جیسا کہ شرح بخاری فتح الباری (۵/ ۷۵) پر ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چار سو درہم تھے یا چار ہزار درہم؟ بطور بیعانہ تھے یا مکمل قیمت؟ وغیرہ وغیرہ۔

مذکورہ تمام احادیث وآثار کا جائزہ لینے سے یہ صورت سامنے آتی ہے کہ بیعانہ ضبط کرنے کا مسئلہ مجتہد فیہ ہے، جس میں توسع اختیار کیا جا سکتا ہے۔

فقہ حنفی ہی میں بیع فاسد بدلین پر قبضہ ہو جانے اور التعاطی بالرضا سے درست ہو جاتی ہے، اور آج عالمی سطح پر بیع زیر عمل ہے جبکہ دیگر مذاہب میں یہ جائز نہیں، اگر گنجائش نہیں رکھی گئی تو ممکن ہے کہ عالمی سطح پر معاملات میں مسلمانوں کو نقصان کا سامنا کرنا پڑے۔

اسی طرح عالمی سطح پر بڑے بڑے معاملات انجام پاتے ہیں، اگر معاملہ یک طرفہ رکھا جائے تو ایک فریق کو بسا اوقات نقصان

ہوسکتا ہے، لہٰذا عرف عام اور تعامل ناس کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسی صورت میں امام احمدؒ کے قول کو اختیار کرتے ہوئے اگر بیعانہ ضبط کرنے کی شرط لگا دی جائے تو اس کا رکھنا درست اور جائز معلوم ہوتا ہے بلکہ اس سے معاملات کی راہیں آسان ہوں گی۔

اس مسئلہ میں شیخ وہبہ الزحیلی کی رائے معتدل اور توسع پر مبنی معلوم ہوتی ہے جسے اختیار کیا جاسکتا ہے۔ موصوف فرماتے ہیں :

"وفی تقریری أنه یصح ویحل بیع العربون وأخذه عملاً بالعرف، لأن الأحادیث الواردة فی شأنه عند الفریقین لم تصح" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۳۴۳۵)۔

شیخ احمد مصطفی زرقاء یہی رائے دیتے ہیں۔ موصوف فرماتے ہیں :

"ومن المعلوم أن طریقة العربون هی وثیقة الارتباط العامة فی التعامل التجاری فی العصور الحدیثة وتعتمدها قوانین التجارة وعرفها وهی أساس لطریقة التعهد بتعویض ضرر الغیر عن التعطل والانتظار" (الفقرہ: ۲۳۴، المدخل الفقہی العام ۱/ ۹۵)۔

موجودہ دور میں تجارتی ضرورت ومصلحت اور تعامل ناس کو دیکھتے ہوئے حنابلہ کا مسلک اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ اس مسئلہ میں حکم کی اساس تعامل اور عرف ہے، اس لئے خود فقہ حنفی کے اعتبار سے بھی بیعانہ کی یہ شکل جائز ہوگی اور بائع کے لئے یہ رقم درست ہوگی۔

۷— استصناع میں مال اور محنت صانع کی جانب سے ہوا کرتا ہے اور مستصنع کی جانب سے ثمن ادا کیا جاتا ہے، اگر اس کے برعکس ہوگا، مثلاً میٹریل بھی مستصنع کی جانب سے مہیا کردیا گیا تو یہ عقد اجارہ ہوگا نہ کہ استصناع، اس لئے کہ اجارہ میں محنت مطلوب ہوتی ہے جو مذکورہ صورت میں حاصل ہورہی ہے تاہم استصناع میں محنت کے علاوہ میٹریل بھی مقصود ہوتا ہے۔

شرح المجلۃ (مادۃ نمبر :۴۲۱، ص :۲۳۶) میں درج ہے :

"الإجارة باعتبار المقصود علیه نوعان :الأول عقد الإجارة الوارد علی منافع الأعیان ویقال للشیئ المؤجر عین المأجور وعین المستأجر أیضاً وهذا النوع ینقسم إلی ثلاثة أقسام :الأول إجارة العقار کإیجار الدور والأراضی، القسم الثانی إجارة العروض کإیجار الملابس والأوانی، الثالث :إجارة الدواب۔ النوع الثانی، عقد الإجارة الوارد علی العمل وهنا یقال للمأجور أجیر کاستیجار لخدمة والعملة وأرباب الحرب والصنائع فإن إعطاء السلعة للخیاطة مثلاً لیخیطها ثوباً یعد إجارة علی العمل کما أن استخیاط الثوب علی أن السلة من عند الخیاط استصناع" (شرح المجلہ ۱/ ۲۳۶)۔

مذکورہ عبارت سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اجارہ میں مقصود منفعت وخدمات حاصل کرنا ہوتا ہے، مثلاً خیاط کو بائع نے کپڑے سلائی کے لئے دیا تو یہ اجارہ ہے۔ اگر کپڑا اور سلائی کی محنت دونوں خیاط کی طرف سے ہوتو یہ استصناع ہے، تاہم استصناع کے سلسلہ میں یہ بات بھی واضح ہے کہ شیئ معقود کی فراہمی کا وقت زیادہ سے زیادہ رکھا جاسکتا ہے تاکہ عذر کی کوئی شکل باقی نہ رہے، لیکن اب اس متعینہ مدت کے بعد بھی صانع (بائع) تاخیر کرے جس میں مشتری کے نقصان کا خطرہ ہوتو اب خریدار کو رد وقبول کا اختیار ہوگا، بصورت دیگر بائع کی طرف سے متعینہ مدت اور طے شدہ اوصاف کے مطابق شیئ فراہم کردی جائے تو اکثر فقہاء بلکہ جمیع فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ اس صورت میں مشتری کو رد وقبول کا اختیار رہوگا، رد سے بھی قریب از مصلحت یہی بات معلوم ہوتی ہے۔

شیخ وہبۃ الزحیلی نے اس پہلو پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شیئ معقود کا پوری طرح واضح ہونا ضروری ہے ورنہ عقد استصناع

فاسد ہو جائے گا۔

موصوف لکھتے ہیں :

"بیان جنس المصنوع ونوعه وقدره وصفته لأنه مبیع فلابد من أن یكون معلوماً، والعلم یحصل بذلك فإذا كان أحد هذه العناصر مجهولاً أفسد العقد" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۳۶۴۲)۔

اس نقطہ نظر کی تائید شرح المجلہ مادۃ نمبر: ۳۹۲ سے بھی ہوتی ہے کہ متعینہ اوصاف اور اجل متعین پر چیز فراہم نہ کرنے کی صورت میں مستصنع کو اختیار ہوتا ہے کہ چیز کو رد کردے۔

"إذا انعقد الاستصناع فلیس لأحد العاقدین الرجوع وإذا لم یكن المصنوع علی الأوصاف المطلوبة المبینة كان المستصنع مخیراً" (شرح المجلہ مادہ: ۳۹۲)۔

مذکورہ اصولی گفتگو سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ سوال میں مذکور صورت استصناع نہیں بلکہ اجارہ ہے اور اجارہ میں یہ بات بھی واضح ہے کہ تیار ہو جانے کے بعد چیز کو رد کیا جانا محال ہے، اس میں مشتری کا نقصان ہوگا، کیونکہ خام مال اسی کی جانب سے فراہم کیا گیا لیکن اس نقصان سے بچنے کے لئے تیاری سے پہلے یہ شرط لگائی جاسکتی ہے اور فراہمی کے اعتبار سے اجرت بھی مختلف ہوسکتی ہے، اس شرط کو مثال سے یوں واضح کیا جاسکتا ہے کہ خیاط کو اجرت پر رکھا جائے اور یہ کہا جائے کہ اگر چیز دس دن میں تیار کرتا ہے تو اجرت سو روپے ہوگی، مزید تاخیر کی صورت میں یومیہ اجرت میں تخفیف ہو جائے گی۔

یا اس نقصان سے بچنے کی ایک شکل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ فلاں شخص کو اجرت پر رکھا جائے اور واضح انداز میں یہ بتلا دیا جائے کہ اگر یہ کام بیان کردہ اوصاف کے مطابق ہو تو ٹھیک ورنہ رد کر دیا جائے گا یا یہ مثال بھی ہوسکتی ہے مثلاً زید نے کسی خیاط کو اجرت پر رکھا اور کہا کہ یہ قمیص ایک خاص طریقہ پر سلنا ہے، لیکن خیاط بیان کردہ اوصاف کے خلاف سل دے تو فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اس میں خیاط کی تعدی پائی تو گئی لیکن مشتری کو کلی طور پر اختیار ہوگا کہ وہ اس چیز کے قبول کرنے سے منع کردے اور اپنی چیز کی قیمت یا مثل حاصل کرے۔

ملک العلماء کاسانی رقمطراز ہیں :

"أما استئجار الصانع من الحائك والخیاط والصباغ ونحوهم فالخلاف إن كان في الجنس بأن دفع ثوباً إلی صباغ لیصبغه لوناً فصبغه لوناً آخر، فصاحب الثوب بالخیار إن شاء ضمنه قیمة ثوب أبیض وسلم الثوب، فالأجیر إن شاء أخذ الثوب وأعطاه ما زاد الصبغ فیه إن كان الصبغ مما یزید" (بدائع ۶/ ۶۵)۔

۸— عقد استصناع میں سلم کی طرح مبیع کی حوالگی کا وقت متعین ہونا ضروری نہیں، البتہ مدت میں اتنی گنجائش رکھی جاسکتی ہے جتنی میں صانع مصنوع کو بآسانی فراہم کرسکے، علماء احناف کے یہاں قدرے اختلاف کے ساتھ یہی رائے ملتی ہے۔

"أن القصد من الأجل الاستعجال بلا إمهال كأن علی أن تفرغ منه غداً أو بعد غد، فإن قصد من الأجل الاستعجال والتأجیل لم یصح استصناعاً ولا یصح سلماً إذا كان الأجل دون شهر، والخلاصة أن المؤجل بشهر فأكثر سلم والمؤجل بدونه إن لم یجر فیه تعامل فهو استصناع إلا إذا ذكر الأجل للاستعجال صحیح" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۳۶۴۸)۔

لیکن احناف ہی میں صاحبین کی یہ رائے ہے کہ وقت مقرر کیا جائے یا نہ کیا جائے ہر دو صورت میں یہ معاملہ استصناع ہی ہوگا، کیونکہ استصناع میں وقت کی تحدید وتعیین کا رواج ہے۔ یہ رائے موجودہ حالات سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے اور اس کو اختیار کرنا بہتر ہے۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

"قال الصاحبين: ليس هذا الشرط والعقد استصناع على كل حال حدد فيه أجل أو لم يحدد، لأن العادة جارية بتحديد الأجل في الاستصناع فيكون شرطاً صحيحاً لذلك، وهذا القول هو المتفق مع ظروف الحياة العملية وحاجات الناس فيكون هو الأولى بالأخذ به" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۳۶۴۸)۔

فقہاء کے کلام سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ عقد استصناع میں نقصان سے بچنے کے لئے حسب حال فراہمی، سامان کی مدت زیادہ سے زیادہ مقرر کی جائے اس مدت کے بعد بھی صانع وہ چیز فراہم نہ کرسکے یا مطلوبہ اوصاف کے مطابق مہیا نہ کرے تو اب خریدار کو ردو قبول کا اختیار رہوگا، لیکن نقصان کی تلافی یا تاوان وصول کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ جیسا کہ شرح المجلہ مادہ نمبر: ۳۹۲ پر مذکور ہے۔

"إذا انعقد الاستصناع فليس لأحد العاقدين الرجوع وإذا لم يكن المصنوع على الأوصاف المطلوبة المبينة كان المستصنع مخيراً"۔

رہی یہ بات کہ اگر گراہک کو وہ آرڈر قبول کرنا ہی ضروری ہو جبکہ متعینہ مدت پر وہ آرڈر وصول بھی نہ ہوسکا تو اس کے نقصان کی تلافی کی کیا صورت ہوگی؟

اس مسئلہ میں فقہاء خاموش نظر آتے ہیں، البتہ اجارہ میں اس کی نظیر موجود ہے، اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مذکورہ صورت میں بائع کو یہ نقصان برداشت کرنا پڑے گا، جبکہ مشتری کو معاملہ رد کرنے کا حق ہوگا۔

"أما استئجار الصانع كالحائك والخائط والصباغ ففي حالة المخالفة في الجنس كأن يسلم إنسان ثوباً إلى صباغ ليصبغه لوناً معيناً فصبغه لوناً آخر يكون صاحب الثوب بالخيار إن شاء ضمن الصباغ قيمة الثوب وإن شاء أخذ الثوب وأعطى الصباغ ما زاد الصبغ فيه" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۳۸۵۵)۔

اس نظیر سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مذکورہ صورت میں آرڈر دینے والے کو اختیار حاصل ہوگا، چاہے وہ سامان لے یا رد کردے، ورنہ صانع کو نقصان برداشت کرنا پڑے گا، واللہ اعلم بالصواب۔

عقد استصناع سے متعلق بعض جدید مسائل

مولانا محمد مصطفی عبدالقدوس ندوی ☆

مالی معاملات میں ایک اہم صورت عقد استصناع کی ہے۔ یہ عقد بیع وشراء کے عام معاملات سے جداگانہ ہے کہ اس میں عوض ادھار ہوتے ہیں، گذشتہ زمانوں کے مقابلہ میں اس وقت اس کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا ہے، بڑی سے بڑی چیزوں کو آرڈر پر تیار کیا جاتا ہے۔ اس ٹکنالوجی دور مسابقت میں اسلامی مالیاتی ادارے اس کو تمویل واستثمار کے طور پر بھی استعمال کرنے شروع کردیئے ہیں۔ اس وجہ سے اس زمانہ میں اس کی اہمیت پہلے زمانہ کے مقابلہ میں زیادہ بڑھ گئی ہے، لہذا اس پس منظر میں چند سوالات کے جوابات پیش ہیں :

کن اشیاء میں عقد استصناع جاری ہوگا؟

ان ہی چیزوں میں عقد استصناع درست ہوگا جن کے بارے میں عقد استصناع کا عرف اور لوگوں کا تعامل ہو، جیسے پہلے زمانہ میں جوتے بنانے کا آرڈر دیا جاتا تھا، اسی طرح لوہا، تانبا، پیتل اور شیشہ کے برتن تیار کرنے کا آرڈر دیا جاتا تھا، ہتھیار میں تلوار، اس کے پھل، چاقو کے پھل، تیر اور اس زمانہ میں دیگر مروج متنوع، ہتھیار بنانے کا آرڈر دیا جاتا تھا، اس لئے فقہاء نے ان چیزوں میں عقد استصناع کو درست قرار دیا، جبکہ کپڑے اور قمیصوں میں عقد استصناع کو درست قرار نہیں دیا، کیونکہ ان میں عقد استصناع کرنے کا تعامل لوگوں میں نہیں تھا (دیکھئے: المبسوط ۱/۸۶، ہدایہ ۳/۸۷، بدائع الصنائع ۶/۹۷، ط: دار الحدیث قاہرہ، مصر ۱۴۲۶ھ، رد المحتار ۷/۳۶۶)۔

زمانہ وحالات کی تبدیلی کی ساتھ لوگوں کی ضرورتیں بھی بدلتی رہتی ہیں، خاص طور پر موجودہ دور میں جبکہ صنعتی انقلاب عروج پر ہے، لوگوں کے معیار زندگی میں بڑا فرق آچکا ہے، لوگ زمین پر تیز رفتار سواریوں پر سفر کرنے کے ساتھ ساتھ فضاؤں کی سواریوں پر سفر کررہے ہیں، ان کے سامان بڑے بڑے جہازوں سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو رہے ہیں، انہیں اب بڑی بڑی مشینوں کی ضرورت پیش آنے لگی ہے، چنانچہ آج کل ٹرین، ہوائی جہاز برائے مسافرین، جہاز، بڑی بڑی جنگی کشتیاں، سامان بردار جہاز وکشتیاں، اسلحہ ان میں خاص طور پر میزائلس وغیرہ کی خرید وفروخت عقد استصناع ہی کے طریقہ پر بڑے پیمانہ پر ہوتی ہے، اسی طرح سے آج کل مکانات کی تعمیرات کے معاملات بھی بڑی تیزی کے ساتھ عقد استصناع کے طریقہ پر انجام پارہے ہیں۔

عقد استصناع کی جتنی مثالیں اوپر ذکر کی گئی ہیں ان سب میں لوگوں کے عرف وتعامل کے ساتھ ساتھ انسانی صنعت اور دستکاری کا دخل ہے، لہذا طبیعی پیداوار جیسے : سبزی، پھل، دودھ، گندم، چاول، اور دیگر اناج میں عقد استصناع درست نہیں ہوگا، کیونکہ ان میں نہ عرف پایا جارہا ہے اور نہ ہی ان میں انسانی صنعت کو دخل ہے، نیز انسانی لین دین اور کاروباری اعتبار سے جو انسانی ضرورتیں ان اشیاء سے

☆ استاذ حدیث وتفسیر جامعۃ الصالحات کرپہ (اے پی)۔

وابستہ ہیں وہ بیع سلم سے پوری ہوجاتی ہیں۔

عرف اور لوگوں کے تعامل اور انسانی صنعت کی اساس پر موجودہ دور میں منارے، ستون، دروازے اور دروازے کی چوکھٹ، کھڑکیاں، المنیم کے صندوق اور دوسرے برتن بلکہ مکمل تیار شدہ مکانات جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کئے جاسکتے ہیں، لوہے کی گیرل، چھری اور دوسری چیزیں، اسی طرح لکڑی کی کرسی، صندوق، تخت، پلنگ اور دوسری چیزیں، پلاسٹک کی کرسی اور دیگر سامان میں عقد استصناع درست ہوگا؛ اس لئے کہ ان چیزوں کو آرڈر دے کر بنوانے کا رواج ہے، اور انسانی صنعت سے تیار کیا جاتا ہے۔

کیا عقد استصناع بیع ہے؟

فقہاء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا عقد استصناع خود بیع ہے، یا اجارہ یا وعدہ بیع، چنانچہ بعض فقہاء نے استصناع کو صرف اجارہ قرار دیا ہے، بعض نے ابتداء میں اجارہ اور انتہاء میں بیع کہا ہے، بعض دوسرے فقہاء نے وعدہ بیع کہا ہے۔ ایک چوتھا قول صرف بیع کا ہے، یہ اکثر مشائخ احناف اور فقہاء حنابلہ کا قول ہے (المبسوط ۱۵/ ۸۴ اور اس کے بعد کے صفحات، بدائع ۶/ ۹۵، مجلۃ الاحکام العدلیہ دفعہ نمبر ۳۸۸، الانصاف ۴/ ۳۰۰، العنایہ مع الفتح ۷/ ۱۰۸)۔

صاحب ہدایہ علامہ ابوالحسن مرغینانی اور صاحب درمختار علامہ علاء الدین حصکفی نے بیع کے قول کو صحیح کہا ہے، اس لئے کہ امام محمد نے اس کے جواز کے بارے میں قیاس واستحسان کا ذکر کیا ہے، اور مواعید کے باب میں قیاس واستحسان جاری نہیں ہوتے ہیں (الہدایہ مع الفتح ۷/ ۱۰۸، الدر المختار مع رد المحتار ۷/ ۴۹۵، ط، دار الکتاب دیوبند)۔

اسی طرح اس میں خیار رؤیت حاصل ہوتا ہے، خیار کا حاصل ہونا بیع کی خصوصیات میں سے ہے (الہدایہ مع الفتح ۷/ ۱۰۸، بدائع ۶/ ۹۵) اگر استصناع وعدہ بیع ہوتا تو اس پر درست اور نادرست کا حکم لگانا صحیح نہیں ہوتا، کیونکہ صحیح اور عدم صحیح کا حکم بیع کی خاصیت ہے نہ کہ وعدہ کی۔

ڈاکٹر مصطفی احمد زرقا کا بیان ہے کہ جمہور فقہاء مذاہب اس بات پر متفق ہیں کہ استصناع ہر لحاظ سے عقد ہے نہ کہ محض ایک وعدہ، حتی کہ احناف کے علاوہ فقہاء مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ جو کہ راست استصناع کو جائز قرار نہیں دیتے ہیں، وہ بھی بیع سلم کے تحت عقد تسلیم کرتے ہیں، یعنی بیع سلم کی مطلوبہ شرطیں اس میں پائی جائیں گی تو وہ عقد استصناع بیع سلم ہوجائے گا (مجلۃ الفقہ الاسلامی ۷/ ۲/ ۲۲۳)۔

معدوم مصنوعات کی بیع:

یہ بات مسلمہ ہے کہ جو چیز خلاف قیاس نص، یا اجماع یا عرف وتعامل کی وجہ سے مشروع وثابت ہو، وہ اپنے مورد کے دائرہ میں رہتی ہے اس سے باہر نہیں جاتی ہے، عقد استصناع اسی طرح کے معاملات میں سے ہے کہ خلاف قیاس استحساناً مشروع ہے؛ کیونکہ عقد استصناع میں مبیع شیٔ مصنوع معدوم ہوتی ہے، اور معدوم کی بیع درست نہیں، اس لئے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس طرح کی بیع کرنے سے روکا ہے: "لا تبع مالیس عندک" (ابوداؤد، البیوع، باب فی الرجل یبیع مالیس عندہ، ۳۵۰۳)۔

وجہ استحسان یہ ہے کہ عقد سلم کی طرح عقد استصناع بھی عام بیوع سے مستثنی ہے، مستثنی کی وجہ رسول اللہ ﷺ کا عمل ہے "روی البخاری اصطناع الرسول ﷺ للخاتم فی الأیمان والنذور" (فتح الباری ۱۱/ ۵۴۶)، "وعن أنس أن النبی ﷺ اصطنع

خاتماً فقال : إنا قد اتخذنا خاتماً و نقشنا علیه نقشاً فلا ینقش علیه أحد" (نسائی، الزینۃ، باب موضع الخاتم: ۵۲۸۴)۔

اجماع، اور لوگوں کا تعامل ہر زمانہ میں رہا ہے اور اس کی ضرورت ہر زمانہ میں لوگوں کو رہی ہے (بدائع ۶/ ۹۶)، عنایہ میں ہے :
"والجواز بالاستحسان للإجماع الثابت بالتعامل، فإن الناس في سائر الأعصار تعارفوا الاستصناع" (العنایہ مع الفتح ۷/ ۱۰۸)۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ استحسان اور اجماع کے مقابلہ میں قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے (بدائع ۶/ ۹۲)۔

لہذا یہ سلسلہ وار بیع کی تمام صورتیں بیع معدوم سے مستثنیٰ نہیں ہوں گی اور عام اصول کے مطابق معدوم کی بیع درست نہیں اور مبیع پر قبضہ سے پہلے اس کو فروخت کرنا بھی صحیح نہیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت حکیم بن حزامؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا : "لا تبع ما لیس عندک" عن حکیم بن حزام قال : یا رسول اللہ! یأتینی الرجل فیرید مني البیع لیس عندی، أفأبتاعه له من السوق؟ فقال : "لا تبع ما لیس عندک" (ابوداؤد، البیوع، باب فی الرجل یبیع ما لیس عندہ: ۳۵۰۳)، یعنی جو چیز تمہارے پاس موجود نہ ہو اس کو مت بیچو۔

اسی طرح آرڈر دی ہوئی چیز تیار ہوگئی لیکن اس پر ابھی قبضہ نہیں ہوا تو اس کو دوسرے سے فروخت نہیں کرسکتا، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے مبیع پر قبضہ سے پہلے اس کی خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے : "من ابتاع طعاماً فلا یبعه حتی یستوفیه"، حضرت ابن عباسؓ نے اس حدیث کی روایت کے بعد فرمایا : "وأحسب کل شیئ مثله" (بخاری، باب الطعام قبل ان یقبض، وبیع ما لیس عندک (۲/ ۲۱۴)؛ مسلم، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض (۲/ ۳۸۴)۔

کیا عقد استصناع کا تعلق صرف اموال منقولہ سے ہے؟

اوپر ذکر آچکا ہے کہ عقد استصناع کی بنیاد لوگوں کے عرف و تعامل اور انسانی صنعت پر ہے، لہذا اس اساس پر اموال منقولہ اور غیر منقول دونوں کا حکم برابر ہوگا، پس غیر منقول جیسے بلڈنگ، سڑک اور پل وغیرہ میں عقد استصناع درست ہوگا، کیونکہ ان چیزوں کی تعمیر کا معاملہ نقشے، پیمائش اور دیگر ضروری اوصاف کی تحدید و تعیین کے بعد ہوتا ہے، آج کل کئی منزلہ عمارتوں کی تعمیر میں فلیٹس کی خرید و فروخت عقد استصناع کے طریقہ پر ہوتی ہے، باضابطہ تعمیری سہولیات کے ساتھ پوری عمارت کا مجوزہ نقشہ آویزاں کر دیا جاتا ہے اور قیمت کی ادائیگی کچھ اڈوانس کے ساتھ بالاقساط ہوتی ہے، اور فلیٹس کے حوالہ کے وقت پوری قیمت ادا ہوجاتی ہے۔ بعض اوقات بیعانہ کے طور پر ایک مناسب رقم دینے کے بعد بقیہ رقم فلیٹس پر قبضہ کے وقت ادا کی جاتی ہے۔

عقد استصناع کو بطور استثمار استعمال کرنے کا حکم :

اسلامی مالیاتی ادارے عقد استصناع کو بطور استثمار استعمال کرنے کی جو صورت اختیار کر رکھی ہے، وہ شرعاً درست نہیں ہے، کیونکہ اس میں معدوم شئی کی بیع اور مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کی بیع کرنا لازم آتا ہے، اور یہ دونوں ہی از روئے شرع ممنوع ہیں، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں ہی سے روکا ہے، جیسا کہ پیچھے بیان آچکا ہے، نیز تذکرہ آچکا ہے کہ راجح قول کے مطابق عقد استصناع خود بیع ہے نہ کہ وعدہ بیع، اور جب اسلامی مالیاتی ادارے جس شخص سے آرڈر لیتا ہے تو ادارہ اور اس شخص کے درمیان عقد استصناع منعقد ہوجاتا ہے، حالانکہ اس وقت مبیع معدوم ہوتی ہے، کیونکہ وہ دوسرے شخص کو آرڈر دے گا پھر وہ بنائے گا تب مبیع وجود میں آئے گی۔ غرضیکہ اس

صورت میں شرعی قباحت بیع معدوم اور بیع قبل القبض کالازم آتا ہے۔

کیا عقد استصناع بیع لازم ہے؟

اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ جمہور فقہاء احناف کا کہنا ہے کہ عقد استصناع ابتدائی مرحلہ میں لازم نہیں ہے، ابتدائی مرحلہ سے مراد عقد استصناع کے منعقد ہونے کے وقت سے شیئ مصنوع (جس چیز کو بنانے کا آرڈر دیا گیا) کو مستصنع (بنانے کا آرڈر دینے والا) کی رویت کے وقت تک ہے، خواہ شیئ مصنوع مکمل تیار ہوگئی ہو یا ناتمام ہو، خواہ فریقین کے درمیان طے شدہ شرائط اور وضاحت کردہ معیارات وصفات کے مطابق شیئ تیار ہوئی ہو یا ایسا نہ ہو، اسی وجہ سے صانع (بائع) کے لئے جائز ہے کہ مستصنع (خریدار) کے دیکھنے سے پہلے آرڈر دیئے ہوئے سامان کو بنانے سے رک جائے، یا بنانے کے بعد کسی اور شخص سے فروخت کردے، اسی طرح مستصنع (خریدار) کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنے آرڈر سے رجوع کرلے، جبکہ اس نے ابھی شیئ مصنوع (جس سامان کو بنانے کا آرڈر دیا تھا) کو دیکھا نہ ہو (بدائع الصنائع ۲/ ۹۸، ہدایہ، فتح القدیر و عنایہ ۷/ ۱۰۹، ہندیہ ۲/ ۲۰۷، درمختار وردالمحتار ۷/ ۳۶)۔

امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ اگر آرڈر دی ہوئی شیئ آرڈر کے مطابق تیار ہوئی تو عقد استصناع لازم ہوگا، دونوں فریق میں سے کسی کو بھی حق خیار نہیں ہوگا، بلکہ صانع (بائع) پر مبیع کا حوالہ کرنا لازم ہوگا اور مستصنع (خریدار) پر اس کا قبول کرنا ضروری ہوگا، کیونکہ صانع (بائع) نے جب آرڈر کے مطابق سامان تیار کردیا تو اس میں مستصنع (خریدار) کا حق ثابت ومتعین ہوگیا، سامان تیار کئے جانے سے پہلے مستصنع (خریدار) کا حق صانع (بائع) کے ذمہ میں تھا نہ کہ عین مبیع میں، جب سامان تیار ہوگیا تو عین سامان میں اس کا حق ثابت ہوگیا، لہذا صانع (بائع) کو مکرنے کا، کسی دوسرے شخص سے بیچنے یا ہبہ وغیرہ جیسے مالکانہ تصرف کرنے کا حق باقی نہیں رہا، جہاں تک مستصنع کے لئے حق خیار باقی نہ رہنے کی بات ہے تو چونکہ اگر آرڈر کے مطابق سامان تیار ہونے کے بعد بھی اسے خیار رؤیت حاصل ہو اور عقد استصناع کو فسخ کرکے شیئ مصنوع کو مسترد کردے تو صانع (بائع) کو بڑا ضرر پہنچے گا، بعض مرتبہ ناقابل تلافی ضرر ہوسکتا ہے، اس لئے کہ بعض اوقات اس کو دوسرے سے فروخت کرنا دشوار ہوجاتا ہے، کیونکہ ضروری نہیں کہ اس ڈیزائن کی چیز مارکیٹ میں دوسرے لوگوں کو بھی مطلوب ہو، اور اگر مقدار زیادہ ہو تو اور مشکل، اس طرح یہ نقصان صانع (بائع) کو مستصنع (خریدار) کے دھوکا دینے کی وجہ سے پہنچتا ہے، اگر یہ سامان بنانے کا آرڈر نہ دیا ہوتا تو وہ اس مصیبت سے دوچار نہیں ہوتا، اور رسول اللہ ﷺ نے کاروبار میں دھوکہ دہی سے منع فرمایا (البخاری، بیوع، باب ما یکرہ من الخداع فی البیع، (۲۱۱۷)۔

عن أبي هريرة قال: نهى رسول الله ﷺ عن بيع الغرر" (الترمذی، بیوع: ۱۲۳۰)۔

نیز آپ ﷺ نے اصولی طور پر فرمایا: "لا ضرر ولا ضرار" (صحیح لغیرہ: ابن ماجہ، احکام، باب من بنی فی حقہ ما یضر بجارہ (۲۳۴۰، ۲۳۴۱)، شیخ البانی نے اس حدیث کی سندوں کو اپنی کتاب سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ میں جمع کیا، اور فرمایا: حدیث صحیح درد مرسلا)۔

جمہور فقہاء، جو کہ عقد استصناع کو مستقل عقد نہیں مانتے ہیں، بلکہ بیع سلم میں ضم کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ عقد استصناع بیع سلم کے تابع ہوکر لازم ہوگا (مجلۃ الفقہ الاسلامی ۱۴/ ۲/ ۴۱)۔ مجلہ احکام عدلیہ اور مجمع فقہ اسلامی دولی نے امام ابو یوسف کی رائے کو اختیار کیا (قرارات وتوصیات مجمع الفقہ الاسلامی ص: ۱۴۴، ۱۴۱۸ھ – ۱۹۹۸ء، ساتواں فقہی سمینار جدہ ۱۴۱۲ھ)، اور موسوعہ کویت نے اسی رائے کو راجح قرار دیا۔

موجودہ دور میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کی رائے پر عمل کیا جائے، کیونکہ اس رائے پر عمل کرنے میں صانع (بائع) اور مستصنع (خریدار) دونوں کے مفاد کی رعایت ہوتی ہے اور دونوں ہی سے دفع مشقت وحرج ہوتا ہے، اور بھی دوسرے اسباب کی بنا پر امام ابو یوسفؒ کے قول کو اختیار کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ ان اسباب کا ذکر پیچھے آچکا ہے۔

بیعانہ کی رقم کو سوخت کرنے کا شرعی حکم:

دلائل ومصالح سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ امام ابو یوسفؒ کا قول راجح اور دور حاضر کے حالات کے تناظر میں زیادہ قابل عمل ہے، اسی وجہ سے جمہور معاصر علماء نے امام ابو یوسفؒ کی رائے کو اختیار کیا ہے، اور اسی کے مطابق فتوی دیا ہے، امام ابو یوسفؒ کا قول یہ ہے کہ عقد استصناع فریقین کے حق میں ابتداء عقد ہی سے لازم ہے، فریقین میں سے کسی کو رجوع کا اختیار نہیں ہے جبکہ آرڈر کے مطابق مال تیار ہوا ہو (ہندیہ ۲/۲۰۸، بدائع ۶/۹۸)۔

پس دریافت کردہ صورت میں خریدار کے لئے آرڈر کے مطابق تیار کردہ مال کو لینے سے مکرنا درست نہیں ہوگا، مکرنے کی صورت میں خریدار کو مال لینے پر مجبور کیا جائے گا، البتہ مجبور کیا جانا مملکت اسلامیہ میں ممکن ہے جہاں اسلامی عدالت قائم ہوتی ہے، اگر مسلم ملک نہ ہو یا مسلم ملک ہو لیکن وہاں اسلامی عدالت قائم نہ ہو تو ایسی صورت میں بائع اس رقم کو ضبط کر سکتا ہے جو مستصنع نے اس کو بیعانہ کے طور پر دی تھی، اس رقم سے بائع اپنے نقصان کی تلافی کرے گا، اگر نقصان کی تلافی کے بعد کچھ رقم بچ جاتی ہے تو وہ بچی ہوئی رقم مستصنع کو واپس کر دے گا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لا ضرر ولا ضرار" اور فقہی قاعدہ کلیہ ہے: "الضرر یزال" (الاشباہ والنظائر لابن نجیم المصری ۱/۱۶)، یعنی ضرر کو دور کیا جائے گا، البتہ کسی کو ضرر پہنچایا نہیں۔

عقد استصناع اجارہ کب بنتا ہے؟

عقد استصناع میں اگر آرڈر کے مطابق چیز نہ پائی جائے تو خریدار کو رد کرنے کا اختیار رہتا ہے، کیا اس صورت میں بھی آرڈر دینے والے کو اس کا حق حاصل ہوگا؟ اور اگر آرڈر دینے والے کو اس کا قبول کرنا ضروری ہو تو مکمل طور پر آرڈر کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے جو نقصان ہوا ہے، کیا وہ صانع سے اس کا جرمانہ وصول کر سکتا ہے؟

کسی چیز کے آرڈر دیئے جانے کی صورت میں اگر مصنوع کے لئے موجود میٹریل اور عمل دونوں صانع (بائع) کی طرف سے ہو تو وہ عقد استصناع ہے، اور اگر موجودہ میٹریل خود خریدار (مستصنع) فراہم کر دے تو یہ عقد اجارہ کے حکم میں ہوگا، جیسا کہ علامہ سرخسی اور ملک العلماء کاسانی نے لکھا ہے اور عقد استصناع اور اجارہ کے درمیان فرق کیا ہے (بدائع ۶/۱۰۰، نیز دیکھئے: مبسوط ۱۵/۸۴)۔

اس سلسلہ میں چند امور کا پاس ولحاظ رکھنا بے حد ضروری ہے، اور وہ یہ ہیں:

۱- میٹریل دینے والے کے مفاد ومصلحت کی حفاظت ضروری ہوگی، صانع پر لازم ہوگا کہ وہ فنی اعتبار سے مصنوع کی تیاری میں کوتاہی اور غفلت نہ برتے، شیئ مصنوع بنانے کے بعد اگر میٹریل میں سے کچھ بچ جائے تو اس کو آرڈر دینے والے کے حوالہ کرنا ضروری ہوگا، کیونکہ باقیماندہ میٹریل اس کے قبضہ میں بحیثیت امانت ہے، اور امانت کی ادائیگی واجب ہے، اگر امانت کی ادائیگی میں کوتاہی ہوئی یا اس کی

طرف سے غفلت ہوئی، اور امانت تلف ہوگئی یا اس میں عیب پیدا ہوگیا یا کھوگئی تو صانع پر اس کا ضمان ہوگا۔

۲— اگر عرف یہ ہو کہ اصل میٹریل مستصنع کی طرف سے ہو اور مصنوع تیار کرنے کے آلات، مشینیں اور دیگر اشیاء کی فراہمی صانع کے ذمہ، تو تقاضائے عقد کے مطابق صانع پر ان چیزوں کی فراہمی ہوگی نہ کہ مستصنع پر۔

۳— صانع پر لازم ہوگا کہ عقد میں طے شدہ شرائط کے مطابق مال تیار کرے، اگر ایک شرط بھی فوت ہوگئی، جس کی وجہ سے مال کی تیاری میں خلل واقع ہوگیا جس کی اصلاح دشوار ہو تو مستصنع کے لئے عقد کے فسخ کا مطالبہ فوری طور سے کرنا جائز ہوگا، اور اس نقص وخلل کی اصلاح ممکن ہو تو ایک معقول مدت کے اندر صانع کو اس کی اصلاح کرنے کی مہلت دی جائے گی، اور اس متعینہ مدت میں نقص کو دور کرکے مال تیار کرنے کی تاکید کردی جائے گی، اگر مقررہ مدت گذر گئی اور مال تیار نہیں ہوسکا، تو مستصنع کو حق حاصل ہوگا کہ قاضی سے عقد کے فسخ کا مطالبہ کرے، یا کسی دوسرے صانع سے کام کی تکمیل کرانے کی اجازت حاصل کرے، اس پر جو خرچ آئے گا وہ صانع اول برداشت کرے گا۔

۴— صانع مطلق ضرر یا خسارہ کا ضامن ہوگا، اس لئے کہ وہ اجیر مشترک کے حکم میں ہے، ہاں اگر کسی ناگہانی حادثہ کے سبب نقصان ہوا، جس سے بچنا ناممکن ہو، تو اس خسارہ کا ضامن صانع نہیں ہوگا، اس لئے کہ شریعت کا اصول ہے، "**كل ما لا يمكن التحرز عنه لا ضمان فيه**" (دیکھئے: القانون الکویتی (دفعات نمبر: ۶۶۲—۶۷۰)، القانون الاردنی دفعات نمبر ۷۸۳—۷۹۱)، القانون الاماراتی (دفعات نمبر ۸۷۵—۸۸۳) مجلۃ الاحکام العدلیہ (دفعات نمبر: ۴۲، ۵۸، ۸۳، ۸۵، ۸۷، ۸۸، ۹۲، ۳۰۴، ۴۸۳، ۵۷۴، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۱، ۸۹۱، ۱۳۸۷، ۱۳۹۸، ۱۲۲۰، ۱۸۰۱) یعنی جس سے بچنا ناممکن ہو اس میں ضمان نہیں ہے۔

پس اگر مستصنع (خریدار) شیئ مصنوع کو عقد میں طے شدہ شرائط اور وضاحت کردہ مطلوبہ اوصاف کے مطابق نہ پائے تو اس کو عقد فسخ کرنے کا اختیار ہوگا، اور اگر کسی وجہ سے مستصنع (خریدار) کے لئے عقد قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہ ہو، تو اس کے لئے صانع سے اپنے نقصان کی تلافی کا تاوان مطالبہ کرنے کا حق ہوگا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "**لا ضرر ولا ضرار**" اور فقہی قاعدہ کلیہ ہے: "**الضرر يزال**" حدیث اور قاعدہ کا حاصل یہ ہے کہ حتی الامکان ضرر ونقصان کو دور کیا جائے، جس طرح آدمی اپنے لئے نقصان پسند نہیں کرتا، اسی طرح دوسرے کے لئے بھی نقصان پسند نہ کرے جیسا کہ ایمان کا تقاضا ہے: **لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه** (بخاری، ایمان، باب من الایمان أن یحب لأخیہ ما یحب لنفسہ: ۱۳)۔

عقد استصناع میں شرط جزائی (تاوان) کا حکم:

استصناع کی شرائط جواز میں سے ایک یہ ہے کہ شیئ مصنوع تیار کرنے کی تاریخ متعین ہو، یعنی مبیع کی حوالگی کی تاریخ مقرر ہو، اور صانع اسے مقررہ وقت پر فراہم نہ کرے تو آیا اس پر تاخیر کا تاوان لازم ہوگا یا نہیں، اس پر گفتگو سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تاوان کے بارے میں بات کی جائے۔

شرط جزائی یعنی تاوان مالی سے مراد یہ ہے کہ عاقدین یعنی دونوں فریق کسی بھی معاملہ میں مالی جرمانہ کی تعیین اور شرط پر متفق ہوجائیں کہ اگر دوسرے فریق نے مقررہ وقت پر کام پورا نہیں کیا یا کام کی تکمیل میں تاخیر ہوئی تو وہ پہلے فریق کو اتنا مالی جرمانہ ادا کرے گا (المدخل الفقہی العام للشیخ مصطفی الزرقاء ۲/۷۱۴)۔

فقہی مذاہب میں مالکیہ نے شرط جزائی کو صحیح قرار دیا ہے بشرطیکہ وہ سود تک متعدی نہ ہو ورنہ وہ شرط جزائی باطل ہوگی (احکام الالتزام بین الشریعۃ والقانون ص: ۴۷)۔

فقہاء مالکیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء نے مالی معاملات میں مالکیہ کے مذہب کو اختیار کرتے ہوئے شرط جزائی کو جائز قرار دیا، بہر حال جن فقہاء نے شرط جزائی کو جائز قرار دیا ہے، انہوں نے درج ذیل آیات واحادیث اور فقہی قاعدہ سے استدلال کیا ہے

۱—اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یا أیھا الذین آمنوا أوفوا بالعقود" (مائدہ: ۱) (اے ایمان والو! عہد و پیمان پورے کرو)۔

۲—نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولا" (اسراء: ۳۴) (اور وعدے پورے کرو، کیونکہ قول وقرار کی باز پرس ہونے والی ہے)۔

۳—رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمان اپنے شرطوں کے پابند ہیں مگر ایسی شرط جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کردے "المسلمون على شروطهم إلا شرطاً حرم حلالاً أو أحل حراماً" (الترمذی، الاحکام، باب ما ذکر عن رسول اللہ ﷺ فی الصلح بین الناس (۱۳۵۲)، بخاری، اجارہ، باب اجرۃ السمسرۃ، باب نمبر ۱۴)۔

۴—اس سلسلہ میں امام ابن تیمیہ نے ایک ضابطہ ذکر کیا ہے کہ عقود وشرائط کے باب میں اصل جائز وصحیح ہونا ہے، الأصل في العقود والشروط الجواز والصحة" (مجموع الفتاوی ۲۹ر ۱۳۲، ۱۴۰، ۳۴۶)، لہذا ہر وہ شرط جائز ہوگی جو نص اور قیاس صحیح کے خلاف نہ ہو، ورنہ وہ باطل ہوگی (سابقہ حوالہ)۔

سعودی عرب کے کبار علماء پر مشتمل اکیڈمی نے شرط جزائی کو معتبر مانا ہے (ابحاث ہیئۃ کبار علماء بالمملکۃ العربیۃ السعودیۃ ۱؍ ۲۱۶)، اس کے بعد اس موضوع پر ایک فقہی سیمینار بھی منعقد ہوا، جس میں چند شرطوں کے ساتھ شرط جزائی کو جائز قرار دیا گیا ہے، اور وہ یہ ہیں:

۱—شرط جزائی تمام مالی معاملات میں درست ہے، البتہ مالی وہ معاملات جن میں اصل دین ہو، اس کی تاخیر سے ادائیگی پر شرط جزائی لگائی گئی ہو کہ فلاں مقررہ تاریخ سے زیادہ تاخیر ہوئی تو اتنا اضافہ تاوان کے طور پر دینا پڑے گا، تو یہ شرط جزائی درست نہیں، کیونکہ یہ صریح سود ہے۔

۲—شرط جزائی اصل عقد سے متصل ہو یا ضرر ونقصان لاحق ہونے سے پہلے باہم فریقین کے اتفاق سے لگائی گئی ہو۔

۳—اس ضرر کا معاوضہ دلایا جائے گا جو حقیقی خسارہ کی وجہ سے لاحق ہوا ہو، یا یقینی کمائی کے فوت ہونے کی وجہ سے، یہ ضرر مالی ہو نہ کہ معنوی وادبی (قرارات وتوصیات مجمع الفقہ الاسلامی، القرار الثامن ۱۹۹۸ء)۔

شرط جزائی معتبر ہونے کے لئے علماء نے مزید چند اور شرائط ذکر کئے ہیں اور وہ یہ ہیں:

۴—شرط جزائی پر اس وقت عمل ہوگا جب کہ مالی نقصان عملاً واقعی میں ہوا ہو، اور شرط جزائی کے حدود سے باہر کے نقصان کو پورا نہیں کیا جائے گا۔

۵—شرط جزائی کو بروئے کار لانے میں کوئی شرعی عذر نہ ہو، ورنہ شرط جزائی کا واجب الایفا ہونا ساقط ہو جائے گا۔

لہذا بیع استصناع کی صورت میں صانع کے اوپر شرط جزائی لگانا کہ وہ مقررہ وقت پر مال فراہم نہیں کرے گا تو اس کا تاوان مالی جرمانہ

دینا ہوگا، درست ہے، لیکن اس طرح کی شرط مستصنع پر لگانا شرعاً صحیح نہیں ہے، یعنی یہ شرط لگائی جائے کہ اگر مستصنع پوری رقم ادا کرنے میں تاخیر کرے تو اس پر اتنا مالی جرمانہ عائد ہوگا، صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ سود کے حکم میں ہوگا، اس لئے ایسی صورت میں تاوان اس دین کے بدلہ میں ہوگا جو مستصنع کے ذمہ میں ہو، اور وہ ثمن ہے نہ کہ اعیان وعروض، اور ذمہ میں دین کے بدلہ تاوان، صریح سود ہے، کیونکہ یہ ہم جنس دین پر اضافہ ہے، بلکہ دائن (صانع) کا فریضہ ہے کہ مستصنع کو دین کی ادائیگی کے لئے مزید مہلت دے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ”وإن کان ذو عسرة فنظرة إلی میسرة، وأن تصدقوا خیر لکم إن کنتم تعلمون“ (بقرہ: ۲۸۰)۔

(اور اگر کوئی تنگی والا ہو تو آسانی تک مہلت دینی چاہئے اور صدقہ کرو تو تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے، اگر تم میں علم وسمجھ ہو)۔

عقد استصناع — فقہ اسلامی کی روشنی میں

مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی ☆

۱۔ موجودہ دور میں کس طرح کی اشیاء میں عقد استصناع جاری ہوسکتا ہے اور اس سلسلہ میں اصول کیا ہوگا؟

اس سوال کے جواب سے پہلے استصناع کی تعریف لغۃً اور شرعاً جاننا ضروری ہے تاکہ اس کی روشنی میں جواب کی بھرپور وضاحت ہوسکے۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ مکمل و مفصل تعریف علامہ ابن نجیم مصری نے فرمائی ہے۔

"الاستصناع لغۃ طلب عمل الصانع، وشرعاً أن یقول لصاحب خف أو مکعب أو صفار: اصنع لی خفا طوله کذا وسعته کذا، أو دستا أی برمة تسع کذا ووزنها کذا علی هیئة کذا بکذا، ویعطی الثمن المسمی أو لا یعطی شیئا فیقبل الآخر منه"

(البحر الرائق شرح کنز الدقائق ۶/ ۱۸۳ زکریا دیوبند، شرح فتح القدیر للعاجز الفقیر ۵/ ۳۵۵ مطبوعہ مصر)۔

(استصناع لغت میں کسی کاریگر سے عمل صناعت کو طلب کرنا ہے اور شرعی طور پر استصناع یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص موزہ بنانے والے یا بکس بنانے والے یا برتن بنانے والے سے یہ کہے کہ میرے لئے موزہ بنادو جس کا سائز ایسا ہو اور اس کی وسعت ایسی ہو یا کسی سے کہے کہ میرے لئے دیگ بنادو جس میں اتنا سمانے کی گنجائش ہو اور اس کا وزن اتنا ہو اور اس کی شکل و صورت اور بناوٹ ایسی ہو، اتنے روپے میں معاملہ طے ہو اور مقررہ قیمت ادا کردے یا کچھ بھی ادا نہ کرے اور دوسرا (کاریگر) اسے قبول کرلے)۔

اس تعریف میں موزہ، برتن میں استصناع کا ذکر ہوا جس سے مصنوعات میں جواز استصناع معلوم ہوا۔

اب دوسرے فقہاء کی مثال دیکھئے!

"وصورته أن یقول للخفاف: اصنع لی خفا من أدیمک یوافق رجلی ویراه رجله بکذا، أو یقول للصائغ: اصنع لی خاتماً من فضتک وبین وزنه ووصفه بکذا، وکذلک لو قال لسقاء: اعطنی شربة ماء بفلس أو احتجم بأجر یجوز لتعامل الناس وإن لم یکن قدر ما یشرب وما یحتجم من ظهره معلوما کذا فی الکافی" (الفتاوی العالمگیری ۳/ ۲۱۲۔ ۲۱۳ مطبوعہ مصطفائی، مصر)۔

(استصناع کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص موزہ بنانے کے لئے کہے کہ تو میرے لئے اپنے چمڑے سے موزہ بنادے جو میرے پیر کے سائز میں ہو اور اسے اپنا پیر دکھادے اور پیسے طے کرلے یا کسی انگوٹھی کے کاریگر سے کہے تو میرے لئے اپنی چاندی سے اتنے وزن اور اتنے سائز کی انگوٹھی بنادے، اتنی اجرت پر، یا کسی شربت بیچنے والے سے کہے تو مجھے ایک پیالہ شربت بنا کردے، اتنے پیسے میں یا کسی سینگی لگانے

☆ شیخ الحدیث مدرسہ امداد الاسلام صدر بازار میرٹھ، یوپی۔

والے سے کہے کہ اتنی اجرت پر مجھے سینگی لگا دے تو یہ سب کام جائز ہوں گے، لوگوں کے عمومی تعامل کی وجہ سے، خواہ شربت پینے اور اس کی پشت پر پچھنا لگانے کی مقدار معلوم نہ ہو، کتاب کافی میں ایسا ہی لکھا ہے)۔

اس تعریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مصنوعات کے علاوہ مشروبات اور معالجات میں بھی عقد استصناع درست ہے، مشروبات کے جواز استصناع سے یہ بھی واضح ہوا کہ ماکولات میں بھی استصناع درست ہے، جیسے آج کل کیٹرنگ سسٹم اور ٹی وکافی پارٹی سسٹم میں کھانے پینے کی مقدار، کوالٹی، آئیٹم بلکہ پر ہیڈ طے شدہ قیمت پر معاملہ طے ہوتا ہے، سینگی لگوانے والی صورت سے ظاہر ہوا کہ معالجات میں موجودہ ٹھیکہ سسٹم جو تعامل ہے وہ بھی جواز استصناع میں شامل ہے۔

محقق علامہ سعدی چلپی آفندی نے شرح العنایہ علی الہدایہ کے حاشیہ میں لکھا ہے: ''**الاستصناع هو أن يجيئ إنسان إلى صانع فيقول: اصنع لي شيئاً صورته كذا وقدره كذا بكذا درهما ويسلم إليه الدراهم أو بعضها أو لا يسلم**'' (حاشیۃ المولی المحقق سعداللہ بن عیسیٰ الشہیر بسعدی چلپی علی حاشیۃ فتح القدیر ۵/ ۳۵۴)۔

(استصناع یہ ہے کہ جیسے کوئی انسان کسی کاریگر کے پاس آکر کہے کہ تم میرے لئے کوئی چیز بنادو جس کی صورت وشکل اور اس کی کوالٹی وکوانٹی ومقدار ایسی ہوگی اتنے دام پر بنادو اور مستصنع (بنوانے والا) وہ متعین رقم کل یا اس کا بعض حصہ ادا کردے یا کچھ بھی ادا نہ کرے ادھار رکھے۔

اس تعریف میں ''اصنع لي شيئاً'' (کوئی چیز) کے عموم سے مفہوم ہوتا ہے کہ ہر ایسی چیز میں جس میں پیشگی خریداری آرڈر پر مخصوص صفات اور متعین رقم پر کل نقد یا کچھ پیمنٹ اور کچھ ادھار یا کل ادھار پر کی جائے، اس میں موجودہ دور کی تعمیری ٹھیکیداری شامل ہوگی، اس طرح تعمیرات میں بھی عقد استصناع جاری ہوگا۔

استصناع کا اصول یہ ہے کہ جن اشیاء میں اس کا عمومی تعامل جاری ہو ان میں استصناع جائز ہے اور جن میں تعامل ناس جاری نہ ہو ان میں جائز نہیں ہے اور یہ جواز خلاف قیاس دلیل استحسان سے ثابت ہے، کیونکہ قیاس کے اصول پر بیع معدوم ہونے کے سبب استصناع کو ناجائز قرار دیا جانا چاہئے، کیونکہ اس کی ممانعت ''**نهى رسول الله ﷺ عن بيع ما ليس عند الإنسان**'' والی حدیث سے صریح طور پر ثابت ہے، اس کے باوجود چونکہ رسول اللہ ﷺ نے بیع السلم کو جائز رکھا ہے جبکہ وہ بھی بیع مالیس عندہ ہے اور استصناع بھی اسی سے ملتی جلتی دوسری صورت بیع ہے مگر بیع معدوم کی ممانعت سے اس کو بھی مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔

امام اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی نے لکھا ہے:

''**وجه الاستحسان الإجماع الثابت بالتعامل فإن الإنسان في سائر الأعصار تعارفوا الاستصناع فيما فيه تعامل من غير نكير والقياس يترك بمثله**'' (شرح العنایہ علی الہدایہ بہامش فتح القدیر ۵/ ۳۵۵)۔

(استصناع کی وجہ یہ ہے کہ استصناع کا تعامل اجماع امت سے ثابت ہے، کیونکہ تمام زمانوں میں لوگ استصناع کے تعامل سے متعارف رہے ہیں اور اس پر کبھی نکیر نہیں کی گئی اور اس طرح کے تعامل وتعارف سے قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے)۔

جناب رسول اللہ ﷺ سے ثبوت استصناع کی مشہور حدیث آپ کا ایک انصاریہ صحابیہ کے ذریعہ ان کے غلام سے لکڑی کا منبر

بنوانا ہے جسے امام بخاریؒ نے متعدد تراجم ابواب میں ذکر کیا ہے۔

"أرسل رسول الله ﷺ إلی فلانة امرأة من الأنصار قد سماها سهل مُری غلامک النجار أن یعمل لی أعوادا أجلس علیهن إذا کلمت الناس فأمرته فعمل من طرفاء الغابة" الحدیث (صحیح بخاری ۲۵/۱، ۲۸۱)۔

اس حدیث میں منبر تیار کرنے کا جو آرڈر آپ ﷺ نے دیا اس کی کچھ صفات بھی بیان کر دیں، (۱) لکڑی سے تیار کیا جائے، (۲) وہ اس قابل ہو کہ میں اس پر بیٹھ سکوں، (۳) اس کے تین درجے ہوں، یہی استصناع کی صورت ہے، اور یہیں سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے، خلاف قیاس یہی دلیل استحسان ہے۔

۲۔ استصناع خود بیع ہے یا وعدۂ بیع؟

اس سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

استصناع ایک وعدہ ہے یا بیع ہے، حاکم شہید، صفار، محمد بن سلمہ اور صاحب منثور اس کو وعدہ قرار دیتے ہیں اور یہ معاملہ سامان تیار ہو جانے پر بنوانے والے کی طرف سے خاموشی سے سامان لے لینے اور کچھ کہے بغیر بنانے والے کے دام قبول کر لینے سے پورا ہوتا ہے، اور چونکہ یہ محض ایک وعدہ ہے، اسی لئے بنانے والے کو اختیار ہے کہ وہ سامان نہ بنائے اور اس کو بنانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا (کیونکہ وعدہ پورا کرنا واجب نہیں ہے، صرف اخلاقی طور پر مستحسن ہے) برخلاف بیع سلم کے، اس میں دونوں طرف سے معاملہ پورا کرنا واجب ہے اور یہاں بنوانے والے کو بھی اختیار ہے کہ وہ سامان نہ لے اور اپنے وعدے سے مکر جائے۔

لیکن صحیح مذہب یہ ہے کہ یہ عقد بیع کا جائز معاہدہ ہے، دلیل یہ ہے کہ امام محمدؒ نے استصناع میں قیاس اور استحسان کا ذکر کیا ہے اور یہ دونوں ہی وعدہ میں جاری نہیں ہوتے۔ دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ استصناع کا جواز خاص طور پر صرف انہیں چیزوں میں ہے جن میں تعامل ناس (لوگوں کا عمل درآمد) پایا جاتا ہو، اگر یہ صرف وعدہ کی بات ہوتی تو ہر صورت میں چلتی۔ تعامل میں بھی اور غیر تعامل میں بھی، اور امام محمدؒ نے اس کو شراء یعنی خریداری قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ جب مستصنع (بنوانے والا) سامان دیکھے تو اس کو قبول کا اختیار ہے، اس لئے کہ اس نے سامان دیکھے بغیر خریداری کی ہے (لہذا یہ بھی اس کے بیع ہونے کی دلیل ہوئی) اور بیع ہونے کی یہ بھی دلیل ہے کہ صانع (سامان بنانے والا) جب رقم پر قبضہ کر لے تو وہ اس کا مالک بن جاتا ہے، اگر صرف وعدہ کا معاملہ ہوتا تو مالک نہیں بن سکتا تھا (جب تک وہ سامان حوالے نہ کرتا)۔

اور فقیہ ابوالیسر نے دونوں کے لئے اختیار رد و قبول ہونے سے وعدہ ہونے اور بیع نہ ہونے کی جو دلیل دی ہے وہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ سامان کی بیع سامان سے بیع ہی ہوتی ہے جب کہ دونوں کو اختیار بھی ہوتا ہے اور جب استصناع کا جواز لازم ہو گیا تو اس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ اس معاملے میں شارع علیہ السلام نے بیع معدوم کو موجود کے درجہ میں معتبر مانا ہے۔

اور اس طرح بہت سے معاملات کی نظیر شریعت میں موجود ہے۔ مثلاً صاحب عذر (سلسل بول، استطلاق بطن، انفلات ریح) اور مستحاضہ کے لئے طہارت معدومہ کو موجود کے درجہ میں مانا گیا ہے، اسی طرح بسم اللہ بھول کر ذبح کر دینے والے کا معاملہ (بسم اللہ نہ پڑھنے کے باوجود عذر نسیان کے سبب پڑھنے کے درجہ میں لیا گیا ہے) اور قرض دینے کے وعدہ پر گروی رکھنا اور مقتدی کا امام کے پیچھے قراءت نہ

کرنا بھی قراءت کے حکم میں مانا گیا ہے۔

قانون شریعت کے ماہر شیخ الاسلام برہان الدین صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ استصناع بیع ہے نہ کہ وعدہ اور معدوم کو بھی شریعت میں موجود کے درجہ میں معتبر مانا جاتا ہے (الہدایہ ۳؍۱۰۰)۔

یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ عقد استصناع چونکہ ایک مکمل بیع ہے، اس لئے اس میں مستصنع اور صانع کو اپنے آرڈر اور حسب قرار سامان کی تیاری کا پابند رہنا ہوگا، دونوں میں سے کسی کو بھی بلا اطلاع ورضا کے اس کو کینسل کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، اگرچہ امام محمدؒ نے سامان دیکھنے کے بعد ردوقبول کا مستصنع کو اختیار دیا ہے مگر امام ابو یوسفؒ نے دونوں میں سے کسی کے لئے بھی یہ اختیار درست نہیں رکھا، دور حاضر میں اس طرح کے معاملات میں یہی رائے قابل ترجیح ہے اور موجود فقہاء کا اس پر فتوی ہے۔ "وعن أبي يوسف ﷺ أنه لا خيار لهما أما الصانع فلما ذكرنا وأما المستصنع فلأن في إثبات الخيار له اضرارا بالصانع لأنه لا يشتريه غيره بمثله" (الہدایہ ۳؍۱۰۱) (امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کو ردوقبول کا اختیار نہیں ہوگا، صانع کو اس لئے کہ آرڈر کے مطابق سامان تیار نہ کرنے کا اختیار ہو تو مستصنع کو نقصان ہو سکتا ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ اس کو مطلوبہ سامان اس ریٹ پر دوسری جگہ سے فراہم نہ ہو سکے، جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا، اور مستصنع کو اس واسطے کہ اس کو اختیار دینے میں کاریگر کو ضرر پہنچانا ہوگا، کیونکہ دوسرا شخص اس سامان کو اتنے داموں پر نہیں خریدے گا، کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ دوسرے کو بھی یہی ڈیزائن اور یہی معیار مطلوب ہو۔

دور حاضر کے کثیر المطالعہ عالم دین جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی تحریر سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے، اس لئے اس کو یہاں نقل کرنا بہت مناسب ہے، وہ لکھتے ہیں :

اب جو شخص بنا رہا ہے وہ بازار سے لکڑی خرید کر لائے گا، پیسہ خرچ کرے گا، اس کے اندر جو چیزیں لگیں گی وہ بازار سے لائے گا، اس میں پیسے خرچ ہوں گے جو محنت کرے گا اس کے حساب سے اپنا وقت خرچ کرکے اس کو بنائے گا یہ سب کام مستصنع کے لئے کرے گا اب یہ جو کچھ کر رہا ہے وہ خاص اس مستصنع کی خاطر کر رہا ہے، لہذا اگر مستصنع کو یہ اختیار دیا جائے کہ محض دیکھ کر بغیر وجہ بتائے کہہ دے میں نہیں لیتا تو اس میں صانع کا بڑا ضرر ہو سکتا ہے کہ اس کی محنت بھی برباد ہوگئی اور اس کے پیسے بھی۔

اور پھر یہ کہنا کہ چلو اس کو نہیں بیچی دوسرے کو بیچ دیئے تو ضروری نہیں کہ اس قسم کی چیز جو اس نے اپنے لیے بنوائی تھی دوسرے کے لئے بھی کارآمد ہو، لہذا وہاں خیار رویت دینے میں صانع کا ضرر ہے، اس واسطے امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس کو خیار رویت نہیں ملے گا ہاں اگر ان مواصفات کے مطابق نہیں بنا جو مواصفات عقد استصناع میں طے ہوئے تھے تو بے شک وہ انکار کر سکتا ہے یہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴؍۶۶ مطبوعہ فیصل دیوبند)۔

یہاں ایک اور قابل ذکر بحث یہ باقی رہ جاتی ہے کہ عقد استصناع کے سلسلہ میں ائمہ ثلاثہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے کوئی چیز بنواتا ہے تو یہ کوئی عقد نہیں بلکہ یہ فرمائش ہے کہ میرے لئے بنا دو، لہذا یہ بیع نہیں اور یہ عقد لازم بھی نہیں بلکہ اس کی حیثیت محض ایک وعدے کی ہے جس کا پورا کرنا واجب نہیں، اسی بنا پر اگر بنانے والا بعد میں نہ بنائے تو اس کو بنانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، ان حضرات کی دلیل یہی فقہی اصول ہے کہ معدوم کی بیع جائز نہیں۔

البتہ امام ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ استصناع ہے تو بیع ہی، لہٰذا اس میں بیع ہی کے اصول نافذ ہوں گے اور چونکہ یہ بیع مالم یرہ سامان دیکھے بغیر، لہٰذا بیع کے عام قاعدے کے مطابق مستصنع کو خیار رویت ملے گا، دیکھنے کے بعد چاہے تو اس کو رد کرسکتا ہے، ''وهو (المستصنع) بالخيار إن شاء أخذه وإن شاء تركه، لأنه اشترى ما لم يره، ولا خيار للصانع كذا ذكره في المبسوط وهو الأصح لأنه باع ما لم يره'' (الهدایہ ۳/۱۰۱، الفتاوی العالمگیریہ ۳/۱۱۳)۔

اس خاص جزء (والمستصنع بالخيار) امام محمدؒ امام ابوحنیفہ کے ساتھ ہیں، والدليل على المذهب ما ذكره من قول محمد رحمه الله لأنه اشترى ما لم يره (البحر الرائق ۶/۲۸۴)۔

اور علامہ ابن نجیم نے امام ابوحنیفہؒ کی دوسری روایت، ''وعن أبي حنيفة رحمه الله أن له (أي للصانع) الخيار أيضا'' کو مرجوح قرار دیا ہے۔ والصحيح الأول (البحر الرائق ۶/۲۸۵)۔

اب یہاں دو باتیں قابل غور ہیں، ایک تو یہ کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک چونکہ استصناع کوئی عقد بیع ہے ہی نہیں بلکہ محض ایک وعدہ ہے، لہٰذا ان حضرات کے یہاں وعدہ نبھانے کی سرے سے کسی پر کوئی پابندی نہیں، اخلاقی طور پر ایفائے عہد ہو جائے تو بہتر ہے، لہٰذا ان سے اس مسئلہ پر بحث کی ضرورت ہی نہیں، کیونکہ استصناع کوئی لازمی عقد بیع ہی نہیں۔

دوسری بات قابل ذکر یہ رہ جاتی ہے کہ حنفی حضرات کے دو بڑے امام استاذ و شاگرد حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ استصناع کو بیع قرار دینے کے باوجود رویت مبیع کے بعد فسخ عقد کا مستصنع کو اختیار دیتے ہیں، حالانکہ اس میں صانع بلفظ دیگر بائع کو زبردست نقصان کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، وجہ یہ ہے کہ پچھلے زمانہ میں چھوٹے پیمانے پر استصناع ہوتا تھا کسی نے منبر بنوایا، الماری بنوائی، فرنیچر بنوایا، کوئی اور سامان بنوالیا، مگر آج ترقی یافتہ دور ہے، کوئی فیکٹری بنواتا ہے، کوئی بڑا پلانٹ لگواتا ہے، کوئی شاپنگ سینٹر بنواتا ہے، اب جس سے عقد استصناع کر کے وہ یہ سب کام کرا رہا ہے، اس کے لاکھوں کروڑوں روپے خرچ ہوئے ہیں، اپنی پونجی لگا دی ہے تو غور کیا جائے۔ اگر کام کرانے والے کو فسخ عقد کا اختیار دے دیا جائے تو کام کرنے والے کی جان و مال پر کیا گزرے گی، آپ نے تو صرف دو بول بول دیئے کہ میں نہیں لیتا اور دوسرے کا سب کچھ لٹ گیا، یہ تو وہی بات ہوئی کہ کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری۔

اس صورت حال میں اگر امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے قول پر عمل کیا جائے تو کیا یہ ممکن ہو سکے گا؟ آپ کہیں گے نہیں، تو پھر حالات کے تقاضے کو مدنظر رکھتے ہوئے فتوی امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہی مناسب ہوگا۔

چنانچہ خلافت عثمانیہ کے مبارک دور میں سلطان عبدالحمید صاحب مرحوم نے جن کی خلافت اس وقت آدھی دنیا پر قائم تھی، نئے دور کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس زمانہ کے بالغ نظر علماء وفقہاء کی ایک دس رکنی کمیٹی عدالت کے شرعی فیصلوں کے لیے بنوائی تھی جس میں دنیائے اسلام کے مشہور فقیہ علامہ ابن عابدین شامی کے عالم وفقیہ صاحبزادے علامہ علاء الدین ابن عابدین شامی شامل تھے۔ اس کمیٹی نے آٹھ سالہ غور وفکر اور تحقیق انیق کے بعد فقہ حنفی کے معاملات کے دیوانی قوانین کو مرتب ومدون کیا جس کا نام ''مجلۃ الاحکام العدلیہ'' رکھا گیا، اس میں اسلامی قوانین مطابق فقہ حنفی کو دفعات وار مادہ نمبر کی شکل میں مرتب کیا گیا، جو تیرہویں صدی کے آغاز سے آج تک بطور اسلامی قانون نافذ رہا، مجلۃ الاحکام العدلیہ کی بہت سی شروحات بھی لکھی گئیں، علامہ خالد العطاسی کی شرح کا نام ہے ''شرح المجلہ'' اور علامہ علی حیدر آفندی کی

شرح ''درر الحکام'' کے نام سے معروف ہے دوسرے فقہاء نے بھی شروحات لکھی ہیں اور آج کے دور میں بھی مما لک اسلامیہ میں وہ فقہ حنفی کی دیوانی قوانین کا معتبر ماخذ ہے۔

اس میں جن ضروری مسائل میں پچھلے دور کے ائمہ اور فقہاء نے جو فتاوی صادر کئے تھے اور وہ دور جدید میں معمول نہیں بن سکتے تھے ان سے عدول کر کے غیر مفتی بہ قول کو مفتی بہ قرار دیا گیا، فقہاء کمیٹی نے لکھا کہ اب اس دور میں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ امام ابو یوسف کے قول کو اختیار کر کے اسی پر فتوی دیا جائے کہ یہ عقد لازم ہے، ضرورت ایسی شدید پیدا ہو گئی کہ اب مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ بھی صرف حنفیہ کے قول پر بلکہ امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی دینے پر مجبور ہیں اور وہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہاں اس کے بغیر چارہ نہیں ہے، ورنہ کوئی آدمی صنعت کا کام کرے گا ہی نہیں (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/ ۶۹ مطبوعہ دیو بند)۔

۳۔ استصناع میں خریدار جس چیز کو خریدتا ہے، وہ عقد کے وقت معدوم ہوتی ہے، کیا مبیع (مصنوع) کو وجود میں آنے سے پہلے وہ اسے کسی اور اسے اور پھر دوسرا خریدار کسی تیسرے شخص سے فروخت کرسکتا ہے؟

عقد استصناع دراصل مستصنع (سامان بنوانے والا) اور صانع (کاریگر) کے درمیان کا ایک معاہدہ ہے۔ اس عقد کو بیع کے اصول وضوابط کے برخلاف تعامل ناس کی استحسانی دلیل سے جائز رکھا گیا ہے۔ پھر اس تعامل میں صدر اول اور دور ثانی اور عہد حاضر کے درمیان ربط واتفاق اور باہمی مناسبت ومشابہت ہونا لازمی ہے ورنہ استصناع درست نہیں ہوگا۔

علامہ ابن نجیم مصری فرماتے ہیں: ''ولا تلزم المعاملة والمزارعة على قول أبي حنيفة لفسادهما مع التعامل لثبوت الخلاف فيهما في الصدر الأول، وهذا بالاتفاق فلهذا اقصرناه على ما فيه تعامل وفيما لا تعامل فيه رجعنا إلى القياس''۔

اہل خیبر سے کاشت کے معاملہ اور کاشتکاری کرانے کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہ پر ان کو فاسد قرار دینے کے سلسلہ میں اشکال نہیں ہوسکتا باوجود یکہ اس کا تعامل جاری ہے، کیونکہ ان دونوں مسئلوں میں صدر اول میں ہی اختلاف کا ثبوت ہے، استصناع کے مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے، اسی اتفاق تعامل کی وجہ سے ہم نے اس کو صرف اسی شئی میں محدود ومنحصر رکھا ہے جس میں تعامل جاری ہو اور جس میں تعامل نہ پایا جاتا ہو اس میں ہم قیاس کی طرف رجوع کریں گے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ مستصنع اور صانع کے درمیان جو معاہدہ ہے وہ صرف انہیں دونوں کے ساتھ مخصوص ہے اور عہد نبوت سے آج تک صرف دوطرفہ تعامل پایا جاتا ہے اور اسی بنیاد پر خلاف قیاس اس کو جائز رکھا گیا ہے، لہذا کسی تیسرے یا چوتھے یا مزید اشخاص کی طرف اس کو منتقل کرنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ اشخاص کے درمیان خرید وفروخت کا تعامل شروع اور درمیانی ادوار میں نہیں پایا گیا، جیسا کہ آج کل فلیٹ کی خرید وفروخت میں پایا جاتا ہے، لہذا یہ خالص بیع معدوم ہے جس میں دلیل استحسان جاری نہیں ہوسکتی بنابریں موجودہ معاملے کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اس مسئلے پر ایک دوسرے پہلو سے غور کیا جائے وہ یہ کہ مطلوب صفات کے مطابق سامان تیار ہونے سے پہلے مبیع (سامان) معدوم ہے اور اسی حالت میں مستصنع جب کسی تیسرے شخص کی طرف معاہدہ منتقل کرلے گا تو مستصنع اب بائع بن جائے گا مستصنع نہیں رہے گا اور اس کا بیچنا بیع مالیس عندہ کے تحت ہوگا جو شریعت میں ناجائز ہے۔ پھر اس سے آگے اور جتنے لوگ یہ معاملہ کریں گے وہ سب اسی ذیل میں

آئیں گے اوراس طرح بیع معدوم کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوجائے گا جو بہر حال ناجائز ہے۔

البتہ اگر عقد استصناع کرنے والے نے فلیٹ کے وجود میں آجانے کے بعد اس پر قبضہ مالکانہ کرلیا تو اب وہ کسی بھی شخص سے اس کو فروخت کرسکتا ہے اور تیسرا شخص بھی اگر فلیٹ پر قابض ہو کر کسی چوتھے شخص سے بیع کرے تو بلا شبہ یہ جائز ہوگا۔ اسی شرط کے ساتھ آگے تک جواز کا سلسلہ جاری رہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

۴۔ استصناع کا تعلق صرف ان اشیاء سے ہے، جو اموال منقولہ کے قبیل سے ہیں یا اموال غیر منقولہ جیسے بلڈنگ وغیرہ سے بھی ہے؟

جواب (۱) کے ذیل میں تفصیل سے بیان کیا جاچکا ہے کہ استصناع کا تعلق فقہاء کی تصریح کے مطابق مصنوعات، ملبوسات، ماکولات ومشروبات اور تعمیرات سے بھی ہے اور اس سلسلہ کی فقہی جزئیات حوالہ کتب کے ساتھ بیان کی جاچکی ہیں۔ بالفاظ دیگر اموال منقولہ اور غیر منقولہ جیسے بلڈنگ وغیرہ بھی اس کے ذیل میں آتے ہیں۔

معتبر محقق فقیہ ومحدث حضرت محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں :

جدید بوٹ معاہدات خریدو، چلاؤ اور منتقل کرو (Buy, Operate and Transfer) کو بھی استصناع کی بنیادوں پر تشکیل دیا جاسکتا ہے اگر کوئی حکومت ایک ہائی وے تعمیر کرنا چاہتی ہے تو سڑک بنانے والی کمپنی کے ساتھ استصناع کا عقد کرسکتی ہے اور قیمت کے طور پر اسے مخصوص مدت تک شاہراہ چلانے اور ٹول حاصل کرنے کا اختیار دیا جاسکتا ہے (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۱۵۷/۵)۔

۵۔ الاستصناع المتوازی :

آج کل کی اصطلاح میں اس کو الاستصناع المتوازی کہتے ہیں، یعنی دونوں متوازی ہیں کہ ایک عقد استصناع ابتداء میں اصل مستصنع اور بینک کے درمیان ہو اور دوسرا عقد بینک اور اصل صانع کے درمیان ہو تو اس کو الاستصناع المتوازی کہتے ہیں۔

جواز کی شرط :

اس کے جواز کی شرط یہ ہے کہ دونوں عقد منفصل ہوں، ایک دوسرے کے ساتھ مشروط نہ ہوں، ایک دوسرے پر موقوف نہ ہوں، ایک کی ذمہ داریاں دوسرے کی ذمہ داریوں کے ساتھ گڈمڈ نہ کی جائیں، یہ طریقہ جو استعمال کیا جاتا ہے اور جو آج کل فلیٹوں کی بکنگ ہورہی ہے اخبار میں روز اشتہار آرہے ہیں کہ ہم ایسا بنگلہ بنا کردیں گے، ایسا فلیٹ بنا کردیں گے، پہلے سے بکنگ کے پیسے لیتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ پیسے دیئے جاتے ہیں، اس کی فقہی تخریج استصناع ہے اگر استصناع کو نہ مانا جائے تو کسی بھی صورت میں اس کے جواز کا کوئی راستہ نہیں، کیونکہ فلیٹ ابھی وجود میں نہیں آیا، بیع اس کو نہیں کہہ سکتے، جب بیع نہیں کہہ سکتے تو جو پیسے لے رہا ہے اس کو ثمن نہیں کہہ سکتے پھر کس چیز کے پیسے لے رہا ہے اور یہ امانت اس لئے نہیں کہ اس کے ذمہ مضمون ہے اور ساتھ میں وہ اس کو خرچ بھی کرتا ہے، اگر کہو کہ قرض ہے امانت نہیں ہے تو قرض کے ساتھ بیع کی شرط لگی ہوئی ہے کہ مستقبل میں بیع کریں گے تو بیع "البیع المشروط بالقرض" ہوگی تو یہ بھی درست نہیں، لہذا اس استصناع کے سوا اور کسی قاعدہ پر یہ بیع، یہ محاورہ منطبق نہیں ہوتا (انعام الباری ۱۸۷/۱۔۱۸۸)۔

۲۔ بیعانہ سوخت کرنے کا حکم :

بیعانہ کی رقم شرعی فقہی اصطلاح میں مطلوب مال کے حصول سے پہلے اس کی قیمت کے بعض حصہ کو توثیق کے لئے پیشگی طور پر بائع یا صانع کو دے دینے کا نام ہے۔ حدیث نبوی ﷺ میں اس کو "عربان" کہا گیا ہے، ابن ماجہ کی حدیث میں ہے : **عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن النبي ﷺ نهى عن بيع العربان** (سنن ابن ماجہ : ۱۵۹ باب العربان مطبوعہ فاروقی دہلی) (ابوعبداللہ امام ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ عربان یہ ہے کہ کوئی آدمی ایک سو دینار میں گھوڑا خریدے اور دو دینار بیچنے والے کو بطور بیعانہ دیدے اور کہے اگر میں گھوڑا نہ خریدوں تو دونوں دینار تیرے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی مراد یہ تھی اور اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کوئی شخص کوئی بھی چیز خریدے اور بائع کو ایک درہم یا اور کم یا اس سے بھی زیادہ دے دے اور کہے کہ اگر میں وہ چیز لے لوں تو ٹھیک ہے ورنہ وہ درہم تیرا ہے)۔

عربان کے یہی معنی حضرت امام مالکؒ نے بھی دوسرے الفاظ میں بیان فرمائے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ خریدار کی اس پیشکش کے باوجود بیعانہ کی رقم کو ضبط کرنا مذکورہ بالا حدیث کے مطابق ناجائز ہے اور خود ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟

علامہ ابن رشد مالکی فرماتے ہیں : **وإنما صار الجمهور إلى منعه لأنه من باب الغرر والمخاطرة وأكل مال بغير عوض** (بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد ۲/۱۷۵ الباب الرابع فی بیوع الشروط والثنیا) (اور جمہور فقہاء اس کی ممانعت کی طرف صرف اس لئے گئے ہیں کہ اس میں دھوکہ اور خطرۂ نقصان اور بلا عوض کسی کا مال کھانا لازم آتا ہے)۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ممانعت کی ایک اور وجہ قرار دی ہے۔

"**ونهى عن بيع العربان أن يقدم إليه شيئ من الثمن فإن اشترى حسب من الثمن وإلا فهو له مجانا، وفيه معنى الميسرة**" (حجۃ اللہ البالغہ ۲/۲۸۸ مطبوعہ قدیمی) (اور بیع عربان سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ بائع کو قیمت کا کچھ حصہ پیش کردے، پھر اگر وہ خریدلے تو اس کو ثمن کے حساب میں سے شمار کرے ورنہ وہ بائع کا ہے بالکل مفت، اور اس میں جوئے (قمار) کے معنی پائے جاتے ہیں)۔

لیکن حدیث رسول ﷺ اور ممانعت کی مذکورہ وجہوں اور ائمہ ثلاثہ کے مذہب اور جمہور فقہاء کی آراء کے باوجود حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے بیعانہ کی رقم دے کر عقد بیع کرنا اور ترک خریداری پر زر بیعانہ کو ضبط کرنا جائز رکھا ہے، حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی، الحاجۃ حاشیہ ابن ماجہ میں لکھتے ہیں :

"**هو أن يشتري السلعة ويعطي للبائع درهماً أو أقل أو أكثر على أنه إن تم البيع حسب من الثمن وإلا لكان للبائع ولم يرجعه المشتري، وهو بيع باطل لما فيه من الشرط والغرر وأجازه أحمد** ﷺ" (حاشیہ ابن ماجہ : ۱۵۹ مطبوعہ فاروقی دہلی)۔

(بیع عربان یہ ہے کہ کوئی شخص سامان خریدے اور بائع کو ایک درہم یا کم و بیش اس شرط پر دے کہ اگر بیع مکمل ہو جائے تو اس کو ثمن میں سے محسوب کرلیا جائے اور خریداری پوری نہ کرے تو وہ رقم بائع کی ہو جائے گی اور خریدار اس کو واپس نہیں لے سکے گا اور یہ بیع باطل ہے، کیونکہ اس میں شرط اور دھوکہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں جو حدیث میں ممنوع ہے اور امام احمدؒ نے اس کو جائز رکھا ہے، رحمۃ الامۃ (ص: ۱۸۲۔ ۱۸۳م) میں بھی امام احمدؒ کی یہی رائے نقل کی گئی ہے۔

یہاں حد درجہ قابل توجہ بات یہ ہے کہ پچھلے زمانے میں خرید وفروخت کا پیمانہ بہت چھوٹا تھا، اسی لحاظ سے اس میں خسارہ اور نقصان بھی قابل برداشت تھا،لیکن آج کاروباری دور آسمان کی وسعتوں کو چھورہا ہے، کوئی مل لگاتا ہے، اس کے لئے مشینری پلانٹ لگاتا ہے اور یہ مشینری پلانٹ کروڑوں روپے کا بنتا ہے، اب اگر کسی دوسرے کو آرڈر دیا جائے کہ آپ میرے لئے چینی بنانے کا پلانٹ لگادو یہ استصناع ہوا اب جس کو آرڈر دیا ہوا تھا اس نے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں سے بھی زیادہ پیسے خرچ کئے یا باہر سے چیزیں منگوائیں اور پلانٹ لگادیا، جان جوکھم میں ڈال کر پلانٹ تیار کیا جو کروڑوں روپے کا تھا اور مشتری نے آکر کہہ دیا کہ مجھے تو نہیں چاہئے یہ اتنا بڑا ضرر عظیم ہے جس کی وجہ سے صانع کا دیوالیہ نکل سکتا ہے۔

حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی کی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے کہ فإني أتيت النبي ﷺ قلت أبايعك على الإسلام فشرط علي والنصح لكل مسلم فبايعته على هذا (صحیح بخاری ۱؍۱۴ مطبوعہ دیوبند) (حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا آپ ﷺ سے اسلام کی بیعت کرنا چاہتا ہوں تو آپ ﷺ نے میرے لئے شرط لگادی کہ تم ہر مسلمان کی خیر خواہی کروگے، تو پھر میں نے اسی خیر خواہی کی شرط پر بیعت کی)۔

موجودہ کاروباری حالات اور اس حدیث نبوی کا تقاضا ہے کہ زر بیعانہ کی سوخت اور ضبطی ہی نہیں بلکہ حتی الامکان ایک خسارہ زدہ مسلمان کی خیر خواہی اور اس کے دفع ضرر اور تلافی نقصان کی خاطر حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی رائے پر فتوی دیا جائے۔

۷۔ اگر کسی چیز کا آرڈر دیا جائے اور مصنوع کے لئے موجودہ میٹریل خود خریدار فراہم کردے تو یہ ’’عقد‘‘ استصناع کے حکم میں ہوگا یا اجارہ کے؟

استصناع کے معاہدے میں اگر سامان اور میٹریل کی فراہمی خریدار کی طرف سے ہو تو یہ عقد اجارہ ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں :

ٹھیکیداری کی دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک ٹھیکیداری یہ ہوتی ہے کہ جس میں ٹھیکیدار صرف کام اپنے ذمہ لیتا ہے، لیکن میٹریل یعنی سامان اس کی طرف سے نہیں ہوتا، مثلاً کسی ٹھیکیدار سے کہا کہ تم یہ عمارت بنادو، اس میں معاہدہ کا ایک طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ٹھیکیدار کہتا ہے کہ میں بنادوں گا، لیکن سامان سارا آپ کو دینا ہوگا، سیمنٹ خریدنا ہو تو آپ خرید کر لائیں، لکڑی خریدنی ہو تو آپ خرید کر لائیں، لوہا خریدنا ہے تو آپ خرید کے لائیں یا مجھے پیسے دیں تو میں خود خرید کے لاؤں، یعنی میٹریل آپ کی ذمہ داری ہے، یہ عقد اجارہ ہے۔

دوسری ٹھیکیداری یہ ہے کہ عام چیزوں کی فراہمی ٹھیکیدار کے ذمہ ہو، مثلاً مستصنع کہے کہ یہ نقشہ ہے، یہ پیمائش ہے، اس قسم کا میٹریل چاہئے اور یہ تیار شدہ شکل میں آپ ہمیں بنا کے دیں تو یہ استصناع کا عقد ہے۔

اور جب پہلی صورت میں عقد اجارہ ہونا متعین ہوگیا تو اس میں یہ حکم بھی متعین ہے کہ اب خریدار مصنوع کو رد نہیں کرسکتا، کیونکہ صانع (ٹھیکیدار) سے صرف اس کی محنت ومہارت اور عمل صنائی ایک متعین اجرت کے بدلے میں مطلوب ہے باقی سب کچھ مستاجر ہی کا ہے، اس لئے رد کا تو سوال ہی نہیں، البتہ مواصفات مطلوبہ کے مطابق کام پورا نہ کرنے پر ٹھیکیدار سے حسب نقصان جرمانہ وصول کیا جائے گا، دلیل اس کی یہ ہے کہ مخصوص کارکردگی پر عقد اجارہ ہوا ہے، ایسا اجیر اپنے عمل کی خرابی سے پہنچنے والے نقصان کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

قال العلامة قاضي أبو الحسن علي بن حسين محمد السعدي، والإجارة لا تخلو إما أن تقع على وقت معلوم أو على عمل معلوم فإن وقعت على عمل معلوم فلا تجب الأجرة إلا بإتمام العمل (النتف في الفتاوی ص ۳۳۸ کتاب الاجارہ معلومیۃ الوقت والعمل، الفتاوی الہندیہ ۴/۴۱۲، رشیدیہ، الدر المختار ص ۹۰ / باب ضمان الاجیر، سعید کمپنی)۔

(علامہ قاضی ابوالحسن علی بن حسین بن محمد السعدی فرماتے ہیں کہ اجارہ دو طرح کا ہوتا ہے: (۱) وقت معلوم پر، (۲) کارکردگی پر، اگر معلوم کارکردگی پر اجارہ ہوا ہے تو کام پورا کئے بغیر اجرت واجب نہیں رہے گا)۔

محقق العصر مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

یہ بات یقینی بنانے کے لئے کہ سامان مطلوبہ مدت میں فراہم کر دیا جائے گا، اس طرح کے بعض جدید معاہدے ایک تعزیری شق پر مشتمل ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں اگر تیار کنندہ فراہمی میں متعین وقت سے تاخیر کر دے تو اس پر جرمانہ عائد ہوگا جس کا حساب یومیہ بنیاد پر کیا جائے گا، کیا شرعاً بھی اس طرح کی کوئی تعزیری شق شامل کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگرچہ فقہاء استصناع پر بحث کے دوران اس سوال پر خاموش نظر آتے ہیں، لیکن انہوں نے اس طرح کی شرط کو اجارے میں جائز قرار دیا ہے، فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کپڑوں کی سلائی کے لئے کسی خیاط کی خدمات حاصل کرتا ہے تو فراہمی کے حساب سے اجرت مختلف ہوسکتی ہے، مستاجر (جو کپڑے سلوانا چاہتا ہے) یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر خیاط ایک دن میں یہ کپڑے تیار کر دے تو وہ سو روپے اجرت دے گا اور اگر دو دن میں تیار کرتا ہے تو وہ اسی (۸۰) روپے دے گا (دیکھئے ابن عابدین علی الدر المختار ۴/۳۱۱)۔

اسی طرح سے استصناع میں قیمت کو فراہمی کے وقت کے ساتھ منسلک کیا جاسکتا ہے، اگر فریقین اس بات پر متفق ہو جائیں کہ فراہمی میں تاخیر کی صورت میں فی یوم متعین مقدار میں قیمت کم ہو جائے گا تو یہ شرعاً جائز ہوگا۔

۸۔ عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی تاریخ مقرر ہو جائے، مگر بائع اسے وقت پر فراہم نہ کر پائے تو کیا خریدار اس کا تاوان وصول کر سکتا ہے؟

اس سوال کا جواب اوپر ذکر کئے گئے سوال نمبر (۷) کے ذیل میں گزر چکا ہے، تاہم ایک بات قابل ذکر یہ ہے کہ عقد استصناع میں سامان کی فراہمی کی مدت طے نہیں ہوسکتی، اگر مدت طے کرلی جائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عقد استصناع کے بجائے عقد سلم بن جاتا ہے لیکن امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں: عقد استصناع ہی رہتا ہے اور مدت کے ذکر کا مقصد تاریخ کا تعین نہیں ہوتا بلکہ استعجال یعنی جلدی سے جلدی سامان کی فراہمی ہوتا ہے۔

عقد استصناع — احکام ومسائل

مولانا محمد حذیفہ بن محمود ٹیلر، واحودی ☆

۱- مالی معاملات کی مختلف شکلوں اور متنوع صورتوں میں سے ایک اہم صورت اور پھیلی ہوئی شکل استصناع کی ہے، جس کا جواز لوگوں کی ضرورت وحاجت کے پیش نظر اصلاً عرف وعادت اور تعامل پر مبنی ہے، رسول اللہ ﷺ کے عہد سے ہر زمانہ میں بغیر کسی نکیر کے اس کا رواج اور تعامل چلا آرہا ہے، گویا کہ اس کے جائز ہونے پر امت کا اجماع ہے، لوگوں کو اس عقد کی حاجت رہتی ہے، کیوں کہ کبھی انسان کو مخصوص جنس، مخصوص نوع، مخصوص سائز اور مخصوص وصف کے جوتوں اور موزوں وغیرہ چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے اور ویسا بنا ہوا شاذ ونادر ہی ملتا ہے، اس لئے آرڈر دے کر بنوانے کی ضرورت وحاجت رہتی ہے، پس ظاہر ہے کہ اگر شرعاً اس کی اجازت حاصل نہ ہو تو لوگ حرج میں پڑ جائیں گے۔ "ویجوز استحسانا لاجماع الناس علی ذلک، لأنهم یعملون ذلک فی سائر الامصار من غیر نکیر وقد قال علیه الصلاة والسلام: "لاتجتمع أمتی علی ضلالة"... والقیاس یترک بالاجماع، ولأن الحاجة تدعو إلیه... فلو لم یجز لوقع الناس فی الحرج" (البدائع ۵/ ۹۳، فتح القدیر ۷/ ۱۰۷، المبسوط ۱۲/ ۱۳۸) "ذهب الحنفیة الی انه یجوز الاستصناع استحسانا لتعامل الناس وتعارفهم فی جمیع الامصار من غیر نکیر فکان اجماعا من غیر انکار من احد والتعامل بهذه الصفة اصل مندرج فی قوله ﷺ: "لاتجتمع امتی علی ضلالة" وقال ابن مسعود: "ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن" (الفقه الاسلامی وادلته ۴/ ۶۳۲)۔

استصناع کی تعریف:

استصناع کا لغوی معنی ہے: طلب صنع یعنی کسی سے کوئی کام طلب کرنا، کوئی کام چاہنا اور اصطلاحی وشرعی مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کے کاریگر سے متعین قیمت کے عوض کوئی چیز بنانے کا مطالبہ کرے اور ساتھ ہی اس کی قسم، نوعیت، مقدار اور صفت بیان کردے، پھر کاریگر اسے منظور کرلے۔ "أما صورة الاستصناع فهی أن یقول انسان لصانع من خفاف او صفار او غیرهما اعمل لی خفا او انیة من ادیم او نحاس من عندک بثمن کذا ویبین نوع ما یعمل وقدره وصفته فیقول الصانع: نعم" (البدائع ۵/ ۹۳)، بعض فقہاء کے الفاظ میں: استصناع ایسی مبیع پر معاملہ کرنے کا نام ہے جو ذمہ میں واجب ہوتی ہے اور جس میں مخصوص طریقہ پر عمل کی شرط لگائی جاتی ہے۔ "عقد علی مبیع فی الذمة شرط فیه العمل" (البدائع ۵/ ۹۳)، شامی میں ہے: "بیع عین موصوفة فی الذمة لا بیع عمل" (رد المحتار ۷/ ۴۷۶) (ایسے عین کو فروخت کرنے کا نام ہے جس کے صفات عقد کے دوران بیان کردئے جاتے ہیں اور وہ ذمہ میں واجب ہوتا ہے، وہ عمل کی بیع نہیں ہے۔

☆ مدرسہ شیخ المدارس، گھانچی واڑہ، داحود، گجرات۔ ساکن: گھانچی واڑہ، نزد جامع مسجد، ندی روڈ، داحود، گجرات۔

استصناع کے مواقع اور شرائط :

فقہاء نے استصناع کے تعلق سے بہت سی چیزوں اور صنعتوں کا تذکرہ کیا ہے،لیکن ظاہر ہے کہ وہ چیزیں اور صنعتیں جن کا انہوں نے تذکرہ کیا ہے، وہ ان کے زمانہ کے اعتبار سے ہیں،ورنہ تو استصناع کے لغوی اور اصطلاحی و شرعی مفہوم میں میٹیریل اور بناوٹ کے اعتبار سے ہر دور کی نئی مصنوعات بھی داخل ہیں۔

ہندیہ میں ہے : ''الاستصناع جائز في كل ماجرى التعامل فيه كالقلنسوة والخف والاواني المتخذة من الصفرة والنحاس وما اشبه ذلك استحسانا'' (الفتاوی الہندیہ ۳/۲۰۷،التاتارخانیہ ۹/۳۰۰)۔

شرح مجلہ میں ہے : ''كل شيء تعومل فيه استصناعه يصح فيه الاستصناع على الاطلاق... يلزم في الاستصناع وصف المصنوع وصفا يمنع حدوث أى نزاع لجهالة شيء من آوصافه وتعريفه تعريفا يتضح به جنسه ونوعه على الوجه المطلوب'' (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۱/۳۵۹–۳۶۰،المادۃ ۳۸۹–۳۹۰)۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں :

''تعامل بھی مثل اجماع کے کسی عصر کے ساتھ خاص نہیں،البتہ جو اجماع کا رکن ہے وہی اس میں بھی ہونا ضروری ہے،یعنی اس وقت کے علماء اس پر نکیر نہ رکھتے ہوں،اسی طرح فقہاء نے بہت سے نئے جزئیات کے جواز پر تعامل سے احتجاج کیا ہے،پس اس بنا پر کتاب چھپوانا استصناع میں داخل ہوگا'' (امداد الفتاوی ۳/۳۲)۔

محمود الفتاوی میں اینٹ کے معاملہ کے متعلق لکھا ہے :

''یہ بیع درحقیقت استصناع ہے جو درست ہے،اس میں یہ ضروری ہے کہ جس چیز کے بنانے کا آرڈر دیا جا رہا ہے اس کی جنس، نوع،مقدار اور وصف معلوم ہونے کے ساتھ لوگوں میں اس چیز کو آرڈر دے کر بنوانے کا عرف ہو'' (۲/۲۱۵،۳/۳۰)۔

لہٰذا عقد استصناع ہر اس مصنوع اور قابل صنعت چیز میں جائز اور درست ہوگا جس میں استصناع کا تعامل ہو جائے اور جس میں استصناع کی صحت کے شرائط پائے جائیں،مثلاً یہ کہ آرڈر دہندہ سامان کی جنس (کہ کونسی چیز بنائے گا)،اس کی نوعیت (کہ کس قسم کے اور کس کمپنی کے میٹیریل کی چیز بنائے گا)،صفت (کہ کس کوالٹی کی چیز عمدہ،گھٹیا یا متوسط بنائے گا)،اس کی مقدار (وزن)،سائز، قیمت اور ہر اس امر کی مکمل وضاحت کر دے جو مطلوبہ سامان میں اس کے پیش نظر ہے،جس کے بعد نہ کوئی ابہام اور خفاء باقی رہے اور نہ ہی بعد میں اختلاف اور نزاع کی نوبت آئے ''وأما شرائط جوازه فمنها بيان جنس المصنوع ونوعه وقدره وصفته، لأنه لا يصير معلوما بدونه، ومنها أن يكون مما يجرى فيه التعامل بين الناس من اوانى الحديد والرصاص والنحاس والزجاج والخفاف والنعال ولجم الحديد للدواب ونصول السيوف والسكاكين والقسى والنبل والسلاح كله والطشت والقمقمة ونحو ذلك ولا يجوز فى الثياب، لأن القياس يابى جوازه وانما جوازه استحسانا لتعامل الناس ولا تعامل فى الثياب'' (البدائع ۴/۹۴،ردالمحتار ۷/۴۷۴)۔

مثلاً : فرنیچر کی چیزیں جیسے : کھڑکی،دروازے،الماری،صندوق،پلنگ،کرسیاں وغیرہ جن کے سائز،ڈیزائن،لکڑی کی نوعیت یا لوہے کا وزن وغیرہ مطلوبہ اوصاف،اسی طرح مختلف دھات کے برتن،کشتیاں،جہاز چاہے ہوائی ہو یا پانی کا،نیز مختلف قسم کے اسلحہ،مشینی

اشیاء، جیسے: کسی گاڑی، موٹر یا ہوائی جہاز کا انجن وغیرہ جن میں مشین کی نوعیت، ماڈل کی قسم اور قیمت وغیرہ ضروری تفصیلات بیان کردی گئی ہوں، اسی طرح فلیٹ اور مکانات جن میں جائے وقوع، منزلیں، کمرے، استنجاء خانے وغسل خانے، مٹیریل، ڈیزائن، دیگر ضروریات و سہولیات، قیمت وغیرہ ضروری تفصیلات بیان کردی جائے، ان تمام میں اور اس طرح کی دیگر چیزوں میں جن میں استصناع کا تعامل ہو جائے اور اوصاف کے ذریعہ ان کو اس طرح ضبط کیا جاسکے کہ نزاع کا کوئی اندیشہ نہ رہے تو عقد استصناع درست ہے۔

"اشترط الحنفية لجواز الاستصناع شروطا... أن يكون المصنوع مما فيه تعامل الناس كالمصوغات والأحذية والأواني وأمتعة الدواب ووسائل النقل الاخرى فلايجوز الاستصناع في الثياب أو في سلعة لم يجر العرف باستصناعها كالدبس لعدم تعامل الناس به... ويصح في عصرنا الحاضر الاستصناع في الثياب لجريان التعامل فيه والتعامل يختلف بحسب الأزمنة والأمكنة" (الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۴/ ۶۹۵) "ومن أبرز الأمثلة والتطبيقات لعقد الاستصناع بيع الدور والمنازل والبيوت السكنية على الخريطة ضمن أوصاف محددة فإن بيع هذه الاشياء في الواقع القائم لايمكن تسويغه إلا على أساس الوعد الملزم بالبيع أو على عقد الاستصناع ويعد العقد صحيحا اذا صدرت رخصة البناء ووضعت الخريطة، وذكرت في شروط العقد مواصفات البناء بحيث لاتبقى جهالة مفضية الى النزاع والخلاف" (الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۴/ ۶۰۲)۔

سامان کو جلد از جلد حاصل کرنے کے مقصد سے اور اس غرض سے کہ صانع کام میں جلدی کرے، سستی و کاہلی نہ کرے، سامان لینے کی مدت مقرر کی جائے تب بھی صحیح ہے اور یہ عقد استصناع ہی رہے گا "وإن كان للاستعجال بأن قال على ان تفرغ منه غدا أو بعد غد كان صحيحا" (ردالمحتار: ۷/ ۴۷۷) "منها أن لايكون فيه أجل فإن ضرب للاستصناع أجلا صار سلما حتى يعتبر فيه شرائط السلم وهو قبض البدل في المجلس، وهذا قول أبي حنيفة... وقال أبويوسف ومحمد : هذا ليس بشرط وهو استصناع على كل حال ضرب فيه أجلا أو لم يضرب... وجه قولهما أن العادة جارية بضرب الأجل في الاستصناع، وإنما يقصد به تعجيل العمل لا تأخير المطالبة فلايخرج به عن كونه استصناعا..." (البدائع: ۴/ ۹۴-۹۵، البحر: ۶/ ۲۸۵)۔

نیز اس عقد میں عقد کے وقت ہی قیمت دینا ضروری نہیں ہے، بلکہ پوری قیمت بھی ادھار ہوسکتی ہے اور قسط وار بھی طے کی جاسکتی ہے، گویا کہ یہ ایک ایسا عقد ہے جس میں مبیع بھی ادھار ہوسکتی ہے اور ثمن بھی۔ "الاستصناع هو أن يجيء إنسان إلى صانع فيقول... ويسلم له جميع الدراهم أو لا يسلم أو يسلم بعضه" (التاتارخانیۃ: ۹/ ۳۰۰، العنایۃ فی حاشیۃ فتح القدیر: ۷/ ۱۰۸) "لايشترط في عقد الاستصناع تعجيل الثمن كله عند العقد بل يجوز تقسيط الثمن إلى أقساط معلومة الآجال محددة أو تأجيله كله" (فقہ المعاملات، الاستصناع: ۱/ ۲۹۵)۔

مجمع الفقہ الاسلامی، جدہ کے ساتویں سیمینار، منعقدہ ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ/ مئی ۱۹۹۲ء بمقام جدہ کے فیصلوں میں ہے:

(۱) عقد استصناع ایسا عقد ہے جس میں بائع کوئی عمل کر کے کوئی چیز تیار کرنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے، یہ فریقین پر لازم ہوتا ہے، بشرطیکہ عقد کے شرائط موجود ہوں۔

(۲) عقد استصناع کی صحت کیلئے مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

(الف) جو چیز بنوائی جا رہی ہے اس کی جنس، نوع، مقدار اور اس کے مطلوبہ اوصاف کی وضاحت۔

(ب) حوالگی کی میعاد کا تعین۔

(۳) عقد استصناع میں پوری قیمت کی ادائیگی بھی مؤجل ہوسکتی ہے اور اس کی ایسی قسطیں بھی کی جاسکتی ہیں جن کی مدت معلوم ہو

(بشکریہ: مجلہ بحث ونظر، ۲۲، شمارہ: ۲۱، ماہ شوال — ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ اپریل — جون ۱۹۹۳ء، اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ کے شرعی فیصلے: ۲۰۸)۔

استصناع بیع ہے یا وعدۂ بیع؟

بعض فقہاء استصناع کو وعدۂ بیع قرار دیتے ہیں۔ اکابر اصحاب فتاوی میں حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ کی بھی یہی رائے ہے، چنانچہ فرماتے ہیں :

''شریعت میں معدوم کی بیع نہیں ہوتی، لہذا جب تک مال مطلوب موجود نہ ہوگا، معاملہ خرید و فروخت کا اس میں صحیح نہ ہوگا، البتہ یہ معاملہ جو اس وقت قبل تیار ہونے مال کے ہوگا، ایک وعدہ اور معاہدہ سمجھا جائے گا کہ جس وقت مال تیار ہو جائے گا، ہم اس نرخ سے اس کو خریدیں گے، باقی ایجاب و قبول بیع کا اور بیع تام اسی وقت ہوگی جس وقت مال تیار ہو جائے گا اور موجود ہو جائے گا اور بوقت قبضہ مشتری و اداء ثمن بطریق تعاطی بیع ہو جائے گی'' (فتاوی دار العلوم ۱۴/ ۲۷۹)۔

نیز لکھتے ہیں :

''اس وقت جبکہ زید نے یہ معاملہ کیا بیع صحیح نہیں ہوئی جیسا کہ ظاہر ہے، پس یہ صرف وعدہ پر محمول ہوگا، بعد میں جب مبیع دیدے گا اور قیمت لے لے گا بیع تام ہو جائے گی'' (فتاوی دار العلوم: ۱۴/ ۳۰۱)۔

ایک موقع پر تحریر فرماتے ہیں :

''اس صورت میں اس وقت بیع نہیں ہوتی جس وقت کہ فرمائش بھیجی جاتی ہے اور وہاں پہنچتی ہے اور وہاں سے مال روانہ ہوتا ہے، بلکہ بیع اس وقت ہوگی جس وقت مال فرمائش کنندہ کے پاس پہونچ جائے اور وہ قیمت مقررہ پر اس مال کو خریدنے پر راضی ہو اور قیمت بھیج دیوے'' (فتاوی دار العلوم: ۱۴/ ۳۰۳)۔

جبکہ اکثر احناف کا مسلک یہ ہے کہ دوسری بیوع کی طرح یہ استصناع بھی عقد اور بیع تام ہے۔

''وأما معناه فقد اختلف المشائخ فيه قال بعضهم: هو مواعدة وليس ببيع وقال بعضهم: هو بيع لكن للمشترى فيه خيار وهو الصحيح بدليل أن محمدا رحمه الله ذكر في جوازه القياس والاستحسان، وذلك لا يكون في العدات، وكذا أثبت فيه خيار الرؤية وأنه يختص بالبياعات وكذا يجرى فيه التقاضي وإنما يتقاضى فيه الواجب لا الموعود'' (البدائع ۷/ ۹۳)

''الاستصناع بيع وليس وعدا مجردا'' (درر الحكام شرح مجلة الأحكام: ۱/ ۳۶۱، المادة: ۳۹۲) ''والصحيح الراجح في المذهب الحنفي أن الاستصناع بيع للعين المصنوعة لا لعمل الصانع فهو ليس وعدا ببيع ولا إجارة على العمل فلو أتى الصانع بما لم يصنعه هو أو صنعه قبل العقد بحسب الأوصاف المشروطة جاز ذلك'' (الفقه الإسلامي وأدلته ۴/ ۳۹۲)۔

بیع ہونے کے قائلین کے دلائل اور فریق ثانی کے استدلالات کے جوابات :

اور یہی رائے صحیح اور راجح ہے کہ استصناع عقد بیع ہے، وعدۂ بیع نہیں، کیوں کہ :

☆ اگر صنعت کار ثمن پر قبضہ کرلے تو وہ اس کا مالک ہوجاتا ہے اور جب تک قبضہ کئے رہتا ہے وہ اس کا مالک رہتا ہے، حالانکہ ملکیت عقد میں ہوتی ہے، نہ کہ وعدۂ عقد میں، معلوم ہوا کہ استصناع باضابطہ بیع ہے، نہ کہ صرف وعدۂ بیع۔ ''لأن الصانع یملک الدراهم بقبضها ولو کانت مواعید لم یملکها'' (فتح القدیر: ۷/۱۰۹، البحر: ۶/۲۸۴، التاتارخانیہ: ۹/۴۰۰)۔

☆ استصناع کو بیع وشراء کے الفاظ سے ذکر کرکے اس میں خیار رؤیت ثابت کیا گیا ہے، جبکہ وعدہ میں خیار ثابت کرنے کی ضرورت نہیں رہتی ہے، معلوم ہوا کہ یہ وعدہ نہیں ہے۔ ''وجه العامة أنه سماه في الکتاب بیعا وأثبت فیه خیار الرؤیة'' (العنایۃ فی حاشیہ فتح القدیر: ۷/۱۰۸، التاتارخانیہ: ۹/۴۰۰)۔

☆ استصناع کے ثبوت کے لئے قیاس اور استحسان کو پیش کیا گیا ہے، حالانکہ وعدہ کو ثابت کرنے کے لئے قیاس واستحسان کو پیش کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔ ''والصحیح من المذهب جوازه بیعا، لأن محمدا ذکر فیه القیاس والاستحسان وهما لا یجریان في المواعدة'' (فتح القدیر: ۷/۱۰۸، العنایۃ فی حاشیہ فتح القدیر: ۷/۱۰۸، البحر: ۶/۲۸۴، التاتارخانیہ: ۹/۴۰۰)۔

☆ لوگوں کی زندگی میں استصناع کی ضرورت وحاجت اور مصلحت ومنفعت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ استصناع بیع ہو، کیوں کہ اس کو وعدۂ بیع قرار دینے کی صورت میں اگر صانع اس وعدہ کی خلاف ورزی کرے اور سامان تیار نہ کرے تو آرڈر دہندہ کی مصلحت فوت ہوگی اور اس کا شدید نقصان ہوگا، اسی طرح اگر آرڈر دہندہ سامان تیار ہوجانے کے بعد وعدہ پورا کرنے سے مکر جائے تو ظاہر ہے کہ صانع کا سخت نقصان ہوگا، کیوں کہ ضروری نہیں ہے کہ اس نوعیت کا سامان مارکیٹ میں بک جائے اور دوسرا ضرورت مند کھڑا ہوجائے۔

وعدۂ بیع ہونے کے قائلین کا کہنا یہ ہے کہ :

(۱) استصناع میں صانع کو اختیار رہتا ہے کہ وہ سامان نہ بنائے، اگر وہ نہ بنائے تو اس کو بنانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، یہ اسی وجہ سے ہے کہ آرڈر دہندہ کے ساتھ صانع کا تعلق صرف وعدہ کا ہے نہ کہ عقد کا۔ ''ولهذا کان للصانع أن لا یعمل ولا یجبر علیه بخلاف السلم'' (فتح القدیر: ۷/۱۰۸، البحر: ۶/۲۸۴)، اسی طرح استصناع میں آرڈر دینے والے کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ صانع نے اس کے لئے جو سامان تیار کیا ہے وہ اسے قبول نہ کرے۔ ''وللمستصنع أن لا یقبل ما یأتي به ویرجع عنه ولا تلزم المعاملة'' (فتح القدیر: ۷/۱۰۸، البحر: ۶/۲۸۴) یہ بھی اس بات کی علامت ہے کہ یہ معاملہ وعدۂ بیع ہے، نہ کہ عقد بیع۔ ''ولهذا أثبت فیه الخیار لکل واحد منهما'' (المبسوط: ۱۲/۱۳۸)۔

☆ حالانکہ صانع اور مستصنع میں سے ہر ایک کے لئے خیار کا ثابت ہونا اس کے بیع نہ ہونے کی قطعی دلیل نہیں ہے، چنانچہ اگر بیع مقایضہ ہو اور اس میں عاقدین میں سے ہر ایک نے دوسرے کے عین کو نہ دیکھا ہو تو ہر ایک کے لئے خیار ثابت ہوتا ہے، پس ثبوت خیار کی وجہ سے بیع مقایضہ بیع سے خارج ہوکر وعدۂ بیع نہیں ہوتی، تو ثبوت خیار کی وجہ سے استصناع بھی وعدۂ بیع نہیں ہوگا، بلکہ بیع ہی رہے گا۔ ''الخیار لکل واحد منهما لا یدل علی أنه غیر بیع، ألا تری ان في بیع المقایضة لو لم یر کل منهما عین الاخر کان لکل واحد منهما الخیار'' (فتح القدیر: ۷/۱۰۹، العنایۃ فی حاشیہ فتح القدیر: ۷/۱۰۸، البحر: ۶/۲۸۴)۔

(۲): دوسری بات یہ کہتے ہیں کہ اگر معاملہ کے وقت ہی اس کو بیع قرار دیا جائے تو یہ معدوم چیز کی بیع ہوگی جو کہ درست نہیں ہے۔ "کیف یجوز أن یکون بیعا والمعدوم لا یصلح أن یکون مبیعا" (العنایۃ فی حاشی فتح القدیر ۷، ۱۰۸)۔

☆ حالانکہ کبھی معدوم کو حکماً موجود تسلیم کرلیا جاتا ہے، "والصحیح انه یجوز بیعا لا عدة والمعدوم قد یعتبر موجودا" (الہدایۃ فی حاشی فتح القدیر: ۷/۱۰۸) جیسا کہ کوئی مسلمان ذبح کرتے وقت بسم اللہ کہنا بھول جائے تو نسیان کے عذر کی وجہ سے تسمیہ کو موجود تسلیم کرلیا جاتا ہے، تاکہ لوگ حرج ومشقت میں مبتلا نہ ہوں، نیز مستحاضہ عورت اور سلس البول کے مریض وغیرہ معذورین کے لئے ناپاکی کے باوجود طہارت کو حکماً تسلیم کرلیا جاتا ہے، اسی طرح استصناع میں بھی لوگوں کے تعامل اور ضرورت کی وجہ سے معدوم معقود علیہ کو حکماً موجود تسلیم کرلیا جائیگا۔ "وقد خرج الجواب عن قوله: انه معدوم، لأنه ألحق بالموجود لمساس الحاجة اليه كالمسلم فيه فلم يكن بيع ماليس عند الانسان على الاطلاق" (البدائع: ۴، ۹۴، فتح القدیر: ۷/۱۰۹) "ان المعدوم قد يعتبر موجودا حكماً كالناسي للتسمية عند الذبح فان التسمية جعلت موجودة لعذر النسيان والطهارة للمستحاضة جعلت موجودة لعذر جواز الصلوات لئلا تتضاعف الواجبات فكذالك المستصنع المعدوم جعل موجودا حكماً للتعامل" (العنایۃ فی حاشی فتح القدیر ۷، ۱۰۸، البحر ۲، ۲۸۴) بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ جس طرح بیع سلم میں مبیع معدوم ہونے کے باوجود اس کی بیع جائز ہے اور وہ بیع معدوم کی ممانعت سے مستثنیٰ ہے، اسی طرح بیع استصناع بھی تعامل واجماع کی وجہ سے، نیز حضور اکرم ﷺ کے انگوٹھی وغیرہ بنوانے کی وجہ سے بیع معدوم کی ممانعت سے مستثنیٰ ہوگی، اس سلسلہ کی متعدد روایات وارد ہیں: "عن عبدالله ان رسول الله ﷺ اصطنع خاتما من ذهب" (اخرجہ مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب فی خاتم الذہب، رقم: ۵۵۹۴)۔

(۳): تیسری بات یہ کہتے ہیں کہ بیوع وعقود فریقین میں سے کسی کی موت سے باطل نہیں ہوتے، جبکہ استصناع صانع کی موت سے باطل ہوجاتا ہے، تو پھر اسے عقد اور بیع کہنا کیسے درست ہوگا؟ "لو كان بيعا لما بطل بموت أحد المتعاقدين لكنه يبطل بموت أحدهما" (العنایۃ فی حاشی فتح القدیر: ۷، ۱۰۸)۔ حالانکہ استصناع کسی ایک کی موت سے اس لئے باطل ہوجاتا ہے کہ اس عقد کو اجارہ سے مشابہت ہے، اس طرح کہ اس میں صانع سے عمل یعنی کاریگری کو طلب کیا جاتا ہے۔ "ان للاستصناع شبها بالإجارة من حيث ان فيه طلب الصنع وهو العمل وشبها بالبيع من حيث أن المقصود منه العين المستصنع فلشبهه بالاجارة قلنا يبطل بموت أحدهما..." (العنایۃ فی حاشی فتح القدیر: ۷/۱۰۸) "وإنما تبطله بموت الصانع لشبهه بالإجارة" (فتح القدیر: ۷/۱۰۹، البحر: ۲، ۲۸۴)۔

حضرت تھانویؒ نے بھی یہی ذکر کیا ہے کہ یہ معاملہ بیع ہے، وعدۂ بیع نہیں، فرماتے ہیں:

"یہ معاملہ وعدہ نہیں، بیع ہے، تو بنوانے والا لینے سے انکار نہیں کرسکتا اور انکار کی صورت میں صانع زرِ ثمن رکھ سکتا ہے" (امداد الفتاوی: ۳، ۱۰۱)۔

غرضیکہ صحیح اور راجح بات یہی ہے کہ استصناع وعدۂ بیع نہیں، بلکہ بیع ہے۔ "والأصح أنه ينعقد معاقدة" (التاتارخانیۃ: ۹، ۲۰۰)، اسی لئے استصناع کی تعریف میں "عقد" کا لفظ ذکر کیا جاتا ہے، جس سے استصناع کے وعدۂ بیع ہونے کا احتمال ختم ہوجاتا ہے۔

استصناع کا حکم:

البتہ جس وقت شرائط واوصاف ذکر کرکے معاملہ طے کیا جاتا ہے اس وقت یہ معاملہ بیع مع خیار الشرط کے درجہ میں یعنی عقد غیر لازم

ہوتا ہے، اس لئے کاری گر کے کام شروع کرنے سے پہلے پہلے تک کاری گر اور آرڈر دہندہ دونوں کو رجوع کر کے معاملہ ختم کرنے کا اختیار رہتا ہے، فریقین میں سے کوئی بھی دوسرے کو نوٹس دیکر معاہدہ منسوخ کر سکتا ہے۔ ''لا یجبر الصانع علی العمل و لا المستصنع علی إعطاء الاجر'' (البزازیہ علی ہامش الہندیہ: ۸/۵) آرڈر کے بعد مال تیار کرتے وقت کاریگر پر لازم ہے کہ طے شدہ شرائط کے مطابق مال تیار کرے اور آرڈر دہندہ کے لئے بھی درمیان میں معاملہ ختم کرنے کا اختیار نہ ہوگا، جب چیز تیار ہو جائے تو جب تک آرڈر دہندہ اس کو نہ دیکھے اور اختیار نہ کر لے تب تک کاری گر کو اختیار رہے گا، چنانچہ اگر وہ اس حالت میں بنی ہوئی چیز کسی اور کو بیچنا چاہے تو بیچ سکتا ہے۔ ''و لا یتعین إلا بالاختیار حتی لو باعه الصانع قبل أن یراه المستصنع جاز هذا کله هو الصحیح'' (الہدایہ فی ہامش فتح القدیر ۷: ۱۰۸، البحر ۶: ۲۰۹) لیکن صانع جب چیز تیار کر کے آرڈر دہندہ کے سامنے پیش کر دے گا تب اس کے حق میں یہ عقد لازم ہو کر اس کا اختیار ختم ہو جائیگا، اس لئے کہ اس نے تو سامان حاضر کر کے خود اپنے حق کو ساقط کر دیا ہے۔ ''و لذا قلنا للصانع أن یبیع المصنوع قبل أن یراه المستصنع لأن العقد غیر لازم أما بعد ما رآه المستصنع فالأصح أنه لا خیار للصانع بل إذا قبله المستصنع أجبر علی دفعه له لأنه بالآخرة بائع'' (فتح القدیر: ۷/۱۱۰، البحر ۶/۲۸۵)۔

پھر جب چیز تیار کر کے صانع آرڈر دہندہ کے سامنے پیش کرے پس اگر وہ چیز مطلوبہ اوصاف کے مطابق نہ ہو تو آرڈر دہندہ کے لئے اس کو قبول کرنا ضروری نہیں ہے، وہ اسے رد کر سکتا ہے اور اگر وہ چیز مطلوبہ اوصاف کے مطابق ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جس طرح دوسری بیوع میں بن دیکھی چیز خریدنے کی وجہ سے مشتری کو خیار رؤیت حاصل ہوتا ہے، اسی طرح اس معاملہ میں بھی چیز بن جانے کے بعد مشتری (آرڈر دہندہ) کو دیکھنے کے وقت خیار رؤیت حاصل ہوگا کہ چاہے تو لے اور چاہے تو نہ لے اور عقد کو فسخ کر دے، یہی ظاہر روایت ہے، امام صاحبؒ کی ایک روایت کے مطابق دونوں فریق کو اب بھی خیار حاصل رہے گا تا کہ کوئی بھی فریق پریشانی میں مبتلا نہ ہو۔ ''وهو بالخیار إن شاء أخذه و إن شاء ترکه لأنه اشتری شیئا لم یره و لا خیار للصانع کذا ذکره فی المبسوط وهو الأصح، لأنه باع ما لم یره، و عن أبی حنیفة أن له الخیار أیضا، لأنه لا یمکنه تسلیم المعقود علیه إلا بضرر وهو قطع الصرم و غیره و عن أبی یوسف أنه لا خیار لهما أما الصانع فلما ذکرنا، وأما المستصنع فلأن فی إثبات الخیار له إضرارا بالصانع لأنه ربما لا یشتریه غیره بمثله (الہدایہ فی ہامش فتح القدیر: ۷/۱۰۸، البحر ۶: ۲۸۵، المبسوط ۱۲: ۱۵۹)۔

جبکہ امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ اگر عقد کے وقت جن اوصاف کو ذکر کیا گیا تھا ان اوصاف کے مطابق چیز نہیں بنائی گئی ہے تب تو مشتری کو خیار حاصل ہوگا، لیکن اگر ذکر کئے گئے اوصاف کے مطابق چیز بنائی گئی ہے، تو پھر مشتری اسے قبول کرنے کا پابند ہوگا، اس کو خیار رؤیت حاصل نہ ہوگا، کیوں کہ یہ بڑی نقصان کی بات ہوگی کہ مستصنع کی فرمائش کی وجہ سے تیار کنندہ نے اپنے تمام وسائل مطلوبہ چیز کی تیاری پر لگا دیئے، اس کے بعد فراہم کردہ چیز مطلوبہ اوصاف کے مطابق ہونے کے باوجود بلا وجہ خریدار سودا منسوخ کر دے، یہ ضروری بھی نہیں کہ اس قسم کی چیز جو مستصنع نے اپنے لئے بنوائی تھی وہ دوسرے کے لئے بھی کارآمد ہو، اس لئے اس میں صانع کا بڑا ضرر ہو سکتا ہے کہ اس کی محنت بھی برباد ہو جائے اور پیسہ بھی (البدائع: ۵/۹۵، الدر المختار: ۷/۴۷۵-۴۷۷)۔

مجلۃ الاحکام العدلیۃ میں حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کو اختیار کیا گیا ہے۔ ''إذا انعقد الاستصناع فلیس لأحد العاقدین الرجوع و إذا لم یکن المصنوع علی الأوصاف المطلوبة المبینة کان المستصنع مخیرا... الاستصناع بیع

وليس وعدا مجردا، فإذا انعقد فليس لأحد العاقدين على رواية أبي يوسف الرجوع عنه بدون رضاء الآخر فيجبر الصانع على عمل الشيء المطلوب وليس له الرجوع عنه، لأن الذي يبيع مالا لم يرد له الخيار، وكذلك ليس للمستصنع أن يرجع عنه، لأنه لو جعل له الخيار للحق البائع إضرار لأنه قد لا يرغب في المصنوع أحد غير المستصنع، ليس للصانع بعد عمل المصنوع الامتناع عن تسليمه إلى المستصنع، وإذا امتنع الصانع بعد ما رآه المستصنع عن تسليمه له أجبر على تسليمه له أما إذا باعه من آخر وقدر آه المستصنع وكان البيع قبل القبول فله ذلك، وإذا كان المصنوع غير موافق للأوصاف المطلوبة فإن كان النقص الموجود فيه من قبيل العيب فللمستصنع خيار العيب، وإن كان من قبيل الوصف فله خيار الوصف إن شاء قبله وإن شاء رده ومتى قبله بعد رؤيته فليس له رده، وقال أبو يوسف : ليس للمستصنع خيار الرؤية خلافا لبعض الفقهاء"(درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۱/ ۳۶۱، المادۃ ۳۹۲)۔

حضرت تھانویؒ نے بھی یہی بات ذکر کی ہے کہ چیز بن جانے کے بعد بنوانے والا لینے سے انکار نہیں کرسکتا، جیسا کہ گذرا

"یہ معاملہ وعدہ نہیں، بیع ہے، تو بنوانے والا لینے سے انکار نہیں کرسکتا اور انکار کی صورت میں صانع زرِ ثمن رکھ سکتا ہے"(امداد الفتاوی ۳/ ۱۴)۔

نیز فرماتے ہیں:

"جب وہ بنے ہوئے دانت لے چکا اور وہ موافق فرمائش کے تھے اور ایسی خفیف کمی جو عرف کے موافق ہو موافقت فرمائش کے خلاف نہیں ہے، تو وہ بیع کامل ہوگئی اور بنوانے والا دانت کا مالک ہوگیا، اس لئے بنانے والا بقیہ دام کا مستحق ہے اور بقیہ کا وہ مطالبہ کرے گا"(امداد الفتاوی ۳/ ۱۴۲)۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایسی چیزیں جن کے افراد متفاوت نہ ہوں، ان کے سلسلہ میں فقہاء نے صراحت کی ہے کہ ایک چیز بطور نمونہ کے دیکھ لینا پورے مال کو دیکھ لینے کے درجہ میں ہوکر خریدار کا خیار رؤیت ساقط ہوجائے گا اور اس کے لئے مال سے دستبردار ہونے کی گنجائش نہ ہوگی، "فإن كان لا يتفاوت آحادها كالمكيل والموزون، وعلامته ان يعرض بالنموذج يكتفي برؤية واحد منها الا اذا كان الباقي ارداما رای فحينئذ يكون له الخيار"(الھدایہ ۳/ ۳۶) پس استصناع کے مسئلہ میں بھی چیز کے اوصاف طے کردینے اور پھر طے شدہ اوصاف کے مطابق بن جانے کے بعد مشتری کے لئے خیار رؤیت باقی رہنے کے کوئی معنی نہ ہوں گے، بلکہ مقررہ اوصاف کے مطابق چیز کا بن جانا حکماً اس کو دیکھ لینا ہی کہلائے گا۔

قابل عمل اور لائق فتوی یہی امام ابو یوسفؒ کا قول ہے، لہذا اگر آرڈر کے مطابق کاریگر مال تیار کرکے پیش کردے تو پوری قیمت ادا کرکے وصول کرلینا تاجر اور آرڈر دہندہ پر واجب ہے، ورنہ گنہگار ہوگا۔

۳— یہ بات صحیح ہے کہ عقد استصناع میں خریدی ہوئی چیز عقد کے وقت معدوم ہوتی ہے اور بعد کو تیار کی جاتی ہے، جبکہ معدوم شیٔ کی بیع درست نہیں ہے اور حدیث میں اس کو منع کیا گیا ہے، حضرت حکیم بن حزامؓ کی روایت ہے: "اتيت رسول الله ﷺ فقلت: يأتيني الرجل يسئلني من البيع ما ليس عندي ابتاع له من السوق ثم أبيعه قال: لا تبع ما ليس عندك"(رواہ ابوداؤد وسکت عنہ: اعلاء السنن ۱۴/ ۱۵۸، ورواہ الترمذی، ابواب البیوع، باب کراھیۃ بیع ما لیس عندک ۱/ ۱۴۸، رقم: ۱۲۳۲)(حضرت حکیم بن حزامؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول

السلم" (نسائی، کتاب البیوع، باب مالیس عندالانسان: ۲/ ۱۹۶) پس ایسا معاملہ یعنی بیع معدوم کا معاملہ صرف بطریق سلم جائز ہے، سو بیع سلم میں شرائط کا لحاظ ضروری ہے، بدون ان شرائط کے بیع سلم جائز نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ یہ معاملہ بطریق سلم نہیں ہے اور نہ ان اشیاء کے ساتھ مخصوص ہے جن میں بیع سلم ہوتی ہے، لہذا اس طرح بیع سلم جائز نہیں ہے، البتہ اگر فی الحال بیع وشراء قطعی نہ ہو، بلکہ بطریق وعدہ چھوٹے تاجروں سے کہا جائے کہ مال کے آنے کے بعد ہم تم کو اس نرخ سے دیدیں گے اور بعد آنے مال کے معاملہ بیع وشراء کا کیا جائے، خواہ بطریق ایجاب وقبول یا بطریق تعاطی تو یہ درست ہے" (۱۴/ ۲۸۰)۔

کتاب الفتاوی میں ہے :

سوال : الف نے فلیٹ خریدا، لیکن ابھی تعمیر مکمل نہیں ہوئی، پیسے کی ضرورت کی بنا پر دوسرے کو بیچنا چاہتا ہے، کیا یہ صورت درست ہے؟

جواب : اگر ابھی بلڈنگ تعمیر ہی نہیں ہوئی ہے، تو خریدنے والے شخص سے اس کا بیچنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ جو چیز بیچی جائے اس کا فی الجملہ موجود ہونا ضروری ہے، البتہ اگر اس کی چھت پڑ چکی ہو اور اس کے خریدے ہوئے فلیٹس کی جو سطح ہوگی، خواہ زمین ہو یا کوئی چھت، وہ موجود ہو، دیواریں اور مکان سے متعلق دوسری ضروریات موجود نہ ہو، تو بحالت موجودہ اس کی جو قیمت مقرر ہو، اس کے لحاظ سے فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ اس حد تک مکان وجود میں آچکا ہے (۵/ ۲۲۷)۔

بیت التمویل الکویتی کے فتاوی میں ہے :

"لایجوز بیع الشقق المشتراة بعقد استصناع بنفس الشروط والمواصفات وبالثمن الذی یتفق علیہ مع المشتری قبل تمام بنائها واستلامها، لأن هذا من بیع المعدوم، لأنها غیر موجودة فعلا بالشکل الذی تباع علی أساسه" (الفتاوی الشرعیة فی المسائل الاقتصادیة، رقم الفتوی: ۳۳۲، المسائل الاقتصادیة ۱/ ۲۹۷)۔

۴— پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ عقد استصناع ہر اس چیز میں جائز اور درست ہوگا جس میں استصناع کا تعامل ہوجائے اور اس میں استصناع کی صحت کے شرائط پائے جائیں، لہذا اموال منقولہ کی طرح اموال غیر منقولہ کی قبیل کی اشیاء سے بھی اس عقد کا تعلق ہوگا، مثلاً فلیٹ اور مکانات بنانے کا رواج اور تعامل ہے اور اس کی ضرورت پڑتی ہے، اگر اس میں جائے وقوع، منزلیں، کمرے، استنجاء خانے وغسل خانے، مٹیریل، ڈیزائن، دیگر ضروریات وسہولیات، قیمت، وغیرہ ضروری تفصیلات بیان کردی جائے تو اس طرح عقد استصناع درست ہوگا۔

"ولا یصح السلم فیما لا یمکن ضبطه بالوصف کالدور والعقارات... أما الاستصناع فیصح فی الأمرین إذا تعامل الناس به" (الفقه الاسلامی وادلته ۴/ ۲۰۱)۔

"ومن أبرز الأمثلة والتطبیقات لعقد الاستصناع بیع الدور والمنازل والبیوت السکنیة علی الخریطة ضمن اوصاف محددة فان بیع هذه الاشیاء فی الواقع القائم لایمکن تسویغه الا علی اساس الوعد الملزم بالبیع او علی عقد الاستصناع ویعد العقد صحیحا اذا صدرت رخصة البناء ووضعت الخریطة وذکرت فی شروط العقد مواصفات البناء بحیث لاتبقی جهالة مفضیة إلی النزاع والخلاف" (الفقه الاسلامی وادلته ۴/ ۲۰۲)۔

کتاب الفتاوی میں ہے

السلم" (نسائی، کتاب البیوع، باب مالیس عند الانسان: ۲/ ۱۹۶) پس ایسا معاملہ یعنی بیع معدوم کا معاملہ صرف بطریق سلم جائز ہے، سو بیع سلم میں شرائط کا لحاظ ضروری ہے، بدون ان شرائط کے بیع سلم جائز نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ یہ معاملہ بطریق سلم نہیں ہے اور نہ ان اشیاء کے ساتھ مخصوص ہے جن میں بیع سلم ہوتی ہے، لہذا اس طرح بیع سلم جائز نہیں ہے، البتہ اگر فی الحال بیع وشراء قطعی نہ ہو، بلکہ بطریق وعدہ چھوٹے تاجروں سے کہا جائے کہ مال کے آنے کے بعد ہم تم کو اس نرخ سے دیدیں گے اور بعد آنے مال کے معاملہ بیع وشراء کا کیا جائے، خواہ بطریق ایجاب وقبول یا بطریق تعاطی تو یہ درست ہے" (۱۴/ ۲۸۰)۔

کتاب الفتاوی میں ہے :

سوال : الف نے فلیٹ خریدا، لیکن ابھی تعمیر مکمل نہیں ہوئی، پیسے کی ضرورت کی بنا پر دوسرے کو بیچنا چاہتا ہے، کیا یہ صورت درست ہے؟

جواب : اگر ابھی بلڈنگ تعمیر ہی نہیں ہوئی ہے، تو خریدنے والے شخص سے اس کا بیچنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ جو چیز بیچی جائے اس کا فی الجملہ موجود ہونا ضروری ہے، البتہ اگر اس کی چھت پڑ چکی ہو اور اس کے خریدے ہوئے فلیٹس کی جو سطح ہوگی، خواہ زمین ہو یا کوئی چھت، وہ موجود ہو، دیواریں اور مکان سے متعلق دوسری ضروریات موجود نہ ہو، تو بحالت موجودہ اس کی جو قیمت مقرر ہو، اس کے لحاظ سے فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ اس حد تک مکان وجود میں آچکا ہے (۵/ ۲۷۲)۔

بیت التمویل الکویتی کے فتاوی میں ہے :

"لا یجوز بیع الشقق المشتراة بعقد استصناع بنفس الشروط والمواصفات وبالثمن الذی یتفق علیه مع المشتری قبل تمام بنائها واستلامها، لأن هذا من بیع المعدوم، لأنها غیر موجودة فعلا بالشکل الذی تباع علی أساسه" (الفتاوی الشرعیة فی المسائل الاقتصادیة، رقم الفتوی: ۲۲۳، المسائل الاقتصادیة: ۱/ ۲۷۶)۔

۴— پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ عقد استصناع ہر اس چیز میں جائز اور درست ہوگا جس میں استصناع کا تعامل ہوجائے اور اس میں استصناع کی صحت کے شرائط پائے جائیں، لہذا اموال منقولہ کی طرح اموال غیر منقولہ کی قبیل کی اشیاء سے بھی اس عقد کا تعلق ہوگا، مثلاً فلیٹ اور مکانات بنانے کا رواج اور تعامل ہے اور اس کی ضرورت پڑتی ہے، اگر اس میں جائے وقوع، منزلیں، کمرے، استنجاء خانے وغسل خانے، مٹیریل، ڈیزائن، دیگر ضروریات وسہولیات، قیمت، وغیرہ ضروری تفصیلات بیان کردی جائے تو اس طرح عقد استصناع درست ہوگا۔

"ولا یصح السلم فیما لا یمکن ضبطه بالوصف کالدور والعقارات... أما الاستصناع فیصح فی الأمرین إذا تعامل الناس به" (الفقه الاسلامی وادلته: ۴/ ۳۰۱)۔

"ومن أبرز الأمثلة والتطبیقات لعقد الاستصناع بیع الدور والمنازل والبیوت السکنیة علی الخریطة ضمن اوصاف محددة فان بیع هذه الاشیاء فی الواقع القائم لا یمکن تسویغه الا علی اساس الوعد الملزم بالبیع او علی عقد الاستصناع ویعد العقد صحیحا اذا صدرت رخصة البناء ووضعت الخریطة وذکرت فی شروط العقد مواصفات البناء بحیث لا تبقی جهالة مفضیة إلی النزاع والخلاف" (الفقه الاسلامی وادلته: ۴/ ۳۰۲)۔

کتاب الفتاوی میں ہے :

"جب تک ایک چیز وجود میں نہ آئے اس کو بیچنا درست نہیں لیکن اس سے ایک صورت مستثنیٰ ہے،جس کو استصناع کہتے ہیں،یعنی ایسی چیزیں جن کو آرڈر پر تیار کرنے کا رواج ہو، جیسے جوتا وغیرہ،آج کل فلیٹس اسی انداز پر بنائے جاتے ہیں،فلیٹس کے نقشے،اس کی مکانیت،تعمیری معیار اور پوری تفصیلات پہلے واضح کر دی جاتی ہیں،محل وقوع دیکھنے کی گنجائش ہوتی ہے اور اس کا فلیٹ کس منزل پر ہوگا یہ بھی واضح کر دیا جاتا ہے،جس کی وجہ سے نزاع کا اندیشہ ختم یا بہت کم ہو جاتا ہے،اس لئے جو لوگ فلیٹس تعمیر کر کے بیچتے ہیں ان کے لئے اس طرح خرید و فروخت کی گنجائش ہے"(۵/ ۲۱۴)۔

۵۔ استصناع متوازی یعنی یہ صورت کہ ایک عقد استصناع ابتداء میں اصل مستصنع اور بینک یا کسی اور ادارہ کے درمیان ہو اور دوسرا عقد استصناع بینک یا ادارہ اور اصل صانع کے درمیان ہو اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے، یہ معاملہ بلاشبہ درست ہے، کیوں کہ عقد اصلاً مبیع اور سامان کا ہوتا ہے،عمل کا نہیں ،معقود علیہ عین ہوتا ہے نہ کہ عمل،اسی وجہ سے استصناع میں صانع کا از خود کام کرنا ضروری نہیں ہوتا، بلکہ مطلوبہ چیز مستصنع کے حوالہ کرنا ضروری ہوتا ہے، چاہے وہ چیز صانع نے خود تیار کی ہو یا کسی سے تیار کروائی ہو،اس لئے اگر وہ بالکل انہی اوصاف کے مطابق چیز بازار سے خرید کے لا کر دے تب بھی جائز ہے۔"المعقود علیه العین دون العمل حتی لو جاء به مفروغا لا من صنعته او من صنعته قبل العقد فاخذه جاز"(الهدایة فی هامش فتح القدیر ۷/ ۱۰۸، الدرالمختار علی هامش ردالمحتار ۴/ ۲۲۳، البحر ۶/ ۲۸۶، المبسوط ۱۲: ۱۵۶)۔

"والاصح ان المعقود علیه المستصنع فیه، ولهذا لو جاء به مفروغا عنه لا من صنعته او من صنعته قبل العقد جاز کذا فی الکافی"(الهندیه ۳/ ۲۰۸)۔

"المبیع فی الاستصناع هو العین لا عمل الصانع وعلی ذلک فلو أتی الصانع للمستصنع بخف من صنعه أو من صنع غیره قبل الاستصناع وقبله کان صحیحا"(درر الحکام شرح مجلة الاحکام ۱/ ۳۵۹، المادة: ۳۸۸)اگر عقد کا انحصار کاریگر کی کاریگری پر ہوتا تو اس صورت میں عقد ہی درست نہ ہوتا،کیوں کہ صنعت اور عمل تو دوسرے کی طرف سے وجود میں آیا ہے،اس سے معلوم ہوا کہ عقد میں عین مقصود ہے نہ کہ عمل، صانع کے ذمہ یہ بات ہوتی ہے کہ جس قسم کے اوصاف کی چیز مستصنع نے طلب کی ہے اس کے مطابق وہ اس کو فراہم کر دے ، پس استصناع متوازی کی زیر بحث صورت کہ ادارہ یا اصل صانع کسی سے آرڈر لیکر خود صنعت اور عمل کے بجائے دوسرے کو آرڈر دے دے تو یہ معاملہ درست ہے،لیکن ضروری ہے کہ دونوں عقد منفصل ہو،ایک دوسرے کے ساتھ مشروط نہ ہو، ایک دوسرے پر موقوف نہ ہو،یعنی پہلا عقد جو پہلے فریق اور مالیاتی ادارے کے درمیان ہوا ہے اور دوسرا عقد جو مالیاتی ادارے اور دوسرے فریق کے درمیان ہوا ہے ان دونوں کے درمیان کوئی ربط اور تعلق نہ ہو، اگر دوسرا فریق مالیاتی ادارے کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ پورا نہ کرے تب بھی مالیاتی ادارہ پہلے فریق کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ پورا کرے۔"یجب الحذر فی الاستصناع المتوازی من أمور :الربط بین العقدین بل یجب أن یکون کل من العقدین منفصلا عن الآخر وغیر مبنی علیه فتکون مسئولیة المصرف ثابتة قبل المستصنع، ولا شأن للمستصنع بالصانع فی العقد الثانی واذا لم یقم الصانع بالعمل او لم ینجزه فی الموعد فعلی المصرف انجازه. ویجب أن لا یکلف المصرف المستصنع بالتعاقد مع الصانع او متابعته ولا یؤکله بالاشراف علی المصنوع أو قبضه أو نحو

ذلک" (فقہ المعاملات، الاستصناع: ۱/ ۲۷۲)۔

۲ – جس معاملہ میں یہ شرط لگائی جائے کہ مشتری عقد کے وقت کچھ رقم بطور بیعانہ کے پیشگی دے گا، پھر اگر مشتری اس معاملہ پر قائم رہے تو وہ رقم جزو ثمن بن جائے گی اور اگر قائم نہ رہے، بلکہ سودا کینسل کردے تو یہ رقم بائع کی ہو جائے گی اور وہ اس کا مالک بن جائے گا، اس معاملہ کو "بیع العربون" یا "بیع العربان" اور اس رقم کو "عربون" کہا جاتا ہے، اردو میں اسے "بیعانہ" کہتے ہیں، امام احمدؒ اور بعض تابعینؒ کے نزدیک اس طرح معاملہ کرنا بھی درست ہے اور سامان نہ خریدنے اور مقررہ وقت پر قیمت ادا نہ کرنے کی صورت میں بیعانہ کی رقم ضبط کرنا بھی بائع کے لئے جائز ہے، اس صورت میں بیعانہ کی یہ رقم بائع کی ملک ہو جائے گی۔ "والعربون في البيع هو أن يشتري السلعة فيدفع إلى البائع درهما أو غيره على أنه إن اخذ السلعة احتسب به من الثمن وان لم ياخذها فذلك للبائع يقال عربون واربون وعربان واربان قال احمد : لا باس به . . . (المغنی: ۴/ ۲۳۱) جبکہ ائمہ ثلاثہ حضرت امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک نہ اس طرح معاملہ کرنا درست ہے اور نہ ہی بیعانہ کی رقم ضبط کرنا بائع کے لئے جائز ہے، بلکہ وہ رقم مالک کو واپس کرنا ضروری ہے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے اس طرح کی بیع سے منع فرمایا ہے، روایت میں ہے : "نهى رسول الله ﷺ عن بيع العربان" (رواہ مالک فی الموطأ عن عبد اللہ بن عمرو بن عاص، کتاب البیوع، باب ماجاء فی بیع العربان: ۴۴۰) دوسری بات یہ ہے کہ بائع اس صورت میں بلاوجہ اس رقم پر قبضہ کرتا ہے، جس کا کوئی عوض نہیں دیتا ہے۔ "ومن هذا الباب بيع العربان، فجمهور علماء الامصار على انه غير جائز، وحكى عن قوم من التابعين انهم اجازوه منهم مجاهد وابن سيرين ونافع بن الحارث وزيد بن اسلم . . . وانما صار الجمهور الى منعه لأنه من باب الغرر والمخاطرة واكل المال بغير عوض . . . " (بدایۃ المجتہد: ۵/ ۸)۔

"وقد اختلف الناس في جوازه فأبطله مالك والشافعي للخبر، ولما فيه من الشرط الفاسد والغرر ويدخل ذلك أكل المال بالباطل وابطله اصحاب الرأي أيضا . . . " (بذل المجہود، کتاب الاجارۃ، باب العربان: ۴/ ۲۸۶)۔

اس لئے بیعانہ ضبط کرنے کی شرط والا کوئی بھی معاملہ درست نہ ہوگا اور بیعانہ کی رقم ضبط کرنا بائع کے لئے جائز نہ ہوگا، یہی بات صحیح ہے اور احناف کا فتویٰ اور عمل بھی اسی پر ہے، اس لئے عام حالات میں اور بلا کسی شدید ضرورت کے تو اس طرح معاملہ کرنے اور بیعانہ کی رقم ضبط کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، بالخصوص جبکہ لوگوں نے اس کو پیسے کمانے کا ذریعہ بنا لیا ہو، آج کل یہی صورت حال ہے۔ حضرات اکابر اور اصحاب فقہ وفتاوی نے بھی ممانعت ہی کو ذکر کیا ہے، چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اس معاملہ کو جوے پر مشتمل بیوع میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"واعلم أن من البيوع ما يجرى فيه معنى الميسر وكان اهل الجاهلية يتعاملون بها فيما بينهم فنهى عنها النبي . . . نهى عن بيع العربان : ان يقدم اليه شيئا من الثمن فان اشترى حوسب من الثمن و الا فهو له مجانا وفيه معنى الميسر"

(حجۃ اللہ البالغۃ مع شرحہ رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۴/ ۵۱۰)۔

(بعض بیوع ایسی ہیں جن میں جوے کے معنی پائے جاتے ہیں، یعنی ان میں غرر (دھوکہ) اور مخاطرہ (جوکھم) ہے اور زمانۂ جاہلیت میں ان بیوع کا رواج تھا، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان سے منع کیا، وہ بیوع یہ ہیں:. . . بیع عربان (سائی دینا) یعنی مشتری بائع کو بطور

بیعانہ کچھ دے بایں طور کہ اگر معاملہ رہ گیا تو سائی کی رقم ثمن میں شمار کر لی جائے گی اور اگر مشتری معاملہ سے ہٹ گیا تو سائی گئی یعنی وہ رقم بائع کی ہوگئی، یہ بیع بھی مخاطرہ کی وجہ سے ممنوع ہے، بیع عربان کی ممانعت کی روایت ضعیف ہے، اس لئے امام احمدؒ نے اس کو نہیں لیا، ان کے نزدیک بیعانہ دینا جائز ہے اور جمہور کے نزدیک چونکہ یہ روایت معاملات کے اصول موضوعہ کے مطابق ہے، یعنی اس میں مخاطرہ ہے، کیوں کہ معلوم نہیں سائی کی رقم کا کیا انجام ہو؟ اور یہ ناحق مال لینا بھی ہے، اس لئے ضعف کے باوجود جمہور نے یہ روایت قبول کی ہے، ان کے نزدیک سائی رکھنا جائز نہیں (رحمۃ اللہ الواسعۃ شرح حجۃ اللہ البالغۃ ۵۵۹-۵۵۷/۴)۔

فتاوی رشیدیہ میں ہے: ''بیع نامہ دینا اس طرح کہ اگر بیع ہوئی تو منجملہ ثمن میں ہوجاوے گا، ورنہ ضبط ہوجائے گا ناجائز ہے، بقولہ علیہ السلام: ''نهى عن بيع العربان'' (فتاوی رشیدیہ ۴۹۵)۔

کفایت المفتی میں ہے: ''بیعانہ کی واپسی بائع کے ذمہ واجب ہے، اسے ضبط کرنے کا حق نہیں'' (۵۵/۸)۔

فتاوی دار العلوم میں بیعانہ واپس نہ کرنے کی شرط والی بیع کے متعلق لکھا ہے:

''اس طرح بیع کرنا باطل ہے اور بصورت بیع نہ ہونے کے اس بیعانہ کا رکھنا حرام ہے'' (فتاوی دار العلوم ۳۹۱/۱۴)۔

ہاں! البتہ واقعی ضرورت شدیدہ ہو اور اس کے بغیر بائع کو بڑا ضرر لاحق ہوتا ہو، اس کی محنت بھی ضائع ہو رہی ہو اور اسے مالی نقصان بھی پہونچ رہا ہو تو چونکہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے اور ممانعت کی روایت ضعیف ہے، اس لئے ایسے موقع پر امام احمدؒ کے قول کو اختیار کرتے ہوئے بائع کے لئے اس رقم کو ضبط کرنے اور اس رقم سے پہونچے ہوئے حقیقی نقصان کی تلافی کرنے کی گنجائش ہوگی، چنانچہ زیر بحث مسئلہ یعنی عقد استصناع میں جب مشتری نے بائع کو آرڈر دیا اور بائع نے اس کے آرڈر کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں روپئے خرچ کرکے میٹیریل اکٹھا کیا، محنت کرکے مبیع تیار کی، پھر مشتری مکر جائے کہ میں نہیں لیتا، تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں بائع کا بڑا نقصان ہوگا، اس کا پیسہ بھی برباد ہوگا اور محنت بھی، پس اس صورت میں عقد کے وقت اگر بائع بیعانہ ضبط کرنے کی شرط لگالے تاکہ مشتری پابند ہوجائے اور پھر مشتری کے مکر جانے کے وقت اس کو مجبور کرنے اور بیع پر قائم رکھنے کے لئے دی ہوئی رقم ضبط کرلے اور پھر پہنچے ہوئے حقیقی نقصان کی تلافی اس رقم سے کرے تو اس کی گنجائش ہوگی۔

حضرت اقدس تھانویؒ نے بھی عقد استصناع میں مشتری کے مکر جانے اور انکار کرنے کی صورت میں اس سے لیا ہوا ثمن روک رکھنے کی اجازت دی ہے، فرماتے ہیں:

''یہ معاملہ وعدہ نہیں، بیع ہے، تو بنوانے والا لینے سے انکار نہیں کرسکتا اور انکار کی صورت میں صانع زر ثمن رکھ سکتا ہے'' (امداد الفتاوی ۱۴۱/۳)۔

ڈاکٹر وھبہ زحیلی صاحب لکھتے ہیں:

''وبيع العربون... اختلف العلماء فيه فقال الجمهور: انه بيع ممنوع غير صحيح فاسد عند الحنفية باطل عند غيرهم... وقال احمد بن حنبل: لا بأس به... وفي تقديري: أنه يصح ويحل بيع العربون واخذه عملا بالعرف، لأن الأحاديث الواردة في شانه عند الفريقين لا تصح وهذا هو قرار مجمع الفقه الاسلامي في دورته الثامنة في بروني في غرة

المحرم ۱۴۱۴ھ" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲۱۹/۴—۲۲۰)۔

کتاب الفتاوی میں ہے : "جو سامان آرڈر پر بنا کر فروخت کئے جاتے ہیں، اگر ان کا آرڈر دیا گیا اور جو نمونہ دکھایا گیا تھا اسی کے مطابق سامان تیار کیا گیا تو بعد میں خریدار کے لئے اس سے انکار کر جانا درست نہیں، کیوں کہ خرید وفروخت کا معاملہ مکمل ہو چکا ہے، لہذا اب اس پر اس سامان کو لینا اور قیمت ادا کرنا واجب ہے، تاہم اگر وہ اس کے لئے تیار نہ ہو اور شرعی اور قانونی حدود میں رہتے ہوئے اس پر دباؤ اثر انداز بھی نہ ہو، تو ایسا کیا جاسکتا ہے کہ اس کی رقم ضمانت میں بازار کے عام نرخ کے مطابق اس سامان کی جو مقدار مل سکتی ہو، وہ اسے دے دی جائے اور باقی کو کسی اور سے فروخت کرنے کی کوشش کی جائے" (۵/ ۲۱۲)۔

اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ کے فیصلوں میں ہے :

"(۱) بیع عربون یعنی بیعانہ سے مراد سامان کی اس طرح فروختگی ہے کہ خریدار بیچنے والے کو طے شدہ قیمت کا ایک حصہ اس شرط کے ساتھ دیدے کہ اگر اس نے حسب معاملہ سامان لے لیا تو دی ہوئی رقم سامان کی قیمت میں محسوب ہو جائے گی اور اگر نہیں لیا تو یہ رقم بیچنے والے کی ملکیت ہو جاوے گی، اس سلسلہ میں اجارہ بھی بیع کی طرح ہے، کیوں کہ اجارہ منافع کی بیع کا نام ہے، البتہ اس سے ہر وہ بیع مستثنیٰ ہوگی جس کی درستگی کے لئے خرید وفروخت کی مجلس ہی میں عوضین میں سے ایک پر قبضہ (بیع سلم) یا عوضین پر قبضہ (ربوی اموال کا تبادلہ اور بیع صرف) شرط ہو، بیع المرابحۃ للآمر بالشراء (خریداری کا حکم دینے والے کے ہاتھ مرابحہ کے طور پر بیچنا) میں وعدہ کے مرحلہ میں بیع عربون کی گنجائش نہیں، ہاں! وعدہ کے مرحلہ کے بعد بیع کے مرحلہ میں اس کی گنجائش ہے۔

(۲) بیع عربون اس وقت جائز ہوگی جبکہ انتظار کی مدت متعین کردی گئی ہو، خریداری مکمل ہونے پر بیعانہ کو قیمت کا حصہ تصور کیا جائے گا اور خریدار خریداری سے پھر جاوے تو بیعانہ فروخت کنندہ (بائع) کا حق مانا جائے گا" (اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ کے فیصلے: ۲۲۹)۔

۷۔ استصناع اصلاً بیع ہے، کیوں کہ اس میں عین شیء پر عقد ہوتا ہے، جیسا کہ اس کی تعریف میں **"عقد علی مبیع"** کے الفاظ سے ظاہر ہے، جبکہ اجارہ میں منافع اور عمل پر عقد ہوتا ہے، نہ کہ عین پر۔ **"الاجارۃ عقد یرد علی المنافع بعوض"** (الہدایہ: ۳/ ۲۹۳) بالفاظ دیگر اجارہ میں اجیر کے عمل سے استفادہ کیا جاتا ہے، یعنی وہ صرف عمل پیش کرتا ہے، نہ کہ عین، جبکہ استصناع میں صانع عمل اور عین (سامان) دونوں پیش کرتا ہے، اس لئے اگر میٹیریل بھی صانع کا ہوگا تب تو یہ عقد بیع استصناع کہلائے گا اور اگر آرڈر دہندہ کا میٹیریل ہے، تو یہ عقد علی العمل ہو کر اجارہ کا معاملہ ہو جائے گا۔ **"ویشترط فی الاستصناع أن یکون العمل والعین کلاھما من الصانع وعلیه فلو کانت العین من المستصنع کان العقد إجارۃ"** (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۱/ ۱۰۰، المادۃ: ۱۲۴، ۱/ ۳۵۹، المادۃ: ۳۸۸، الصنعیۃ ۴/ ۵۱۷)۔

"ھو فی اصطلاح الفقھاء طلب العمل من الصانع فی شیء مخصوص علی وجه مخصوص او ھو عقد مع صانع علی عمل شیء معین فی الذمة، ای العقد علی شراء ما سیصنعه الصانع وتکون العین او مادۃ الصنعة والعمل من الصانع فاذا کانت العین من المستصنع لا من الصانع فإن العقد یکون إجارۃ لا استصناعا" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۳۹۰)۔

بعض فقہاء نے اس کو اجارہ علی الصنع یا استیجار للصناعۃ سے تعبیر کیا ہے، چنانچہ علامہ سرخسیؒ تحریر فرماتے ہیں :

"کسی چیز کے بنانے کے لئے اجارہ عمل کی بیع ہے اور عین اس میں تابع ہے، جبکہ کسی چیز کی بیع جس میں عمل تابع اور ضروری ہو وہ

استصناع ہے۔" پھر استصناع اور استیجار للصناعۃ کے درمیان فرق کرتے ہوئے کہا ہے : "اگر کسی شخص نے کسی لوہار کو کوئی خاص برتن بنانے کے لئے لوہا دیا اور اس کی اجرت مقرر کر دی تو یہ جائز ہے، اگر لوہار نے اس کے کہنے کے مطابق بنا کر دیا تو اس میں خیار نہ ہوگا، کیوں کہ خیار کا ثبوت فسخ کے لئے ہوتا ہے، تاکہ اس کا اصل مال اسے لوٹ جائے اور اس سے ضرر دفع ہو جائے اور یہاں یہ صورت نہیں ہے، کیوں کہ لوہار کا عمل جب لوہے کے ساتھ مل گیا تو اس میں عقد کے فسخ ہونے کی کوئی وجہ نہیں، لیکن استصناع میں معقود علیہ عین ہے اور اس میں عقد کا فسخ ہونا ممکن ہے، اسی بنا پر اس میں خیار رؤیت ثابت ہوا ہے، پھر اگر لوہار نے اس کو خراب کر دیا تو لوہار کو اپنے لوہے کی مقدار لوہے کا ضامن بنا سکتا ہے، اس صورت میں سامان بنانے والے کا ہوگا اور چاہے تو سامان خود لے لے اور لوہار کو اجر مثل دے دے (المبسوط: ۱۶۸۲)۔

بہر حال جب مستصنع نے مصنوع کا میٹیریل کاریگر کو خود فراہم کر دیا تو یہ عقد اجارہ کے حکم میں ہوگا، نہ کہ استصناع کے حکم میں اور اس پر اجارہ کے احکام جاری ہوں گے، چنانچہ اگر کاریگر نے مستصنع (مستاجر) کے کہنے کے مطابق سامان بنا کر دیا تو اس صورت میں اس کے لئے قبول کرنا ضروری ہوگا اور صانع اجرت کا مستحق ہوگا، کیوں کہ خیار رؤیت صرف عین کی بیع میں ثابت ہوتا ہے "و خیار الرؤیة انما یثبت فی بیع العین" (المبسوط ۱۵۶۳)، اس لئے جب یہ عملاً اجارہ ٹھہرا اور آرڈر کے مطابق چیز بنائی گئی ہے، یا معمولی فرق ہے جس کو عرف میں نظر انداز کر دیا جاتا ہے، تو اب وہ چیز لوٹانے کا حق اسے نہ ہوگا، اس چیز کو قبول کرنا اس کے لئے ضروری ہوگا اور اگر آرڈر کے مطابق چیز نہ پائی جائے تو خریدار کو رد کرنے اور قبول نہ کرنے کا حق و اختیار حاصل ہوگا اور صانع مستصنع (مستاجر) کے لئے میٹیریل کا ضامن ہوگا اور بنی ہوئی چیز صانع کی ہو جائے گی، جیسا کہ مبسوط کے حوالہ سے گذرا، علامہ کاسانی نے بھی استصناع اور استیجار للصناعۃ کے درمیان فرق کرتے ہوئے اس کی وضاحت کی ہے، لکھا ہے کہ : "اگر کسی شخص نے کسی لوہار کو کوئی لوہا کوئی خاص برتن بنانے کے لئے دیا اور اس کی اجرت مقرر کر دی یا کسی موچی کو کوئی خاص موزہ بنانے کے لئے چمڑا دیا اور اس کی اجرت مقرر کر دی تو یہ جائز ہے اور اس میں خیار نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ استصناع نہیں ہے، بلکہ یہ استیجار ہے، لہذا یہ جائز ہوگا، پس اگر اس نے اس کے کہنے کے مطابق سامان بنا کر دیا تو اجرت کا مستحق ہوگا اور اگر خراب ہو گیا تو لوہار اس کے لئے اسی مقدار لوہے کا ضامن ہوگا، کیوں کہ لوہار نے جب اسے خراب کر دیا تو یہ ایسا ہے کہ اس نے مالک کا لوہا لیا اور اس کی اجازت کے بغیر اس سے کوئی برتن بنا لیا اور اس صورت میں برتن بنانے والے کا ہوگا اور وہ مالک کے لئے لوہے کا ضامن ہوگا، کیوں کہ جس چیز کا ضمان ادا کر دیا جاتا ہے ضمان ادا کرنے والا ضمان ادا کر کے اس کا مالک ہو جاتا ہے۔ "فإن سلم إلی حداد حدیدا لیعمل له إناء معلوما بأجر معلوم أو جلدا إلی خفاف لیعمل له خفا معلوما بأجر معلوم فذلک جائز و لا خیار فیه، لأن هذا لیس باستصناع بل هو استیجار فکان جائزا فإن عمل کما أمر استحق الأجر و إن فسد فله آن یضمنه حدیدا مثله، لأنه لما أفسده فکأنه آخذ حدیدا له و اتخذ منه آنیة من غیر إذنه و الإناء للصانع، لأن المضمونات تملک بالضمان" (البدائع: ۹۶/۴)۔

اور اگر مالک چاہے تو بنی ہوئی چیز لے لے اور جیسا کام صانع نے کیا ہے اس کی اجرت مثل اس کو دے دے۔

ہندیہ میں ہے :

"إذا دفع حدیدا إلی حداد لیصنعه عینا سماه بأجر مسمی فجاء به الحداد علی ما أمر به صاحب الحدید فإنه لا خیار لصاحب الحدید و یجبر علی القبول، و لو خالفه فیما أمر به فإن خالفه من حیث الجنس بأن أمره أن یصنع منه قدوما فصنع له مرا

ضمن له حديدا مثل حديده والاناء له ولا خيار لصاحب الحديد, وإن خالفه من حيث الوصف بأن أمره أن يصنع له قدوما يصلح للنجار فصنع له قدوما يصلح لكسر الحطب فصاحب الحديد بالخيار ان شاء ضمن له حديدا مثل حديده وترك القدوم عليه, ولا أجر له وإن شاء أخذ القدوم وأعطاه الاجر" (الهندیہ ۴/ ۵۱۸)۔

احسن الفتاوی میں ہے: "اگر معمولی فرق ہے تو پوری اجرت ملے گی اور اگر زیادہ فرق ہے تو جلد ساز اجرت کا مستحق نہیں اور اس پر کتاب کی قیمت لازم ہے، ہاں اگر مالک اسی جلد کے قبول کرنے پر راضی ہو جائے تو پوری اجرت دینا لازم ہوگا" (۷/ ۳۳۰)۔

۵۔ نیز اجارہ علی الصنع میں صانع کو اجیر مشترک کی قبیل سے شمار کیا جاتا ہے اور اسے اجارہ پر رکھا جاتا ہے تاکہ اس کے عمل سے استفادہ کیا جائے، تو وہ عمل پیش کرتا ہے، نہ کہ عین اور استصناع میں صانع مواد اور عمل دونوں پیش کرتا ہے، اس بنا پر اگر اس شرط پر معاملہ کیا کہ عین (سامان) کام لینے والے کی طرف سے ہوگا اور عمل صانع کی طرف سے تو یہ عقد عقد اجارہ ہوگا، نہ کہ استصناع، اسی لئے استصناع کی تعریف میں "مبیع" (سامان) کا لفظ ذکر کیا جاتا ہے، تاکہ اجارہ ہونے کا احتمال ختم ہو جائے، کیوں کہ اجارہ میں منافع پر عقد ہوتا ہے نہ کہ عین اور سامان پر کما مر۔

۱۔ اصلاً تو استصناع میں یہ ضروری نہیں ہے کہ سامان کی فراہمی کا وقت متعین کیا جائے، تاہم سامان کی فراہمی کیلئے اگر چاہے تو کوئی مدت مقرر کرسکتا ہے، "وإن كان للاستعجال كعلى أن تفرغ منه غدا كان صحيحا" (الدر المختار فی ھامش رد المحتار ۴/ ۲۲۵) "أن كان ذكر المدة من قبل المستصنع فهو للاستعجال ولا يصير به سلما" (المبسوط ۱۲/ ۱۵۶)۔

وحكي عن الفقيه ابي جعفر انه قال ان كان ذكر المدة من قبل المستصنع فهو للاستعجال ولا يصير سلما في قولهم وان ذكر مدة يتمكن فيها من الفراغ عن العمل فهو استصناع, وان كان اكثر من ذلك فهو سلم, وفي الصغرى: إذا كان ضرب المدة على وجه الامتهال بأن قال: على أن تفرغ منه غدا او بعد غد لا يصير سلما في قولهم" (التاتارخانیہ ۹/ ۲۰۱)۔

پس اگر عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی تاریخ مقرر ہو جائے مگر بائع اسے وقت پر فراہم نہ کر پائے تو فراہمی میں تاخیر کی وجہ سے خریدار نہ اس کا تاوان وصول کرسکتا ہے اور نہ ہی عقد کے وقت کسی طرح کا جرمانہ مقرر کرنا درست ہے۔

فتاوی دار العلوم میں ہے:

سوال: کوئی شخص پیشگی روپیہ دے کر کوئی چیز خریدے اور یہ تحریر لکھا لے کہ فلاں وقت تک یہ چیزیں نہیں آئے گی تو وعدہ خلافی کا دس روپیہ فی من منافعہ لیا جائے گا، وقت مقررہ پر وہ چیزیں نہیں بھیجیں تو دس روپے فی من منافعہ لینا جائز ہے؟ جواب: یہ معاملہ اس شرط کے ساتھ باطل اور ناجائز ہے اور منافعہ مذکورہ کا لینا درست نہیں ہے (۱۴/ ۴۰۸)۔

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے

"جب بیچنے والے نے حسب وعدہ مقررہ مدت میں مکان خریدار کے حوالے نہیں کیا تو بروقت مکان نہ دینے کی صورت میں باہمی جرمانہ کا طے کر لینا درست نہیں ہے، خریدار اگر چاہے تو اس معاملہ کو ختم کرسکتا ہے، لیکن زائد مدت کے عوض جرمانہ وصول کرنا جائز نہیں ہے، خلاصہ یہ کہ مکمل فلیٹ مقررہ مدت میں نہ ملنے کی صورت میں جرمانہ لینا سود ہے اور جو وصول کیا ہے وہ بھی مالک کو واپس کرنا

ضروری ہے"(۶ / ۱۶۴)۔

بیع سلم کے متعلق علماء نے یہی بات ذکر کی ہے، چنانچہ اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ کے فیصلوں میں ہے :

"مسلم فیہ کی حوالگی کی تاخیر پر کسی مالی اضافی کی شرط لگانا درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ معاملہ دین کا ہے اور دیون کے اندر تاخیر کی صورت میں زیادتی کی شرط درست نہیں ہوتی ہے" (اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ کے شرعی فیصلے: ۲۶۱)۔

البتہ آرڈر دہندہ کے لئے ہونے والے ضرر سے بچنے کی دوصورتیں ہوسکتی ہیں، بشرطیکہ حوالگی میں تاخیر غیر اختیاری حالات کی وجہ سے نہ ہوئی ہو۔

ایک یہ ہے کہ وقت مقررہ پر مبیع کی عدم فراہمی کی وجہ سے اس کو اختیار ہوگا کہ وہ مبیع کو نہ لے، واپس کردے، گویا کہ اگر تیار کنندہ فراہمی میں متعین وقت سے تاخیر کردے تو خریدار اسے قبول کرنے اور قیمت ادا کرنے کا پابند نہیں ہوگا۔

دوسری صورت : یہ ہے کہ عقد کے وقت ہی شرط لگا کر قیمت کو فراہمی کے وقت کے ساتھ اس طرح مربوط کردے کہ فراہمی میں اتنے دن کی تاخیر کی صورت میں اتنی مقدار میں قیمت کم ہوگی، جس طرح کہ اجارہ میں اس طرح کی شرط فقہاء نے ذکر کی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کپڑوں کی سلائی کے لئے کسی خیاط کے پاس جا کر کہتا ہے کہ اگر آج کے دن میں یہ کپڑے تیار کردئے تو ایک درہم اجرت ہوگی اور اگر دو دن میں تیار کردئے تو نصف درہم اجرت ہوگی تو اس صورت میں اگر چہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شرط ثانی درست نہ ہوگی، مگر امامین صاحبینؒ کے نزدیک دونوں شرطیں صحیح ہوں گی۔ "إذا قال للخياط : إن خطته اليوم فلك درهم وان خطته غدا فلك نصف درهم قال أبو حنيفة ﷺ : يصح الشرط الاول ولا يصح الشرط الثاني، وقال صاحباه : يصح الشرطان جميعا فان خاطه في اليوم الاول يجب المسمى في ذلك اليوم، وان خاطه في اليوم الثاني يجب اجر المثل لايزاد على درهم ولا ينقص عن نصف درهم وفي النوادر : يجب اجر المثل لايزاد على نصف درهم، ذكر القدوري : الصحيح رواية النوادر كذا في فتاوى قاضي خان"

(ہندیہ ۴ / ۴۲۳، ردالمحتار ۵ / ۳۱)۔

اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ کے فیصلوں میں ہے :

"یہ بھی جائز ہے کہ عقد استصناع میں فریقین کے باہمی اتفاق سے شرط جزائی عائد کردی جائے، یعنی یہ شرط کہ اگر بنانے والا مقررہ وقت پر چیز تیار نہ کرسکا تو ہر دن کی تاخیر پر قیمت میں اتنی کمی ہوجائیگی، بشرطیکہ حوالگی میں تاخیر غیر اختیاری حالات کی وجہ سے نہ ہوئی ہو (بشکریہ مجلہ بحث ونظر : ۲۴ شمارہ ۲۱، ماہ شوال — ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ اپریل — جون ۱۹۹۳ء، اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ کے شرعی فیصلے : ۲۰۸)۔

اور بیع سلم کے متعلق لکھا ہے :

"اگر بائع (مسلم الیہ) مقررہ وقت پر مسلم فیہ (بیچا ہوا سامان) کی حوالگی سے قاصر ہو تو خریدار کو اختیار ہوگا کہ یا تو مسلم فیہ کے پائے جانے تک انتظار کرے یا عقد کو فسخ کرکے راس المال واپس لے لے، اگر بائع اپنی مفلسی کے باعث سامان حوالہ کرنے سے عاجز ہے، تو اسے سہولت حاصل ہونے تک مہلت دینی چاہئے" (اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ کے شرعی فیصلے: ۲۶۱)۔

عقد استصناع اور اسلامی بینکوں میں اس کی رائج صورتیں

مفتی محمد یحییٰ قاسمی ☆

استصناع کی تعریف :

استصناع عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی کسی چیز کو تیار کرنے کا حکم دینا ہے۔ اصطلاح میں استصناع ایک ایسی چیز پر کیا گیا عقد ہے جس کے صفات متعین ہوں اور ان صفات کے مطابق اس چیز کو بنوانا مقصود ہو۔ فقہاء نے مختصر الفاظ میں اس کی تعریف یوں کی ہے **هو عقد على مبيع في الذمة شرط فيه العمل**۔ یعنی کسی ایسی چیز پر عقد کرنا جو ذمہ میں ہو اور اس پر عمل کرنا مشروط ہو (الکاسانی، علاء الدین ... الکاسانی، بدائع الصنائع ۵/۲)۔

چونکہ استصناع ایسا عقد ہے کہ اس میں چیز کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اس کا سودا ہو جاتا ہے، اگر تیار کنندہ چیز تیار کرنے کی ذمہ داری قبول کر لیتا ہے تو اس سے استصناع کا عقد مکمل ہو جاتا ہے۔ چونکہ استصناع میں ایسی چیز کی بیع کی جاتی ہے جو انسان کے پاس نہیں ہے، لہذا ایسی بیع عقلاً جائز نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ حدیث میں ہے: **"لا تبع ما ليس عندك"** (جامع ترمذی: کتاب البیوع، باب ما جاء فی کراہیۃ بیع ما لیس عندک) (ایسی چیز مت بیچو جو تمہارے پاس نہیں ہے)، اس کی بیع کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر وھبہ الزحیلی لکھتے ہیں :

"ويصح الاستصناع عند المالكي والشافعي والحنابلة على أساس عقد السلم وعرف الناس" (الزحیلی، ڈاکٹر وھبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۳۶۳) (مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک عقد استصناع بیع سلم کی اساس اور عرف کی بنیاد پر صحیح ہے)۔

علماء احناف کے بارے میں لکھتے ہیں: **"ويجوز عند الحنفية استحسانا لتعامل الناس وتعارفهم عليه في سائر الاعصار من غير نكير"** (علماء احناف استحساناً اس بیع کو جائز قرار دیتے ہیں، کیونکہ اس پر لوگوں کا تعامل رہا ہے اور تمام زمانوں میں لوگ اس پر عمل کرتے آئے ہیں) (الزحیلی، ڈاکٹر وھبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ)۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اگرچہ استصناع کے اندر معدوم چیز کی بیع ہوتی ہے، لیکن لوگوں کے تعامل کی وجہ سے اسے حکماً موجود سمجھا جائے گا۔

استصناع اور عام بیع میں فرق :

عام بیع اور استصناع میں جو بنیادی فرق ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ استصناع میں بھی خرید و فروخت ہوتی ہے، لیکن نوعیت کے لحاظ

☆ کنوینر علاقائی کمیٹی (دہلی آفس) جمعیۃ علماء ہند، اڑیسہ۔

سے اور شرعی حکم کے لحاظ سے یہ مسئلہ بیع سے قدرے مختلف ہے، کیوں کہ بیع کی جو بنیادی شرط شریعت نے متعین کی ہے وہ یہ کہ "لا تبع ما لیس عندک" (ایسی چیز مت بیچو جو تمہارے پاس نہیں ہے)۔ استصناع کے مسئلہ کو اگر بیع کی نوعیت سے دیکھا جائے تو مطلب یہ ہوا کہ آرڈر پر مال تیار کرانا جائز نہ ہو، کیوں کہ چیز تیار کرنے والا ایسی چیز فروخت کر رہا ہے اور ایسی چیز پر معاہدہ کر رہا ہے جو ابھی کسی کی بھی ملکیت میں نہیں بلکہ سرے سے معدوم ہے۔ لیکن شریعت مطہرہ چوں کہ لوگوں کی آسانی کے لئے نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالی ہے: "یرید اللہ بکم الیسر و لا یرید بکم العسر" (سورۃ البقرۃ: ۱۸۵) (اللہ تعالی کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں)۔ "وما جعل علیکم فی الدین حرج" (الحج ۷۸) (اللہ تعالی نے) تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی)۔

لوگوں کی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس قسم کے معاہدات کو عمومی احکام سے چند صورتوں میں الگ کر کے استثنائی طور پر ان کی اجازت مرحمت فرمادی گئی تاکہ لوگ تنگی اور تکلیف میں مبتلا نہ ہوں۔

استصناع اور سلم میں فرق:

استصناع کا معنی ہے: کوئی چیز تیار کروانا۔ علماء احناف کے نزدیک یہ بیع کی ایک قسم ہے جس کا تعلق ایسی اشیاء سے ہے جو آرڈر پر تیار کروائی جاتی ہیں اور اس میں پابندیاں قدرے نرم ہیں۔ مثلاً اس میں پوری قیمت پیشگی ادا کرنا ضروری نہیں۔

ڈاکٹر علی احمد سالوس رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"الاستصناع عند المالکیۃ و الشافعیۃ و الحنابلۃ جزء من السلم لا یصح الا بشروطہ و ھو عند الحنفیۃ عدا زفر عقد مستقل لہ شروطہ و احکامہ الخاصۃ" (مالکیوں، شافعیوں اور حنبلیوں کے نزدیک استصناع سلم کی ہی ایک قسم ہے جو سلم کی شرطوں کے بغیر درست نہیں ہوتی۔ البتہ امام زفر کے علاوہ باقی احناف علماء کے نزدیک یہ ایک مستقل عقد ہے جس کی اپنی شرطیں اور خاص احکام ہیں)

(موسوعۃ القضایا الفقہیۃ المعاصرۃ والاقتصاد الاسلامی، ص ۴۸۴)۔

☆ استصناع کا معاہدہ صرف ان چیزوں میں ہوتا ہے جن کے تیار کرنے کی ضرورت ہو جب کہ سلم سب چیزوں میں ہو سکتی ہے، خواہ انہیں تیار کرنے کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔

☆ سلم میں قیمت پیشگی ادا کرنا ضروری ہوتا ہے جب کہ استصناع میں قیمت پیشگی بھی ادا کی جا سکتی ہے، اور قسطوں میں بھی یا بعد میں بھی (البیان سہ ماہی، کراچی)۔

استصناع اور اجارہ میں فرق:

☆ استصناع میں مینوفیکچرر مطلوبہ سامان کو اپنے میٹیریل سے بنانے کی ذمہ داری لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عقد میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اگر مینوفیکچرر کے پاس میٹریل نہیں ہے تو وہ میٹریل حاصل کرے اور مطلوبہ سامان بنائے۔ لیکن اگر میٹیریل کسٹمر کی جانب سے مہیا کرایا گیا اور مینوفیکچرر سے صرف اس کے مزدوری اور مہارت طلب کی گئی، تو یہ بیع استصناع نہیں ہوگا۔ اس صورت میں یہ عقد اجارہ ہوگا جہاں پہ ایک شخص کی متعین فیس کے عوض خدمات لی جاتی ہے (An Introduction To Islamic Finance صفحہ ۱۳۰، ۱۳۱ از مولانا تقی عثمانی)۔

☆استصناع میں خریدار کو سامان کے معائنے کے بعد اس کے رد کرنے کا اختیار رہتا ہے، جیسا کہ شریعت نے اس شخص کو جو ایک چیز بن دیکھے خریدتا ہے تو اس کو خیار رؤیت دیا ہے کہ دیکھنے کے بعد اس کو رد کرنے کا اختیار ہے۔لیکن یہ حق اسی وقت ہے جب کہ وہ چیز فریقین کے درمیان معاہدے کے وقت متعین کردہ خصوصیات کے خلاف ہو، ورنہ تو خریدار کو کوئی اختیار نہیں ہوگا۔لیکن اجارہ میں سامان کے دیکھنے کے بعد اس کے رد کا اختیار نہیں ہوگا(Meezan Bank's Guide to Islamic Banking،صفحہ ۱۴۲، ڈاکٹر محمد عمران اشرف عثمانی)۔

وہ ضروریات جن کے پیش نظر عقد استصناع کی اجازت دی گئی۔

☆بیچنے اور بنانے والے کا فائدہ : اس کو بنانے کی قیمت وصول ہوتی ہو، اور چیز بننے سے پہلے ہی اس کا گاہک موجود ہوتا ہے، اور مینوفیکچرر اگر بیع وشراء کرے گا تو ممکن ہے کہ وہ چیز اس سے بکے گی یا نہیں یا جلدی بک جائے یا دیر سے۔

پھر اس کی مارکیٹنگ کی ضرورت پڑے گی، لہذا یہاں شریعت نے صانع کا فائدہ بھی ملحوظ رکھا ہے۔

☆خریدار کا فائدہ: خریدار اپنی مرضی اور منشا کے مطابق چیز تیار کروا سکتا ہے، کیوں کہ عین ممکن ہے کہ جو چیز مارکیٹ میں موجود ہے وہ اس کی ضرورت ٹھیک طرح سے پوری نہ کرتی ہو، لہذا اس معاہدہ کے ذریعہ وہ اپنی مرضی کی چیز تیار کروا سکتا ہے۔

☆دیگر اقتصادی فوائد : شیخ مصطفی زرقا نے ان اقتصادی فوائد کی جانب اشارہ فرمایا ہے، فرماتے ہیں کہ : بہت سے ایسے سامان اور چیزیں ہوتی ہیں جن کا اس وقت بنانا ناممکن ہوتا ہے جب تک ان کا کوئی خریدار نہ مل جائے، جیسے مختلف مواصفات وخصوصیات پر مبنی مخصوص جگہ پر گھر اور عمارت کی تعمیر ہے، یا مختلف خصوصیات کا حامل پل مخصوص مقام پر تعمیر کرانا، یا پٹرولیم ریفائنری (Petroleum refinery) لگوانا، اس کا ناممکن ہونا بسا اوقات قدرتی ہوتا ہے، جیسے صفائی کی خصوصیات کا اختلاف جو کہ خریداروں کے مزاج کے اختلاف کے سبب ہوتا ہے۔یا پھر اس کے ناممکن ہونے کی وجہ مالیاتی ہوتی ہے کہ بنوائی جانے والی چیز اتنی مہنگی ہوتی ہے کہ لاگت (Cost) بہت زیادہ آتی ہے اور تیار کرنے والا اسے بغیر آرڈر کے تیار نہیں کرتا کہ اگر کر لیا تو بکے یا نہیں (عقد الاستصناع، مصطفی زرقا)۔

استصناع کے جواز کے دلائل :

قرآن مجید سے دلیل :

بعض اہل علم نے قرآن مجید کی آیت :فھل نجعل لک خرجا علیٰ أن تجعل بیننا و بینھم سدا (سورۃ الکہف ۹۴) (کیا ہم آپ کے لئے کچھ خرچ کا انتظام کر دیں؟ (اس شرط پر کہ) آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا دیں)۔ سے استصناع کے جواز کی دلیل لی ہے۔سیدنا ابن عباس ؓ سے مذکورہ آیت میں لفظ خرجا کی تفسیر اجر عظیم لی یعنی بہت بڑا معاوضہ کی ہے۔اس آیت میں قرآن مجید نے اس قسم کے معاہدے کے صحیح ہونے کی رہنمائی کی ہے۔

حدیث سے دلیل :

☆نبی اکرم ﷺ نے انگوٹھی بنوانے کا حکم دیا (صحیح البخاری ۵/ ۲۲۰۵، مسلم ۳/ ۱۶۵۵)۔

☆آپ ﷺ کا آرڈر پر منبر بنوانا : حدیث میں ہے : نبی ﷺ نے ایک انصاری عورت سے کہا کہ "تم اپنے بڑھئی لڑکے کو

حکم دو کہ وہ میرے واسطے منبر بنا دے کہ جب میں لوگوں سے مخاطب ہوں، تو اس پر بیٹھوں، چنانچہ اس عورت نے اس لڑکے کو اس کے بنانے کا حکم دیا۔۔۔" (صحیح البخاری ۱/ ۵۰۸)۔

نیز ان دلائل کے علاوہ زمانہ اول سے لوگ اس طرح کے معاملات کرتے آئے ہیں، گھر، چپلیں اور دیگر ضروریات کی اشیاء آرڈر پر بنواتے رہے ہیں، لہذا اس بنا پر بعض اہل علم نے عملی طور پر ایسے معاملات کے جواز پر اجماع بھی نقل کیا ہے، جیسا کہ شیخ علی احمد سالوس نے لکھا ہے: "قال صاحب الكفاية في شرحه بعد ما سبق مباشرة: الجواز ثابت بالاجماع، انما الاختلاف في انه بيع، أو عدة، أو إجارة" (موسوعة القضايا الفقهية المعاصرة والاقتصاد الاسلامی، ص ۴۰۳)۔

استصناع کے معاہدہ کی صحت کے لئے متعین کردہ شرعی شرائط:

استصناع پر بالعموم بیع کی عمومی شرائط لاگو ہوتی ہیں، لیکن ان کے ساتھ ساتھ چند اہم شرائط ایسی ہیں جو بیع سے ہٹ کر ہیں، ان کا استصناع کے معاہدے میں خیال رکھا جانا ضروری ہے۔

پہلی شرط: جس چیز کا آرڈر دیا جارہا ہے وہ معاشرہ میں رائج ہو اور لوگ اسے تیار کرواتے ہوں، کیوں کہ اس معاہدے کو بیع معدوم سے مستثنیٰ ہی اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ اس کی صورت و ماہیت اور خصوصیات کا لوگوں کو علم ہوتا ہے جس کے سبب جہالت اور غرر کا خطرہ ٹل جاتا ہے۔

دوسری شرط: آرڈر پر تیار کرائے جانے والی چیز کی تمام جملہ خصوصیات کا معاہدہ کے وقت تعین کرلیا جائے اور ہر اس شق سے بچا جائے جس سے معاہدہ متنازع ہونے کا خدشہ ہو۔

تیسری شرط: بعض فقہاء نے یہ شرط لگائی ہے کہ عقد استصناع کرتے وقت معاہدہ میں وقت کا تعین نہ کیا جائے، اگر وقت کا تعین کیا گیا تو وہ چیز استصناع سے نکل کر بیع سلم میں داخل ہو جائے گی اور اس پر سلم کے احکامات جاری ہوں گے نہ کہ استصناع کے۔

لیکن معاصر محققین کے نزدیک یہ شرط قابل اعتبار نہیں، کیوں کہ اگر وقت کا تعین نہ کیا گیا تو تنازع کی صورت باقی رہے گی۔ لہذا وقت کا تعین ضروری ہے تاکہ تنازعہ سے بچا جا سکے۔

مجمع فقہ اسلامی جدہ کی جانب سے استصناع کے حوالے سے متعین کردہ چند ضابطے:

۱۔ عقد استصناع کے معاہدہ میں اگر مطلوبہ شرائط، ارکان، چیز کا معیار، اس کی تیاری کی مدت معین ہو تو طرفین بینک اور صارف کے لئے اس معاہدے کی پاسداری لازم ہو جاتی ہے۔ فریقین میں سے کوئی بھی اس سے انحراف نہیں کر سکتا۔

۲۔ صارف کے لئے ضروری ہے کہ وہ مطلوبہ چیز کی جنس کا معاہدہ کے وقت تعین کرے اور اس کی سپردگی کا وقت بھی متعین کرے۔

۳۔ عقد استصناع میں قیمت پیشگی بھی دی جاسکتی ہے اور قسطوں کی صورت میں بھی۔

۴۔ استصناع کے معاہدہ میں فریقین کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ معاہدے کی شق میں اس شرط کا تذکرہ کردیں کہ تاخیر کی ظاہراً کوئی وجہ نہ ہونے کے باوجود اگر بینک نے مقررہ وقت پر چیز تیار کرکے نہ دی تو اس کی کیا سزا ہوگی؟ (قرار رقم ۲/ ۳/ ۷ المنعقد ۷ تا ۱۲ ذی القعدہ ۱۴۱۲ھ الموافق ۹ تا ۱۴ جون ۱۹۹۲ء)۔

عقد استصناع میں درج ذیل امور جائز ہیں :

☆ عقد استصناع میں قیمت کی پیشگی ادائیگی ضروری نہیں، بلکہ پیشگی بھی ادا کی جاسکتی ہے اور چیز لیتے وقت یا اس کے بعد بھی ادا کی جاسکتی ہے، اور اقساط میں ادا کرنا بھی جائز ہے۔

☆ استصناع میں ضروری نہیں کہ مطلوبہ چیز معاہدہ طے ہونے کے بعد ہی بنائی جائے، بلکہ اگر کسی کمپنی یا فرد نے کسی سے استصناع کا معاہدہ کیا اور وہ کمپنی یا فرد مطلوبہ کوالٹی اور صفات کی حامل چیز لے آئے تو یہ بھی عقد استصناع ہی ہوگا لیکن اس میں یہ ضروری ہے کہ وہ چیز بعینہ ان تمام شرائط پر پوری اترتی ہو جو خریدار نے معاہدہ میں ذکر کی تھیں۔

کیا استصناع کا معاہدہ کرنے والی کمپنی وہ کام کسی اور سے کرواسکتی ہے؟

اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ بطور مثال ''الف'' نامی کمپنی سے صارف نے معاہدہ کیا کہ میں آپ سے گھر کا فرنیچر جو ان ان صفات کا حامل ہو، بنوانا چاہتا ہوں۔ اس کمپنی نے آرڈر تو لے لیا لیکن وہ کام بعد میں اپنا تھوڑا منافع رکھ کر کسی اور کو دے دیا کہ اس معیار کا حامل فرنیچر تیار کردو۔ تو کیا ایسا کرنا اس کمپنی کے لئے جائز ہے؟

اس مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے، فقہاء نے اس مسئلہ کو اجارہ کے مسئلہ سے تشبیہ دی ہے۔ ایک شخص کسی کو اجرت اور مزدوری پر کوئی کام کرنے کو دیتا ہے کہ اتنے پیسے لے لو اور میرا گھر تعمیر کردو یا پھر کسی کو ٹھیکے پر مخصوص صفات کی حامل دیوار بنانے کی ذمہ داری دیتا ہے، تو اس ٹھیکہ دار یا اجیر نے انہی پیسوں میں یا ان سے کچھ زیادہ یا کم میں وہ کام آگے کسی اور کے سپرد کردیا تو فقہاء نے اسے جائز قرار دیا ہے، بشرطیکہ وہ تیسرا شخص انہی صفات کی حامل چیز تیار کرے جس کا آرڈر دیا گیا ہے، کیوں کہ یہاں مطلوب کام ہے نہ کہ فرد، لیکن یہاں ذمہ داری اسی ٹھیکہ دار یا اجیر پر ہوگی جس سے صارف نے معاہدہ کیا ہے۔

اس مسئلہ کے جواز سے اہل علم نے دو مسائل کو مستثنیٰ کیا ہے :

پہلا مسئلہ : اگر صارف معاہدہ میں یہ شرط لگاتا ہے کہ یہ چیز آپ ہی کو بنانی ہے، یا پھر آپ کے پاس کام کرنے والے فلاں شخص کو تیار کرنی ہے تو یہاں کمپنی کو پاسداری کرنا ضروری ہے کسی اور کو وہ کام نہیں دے سکتی۔

دوسرا مسئلہ : تیار کنندہ کی شہرت اور اہلیت کو دیکھتے ہوئے آرڈر دیا گیا ہو، جیسے کسی مشہور ڈیزائنر کو اس کام میں مہارت یا کسی مشہور انجینئر کو اس کی اہلیت کے باعث کام دیا جائے اور اسے مارکیٹ ویلیو سے بڑھ کر قیمت بھی ادا کی جائے، کیوں کہ اس کی بنائی گئی چیزیں پائیدار ہوتی ہیں، اور ڈیزائن بہتر ہوتے ہیں۔ اس صورت میں بھی وہ فرد یا کمپنی یہ آرڈر کسی اور کو نہیں دے سکتی، اسے خود ہی تیار کرنا پڑے گا، ورنہ معاہدہ کی خلاف ورزی ہوگی۔

عقد استصناع کا معاہدہ کب لازم ہوتا ہے؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسا کہ بیع میں فریقین کو اختیار دیا گیا ہے کہ اگر وہ معاہدہ کی مجلس میں سودا منسوخ کرنا چاہتے ہیں تو شریعت نے انہیں اختیار دیا ہے کہ وہ معاہدہ منسوخ کرسکتے ہیں، جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا : ''بیچنے والے اور خریدنے والے کو اختیار ہے

جب تک دونوں جدا نہ ہوں، پھر فرمایا : اگر دونوں سچ بولیں اور صاف صاف بیان کریں تو دونوں کی بیع میں برکت ہوگی اور اگر دونوں نے چھپایا اور جھوٹ بولا تو ان دونوں کی بیع کی برکت ختم کر دی جائے گی (بخاری کتاب البیوع باب اذا بین البیعان ولم یکتما ونصحا)۔

اور عام بیع میں خیار الشرط کا ضابطہ بھی لاگو ہوتا ہے، تو کیا عقد استصناع کا بھی یہی معاملہ ہے کہ اس میں خیار المجلس اور خیار الشرط کا ضابطہ بیع کی طرح ہی لاگو ہوگا یا اس معاہدہ کے لاگو ہونے کی کوئی اور صورت ہے؟

عہد عثمانی میں لکھے جانے والے قوانین کے مجموعہ مجلۃ الاحکام العدلیۃ میں ہے کہ "استصناع میں فریقین معاہدہ کے وقت یعنی معاہدہ مکمل ہونے کے فوراً بعد سے چیز کے سپرد کرنے تک اس معاہدے کے پابند ہوجاتے ہیں، اور ان میں سے کوئی بھی دوسرے فریق کی مرضی کے بغیر یہ معاہدہ ختم نہیں کرسکتا، لیکن اگر مطلوبہ چیز مطلوبہ آرڈر کے مطابق تیار نہ کی گئی تو اس صورت میں صارف کو اس معاہدہ کی منسوخی کا اختیار ہوگا۔

مجمع فقہ اسلامی نے بھی اس کی تائید کی ہے، کیونکہ معاملات اس کے بغیر سلجھ نہیں سکتے۔ بالخصوص عصر حاضر میں تو بڑی مہنگی مہنگی چیزیں بحری جہاز، پل، ہوائی جہاز، ٹرینیں وغیرہ آرڈر پر تیار کرائی جاتی ہیں، اگر چیز کی تیاری تک فریقین کو معاہدہ منسوخی کا اختیار دیا گیا تو اس سے عظیم منفی اثرات جنم لیں گے، جس کے پیش نظر اس معاہدہ کو وقت انعقاد سے ہی عقد لازم سمجھنا ضروری ہے۔ لیکن بعض اہل علم نے ایسی چیزیں جو اتنی بھاری مالیت کی نہیں ہوتیں جیسے جوتے، کپڑے وغیرہ ہیں تو اس کو کم قیمت چیزوں میں خیار الرؤیۃ (چیز کے دیکھنے تک معاہدہ کو موقوف کرنا) کی شرط کا اعتبار کیا ہے۔

اسلامی بینکوں میں استصناع کا استعمال

استصناع کا استعمال اسلامی بینکوں میں پانچ طرح کے فنانسنگ میں ہوتا ہے: ہاؤس فنانسنگ، پلانٹ فیکٹری یا بلڈنگ کی فنانسنگ، اپارٹمنٹ کی بکنگ کے لئے فنانسنگ، بی او ٹی (BOT Agreement) فنانسنگ، اور بلڈنگ یا پلانٹس کی تعمیر کی فنانسنگ (Meezan Bank's Guide to Islamic Banking صفحہ ۱۳۶ از محمد عمران اشرف عثمانی)۔

اسلامی بینک استصناع (Manufacturing Contract) کی بنیاد پر دو طرح کے معاہدے کرتے ہیں :

پہلی صورت : بحیثیت خریدار استصناع کا معاہدہ : جو شخص بینک یا مالیاتی ادارے سے رقم کے حصول کی خواہش رکھتا ہے اور وہ مینوفیکچرر ہے تو بینک یا مالیاتی ادارہ بحیثیت خریدار اس کے ساتھ استصناع کا معاہدہ کرتے ہیں۔

جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ بینک مینوفیکچرر کو یہ آرڈر دیتا ہے کہ وہ اس کے لئے ان صفات کی حامل چیز تیار کردے۔ اس ضمن میں بینک کی جانب سے جو پیشگی رقم دی جاتی ہے، اسے پیشگی قیمت تصور کیا جاتا ہے، مطلوبہ چیز تیار ہونے کے بعد بینک اس کو منافع پر مارکیٹ میں فروخت کرتا ہے۔

ایک شرعی قباحت :

مذکورہ طریقہ کار میں اگر بینک خود فروخت کرنے کی بجائے اسی مینوفیکچرر سے معاہدہ کرلے کہ وہ بینک کا ایجنٹ بن کر اس چیز کو

مخصوص منافع کے ساتھ فروخت کر کے رقم بینک کے حوالے کرے تو ایسا کرنا شرعی نقطہ نظر سے جائز نہیں۔ چاہے یہ چیز ضبط تحریر میں لائی گئی ہو یا ذہن میں ہو، کیوں کہ اس صورت میں بینک کا کردار محض ایک مالیاتی ثالثی کا رہ جاتا ہے۔ جس کے ذریعہ وہ نفع حاصل کرتا ہے اور یہ عمل رقم کے لین دین پر نفع حاصل کرنے کے مترادف ہے اور سود سے مشابہ ہے، لہذا یہ جائز نہیں۔

دوسری صورت : جن صارفین کو گھر، آلات، یا مشینری وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے، بینک انہیں طے شدہ صفات کے آلات، گھر اور مشینری فراہم کرنے کا معاہدہ کرتا ہے اور صارف سے قیمت اقساط میں وصول کرتا ہے۔

یہاں واضح رہے کہ یہ ضروری نہیں کہ بینک وہ چیز یا آلات خود ہی تیار کرے بلکہ وہ متوازی استصناع کے معاہدے کے ذریعہ کسی تیسرے فریق سے بھی وہ چیز تیار کروا سکتا ہے، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ دونوں معاہدوں میں کوئی باہمی ربط نہیں ہونا چاہیے اور شرعی نقطہ نگاہ سے کلائنٹ کو ایجنٹ مقرر کرنا، یا اس سے کام کی نگرانی سونپنا بھی صحیح نہیں۔

علامہ سلیمان الاشقر فرماتے ہیں : "استصناع متوازی میں دونوں معاہدوں کے باہمی ربط، یا خریدار کو متوازی استصناع کے معاہدے کا وکیل بنانے، یا اس پر قبضہ کرنے، یا تعمیر کی نگرانی کرنے، یا کوئی ایسا کردار سونپنے جس سے بینک کا کردار سکڑ کر صرف رقم کے لین دین پر نفع حاصل کرنے تک محدود ہو جائے سے پرہیز کرنا چاہیے (دور حاضر کے مالی معاملات کا شرعی حکم از حافظ ذوالفقار علی ص ۱۹۹)۔

اسلامی بینکوں میں مینوفیکچرنگ کا طریقہ کار :

۱— صارف بینک کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کے لئے ایک بلڈنگ تیار کرے۔ اس ضمن میں وہ بینک کو ایک درخواست بھی پیش کرتا ہے جس میں اس بلڈنگ کی صفات، خصوصیات اور نقشہ وغیرہ ملحق ہوتے ہیں۔

۲— درخواست کے ساتھ صارف ٹوکن منی کے طور پر کچھ رقم بھی بینک کو جمع کراتا ہے، ضمانت اور ادائیگی کا طریقہ کار کہ آیا ایک مشت کرنی ہے، یا قسطوں پر طے کرتا ہے۔ نیز اس کے ساتھ فیزیبلٹی رپورٹ بھی جمع کراتا ہے۔

۳— بینک فزیبلٹی رپورٹ کا ماہرین کے ساتھ جائزہ لیتا ہے۔

۴— اگر بینک صارف کی اس پیشکش سے مطمئن ہے تو وہ اس سے فائنانس کے حوالے سے آخری ڈاکومینٹس پیش کرنے کا مطالبہ کرتا ہے اور ضروری ضمانتیں فراہم کرنے کو کہتے ہیں۔

۵— حتمی اتفاق کے بعد صارف اور بینک کے درمیان مینوفیکچرنگ معاہدہ پر دستخط ہوتے ہیں جس میں طرفین کے لئے معاہدے کی ضروری پابندیوں کا ذکر ہوتا ہے۔

۶— بینک کی طرف سے صارف کے لئے تعمیر کی جانے والی بلڈنگ کی قیمت، سپردگی کا وقت، ادائیگی کا دورانیہ، معینہ قسط کی تحدید، ایڈوانس قیمت کی ادائیگی کی صورت میں رقم کا تعین (البیان سہ ماہی، کراچی)۔

معاہدے کے اہم ترین مشتملات مندرجہ ذیل ہیں :

جب صارف اور بینک کے درمیان استصناع کا معاہدہ طے پا جاتا ہے تو بینک اسٹیٹ ایجنٹ سے اس پروجیکٹ پر عمل درآمدی کا

معاہدہ کرتا ہے، اسے عموماً متوازی استصناع کا معاہدہ کہا جاتا ہے، یعنی یہ بلڈنگ کوئی تیسرا فریق تعمیر کرے گا جس کو بینک نے منتخب کیا ہے۔

چنانچہ پاکستان کے معروف اسلامی میزان بینک نے استصناع معاہدے میں جو مراحل ذکر کئے ہیں وہ درج ذیل ہیں :

۱- صارف اور میزان بینک لیمیٹڈ یعنی ایم بی ایل (M. B. L) استصناع کا معاہدہ کرتے ہیں، جس میں ایم بی ایل اپنے کلائنٹ کو آرڈر دیتا ہے کہ وہ ایک مخصوص سامان/ چیز بینک کے لئے تیار کرے جس کی اسے کیش یا اقساط میں پیشگی قیمت ادا کی جاتی ہے۔

۲- سامان کی تیاری کے بعد کلائنٹ بینک کو سامان پہنچا دیتا ہے۔

۳- سامان وصول کرنے کے بعد بینک اسے مارکیٹ میں براہ راست یا کسی ایجنٹ کے ذریعے فروخت کر دیتا ہے۔

(www.meezanbank.com/docs/Istisnaa_MBL.pp)

اسلامی بینکوں میں رائج استصناع کے طریقہ کار اور صورتوں کا جائزہ لینے کے بعد جو بنیادی باتیں سامنے آتی ہیں وہ یہ کہ اسلامی بینکوں کے یہ پرڈوکٹ بھی سقم اور شرعی قباحتوں سے خالی نہیں ہے۔ جس کی نشاندہی ذیل میں کی جاتی ہے :

۱- بینک کا تیار کرائی جانے والی چیز کو قبضہ میں نہ لینا۔

۲- صارف کو ہی وکیل مقرر کرنا۔

اس طریقہ سے واضح ہوتا ہے کہ بینک محض ایک مالیاتی ثالثی کے فرائض انجام دیتا ہے، حقیقی کاروبار میں حصہ نہیں لیتا جس سے بینک کا کردار رقم کے لین دین پر نفع حاصل کرنے تک محدود ہو جاتا ہے، اس لیے یہ جائز نہیں۔

صحیح طریقہ کار : شرعی رو سے اس معاہدہ کو صحیح کرنے کے لئے اسلامی بینکوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ مینوفیکچرنگ معاہدوں سے شرعی قباحتوں کو دور کریں :

۱- چیز کو مارکیٹ میں بیچنے سے پہلے اپنے قبضے میں لیا جائے۔

۲- صارف کو وکیل اور ایجنٹ مقرر نہ کیا جائے۔

۳- استصناع متوازی میں دونوں معاہدوں میں کوئی باہمی رابطہ نہیں ہونا چاہیے (البیان سہ ماہی، کراچی)۔

بیعانہ کی رقم :

بلاشبہ ائمہ ثلاثہ بلکہ جمہور کے نزدیک عربون یا بیعانہ ضبط کر لینا ناجائز ہے اور ان کے موقف کے دلائل کی بنیاد سنت اور قیاس پر ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے عربان کی بیع سے منع فرمایا ہے : **نهى رسول الله ﷺ عن بيع العربان** (ابن ماجہ، ابوداؤد، موطا امام مالک)۔ اسی طرح دوسری حدیث شریف ہے : **لا یحل سلف وبیع، ولا شرطان فی بیع** (رواہ الخمسۃ)۔ اس حدیث کی روشنی میں امام شوکانی فرماتے ہیں : بیع عربون میں دو فاسد شرطیں ہیں : ایک شرط یہ کہ مشتری کے بیع فسخ کرنے کی صورت میں بیعانہ بائع کا ہو جائے گا۔ دوسری شرط یہ کہ مشتری کے راضی نہ ہونے کی صورت میں بیع فسخ کر دی جائیگی اور یہ خیار مجہول ہے، اس لئے کہ اس میں مبیع لوٹانے کی شرط بغیر مدت کی تعیین کے لگائی گئی ہے۔ بعض علماء نے اس کے ناجائز ہونے کی یہ علت بیان فرمائی کہ اس بیع میں لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھا لیا جاتا ہے، نیز اس میں غرر بھی ہے، بعض علماء نے کہ کہا کہ اس بیع میں بائع کے لئے بلاعوض بیعانہ کی شرط لگا دی گئی ہے۔

اس کے برعکس امیر المؤمنین حضرت عمرؓ، عبداللہ ابن عمرؓ، مشہور تابعی سعید ابن مسیب، امام ابن سیرین، مجاہد، نافع بن عبد الحارث، زید بن سلم، امام احمد بن حنبلؒ اور مذاہب اربعہ سے تعلق رکھنے والے ہمارے زمانے کے محقق فقہاء اسے جائز قرار دیتے ہیں اور یہ حضرات بھی اپنے مؤقف پر سنت اور قیاس سے استدلال کرتے ہیں۔ یہ حضرات جواز میں مصنف عبدالرزاق اور سنن بیہقی کی درج ذیل روایات پیش کرتے ہیں:

۱— نافع بن حارث سے مروی ہے کہ: **انه اشترى لعمر دار السجن من صفوان بن أمية بأربعة آلاف درهم، فان رضي عمر فالبيع له، وان عمر لم يرض فاربعمائة لصفوان** (مصنف عبدالرزاق، بیہقی)، ازروئے قیاس بائع کے لئے فسخ بیع کی صورت میں بیعانہ (عربون) رکھ لینا اس لئے جائز ہے کہ دراصل یہ مشتری کی جانب سے تعطل اور بائع کو بلاوجہ انتظار کروانے کا معاوضہ ہے۔

مذکورہ اثر سے ماضی میں استدلال بھی کیا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ عمرو بن دینار اسی پر فتویٰ دیا کرتے تھے اور اسی اثر سے استدلال بھی کرتے تھے، اسی طرح امام احمدؒ بھی اس سے استدلال کیا کرتے تھے (ابن قدامہ، بدائع الفوائد لابن قیم)۔ اس حدیث کی تقویت حضرت عمر بن الخطاب کے مدتین قید خانے کے لئے ایک گھر خریدنے والے قصے سے ہوتی ہے جو انہوں نے صفوان بن امیہ سے خریدا تھا جو کہ اہل علم کے درمیان اور تاریخ مکہ کی کتابوں میں مشہور ہے، جیسے الازرقی، الفاکہی، ابن شیبہ، یہاں تک کہ یہ جیل فاکہی کے زمانے میں بھی موجود تھا اور مکہ کا جیل تھا۔

مذکورہ دلائل کی روشنی میں جواز اور عدم جواز کے دونوں پہلو سامنے آتے ہیں، لیکن علماء کا عمل اور فقہاء کی آراء اور خاص طور سے دور حاضر میں جہاں استصناع میں کروڑوں کا معاملہ ہوتا ہے، کی روشنی میں جواز غالب معلوم ہوتا۔ اس لئے کہ اگر عدم جواز کی راہ اپنائی جائے تو صانع کو خسارہ فادحہ اور زبردست نقصان ہونے کا اندیشہ ہے۔

عقد استصناع — عہد حاضر کے تناظر میں

مولانا آفتاب عالم ندوی ☆

(۱) موجودہ دور میں استصناع کی چیزیں :

عقد استصناع چوں کہ لوگوں کی ''حاجت'' کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہے (بدائع الصنائع: ۳/۵ فصل فی صفۃ الاستصناع)، لہذا جن چیزوں میں لوگ عموما حاجت محسوس کرتے ہوں ان میں استصناع جائز ہوگا، اسی کو فقہ کی اصطلاح میں ''تعامل'' کہا جاتا ہے، چنانچہ علامہ کاسانی استصناع کے جواز کی شرائط بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں : **ومنها أن يكون مما يجرى فيه التعامل بين الناس** (بدائع الصنائع ۵/۳ فصل فی شرائط جواز الاستصناع)۔ اور علامہ سرخسی فرماتے ہیں کہ لوگوں کا ''تعامل'' شریعت کے اصولوں میں سے اہم اصول ہے : **وتعامل الناس من غير نكير أصل من الأصول كبير** (المبسوط ۱۲/۱۳۸، کتاب البیوع، السلم فی اللحم) **لقوله** ﷺ : **ما رآه المومنون حسنا فهو عند الله حسن** (مسند احمد حدیث نمبر: ۳۶۰۰) **وقال** ﷺ : **لا تجتمع أمتي على ضلالة** (مجمع الزوائد، حدیث نمبر ۱۱۹۶۶)۔

مذکورہ شرط کے لحاظ سے اِس زمانہ میں بہت سی چھوٹی بڑی چیزیں ہیں جن میں استصناع جائز ہوگا، مثلا : جہاز، کشتیاں، مشینیں، ہتھیار، مختلف گاڑیاں، مکانات، سڑک، پل، فرنیچر، دروازے، گریل، الماری، وغیرہ۔

لیکن یہ ''تعامل'' مختلف زمانوں اور علاقوں کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے : **والتعامل يختلف بحسب الأزمنة والأمكنة** (عقد الاستصناع وتطبیقاتہ العاصرۃ فی المجال المصرفی، از: دکتور اسامہ محمد الصلابی ص: ۱۲، المطلب الثانی: شروط الاستصناع) **ذلك يختلف بحسب الأعراف السائدة فى كل مكان وزمان** (الاستصناع ''المقاولات'' شروط الاستصناع ص: ۹، از: شیخ سعد بن عبد اللہ بن عبد العزیز السبر، ریاض) یہاں تک کہ فقہاء نے پہلے کپڑوں میں استصناع کی اجازت نہیں دی تھی، اس لئے کہ اس میں لوگوں کا تعامل نہیں تھا : **لا يجوز الاستصناع فى الثوب لعدم التعامل** (المبسوط: ۱۵/۸۸، کتاب الاجارات، باب کل الرجل یستصنع الشئی)، لیکن اب چوں کہ کپڑوں میں بھی استصناع کا رواج ہو چکا ہے، لوگ کثرت سے اپنی پسند اور سائز کے کپڑے تیار کرواتے ہیں اور بڑے پیمانے پر ''ریڈی میڈ'' کا کاروبار پھیل چکا ہے، اس لئے اب علماء نے کپڑوں میں بھی استصناع کی اجازت دی ہے، چنانچہ دکتور اسامہ محمد الصلابی لکھتے ہیں: **ويصح فى عصرنا الحاضر الاستصناع فى الثياب لجريان التعامل فيه** (عقد الاستصناع وتطبیقاتہ العاصرۃ فی المجال المصرفی ص ۱۲، المطلب الثانی : شروط الاستصناع)۔ گویا قدیم علماء نے جو استصناع کی چند چیزوں کا ذکر کیا تھا وہ ان کے زمانہ کے اعتبار سے محض تمثیل کے لئے تھا، نہ کہ حصر کے لئے۔ اسی لئے خلافت عثمانیہ میں مرتب کی گئی فقہ حنفی کی معروف کتاب : ''مجلۃ الاحکام العدلیۃ'' میں استصناع کی بحث میں لکھا گیا ہے : **كل شيء تعومل استصناعه يصح فيه الاستصناع**

☆ جامعہ ضیاء العلوم، کنڈلور، کرناٹک۔

علی الإطلاق (مجلۃ الاحکام العدلیۃ، مادۃ:۳۸۹)۔

استصناع کی اشیاء کے لئے دوسری چیز جوضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس چیز کی مقدار، جنس اور صفات وغیرہ کی صحیح تعیین ہوسکتی ہو: **مما یمکن ضبطه بالمقاییس والصفات** (آلیۃ تطبیق عقد الاستصناع فی المصارف الاسلامیۃ، ص:۱۶، از: ڈاکٹر مصطفی محمود محمد عبد العال عبد السلام) کیوں کہ استصناع کے جواز کے لئے اس شے کا "معلوم" ہونا ضروری ہے اور علم کے لئے چار چیزیں ضروری ہیں: مصنوع کی جنس، نوع، مقدار اور صفت معلوم ہو، چنانچہ علامہ کاسانی فرماتے ہیں: **وأما شرائط جوازه، فمنها: بیان جنس المصنوع ونوعه وقدره وصفته، لأنه لا یصیر معلوما بدونه** (بدائع الصنائع: ۵/۳، فصل فی شرائط جواز الاستصناع)۔ لہٰذا ایسی چیز جس کی صفات منضبط نہ کی جاسکتی ہو اس میں استصناع درست نہیں ہوگا۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی صنعت والی چیزوں میں بیع کرنی ہو تو اس کو وہ "سلف" کہتے ہیں اور یہ ان کے نزدیک بھی اسی شرط کے ساتھ جائز ہے جب کہ اس کے اوصاف پورے طور پر بیان کردیئے گئے ہوں: **لا بأس أن یسلف ذهبا أو فضة أو عرضا من العروض ماکان فی تبر نحاس أو حدید أو آنک بوزن معلوم وصفة معلومة... لم یجز أن یترک من هذه الصفة شیئا الا وصفه، فان ترک منه شیئا واحدا فسد السلف** (الأم: ۳/۱۱۷) اور ڈاکٹر کاسب بدران لکھتے ہیں: **أما الأوانی فأجاز الشافعی السلف فیها بشرط أن لا تدخل فی أسباب المنع عنده، ومن أسباب المنع عنده: عدم ضبط المادة الخام من حیث صفتها ووزنها ونوعها وکل مایتعلق بالضبط من کل الوجوه** (عقد الاستصناع، ص:۶۹، السلم بالصناعات عند الامام الشافعی)۔

اور استصناع کی اشیاء کے لئے تیسری چیز یہ ضروری ہے کہ اس میں "صنعت" پائی جاتی ہو، جیسا کہ اس کے نام سے ہی واضح ہے کہ اس میں صنعت کو طلب کیا جاتا ہے، لہٰذا ایسی چیز جس میں بائع (یا اس کے قائم مقام) کی صنعت نہ پائی جاتی ہو اس میں استصناع جائز نہیں ہوگا، اسی لئے استصناع کی تعریف میں "عمل" کو شرط قرار دیا گیا ہے: **وبیع عین شرط فیه العمل وهو الاستصناع... الاستصناع استفعال من الصنع فعرفنا أن العمل مشروط فیه** (المبسوط: ۱۵/۸۵، باب کل الرجل یستصنع الشئی) اور علامہ کاسانی نے استصناع کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے: **هو عقد علی مبیع فی الذمة شرط فیه العمل** (بدائع الصنائع: ۵/۲، فصل فی جواز الاستصناع)۔ اور علامہ سمرقندی فرماتے ہیں: **ثم تفسیر الاستصناع هو عقد علی مبیع فی الذمة وشرط عمله علی الصانع** (تحفۃ الفقہاء: ۲/۳۶۲، باب الاجارۃ الفاسدۃ) اور عرب باحثین نے بھی اس شرط کی وضاحت کی ہے، چنانچہ شیخ سعد بن عبد اللہ بن عبد العزیز لکھتے ہیں: **أن یکون المصنوع مما تدخله الصناعة** (الاستصناع "المقاولات" شروط الاستصناع، ص.۹، از: شیخ سعد بن عبد اللہ بن عبد العزیز السبر، ریاض)۔

(۲) استصناع بیع ہے، نہ کہ محض وعدۂ بیع:

استصناع کے بیع یا وعدۂ بیع ہونے کے سلسلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، تاہم جس کو علماء نے راجح قرار دیا ہے وہ اس کا "بیع" ہونا ہے، چنانچہ علامہ سرخسی فرماتے ہیں: **أن البیوع أنواع أربعة: بیع عین بثمن، وبیع دین فی الذمة بثمن وهو السلم، وبیع عمل، العین فیه تبع وهو الاستئجار للصناعة... وبیع عین شرط فیه العمل وهو الاستصناع** (المبسوط للسرخسی: ۱۲/۱۳۹، کتاب البیوع، السلم فی اللحم) اور ایک جگہ لکھتے ہیں: **کان الحاکم الشهید یقول: الاستصناع مواعدة وإنما ینعقد العقد بالتعاطی...**

و الأصح أنه معاقدة (حوالہ سابق) اور علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں : و الصحيح من المذهب جوازه بيعا (البحر الرائق: ۶/۱۸۵، باب السلم، والاستصناع فی نحو خف وطست)۔ اور ملا خسرو لکھتے ہیں : و الصحيح أنه يصح بيعا لا عدة (درر الحکام شرح غرر الاحکام: ۲/۱۹۸) اور مولانا عبد الحی لکھنوی لکھتے ہیں : وهو بيع عند عامة المشائخ، وقال بعضهم : هو عدة و الصحيح ما قاله المشائخ (النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر ۱/۳۲۵، باب السلم)۔

استصناع کے بیع ہونے کے سلسلہ میں درج ذیل متعدد دلیلیں بیان کی جاسکتی ہیں۔

۱— علماء نے اس کو استحساناً جائز قرار دیا ہے اور قیاس کے اعتبار سے اسے ناجائز کہا ہے، اگر یہ محض وعدہ ہوتا تو اس کے جواز کے لئے استحسان کو دلیل بنانے کی ضرورت نہیں ہوتی، چنانچہ علامہ کاسانی فرماتے ہیں : قال بعضهم : هو بيع، وهو الصحيح بدليل أن محمدا ذكر في جوازه القياس و الاستحسان و ذلك لا يكون في العدات (بدائع الصنائع: ۵/۲، فصل فی جواز الاستصناع)۔

۲— استصناع میں بعض علماء نے خریدار کے لئے ''خیار رؤیت'' ثابت کیا ہے اور خیار رؤیت وعدہ میں نہیں بلکہ بیع میں ہوا کرتا ہے : و كذا أثبت فيه خيار الرؤية و أنه يختص بالبياعات (حوالہ سابق)۔

۳— استصناع میں بعض اوقات عاقدین کے درمیان قاضی کے فیصلہ کی ضرورت پڑتی ہے، اور قاضی کے فیصلہ کی ضرورت وہیں پڑتی ہے جہاں ''الزام'' پایا جاتا ہے، اور وعدہ میں الزام نہیں ہوا کرتا ہے، اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ استصناع بیع ہے، جس میں الزام پایا جاتا ہے، نہ کہ محض وعدہ : و كذا يجري فيه التقاضي و انما يتقاضى فيه الواجب لا الموعود (حوالہ سابق)۔

۴— استصناع ان ہی چیزوں میں درست ہے جن میں لوگوں کے درمیان تعامل ہو، یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بیع ہے وعدہ نہیں، کیوں کہ وعدہ صحیح ہونے کے لئے وعدہ کی گئی چیز میں ''تعامل'' ہونا ضروری نہیں ہے : و لأن جوازه فيما فيه تعامل خاصة و لو كان مواعدة لجاز في الكل (البحر الرائق: ۶/۱۸۶، باب السلم، السلم والاستصناع فی نحو خف وطست)۔ اور ابن مازہ بخاری لکھتے ہیں : و الدليل عليه : أنه فصل بين ما للناس فيه تعامل و بين ما لا تعامل للناس فيه، و لو كانت مواعدة لجاز في الكل (المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی ۷/۱۳۵، الفصل الرابع والعشرون: فی الاستصناع)۔

۵— استصناع میں پیشگی ثمن دینا ضروری نہیں ہوتا، لیکن اگر مستصنع صانع کو ثمن دے دے تو صانع اس ثمن پر قبضہ کر کے اس کا مالک ہو جاتا ہے اور اس میں تصرف کر سکتا ہے، بلکہ بسا اوقات صانع اسی رقم سے اپنی صنعت میں مدد لیتا ہے۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ استصناع بیع ہے نہ کہ وعدۂ بیع، کیوں کہ محض وعدہ کی بنیاد پر صانع اس ثمن پر قبضہ کر کے اس کا مالک نہیں ہو سکتا تھا، معلوم ہوا کہ سبب ملک یہاں پر بیع ہے : و لأن الصانع يملك الدراهم بقبضها و لو كانت مواعدة لم يملكها (حوالہ سابق)۔

۶— استصناع میں صانع سے اس کی صنعت کے ساتھ میٹیریل طلب کیا جاتا ہے اور صانع رضامندی کے ساتھ اس کے عوض کے طور پر ثمن متعین کرتا ہے، گویا یہ : مبادلة المال بالمال بالتراضي ہے کہ ایک طرف سے مال میٹیریل کی شکل میں اور دوسری طرف سے ثمن کی شکل میں ہوتا ہے، اور اسی کو فقہ میں بیع کہتے ہیں، ہاں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بیع مطلق نہیں ہے، بلکہ بیع کی خاص قسم ہے، جس میں بائع (صانع) کے عمل کی شرط ہوتی ہے، اسی لئے اس کا خاص نام بھی ''استصناع'' رکھا گیا ہے۔

۷— استصناع کو امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی بیع سلم اور سلف کی ایک خاص قسم شمار کیا ہے جس میں "طلب الصنع" پایا جاتا ہو، پھر انہوں نے اس میں ضبطِ اوصاف کی شرط لگائی ہے اور اگر ضبط اوصاف نہ ہو سکے تو اسے ناجائز کہا ہے، جیسے: لوہا اور تانبا مکس کر کے برتن بنوانا جس میں صحیح اندازہ نہ ہو سکے کہ کون سا مادہ کتنا ہے؟ یہ ناجائز ہوگا: **ولو شرط أن يعمل له طستا من نحاس وحديد أو نحاس ورصاص لم يجز** (الأم: ۳/۱۳۴، باب السلف يحل فيأخذ المسلف بعض رأس ماله) اور اگر کپڑے میں صنعت طلب کرتے ہوئے اسے رنگوانے کا معاملہ کرے تو یہ جائز ہوگا، اس لئے کہ اس میں محض رنگ کی وجہ سے کپڑے کے اوصاف کے علم میں دقت نہیں ہوگی: **وليس هذا كالصبغ في الثوب، لأن الصبغ في ثوبه زينة لا يغيره أن تضبط صفته** (حوالہ سابق) اس اصول کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: **هكذا كل ما استصنع** (حوالہ سابق) کہ ہر بنوائی جانے والی چیز کے سلسلہ میں جواز و عدم جواز کا یہی اصول ہوگا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی استصناع کو بیع ہی کی ایک قسم شمار کیا ہے۔

(۳) مصنوع پر ملکیت وضمان سے قبل مستصنع کے لئے بیچنا جائز نہیں:

الف— استصناع میں چونکہ معدوم کی بیع ہوتی ہے، اس لئے یہ قیاساً جائز نہیں، البتہ شریعت نے اسے لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے: **الاستصناع شرع لسد حاجات الناس** (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیہ: ۳/۳۲۷) اور علامہ کاسانی لکھتے ہیں: **ألحق بالموجود، لمساس الحاجة إليه** (بدائع الصنائع: ۵/۳، فصل فی جواز الاستصناع) اور ضرورت کا قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز ضرورتاً جائز ہوتی ہے وہ ضرورت کی حد تک ہی جائز ہوتی ہے، جہاں ضرورت نہ ہو وہاں اپنی اصل کے مطابق وہ چیز ناجائز ہوتی ہے: **ماأبيح للضرورة يقدر بقدرها** (الأشباہ والنظائر لابن نجیم: ۱/۷۳) لہذا استصناع میں مستصنع کی ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے حق میں تو معدوم چیز کی بیع جائز ہوگی، لیکن مصنوع کے وجود اور اس پر ملکیت کے بغیر اسے تجارت کا ذریعہ بنالینے کی اجازت نہیں ہوگی، کیوں کہ یہ اس کی "ضرورت" سے خارج ہے۔

اور اگر مستصنع اسے تجارت کا ذریعہ نہ بنا رہا ہو، بلکہ اسے اس چیز کی ضرورت نہیں رہی، جس ضرورت کی بنا پر اس نے استصناع کا معاملہ کیا تھا، تب بھی اس کے حق میں مصنوع کے وجود وملکیت سے قبل "فروخت کرنے کی ضرورت" ثابت نہیں ہوتی، کیوں کہ استصناع میں عموماً ثمن کی ادائیگی پیشگی نہیں ہوتی ہے، جس کی بنا پر کہا جائے گا کہ اس کی رقم پھنسی ہوئی ہے نیز یہ عذر بھی کی "ضرورت" کے درجہ میں نہیں آتا ہے کہ ابھی گاہک (خریدار) دستیاب ہے، بعد میں شاید کوئی مناسب خریدار نہ ملے، کیوں کہ اس زمانہ میں کثرت سے بینک اور دوسرے مالیاتی ادارے مستصنع کے لئے "وکیل بالبیع" کی حیثیت سے کام کرنے کو تیار ہیں اور مستصنع سے خریدنے والے کے لئے بھی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ مصنوع کے وجود سے قبل وہ چیز مستصنع سے خریدے، کیوں کہ اگر وہ خریدنا ہی چاہتا ہے تو براہ راست صانع سے معاملہ کر سکتا ہے، یا بینک اور مالیاتی ادارے کو "وکیل بالشراء" بنا کر اصل صانع سے معاملہ کر سکتا ہے۔

ب— مصنوع ابھی مستصنع کی ملکیت اور ضمان میں نہیں آیا ہے اور جب تک کوئی چیز ملکیت اور ضمان میں نہیں آجاتی، اسے فروخت کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے: **نهى رسول الله ﷺ ...عن ربح مالم يضمن** (مسند احمد، حدیث نمبر: ۶۶۲۸) **لا يحل بيع ماليس عندك ولا ربح مالم يضمن** (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۲۱۸۸) **لا يجوز ....بيع مالم يضمن** (صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: ۴۳۲۱)۔

ج— شریعت نے معدوم کی بیع سے جن وجوہات کی بنا پر منع کیا ہے، ان میں سے غرر اور مبیع کا غیر مقدور التسلیم ہونا بھی ہے اور

اس طرح کی بیع میں یہ اندیشہ زیادہ پایا جاتا ہے، کیونکہ مستصنع مصنوع کے وجود سے پہلے جہاں اسے سپرد کرنے پر قادر نہیں ہے، وہیں صانع یا کمپنی کے فرار ہو جانے، ان کے دیوالیہ ہو جانے، گودام میں آگ لگ جانے اور مصنوع فلیٹس کی شکل میں ہو تو زلزلہ وغیرہ میں تباہ ہو جانے کا اندیشہ بھی موجود ہے، لہذا مصنوع کے وجود اور ملکیت میں آجانے سے قبل مستصنع کے لئے اسے فروخت کرنا اور کسی کے لئے اسے خریدنا جائز نہیں۔

د—اس طرح کی بیع شریعت کی روح کے بھی خلاف ہے، شریعت چاہتی ہے کہ ضرورت کی چیزیں ضرورت مندوں کو مناسب قیمت پر دستیاب ہوں، اسی لئے شریعت نے ''تلقی جلب'' وغیرہ سے منع کیا ہے: **لاجلب ولاجنب** (سنن أبي داود، حدیث نمبر: ۱۵۹۱) اور اس طرح وجود، قبضہ اور ملکیت سے قبل سامان فرخت کرنے، پھر اس کے کسی اور سے فروخت کرنے اور اسی طرح سلسلہ وار بیع میں، متعدد واسطے ہو جانے کی وجہ سے قیمت میں گویا ''مصنوعی گراوٹ'' پیدا ہو جاتی ہے، جو روحِ شریعت کے منافی ہے۔

(۴) اموال غیر منقولہ میں استصناع کا جواز:

استصناع کی اشیاء کے سلسلہ میں فقہاء نے جو اصول بیان کئے ہیں (جس کی تفصیل پہلے سوال میں گزری) اس کی رو سے اموال غیر منقولہ جیسے: بلڈنگ وغیرہ میں بھی استصناع جائز ہوگا، کیوں کہ ان کے مطلوبہ اوصاف منضبط ہوتے ہیں، مکان کا محل وقوع، نمبر پلیٹ، کمروں کی تعداد، ان کی لمبائی چوڑائی اور رنگ وروغن وغیرہ کی تمام تفصیلات بیان کر دی جاتی ہیں، جن کی وجہ سے آپسی تنازع کا اندیشہ نہیں رہتا ہے اور گزشتہ زمانوں میں اگر چہ اس کا رواج نہیں تھا، لیکن موجودہ زمانہ میں اس کا تعامل ورواج بھی ہے، اس لئے اس کے جواز میں کوئی چیز مانع نہیں ہے: **يمكن أن يكون الاستصناع في تخطيط الأراضي وانارتها وشق الطرق فيها وتعبيدها وغير ذلك من المجالات العقارية والتي يمكن الاستفادة من الاستصناع فيها** (آلية تطبيق عقد الاستصناع في المصارف الاسلامية، ص: ۱۶، از: دکتور مصطفی محمود محمد عبد العال عبد السلام) **ويعد العقد صحيحا اذا صدرت رخصة البناء، ووضعت الخريطة، وذكرت في شروط العقد مواصفات البناء بحيث لا تبقى جهالة مفضية إلى النزاع أو الخلاف، وقد أصبح من السهل ضبط الأوصاف، ومعرفة المقادير، وبيان نوع البناء** (عقد الاستصناع وتطبيقاته المعاصرة في المجال المصرفي، از: دکتور اسامہ محمد الصلابی، ص: ۲۲، خاتمہ)۔

(۵): استصناع متوازی کا جواز:

بینک اور مالیاتی اداروں کے استصناع کی درج ذیل متعدد شکلیں ہو سکتی ہیں:

الف—بینک صانع کی حیثیت سے کام کر سکتا ہے، کہ ضرورت مند شخص بینک سے اپنے مطلوبہ سامان کی فرمائش کرے اور بینک اسے مستصنع کی بیان کردہ صفات کے ساتھ تیار کرے، یا کسی کمپنی کے ذریعہ اپنی ذمہ داری پر تیار کروائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

استصناع کی اس شکل میں لوگوں کے بہت سے فوائد ہیں، مثلاً:

۱—بڑی صنعتیں جیسے جہاز، کشتی اور بڑی بڑی عمارتوں کی تعمیر کے لئے جتنے وسائل بینک کے پاس ہوں گے، اتنے ذاتی طور پر عموماً کسی فرد کے پاس نہیں ہوں گے۔

۲—کام کے ماہرین سے جس قدر بینک واقف اور رابطہ میں ہوں گے، انفرادی طور پر لوگ اتنے واقف اور مربوط نہیں ہوں گے، لہٰذا جتنا اچھا کام بینک کروائے گا، اتنا اچھا انفرادی صنعت کار نہیں کر سکیں گے۔

۳—ثمن کی ادائیگی میں تاخیر یا قسطوں میں ادئیگی کی جو سہولت بینک سے مل سکتی ہے، وہ عموماً انفرادی صانع کی طرف سے نہیں مل پاتی ہے۔

۴—بینک صانع کی حیثیت سے ایک اور طریقہ اپناتا ہے، کہ مستصنع کی فرمائش کے مطابق اپنی پونجی سے پہلے سامان تیار کر دیتا ہے، پھر مستصنع سے ثمن وصول کرنے کے بجائے اس سامان کی آمدنی ایک مدت تک حاصل کرتا ہے، اور جب اس کا ثمن وصول ہوجاتا ہے، تب وہ سامان مستصنع کے حوالہ کر دیتا ہے، فلیٹس، ہوائی اڈے، سڑکیں اور میٹرو لائن وغیرہ بنوانے میں عموماً یہ صورت اختیار کی جاتی ہے، اس صورت میں بھی مستصنع کے لئے یہ سہولت ہے کہ اس کام کے لئے بڑی رقم صرف کرنے کے بجائے صرف اس کی زمین کے کرایہ سے اسے وہ قیمتی چیز حاصل ہوجاتی ہے۔

ب—بینک مستصنع کی حیثیت سے کام کر سکتا ہے کہ صانع سے اپنے آرڈر کے مطابق سامان تیار کروائے۔

استصناع کی اس شکل میں بھی لوگوں کے بہت سے فوائد ہیں، مثلاً: صانع کو اپنی صنعت کے لئے اکٹھے جتنی بڑی رقم بینک سے پیشگی مل سکتی ہے، اتنی بڑی رقم کہیں اور سے نہیں مل سکتی، اس میں صانع کے لئے بڑی سہولت ہے کہ وہ بڑی بڑی صنعتوں میں آسانی کے ساتھ اپنے کو لگا سکتا ہے۔ بینک کے روابط کی بنا پر مصنوعات کی فروختگی میں آسانی بھی ہوگی اور قیمت بھی مناسب ملے گی، وغیرہ۔

ج—بینک براہ راست صانع یا مستصنع بننے کے بجائے، صانع اور مستصنع کے درمیان واسطہ بنے، ایک شخص سے آرڈر حاصل کرے، دوسرے شخص کو سامان تیار کرنے کا آرڈر دے، اس کو ''استصناع متوازی'' کہتے ہیں، بینک اس صورت میں درج ذیل حیثیتوں سے کام کر سکتا ہے

۱—مستصنع کے آرڈر کے مطابق سامان فراہم کرے: اس صورت میں بینک آرڈر دینے والے کے لئے ''صانع'' کی حیثیت رکھے گا اور جس سے سامان لے گا اس کے لئے مستصنع، یا موجر، یا مشتری کی حیثیت رکھے گا، یعنی وہ چاہے تو مطلوبہ اوصاف کے مطابق کسی سے سامان تیار کروائے تو وہ اس صانع کے لئے ''مستصنع'' کی حیثیت رکھے گا، اگر چاہے تو میٹریل خود فراہم کر کے مطلوبہ اوصاف کے مطابق سامان تیار کروائے تو سامان تیار کرنے والے کے لئے موجر کی حیثیت رکھے گا اور اگر چاہے تو مطلوبہ اوصاف کے مطابق مارکیٹ سے تیار شدہ سامان خریدے تو وہ مشتری کی حیثیت رکھے گا، کیونکہ استصناع میں صحیح قول کے مطابق معقود علیہ ''عین'' یعنی سامان ہوتا ہے، جس میں صنعت پائی جاتی ہو، خواہ وہ صنعت خود اس کی طرف سے ہو یا کسی اور کی طرف سے، چنانچہ علامہ زیلعی فرماتے ہیں: والمعقود علیه هو العین دون العمل عند الجمهور (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق: ۴/۱۲۴) اور علامہ کاسانی فرماتے ہیں: لأن العقد ما وقع علی عین المعمول، بل علی مثله فی الذمة (بدائع الصنائع: ۵/۳) ۔ اور علامہ مرغینانی فرماتے ہیں: أن المعقود علیه هو العین دون العمل، حتی لو جاء به مفروغا من صنعته أو من صنعته قبل العقد فأخذه جاز (الھدایہ: ۳/۷۷)۔ اور خواجہ امین آفندی فرماتے ہیں: فلو أتی الصانع للمستصنع بخف من صنعه أو من صنع غیره قبل الاستصناع وقبله کان صحیحا (شرح مجلۃ الاحکام العدلیۃ: ۱/۴۴۳)۔

غرض استصناع میں خود صانع کے عمل کی شرط نہیں ہوتی ہے، جب تک کہ اس کے شرط ہونے کی صراحت نہ کی گئی ہو۔ وأن

الصانع لو أتى بالصنعة نفسها من آخر، فإن ذلک یصح، ویلزم المستصنع قبولها مالم یصرح باشتراط أن تکون من عمل الصانع أو أن تقوم باشتراط ذلک (الاستصناع "المقاولات" بحکم الاستصناع الموازی، ص: ۱۳، از: سعد السبر) اور آج کل چوں کہ بینک کے بارے میں لوگوں میں معروف ہے کہ وہ خود عمل نہیں کرتا ہے، دوسری کمپنیوں سے سامان بنواتا ہے، اور فقہ کا قاعدہ ہے: المعروف کالمشروط (الاشباہ والنظائر: ۱/۸۱)، لہٰذا اس علم کے باوجود بینک سے استصناع کا معاملہ کرنا گویا اس پر مستصنع کی رضامندی کی دلیل ہے، اس لئے آج بینک کی طرف سے سامان بنانے والی کمپنی کے نام کی وضاحت کے بعد سامان قبول کرنے میں اس عذر کی گنجائش نہیں ہوگی: والغالب فی الاستصناع الموازی أن العمیل یعلم أن المصرف لایصنع ذلک الشیء بل یستصنعه عند جهة أخری، وحینئذ یکون الاستصناع جائزا (حوالہ سابق)۔

بینک کے واسطہ بننے کی یہ صورتیں دو شرطوں کے ساتھ جائز ہوں گی:

الف — ایک شرط یہ ہے کہ بینک اپنے مستصنع اور صانع کے ساتھ دو الگ الگ معاملہ کرے، ان دونوں (مستصنع اور صانع) کا آپس میں کوئی معاملہ نہ ہو، مثلاً سامان میں کسی کمی کے سلسلہ میں مستصنع صرف بینک سے پوچھ گچھ کا مجاز ہو، براہ راست صانع سے باز پرس اور رجوع کا اسے اختیار نہ ہو، اسی طرح صانع کے ثمن کے سلسلہ میں پوری ذمہ داری بینک کے اوپر ہو، صانع مستصنع سے مطالبہ کرنے کا مجاز نہ ہو۔ ورنہ بینک واسطہ محض ہو جائے گا اور اس کو ملنے والا نفع اس کے لئے حلال نہیں ہوگا۔

بینک کے واسطہ بننے کے جواز کے سلسلہ میں مالی معاملات کے ماہرین عرب باحثین نے بھی صراحت کی ہے، چنانچہ دکتور مصطفی محمود محمد عبدالعال عبدالسلام (خبیر مصرفی بنک التمویل المصری السعودی) دکتور وھبہ زحیلی کے حوالہ سے لکھتے ہیں: حکم الاستصناع الموازی: الاستصناع بالصورة السابقة جائز لأنهما عقدان مختلفان... فعلی هذا یصح العقد فی الوجهین ولا ضرر علی أحدهما (آلیۃ تطبیق عقد الاستصناع فی المصارف الاسلامیۃ، ص: ۱۶، از: دکتور مصطفی محمود محمد عبدالعال عبدالسلام، بحوالہ: عقد الاستصناع للزحیلی، ص: ۱۵)۔

ب — دوسری شرط یہ ہے کہ جب مصنوع کا وجود ہو جائے، اور وہ بینک کے قبضہ وملکیت اور ضمان میں آجائے، تبھی اس کی ملکیت مستصنع کی طرف منتقل کرے، اگر بینک نے اس پر اپنی ملکیت اور اپنے ضمان میں آنے سے پہلے ہی اسے مستصنع کی طرف منتقل کیا تو یہ جائز نہیں ہوگا، مثلاً: صانع نے سامان تیار کر کے بینک کو خبر دی کہ وہ فلاں جگہ سے سامان لے جائے، اور بینک نے اپنے کسی کارندہ کو بھیجنے کے بجائے خود مستصنع کو فون کر دیا کہ فلاں جگہ تمہارے آرڈر کی چیز موجود ہے، اسے لے لو، تو یہ جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ ابھی وہ چیز بینک کے ضمان میں نہیں آئی تھی، لہٰذا اس پر بینک کو ملنے والا نفع اس کے لئے جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ آپ ﷺ نے اس طرح کے نفع سے منع فرمایا ہے: نهی رسول الله ﷺ... عن ربح مالم یضمن (مسند احمد، حدیث نمبر: ۶۶۲۸) لایحل بیع مالیس عندک ولا ربح مالم یضمن (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۲۱۸۸) لایجوز... بیع مالم یضمن (صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: ۴۳۲۱)۔

۲ — اس صورت میں بینک سامان تیار کرنے والے کے ساتھ مشارکہ یا مضاربہ کا معاملہ بھی کر سکتا ہے، یعنی بینک صانع کو پیشگی رقم ثمن کے طور پر دینے کے بجائے مشارکہ یا مضاربہ کے طور پر دے اور جب سامان تیار ہو جائے تو اسے خرید کر اپنے مستصنع کے حوالہ کر دے، اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ مثلاً: ایک مکان بنوانا ہو تو اس کے میٹیریل کی قیمت بھی معلوم ہوتی ہے، تیار کرنے میں کتنی لاگت (کاسٹ)

آئے گی وہ بھی معلوم ہوتی ہے اور تیار ہونے کے بعد اس کی قیمت کتنی ہوگی وہ بھی معلوم ہوتی ہے، اب فرض کریں کہ اگر میٹیریل دوسو روپے کا تھا، لاگت ایک سو روپے کی تھی اور مکان تیار ہونے کے بعد اس کی قیمت چار سو روپے ہیں تو بینک مستصنع سے چار سو روپے میں اس کا معاملہ کرے گا، مشارکہ کی صورت میں صانع کو مکان بنانے کے لئے ایک سو روپے دے گا، مضاربہ کی صورت میں دوسو روپے دے گا اور مکان فروخت ہونے کے بعد آنے والے نفع (ایک سو روپے) کو دونوں آپس میں طے شدہ معاہدہ کے مطابق تقسیم کرلیں گے۔

۳- دوفریق کے درمیان بینک کے واسطہ بننے کی ایک شکل "وکیل بالشراء" کی بھی ہوسکتی ہے، یعنی بینک مستصنع (مشتری/موکل) کی طرف سے اس کی فرمائش کے مطابق صرف سامان خریدنے کا وکیل بنے اور سامان بنانے والے سے وہ سامان خرید کر اس کی اصل قیمت پر مشتری کو دے، اور اس سے اپنا حق الخدمت (اجرت/سروس چارج) وصول کرے۔ استصناع میں وکیل بالشراء کے ثبوت کے طور پر بعض لوگوں نے وہ حدیث پیش کی ہے، جس میں آپ ﷺ نے ممبر بنوانے کے لئے ایک شخص کو ایک خاتون کے پاس بھیجا تھا (دیکھئے صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۴۴۸) گویا وہ شخص آپ ﷺ کے لئے استصناع میں واسطہ اور وکیل کی حیثیت رکھتے تھے۔

۴- اور بینک کے واسطہ بننے کی ایک شکل "وکیل بالبیع" کی ہوسکتی ہے، جس میں بینک مستصنع کے بجائے صانع کی طرف سے اس کی مصنوعات فروخت کرنے کا وکیل بنے، یہاں پر بھی وہ صانع (بائع/موکل) کی طرف سے اجرت کا مستحق ہوگا۔

مذکورہ تمام صورتیں چوں کہ فقہی اعتبار سے درست ہیں، لہذا بینک بطور استثمار ان کو استصناع میں استعمال کرسکتا ہے۔

(۶) مصنوع کے لینے سے انکار کرنا:

مستصنع کے لئے آرڈر پر تیار کی گئی چیز کا لینا ضروری ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں مشائخ احناف کے درمیان اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسے لینے کو ضروری نہیں کہتے ہیں، جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اسے لینے کو ضروری قرار دیتے ہیں: روی عن أبي حنيفة رحمه الله: أن لكل واحد منهما الخيار. وروی عن أبي یوسف: أنه لا خيار لهما جميعا (بدائع الصنائع: ۴/۵، فصل فی صفۃ الاستصناع)۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عدم تخییر میں عاقدین کے لئے ضرر ہے، اس لئے دونوں سے ضرر کو دور کرنے کے لئے دونوں کو اختیار دیا جائے گا کہ مناسب سمجھے تو لے نہیں تو چھوڑ دے: وجه رواية أبي حنيفة: أن في تخيير كل واحد منهما دفع الضرر عنه (حوالہ سابق، نیز دیکھئے البحر الرائق: ۶/۱۸۶، باب السلم، السلم والاستصناع فی کوخف وطست) اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عقد کے بعد اختیار دینے میں عاقدین کے لئے ضرر ہے: وعن أبي يوسف قال: اذا جاء به كما وصفه له فلا خيار للمستصنع استحسانا لدفع الضرر عن الصانع في افساد أديمه وآلاته، فربما لا يرغب غيره في شراءه على تلك الصفة (المبسوط: ۹/۱۲/۱۳، کتاب البیوع، السلم فی اللحم)، لیکن اس دور میں چوں کہ بڑی بڑی چیزوں میں استصناع کا رواج ہوچکا ہے، اس لئے اگر عاقدین کو لینے اور نہ لینے کا اختیار دیا جائے تو دونوں کے لئے ضرر شدید کا باعث ہوسکتا ہے، اس لئے بعد کے علماء نے امام ابو یوسف کے قول کو اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ معاملہ ہوجانے کے بعد عاقدین میں سے کسی کو رجوع کا اختیار نہیں رہے گا، چنانچہ "مجلۃ الأحکام العدلیۃ" میں لکھا ہے: اذا انعقد الاستصناع فليس لأحدهما الرجوع (مجلۃ الأحکام العدلیۃ: ۱/۷۱، مادۃ: ۳۹۲) اور شیخ سعد بن عبد اللہ بن عبد العزیز السبر (ریاض) لکھتے ہیں: أن القول باعتبار عقد الاستصناع لازما إذا جاء المصنوع موافقا لوصفه هو الراجح، لأنه يحقق المصلحة منه، ولأن في عدم لزومه تعطيلا لعجلة

الإنتاج بالإضافة أن الصناعة اليوم دخلت مجالات ذات أهمية كبيرة وتكاليف باهضة، والتخيير فيها يؤدي إلى ضرر كبير يلحق بمصالح لها أهمية عظيمة (الاستصناع في المقاولات، شروط الاستصناع، ص: ۱۰، از: سعد السبر)۔

جب متأخرین علماء کے قول کے مطابق تخییر میں ضرر ہے تو مستصنع کو حق نہیں ہے کہ وہ مصنوع کو خریدنے سے انکار کرے، اور اگر وہ انکار کرتا ہے تو اس میں چوں کہ صانع کو ضرر پہنچانا ہے اور فقہ کا قاعدہ ہے: الضرر یزال (شرح القواعد الفقہیہ: ۱/۱۷۹، القاعدة التاسعة عشر، مادة: ۲۰)، لہٰذا ازالۂ ضرر کے طور پر صانع کو اختیار ہوگا کہ مستصنع سے اپنے نقصان کی تلافی کرے۔ تاہم اس میں درج ذیل چیزوں کا لحاظ کرے:

۱۔ حقیقی نقصان ہو تبھی مستصنع کی جمع شدہ رقم سے اس کی تلافی کرے، یعنی آج کل جو تاجروں کے یہاں ''عدم نفع'' کو نقصان سمجھا جاتا ہے، اس کا اعتبار نہیں، بلکہ اس کا سامان فروخت نہ ہو سکنے کی وجہ سے اس کی جو پونجی پھنسی ہوئی ہے، یا وہ سامان لاگت سے کم میں فروخت ہو رہا ہے، ایسے نقصان کی ہی تلافی کر سکتا ہے۔

۲۔ اگر بغیر نزاع کے دونوں فریق ایک رقم پر راضی ہو جائیں تو ٹھیک، ورنہ انصاف پسند ماہرین سے حقیقی نقصان کا اندازہ لگا کر اس کی تلافی کی جائے۔

(۷): اپنا میٹیریل دے کر سامان تیار کروانا:

الف۔ اگر صانع کو میٹیریل دے کر سامان تیار کرنے کا آرڈر دیا جائے تو یہ استصناع نہیں، بلکہ اجارہ ہوگا، کیوں کہ راجح قول کے مطابق استصناع ''بیع عین موصوف فی الذمۃ'' کا نام ہے، جیسا کہ ما قبل میں اس کی تفصیل گزری، یعنی اس میں معقود علیہ ''عین'' ہوتا ہے اور یہاں ''عین'' یعنی میٹیریل جب آرڈر دینے والا خود ہی فراہم کر رہا ہے تو وہ ''عین'' معقود علیہ نہیں بن سکتا، بلکہ صانع کا ''عمل'' یعنی اس سے حاصل ہونے والا نفع معقود علیہ ہوگا، اور اسی کو فقہاء ''اجارہ'' کہتے ہیں: الإجارة عقد على المنافع بعوض (اللباب فی شرح الکتاب: ۲/۸۸، کتاب الاجارات)۔ چنانچہ فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے کہ استصناع کے معاملہ میں صانع کو میٹیریل فراہم کرنے سے وہ معاملہ اجارہ کا ہو جاتا ہے: فان سلم إلى حداد حديدا ليعمل له إناء معلوما بأجر معلوم أو جلدا إلى خفاف ليعمل له خفا معلوما بأجر معلوم فذلك جائز ولا خيار فيه، لأن هذا ليس باستصناع، بل هو استئجار (بدائع الصنائع: ۵/۴، فصل فی صفۃ الاستصناع)۔

ب۔ اس صورت میں سامان اگر آرڈر کے مطابق نہ پایا جائے تو اس کی دو شکلیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ اگر سامان صانع کے عمل کی وجہ سے خراب ہو گیا ہو تو وہ سامان صانع کو لوٹا دیا جائے گا اور وہ مثلی ہو تو اس کا مثل اور قیمی ہو تو اس کی قیمت اس سے وصول کی جائے گی، چنانچہ علامہ بغدادی فرماتے ہیں: دفع الى حداد حديدا ليعمل له إناء منه فأفسده يضمن حديدا مثله، وما لا مثل له يضمن قيمته، كذا في باب الاستصناع من الوجيز (مجمع الضمانات: ۱/۴۷، القسم الثانی فی الاجیر، النوع التاسع ضمان الصائغ والحداد) اور علامہ کاسانی فرماتے ہیں: وإن أفسد، فله أن يضمنه حديدا مثله، لأنه لما أفسده فكأنه أخذ حديدا له واتخذ منه انية من غير إذنه، والإناء للصانع، لأن المصنوعات تملك بالضمانات (بدائع الصنائع: ۵/۴، فصل فی صفۃ الاستصناع) اور مجلۃ الاحکام العدلیۃ میں ہے: الأجير المشترك يضمن الضرر والخسائر التي تولدت عن فعله ووصفه إن كان بتعديه أو لم يكن (مجلۃ الاحکام العدلیۃ: ۱/۱۱۴، مادة: ۶۱۱)۔

۲— دوسری صورت یہ ہے کہ صانع کے پاس سامان خراب تو نہ ہوا ہو، مگر آرڈر دہندہ (سامان کے مالک) کی فرمائش کے مطابق اوصاف میں کمی پائی جاتی ہو تو چوں کہ یہ بیع لازم تھی اور مطلوبہ اوصاف میں کمی کی وجہ سے مشتری (آرڈر دہندہ) کو ضرر لاحق ہوا ہے، اس لئے صانع کی طرف سے اس ضرر کا ازالہ ہونا چاہئے اور اس کی درج ذیل صورتیں اپنائی جاسکتی ہیں:

الف— بیع کو رد کردے اور اپنے سامان (مٹیریل) کا مثل یا قیمت وصول کرلے، کیوں کہ اوصاف کے فقدان کی صورت میں فقہاء نے بیع کو رد کرنے کا اختیار دیا ہے، اس لئے کہ بسا اوقات اس وصف کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ چیز اس کے لئے بے قیمت اور بے فائدہ ہو جاتی ہے: إذا لم يكن المصنوع على الأوصاف المطلوبة المبينة كان المستصنع مخيرا (مجلۃ الاحکام العدلیۃ: ۱/۱۷۶، مادۃ: ۳۹۲)۔

ب— چاہے تو رد کے بعد نئی بیع کے ساتھ اسے اس کی موجودہ قیمت، یعنی مطلوبہ اوصاف کے نہ پائے جانے کی حالت کی قیمت میں خرید لے، اس میں کسی کے لئے ضرر نہیں ہے، اس لئے کہ یہ دوسری بیع عاقدین کی رضامندی سے ہی منعقد ہوگی۔

ج— وہ سامان اس کے لئے بروقت ضروری ہو اور اس وصف کی کمی کے ساتھ کام چل سکتا ہو تو رد کرنے میں چوں کہ ضرر ہے، اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ سامان اسے اس وقت دوسری جگہ نہ مل سکے، لہٰذا وہ سامان اپنے پاس رکھ لے گا اور چوں کہ صانع نے اپنا عمل (جو کہ معقود علیہ ہے) پورا نہیں کیا ہے، لہٰذا یہ اجارہ فاسد ہوگا اور جب اجارہ کا معاملہ ہی فاسد ہوگیا تو اس کو عقد میں طے شدہ اجرت بھی پوری نہیں ملے گی، بلکہ متعینہ اجرت (اجرتِ مسمّی) سے کم "اجرتِ مثل" (اس جیسے کام کی اجرت) ملے گی، چنانچہ علامہ مرغینانی فرماتے ہیں: والواجب في الاجارة الفاسدة أجر المثل لا يجاوز به المسمى (ہدایۃ المبتدی: ۱/۱۸۸، باب الاجارۃ الفاسدۃ) اور مجلۃ الأحکام العدلیۃ میں ہے: والأجر إن أوفى الشرط استحق الأجر المسمى وإلا استحق أجر المثل بشرط أن لا يتجاوز الأجر المسمى (مجلۃ الاحکام العدلیۃ: ۱/۱۹۵، مادۃ: ۵۰۵)۔

(۸): مبیع وقت پر حوالہ نہ کرنا:

استصناع میں مصنوع کی حوالگی کی تاریخ متعین کرنے کو امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے استصناع کی روح کے خلاف قرار دے کر ایسے عقد کو "عقد سلم" کے ساتھ ملحق کیا ہے: ومنها أن لا يكون فيه أجل، فإن ضرب للاستصناع أجلا، صار سلما، وهذا قول أبي حنيفة رحمه الله (بدائع الصنائع: ۵/۳، فصل فی شرائط جواز الاستصناع) جب کہ آپ کے دونوں جلیل القدر شاگرد: امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے اس کو درست قرار دیا ہے: وقال أبو يوسف ومحمد: هذا ليس بشرط وهو استصناع على كل حال ضرب فيه أجلا أو لم يضرب (حوالہ سابق) اور علماء نے اس دور میں صاحبین ہی کے قول کو ترجیح دی ہے، کیوں کہ وقت کی تحدید نہ ہونے کی صورت میں صانع کی طرف سے زیادہ تاخیر اور مستصنع کی طرف سے زیادہ تعجیل کا مطالبہ ہوسکتا ہے اور وقت کی تحدید کی صورت میں اس اختلاف ونزاع کا اندیشہ کم ہے: وفي هذا الشرط خلاف، ولكن مجمع الفقه الاسلامي الدولي قرر اشتراط تحديد الأجل فيه قطعا للنزاع والخصومة وما قرره المجمع أوجه إذ أن من مقاصد الشريعة في المعاملات قطع المنازعات (الاستصناع "المقاولات" شروط الاستصناع ص ۹، از: شیخ سعد بن عبد اللہ بن عبد العزیز السبیر، ریاض)۔

استصناع میں جولوگ وقت کی تحدید کے قائل ہیں، ان کے نزدیک یہ ''تعجیل'' پر محمول ہے: **وانما یقصد به تعجیل العمل لا تاخیر المطالبة** (بدائع الصنائع: ۵/۳ فصل فی شرائط جواز الاستصناع)، لہٰذا اگر صانع نے وقت پر مصنوع حوالہ نہیں کیا تو گویا اس نے عقد کی ایک شرط کی مخالفت کی اور اس کی وجہ سے اس سے تاوان لیا جاسکتا ہے، نیز شریعت میں وقت کے مقابلہ میں قیمت کی کمی بیشی کے لحاظ کو جائز قرار دیا گیا ہے، کہ ایک چیز اگر نقد لے تو اس کی قیمت اتنی ہوگی اور اگر ادھار لے تو اس کی قیمت زیادہ ہوگی، یا درزی نے دو دنوں میں کپڑے سل دئے تو اس کو اتنی اجرت ملے گی اور اگر ایک مہینہ میں سلے تو اتنی کم اجرت ملے گی (دیکھئے: النتف فی الفتاوی للسعدی ۲/۵۴۰، الشروط فی الاجارۃ) اسی طرح یہاں بھی وقت پر حوالگی اور تاخیر سے سپرد کرنے میں قیمتوں میں فرق کیا جاسکتا ہے، اور یہی اس کا ''تاوان'' ہوگا۔

تاہم اس میں درج ذیل باتوں کا لحاظ رکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

۱— اگر تاخیر کسی قدرتی مجبوری کی وجہ سے ہو، جیسے: صانع کے کارخانہ میں آگ لگ گئی ہو، یا شہر میں کرفیو کی وجہ سے کام نہیں ہو پایا ہو، یا اس طرح کی کوئی اور مجبوری پیش آگئی ہو تو صانع سے تاوان نہیں لیا جانا چاہئے۔

۲— عقد میں ہی یہ بات طے کرلی جائے کہ اگر فلاں تاریخ تک مصنوع حوالہ نہیں کیا گیا تو اس مصنوع کی حیثیت اس کے نزدیک کم ہوجائے گی اور وہ مصنوع اس کی اصل قیمت کے بجائے اتنے کم میں لیا جائے گا، اس دوسری قیمت میں ہی اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ اگر مشتری کو بروقت دوسری جگہ سے سامان لینا پڑا تو وہ کتنا مہنگا ملے گا، اور صانع کی طرف سے تاخیر سے حوالہ کیا گیا، مصنوع کتنے دنوں تک فروخت ہوسکتا ہے اور اتنی مدت تاخیر کی وجہ سے اس کی قیمت میں کتنی کمی آئے گی۔

۳— بروقت تاوان وصول کرنے کے بجائے سامان کی فروختگی تک ثمن کو موخر کردیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عقد استصناع اور موجودہ عہد میں اس کی تطبیق

مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی ☆

موجودہ عہد میں مالی معاملات نے بے پناہ وسعت اختیار کی ہے؛ اس لئے بعض ایسے عقود، وجود میں آرہے ہیں، جن کی ہوبہو شکل ماضی میں ملنی مشکل ہے، آرڈر کے ذریعہ تیار کی جانے والی اشیاء کا دائرہ اتنا وسیع ہوگیا ہے کہ ان کی تمام شکلوں کو فقہاء کی بیان کردہ تفصیلات کے مطابق "استصناع" کا نام دینا مشکل ہوگیا؛ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان معاملات کا حل اسلامی شریعت یا فقہاء کرام کی عبارت میں موجود نہیں ہے۔

استصناع کی حقیقت:

"استصناع" کے معنی لغت میں "کوئی چیز کسی سے بنوانا اور تیار کروانا" ہے، اسی سے "صِناعة" (صاد کے کسرہ کے ساتھ) اور "صَنعة" (صاد کے فتحہ کے ساتھ) ہے، جس کا اطلاق بالترتیب کاریگر کے پیشے اور اس کے عمل پر ہوتا ہے (لسان العرب، ابن منظور الانصاری الرویفعی الافریقی (۶۳۰–۷۱۱): ۷/ ۴۲۰، مادہ: صنع، ط: دار احیاء التراث العربی وموسسۃ التاریخ الاسلامی، بیروت طبع سوم)۔ استصناع کے معنی میں "اصطناع" (از افتعال) بھی استعمال ہوتا ہے، چنانچہ جب کوئی شخص آرڈر دے کر انگوٹھی بنوائے، تو اس وقت کہا جاتا ہے: اصطنع فلان خاتما (حوالہ سابق) کہ اس نے فلاں سے انگوٹھی بنوائی۔

اور فقہاء کی اصطلاح میں "استصناع" نام ہے کسی شخص (مشتری) کا دوسرے سے یہ معاملہ کرنا کہ وہ اپنے اخراجات سے فلاں چیز، مخصوص وصف کے ساتھ بنادے اور دوسرا آدمی (صانع، بائع) اسے قبول کرلے (دیکھئے۔ رد المحتار علی الدر المختار، ابن عابدین، الدمشقی الحنفی (م: ۱۲۵۲ھ): ۵/ ۲۲۳، مطلب فی الاستصناع، ط: دار الفکر — بیروت)۔

گویا یہ ایسا عقد ہے، جس میں مبیع بائع کے ذمہ میں ہوتی ہے، اور اس میں صنعت وحرفت کا دخل ہوتا ہے قال السرخسی: **وبیع عین شرط فیه العمل وهو الاستصناع** (المبسوط، شمس الائمہ السرخسی (م ۴۸۳ھ): ۱۵/ ۸۴، باب کل الرجل یستصنع الشیئ، کتاب الاجارات، ط: دار المعرفۃ، بیروت)۔ دیگر عقود کی طرح یہ عقد بھی بنیادی طور پر چار اشخاص واشیاء سے وجود میں آتا ہے:

۱—خریدار، اسے "مستصنع" (آرڈر دینے والا) کہتے ہیں۔

۲—بائع اسے "صانع" کہا جاتا ہے۔

۳—مبیع، اسے "مستصنع" اور "مصنوع" کہا جاتا ہے۔

☆ استاذ حدیث دار العلوم مدنی دار التربیت، کرمالی، گجرات۔

۴- قیمت، اسے "ثمن الاستصناع" کہہ سکتے ہیں۔

عقد استصناع میں چوں کہ عقد کے وقت مبیع، بائع کے پاس موجود نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے قیاس کا تقاضا تھا کہ یہ نا جائز ہو؛ کیونکہ یہ معدوم کی بیع ہے جس سے حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے (سنن ابی داود: ۳۵۰۳، باب فی الرجل یبیع ما لیس عنده)، تاہم خود اللہ کے رسول ﷺ نے اسی طرح آرڈر دے کر اپنے لئے انگوٹھی بنوائی تھی، چنانچہ روایت ہے:

عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن رسول الله ﷺ اصطنع خاتماً من ذهب وكان يلبسه، فيجعل فصه في باطن كفه، فصنع الناس خواتيم، ثم إنه جلس على المنبر فنزعه، فقال: إني كنت ألبس هذا الخاتم، وأجعل فصه من داخل، فرمى به ثم قال: والله لا ألبسه أبداً، فنبذ الناس خواتيمهم (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۶۶۵۱، باب من حلف علی الشیٔ وان لم یحلف، کتاب الأیمان والنذور، صحیح مسلم، حدیث ۵۳-۲۰۹۱، باب طرح خاتم الذہب، کتاب اللباس والزینة)۔

(حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی تھی، جسے اس طرح پہنتے تھے کہ اس کا نگینہ ہتھیلی کی جانب رہتا، چنانچہ آپ ﷺ کے اصحاب نے بھی ایسا ہی کیا، پھر آپ منبر پر بیٹھے اور اس کو اتار دیا اور فرمایا کہ میں یہ انگوٹھی پہنتا تھا اور اس کے نگینہ کو اندر کی طرف رکھتا تھا، پھر اس کو پھینک دیا اور فرمایا کہ اللہ کی قسم میں اس کو کبھی نہیں پہنوں گا، آپ ﷺ کے صحابہ نے بھی اپنی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں)۔

نیز ایک خاتون نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اگر آپ ﷺ اجازت دیں تو میں آپ ﷺ کے بیٹھنے کے لئے ایک منبر بنوالوں، آپ ﷺ نے اس کی اجازت دے دی، اور اس خاتون نے آپ ﷺ کے لئے اسی طریقے سے منبر بنوایا۔

عن جابر بن عبد الله: أن امرأة قالت: يا رسول الله ألا أجعل لك شيئاً تقعد عليه، فإن لي غلاماً نجاراً؟ قال: إن شئت، فعملت المنبر (صحیح البخاری: ۴۴۹، باب الاستعانة بالنجار والصناع فی أعواد المنبر والمسجد، کتاب الصلاة)۔

ان دونوں روایتوں سے استصناع کی مشروعیت معلوم ہوتی ہے۔

نیز استصناع، سماج کی ایک ضرورت ہے، بسا اوقات انسان کو مخصوص ڈیزائن اور خاص صفت کے کسی سامان مثلاً موزے کی ضرورت ہوتی ہے، اور ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ بازار میں دستیاب نہ ہو، اب اگر استصناع کی اجازت نہ دی جائے، تو اس سامان کے حصول میں حرج لازم آئے گا، حالاں کہ شریعت میں حرج کو دفع کیا گیا ہے: "الحرج مدفوع شرعاً" (کشف الاسرار شرح أصول البزدوی، عبد العزیز بن احمد، علاء الدین البخاری الحنفی (م: ۷۳۰ھ): ۴/۲۰۲، باب تقسیم الشرط، ط: دار الکتاب الاسلامی)۔ یہی وجہ ہے کہ کسی نکیر کے بغیر عہد نبوت سے لے کر آج تک اس کا تعامل رہا ہے، یہ گویا استصناع کے جواز پر علماء کے متفق ہونے کی دلیل ہے۔ چنانچہ علامہ کاسانی (م: ۵۸۷ھ) رقمطراز ہیں:

وأما جوازه، فالقياس: أن لا يجوز؛ لأنه بيع ما ليس عند الإنسان، لا على وجه السلم، ويجوز استحساناً؛ لإجماع الناس على ذلك؛ لأنهم يعملون ذلك في سائر الأعصار من غير نكير، وقد قال عليه الصلاة والسلام: لا تجتمع أمتي على ضلالة، وقال عليه الصلاة والسلام: ما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن، وما رآه المسلمون قبيحاً فهو عند الله قبيح، والقياس يترك بالإجماع، ولأن الحاجة تدعو إليه، لأن الإنسان قد يحتاج إلى خف، أو نعل من جنس مخصوص، ونوع

مخصوص، علی قدر مخصوص وصفة مخصوصة، وقلما یتفق وجوده مصنوعاً فیحتاج إلی أن یستصنع، فلو لم یجز، لوقع الناس فی الحرج (بدائع الصنائع ۵/ ۲-۳ فصل فی جواز الاستصناع، کتاب الاستصناع، ط: دار الکتب العلمیہ طبع دوم)۔

جہاں تک بیع استصناع کے جواز کی بات ہے تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ جائز نہ ہو، اس لئے کہ یہ معدوم کی بیع ہے، نیز بیع سلم بھی نہیں ہے؛ لیکن استحساناً جائز ہے؛ اس لئے کہ لوگوں (علماء وفقہاء) کا اس (کے جواز) پر اجماع ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ تمام شہروں میں بغیر کسی نکیر کے اس کا تعامل جاری ہے، جب کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہوسکتی''، نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے: مسلمان جسے بہتر سمجھیں وہ اللہ تعالی کے نزدیک بھی بہتر ہے، اور جسے برا خیال کریں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے، اور اجماع کی وجہ سے قیاس پر عمل کو ترک کردیا جاتا ہے، نیز لوگوں کو اس کی ضرورت بھی ہے، اس لئے کہ کبھی انسان کو خاص کوالٹی، مخصوص سائز اور متعین معیار ومیٹریل کے جوتے اور موزے کی ضرورت ہوتی ہے، اور وہ مارکٹ میں دستیاب نہیں ہوتے ہیں، لہذا وہ آرڈر دے کر بنوانے پر مجبور ہوتا ہے، اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو وہ لوگ حرج اور تنگی میں مبتلا ہوجائیں گے۔

محور اول وچہارم: محل الاستصناع (کن چیزوں میں استصناع جاری ہوگا):

ماضی میں آرڈر کے ذریعہ سامان بنوانے کا رواج کم اور اس کا دائرہ محدود تھا؛ اس لئے فقہاء کرام نے اس عقد کے تحت معمولی اشیاء کو ذکر کیا ہے، مثلاً: خفین، ٹوپی، سفلچی (ہاتھ وغیرہ دھونے کا برتن)، ڈنڈی دار پیالہ، مگ، ڈونگا، تانبے یا چاندی کی بوتل، گلاب پاش، پیتل اور تانبے سے بنائے جانے والے دیگر برتن وغیرہ؛ لیکن ساتھ ہی فقہاء کی عبارت میں اس کی بھی صراحت ملتی ہے کہ ان تمام چیزوں میں استصناع جائز اور درست ہوگا، جن میں تعامل ہو، خواہ وہ معمولی ہوں یا غیر معمولی، نقل وحمل کے قابل ہوں (جیسے ٹوپی، موزے دستانے وغیرہ) یا نقل وحمل کی صلاحیت نہ رکھتی ہوں یعنی غیر منقولی ہوں، (جیسے مکان وغیرہ) البتہ جن میں تعامل نہ ہو، ان میں استصناع جائز نہیں ہوگا؛ کیوں کہ اصل کے اعتبار سے اس عقد کو ناجائز ہونا چاہئے کہ اس میں معدوم کی بیع ہے؛ لیکن ''تعامل اور انسانی ضرورت کی تکمیل'' کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا گیا ہے؛ لہذا جن میں تعامل نہ ہو ان میں استصناع جائز نہیں ہوگا (کہ اس میں تعامل کا نہ ہونا، عدم ضرورت کی دلیل ہے) ابوالمعالی، ابن مازہ بخاری (م: ۶۱۶ھ) لکھتے ہیں:

یجب أن یعلم أن الاستصناع جائز فی کل ما جری التعامل فیه کالقلنسوة والخف والأوانی المتخذة من الصفر والنحاس وما أشبه ذلک استحساناً، ولا یجوز فیما لم یجر التعامل فیه کالثیاب وما أشبهها (المحیط البرہانی، ابوالمعالی، ابن مازہ البخاری الحنفی (م: ۶۱۶ھ) ۷/ ۳۴۴، الفصل الرابع والعشرون: فی الاستصناع، کتاب البیع: عبدالکریم سامی الجندی، ط: دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)۔

(یہ بھی ذہن میں رہے کہ استصناع صرف انہیں چیزوں میں استحساناً جائز ہے جن میں لوگوں کا تعامل ہو، مثلاً ٹوپی، موزے، پیتل اور تانبے سے تیار کئے جانے والے برتن وغیرہ، اور ان چیزوں میں استصناع جائز نہیں ہے جن میں تعامل نہ ہو، جیسے کپڑے وغیرہ)۔

کس قسم کے تعامل ورواج کا اعتبار ہوگا؟

واضح رہے کہ عہد حاضر کے تعامل کو اساس اور بنیاد بنایا جائے گا؛ لہذا جن چیزوں میں عہد حاضر میں استصناع کا رواج اور تعامل ہو، ان میں استصناع درست اور جائز ہوگا، اور جن میں عہد حاضر میں استصناع کا رواج نہ ہو، ان میں استصناع جائز نہیں ہوگا، البتہ جن میں

استصناع کا رواج نہ ہو، ضروری نہیں ہے کہ وہ عقد ناجائز ہو، بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ ''عقد سلم'' کے تحت آئے۔

فقہاء نے استصناع کے بیان میں جن مثالوں کا تذکرہ کیا ہے، وہ صرف تمثیل اور تعریف کے لئے ہے، ان سے حصر اور تحدید مقصود نہیں ہے، اس لئے جواز استصناع ان ہی میں محصور نہیں ہوگا۔

جواز استصناع کی بعض شرطیں :

استصناع کے جواز کی درج ذیل شرطیں ہیں :

۱۔ استصناع صرف ان چیزوں میں جائز ہوگا، جن میں تعامل ہو، جن میں تعامل نہ ہو، ان میں استصناع جائز نہیں ہوگا، چنانچہ جواز استصناع کی شرائط بیان کرتے ہوئے علامہ کاسانی رقم طراز ہیں :

(ومنها) : أن يكون مما يجرى فيه التعامل بين الناس، من أواني الحديد والرصاص، والنحاس والزجاج، والخفاف والنعال، ولجم الحديد للدواب، ونصول السيوف، والسكاكين والقسي، والنبل والسلاح كله، والطشت والقمقمة، ونحو ذلك، ولا يجوز في الثياب؛ لأن القياس يأبى جوازه، وإنما جوازه، استحساناً لتعامل الناس، ولا تعامل في الثياب'' (بدائع الصنائع ۵ / ۳ فصل في شرائط جواز الاستصناع، كتاب الاستصناع)۔

(ایک شرط یہ ہے کہ مصنوع ان اشیاء میں سے ہو، جن میں لوگوں کے درمیان (استصناع کا) تعامل ہو، مثلاً : لوہے، سیسے، تانبے اور شیشے کے برتن، موزے، جوتے، لوہے کے لگام، چھری، نیزے، تیر اور دیگر ہتھیار کے دستے، طشت اور قمقمے وغیرہ، جب کہ کپڑوں میں استصناع جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ اس کا جواز قیاس کے خلاف ہے، جب کہ استصناع کو لوگوں کے تعامل کی وجہ سے استحساناً جائز قرار دیا گیا ہے، حالانکہ کپڑوں میں تعامل مفقود ہے) لہذا اس میں استصناع جائز نہیں ہوگا۔

۲۔ معقود علیہ اس طرح معلوم ومتعین ہو، کہ بعد میں نزاع کی نوبت نہ آئے، اس طور پر کہ مصنوع کی جنس، نوع اور مقدار ومخصوص صفات کو واضح انداز میں بیان کردیا جائے، (مثلاً : مصنوع کیسا اور کتنا ہوگا؟ کس طرح کے میٹریل سے تیار کیا جائے گا؟ اور اس کی خاص وضع کیا ہوگی؟ ثمن کتنا ہوگا، کب ثمن کی ادائیگی ہوگی؟ وغیرہ) علامہ کاسانی اس شرط کی یوں وضاحت کرتے ہیں :

''وأما شرائط جوازه (فمنها) : بيان جنس المصنوع، ونوعه، وقدره، وصفته؛ لأنه لا يصير معلوماً بدونه'' (حوالہ سابق)۔

استصناع کے جواز کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مصنوع کی جنس، کوالٹی، سائز اور کیفیت وصفت کو بیان کردیا جائے، اس لئے کہ ان کے بغیر مصنوع مجہول ہوگا۔

۳۔ ان ہی چیزوں میں استصناع جائز ہوگا، جن میں صنعت اور کاریگری کا دخل ہو، اگر آرڈر دی جانے والی شیئ میں کاریگری کا دخل نہ ہو، تو اس میں استصناع درست نہیں ہوگا؛ لہذا زمینی پیداوار میں عقد استصناع جاری نہیں ہوگا۔

۴۔ عقد استصناع ان ہی چیزوں میں جاری ہوگا جن کو اوصاف کے ذریعہ متعین کیا جاسکتا ہو، اگر کوئی ایسی چیز ہو، جسے اوصاف کے ذریعہ متعین کرنا ممکن نہ ہو، تو اس میں استصناع جاری نہیں ہوگا، مثلاً وہ چیزیں جو عدداً فروخت ہوتی ہوں اور ان کے سائز ووزن میں تفاوت ہو۔

۵— صرف ان چیزوں میں استصناع جائز ہوگا جن کی خرید وفروخت جائز ہو، یعنی اسے حرام میٹریل سے نہ بنایا جاتا ہو۔

۶— معقود علیہ کے تسلیم کی مدت ومیعاد مقرر ہو، یعنی یہ طے ہو جائے کہ صانع "مصنوع کو مستصنع (آرڈر دینے والا) کے حوالہ کب کرے گا، (اس شرط کا مقصد یہ ہوگا کہ مستصنع (آرڈر دینے والا) اس مدت سے قبل مطالبہ کا اختیار نہیں رکھے گا)۔

مدت کے تعین کے سلسلہ میں احناف کے یہاں اختلاف ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ (م: ۱۵۰ھ) تو یہ فرماتے ہیں کہ اگر استصناع میں مدت ذکر کیا جائے تو وہ استصناع باقی نہیں رہے گا؛ بلکہ عقد سلم ہو جائے گا، لہٰذا اس میں عقد سلم کی جو شرطیں ہیں، انہیں ملحوظ رکھنا ضروری ہوگا، تاہم حضرت امام ابو یوسفؒ (م: ۱۸۲ھ) اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ (م: ۱۸۹ھ) فرماتے ہیں کہ مدت کی تعیین سے عقد استصناع پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ ہاں اگر وہ ان چیزوں میں سے ہو، جن میں استصناع جائز نہیں ہے تو مدت کی تعیین سے وہ بالاتفاق بیع سلم ہو جائے گا، علامہ علاء الدین سمرقندیؒ (م: ۵۴۰ھ) رقم طراز ہیں:

"فإذا ضرب الأجل في الاستصناع ينقلب سلما عند أبي حنيفة خلافاً لهما... لو استصنع ما لا يجوز استصناعه، حتى يكون استصناعاً فاسداً و شرط فيه الأجل ينقلب سلماً بلا خلاف، والله اعلم" (تحفۃ الفقہاء، ابوبکر علاء الدین السمرقندی: ۲/۳۶۳، باب الاجارۃ الفاسدۃ، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان)۔

(جب استصناع میں مدت مقرر کیا جائے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ (م: ۱۵۰ھ) کے یہاں استصناع سلم میں تبدیل ہو جائے گا، حضرات صاحبین کا قول اس کے خلاف ہے۔ اگر ان چیزوں میں عقد استصناع کیا جائے جن میں استصناع درست نہیں ہے تو یہ عقد فاسد ہو جائے گا، ہاں اگر اس میں مدت کی تعیین کر دی جائے تو بالاتفاق سلم ہو جائے گا)۔

اس سلسلہ میں واضح بات یہ ہے کہ اگر عقد استصناع عقد لازم ہے، (جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کا ایک قول ہے، اور یہی قول اس دور میں قابل عمل ہے) تو اس میں مدت کی تعیین ضروری ہے، ورنہ یہ مفضی الی النزاع ہوگا، جو جواز عقد میں مانع ہوا کرتا ہے۔

خیال ہوتا ہے کہ اکابر احناف کے زمانہ میں چوں کہ عقد استصناع صرف معمولی چیزوں میں جاری تھا، جن میں مدت کی تعیین وعدم تعیین سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا (نزاع کی نوبت نہیں آتی تھی): اس لئے مدت کی تعیین ضروری نہیں تھی؛ بلکہ اسے ایک گونہ استصناع کے منافی سمجھا جاتا تھا؛ لیکن موجودہ زمانہ میں اگر مدت متعین نہ کیا جائے، تو عام طور پر نزاع کی نوبت آجائے گی؛ اس لئے مدت کی تعیین ضروری ہے۔

محور دوم: استصناع بیع ہے یا کچھ اور؟

اس سلسلہ میں فقہاء امت کے متعدد اقوال ہیں:

۱— استصناع صرف وعدہ بیع ہے، لہٰذا جب مصنوع تیار ہو جائے، تو بیع کا انعقاد مستصنع (مشتری، آرڈر دینے والا) اور صانع (بائع) کے درمیان بہ طور تعاطی ہوگا یا از سرنو ایجاب وقبول ضروری ہوگا۔ چنانچہ فخر الدین زیلعی حنفی (م: ۷۴۳ھ) لکھتے ہیں:

وقال الحاكم الشهيد: إنه وعد وليس ببيع وإنما ينعقد بيعاً إذا أتى به مفروغاً بالتعاطي (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق مع حاشیۃ الشلبی، فخر الدین الزیلعی الحنفی (المتوفی: ۷۴۳ھ) ۴/۱۲۳، السلم والاستصناع فی الخف والطست والقمقم، باب السلم، ط: المطبعۃ الکبری الأمیریہ، بولاق، القاہرہ)

(حاکم شہید فرماتے ہیں کہ وہ (استصناع) وعدہ بیع ہے، بیع نہیں ہے، اور جب صانع مصنوع کو تیار کر کے لاتا ہے، اس وقت بیع بطور تعاطی منعقد ہوتی ہے)۔

۲- عقد استصناع مستقل کوئی عقد نہیں ہے، بلکہ یہ بیع سلم ہے؛ لہذا اس کے وہی احکام ہوں گے جو بیع سلم کے ہیں۔ یہ رائے ہے فقہاء شوافع اور مالکیہ رحمہم اللہ کی (تفصیل کے لئے دیکھیں: الشرح الصغیر علی اقرب المسالک مع حاشیۃ الصاوی، الدردیر المالکی: ۳/ ۲۷۸، السلم، ط: دار المعارف)۔

۳- بعض فقہاء احناف کے نزدیک استصناع، ابتداء، اجارہ اور انتہاء (یعنی قبل التسلیم) بیع ہے۔ اسی کو ذکر کیا ہے صاحب "البحر المحیط" ابو المعالی، برہان الدین، ابن مازہ (م: ۶۱۶ھ) نے (المحیط البرہانی: ۷/ ۱۳۵، الفصل الرابع والعشرون: فی الاستصناع، کتاب البیع)۔

۴- ابو سعید بردعیؒ کی رائے ہے کہ استصناع، درحقیقت اجارہ ہے، کیونکہ آرڈر پر سامان تیار کروانے میں مقصود، کاریگری اور عمل ہوتا ہے، میٹریل توضمنی چیز ہوتی ہے، اور جس میں عمل مقصود ہو، وہ اجارہ کہلاتا ہے، چنانچہ شمس الائمہ سرخسیؒ (م: ۴۸۳ھ) فرماتے ہیں:

ثم کان أبو سعید البردعی یقول: المعقود علیه هو العمل لأن الاستصناع اشتقاق من الصنع وهو العمل فتسمية العقد به دليل على أنه هو المعقود عليه والأديم والصرم فيه بمنزلة الآلة للعمل (المبسوط: ۱۲/ ۱۳۹، السلم فی الامر، کتاب البیوع، ط: دار المعرفۃ، بیروت)۔

(ابو سعید بردعیؒ فرماتے ہیں کہ (استصناع میں) معقود علیہ عمل ہوتا ہے، اس لئے کہ استصناع صنع سے مشتق ہے، جس کا معنی عمل ہے، اس عقد کا استصناع نام رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ عمل ہی معقود علیہ ہے، اور (جوتے میں استعمال ہونے والا) چمڑا اور سول (Sole) بمنزلہ اوزار و آلہ ہے)۔

۵- اکثر فقہاء احناف اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ یہ عقد بیع ہے، البتہ فریقین کے لئے لازم نہیں ہے، یعنی مصنوع کی صفات بیان کر دینے اور صانع کے قبول کرنے کے بعد بھی یہ لازم نہیں ہوتا ہے، بلکہ فریقین میں سے ہر ایک کو اس سے منع کرنے کا اختیار رہتا ہے، حتی کہ صانع مصنوع کو آرڈر دینے والے کی صفات کے مطابق تیار کر کے دوسروں کو دے سکتا ہے، اور آرڈر دینے والا اس شیئ کا ترجیحی بنیاد پر حقدار نہیں ہوتا ہے۔ ہاں جب صانع اسے حوالے کر دے، تب اس کا اختیار ساقط ہو جاتا ہے، لیکن اب بھی آرڈر دینے والے کو اختیار رہتا ہے کہ اسے قبول کرے یا نہ کرے، گرچہ صانع نے ان شرائط کی مکمل پابندی کی ہو، جو عقد کے وقت طے ہوئی تھی۔ صرف امام ابو یوسفؒ کا ایک قول یہ ہے کہ اب آرڈر دینے والے کو منع کرنے کا اختیار نہیں ہوگا (تحفۃ الفقہاء، ابو بکر علاء الدین السمرقندی (م: ۵۴۰ھ تقریبا): ۲/ ۳۶۳، باب الاجارۃ الفاسدۃ، کتاب الاجارہ، ط: دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)۔

عام طور پر فقہاء نے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۵/ ۲، کتاب الاستصناع فصل فی صورۃ الاستصناع ومعناہ)۔

ان تمام اقوال کا حاصل یہ ہے کہ استصناع مستقل کوئی عقد نہیں ہے، یا تو وہ وعدہ بیع ہے، یا اجارہ، یا سلم یا عام بیع۔

۶- ان کے علاوہ ایک قول یہ ہے کہ یہ مستقل عقد ہے، نہ تو خالص بیع ہے، نہ ہی وعدہ بیع، اور نہ ہی سلم و اجارہ، شمس الائمہ سرخسیؒ کے بیان سے یہی معلوم ہوتا ہے، آپ تحریر فرماتے ہیں:

(قال) رحمه الله: اعلم بأن البيوع أنواع أربعة، بيع عين بثمن، وبيع دين في الذمة بثمن وهو السلم، وبيع عمل العين

فیہ تبع وھو الاستئجار للصناعة ونحوھا فالمعقود علیہ الوصف الذی یحدث فی المحل بعمل العامل والعین ھو الصبغ بیع فیہ، وبیع عین شرط فیہ العمل وھو الاستصناع (المبسوط–شمس الائمۃ السرخسی (م: ۴۸۳ھ) :۱۵/ ۸۴، باب کل الرجل یستصنع الشیٔ)۔

(جان لیجئے کہ بیع کی چار قسمیں ہیں : (۱) ثمن کے ذریعے (موجود) سامان کی بیع، (۲) ثمن (معجّل) کے ذریعہ ذمہ میں واجب ہونے والی شیٔ کی بیع، جسے بیع سلم کہا جاتا ہے (۳) عمل کی بیع، جس میں عین تابع ہو، اور وہ کام کے لئے کسی کی خدمات حاصل کرنا ہے، (۴) عین (شیٔ) کی بیع، جس میں عمل (وصنعت) کی شرط ہو، اسی کا نام استصناع ہے)۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ استصناع مستقل عقد ہے، البتہ فقہاء نے اس کی جو تشریح کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو کسی نہ کسی درجے میں سلم سے مشابہت ہے کہ جس طرح سلم میں مبیع معدوم ہوتی ہے، اسی طرح یہاں بھی مبیع معدوم ہوتی ہے، البتہ یہ من کل الوجوہ سلم نہیں ہے؛ کیوں کہ بیع سلم کی طرح اس میں ثمن کا مجلس عقد میں ادا کرنا شرط نہیں ہے۔

نیز اس کو اجارہ سے بھی یک گونہ مشابہت حاصل ہے؛ کیوں کہ اجارہ کی ہی طرح اس میں مقصود عمل ہوتا ہے، البتہ اس کو من کل الوجوہ اجارہ نہیں کہہ سکتے؛ کیوں کہ اجارہ میں اجیر کی جانب سے میٹریل اور خام مال نہیں ہوتا ہے، جب کہ اس عقد میں صانع کی جانب سے ہی میٹریل اور سارے اخراجات ہوتے ہیں۔

یہ عام بیع بھی نہیں ہے؛ کیوں کہ عام بیع میں مبیع موجود ہوتی ہے، نیز بائع کو عقد کے بعد منع کرنے کا اختیار نہیں رہتا، جب کہ یہاں مبیع معدوم ہوتی ہے اور یہی اس عقد کا امتیازی پہلو ہے۔

چوں کہ یہ مستقل عقد ہے؛ اس لئے فقہاء نے اپنے زمانہ میں رائج استصناع کے لحاظ سے کچھ شرطیں بیان کی ہیں، جن کا مقصد عقد کو نزاع سے بچانے والا ہو، تو یہ یقیناً اصول فقہ کے تقاضے کے مطابق ہوگا۔

اسی آخری قول کو موجودہ دور کے محقق علماء مثلاً ڈاکٹر مصطفی الزرقا، ڈاکٹر سلیمان الاشقر وغیرہ نے اختیار کیا ہے (دیکھئے۔ عقد الاستصناع ومدی أھمیتہ فی الاستثمارات الإسلامیۃ المعاصرۃ : ۱۸، عقد الاستصناع، سلیمان الاشقر : ۲۲۷)۔ اور مجمع الفقہ الاسلامی، سعودی عرب نے اس موضوع پر ہونے والے سمینار میں اسی کو ترجیح دیتے ہوئے یہ قرارداد منظور کی ہے :

إن عقد الاستصناع - وھو عقد وارد علی العمل والعین فی الذمة - ملزم للطرفین إذا توافرت فیہ الأرکان والشروط (مجلۃ المجمع، العدد السابع : ۲/ ۲۲۳، بحوالہ فتاوی بسا ئونک—الاستاذ الدکتور حسام الدین بن موسی عفانہ)۔

(یقیناً عقد استصناع — جو عمل اور عین فی الذمہ پر منعقد ہوتا ہے — فریقین پر لازم ہے، جب کہ اس میں تمام ارکان وشروط موجود ہوں)۔

محورِ سوم : مصنوع کے وجود میں آنے سے قبل اس کی بیع :

موجودہ دور میں ''مکان اور غیر منقولی جائداد کی خرید وفروخت'' نے ایک بڑے کاروبار کی شکل اختیار کرلی ہے، ایسا اکثر ہوتا ہے کہ ایک شخص (مثلاً : زید) بطریق استصناع ایک مکان کا معاملہ کرتا ہے، ابھی وہ مکان وجود میں نہیں آتا کہ اس کی خرید وفروخت کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، زید اس مکان کو عمر سے، عمر بکر سے اور بکر، خالد سے فروخت کردیتا ہے، گویا اس مکان کی سلسلہ وار بیع شروع ہوجاتی ہے، جس کا ابھی

کوئی وجود نہیں ہے، یہ صورت بیع معدوم کی ہے، جس سے اللہ کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے، چنانچہ روایت ہے : عن حکیم بن حزام، قال : یا رسول اللہ، یأتینی الرجل فیرید منی البیع لیس عندی، أفأبتاعه له من السوق؟ فقال : لا تبع ما لیس عندک

(سنن ابی داؤد : ۳۵۰۳، باب فی الرجل یبیع ما لیس عندہ، سنن الترمذی : ۱۲۳۲، باب ما جاء فی کراہیۃ بیع ما لیس عندک، ابواب البیوع)۔

(حکیم بن حزام فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! میرے پاس ایک شخص آتا ہے اور مجھ سے ایسی چیز کی بیع کرنا چاہتا ہے جو میرے پاس نہیں ہے، تو کیا میں اس کے لئے وہ چیز بازار سے خرید کر فروخت نہ کردوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا : اسے ایسی چیز فروخت نہ کرو، جو تمہارے پاس موجود نہیں ہے)۔

اس لئے جب تک مکان فی الجملہ وجود میں نہ آجائے، پہلے خریدار (زید) کے لئے دوسرے سے بیچنے کی اجازت نہیں ہوگی، مشتری اول کا دوسرے سے، استصناع کی شکل بنا کر فروخت کرنا صرف صورۃً استصناع ہوگا، حقیقۃً معدوم کی بیع ہوگی، جو جائز نہیں ہے، ہاں اگر مکان کی تعمیر ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے، تاہم اس کا فی الجملہ وجود ہوگیا ہے، تو موجودہ حدود مقدار کے اعتبار سے بیچنا درست ہوگا۔

محور پنجم : استصناع موازی :

مالی معاملات نے کافی وسعت اختیار کر لی ہے: اس لئے اسلامی مالیاتی ادارے (بینک) استصناع کی ایک خاص شکل کے ذریعہ منافع حاصل کرتے ہیں، جسے استصناع موازی یا متوازی کہا جاتا ہے۔ اس کی تین شکلیں ہیں :

۱ — ایک شکل یہ ہوسکتی ہے کہ ادارہ اولاً کسی کمپنی یا فرد کو کسی چیز کے بنانے کا آرڈر دے، اور ساتھ ہی میٹریل کا خرچ وغیرہ خود برداشت کرے، گویا اس کی حیثیت مستصنع (حقیقۃً مستاجر) کی ہو، اور اس چیز کو فروخت کرنے کے لئے کسی دوسری کمپنی یا فرد سے عقد استصناع کرے، جس میں اس کی حیثیت بائع (حقیقۃً صانع) کی ہو۔ ادارہ، بائع کی حیثیت سے جتنی قیمت متعین کرے، اس سے کم پر اس سامان کو تیار کرائے، اور ان دونوں کے درمیان جو فرق ہو، وہی اس کا نفع ہو، یہ صورت بغیر کسی تردد کے جائز ہے؛ کیوں کہ ادارہ ایک جانب مستاجر ہے (اور اجارہ کے جواز کے لئے ضروری ہے کہ عین (میٹریل وغیرہ) مستاجر کی جانب سے ہو)، اور دوسری جانب صانع، اور صانع کے لئے خود مال کا بنانا ضروری نہیں ہے، بلکہ وہ آرڈر میں طے کی جانے والی چیز کہیں سے لا کر دے دے تو اس کی گنجائش ہے، چنانچہ علامہ ابن الہمام (م: ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں : لو جاء به مفروغاً لا من صنعته أو من صنعته قبل العقد فأخذه جاز (فتح القدیر ۷/۱۱۶، باب السلم دار الفکر) (اگر وہ (صانع) کسی دوسرے کی تیار کردہ چیز کو لے آیا، یا عقد سے پہلے اپنی بنائی ہوئی چیز کو لے آیا اور اس (مستصنع) نے اسے لے لیا تو یہ جائز ہے)۔

۲ — یہ شکل بھی ہوسکتی ہے کہ ادارہ اولاً صانع کی حیثیت سے کسی فرد یا کمپنی سے ایک قیمت پر آرڈر حاصل کرے اور کسی دوسری کمپنی یا فرد سے مستصنع (حقیقتاً مسلم) کی حیثیت سے اس جیسا مال بنوائے، اور اس کمپنی کو مجلس عقد ہی میں ثمن ادا کردے۔ یہ صورت بھی جائز ہے: کیونکہ ادارہ ایک جانب استصناع کا معاملہ کر رہا ہے (جس میں خود مال کا بنانا ضروری نہیں ہے) اور دوسری جانب سلم کا، اور بیع سلم میں معقود علیہ یعنی مسلم فیہ ذمہ میں واجب ہوا کرتی ہے، لہذا اسے کہیں بھی لا کر دینا جائز ہوگا، البتہ یہ صورت ان ہی چیزوں میں درست ہوگی، جن میں بہ یک وقت استصناع اور سلم دونوں کی گنجائش ہو۔

۳— ادارہ کسی کمپنی یا فرد کو مستصنع کی حیثیت سے آرڈر دے، اور وہی مال دوسری کمپنی یا فرد سے صانع کی حیثیت سے بیچ دے، گویا دونوں جانب استصناع کا معاملہ کرے، ایک جانب صانع کی حیثیت سے اور دوسری جانب مستصنع کی حیثیت سے، اس صورت کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اس میں ادارہ کی حیثیت ثالث کی ہوتی ہے، اس لئے یہ جائز ہے؛ لیکن راقم الحروف کا خیال ہے کہ یہ صورت بیع معدوم کی ہے، جو جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ صورۃً استصناع ہے، حقیقتاً نہیں، اس کا مقصد صرف اور صرف تمویل ہے، اگر اس کو جائز قرار دیا جائے، تو دوسرے فریق (جس سے مستصنع کی حیثیت سے مالی ادارہ نے معاملہ کیا ہے) کو بھی بہ طریق استصناع اس سامان کے حاصل کرنے کی اجازت ہوگی؟ کہ دونوں کے درمیان فرق کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اگر یہ دروازہ کھول دیا گیا، تو بیچ میں واسطے بڑھتے جائیں گے، اور اشیاء کی قیمتیں بھی اسی کے اعتبار سے بڑھتی جائیں گی، جو یقیناً شریعت اسلامی کی روح کے منافی ہوگی۔

یہ بھی خیال رہے کہ استصناع میں عام قاعدہ کے برخلاف معدوم کی بیع کی اجازت دی گئی ہے، جس کی وجہ حاجت انسانی کی تکمیل ہے، جب کہ مذکورہ صورت میں مقصود صرف تمویل ہے، حالاں کہ اس کی دوسری شکلیں جائز ہیں؛ اس لئے اس صورت کو اختیار نہ کرنا ہی ضروری ہے، هذا ما أری، واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب۔

محورِ ششم: الف: مستصنع کا سامان لینے سے مکرنا جائز نہیں ہے:

گذشتہ سطور سے یہ بات واضح ہوگئی کہ استصناع عقد لازم ہے (جیسا کہ امام ابو یوسف کی روایت ہے)، لہٰذا جب صانع، مستصنع کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق سامان تیار کر کے مستصنع (مشتری) کے حوالے کرے، تو واجب ہے کہ وہ اسے قبول کرے، اسے بلا وجہ نہ لینا اور مکر جانا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ عقد استصناع، دونوں کے اتفاق کے بعد لازم ہو جاتا ہے، ہاں اگر مطلوبہ معیار و اوصاف کے مطابق صانع نے سامان تیار نہ کیا ہو، تو اسے اختیار ہوگا، چاہے تو لے لے اور چاہے تو نہ لے۔ امام ابو یوسف کی اس روایت کی دلیل ذکر کرتے ہوئے صاحب المحیط البرہانی رقمطراز ہیں:

أنه یجبر کل واحد منهما، أما الصانع فلأنه ضمن العمل فیجبر علیه، وأما المستصنع فلأنه لو لم یجبر علی القبول یتضرر به الصانع، لأنه عسی لا یشتریه غیره منه أصلاً أو لا یشتری بذلک القدر من الثمن فیجبر علی القبول دفعاً للضرر عن البائع (المحیط البرہانی ۷ / ۱۳، الفصل الرابع والعشرون فی الاستصناع)۔

(صانع اور مستصنع میں سے ہر ایک کو مجبور کیا جائے گا، صانع کو تو اس لئے (مجبور کیا جائے گا) کہ اس نے عمل کرنا قبول کیا ہے، اور مستصنع کو اس لئے (سامان قبول کرنے پر) مجبور کیا جائے گا کہ اگر وہ سامان کو قبول نہ کرے تو صانع کو ضرر لاحق ہوگا؛ کیوں کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ اس سامان کو (جسے مستصنع کے آرڈر پر تیار کیا گیا ہے) کوئی دوسرا بالکل ہی خریدنے کے لیے تیار نہ ہو، یا ثمن کی اس مقدار پر تیار نہ ہو، جو عقد استصناع میں فریقین کے درمیان طے ہوئی تھی، اس لئے بائع سے ضرر کو دور کرنے کے لئے مستصنع کو سامان قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا)۔

محورِ ششم (ب): زر بیعانہ کا حکم:

عقد استصناع میں طے شدہ اوصاف کے مطابق مال تیار ہونے کے باوجود اگر مستصنع اسے لینے سے مکر جائے، تو یقیناً بائع کا نقصان ہوگا، اسی نقصان کی تلافی کے لئے عموماً مناسب رقم بہ طور بیعانہ دی جاتی ہے، نقصان کا جس قدر اندیشہ رہتا ہے، اسی قدر بیعانہ کی رقم بھی

دی جاتی ہے، تو کیا بائع کے لئے جائز ہوگا کہ وہ رقم ضبط کر لے اور اس سے اپنے نقصان کی تلافی کرے؟

بیعانہ درحقیقت جزو ثمن ہے، اگر مشتری نے مبیع نہیں لیا ہے، تو بائع اس ثمن کو روکنے کا مجاز نہیں ہوگا، چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م:۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں:

ونهي عن بيع العربان أن يقدم إليه شيئ من الثمن، فإن اشترى حسب من الثمن، وإلا فهو له مجاناً وفيه معنى الميسر

(حجۃ اللہ البالغہ ۲/۱۶۷، البیوع المنہی عنہا، ت: السید سابق، ط: دارالجیل بیروت، لبنان)۔

(بیع عربان ممنوع ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ بائع کو پیشگی ثمن کا کچھ حصہ دیا جائے، (اس طور پر کہ) اگر مشتری وہ سامان لے لے، تو اسے قیمت میں منہا کرلیا جائے، اور اگر مشتری وہ سامان نہ لے، تو وہ پیشگی رقم بائع کی ہوجائے، (یہ اس لئے ممنوع ہے) کہ اس میں میسر کے معنی پائے جاتے ہیں)۔

پیشگی دی گئی رقم کا تو اصل حکم یہی ہے، تاہم استصناع کی صورت اس سے ذرا مختلف ہے؛ کیوں کہ مستصنع نے آرڈر دیا ہے، اور آرڈر کے مطابق سامان تیار کیا گیا ہے، پھر وہ لینے سے مکر رہا ہے اور اپنی شرعی ذمہ داری ادا نہیں کر رہا ہے تو گویا وہ بائع کو ضرر پہنچا رہا ہے؛ جب کہ شریعت کا مزاج ہے کہ حتی الامکان ضرر کو دور کیا جائے؛ اس لئے اس صورت میں کوئی ایسی سبیل نکالی جائے، جس سے ممکن حد تک بائع کے نقصان کی تلافی ہوجائے، استاذ محترم حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم نے ایک صورت کی نشان دہی اس طرح کی ہے:

اگر وہ اس کے لئے تیار نہ ہو اور شرعی اور قانونی حدود میں رہتے ہوئے اس پر دباؤ اثر انداز بھی نہ ہو، تو ایسا کیا جاسکتا ہے کہ اس کی ''رقم ضمانت'' میں بازار کے عام نرخ کے مطابق اس سامان کی جو مقدار مل سکتی ہو، وہ اسے دے دی جائے اور باقی کو کسی اور سے فروخت کرنے کی کوشش کی جائے (کتاب الفتاوی ۵/۲۱۵، کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند)۔

گویا ضمانت کی رقم کو نہ تو واپس کیا جائے اور نہ یوں ہی بلاعوض رکھ لیا جائے؛ بلکہ اس کے بدلے مارکیٹ ویلو کے حساب سے مصنوع دے دیا جائے۔

محور ہفتم: اگر آرڈر دینے والا میٹریل دے:

اگر کوئی ادارہ یا کمپنی کوئی سامان اس طور پر آرڈر دے کر بنوائے کہ خام مال اور میٹریل اپنی جانب سے دے تو یہ عقد اجارہ ہوگا۔

بعض اکابر احناف نے اجارہ کی دو قسم بیان کی ہے: اجارہ علی المنافع اور اجارہ علی الاعمال (تحفۃ الفقہاء ۲/۳۴۷؛ کتاب الاجارۃ)۔

ان کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق یہ اجارہ علی الاعمال ہے، علامہ سرخسی نے بیع کی چار قسم بیان کر کے اس صورت کو بیع کی تیسری قسم ''استئجار للصناعة'' کا نام دیا ہے (المبسوط ۱۵/۸۴، باب کل الرجل یستصنع الشیئ)، جب کہ علامہ کاسانی نے اجارہ کی دونوں قسموں کو ایک ہی قرار دیا ہے (بدائع الصنائع ۴/۱۷۴، فصل فی رکن الاجارۃ ومعناہا کتاب الاجارۃ)۔

الغرض اگر مستصنع کی جانب سے میٹریل ہو، تو یہ اجارہ ہوگا، اگر صانع (آجر) نے مستصنع (مستاجر) کی بیان کردہ تفصیلات واوصاف کے مطابق سامان تیار نہیں کیا ہے، بلکہ اس میں کمی یا زیادتی کردی ہے، تو مستصنع کو اختیار ہوگا، چاہے تو مصنوع صانع کو دے دے (خود نہ لے) اور جو میٹریل اس نے دیا ہے، اس کا ضمان وصول کر لے، اسے اس کا بھی اختیار ہے کہ مصنوع لے لے اور اجیر کو اجرت مثل

دے دے (عقد کے وقت جو اجرت طے ہوئی ہے وہ نہ دے) البتہ اجرت مثل، اجرت مسمّی سے زیادہ نہ ہو۔ علامہ سرخسی لکھتے ہیں

ولو سلم غزلا إلى حائك لينسج له سبعا في أربع فحاكه أكثر من ذلك أو أصغر فهو بالخيار إن شاء ضمنه مثل غزله وسلم له الثوب، وإن شاء أخذ ثوبه وأعطاه الأجر إلا في النقصان، فإنه يعطيه الأجر بحساب ذلك ولا يجاوز به ما سمى له (المبسوط ۱۵/۹۶، باب كل الرجل يستصنع الشيئ)۔

(اگر کپڑا بننے والے کو سوت حوالے کرے، تاکہ وہ اس کے لئے ۴/۷ گز کا کپڑا بنا دے، اگر وہ اس سے بڑا یا چھوٹا بنے گا تو مستصنع کو اختیار ہوگا، اگر چاہے تو سوت کا ضمان لے لے اور کپڑا اسے دے دے، اور یہ بھی اختیار ہے کہ کپڑا لے لے اور اسے اجرت دے دے، ہاں اگر اس نے متعینہ گز سے چھوٹا بن دیا ہو تو اسی حساب سے اجرت دی جائے گی، (یعنی اجرت مثل دی جائے گی)، البتہ وہ اجرت، اجرت مسمّی سے زیادہ نہ ہو)۔

محور ششم: اگر صانع مقررہ وقت پر سامان فراہم نہ کرے:

عقد استصناع کے منعقد ہونے کے بعد اگر صانع آرڈر کیا ہوا سامان مقررہ وقت پر فراہم نہ کرے تو بسا اوقات مشتری (مستصنع) کو شدید نقصان اٹھانا پڑتا ہے، مثلاً جوتے کا استصناع ہو اور مستصنع اسے مارکٹ میں سردی کے موسم میں لانا چاہتا ہو، کہ اس وقت اس کی طلب زیادہ ہوتی ہے لیکن صانع اسے متعینہ وقت پر فراہم نہ کر سکے، تو ظاہر ہے کہ مستصنع کے حق میں اس کی ویلو کم یا ختم ہو جائے گی، جس کی وجہ سے اسے ضرر لاحق ہوگا، اور شریعت میں ضرر کو ختم کیا گیا ہے، اس لئے اسے اختیار ہوگا کہ معاملہ کو فسخ کر دے، یا اتفاق رائے سے قیمت میں کمی بیشی کر لے اور متوقع ضرر سے ممکن حد تک محفوظ رہے، لیکن اگر مستصنع نے بروقت معاملہ کو فسخ نہیں کیا، اور تلافی نقصان کی بھی کوئی بات طے نہیں ہوئی، تو اب اسے یہ حق نہیں ہوگا کہ ہونے والے نقصان کا جرمانہ صانع سے وصول کرے، اس لئے کہ وقت مقررہ پر سامان فراہم نہ کئے جانے کے باوجود مستصنع کا عقد کو جاری رکھنا اور تلافی کے لئے کسی قسم کی شرط عائد نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مستصنع عقد کی سابقہ صورت وہیئت سے مطمئن اور راضی ہے، لہذا اسے تاوان وصول کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

عقد استصناع کی حقیقت اور اس سے متعلق شرعی مسائل واحکام

مولانا ابوبکر قاسمی ☆

استصناع کا لغوی معنی ہے، آرڈر دے کر کسی سے مال تیار کرانا، مال بنوانا۔ معناه طلب الصنعة و الصنعة عمل الصانع في حرفته۔

اور حضرات فقہاء کے نزدیک اگر مستصنع (خریدار) اپنا مال دے کر کسی صانع سے مال بنوائے اور صانع کو اجرت دے تو شرعاً یہ اجارہ ہے، اور اگر مال ومیٹریل اور کام صانع کا ہو اور مستصنع صرف خریدار ہو تو شرعاً یہ عقد استصناع ہے، گویا عقد استصناع میں مستصنع مشتری وخریدار ہوتا ہے اور صانع کی حیثیت بائع وتاجر کی ہے، اور مال مصنوع کی حیثیت مبیع کی ہوتی ہے۔

شیخ وہبہ زحیلی نے الفقہ الاسلامی وادلتہ میں عقد استصناع کی حقیقت شرعیہ کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"العقد على شراء ما سيصنعه الصانع وتكون العين أو مادة الصنعة والعمل من الصانع فإذا كانت العين من المستصنع لا من الصانع فإن العقد يكون إجارة لا استصناعا" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۳۶۴۲)۔

عقد استصناع کی حقیقت کو بیان کرنے کے بعد فقہ اکیڈمی دہلی کے مرسلہ سوالوں کا جواب تحریر کیا جاتا ہے:

۱— عقد استصناع کا دائرہ کار اور اس کے صحیح ہونے کی شرطیں:

عقد استصناع کا دائرہ کار بہت وسیع ہے، کھانے کی اشیاء ہو یا پینے کی، اسی طرح رہنے کی اشیاء ہو یا پہننے کی یا سواری کے قبیل کی چیزیں ہوں تمام چیزوں میں جن کے بنانے اور تیار کرنے کا رواج ہو اگر فریقین رضامندی سے شرائط طے کر کے معاملہ کرلیں تو شرعاً ایسا کرنا درست ہے، چونکہ عقد استصناع کو عقد سلم سے زیادہ مناسبت ہے اس لئے اس کے جواز کی بنیادی شرطیں بھی بیع سلم کی شرطوں کی طرح ہے، مثلاً جنس معلوم ہو، نوع معلوم ہو، صفت معلوم ہو وزن والی چیزوں میں وزن اور پیمائش والی چیزوں میں پیمائش اور ضرورت والی چیزوں میں جن ضروری چیزوں کا ہونا لازم ہے اس کی وضاحت ہو، اسی طرح عددی چیزوں میں عدد معلوم ہو، البتہ عقد سلم کی طرح عقد استصناع میں ثمن پر قبضہ ضروری نہیں ہے، ہاں اگر ثمن کا کچھ حصہ بوقت عقد بقیہ رقم بعد عقد ادا کردے تو شرعاً جائز ہے، چنانچہ شیخ وہبہ زحیلی نے لکھا ہے

"ولا يشترط في عقد الاستصناع تعجيل رأس المال أو الثمن وإنما يدفع عادة عند التعاقد ولو في غير مجلس العقد جزء من الثمن ويؤخر الباقي لحين تسليم الشيئ المصنوع، اه" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۳۶۵۴)۔

"فلابد في كلا العقدين من العلم بجنسه ونوعه وقدره وصفته، لأن كلا منهما مبيع والمبيع يشترط كونه معلوما غير

☆ مدرسہ اسلامیہ شکر پور بھروارہ ضلع دربھنگہ بہار۔

مجھول "(حوالہ بالا)۔

۲۔عقداستصناع کا شرعی حکم:

عقد استصناع بیع ہے یا وعدہ بیع ہے یا اجارہ ہے اس سلسلہ میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں۔کسی نے وعدۂ بیع کہا ہے،کسی نے اجارہ کہا ہے اور کسی نے ابتداءً اجارہ اور انتہاءً بیع کہا ہے۔لیکن صحیح اور راجح قول اکثر احناف کا یہی ہے کہ عقد استصناع بیع ہے،چنانچہ فقہاء احناف نے عقد استصناع کا ذکر بیوع وتجارات کی انواع واقسام کے تحت کیا ہے۔البتہ مطلق خرید وفروخت سے اس کا معاملہ قدرے مختلف ہے،کیونکہ خرید وفروخت کی مشہور صورتوں میں عمل کی شرط نہیں ہوتی،لیکن عقد استصناع میں عمل مشروط ہوا کرتا ہے،چنانچہ الموسوعۃ الفقہیہ کی تیسری جلد میں استصناع پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

"يرى أكثر الحنفية والحنابلة أن الاستصناع بيع فقد عدد الحنفية أنواع البيوع وذكروا منها الاستصناع على أنه بيع عين شرط فيه العمل أو هو بيع لكن للمشترى خيار الرؤية فهو بيع إلا أنه ليس على إطلاقه, فخالف البيع المطلق في اشتراط العمل في الاستصناع, والمعروف أن البيع لا يشترط فيه العمل "(الموسوعۃ الفقہیہ ۳/۳۲۷)۔

اسی طرح شیخ وہبہ زحیلی نے الفقہ الاسلامی وادلتہ کی پانچویں جلد میں عقد استصناع پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

"والصحيح الراجح في المذهب الحنفي :أن الاستصناع بيع للعين المصنوعة لا لعمل الصانع فهو ليس وعداً ببيع ولا إجارة على العمل فلو أتى الصانع بما يصنعه هو أو صنعه قبل العقد بحسب الأوصاف المشروطة جاز ذلك" (۵/۳۶۴۲)۔

آگے شیخ وہبہ زحیلی نے مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے۔

"والراجح في الاجتهاد الحنفي أن المعقود عليه هو العين المستصنعة دون العمل فلو جاء الصانع بالمطلوب بما يوافق الأوصاف المشروطة ورضى به المستصنع جاز العقد سواء أكان من صنعة غيره أم من صنعته قبل العقد ولو كان المبيع العمل نفسه لما صح اه"(الفقہ الاسلامی ۵/۳۶۴۴)۔

لیکن عقد استصناع کی شرعی حیثیت کو سامنے رکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دور حاضر میں عقد استصناع کا معاملہ بیع علی الخریطہ کے اصول پر شرعاً بیع صحیح اور بیع لازم ہے،اور شرائط مقررہ کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں فریقین سے تاوان بھی وصول کیا جاسکتا ہے،جبکہ عقد بیع کرتے ہوئے فریقین نے دیگر شرائط کے طے کرنے کے ساتھ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں تاوان کے وجوب کو بھی باہمی رضامندی سے طے کرلیا ہو۔"قال شريح :"من شرط على نفسه طائعاً غير مكره فهو عليه"(الفقہ الاسلامی ۵/۳۶۵۸)۔

۳۔عقد استصناع میں قبضہ سے پہلے مبیع کو فروخت کرنے کا حکم:

منقولی چیزوں کی بیع کو احناف نے قبضہ سے پہلے ناجائز قرار دیا ہے،لیکن اراضی ومکان کی بیع کو قبضہ سے پہلے درست قرار دیا ہے۔چنانچہ الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

"قال الحنفية: لا يجوز التصرف في المبيع المنقول قبل القبض (إلى قوله) وأما العقار كالأراضي والدور فيجوز بيعه قبل القبض عند أبي حنيفة وأبي يوسف استحساناً استدلالاً بعمومات البيع من غير تخصيص، ولا يجوز تخصيص عموم الكتاب بخبر الواحد ولا غرر في العقار، اھ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۳۶۴۴)۔

اسی طرح مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں کھانے کی چیزیں جبکہ وہ مکیلی وموزونی یا عددی ہوں تو ان کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں ہے، لیکن اگر انکل بیع ہو یا غیر قدری چیزوں کی بیع ہو تو ان کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے، البتہ امام شافعی اور امام محمد وامام زفر کے نزدیک کسی بھی چیز کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

"وقال الشافعي ومحمد بن الحسن وزفر: لا يجوز بيع ما لم يستقر ملكه عليه مطلقاً قبل قبضه عقاراً كان أو منقولاً لعموم النهي عن بيع ما لم يقبض" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۳۴۶۲)۔

بیع قبل القبض کا مذکورہ حکم اور فقہاء کے مذاہب کی تفصیل عام بیوع وتجارات میں ہے، رہا عقد استصناع اور بیع سلم تو اس میں مبیع وثمن دونوں میں قبضہ سے پہلے تصرف کو حضرات فقہاء نے ناجائز لکھا ہے، چنانچہ درمختار میں ہے:

"ولا يجوز التصرف للمسلم إليه في رأس المال ولا لرب السلم في المسلم فيه قبل قبضه بنحو بيع وشركة ومرابحة وتولية" (درمختار ۷/۴۳۳)۔

درمختار کی مذکورہ عبارت کے تحت علامہ شامی نے ردالمحتار میں حاوی کے حوالہ سے قبل القبض مرابحہ وتولیہ کا جواز نقل کر کے صاحب بحر سے اس کی تضعیف نقل کی ہے، ردالمحتار کی عبارت ملاحظہ ہو:

"وقيل: يجوز كل من المرابحة والتولية قبل القبض وبه جزم في الحاوي قال في البحر: وهو قول ضعيف والمذهب منعهما" (حوالہ بالا)۔

دور حاضر میں عقد استصناع والی بیوع وتجارات میں خصوصاً فلیٹس کی خرید وفروخت میں اس کے تیار ہونے سے قبل ایک ہی مبیع کی کئی مرتبہ خرید وفروخت ہوجاتی ہے، جبکہ مبیع پر کسی کا قبضہ نہیں ہوتا ہے، تو شرعاً یہ خرید وفروخت جائز نہیں ہے، اور درحقیقت یہ بیع الدراہم بالدراہم ہے جو ادھار اور تفاضل کے سبب سے سراسر سودی کاروبار میں شامل ہے۔

امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی سند سے نقل کیا ہے: "إن رسول الله ﷺ نهى أن يبيع الرجل طعاماً حتى يستوفيه" (بخاری حدیث: ۲۱۳۲)۔

حضرت طاؤس شاگرد عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

"قلت لابن عباس: كيف ذاك قال: ذلك دراهم بدراهم، والطعام مرجأ (أي مؤخراً)"

یعنی استیفاء، وصولیابی اور قبضہ سے پہلے بیع کس طرح ہوتی ہے تو انہوں نے فرمایا کہ دراہم کو دراہم کے عوض فروخت کیا جاتا ہے اور کھانے کی چیز یعنی مبیع مؤخر ہوتی ہے۔

ایک دوسری روایت میں عمرو بن دینار نے نقل کیا ہے

"سمع طاوساً یقول :سمعت ابن عباس ﷺیقول :أما الذی نهی عنه النبی ﷺ فهو الطعام أن یباع حتی یقبض قال ابن عباس :لا أحسب کل شیئ إلا مثله" (بخاری حدیث:۲۱۳۵)۔

حضرت ابن عباسؓ کی مندرجہ روایت کی روشنی میں ہر چیز میں بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، ہاں جب مکان اور فلیٹس تیار ہو جائے اور خریدار اس کی دستاویز حاصل کر لے تب وہ اسے فروخت کر سکتا ہے، امام طحاوی نے اپنی مایہ ناز تصنیف شرح معانی الآثار میں مطلقاً تمام چیزوں کی قبل القبض بیع کو ناجائز قرار دیا ہے، اور اس کے ثبوت میں حضرت حکیم بن حزام کی سند سے یہ حدیث نبوی پیش کی ہے :

"إن حکیم بن حزام أخبره قال :أخذ النبی ﷺ بیدی فقال :إذا ابتعت شیئا فلا تبعه حتی تقبضه"۔

حضرت حکیم بن حزام ہی کی سند سے ایک دوسری روایت ان کے بیٹے حضرت یعلی نے بیان کیا ہے :

"إن أباه سأل النبی ﷺ فقال :إنی أشتری بیوعاً فما یحل لی منها قال :إذا اشتریت بیعاً فلا تبعه حتی تقبضه"

(طحاوی شریف کتاب البیوع باب:۸)۔

یعنی حضرت حکیم نے حضور سے پوچھا کہ میں خرید وفروخت کرتا ہوں پس میرے لئے کیا حلال ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ جب تم کوئی چیز خریدو تو قبضہ کرنے سے پہلے نہ بیچو۔

انہیں احادیث کی وجہ سے امام طحاوی نے تمام چیزوں کی خرید وفروخت کو قبضہ کرنے سے پہلے ناجائز قرار دیا ہے، اور نظر طحاوی کی رو سے یہی قول راجح ہے، البتہ انہوں نے غیر منقولی اور غیر متغیر ہونے کے سبب امام ابوحنیفہ کا قول مکانات اور اراضی کے سلسلہ میں بیع قبل القبض کے جواز کا نقل کیا ہے، واللہ تعالی اعلم۔

۴—عقد استصناع کا عموم وشیوع اموال منقولہ سے اموال غیر منقولہ تک :

عقد استصناع کا دائرہ صرف اموال منقولہ تک محدود نہیں ہے، بلکہ اموال غیر منقولہ کو بھی شامل ہے، اور دور حاضر میں کھانے کی اشیاء، پہننے کی چیزیں، سواری کے آلات، زمینی ہوں یا فضائی اسی طرح سڑکیں، پل، مکانات، ان سب کے تیار کرنے کا ٹھیکہ اور ان کی خرید وفروخت کا معاملہ عقد استصناع ہی کے اصول پر طے کیا جاتا ہے، اگر میٹریل اور سامان خریدار کا ہو اور صرف کام صانع اور عامل کا ہو تو یہ عقد شرعاً اجارہ ہے، اور اگر سامان اور کام سب عامل کا ہو اور سامان کی تیاری وسپردگی کے بعد اس کی اجرت اور اس کا ثمن خریدار کے ذمہ واجب الاداء ہو تو یہ عقد استصناع کا ہے، اور مکانات کی تعمیر کے سلسلہ میں زمین کسی اور کی ہو اور مکان کی تیاری میں لگنے والی اینٹ، سمینٹ، بالو، چھڑ وغیرہ عامل کی ہو اور بلڈنگ تیار کرنے والے آلات مشینیں اور سیٹرنگ کے سامان کسی اور کے ہوں اور خریدار قیمت ادا کر کے اپنی مطلوبہ چیز اپنی پسندیدہ شرائط کے مطابق تیار کرا کے حاصل کرے تو شرعاً یہ بھی عقد استصناع ہی ہے، دور حاضر میں بہت سی حکومتیں بڑی بڑی شاہراہیں، بڑی بڑی کمپنیوں کو ٹھیکہ دے کر اور عالمی بینک سے لون لے کر تیار کراتی ہیں، اور ان پر ہونے والا صرفہ اس شاہراہ پر چلنے والی گاڑیوں کے مالکان سے وصول کر کے عالمی بینک کو لون ادا کرتی ہیں تو شرعاً یہ صورت بھی عقد استصناع ہی کی ہے، شیخ وہبہ زحیلی نے عقد استصناع کے وسیع دائرہ کار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :

"ثم انتشر الاستصناع انتشاراً واسعاً فی العصر الحدیث فلم یعد مقصوراً علی صناعة الأحذیة والحلو د والتجارة

والمعادن والأثاث المنزلي من مفروشات وغيرها من الخزائن والمقاعد والمسانيد والصناديق، وإنما شمل صناعات متطورة ومهمة جداً في الحياة المعاصرة كالطائرات والسفن والسيارات والقطارات وغيرها مما أدى إلى تنشيط الحركة الصناعية ونحو حركة المصانع والمعامل اليدوية والآلية وأسهم كل ذلك بنحو واضح في رفاه الأفراد والمجتمعات وتوفير حاجات الدول ومصالحها۔

۵—اسلامی مالیاتی ادارے کا استصناع متوازی کو بطور استثمار کے اختیار کرنے کا شرعی حکم :

اسلامی بینک یا اسلامی مالیاتی ادارہ کا استصناع متوازی کو بطور استثمار کے اپنانا شرعاً درست ہے، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اسلامی ادارہ بطور ثالث کے ہوتا ہے، وہ خریدار سے آرڈر لے کر بائع اور صانع سے مطلوبہ چیز تیار کرا کر خریدتا ہے اور پھر خریدار اول کے ہاتھ اس چیز کو کچھ نفع لے کر فروخت کر دیتا ہے، گویا اس صورت میں تین فریق ہوتے ہیں : ایک خریدار، مستصنع اور ضرورت مند اور دوسرا بائع وصانع اور تیسرا اسلامی مالیاتی ادارہ یا بینک جس کی حیثیت دلال و بروکر کی ہوتی ہے، جو خریدار و مستصنع سے کسی مطلوبہ سامان کے تیار کرانے کا آرڈر حاصل کرتا ہے، اور پھر بائع وصانع کو آرڈر دیتا ہے اور وہ ادارہ اپنے اس ثالثی اور دلالی کے عمل کی ایک متعینہ رقم خریدار اول سے وصول کرتا ہے تو شرعاً یہ بیع مرابحہ ہونے کے سبب جائز ہے، اور اگر خریدار اول کو اپنے نفع کی متعین مقدار بتائے بغیر صانع و بائع سے کم قیمت پر مال تیار کرا کر کچھ زیادہ رقم لے کر خریدار اول کے ہاتھ سامان فروخت کرے تو بیع مطلق ہونے کی وجہ سے شرعاً یہ صورت بھی جائز ہے، اور اس میں کوئی قباحت وشناعت شرعاً نہیں ہے، فقہاء نے بیع مطلق کو بیع معتاد اور بیع المساومة کے نام سے ذکر کیا ہے۔

شیخ وہبہ زحیلی نے بیع المساومة اور بیع المرابحة کی حسب ذیل تعریف لکھی ہے :

"١ - بيع المساومة هو البيع بأي ثمن كان من غير نظر إلى الثمن الأول الذي اشترى به الشيئ وهو البيع المعتاد۔

٢ - بيع المرابحة هو البيع بمثل الثمن الأول مع زيادة ربح" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۳۷۶۵)۔

۶—عقد استصناع میں بیعانہ کا شرعی حکم :

عقد استصناع میں خریدار و مستصنع نے بائع وصانع کو کسی سامان کے تیار کرنے کا آرڈر دیا اور بطور بیعانہ کے پیشگی کچھ رقم دیا، پھر مال تیار ہو جانے کے بعد اس کے لینے سے مکر گیا اور انکار کر دیا، ایسی صورت میں عموماً صانع کو نقصان ہوتا ہے، کیونکہ مطلوبہ ڈیزائن اور معیار کی چیز کوئی ضروری نہیں کہ کسی دوسرے خریدار کو پسند آئے، لہذا سامان تیار ہو جانے کے بعد اس کے لینے سے خریدار اور آرڈر دہندہ کا انکار کرنا شرعاً اور قانوناً درست نہیں ہے، لہذا صانع و بائع کے نقصان کی تلافی کے لئے بیعانہ کی رقم بھی ضبط ہو سکتی ہے بلکہ مزید اس پر تاوان بھی عائد کیا جا سکتا ہے، اور بعض فقہاء نے تو عقد استصناع میں مبیع کو تیار کر کے سپردگی کی جو تاریخ مقرر کی گئی ہے، اگر اس سے زیادہ تاخیر ہو جائے تو اس صورت میں بھی تاوان کو واجب کہا ہے، چنانچہ شیخ وہبہ زحیلی نے الفقہ الاسلامی وادلتہ میں تحریر فرمایا ہے :

"وأما في مجال المقاولات التي يتم فيها عادة الاتفاق على مدة التسليم والالتزام بغرامات معينة عند التأخير فهو أي التغريم جائز أيضاً وداخل تحت مفهوم ما يسمى قانوناً بالشرط الجزائي وقد أكده القاضي شريح وأيده قرار هيئة

کبار العلماء فی السعودیة سنة ۱۳۹۴ھ، قال شریح :من شرط علی نفسه طائعاً غیر مکره فهو علیه"(الفقہ الاسلامی ۳۶۵۸/۵ بحوالہ اعلام الموقعین ۴۰۰/۳)۔

امام ابوداؤد، ابن ماجہ نے اپنی سنن میں مرفوعاً بیع العربان کی ممانعت والی حدیث نقل کی ہے (ملاحظہ ہو :ابوداؤد، کتاب البیوع باب فی العربان ۱/۲، ابن ماجہ ابواب التجارات، باب بیع العربان حدیث :۲۱۹۲)۔ اسی ممانعت والی حدیث کی وجہ سے امام ابوحنیفہ، مالک اور شافعی نے بیع العربان کو جس میں سامان نہ خریدنے کی صورت میں بیعانہ کے واپس نہ کرنے کی شرط ہوتی ہے ناجائز قرار دیا ہے، لیکن امام احمد نے اس حدیث کو منقطع قرار دیا ہے، اور بیع العربان کو درست قرار دیا ہے :

"قال الخطابی :وقد روی عن ابن عمر و عمر أنه أجاز هذا البیع و مال أحمد بن حنبل إلی القول بإجازته"(الدر المنضود شرح ابوداؤد ۲۱۴/۵ بحوالہ بذل)۔

شیخ وہبہ زحیلی نے بیع العربون کے تحت تفصیلی بحث کی ہے، اور لفظ عربون میں چھ لغت کا ذکر کیا ہے، اور امام نسائی اور امام مالک کے حوالہ سے بھی بیع العربون کی ممانعت نقل کی ہے، اور امام احمد کے حوالہ سے لکھا ہے :

"وقال أحمد بن حنبل :لا بأس به و دلیله ما أخرجه عبد الرزاق فی مصنفه من حدیث زید بن أسلم أنه سئل رسول اللہ ﷺ عن العربان فی البیع فأحله و ما روی فیه عن نافع بن عبد الحارث أنه اشتری لعمر دار السجن من صفوان بن أمیة بأربعة آلاف درهم فإن رضی عمر کان البیع نافذاً وإن لم یرض فلصفوان أربع مائة درهم، وضعف أحمد الحدیث المروی فی بیع العربان"(الفقہ الاسلامی ۳۴۳۵/۵)۔

آگے شیخ وہبہ زحیلی نے بیع العربون کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ دور حاضر کی کاروباری دنیا میں دفع ضرر کے لئے بیع العربون کو اساسی حیثیت حاصل ہے، اس لئے اسلامی فقہ اکیڈمی نے ۱۴۱۴ھ میں اپنے برونائی میں منعقد ہونے والے آٹھویں اجلاس میں اس کے جواز کا فیصلہ و اعلان کیا ہے، اصل عبارت ملاحظہ ہو :

"وقد أصبحت طریقة البیع بالعربون فی عصرنا الحاضر أساساً للارتباط فی التعامل التجاری الذی یتضمن التعهد بتعویض ضرر الغیر عن التعطل و الانتظار، وفی تقدیری أنه یصح و یحل بیع العربون و أخذه عملاً بالعرف، لأن الأحادیث الواردة فی شأنه عند الفریقین لم تصح وهذا هو قرار مجمع الفقه الاسلامی فی دورته الثامنة فی برونائی فی غرة المحرم ۱۴۱۴ھ(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳۴۳۵/۵)۔

شیخ وہبہ زحیلی نے الفقہ الاسلامی کے حاشیہ میں حنابلہ کے حوالہ سے بیعانہ کے ذریعہ اجارہ کو بھی درست قرار دیا ہے۔"وکذلک صح الحنابلة الإجارة بالعربون"(راجع غایۃ المنتہی ۲۶/۲، حاشیۃ الفقہ الاسلامی ۳۴۳۵/۵)۔

یاد رہے کہ عام خرید و فروخت میں اگر بیعانہ کی رقم ضبط کرلی جائے تو اس کے عوض کچھ نہیں ہوتا، اس لئے ائمہ ثلاثہ نے اسے ممنوع قرار دیا ہے، لیکن عقد استصناع کا معاملہ اس سے مختلف ہے، کیونکہ اس میں صرف مبیع کو فروخت کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ نہیں ہوتا بلکہ بائع کسی کو اجیر رکھ کر خریدار کی مطلوبہ چیز تیار کراتا ہے، نیز اس چیز کو تیار کرنے کے لئے کہیں سے میٹریل خریدتا ہے، پھر جب وہ سامان تیار ہو گیا

تو اب وہ خریدار کو حوالہ کر کے اس سے طے شدہ قیمت لے گا جس میں میٹریل کی قیمت، اجیر کی اجرت اور خود اس کا نفع شامل ہے جب خریدار معاملہ طے ہو جانے اور بیعانہ جمع کر دینے کے بعد اس کی مطلوبہ شرط کے مطابق تیار شدہ مال کے لینے سے انکار کرے گا تو یہاں صرف صانع و بائع ہی کا گھاٹا و نقصان نہیں ہے، بلکہ میٹریل والے اور اجیر اور خود بائع سب کا نقصان ہے، اس لئے خریدار کے بیعانہ کو اگر ضبط نہیں کیا جائے گا اور اس سے ہرجانہ جب تک وصول نہیں کیا جائے گا تب تک اس کے انکار سے ہونے والے نقصان کی تلافی نہیں ہو سکتی، اس لئے عقد استصناع میں انکار کی صورت میں مستصنع اور خریدار کئی لوگوں کو نقصان پہنچانے کا سبب بنتا ہے، اس لئے اس کے نقصان کا سبب بننے کی وجہ سے اس سے تاوان وصول کرنا عقل ونقل کے عین مطابق ہے، حدیث نبوی ہے "الخراج بالضمان" (رواہ ابوداؤد، کتاب البیوع)۔

۷۔ کیا مستصنع کا سامان دے کر صانع سے مال تیار کرانا اور صانع کا شرائط کے مطابق مال تیار نہ کرنا موجب ضمان ہے

اگر مستصنع نے کسی صانع کو کسی چیز کے تیار کرنے کا آرڈر دیا، اور مصنوع کے لئے خود خریدار و مستصنع ہی نے میٹریل فراہم کر دیا تو ایسی صورت میں یہ عقد استصناع نہیں ہے بلکہ اجارہ ہے، اور صانع کی حیثیت شرعاً اجیر مشترک کی ہے جبکہ وہ اجرت لے کر اپنے مستاجر اور اس کے غیر سب کا کام کرتا ہو، اگر اجیر نے مستاجر کی شروط کے مطابق کام کر کے نہیں دیا بلکہ مصنوع میں کوئی گڑبڑی کر دی تو ایسی صورت میں حضرات صاحبین اور حضرات مالکیہ وحنابلہ کے یہاں وہ ضامن ہوگا، چنانچہ شیخ وہبہ زحیلی نے اس سلسلہ میں تفصیلی بحث کی ہے، اور حضرات صاحبین کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے:

"قال البغدادی فی بعض کتب الحنفیة: وبقول الصاحبین یفتی الیوم لتغیر أحوال الناس وبه یحصل صیانة أموالهم" (مجمع الضمانات ص ۲۷، بحوالہ الفقہ الاسلامی ۴/ ۲۸۶۸)۔

اگر صانع نے مطلوبہ شرائط کی خلاف ورزی کر کے مال تیار کیا مثلاً جو کپڑا اس نے تیار کرنے کو کہا تھا، اس کا سائز چھوٹا بڑا کر دیا یا کسی چیز کو رنگنے کو دیا تھا، اور مشروط رنگ کے خلاف رنگ دیا، تو فقہاء نے جنس ووصف میں مخالفت کی صورت میں ضمان کو لازم کرتے ہوئے ضمان کی دو صورت کا ذکر کیا ہے، پہلی صورت تو یہ ہے کہ میٹریل کی قیمت لے لے اور تیار مال صانع ہی کو دیدے، دوسری صورت یہ ہے کہ تیار شدہ مال کو خود مستصنع لے لے اور صانع کو اس کے عمل کی اجرت مثل دیدے۔

چنانچہ شیخ وہبہ زحیلی نے لکھا ہے:

"وفی حال النقصان یوجد روایتان، روایة فی کتاب الأصل: أن لصاحب الثوب أن یأخذه ویعطی الحائک من الأجر بحسابه، وروایة أخری مفادها أن علی صاحب الثوب أجر المثل" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۳۸۵۵)، فقط واللہ اعلم۔

۸۔ کیا عقد استصناع میں سپردگی کی متعینہ تاریخ پر مال حوالہ نہ کرنا موجب تاوان ہے؟

اگر عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی اور سپردگی کی تاریخ متعین ومقرر ہو جائے اور اس کی خلاف ورزی کی صورت میں وجوب تاوان کی شرط بھی فریقین کی رضامندی سے طے پا جائے تو ایسی صورت میں اگر صانع و بائع نے مقررہ تاریخ پر مال مستصنع کو فراہم نہ کیا تو مستصنع وخریدار اپنے بائع وصانع سے تاوان بھی وصول کر سکتا ہے، کیونکہ دور حاضر میں اسپورٹ اور امپورٹ کا کاروبار وسیع پیمانہ پر ہوتا ہے، اور ایک آدمی

ایک خاص آرڈر دے کر اور تاریخ متعین کر کے مال خریدتا ہے اور وصول کرتا ہے، اور پھر وہی شخص دوسرے شخص سے آرڈر لے کر مال حوالہ کرتا ہے، اور اس سے رقم وصول کرتا ہے، اب اگر پہلی جگہ مقررہ تاریخ پر اسے مال موصول نہیں ہوگا تو پھر وہ پریشان ہو کر کسی دوسرے صانع سے رابطہ کر کے اس سے گراں مال خریدے گا اور پھر وہ اپنے گاہک کو مال سپرد کرے گا، اور جب پہلا بائع اسے وقت پر مال نہیں دے گا تو ضروری نہیں ہے کہ اس کا مال وقت پر فروخت ہو جائے۔ اس طرح وقت مقررہ پر مال دستیاب نہ ہونے سے اسے دو جگہ نقصان ہوگا ایک جگہ جہاں پر کسی اور سے گراں مال خرید کر اپنے گاہک کو مال حوالہ کرے گا، دوسرے جب پہلا مال مقررہ تاریخ کے بعد اسے دستیاب ہوگا تو پھر اس کی نکاسی کا مسئلہ ہوگا، اور ممکن ہے کہ اسے سستا مال فروخت کرنا پڑے جس کے سبب اس کا کاروبار ٹھپ ہو جائے اور اس کا سرمایہ اور پونجی ڈوب جائے جس کے نتیجہ میں اسے پہلے بائع سے وقت مقررہ پر مال حوالہ نہ کرنے کے سبب تاوان وصول کرنا پڑ جائے، لہذا جب تاخیر کی صورت میں عقد کرتے وقت تاوان مشروط ہو تو ایسی صورت میں خریدار اپنے بائع اور مستصنع سے تاوان وصول کر سکتا ہے، چنانچہ شیخ وہبہ زحیلی نے لکھا ہے :

”وأما في مجال المقاولات التي يتم فيها عادة الاتفاق على مدة التسليم و الإلزام بغرامات معينة عند التأخير فهو أي التغريم جائز أيضا، و داخل تحت مفهوم ما يسمى قانونا بالشرط الجزائي و قد أقره القاضي شريح و أيده قرار هيئة كبار العلماء في السعودية سنة ۱۳۹۴ھ قال شريح : من شرط على نفسه طائعاً غير مكره فهو عليه“ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۳۴۵۸ بحوالہ اعلام الموقعین ۳/ ۴۰۰)۔

البتہ احناف کے اصول کے مطابق تاوان کی صورت میں تفصیل ہے، اگر صانع ادا کرے تو اصل سامان کی قیمت میں کمی ہوگی اور اگر وقت پر مستصنع مال نہ لے جائے اور تاخیر کے سبب وہ تاوان ادا کرے تو یہ صورت سود میں شامل ہے، کیونکہ مبیع کی جو قیمت متعین ہوئی تھی اس کی وصولی کی تاخیر پر تاوان وصول کرنا عوض سے خالی ہونے کے سبب سود میں شامل ہے، جو شرعاً ناجائز ہے، اگرچہ بوقت عقد تاخیر کی صورت میں تاوان مشروط ہو تو سود سے بچنے کے لئے احناف کے نزدیک ایک ہی صورت ہے جسے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نے فقہی مقالات میں ذکر کیا ہے: جس کا حاصل یہ ہے کہ تاخیر کی صورت میں تاوان وصول کر کے فقراء پر خرچ کر دینا مشروط کر دیا جائے اور فریقین کو اس سے اتفاق ہو تو یہ صورت شرعاً جائز ہے، گویا صانع مستصنع سے یہ شرط طے کر لے کہ اگر وقت مقررہ پر تم مال ہمارے یہاں سے نہ اٹھاؤ گے تو ہم تم سے تاخیر کے سبب تاوان وصول کر کے فقراء پر وہ رقم خرچ کر دیں گے اور خریدار و مستصنع نے صانع کی اس شرط کو مان لیا ہو تو یہ شرعاً جائز اور درست ہے، اور فقہاء نے اس صورت کو التزام بالتبرع کے عنوان سے ذکر کیا ہے، چنانچہ مولانا تقی صاحب نے بحوث فی قضایا معاصرۃ کے صفحہ ۴۲ پر لکھا ہے ”الالتزام بالتبرع جائز عند جميع الفقهاء“۔

اور فقہاء احناف کے حوالے سے لکھا ہے :

”صرح فقهاء الحنفية بأن بعض المواعيد قد تجعل لازمة لحاجة الناس“ (حوالہ بالا ۴۴ مع الانتساب إلی رد المحتار بحث البیع بالوفاء)۔

استصناع کی حقیقت اور اس کے اصول وضوابط

مفتی اقبال احمد قاسمی کانپوری ☆

استصناع کی لغوی واصطلاحی تعریف :

"استصناع" کے معنی بنوانے کے ہیں، عقد استصناع کے ذریعہ آدمی اپنی مطلوبہ چیز کسی سے تیار کرواتا ہے، جیسے کاریگر سے آرڈر پر فرنیچر بنوانا، گویا استصناع کی حقیقت یہ ہے کہ اس میں خریدار کسی تیار کنندہ (نیوفریکچر) کو یہ آرڈر دیتا ہے کہ میرے لئے ان اوصاف کی حامل فلاں چیز تیار کردو، اگر تیار کنندہ خریدار کے لئے متعین قیمت پر مطلوبہ چیز تیار کرنے کی ذمہ داری قبول کرلیتا ہے تو استصناع کا عقد مکمل ہوجاتا ہے۔

"**هو عقد على مبيع في الذمة شرط فيه العمل، فإذا قال شخص لآخر من أهل الصنائع : اصنع لي الشيئ الفلاني بكذا درهماً وقبل الصانع ذلك انعقد استصناعاً**" (الموسوعۃ الفقہیہ ۳/ ۳۲۵) (استصناع ذمہ میں ایسی مبیع کا معاملہ کرنا جس میں بائع کے عمل وصفت کی شرط ملحوظ ہو، چنانچہ جب کسی نے کسی اہل صفت سے یوں کہا کہ فلانی چیز اتنی قیمت میں میرے لئے تیار کردو اور صانع اس کو قبول کرلے تو استصناع کا معاملہ منعقد ہوگیا)۔

استصناع کی مثالیں عہد نبوت اور خیر القرون میں بھی بکثرت ملتی ہیں جس میں شرعی جواز کے ساتھ اس کی ضرورت کا پتہ چلتا ہے اور اس کی ضرورت ہر دور میں رہی ہے اور آج اس کی ضرورت میں چند در چند اضافہ ہوگیا ہے۔ "**الاستصناع شرع لسد حاجات الناس ومتطلباتهم، نظر التطور الصناعات تطوراً كبيراً**" (موسوعہ ۳/ ۳۲۵) (لوگوں کی ضروریات اور اغراض کے پیش نظر استصناع کی مشروعیت ہوئی ہے، صنعت وحرفت میں زبردست پھیلاؤ وترقی کے سبب شرعاً اس کو جائز قرار دیا گیا ہے)۔

چونکہ بیع سلم کی طرح استصناع میں بھی چیز کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اس کا سودا ہوتا ہے بلکہ اس میں مبیع کے ساتھ ثمن بھی ادھار رہتا ہے اور پیشگی کل رقم دینا شرط نہیں ہوتا، اس لئے بیع سلم کی طرح اس کے جواز کے بھی کچھ مخصوص شرائط اور اصول وضوابط رکھے گئے ہیں جن کا پیش نظر رہنا ضروری ہے، مثلاً :

۱— جس چیز کو استصناع کے ذریعہ بنوانا مقصود ہو اس کی جنس، نوع، صفت اور مقدار معلوم ہو، اس کی آسان شکل یہ ہے کہ کوئی نمونہ دکھا کر معاملہ طے کیا جائے یا پھر اس کی تفصیل طے ہوجائے اور بہتر ہوگا کہ اسکو لکھ لیا جائے، مثلاً لیدر کے جوتا کا آرڈر ہے تو طے ہونا چاہئے کہ نیوکٹ رہے گا یا فیتہ دار، چمڑا کسی رنگ کا ہوگا براؤن یا کالا یا ڈارک براؤن وغیرہ یا مثلاً کسی تاجر نے ہندوستان یا امریکہ کی کسی فرم کو

☆ مفتی مدرسہ اسلامیہ عربیہ مظہر العلوم کانپور۔

چند سائیکلوں یا موٹروں یا ہوائی جہازوں کا آرڈر دیا تو اس بارے میں یہ بات طے ہو جائے کہ وہ موٹر یا سائیکل یا ہوائی جہاز کیسا ہوگا اس کا ماڈل کیسا ہوگا، پرزے امریکن ہوں گے یا جرمنی یا برطانوی، قیمت کتنی ہوگی، وہ سامان بمبئی میں ملے گا یا دلی اور لکھنؤ میں، قیمت وہ ہندوستانی روپے میں دے گا یا ڈالر یا پاؤنڈ میں وغیرہ، غرضیکہ وہ تمام باتیں طے ہونی ضروری ہیں جن سے بعد میں کوئی نزاع یا اختلاف کا اندیشہ ہو۔

"یلزم في الاستصناع وصف المصنوع وتعریفه علی الوجه الموافق المطلوب" (بحوالہ المجلہ ۵۶۷، اسلامی فقہ ۲/ ۳۴۳)

(استصناع میں یہ بات ضروری ہے کہ شیئ مصنوع کی صفت اور اس کی تعریف واضح ہو جو آرڈر کے پوری طرح مطابق ہو)۔

"للاستصناع شروط هي : ۱- أن یکون المستصنع فیه معلوماً، وذلک ببیان الجنس والنوع والقدر (موسوعہ فقہیہ ۳/ ۳۰۸) (استصناع کی چند شرطیں ہیں : (۱) شیئ مصنوع متعین ہو اور یہ جنس، نوع، مقدار کے بیان کے ذریعہ ہوگی)۔

اگر یہ سب باتیں یا کچھ چیزیں واضح نہ کی گئیں تو عقد جہالت کے سبب فاسد ہو جائے گا۔

اسی طرح گاڑی وغیرہ کے آرڈر میں تمام مطلوبہ صفات و معاملات کو کھول دیا جائے تا کہ جہالت اور نزاع کا اندیشہ جو شیئ مصنوع کے آرڈر کے مطابق نہ ہونے سے رہتا ہے وہ ختم ہو جائے۔

۲ — اشیاء مصنوعہ :

عقد استصناع میں یہ شرط بھی ہے کہ استصناع کا معاملہ صرف ان اشیاء کے ساتھ خاص ہے جن میں صفت (مینوفیکچرنگ) کی ضرورت پڑتی ہے جیسا کہ استصناع کے مفہوم سے بھی یہی واضح ہے، لہذا گندم، چنا، چاول وغیرہ استصناع کا انعقاد درست نہیں باقی ہر جائز چیز میں جن کے بنانے بنوانے کی ضرورت ہوتی ہے خواہ وہ منقولہ چیز ہو یا غیر منقولہ، زمانہ قدیم میں استصناع کا عمل اس میں جاری رہا ہو یا نئی ایجادات کے قبیل سے ہوں ان میں عقد استصناع درست ہے۔ "والاستصناع خاص بما اشترط فیه الصنع والسلم عام للمصنوع وغیره" (الموسوعۃ الفقہیہ ۳/ ۳۲۶) (اور استصناع انہی چیزوں کے ساتھ خاص ہے جس میں بنانے بنوانے کی شرط ہے اور "سلم" مصنوع اور غیر مصنوع دونوں قسم کو عام ہے)۔

اصول استصناع کے سلسلہ میں یہ بحث کہ کس طرح کی اشیاء میں عقد استصناع جاری ہو سکتا ہے، اس کا کچھ حصہ سوال ۴ کے تحت بھی آ رہا ہے جس میں اموال منقولہ و غیر منقولہ سبھی میں استصناع کا جواز ثابت کیا گیا ہے۔

۳ — استصناع میں تعامل اور عرف میں متعارف ہونے کی شرط :

بیع استصناع میں فقہاء نے نزاع اور غرر وغیرہ سے بچنے کے لئے استصناع کے جواز کی یہ شرط بھی لگائی ہے کہ عقد استصناع کا تعلق ایسی چیزوں کے ساتھ خاص اور محدود ہے جن کا عرف میں رواج ہو جیسے جوتے، فرنیچر، عمارت وغیرہ، لہذا جن چیزوں کے بنانے اور بنوانے کا رواج نہ ہو ان کا استصناع بھی جائز نہیں بلکہ اس میں استصناع کا معاملہ فاسد ہو کر اگر بیع سلم کے اصول پورے ہوتے ہوں تو وہ بیع سلم بن جائے گا جیسا کہ غیر مثلی سامان کپڑے، فرش چٹائی وغیرہ میں استصناع کے بجائے سلم کا معاملہ کیا جاتا ہے، البتہ چونکہ عرف مختلف بھی ہوتا ہے اور زمان و مکان کے اعتبار سے نوعیت بدل جاتی ہے، لہذا بعض دفعہ جن میں استصناع پہلے صحیح نہیں تھا، موجودہ دور میں ان میں استصناع بلا شبہ درست ہے جیسا کہ مذکورہ کپڑے فرش وغیرہ کی چیزوں میں اب استصناع کا رواج ہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر کسی ایسی شیئ کا آرڈر دیا گیا جس کا عموماً چلن نہیں یا کوئی نئی چیز ایجاد کر کے اس کے بنوانے کا معاملہ کیا گیا تو یہ استصناع فاسد ہوگا جیسا کہ فقہاء کی عام عبارت سے معلوم ہوتا ہے، لیکن متاخرین فقہاء میں بحر العلوم مولانا فتح محمد لکھنوی نے اس شرط کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے:

''اس کی ضرورت امام صاحب کے قول پر ہے، اس لئے کہ جب آمر کو خیار ہے تو نئی شئی کے بنانے سے صانع کو ضرر ہونے کا احتمال ہے اور مفتی ابو یوسف کے نزدیک جبکہ عقد لازم ہے تو شرط استعمال بے ضرورت بلکہ مانع استصناع ہے اکثر وہی شیئی بنوائی جاتی ہے جو جدید قسم یا خاص وضع کی ہوتی ہیں، اگر ایسی چیزیں استصناع سے خارج سمجھی جائیں تو استصناع کی ضرورت ہی کیا رہی؟ کیا نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ممبر چوبی بنوایا جبکہ استعمال کیا، ممبر کا نام تک مدینہ میں معروف نہ تھا'' (تطبیہ الموالی فی تحقیق الحلال والحرام ص ۱۱۲)۔

دور حاضر میں امام ابو یوسف کے قول استصناع عقد لازم ہے، کو مفتی بہ قرار دیا گیا ہے، لہذا تعارف میں استعمال کی موجودہ شرط کی حاجت نہیں فقط۔

۴- استصناع میں مدت کی تعیین:

عقد استصناع کی صحت کے لئے ایک شرط مدت سے متعلق ہے، یعنی یہ کہ استصناع میں خریدار کوئی مدت صانع سے مقرر کرے تو استصناع میں مدت کی تعیین کی کیا حیثیت ہوگی، دراصل بیع سلم میں مدت کی تعیین ضروری ہے اور وہ ایک ماہ کم از کم ہونا چاہئے، فقہاء نے استصناع کو سلم سے جدا رکھنے اور استصناع کی صحت کے لئے یہ شرط ذکر کی ہے کہ استصناع کو مدت کی تعیین سے خالی ہونا چاہئے ورنہ وہ سلم بن جائے گا، لیکن یہ شرط بھی متفق علیہ نہیں ہے، احناف میں سے صاحبین کے نزدیک استصناع میں بھی تاجیل (مدت کی تعیین) ہر طرح درست ہے، اور یہی رائے عصر حاضر میں اختیار کی گئی ہے، لأنہ اوفق بالزمان و قاطع للنزاع۔

للاستصناع شروط هي: (ج) عدم ضرب الأجل: اختلف في هذا الشرط، فمن الحنفية من يرى أنه يشترط في عقد الاستصناع خلوه من الأجل فإذا ذكر الأجل في الاستصناع صار سلماً، ويعتبر فيه شرائط السلم...... وخالف في ذلك أبو يوسف ومحمد إذ أن العرف عندهما جرى بضرب الأجل في الاستصناع، ومن مراعاة التعامل بين الناس رأى الصاحبان: إن الاستصناع قد تعورف على ضرب الأجل فلا يتحول إلى السلم بوجود الأجل (الموسوعۃ الفقہیہ ۳/ ۳۲۹)۔

خلاصہ یہ کہ اگر صانع سے کوئی مدت خریدار طے کرے تو اس کی گنجائش ہے، البتہ بیع سلم کی طرح ضروری نہیں۔

۵- استصناع میں قیمت کی ادائیگی:

بیع استصناع میں قیمت طے کرنے اور اس کی ادائیگی کا وقت مقرر کرنے یا قسط وار ادا کرنے میں آزادی ہے، یعنی بیع سلم کی طرح یہ پابندی نہیں کہ قیمت کی ادائیگی پیشگی ضروری ہو بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ قبضہ کے وقت ادا کی جائے بلکہ قیمت فریقین کے طے شدہ معاہدہ کے مطابق کسی بھی وقت تک مؤجل ہو سکتی ہے، اس لئے عقد استصناع میں فریقین کو حق ہے کہ قیمت کی ادائیگی کا وقت جس طرح چاہیں طے کرلیں،

چنانچہ قیمتوں کی ادائیگی قسطوں میں بھی ہو سکتی ہے۔

"ولكنه يفترق عنه من حيث أنه لا يجب فيه تعجيل الثمن ولا بيان مدة الصنع والتسليم" (الفقہ الاسلامی ۵/ ۳۶۴۳)

(لیکن استصناع، بیع سلم سے اس اعتبار سے بھی جداگانہ عقد ہے کہ استصناع میں ثمن کی پیشگی ادائیگی اور تیاری کی مدت اور سپردگی کا بیان کرنا ضروری نہیں)۔

"والسلم يشترط فيه تعجيل الثمن في حين أن الاستصناع التعجيل فيه عند أكثر الحنفية ليس بشرط" (الموسوعۃ الفقہیہ ۳/ ۳۲۶) (اور سلم میں تعجیل ثمن شرط ہے جبکہ استصناع میں اکثر احناف کے نزدیک پیشگی قیمت دینا شرط نہیں ہے)۔

(۲) استصناع بیع ہے یا وعدہ بیع؟

استصناع کے سلسلہ میں مشائخ احناف اور جمہور فقہاء کے یہاں مختلف نظریات و آراء ہیں، بعض نے اس کو وعدہ بیع قرار دیا ہے بعض نے عقد بیع غیر لازم، بعض نے عقد بیع لازم جبکہ بعض نے اس کو عقد اجارہ تسلیم کیا ہے۔

"اختلف مشائخ أو فقهاء الحنفية في تخريج الاستصناع أهو بيع أم وعد بالبيع أم إجارة" (الفقہ الاسلامی ۵/ ۳۶۴۳)

(مشائخ اور فقہاء احناف کا استصناع کی تخریج کے سلسلہ میں اختلاف ہے کہ وہ بیع ہے یا وعدہ بیع یا اجارہ)۔

احناف کا راجح قول یہ ہے کہ استصناع حقیقۃً بیع ہے کیونکہ شئی مصنوع پر عقد ہوتا ہے نہ کہ عمل محض پر اور وہ شئی اگرچہ فی الحال موجود نہیں ہے لیکن حکماً موجود تسلیم کی جاتی ہے، اس لئے نہ یہ وعدہ بیع ہے نہ اجارہ، حتی کہ اگر صانع مطلوبہ چیز کہیں سے بلا بنائے لاکر دیدے تو بھی درست ہے، باقی عاقدین کو کسی قسم کا اختیار ہونا بیع کے منافی نہیں بیع مقایضہ میں بھی فریقین کو اختیار ہوتا ہے، لہذا یہ بیع ہے جس میں صانع کو سامان تیار کرنا لازم ہے اور آمر بھی یکطرفہ رجوع نہیں کرسکتا اگرچہ سامان تیار ہونے کے بعد اس کو خیار رؤیت کی بنا پر فسخ کا حق ہوتا ہے۔

"والصحيح الراجح في المذهب الحنفي : أن الاستصناع بيع للعين المصنوعة لا لعمل الصانع فهو ليس وعداً ببيع ولا إجارة على العمل فلو أتى الصانع بما لم يصنعه هو أو صنعه قبل العقد بحسب الأوصاف المشروطة جاز ذلك" (الفقہ الاسلامی ۵/ ۳۶۴۴)۔

(مذہب حنفی میں زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ استصناع شئی مصنوع کی بیع کا نام ہے نہ کہ صانع کے عمل کا، لہذا یہ نہ وعدہ بیع ہے اور نہ عمل کا اجارہ، چنانچہ اگر صانع بغیر خود بنائے وہ چیز پیش کردے یا عقد سے پہلے اس نے بنا کر رکھی ہوئی چیز دیدی جو مطلوبہ اوصاف کے مطابق تھی تو یہ صورت بھی جائز ہے (اور یہ بیع میں ہی درست ہے نہ کہ اجارہ اور وعدہ بیع میں)۔

استصناع میں خیار رؤیت نہ ہونا اور عقد لازم ہونا:

اوپر ذکر کی گئی تفصیلات سے یہ واضح ہوا کہ احناف کا صحیح راجح مذہب استصناع کے بیع ہونے کا ہے، چونکہ بیع کا قاعدہ ہے جب کوئی شخص کوئی ایسی چیز خریدتا ہے جو اس نے دیکھی نہیں ہے تو دیکھنے کے بعد اسے سودا منسوخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے، استصناع پر بھی یہ

اصول لاگو ہوتا ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کے نزدیک خریدار کو خیار رؤیت حاصل ہوتا ہے جس کی بنا پر یہ بیع استصناع موقوف اور غیر لازم ہو جاتی ہے (۳ میں اسی کا ذکر ہوا ہے) جبکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مطلوبہ چیز اگر فریقین کے درمیان طے شدہ اوصاف کے مطابق ہے تو خریدار اسے قبول کرنے کا پابند ہوگا اور وہ خیار رؤیت استعمال نہیں کر سکے گا، جس کی بنا پر یہ عقد لازم کہلائے گا۔

"الاستصناع عقد غير لازم عند أكثر الحنفية سواء تم أم لم يتم، وسواء كان موافقاً للصفات المتفق عليها أم غير موافق، وذهب أبو يوسف إلى أنه أن تم صنعه وكان مطابقاً للأوصاف المتفق عليها يكون عقداً لازماً، وأما إن كان غير مطابق لها فهو غير لازم عند الجميع لثبوت خيار فوات الوصف" (الموسوعۃ الفقہیہ ۳/۳۲۹)۔

(استصناع ایک غیر لازمی عقد ہے، اکثر احناف کے نزدیک خواہ یہ عقد تام ہو جائے یا نا تمام رہے اور خواہ تیار کردہ شیئ طرفین کی طے شدہ شرائط کے مطابق ہو یا نہ ہو، البتہ امام ابو یوسف کا مذہب یہ ہے کہ جب وہ شیئ متفق علیہ صفات کے مطابق ہوگی تو عقد لازم ہوگا اور اگر غیر مطابق ہوگی تو عقد بھی غیر لازم ہوگا، بالاتفاق۔ وصف مرغوب کے فوت ہونے کی بنا پر خیار ثابت ہونے کی وجہ سے)۔

لزوم عقد کی ترجیح :

خلاصہ یہ کہ استصناع وعدۂ بیع یا اجارۂ محضہ نہیں ہے بلکہ بیع ہے جس کی بنا پر ایجاب وقبول کے بعد صانع پر سامان کی تیاری اور آمر کو شیئ مصنوع کے قبول کرنے سے یک طرفہ پیچھے ہٹنے کا حق نہیں رہتا، البتہ سامان کی تیاری کے بعد خریدار جب شیئ مصنوع کو مطلوبہ معیار اور طے شدہ اوصاف کے مطابق پائے تو بھی اس کو طرفین کے نزدیک خیار رؤیت حاصل ہوتا ہے اور وہ بیع کو مسترد کر سکتا ہے جبکہ امام ابو یوسف کے نزدیک خیار عیب کی وجہ سے واپسی کے علاوہ کوئی اور اختیار اس کو حاصل نہیں ہے، لہذا وہ عقد لازم ہو جاتا ہے۔ موجودہ دور کے فقہاء نے آج کل کے تجارتی معاملات اور کاروباری فروغ کو دیکھتے ہوئے جانبین کی بندش کے لئے امام ابو یوسف کی رائے کو ترجیح دی ہے۔

بحر العلوم مولانا فتح محمد لکھنوی رقمطراز ہیں :

امام صاحب کے نزدیک جب چیز تیار ہو تو بنوانے والے کو خیار ہے قبول کرے یا نہ کرے اور بنانے والا دکھلانے سے پہلے مخیر ہے کہ یہ نہ دے دوسری بنا دے مگر جب آمر نے دیکھ لیا اور پسند کر لیا، اب اسے اختیار نہ رہا مگر مفتی ابو یوسف کے نزدیک ایجاب وقبول کے بعد نہ آمر رجوع کر سکتا ہے نہ صانع۔ بیع لازم ہو جاتی ہے اور اسی فتوی پر استصناع کی غرض پوری ہو سکتی ہے ورنہ ایسی متردد حالت میں فرمائشوں کی تعمیل مشکل ہے۔ رہا خیار رؤیت وہ نمونے یا بیان نشانی سے ساقط اور خیار صانع بحکم عہد باطل ہے (تطہیر الاموال المعروف بہ عطر ہدایہ/۱۱۱)۔

مولانا تقی عثمانی نے بحوالہ مجلہ دفعہ ۳۹۲ لکھا ہے کہ خلافت عثمانیہ میں فقہاء نے اسی نقطۂ نظر (امام ابو یوسف کے قول) کو ترجیح دی تھی اور حنفی قانون اسی کے مطابق مدون کیا گیا تھا، اس لئے کہ جدید صنعت وتجارت میں یہ بڑی نقصان کی بات ہوگی کہ تیار کنندہ نے اپنے تمام وسائل مطلوبہ چیز کی تیاری پر لگا دیئے، اس کے بعد خریدار کوئی وجہ بتائے بغیر سودا منسوخ کر دے، اگر چہ فراہم کردہ چیز مطلوبہ اوصاف کے مکمل طور پر مطابق ہو (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/۱۵۵)۔

۳—شیئ مصنوع کی فراہمی سے قبل خریدار کا دوسرے کو اور اس کا تیسرے کو فروخت کرنا :

عقد استصناع میں بیع معدوم ہونے کے باوجود ضرورتاً اور استحساناً شریعت نے اس کی اجازت دی ہے۔

"یجوز الاستصناع استحساناً لتعامل الناس (الفقہ الاسلامی ۵/ ۳۶۴۲)۔

استصناع میں صانع بائع اور مستصنع مشتری اور شیئ مصنوع مبیع ہوتی ہے۔

"یقال للمشتری : مستصنع وللبائع : صانع وللشیئ مصنوع"(الفقہ الاسلامی ۵/ ۳۶۴۳)۔

☆ اب اگر شیئ مصنوع کو مستصنع، دوسرے سے اور تیسرا کسی اور سے فروخت کرتا ہے تو یہ عقد استصناع میں داخل نہیں ہے، کیونکہ مشتری اول صانع کے حکم میں نہیں ہے اور اس طرح شیئ مصنوع کو وجود میں آنے سے قبل فروخت کرنا بیع معدوم ہے جو کہ ناجائز ہے۔ لنهي النبي ﷺ عن بيع ما ليس عند الإنسان (ابن ماجہ باب النہی عن بیع ما لیس عندک)۔

☆ استصناع میں پہلا عقد ہی محل کلام ہوتا ہے کہ وعدہ تک محدود ہے یا بیع ہوگئی پھر وہ بیع لازم ہے یا غیر لازم جب استصناع اول کا یہ حال ہے تو پھر خریدار کا دوسرے سے اور دوسرے کا تیسرے سے معاملہ کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

☆ اگر دوسرے یا تیسرے کو بھی فروخت کرنے کی اجازت چیز کے تیار ہونے سے پہلے دیدی جائے تو اس میں معاملہ ہوا میں معلق ہوگا اور پہلا استصناع مکمل نہ ہونے سے سب معاملات زمین بوس ہوجائیں گے، اس لئے اس صورت میں غرر کثیر لازم آتا ہے جو ناقابل عمل ہے، استصناع اول کا غرر اوصاف وشرائط کے ذریعہ دور کیا گیا تھا اس میں غرر مزید ہوگا جس کی شرعاً اجازت نہیں دی جاسکتی۔

☆ شریعت میں استصناع کا جواز خلاف قیاس وارد ہوا ہے اور خلاف قیاس عقد اپنے مورد پر منحصر ہوتا ہے۔ اس لئے استصناع میں شیئ مصنوع پر قبضہ سے پہلے فروخت کرنے کو قیاس کے ذریعہ متعدی نہیں کیا جاسکتا۔

☆ شیئ مصنوع کے تیار ہونے سے قبل بیع در بیع ہونے سے نزاع کا بھی اندیشہ ہے بلکہ تعدد نزاع کا سبب ہوگا اور ایک کی لڑائی دوسرے کو پہنچے گی اس لئے یہ عقد مفضی إلی النزاع کا سبب ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ استصناع میں مبیع (مصنوع) کو وجود میں آنے سے پہلے وہ کسی اور سے اور پھر یہ دوسرا خریدار کسی تیسرے شخص سے فروخت نہیں کرسکتا، البتہ ایسی صورت میں صرف وعدہ بیع (ایگریمنٹ ٹوسیل) کرسکتا ہے پھر چیز تیار ہونے پر بیع کی تجدید کرلے تو یہ معاملہ درست ہوجائے گا، واللہ اعلم۔

۴—استصناع اموال منقولہ کے ساتھ خاص ہے یا غیر منقولہ میں بھی جائز؟

"عقد استصناع" شرعاً ہر اس چیز میں ممکن ہے جن کا بنانے اور بنوانے سے تعلق ہے، وہ اشیاء منقولہ ہو یا غیر منقولہ، لہذا جائیداد کی تعمیر، کارخانہ بلڈنگ وغیرہ میں بھی استصناع کا معاملہ شرعاً درست ہے، جیسا کہ مجلۃ الاحکام میں ہے :

"کل شیئ تعومل استصناعه یصح فیه الاستصناع" (بحوالہ المجلہ ۵۲/ اسلامی فقہ ۲/ ۳۴۴) (جن اشیاء میں استصناع کا تعامل ہو، ان میں استصناع درست ہے)۔

خلاصہ یہ کہ اموال منقولہ کی طرح اموال غیر منقولہ جیسے بلڈنگ وغیرہ اشیاء سے بھی استصناع کا تعلق ہے، یہ الگ بات ہے کہ جب دنیا سادہ تھی اور کاروبار میں اس قدر تنوع نہیں تھا تو عموماً استصناع کا تعلق بھی محدود اشیاء میں منحصر تھا، اب نوعیت بدل گئی ہے خوب سے خوب تر کی تلاش میں نئے نئے ماہرین اور کاریگروں بلکہ بازیگروں سے نئی نئی مصنوعات کی بازی لگ رہی ہے اور ہر چیز کا نیا ماڈل تیار کرنے میں دوڑ لگی ہوئی ہے، ہر لائن میں ماہرین کی تلاش ہے اور ماہرین بھی اپنے فن کا مظاہرہ کر کے نت نئی چیزوں کی دعوت دے رہے ہیں۔ اس صورت حال میں مصنوعات کا دائرہ بہت وسعت اختیار کر گیا ہے بلکہ غیر منقولہ (تعمیرات) میں اس کا چلن عام ہو گیا ہے، شرعاً اس میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے جس طرح منقول اشیاء میں جنس نوع وغیرہ کے ذریعہ تحدید و تعریف ہو جاتی ہے، ایسی ہی بلڈنگ وغیرہ میں نقشہ، ڈیزائن اور میٹیریل کی تحدید و تقیید آسان ہے بلکہ معمول بہا ہے، اس لئے اس کے جواز میں شبہ نہیں۔

شیخ الدکتور وہبہ الزحیلی لکھتے ہیں:

"ثم انتشر الاستصناع انتشاراً و اتساعاً في العصر الحديث فلم يعد مقصوراً على صناعة الأحذية و الجلود و النجارة و المعادن و الأثاث المنزلي من مفروشات و غيرها من الخزائن و المقاعد و المساند و الصناديق و إنما شمل صناعات متطورة و مهمة جداً في الحياة المعاصرة كالطائرات و السفن و السيارات و القطارات و غيرها، و إنما يشمل أيضاً إقامة المباني و توفير المساكن المرغوبة و قد ساعد كل ذلك في التغلب على أزمة المساكن و من أبرز الأمثلة و التطبيقات لعقد الاستصناع بيع الدور و المنازل و البيوت السكنية على الخريطة ضمن أوصاف محددة، فإن بيع هذه الأشياء في الواقع القائم لا يمكن تسويغه إلا على أساس الوعد الملزم بالبيع أو على عقد الاستصناع و يعد العقد صحيحاً إذ صدرت رخصة البناء و وضعت الخريطة و ذكرت في شروط العقد مواصفات البناء بحيث لا تبقى جهالة مفضية إلى النزاع و الخلاف و قد أصبح من السهل ضبط الأوصاف و معرفة المقادير، و بيان نوع البناء سواء بيع البناء على الهيكل، أم عكساً كامل الكسوة مع الاتفاق على شروط الكسوة و أوصافها من النوع الجيد أو الوسط أو العادي، و يصعب تصحيح هذا العقد على أساس عقد السلم، لأن الثمن يشترط دفعه كله عند العقد" (الفقہ الاسلامی ۵/ ۳۶۵۸)۔

(پھر عصر حاضر میں استصناع میں وسعت آئی اور اب اسے صرف جوتے، کھال بانی، گھریلو سامان سازی تک محدود نہیں رہ گیا ہے بلکہ استصناع نے جدید صنعتوں کا بھی احاطہ کر لیا ہے جو عصر حاضر میں زبردست اہمیت کی حامل ہیں، جیسے ہوائی جہازوں کی صنعت، گاڑیوں، اور ریلوے کی صنعت اور دیگر صنعتی تحریک دستکاری وغیرہ۔ بلکہ استصناع عمارات اور رہائشی گھروں کو بھی شامل ہے اور رہائشی عمارتوں کا نمبر ہے، استصناع کی واضح مثال گھروں، عمارتوں اور رہائشی فلیٹس کی خرید و فروخت ہے جو مقررہ اوصاف کے حامل نقشہ پر ہوتی ہے، فی الواقع ان اشیاء کی خرید و فروخت محض وعدہ کی بنیاد پر نہیں جو نتیجۃً بیع کو لازمی ہوتا ہے۔ چنانچہ عقد کو صحیح شمار کیا جاتا ہے جب عقد کی تمام شرائط بیان کر دی جائیں اور عمارت کا نقشہ پیش کر دیا جائے، تا کہ جھگڑے تک پہنچانے والی جہالت باقی نہ رہے اور بلا شبہ اوصاف کو ضبط میں لانا آسان ہو چکا ہے، سائز اور حیثیت کا پتہ لگانا عمارت کی نوع اور قسم کو متعین کرنا بھی آسان ہے، برابر ہے عمارت کی خرید و فروخت نقشہ پر ہو یا جگہ پر لیکن شرائط اور اوصاف، نوع کے درجات پر اتفاق ہو کہ اعلیٰ قسم ہے یا متوسط یا چالو قسم کا ہوگا۔ عقد استصناع کو عقد سلم کی اساس پر صحیح قرار دینا دشوار ہے چونکہ عقد کے وقت پورے ثمن کو سپرد کرنا مشروط ہوتا ہے)۔

۵ — استصناع بطور استثمار (استصناع متوازی) :

جدید صنعت وتجارت میں استصناع کے دائرہ میں جہاں وسعت ہوئی ہے وہیں اس کے طریقہ کار میں بھی تنوع ہوا ہے، چنانچہ ماضی قریب میں متوازی سلم اور متوازی استصناع کا طریقہ متعارف ہوا ہے جس میں ایک شخص یا ادارہ دو افراد یا دو اداروں سے استصناع کا معاملہ کرتا ہے، ایک معاملہ میں وہ بائع (صانع) بنتا ہے جبکہ دوسرے معاملہ میں مشتری (مستصنع) ہوتا ہے، اس طرح تمویل کار فرد یا ادارہ درمیانی فریق کی حیثیت رکھتا ہے، آرڈر حاصل کرتا بھی ہے اور آرڈر دیتا بھی ہے جس سے آرڈر لیتا ہے اس سے زائد رقم وصول کرتا ہے اور جس کو آرڈر دیتا ہے اس سے رقم کچھ کم طے کرتا ہے، اس طرح باقی درمیانی رقم اس کا نفع ہوتی ہے اور یہی انتفاع اس کا مقصد ہے جو فریقین کے لئے محنت کر کے وہ حاصل کرتا ہے۔

متوازی استصناع درحقیقت دو عقد استصناع کا اجتماع ہے، اس لئے اس کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط لگانا ضروری ہے کہ ہر عقد دوسرے سے الگ اور مستقل ہو، ایک عقد کے حقوق اور ذمہ داریاں دوسرے عقد پر موقوف یا منسلک کر کے معاملہ نہ کیا جائے مثلاً درمیانی فریق (مالیاتی ادارہ) اول شخص سے اگر اس طرح معاملہ کرے کہ فریق ثالث نے آرڈر کی تکمیل کر دی تو یہ آپ کے حوالہ ہوگا ورنہ نہیں تو اس طرح معاملہ طے کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس طرح شرط لگانے سے غرر بھی پیدا ہوگا کہ ایک معاملہ کی تکمیل دوسرے معاملہ پر موقوف ٹھہری اور اس کے نہ ہونے سے پہلا معاملہ بھی معلق رہا نیز یہ صفقة فی صفقة کی خرابی کو بھی مستلزم ہوگا۔ اس لئے متوازی استصناع میں درمیانی فریق کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ ہر حال میں آرڈر کی تکمیل کرے خواہ فریق ثالث کے ذریعہ یا کسی اور صانع کے ذریعہ (ملاحظہ ہو: اسلامی بینکاری اور غرر مولانا اعجاز احمد آئی پی)۔

اس شرط بالا کا لحاظ کرتے ہوئے استصناع کو بطور استثمار استعمال کیا جا سکتا ہے، مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم نے واضح طور پر لکھا ہے :

"استصناع کو مخصوص معاہدوں میں تمویل کی سہولت فراہم کرنے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے، خاص طور پر ہاؤس بلڈنگ فائنانس کے شعبہ میں" (آگے لکھتے ہیں) (استصناع میں) یہ بھی ضروری نہیں کہ تمویل کار گھر کو خود تعمیر کرے، بلکہ وہ کسی تیسرے فریق کے ساتھ متوازی استصناع کے معاہدے میں بھی داخل ہو سکتا ہے یا وہ کسی ٹھیکہ دار کی خدمات بھی حاصل کر سکتا ہے (جو کلائنٹ کے علاوہ ہو)، دونوں صورتوں میں وہ لاگت کا حساب لگا کر استصناع کی قیمت کا تعین اس انداز سے کر سکتا ہے کہ اس سے اس لاگت پر معقول منافع حاصل ہو جائے۔ اس صورت میں کلائنٹ کی طرف سے قسطوں کی ادائیگی عین اس وقت سے بھی شروع ہو سکتی ہے جب فریقین نے معاہدے پر دستخط کئے ہیں اور تعمیر کے دوران اور مکان کلائنٹ کے حوالہ کئے جانے کے بعد بھی جاری رہ سکتی ہیں۔ قسطوں کی ادائیگی تک تمویل کار کے پاس بطور توثیق کے رکھا جا سکتا ہے۔ تمویل کار کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ معاہدے میں طے شدہ بیانات کے بالکل مطابق مکان تعمیر کرے، کسی بھی فریق کی صورت میں ہر ایسا خرچہ جو اسے معاہدے کی شرائط کے مطابق بنانے کے لئے ضروری ہو۔ تمویل کار کو برداشت کرنا پڑے گا" (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵، ۱۵۶ — ۱۵۷)۔

۶ — خریدار مطلوبہ مال نہ لے تو بیعانہ کا حکم :

عقد استصناع میں آرڈر کے مطابق مال تیار ہونے کے باوجود امام ابوحنیفہ کے نزدیک خریدار آرڈر دینے والے کو خیار رؤیت

حاصل ہونے کے سبب سودا منسوخ کرنے کا اختیار رہوتا ہے، لہذا امام ابوحنیفہ کی رائے پر تو بیعانہ ضبط کرنے کی کوئی صورت نہیں بنتی، البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک فراہم کردہ شیئ مطلوبہ معیار کے مطابق تیار ہونے پر خریدار اس کے قبول کرنے کا پابند ہے وہ خیار رؤیت کے استعمال کا حق نہیں رکھتا کہ اس کی بنا پر سودا رد کردے، جیسا کہ اوپر مولانا تقی عثمانی وغیرہ کے حوالہ سے یہ بات آچکی ہے کہ امام ابو یوسف کا قول حنفی قانون میں قبول کیا جاچکا ہے، اس لئے کہ جدید صنعت وتجارت میں یہ بڑی نقصان کی بات ہوگی کہ تیار کنندہ نے اپنے تمام وسائل مطلوبہ چیز کی تیاری پر لگادیئے، اس کے بعد خریدار کوئی وجہ بتائے بغیر سودا منسوخ کردے اگرچہ فراہم کردہ چیز مطلوبہ اوصاف کے مکمل طور پر مطابق ہو (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/ ۱۵۵)۔

بہرحال خریدار اب اس کے لینے کا پابند ہے اگر نہیں لیتا تو اب بائع نے جو بیعانہ پیشگی لیا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ اس سلسلہ میں عام اصول تو یہی ہے کہ بیعانہ کی رقم ضبط کرنا جائز نہیں، البتہ تکمیل معاہدہ پر مجبور کیا جاسکتا ہے جیسا کہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ ایک دوسرے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''اصل یہ ہے کہ صورت مندرجہ سوال میں بیع کا معاملہ شرعاً بھی مکمل ہو چکا ہے، اب مشتری کو بدون رضا بائع کی واپسی کا کوئی اختیار نہیں ہے بلکہ اس کو زر ثمن ادا کرنے اور مبیع پر قبضہ کرنے کے لئے مجبور کیا جاسکتا ہے، شرعی ضابطہ تو یہی ہے اور جہاں تک معلوم ہے موجودہ حکومت کا قانون بھی یہی ہے کہ تکمیل معاہدہ کا دعوی اس پر ہوسکتا ہے، اس لئے بائع کو حق حاصل ہے کہ دعوی کر کے اس کو تکمیل معاہدہ پر مجبور کرے، اس صورت میں زر بیعانہ کی واپسی اور اس سے بائع کے ضرر کا سوال ہی نہیں رہتا اور اگر کسی وجہ سے بائع دعوی نہیں کرتا تو زر بیعانہ کی واپسی لازم ہے اور اس سے جو ضرر بائع کو لازم آتا ہے اس کا وہ خود ذمہ دار ہے کہ دعوی کیوں نہیں کرتا، زر بیعانہ کی واپسی کا لازم وضروری ہونے کی دلیل یہ ہے کہ شریعت میں تعزیر مالی جائز نہیں، ردالمحتار باب التعزیر میں جمہور کا اس پر اتفاق منقول ہے'' (فتاوی دارالعلوم، امداد المفتین ۲/ ۷۰۰)۔

لیکن حکیم الامت حضرت تھانویؒ استصناع کے ایک مسئلہ کے تحت بیعانہ ضبط کرنے کے استفسار کے جواب میں فرماتے ہیں:

''یہ معاملہ وعدہ نہیں بیع ہے، تو بنوانے والا لینے سے انکار نہیں کرسکتا اور انکار کی صورت میں صانع زر ثمن رکھ سکتا ہے'' (امداد الفتاوی ۳/ ۱۴۱ کتاب البیوع)۔

بیعانہ لیتے دیتے وقت پیشگی یہ بات طے کرلی جائے کہ مطلوبہ شیئ معیار کے مطابق ہونے کے باوجود اگر مال رد کیا گیا تو بیعانہ سوخت ہوجائے گا، اس شرط کے لگانے یا معہود ومعروف ہونے کے بعد ہی بیعانہ ضبط کرنے کی گنجائش ہوگی۔

''فهو أي التغريم جائز أيضاً وداخل تحت مفهوم ما يسمى قانونا بالشرط الجزائي، وقد أقره القاضي شريح وأيده قرار هيئة الكبار العلماء في السعوديه ۱۳۹۴ھ قال شريح : من شرط على نفسه طائعاً غير مكره فهو عليه'' (الفقه الاسلامی ۴/ ۴۵۸)۔

(جرمانہ جائز ہے اور اس مفہوم کے تحت داخل ہے جس کو شرط جزائی (تعزیری شرط) سے تعبیر کیا جاتا ہے، اسے قاضی شریح نے مقرر کیا تھا اور سعودی عرب میں کبار علماء کے بورڈ نے بھی ۱۳۹۴ھ میں اس کی تائید کی ہے۔ قاضی شریح نے فرمایا: جس شخص نے خوش دلی

سے اپنے اوپر کوئی شرط لگائی اور اس پر جبر نہیں ہوا تو وہ شرط اس پر لازم ہے)۔

۷- صانع کو میٹریل فراہم کرنے پر عقد استصناع کا حکم:

عقد استصناع میں اصلاً شیئ مطلوبہ کی تیاری میں لگنے والا سارا مال مصالحہ وغیرہ صانع کا ہوتا ہے، اگر میٹریل کاریگر کا نہ ہو بلکہ خود خریدار فراہم کرکے دے تو یہ استصناع کے بجائے عقد اجارہ بن جائے گا، جیسا کہ موسوعہ فقہیہ میں ہے:

"والاستصناع یستلزم شیئین هما العین والعمل، وکلاهما یطلب من الصانع" (موسوعہ فقہیہ ۳/۳۲۸) (استصناع میں صانع سے دو باتیں مطلوب ہوتی ہیں: ایک عین (مبیع) اور دوسرے اس میں صانع کی کاریگری)۔

"وتکون العین أو مادة الصنعة والعمل من الصانع، فإذا کانت العین من المستصنع لا من الصانع، فإن العقد یکون إجارة لا استصناعاً" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۳۶۴۲) (میٹریل (خام مال) اور کام (کاریگری) صنعت کار کی طرف سے ہوتا ہے، اگر میٹریل آرڈر دہندہ (خریدار) کی طرف سے ہو تو یہ استصناع نہیں رہے گا بلکہ اجارہ بن جائے گا)۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت فیوضہم لکھتے ہیں:

یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ استصناع میں تیار کنندہ خود اپنے خام مال سے چیز تیار کرنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے، لہذا یہ معاہدہ اس بات کو بھی شامل ہوتا ہے کہ اگر خام مواد تیار کنندہ کے پاس موجود نہیں تو وہ اسے مہیا کرے اور اس بات کو بھی کہ مطلوبہ چیز کی تیاری کے لئے کام کرے، اگر خام مواد گاہک کی طرف سے مہیا کیا گیا ہے اور تیار کنندہ سے صرف اس کی محنت اور مہارت مطلوب ہے تو یہ معاہدہ استصناع نہیں ہوگا، اس صورت میں یہ اجارے کا عقد ہوگا، جس کے ذریعہ کسی شخص کی خدمات ایک متعین معاوضے کے بدلے میں حاصل کی جاتی ہیں (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/۱۵۵)۔

استصناع میں ایسی بھی صورت پیش آتی ہے کہ کچھ مال کاریگر لگاتا ہے اور کچھ سامان خریدار فراہم کرتا ہے، اس کا حکم لگنے والے مال کی نوعیت اور مقدار کے مطابق ہوگا، اگر خریدار کا مال زائد ہے یا اصل ہے تو وہ اجارہ بنے گا اور کاریگر کا مال زائد ہے یا وہی اصل مال ہے تو استصناع ہی رہے گا، جیسا کہ بحر العلوم مولانا فتح محمد لکھنوی نے لکھا ہے:

"مگر جب کہ کچھ مال صانع کا ہو اور کچھ آمر کا تو قلیل تابع کثیر ہوگا (فی حاشیہ: اس لئے کہ اکثر حکم کل میں ہے، ضرورت استصناع کبھی کبھی چاہتی ہے کہ بعض چیزیں آمر کی ہوں تاکہ وضع مرغوب وطرز جدید حاصل ہو سکے اور اقتضاء ذاتی مخالف شرط صحت نہیں ہو سکتا جبکہ اجیر کو بعض چیزیں اپنی لگانا جائز ہیں جیسے رنگ، تاگہ تو آمر کو کیوں جائز نہ ہوں گی) یعنی اگر آمر کا مال زائد ہے تو اجارہ ہے اور صانع کا زائد تو استصناع" (تکمیل الاصول فی تحقیق احکام اصول (مطبوعہ) ۱/۱۱۲)۔

اب اسی اصول کی روشنی میں اجارہ اور استصناع کے احکام متفرع ہوں گے، چنانچہ اگر آرڈر کے مطابق چیز نہ ہوئی اور میٹریل اکثر خریدار کا تھا تو یہ اجارہ فاسد ہوا جس میں صانع دوبارہ تیار کرے یا متعین اجرت کے بجائے اجرت مثل لے کر سامان مستصنع کے حوالہ کرے، اب رہا خریدار کے نقصان کا مسئلہ تو بظاہر یہ نقصان بمعنی عدم انتفع ہوا ہے نہ کہ ضرر شرعی، اس لئے اس کا کوئی معاوضہ بظاہر صانع سے نہیں لیا جاسکتا، البتہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ جان بوجھ کر سامان خراب تیار کر کے قیمت کم کر دی ہے، غلط کاریگروں کے ہاتھ میں مثلاً دیدیا تھا تو ایسی

تعدی کا جرمانہ لیا جا سکتا ہے۔

اسی مسئلہ میں اگر میٹریل سب یا اکثر صانع کا لگا ہوتا تو یہ استصناع ہی رہتا اور آرڈر کے مطابق چیز نہ ہونے پر خریدار کو رد کا حق باقی رہتا ہے، فقط۔

۸- استصناع میں وقت مقررہ پر مبیع حوالہ نہ کرنے کا جرمانہ :

استصناع میں مدت مقرر کرنے کی تفصیل گذر چکی ہے۔

لیکن اب معاملہ جدید صنعت وتجارت میں مدت پر تعمیل نہ کرنے پر تاوان کی صورت میں درپیش ہے، چونکہ آرڈر کو بروقت مہیا کرنے کی اب بڑی اہمیت ہے جیسا کہ سوال میں ہے کہ بعض اوقات خریدار اسی مقررہ تاریخ کے لحاظ سے اپنے گاہک سے معاملہ طے کرتا ہے۔ اگر بائع مقررہ وقت پر مبیع تیار کرکے حوالہ نہ کرے اور اسے بروقت مارکٹ سے وہی شیئ حاصل کرکے اپنے گاہک کو دینی پڑے، تو اس کو مارکٹ سے گراں قیمت پر یہ شیئ خریدکرنی پڑتی ہے اور دوہرا نقصان اٹھانا پڑتا ہے، ایک تو اس نے وہ سامان زیادہ قیمت پر خریدکیا، دوسرے جب خود اس کا آرڈر موصول ہوگا تو اب اس شیئ کو فروخت کرنا دشوار ہوجائے گا اور نیا خریدار تلاش کرنا ہوگا۔

متقدمین فقہاء کے یہاں استصناع کے بیان میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا، لیکن آج کل استصناع کے بعض معاہدوں میں اس قسم کی شق کو شامل کرنے کا رواج ہوگیا ہے کہ اگر تیار کنندہ نے فلاں تاریخ تک مطلوبہ چیز تیار کرکے نہ دی تو فی یوم اتنی متعین قیمت کم ہوتی جائے گی، استصناع کے اندر ایسی شق کو شامل کرنے کی اجازت موجودہ دور کے فقہاء نے دی ہے، خصوصاً جدید اور بڑے منصوبوں میں جہاں مقررہ تاریخ سے تھوڑی سی تاخیر سے بہت بڑے مالی خسارہ اور پریشانی کا باعث بن سکتی ہے۔

علامہ وہبہ زحیلی نے لکھا ہے :

”وأما في مجال المقاولات التي يتم فيها عادة الاتفاق على مدة التسليم والإلزام بغرامات معينة عند التاخير فهو أي التغريم جائز أيضا وداخل تحت مفهوم ما يسمى قانونا بالشرط الجزائي، وقد أقره القاضي شريح وأيده قرار هيئة كبار العلماء في السعودية لسنة ۱۳۹۴ھ، قال شريح : من شرط على نفسه طائعاً غير مكره فهو عليه“ (اعلام الموقعین، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۳۶۵۸)۔

(بہرحال ٹھیکیداری نظام میں سپردگی کی ایک تاریخ پر اتفاق کرلیا جاتا ہے، اور سپردگی میں اگر تاخیر ہو تو جرمانہ عائد کردیا جاتا ہے، یہ جرمانہ لگانا جائز ہے اور اس مفہوم میں داخل ہے جس کو شرط جزائی (یعنی تعزیری شرط) سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ قاضی شریح نے مقرر فرمایا تھا اور سعودی عرب کی کبار علماء کے بورڈ نے بھی ۱۳۹۴ھ میں اس کی تائید کی ہے۔ قاضی شریح نے فرمایا : جس شخص نے خوش دلی سے اپنے اوپر کوئی شرط لگائی اور اس میں اسے مجبور نہیں کیا گیا تو وہ شرط اس پر لازم ہے)۔

خلاصہ یہ کہ آرڈر کی تاخیر پر تاوان اور جرمانہ علی الاطلاق تو جائز نہیں، البتہ ابتداء سے فریقین فراہمی کے وقت کے ساتھ قیمت میں کمی بیشی کا معاملہ طے کرلیں تو عقد اجارہ کی طرح یہاں بھی گنجائش ہوگی، فقط۔

عقد استصناع کی کچھ جدید شکلیں

شاہ اکرام الحق ربانی ندوی ☆

عقد استصناع (Manufacturing) کوئی نوزائیدہ عقد نہیں ہے، بلکہ اس کی شروعات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہوئی، چونکہ فطری طور پر لوگوں کو اس کی ضرورت تھی اور ضرورت ایجاد کی ماں ہے، لہذا انسانی ضرورت کی تکمیل کے لئے اس کا وجود ہوا، یہ الگ بات ہے کہ پہلے اس کا دائرہ محدود اور معمولی چیزوں کے لئے تھا، اسی لئے فقہاء کرام برتن، چرمی موزہ اور ٹوپی وغیرہ سے مثالیں پیش کرتے ہیں۔ (دیکھئے بدائع ۴/۳۹، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۴۱۹ھ)۔

لیکن موجودہ دور میں اس کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا ہے اور نوبت کوہ پیکر عمارتوں، ہوائی جہازوں تک پہنچ چکی ہے، یعنی جوں جوں زمانہ کی رفتار تیز ہوئی، عرف و عادت بدلے اور نئے نئے مسائل بھی پیش آئے۔

قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ "عقد استصناع" جائز نہ ہو، کیونکہ اس میں ایک معدوم شیئ کی بیع ہوتی ہے اور شیئ معدوم کی بیع درست نہیں، اس لئے کہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ: أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یستوفیه (بخاری، کتاب البیوع، باب بیع الطعام قبل أن یقبض وبیع ما لیس عندک، رقم: ۲۱۳۶) (حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کوئی غلہ خریدا تو اسے فروخت نہ کرے حتی کہ اس پر قبضہ کر لے)۔

لیکن یہ استحساناً درست ہے، اس لئے کہ ہر زمانہ اور ہر دور میں بلا کسی نکیر کے لوگوں کا اس پر تعامل رہا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "إن الله لا یجمع أمتی أو قال أمة محمد صلی اللہ علیہ وسلم علی ضلالة" (ترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء فی لزوم الجماعة، رقم: ۲۱۶۷) (اللہ تبارک وتعالی میری امت کو یا یہ فرمایا: امت محمدیہ کو گمراہی پر کبھی جمع نہیں کرے گا)۔

اور قاعدہ یہ ہے کہ اجماع کی بنیاد پر قیاس کو ترک کر دیا جاتا ہے، علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

"فالحاصل أن ترک القیاس یکون بالنص تارة، وبالإجماع أخری، وبالضرورة أخری" (اصول السرخسی ۲/۲۰۲)۔

(حاصل کلام یہ ہے کہ ترک قیاس کبھی نصوص کی بنیاد پر اور کبھی اجماع اور کبھی ضرورت کی بنیاد پر ہوتا ہے)۔

امام غزالی نے تو ایک قدم آگے بڑھ کر فرمایا ہے

"فإن وجد فی المسألة إجماعا ترک النظر فی الکتاب والسنة" (المستصفی مع مسلم الثبوت ۲/۲۹۲) (جب کسی مسئلہ پر اجماع

☆ جامعہ ام المومنین ام سلمہ، فردوس نگر، دربھنگہ، بہار۔

موجود ہوتو پھر کتاب وسنت میں بھی غور وفکر کرنے کی ضرورت نہیں)۔

اس سلسلہ میں آپ ﷺ کے عمل سے روشنی ملتی ہے کہ آپ ﷺ نے خود اس کام کو کیا ہے، بخاری میں ہے :

''عن نافع أن عبد الله حدثه أن النبي ﷺ اصطنع خاتماً من ذهب، وجعل فصه في بطن كفه إذا لبسه، فاصطنع الناس خواتيم من ذهب، فرقي المنبر فحمد الله وأثنى عليه، فقال : إني كنت اصطنعته وإني لا ألبسه، فنبذه فنبذ الناس'' (بخاری کتاب اللباس، باب من جعل فص الخاتم فی بطن کفہ، رقم ۵۸۷۶)۔

(حضرت نافع سے روایت ہے کہ عبد اللہ نے ان سے بیان فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک سونے کی انگوٹھی بنوائی اور پہنتے وقت اس کے نگینہ کو ہتھیلی کی طرف رکھا، چنانچہ لوگوں نے بھی سونے کی انگوٹھی بنوائی تو آپ ﷺ منبر پر چڑھے اور اللہ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ میں نے اسے بنوائی تھی، میں اسے نہیں پہنوں گا، پھر اسے پھینک دیا تو لوگوں نے بھی پھینک دیا)۔

یہ انسانی ضرورتوں کو پورا کرنے کا ایک ذریعہ ہے، اسی لئے ان ضروریات کے پیش نظر اسے استحساناً درست تسلیم کیا گیا ہے، تاکہ انسانی زندگی حرج اور تنگی میں مبتلا نہ ہو۔

۱- موجودہ دور میں کس طرح کی اشیاء میں عقد استصناع جاری ہوسکتا ہے اور اس سلسلہ میں اصول کیا ہیں؟

لوگوں میں جن چیزوں میں تعامل ہو، ان میں استصناع درست ہے، علامہ کاسانی فرماتے ہیں :

''أن يكون مما يجري فيه التعامل بين الناس من أواني الحديد والرصاص والنحاس والزجاج والخفاف والنعال ولجم الحديد للدواب ونصول السيوف والسكاكين والقسي والنبل والسلاح كله والطشت والقمقمة ونحو ذلك'' (بدائع ۵؍۹۰) (جن چیزوں میں لوگوں کے درمیان تعامل ہو، جیسے لوہے کے برتن، سیسے، پیتل، اور شیشے کے برتن، موزے، نعل، لوہے کی لگام، تلوار، چھری، تیر وتفنگ کی انیاں، طشت اور قمقمے وغیرہ)۔

لیکن یہ عرف وعادات اور رواج کے اعتبار سے مختلف ہوسکتے ہیں، جیسا کہ شیخ ابوزید لکھتے ہیں :

''وذلك يختلف بحسب الأعراف السائدة في كل مكان وزمان، فلا يقاس مكان على مكان ولا زمان على زمان'' (بحث عقد الاستصناع ۱؍۲۳) (اور یہ عرف وعادت کے مطابق ہر زمان ومکان میں مختلف ہوسکتا ہے، لہٰذا کسی مکان کو دوسرے مکان پر یا کسی زمانہ کو دوسرے زمانہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں)۔

اس کے لئے چند اصول ہیں : جو حسب ذیل ہیں :

☆ آرڈر کردہ شیئ حلال ہو اور حلال شیئ سے تیار کیا جاتا ہو۔

☆ لوگوں کے مابین اس کے آرڈر کا عرف اور رواج ہو جیسے آج کل نقشہ کے مطابق قالین، عمارت وغیرہ۔

☆ آرڈر کردہ شیئ کے اوصاف ومقدار معلوم ہوں اور متعین ہوں، تاکہ حوالگی کے وقت باعث نزاع نہ ہو۔

''أما شرائط جوازه : فمنها بيان جنس المصنوع ونوعه وقدره وصفته لأنه لا يصير معلوما بدونه'' (بدائع ۵؍۹۰)۔

☆ قیمت کی جنس (روپیہ، ریال، پونڈ، ڈالر) اور عدد (ہزار، لاکھ، کروڑ) معلوم ہو۔

☆ اگر حوالگی کے مکان کی صراحت ضروری ہو تو اس کی وضاحت ضروری ہے۔

۲۔ استصناع خود بیع ہے یا وعدۂ بیع؟

یوں تو عقد استصناع کے بیع یا وعدہ بیع ہونے کے سلسلہ میں فقہاء کرام سے دونوں طرح کے اقوال منقول ہیں، یعنی اگر استصناع کو عقد مان لیا جائے تو یہ بالاتفاق لازم ہوگا اور خلاف ورزی کی صورت میں ضمان بھی لازم ہوگا اور دونوں میں سے کسی کے لئے فسخ عقد کی گنجائش باقی نہیں رہے گی، لیکن اگر اسے وعدہ مانا جائے تو دونوں پر اس کا پورا کرنا دیانۃً لازم ہوگا (قضاء لازم نہیں ہوگا) اور خلاف ورزی کی صورت میں گنہ گار ہوگا، شیخ کاسب بدران لکھتے ہیں:

"إن كان الاستصناع عقداً، فإنه يكون لازماً عند الاتفاق فلا يحق لأحدهما فسخه - على الصحيح - أما إن كان وعداً فإنه يلزمهما الإتمام ديانةً ويأثم بعدم الإمضاء ولا ضمان على كل واحد منهما" (عقد الاستصناع ۹۷)۔

تو کیا محض اخروی وعید پر اکتفا کرنا کافی ہوگا؟ کیونکہ بعض دفعہ ایک فریق کو شدید نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ذیل میں دونوں فریق کے اقوال مع دلائل نقل کئے جاتے ہیں:

۳۔ معدوم شئی کی بیع:

عقد استصناع میں مستصنع (آرڈر دہندہ) جو سامان خریدتا ہے، وہ دراصل عقد کے وقت معدوم ہوتا ہے تو گویا وہ شئی معدوم کو خرید کر رہا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، عقد کے وقت سامان، گو موجود نہیں ہوتا، مگر کبھی معدوم کو بھی حکماً موجود مان لیا جاتا ہے، جیسے مستحاضہ عورت اور سلسل البول کے مریض کے لئے نجاست کے باوجود طہارت کو موجود تسلیم کرلیا گیا ہے، علامہ مرغینانی م ۵۹۵ھ فرماتے ہیں:

"والمستحاضة ومن به سلسل البول والرعاف الدائم والجرح الذي لا يرقأ يتوضأون لوقت كل صلاة، فيصلون بذلك الوضوء في الوقت ما شاؤوا من الفرائض والنوافل" (الہدایہ ۱/۶۷)۔

تو جس طرح بعض اعذار کی بنیاد پر معدوم طہارت کو موجود مان لیا گیا ہے، تاکہ لوگ مشکلات میں گرفتار نہ ہوں، ٹھیک اسی طرح سے استصناع میں بھی لوگوں کے تعامل کی وجہ سے معدوم شئی کو موجود تسلیم کرلیا گیا ہے، لہذا مبیع کے وجود میں آنے سے قبل ہی مستصنع اگر کسی سے فروخت کردے، پھر وہ کسی دوسرے شخص سے فروخت کردے تو یہ درست ہے اور سلسلہ وار بیع کی تمام صورتیں بیع معدوم سے مستثنی ہوں گی: "لأن المعقود عليه وإن كان معدوماً حقيقة فقد ألحق بالموجود ليمكن القول بجواز العقد" (بدائع ۴/۹۵) (اس لئے کہ معقود علیہ، گو حقیقۃً معدوم ہے لیکن اسے موجود کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے، تاکہ عقد کے جواز کا حکم لگانا ممکن ہو)۔

"لأن المعقود عليه وهو المستصنع وإن كان معدوماً حقيقة لكنه جعل موجوداً شرعاً حتى جاز العقد استحساناً" (بدائع ۴/۴۴۵) (اس لئے کہ معقود علیہ (مصنوع) اگرچہ حقیقت میں معدوم ہے، لیکن شرعاً اسے موجود مانا گیا ہے، تاکہ وہ عقد استحساناً درست اور صحیح ہو)۔

۴۔ غیر منقولہ اشیاء میں استصناع:

گذشتہ صدیوں میں جن چیزوں میں "عقد استصناع" محال تھا اور جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، زمانہ کی برق رفتاری اور جدید

ٹکنالوجی نے انہیں ممکنات میں داخل کر دیا ہے، اس لئے پہلے اس کا دائرہ محدود تھا اور اب اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو چکا ہے، لہٰذا اموال منقولہ وغیر منقولہ دونوں میں استصناع درست ہے، ڈاکٹر مصطفی زرقا لکھتے ہیں:

''یمکن الیوم استصناع المبانی الجاهزة علی أرض مملوکة للصانع المقاول نفسه، کما یفعل الیوم تجار البناء إذ یشترون قطع الأراضی المناسبة، وینشئون علیها بیوتا للسکنی ویبیعونها جاهزة۔۔۔۔ ویسلمه إیاه جاهزا بالثمن الذی یتفقان علیه، فذلک استصناع واضح'' (عقد الاستصناع ومدی أهمیته فی الاستثمارات الإسلامیة المعاصرة، ص ۲۲)۔

(اس وقت صانع کی زمین پر تیار شدہ عمارتوں میں عقد استصناع درست ہے، جیسا کہ آج کل فلیٹس کے تجار کیا کرتے ہیں، کیونکہ وہ مناسب قطعۂ ارض (Plots) خریدتے ہیں اور اس پر رہنے کے لئے کمرے تیار کرتے ہیں اور تیار کر کے انہیں فروخت کر دیتے ہیں اور متفقہ قیمت پر اسے حوالہ کرتے ہیں تو یہ واضح طور پر استصناع ہی ہے)۔

۵- استصناع متوازی کا حکم:

اسلامی مالیاتی ادارے معیشت کی ترقی اور ان میں لگائی گئی رقوم کی بارآوری کے لئے بہت سارے طریقے اختیار کرتے ہیں، ان میں ایک ''استصناع موازی یا متوازی'' (Parallel Istisn'a) ہے، اس عقد میں وہ بیک وقت مشتری بھی ہوتا ہے اور بائع بھی (جب وہ دوسری کمپنی یا دوسرے شخص سے سامان تیار کرنے کا آرڈر دیتا ہے تو اس کی حیثیت مشتری کی ہوتی ہے اور جب آرڈر دینے والے سے فروخت کرتا ہے تو اس کی حیثیت بائع کی ہوتی ہے) بحیثیت بائع وہ مصنوعات کی قیمت زیادہ متعین کرتا ہے اور خریدار کی حیثیت سے کم، اور ان دونوں کے درمیان جو فرق ہوتا ہے بینک کا منافع ہوتا ہے، اس سے دونوں کا فائدہ وابستہ ہوتا ہے، ادارہ کا نفع بھی ہوتا ہے اور آرڈر دینے والے کا کام بھی بن جاتا ہے، کیونکہ بسا اوقات انسان کو ایک سامان کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے لئے موٹی رقم درکار ہوتی ہے جو اس کے پاس نہیں ہوتی، لہٰذا وہ بینک کا سہارا لیتا ہے اور بینک کے پیش نظر تو منافع ہوتا ہے، چنانچہ بینک جو سامان قیمت کی زیادتی کے ساتھ فروخت کرتا ہے، اس اضافہ میں کوئی قباحت نہیں، اس لئے کہ اس عقد میں وہ ''ثالثی'' کا کردار ادا کرتا ہے اور ثالثی (دلالی) کی اجرت درست ہے، علامہ جزیری فرماتے ہیں:

''ومن ذلک أجرة السمسار والدلال، فإن الأصل فیه عدم الجواز لکنهم أجازوا الناس إلیه کدخول الحمام علی أن الذی یجوز من ذلک إنما هو أجر المثل۔

فإذا اتفق شخص مع دلال أو مع سمسار علی أن یبیع له أرضاً بمائة جنیه علی أن یکون له قرشین فی کل جنیه مثلاً فإن ذلک لا ینفذ وإنما الذی ینفذ هو أن یأخذ ذلک الدلال لأجر مثله فی هذه الحالة'' (الفقه علی المذاهب الأربعة مبحث ما تجوز إجارته وما لا تجوز ۳/ ۵۹)۔

(ان ہی میں سے دلال کی اجرت ہے، اس میں اصل عدم جواز ہے لیکن علماء نے لوگوں کو اس کی اجازت دی ہے، جیسے حمام میں داخل ہونے کی اجرت درست ہے۔

جب کوئی شخص دلال سے متفق ہو جائے کہ وہ اس کی زمین فروخت کروائے گا اس شرط پر کہ اس کے لئے ہر گنی (پونڈ) کے بدلے

میں دوقرض ہوں گے تو یہ نافذ نہیں ہوگا، البتہ اس کے لئے اجرت مثل نافذ ہوگی)۔

۲— عقد استصناع میں بیعانہ ضبط کرنے کا حکم :

بسااوقات عقد استصناع میں صانع بطور بیعانہ کے کچھ رقم لیتا ہے، تاکہ آرڈر کردہ سامان تیار ہونے کے بعد اگر مستصنع اسے لینے سے مکر جائے تو وہ اس سے اپنے نقصان کی تلافی کرسکے تو بنیادی بات یہ ہے کہ اس سلسلہ میں علماء کرام سے دونوں طرح کے اقوال (جواز وعدم جواز) منقول ہیں، جمہور فقہاء (احناف ومالک اور شوافع عدم جواز کے قائل ہیں اور یہی روایت حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت حسن بصری کی بھی ہے (المجموع فی شرح المہذب، باب ما نہی عنہ من بیع الغرر وغیرہ ۹ ر ۳۳۵)۔

ان حضرات کے پیش نظر مندرجہ ذیل چیزیں ہیں :

☆ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے :

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده أنه قال نهی رسول اللہ ﷺ عن بیع العربان (ابوداؤد، کتاب البیوع، باب فی بیع العربان، رقم : ۳۵۰۲) (حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بیعانہ کی بیع سے منع فرمایا ہے)۔

☆ اس میں شرط فاسد اور غرر ہے اور ناحق طریقہ سے دوسرے کا مال کھانا ہے :

"فأبطله مالک والشافعي للحديث ولما فيه من الشرط الفاسد والغرر وأكل المال بالباطل " (المجموع، باب ما نہی عنہ من بیع الغرر وغیرہ ۹ ر ۳۳۵)۔

مذکورہ دلائل پر ایک نظر :

☆ جہاں تک مذکورہ حدیث کی بات ہے تو حافظ ابن حجر عسقلانی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے :

"وفیه راو لم یسم، وسمي في رواية لابن ماجة ضعيفة عبد الله بن عامر الأسلمي وقيل : هو ابن لهيعة وهما ضعيفان"

(التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر، باب البیوع المنہی عنہا ۳ ر ۲۰۴، ضعیف ابن ماجہ ۱ ر ۱۶۹)۔

(اس میں ایک راوی ہے جس کا نام نہیں لیا گیا ہے، ابن ماجہ کی ضعیف روایت میں عبد اللہ بن عامر اسلمی مذکور ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ ابن لہیعہ ہے اور وہ دونوں ضعیف ہیں)۔ لہذا یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہے۔

☆ اس میں نہ تو شرط فاسد ہے نہ غرر، نہ ہی ناحق طریقہ سے مال کھانا ہے، کیونکہ اگر مستصنع صانع کو بیع سے پہلے ایک درہم دیدے اور اس سے کہے کہ یہ سامان میرے علاوہ کسی دوسرے سے فروخت مت کرنا اور اگر میں نے نہیں خریدا تو یہ درہم تمہارا، پھر پہلے عقد کی بنیاد پر وہ سامان اس سے خرید کرلے اور پیشگی دئے ہوئے درہم کو بھی قیمت میں شامل کردے تو درست ہے :

"فأما إن دفع إليه قبل البيع درهما وقال : لا تبع هذه السلع لغيري وإن لم اشترها منک فهذا الدرهم لک، ثم اشتراها منه بعد ذلک بعقد مبتدئ وحسب الدرهم من الثمن صح لأن البيع خلا عند الشرط المفسد" (المغنی ۴ ر ۳۱۲)۔

ائمہ اربعہ میں سے اس کے جواز کے قائل صرف امام احمد بن حنبلؒ ہیں، ضرورت کے پیش نظر جمہور کے اقوال سے صرف نظر کرتے

ہوئے اس مسئلہ میں امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک کو اختیار کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اس دور میں کسی چیز کا آرڈر کثیر مقدار میں دیا جاتا ہے، اگر صانع مطلوبہ سامان تیار کردے اور مستصنع اسے لینے سے مکر جائے اور وعدہ خلافی کرے تو بائع (صانع) کے لئے اس کا فروخت کرنا بہت دشوار ہوگا، اس لئے کہ اس ڈیزائن اور اس معیار کی چیز کی ضرورت دوسرے لوگوں کو بھی ہو، یہ ضروری نہیں پھر اگر ضرورت ہو بھی تو یہ ضروری نہیں کہ اتنی مقدار میں ضرورت ہو، اس صورت میں صانع کی طاقت وقوت، وقت، ورمواد (Materials) سب ضائع ہوگا اور اسے ضرر لاحق ہوگا:

"إن الصانع قد أفسد متاعه و قطع جلده و جاء بالعمل على الصفة المشروطة، فلو كان للمستصنع الامتناع من أخذه لكان فيه إضرارا بالصانع" (بدائع ۴/ ۹۵–۹۶)۔

لہذا وقت کی ضرورت اور لوگوں کی رعایت کو مدنظر رکھتے ہوئے امام احمد بن حنبلؒ کا قول اختیار کیا جانا چاہئے، ورنہ تو کمپنی اور صاحب کمپنی کا جنازہ ہی نکل جائے گا۔

حنابلہ کے یہاں اسی مسلک کو ترجیح حاصل ہے:

"الصحيح من المذهب أن هذه صفة بيع العربون ذكره الأصحاب و سواء وقت أو لم يوقت جزم به في المغني والشرح والمستوعب وغيرهم" (الانصاف باب الشروط فی البیع ۴/ ۲۵۸)۔

(صحیح مذہب یہ ہے کہ یہ بیع عربون کی قسم ہے جس کا تذکرہ دوسرے لوگوں نے کیا ہے، چاہے وقت کی تحدید کی ہو یا نہ کی ہو، مغنی شرح اور مستوعب اور دوسرے لوگوں نے بھی اس کو قطعیت کے ساتھ بیان کیا ہے)۔

اسی کے قائل محمد بن سیرین، سعید بن المسیب ہیں اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے اس کی اجازت دی ہے (الشرح الکبیر ابن قدامہ ۴/ ۵۸)۔ خود حضرت عمرؓ سے اس فعل کا ثبوت ہے کہ نافع بن عبد الحارث نے مکہ میں آپ ﷺ کے لئے چار ہزار دینار میں صفوان بن امیہ سے ایک گھر خریدا اور کہا کہ اگر عمر نے اس کو قبول کرلیا تو ٹھیک ہے، ورنہ یہ چار سو دینار صفوان کے ہو جائیں گے: "عن نافع بن عبد الحارث أنه اشترى دارا بمكة من صفوان بن أمية بأربعة الاف، فإن رضي عمر فالبيع له وإن لم يرض فلصفوان أربع مائة" (المجموع، باب ما نہی عنہ من بیع الغرر وغیرہ ۹/ ۳۳۵)۔

احناف میں سے حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول بھی ہے کہ یہ عقد دونوں (صانع و مستصنع) کے ذمہ لازم ہوگا اور ان میں سے کسی کو اختیار نہیں ہوگا: "وروى عن أبي يوسف رحمه الله أنه لازم في حقهما حتى لا خيار لأحدهما لا للصانع و لا للمستصنع أيضا" (بدائع ۴/ ۴۴۴)۔

ملک العلماء علامہ کاسانی اس کی وجہ بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وجه رواية أبي يوسف: أن في إثبات الخيار للمستصنع إضرارا بالصانع لأنه قد أفسد متاعه و فرى جلده و أتى بالمستصنع على الصفة المشروطة فلو ثبت له الخيار لتضرر به الصانع فيلزم دفعا للضرر عنه" (بدائع ۴/ ۴۴۴)۔

(امام ابو یوسفؒ کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ مستصنع کے لئے خیار ثابت کرنے سے صانع کو ضرر لاحق ہوگا، اس لئے کہ اس نے سامان ضائع کیا، چمڑا کاٹا اور مطلوبہ اوصاف کے مطابق مال تیار کیا، اگر اس کو خیار حاصل ہوگا تو صانع کو شدید ضرر لاحق ہوگا، چنانچہ دفع ضرر

کے لئے یہ لازم ہے)۔

اور "مجمع الفقہ الاسلامی" کے آٹھویں سمینار منعقدہ برونائی دار السلام مورخہ ۱-۷ رمحرم ۱۴۱۴ھ مطابق ۲۱-۲۷ رجون ۱۹۹۳ء کو اس سلسلہ میں درج ذیل تجویزیں پاس ہوئیں :

☆ إن عقد الاستصناع هو عقد وارد على العمل والعين في الذمة ملزم للطرفين إذا توافرت فيه الأركان والشروط (عقد استصناع ایسا عقد ہے جس میں عمل اور سامان پر عقد ہوتا ہے اور یہ دونوں فریق پر لازم ہوتا ہے، بشرطیکہ اس کے ارکان اور شرائط صحیح ہوں)۔

☆ يجوز بيع العربون إذا قيدت فترة الانتظار بزمن محدود، ويحتسب العربون جزء أمن الثمن إذا تم الشراء، ويكون من حق البائع إذا عدل المشترى عن الشراء (بیعانہ کی بیع درست ہے، جبکہ وقت کی حد بندی کردی جائے اور اگر عقد پورا ہو جائے تو اس کا شمار ثمن میں ہوگا اور اگر مشتری خریدنے سے انحراف کرے تو وہ بائع کا حق تسلیم کیا جائے گا)۔

۷- اگر کسی چیز کا آرڈر دیا جائے اور مصنوع کے لئے موجودہ میٹریل خود فراہم کردے تو یہ "عقد" استصناع کے حکم میں ہوگا یا اجارہ کے؟ عقد استصناع میں اگر آرڈر کے مطابق چیز نہ پائی جائے تو خریدار کو رد کرنے کا اختیار رہتا ہے، کیا اس صورت میں بھی آرڈر دینے والے کو اس کا حق حاصل ہوگا؟ اور اگر آرڈر دینے والے کو اس کا قبول کرنا ضروری ہو تو مکمل طور پر آرڈر کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے جو نقصان ہوا ہے، کیا وہ صانع سے اس کا جرمانہ وصول کرسکتا ہے؟

اگر کسی شخص نے کوئی سامان بنانے کا آرڈر دیا اور اس کے لئے مطلوبہ مواد (Materials) بھی فراہم کردیا، مثلاً کسی نے بڑھئی کو کرسی بنانے کے لئے لکڑی فراہم کردی تو یہ "عقد اجارہ" ہے، اب اگر آرڈر کے مطابق کرسی نہیں بنی تو اسے رد کرنے کا اختیار نہیں، البتہ اگر مکمل طور پر آرڈر کے مطابق سامان نہ ہو تو وہ نقصان کا تاوان (جرمانہ) وصول کرسکتا ہے :

"فإن سلم إلى حداد حديداً ليعمل له إناء معلوماً بأجر معلوم أو جلداً إلى خفاف ليعمل له خفاً معلوماً بأجر معلوم فذلك جائز ولا خيار فيه، لأن هذا ليس باستصناع بل هو استئجار فكان جائزاً فإن عمل كما أمر استحق الأجر، وإن فسد فله أن يضمنه حديداً مثله لأنه لما أفسده فكأنه أخذ حديداً له واتخذ منه آنية من غير إذنه والإناء للصانع لأن المضمونات تملك بالضمانات، والله اعلم بالصواب" (بدائع ۵/ ۵۶)۔

۸- عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی تاریخ مقرر ہو جائے، مگر بائع اسے وقت پر فراہم نہ کرپائے تو کیا خریدار اس کا تاوان وصول کرسکتا ہے؟

عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کے لئے وقت مقرر کرنا ضروری ہے، کیونکہ اس میں وقت کی تعیین کا رواج رہا ہے اور اس کا مقصد کام میں جلد بازی ہوتا ہے :

"إن العادة جارية بضرب الأجل في الاستصناع، وإنما يقصد به تعجيل العمل لا تأخير المطالبة" (بدائع ۵/ ۹۴-۹۵)۔

یہ عملی زندگی اور لوگوں کی ضرورتوں کے موافق ہے، موسوعہ فقہیہ میں ہے :

"وهذا القول هو المتفق مع ظروف الحياة العملية، وحاجات الناس، فيكون هو الأولى بالأخذ به" (الموسوعة الفقهيه ۵/۳۰۹)۔

پھر جب تاریخ حوالگی مقرر ہوجائے اور بائع اسے وقت پر فراہم نہ کرسکے تو خریدار اس کا تاوان وصول کرسکتا ہے، کیونکہ خریدار اسی کے لحاظ سے اپنے مشتری حضرات سے معاملہ کرتا ہے، اگر بائع متعینہ وقت پر سامان نہ دے تو اسے لامحالہ بازار سے خرید کر اپنے خریداروں کو دینا پڑے گا، گویا اسے دوہرا نقصان اٹھانا پڑے گا، لہذا جرمانہ وصول کرنا درست ہے، اس سلسلہ میں فقہ حنفی کے ممتاز فقیہ علی بن خلیل طرابلسی نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح دی ہے اور ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے، جنہوں نے مالی سزا کو منسوخ مانا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"يجوز التعزير بأخذ المال وهو مذهب أبي يوسف، وبه قال مالك، ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة، فقد غلط على مذاهب الأئمة نقلاً واستدلالاً، وليس بسهل دعوى نسخها" (معین الحکام ۹۵)۔

(مالی تعزیر کا جواز امام ابو یوسفؒ کا مسلک ہے اور اسی کے قائل امام مالک بھی ہیں اور جن لوگوں نے مالی سزاؤں کے نسخ کا دعوی کیا ہے، ان لوگوں نے ائمہ مذاہب کی طرف روایۃً واستدلالاً غلط روایت منسوب کی ہے اور اس کے نسخ کا دعوی آسان نہیں ہے)۔

عصر حاضر کے معروف فقیہ مفتی تقی عثمانی مدظلہ امام حطاب کی "تحریر الکلام فی مسائل الالتزام" کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

"وأما إذا التزم أنه إن لم يوفه حقه في وقت كذا فعليه كذا لفلان أو صدقة للمساكين فهذا هو محل الخلاف المعقود له هذا الباب فالمشهور أنه لا يقضى به كما تقدم وقال ابن دينار يقضى به" (۱۷۶ طبیروت) (اگر وہ لازم کرلے کہ اس نے اس کا حق فلاں وقت میں ادا نہ کیا تو فلاں کے لئے اس پر اتنا ہے یا مساکین کے لئے صدقہ ہے تو یہ محل نزاع ہے، مشہور یہ ہے کہ وہ اسے پورا نہیں کرے گا اور ابن دینار کا قول ہے کہ وہ اسے پورا کرے گا)۔

آگے مزید لکھتے ہیں: "اس سے معلوم ہوا کہ یہ التزام دیانۃً بالاتفاق لازم ہوتا ہے اور قضاءً لازم ہونے میں اختلاف ہے، موجودہ ضرورت کی بنا پر ان حضرات کے قول پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں، جو قضاءً بھی اس کے لازم ہونے کے قائل ہیں" (اسلام اور جدید معیشت وتجارت ۱۴۵)۔

"مجمع الفقہ الاسلامی" کے ساتویں سمینار منعقدہ جدہ مورخہ ۷ — ۱۲ ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ مطابق ۹ — ۱۴ مئی ۱۹۹۲ء کو اس سے متعلق کئی تجاویز زیر غور آئیں، ان ہی میں ایک تجویز یہ تھی:

☆ يجوز أن يتضمن عقد الاستصناع شرطاً جزائياً بمقتضى ما اتفق عليه العاقدان ما لم تكن هناك ظروف قاهرة

(قرار رقم ۶۶/۳/۷)۔

یہ بات درست ہے کہ متعاقدین کے آپسی اتفاق کے ساتھ عقد استصناع میں مالی تاوان شامل ہو، جب تک کہ حالات دگرگوں نہ ہوں۔

عقد استصناع — حقیقت، ضرورت اور حکم

مفتی عبدالرزاق قاسمی امروہی☆

استصناع کی لغوی تعریف :

لسان العرب میں ہے : صنعه یصنعه صنعاً فهو مصنوع أی عمله، بنانا، تیار کرنا، اسی سے ہے : "صُنعَ الله الذی أتقن کل شیئ" موسوعہ فقہیہ میں ہے کہ "استصناع" لغۃً مصدر ہے، "استصنع الشیئ" کا، جس کے معنی ہیں : کوئی چیز کسی سے بنوانا، تیار کرانا، اور "اصطنع" بھی استعمال ہوتا ہے، اس کے معنی بھی تیار کرانا ہے، بولا جاتا ہے : "اصطنع فلاناً باباً" کہ فلاں شخص نے فلاں سے دروازہ بنوانے کا مطالبہ کیا (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۳/ ۳۲۶) لہٰذا استصناع کا لغوی مفہوم ہوگا : آرڈر پر کوئی چیز تیار کرانا، صانع سے کسی چیز کی صنعت کو طلب کرنا، اور یہ لغوی معنی اصطلاحی معنی کے قریب قریب ہیں۔

استصناع کی اصطلاحی تعریف :

استصناع کی اصطلاحی تعریف میں دو رجحان ہیں، ایک تو وہ جس کے قائل حنفیہ ہیں، سوائے امام زفرؒ کے، اور دوسرا وہ جس کے قائل حضرات ائمہ ثلاثہ ہیں، حنفیہ کا رجحان یہ ہے کہ عقد استصناع مستقل عقد ہے جس میں عقد سلم کی شرائط ملحوظ نہیں ہیں، پھر حنفیہ میں سے کچھ فقہاء نے "عقد استصناع" کی لفظی تعریف کی ہے اور بعض نے اس کی صورت کو ذکر کر کے اس کی تعریف کی ہے۔ علامہ حصکفی نے درمختار میں یہ تعریف کی ہے : "الاستصناع هو طلب عمل الصنعة" یعنی عمل صنعت کو طلب کرنا، علامہ شامیؒ اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں : أنه طلب العمل منه، أی الصانع، فی شیئ خاص علی وجه مخصوص" (درمختار مع ردالمحتار ۵/ ۲۲۳ طبع دار الکتب بیروت)۔ یعنی مخصوص طریقہ سے مخصوص چیز میں صانع سے عمل کو طلب کرنے کا نام استصناع ہے، مجلۃ الاحکام العدلیہ میں یہ تعریف کی گئی ہے : "الاستصناع عقد مقاولة مع أهل الصنعة علی أن یعملوا شیئاً، فالعامل صانع و المشتری مستصنع و الشیئ مصنوع" (مجلۃ الاحکام العدلیہ/ ۱۱۳، المادہ : ۱۲۴، طبع دار الجیل)۔ یعنی استصناع اہل صنعت کے ساتھ کسی چیز کے بنوانے کے ٹھیکہ کا نام ہے، یا یہ کہیں کہ اس معاہدے کا نام ہے جس کی رو سے ایک فریق دوسرے کے کام کو متعینہ مدت میں مقررہ معاوضہ پر انجام دینے کی ذمہ داری لیتا ہے، پس عامل صانع یعنی تیار کرنے والا ہے، مشتری مستصنع یعنی تیار کرانے والا ہے، اور شیئ مصنوع یعنی تیار کی ہوئی شئ ہے۔

علامہ کاسانی نے لفظی تعریف کو ذکر کرنے کے بجائے اس کی صورت کو ذکر کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں : "أما صورة الاستصناع فهی أن یقول إنسان لصانع من خفاف أو صفار أو غیرها : اعمل لی خفاً أو آنیة لک أدیم أو نحاس من عندک بثمن

☆ خادم الحدیث والافتاء، جامعہ اسلامیہ عربیہ، جامع مسجد امروہہ، یوپی۔

كذا، ويبين نوع ما يعمل وقدره وصفته، فيقول الصانع : نعم" (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع للکاسانی ۵ / ۲، طبع دار الکتب العلمیہ بیروت) ۔ یعنی استصناع کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کاریگر سے کہے : کہ اتنے روپے میں آپ میرے لئے چمڑے کا موزہ یا پیتل کا برتن بنا دیجئے اور یہ بنوانے والا شخص بنائی جانے والی چیز کی نوع، مقدار اور صفت کو واضح کر دے، صانع اس کو قبول کر لے، تو اس کا نام عقد استصناع ہے۔ شیخ مصطفی زرقا نے عقد استصناع کی تعریف یہ کی ہے : "بأنه عقد يشترى به في الحال شيئ مما يصنع صنعاً يلتزم البائع بتقديمه مصنوعاً بمواد من عنده بأوصاف مخصوصة وبثمن محدد" (عقد الاستصناع للزرقا: ۲۱) کہ عقد استصناع ایسا عقد ہے جس کے ذریعہ فی الحال ایسی چیز خریدی جاتی ہے جو مستقبل میں تیار کی جائے گی اور بائع اس چیز کو متعینہ ثمن میں مخصوص اوصاف کے ساتھ اپنے میٹریل سے تیار کر کے مشتری کو پیش کرے گا۔

ڈاکٹر محی الدین قرہ داغی نے ان الفاظ میں تعریف کی ہے :

"الاستصناع هو ما إذا طلب المستصنع من الصانع صنع شيئ موصوف في الذمة خلال فترة قصيرة أو طويلة، سواء كان المستصنع عين المصنوع منه بذاته أم لا، وسواء كان المصنوع منه موجوداً أثناء العقد أم لا فمحل عقد الاستصناع هو العين والعمل معاً من الصانع، فالعقد بهذه الصورة ليس بيعاً ولا سلماً، ولا إجارة ولا غيرها، وإنما هو عقد مستقل خاص له شروط الخاصة به" (بحث الاستصناع لقرہ داغی)۔

یعنی استصناع یہ ہے کہ مستصنع یعنی مشتری صانع یعنی بائع سے مستقبل قریب یا بعید میں ایسی چیز کے بنانے کا مطالبہ کرے جو موصوف فی الذمہ ہو، عقد کے دوران اس بنائی جانے والی چیز کا مادہ موجود ہو یا نہ ہو، پس عقد استصناع کا محل عین اور عمل دونوں ہیں، اس صورت میں جو عقد ہوگا وہ نہ تو بیع مطلق ہے، نہ بیع سلم، نہ عقد اجارہ، اور نہ ہی ان کے علاوہ، بلکہ یہ ایک مستقل عقد ہے جس کی مخصوص شرائط ہیں،

اوپر ذکر کی جانے والی تمام تعریفات سے "عقد استصناع" کے مندرجہ ذیل نقاط واضح ہوتے ہیں :

۱ — یہ ایسا عقد ہے جس کی اساس : صانع، مستصنع، شیئ مصنوع اور ثمن ہے۔

۲ — یہ بائع اور مشتری کے درمیان ایک معاہدہ ہے جس کی رو سے ایک شخص دوسرے کے کام کو متعینہ مدت میں مقرر معاوضہ پر انجام دینے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔

۳ — عقد کے وقت مبیع بائع کی ملکیت میں موجود نہیں ہوتی ہے، بلکہ وہ ایک شیئ معدوم ہوتی ہے جس کے تیار کرنے کی ذمہ داری بائع قبول کرتا ہے فقہاء کے قول "مبیع فی الذمہ" کا یہی مطلب ہے۔

۴ — وہ خام میٹریل جس سے شیئ مطلوب تیار کی جائے گی وہ بائع کا ہوگا، اگر وہ مشتری کا ہو تو یہ عقد اجارہ ہوگا نہ کہ عقد استصناع۔

۵ — استصناع درحقیقت اس عین کی بیع ہے جو بائع کے ذمہ میں ہے، البتہ اس کو بنانا بائع کی ذمہ داری ہے، اس سے بیع سلم سے ممتاز ہو جاتی ہے، اس لئے کہ سلم میں مبیع موصوف فی الذمہ ہوتی ہے، بائع پر بنانے کی ذمہ داری نہیں ہوتی ہے۔

۶ — استصناع میں مجلس عقد میں ثمن پر قبضہ کرنا شرط نہیں ہوتا، جیسا کہ بیع سلم میں ہوتا ہے، بلکہ اس میں ثمن نقد بھی ہو سکتا ہے، ادھار بھی اور قسط وار بھی۔

۷— جس چیز کو بنوایا جارہا ہے، اس کے اوصاف کو اس طرح بیان کردینا ضروری ہے کہ کوئی جہالت وغرر باقی نہ رہے جو کہ بعد میں نزاع کا سبب بن سکتا ہو۔

۸— استصناع انہیں اشیاء میں ہوسکتا ہے جن میں صنعت کو دخل ہو اور جن میں صنعت کو دخل نہ ہو، جیسا کہ غلہ اور پھل وغیرہ تو ان میں استصناع درست نہیں ہوگا۔

ائمہ ثلاثہ، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کا رجحان

عقد استصناع کے سلسلہ میں دوسرا رجحان حضرات ائمہ ثلاثہ، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کا ہے، حنفیہ میں سے امام زفر کا بھی یہی رجحان ہے کہ عقد استصناع کوئی مستقل عقد نہیں ہے، بلکہ یہ عقد سلم ہی کی ایک قسم ہے جس کے لئے وہ تمام شرائط ضروری ہیں جو عقد سلم کے لئے ہوتی ہیں اور عقد سلم کے لئے ان حضرات کے یہاں درج ذیل شرائط ہیں:

۱— مسلم فیہ ایسی چیز ہو جس کی مقدار اور صفات کی اس طرح تعین کی جاسکے کہ ادائیگی کے وقت فریقین میں نزاع کا اندیشہ نہ ہو، مثلاً یہ کہ وہ کیلی یا وزنی ہو یا ذرعی ہو، یا عددمتقارب ہو کہ ان اشیاء کی تعیین، کیل، وزن، پیمائش اور شمار کے ذریعہ ہوسکتی ہے۔

۲— مسلم فیہ ادائیگی کے وقت بازار میں موجود رہتی ہو۔

۳— مسلم فیہ ادھار ہو، یہ رائے مالکیہ اور حنابلہ کی ہے، شوافع کے نزدیک مسلم فیہ نقد بھی ہوسکتا ہے۔

۴— ثمن کی ادائیگی مجلس عقد ہی میں ہو، البتہ مالکیہ کے یہاں ثمن تین دن کی تاخیر سے بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔

۵— رأس المال اور مسلم فیہ جنس اور قدر میں سے کسی بھی ایک میں متحد نہ ہوں، اگر دونوں کی جنس ایک ہوجائے یا قدر ایک ہوجائے تو ایسی صورت میں ادھار معاملہ ناجائز ہوگا، چنانچہ سونے کی سلم چاندی سے درست نہ ہوگی۔ حضرات ائمہ ثلاثہ استصناع کے لئے بھی انہی شرائط کو ضروری قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کوئی الگ عقد نہیں ہے بلکہ سلم کی ہی ایک صورت ہے۔

عقد استصناع کا حکم:

احناف کے نزدیک عقد استصناع ایک مستقل عقد ہے، جس کی شرائط عقد سلم سے مختلف ہیں، اور احناف کے یہاں ''عقد استصناع'' جائز ہے، جمہور علماء کی رائے بھی اس عقد کے جواز ہی کی ہے، مجمع الفقہ الاسلامی جدہ نے بھی اپنے ساتویں سمینار میں جواز ہی کی تجویز پیش کی ہے، اور جواز کے متعدد دلائل ہیں، ان کو اولاً دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، ایک عام ادلہ، دوسرے خاص ادلہ۔

عقد استصناع کے جواز کے عمومی دلائل:

۱— اصل اشیاء میں اباحت ہے اور اگر کسی عقد کے کرنے میں نصوص قرآنیہ یا احادیث نبویہ کی مخالفت لازم نہ آئے تو اس عقد کا کرنا جائز ہوگا۔

۲— اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''یا أیھا الذین اٰمنوا أوفوا بالعقود''۔ اس آیت کی رو سے ایک تو یہ ثابت ہے کہ انسان پر اپنے کئے ہوئے عقد کا پورا کرنا لازم ہے، دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ لوگوں کے درمیان رائج عقود میں سے کسی عقد کو بلا دلیل شرعی حرام قرار

دینا درست نہیں ہے، کیونکہ اس سے "تحریم ما لم یحرم اللہ" لازم آتا ہے، لہذا عقود میں اصل اباحت ہوئی۔

۳۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "الصلح جائز بین المسلمین إلا صلحا حرم حلالا أو أحل حراما، والمسلمون علی شروطهم إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما" (سنن ترمذی کتاب الاحکام باب ما ذکر فی الصلح بین الناس ۱۳۵۲)۔

شروط صحیحہ پر ہر اس عقد کو بھی قیاس کیا جائے گا جو اصول شریعت سے متصادم نہ ہو اور لوگوں کی مصلحتوں کے موافق ہو، لہذا اس کو بنیاد بناتے ہوئے کسی بھی ایسے عقد جدید کا منعقد کرنا جس کا ثبوت دور نبوی اور دور صحابہ میں نہ ملتا ہو شرعا اس وقت تک کے لئے درست ہوتا ہے، جب تک اصول شرع سے متصادم نہ ہو (مقالہ ذاکر القرہ داغی ر ۱۴)۔ یہ عمومی ادلہ ہی عقد استصناع کی مشروعیت کے اثبات کے لئے کافی ہیں۔

استصناع کی مشروعیت کے خصوصی ادلہ:

قائلین جواز نے کتاب، سنت، اجماع اور استحسان سے بھی مخصوص ادلہ پیش کئے ہیں جن کو ہم اختصار کے ساتھ یہاں نقل کرتے ہیں۔

قرآن: اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے: "قالوا یا ذا القرنین إن یاجوج وماجوج مفسدون فی الأرض فهل نجعل لک خرجا علی أن تجعل بیننا وبینهم سدا قال ما مکنی فیه ربی خیر فأعینونی بقوة أجعل بینکم وبینهم ردما" (سورہ کہف: ۹۴–۹۵)۔

ان آیات میں قصہ ذوالقرنین کی منظر کشی کی گئی ہے کہ ان کی قوم نے ان سے ایک ایسی دیوار بنانے کے لئے کہا جو یاجوج ماجوج سے حفاظت کا ذریعہ بن سکے، اور اس عمل پر انہوں نے حضرت ذوالقرنین کو اجرت دینے کا وعدہ بھی کیا، اور ظاہر ہے کہ قوم کا مقصد یہ تھا کہ میٹریل اور عمل خود حضرت ذوالقرنین کا ہو، وہ اس میں شریک نہ ہوں گے، اس لئے کہ وہ تو اس دیوار کے بنانے کا طریقہ بھی نہیں جانتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: "لا یکادون یفقهون قولا" (سورہ کہف: ۹۳)، اور یہی استصناع کی حقیقت ہے، اس واقعہ سے استدلال یہ ہے کہ قرآن کریم میں ذکر کیا ہوا، کوئی بھی فعل یا امر یا نہی قابل حجت وعمل ہوگا الا یہ کہ قرآن کریم اس کے بطلان پر کوئی تنبیہ کردے، اس لئے کہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب کا نام "فرقان وتبیان" رکھا ہے، اگر حضرت ذوالقرنین کے ساتھ طلب کیا جانے والا معاملہ (جو کہ عقد استصناع ہی ہے) باطل ہوتا تو یقینا اس پر تنبیہ کردی جاتی (افعال الرسول ودلالتها علی الاحکام الشرعیہ ر ۲۲۸)۔

سنت: حضرت نافع حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں:

"أن النبی ﷺ اصطنع خاتما من ذهب وجعل فصه فی بطن کفه إذا لبسه فاصطنع الناس خواتیم من ذهب فرقی المنبر فحمد اللہ وأثنی علیه، فقال: إنی کنت اصطنعته وإنی لا ألبسه فنبذه، فنبذ الناس"۔

(نبی کریم ﷺ نے سونے کی انگوٹھی بنوائی اور جب پہنتے تو اس کا نگینہ ہتھیلی کی طرف کرتے، لوگوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوائیں، پھر آپ منبر پر چڑھے اور خدا کی حمد وثناء بیان کی اور فرمایا: کہ میں نے یہ انگوٹھی بنوائی تھی لیکن اب میں اس کو نہیں پہنوں گا۔ چنانچہ یہ فرما کر آپ ﷺ نے انگوٹھی پھینک دی، لوگوں نے بھی اپنی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں)۔

"عن أبی حازم قال: أتی رجال إلی سهل بن سعد یسألونه عن المنبر؟ فقال: بعث رسول اللہ ﷺ إلی فلانة امرأة قد سماها سهل أن مری غلامک النجار یعمل له أعوادا أجلس علیهن إذا کلمت الناس، فأمرته یعملها من طرفاء الغابة، ثم جیء بها، فأرسلت إلی رسول اللہ ﷺ بها فأمر بها فوضعت فجلس علیه"۔

(ابو حازم روایت کرتے ہیں کہ کچھ لوگ سہل بن سعد کے پاس منبر کے متعلق دریافت کرنے گئے تو انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فلاں عورت کو جس کا نام سہل نے لیا تھا کہلا بھیجا کہ اپنے بڑھئی لڑکے کو حکم دو کہ چند لکڑیاں بنادے جس پر میں بیٹھوں جب لوگوں سے بات کروں، اس عورت نے اس لڑکے کو حکم دیا کہ غابہ کے جھاؤ کا منبر بنادے، چنانچہ وہ تیار کر کے لایا تو اس عورت نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیج دیا، آپ ﷺ نے حکم دیا تو وہ رکھا گیا اور آپ ﷺ اس پر بیٹھے)۔

یہ دونوں حدیثیں عقد استصناع کے جواز پر دلالت کرتی ہیں، اس لئے کہ پہلی حدیث میں نبی ﷺ کے انگوٹھی بنوانے کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے آرڈر دے کر انگوٹھی تیار کرائی اور دوسری حدیث میں منبر بنوانے کا ذکر ہے۔

عملی اجماع :

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے لے کر آج تک استصناع پر عمل کرنا متعارف بھی ہے، اور ضرورت بھی، چنانچہ لوگوں میں سے شاید کوئی ایسا ہوگا، خواہ عالم ہو یا غیر عالم۔ جس نے عقد استصناع کی صورت میں لین دین نہ کیا ہوگا، اور اس کو اپنی زندگی میں کسی چیز کو آرڈر دے کر بنوانے کی ضرورت نہ پڑی ہوگی، کوئی گھر کا فرنیچر بنواتا ہے، کوئی کاشتکاری کا سامان بنواتا ہے، کوئی کمپیوٹر اور کوئی بلڈنگ وغیرہ۔ حتی کہ جو ائمہ ثلاثہ عقد استصناع کے جواز کے قائل نہیں ہیں وہ بھی اس کو اختیار کرنے پر مجبور ہیں۔ اسی کو شیخ زرقاء لکھتے ہیں "ويلحظ في هذا المقام أن المشاهد في عصرنا أن فقهاء المذاهب الثلاثة التي لا تجيز الاستصناع إلا بطريق السلم يمارسونه عملياً في حاجاتهم الخاصة وحاجات أبنائهم ولا يجدون منه بدأ"، اسی کا نام اجماع عملی بھی ہے (مقالۃ الشیخ مصطفی الزرقاء ۲۴)۔

استحسان :

جمہور احناف کا کہنا ہے کہ "عقد استصناع" استحسانا جائز ہے، کیونکہ قیاس کا تقاضا تو عدم جواز ہی کا ہے، اس لئے کہ یہ معدوم کی بیع ہے، جو شرعا ممنوع ہے، لیکن لوگوں کے تعامل اور ضرورت کو دلیل بنا کر اس کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ فقہاء احناف نے اپنی اپنی کتابوں میں استحسان کے طور پر ہی عقد استصناع کے جواز کی بات کہی ہے، چنانچہ ہم کچھ فقہاء کی عبارتیں نقل کرتے ہیں۔

علامہ کاسانی بدائع میں دلائل جواز پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"أما جوازه فالقياس أن لا يجوز، لأنه بيع ما ليس عند الإنسان، لا على وجه السلم، وقد نهى رسول الله ﷺ عن بيع ما ليس عند الإنسان، ورخص في السلم، ويجوز استحساناً لإجماع الناس على ذلك، لأنهم يعملون ذلك في سائر الأعصار من غير نكير، وقد قال عليه السلام "لا تجتمع أمتي على ضلالة"، وقال عليه السلام : "ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن، وما رآه المسلمون قبيحا فهو عند الله قبيح"، والقياس يترك بالإجماع، ولهذا ترك القياس في دخول الحمام بالأجر من غير بيان المدة ومقدار الماء الذي يستعمل" (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۵/ ۳)۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے کہ احناف نے عقد استصناع کے جواز میں اصل بنیاد تعامل اور حاجت ہی کو بنایا ہے، واللہ اعلم۔

عقد استصناع کی فقہی کیفیت وحقیقت :

عقد استصناع کی فقہی حقیقت وکیفیت کیا ہے؟اس سلسلہ میں تتبع اور تلاش کے بعد چھ اقوال ہمارے سامنے آتے ہیں :

۱۔استصناع وعدہ ہے عقد نہیں ہے، یہ قول متعدد احناف کی طرف منسوب ہے، چنانچہ مبسوط سرخسی میں ہے :

"الاستصناع مواعدة وإنما ينعقد العقد بالتعاطي إذا جاء به مفروغا به" (المبسوط للسرخسی ۱۲/ ۱۳۹ طبع دار الکتاب العلمیہ)۔اس قول (کہ استصناع وعدہ ہے) کا اثر یہ ہوگا کہ اگر اس کو پورا نہ کیا گیا تو فریقین پر گناہ ہوگا، اور اگر عقد مانتے ہیں تو اس کا پورا کرنا لازم ہوگا اور نہ پورا کرنے کی صورت میں ضمان ہوگا۔

۲۔استصناع سلم ہے، جمہور فقہاء مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہی ہے کہ استصناع باب سلم میں داخل ہے، اسی کی شرائط اور احکام ملحوظ ہوں گے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۲۰۲ طبع دار الفکر)۔

۳۔استصناع بیع مطلق ہے، بعض فقہاء احناف کی رائے یہ ہے کہ استصناع ایسی بیع ہے جو فریقین کے لئے لازم ہے، البتہ اس میں مشتری کے لئے خیار رویت کی گنجائش ہے (بدائع الصنائع ۵/ ۲)۔

۴۔عقد اجارہ ہے، بعض فقہاء کا خیال یہ ہے کہ یہ اجارہ ہے، اور معقود علیہ عمل ہے، اس لئے کہ استصناع نام ہے طلب عمل کا، اور ہر وہ عقد جس سے عمل مقصود ہو اجارہ ہوا کرتا ہے (العنایہ شرح ہدایہ ۷/ ۱۱۵ طبع دار الفکر)۔

۵۔ابتداء اجارہ ہے انتہاء بیع ہے، یہ بھی بعض احناف کی رائے ہے، جس کو علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں نقل کیا ہے، "هو إجارة ابتداء وبيع انتهاء لكن قبل التسليم لا عند التسليم بدليل إنهم قالوا : إذا مات الصانع يبطل ولا يستوفى المصنوع من تركته" (فتح القدیر دار الکتب العلمیہ بیروت ۷/ ۱۹۷)۔

۶۔استصناع عقد مستقل ہے، جمہور احناف کی رائے یہی ہے، چنانچہ امام سرخسی نے اسی کے بارے میں فرمایا ہے کہ بیع کی چار قسمیں ہیں :

(۱) عین کی بیع ثمن کے عوض، یہ بیع مطلق ہے۔

(۲) دین فی الذمہ کی بیع ثمن کے عوض، یہ سلم ہے۔

(۳) عمل کی بیع ثمن کے عوض، یہ اجارہ ہے۔

(۴) عین کی بیع جس میں عمل شرط ہو، ثمن کے عوض یہ استصناع ہے۔

امام سرخسی کی عبارت ملاحظہ ہو :

"اعلم أن البيوع أنواع أربعة : بيع عين بثمن، بيع عين في الذمة بثمن، وهو السلم، وبيع عمل العين فيه تبع وهو استئجار للصناعة ونحوها، فالمعقود عليه الوصف الذي يحدث في المحل بعمل العامل وبيع عين شرط فيه العمل وهو الاستصناع" (المبسوط للسرخسی ۱۵/ ۸۴، دار المعرفہ بیروت)۔

امام سرخسی کی یہ عبارت واضح کرتی ہے کہ استصناع ایک مستقل عقد ہے جیسا کہ سلم اور اجارہ ایک مستقل عقد ہے۔

عقد استصناع کے ارکان :

استصناع چونکہ ایک مستقل عقد ہے، اس لئے حضرات فقہاء نے اس کے ارکان (جن کے بغیر اس کا وجود نہیں ہوسکتا ہے) بیان کئے ہیں، اور کہا کہ عقد استصناع کے بنیادی ارکان تین ہیں : (۱) عاقدان، (۲) صیغہ، (۳) محل، یعنی معقود علیہ : عاقدین تو مستصنع (مشتری) اور صانع (بائع ہیں) جن میں بنیادی طور پر اولاً معاملات وتصرفات کی کامل اہلیت کا ہونا ضروری ہے اور یہ کامل اہلیت عقل، تمیز اور رشد سے حاصل ہوگی، ثانیاً ان عاقدین میں ایسی ولایت کا ہونا بھی ضروری ہے جس کے نتیجہ میں یہ اس عقد کو نافذ کرسکیں اور اس کے آثار شرعیہ کو مرتب کرسکیں، خواہ یہ قوت نافذہ اصالۃ ہو یا وکالۃ ہو۔

دوسرا رکن صیغہ ایجاب وقبول ہے، یعنی وہ کلمات جو انشاء عقد میں اس کی نیت اور ارادہ کی ترجمانی کرتے ہیں اور بائع ومشتری کی رضامندی پر دلالت کرتے ہوں، مثلاً مشتری کہے : "اصنع لی خفاً" بائع اس کے جواب میں کہے : "قبلت"۔

رہی تیسری چیز یعنی معقود علیہ تو اس کے دو عنصر ہیں : ایک ثمن اور دوسرا مبیع، ثمن میں تنوع اور مقدار کے اعتبار سے اس کا معلوم ومتعین ہونا ضروری ہے، خواہ یہ ثمن کل کا کل معجل ہو یا مؤجل ہو یا قسط وار ہو، اور مثمن (مبیع) میں درحقیقت دو چیزیں ہیں، جو صانع سے مطلوب ہوتی ہیں، ایک تو عین، دوسرے عمل، یعنی صانع کی وہ محنت اور جدوجہد جو وہ خام میٹریل سے شیئ کو بنانے میں صرف کرے گا۔ فقہاء احناف کا اس میں اختلاف ہے کہ محل استصناع عین ہے یا عمل۔ شیخ زادہ نے "مجمع الانہر" میں لکھا ہے کہ استصناع کا محل عین ہے یعنی وہ سامان ہے جس کو بائع تیار کرے گا، بائع کا عمل مبیع نہیں ہے، فرماتے ہیں : "والمبیع هو العین لا عمله"، اور دلیل اس کی انہوں نے یہ دی ہے کہ انسان کا مقصود سامان ہوا کرتا ہے، صنعت کا ذکر تو وصف اور جنس کو بیان کرنے کے لئے ہوا کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر بائع عقد سے پہلے کا بنا ہوا سامان لے آئے اور مشتری اس کو قبول کرلے تو یہ عقد درست ہوگا، اگر مبیع عمل ہوتا تو یہ بیع ٹھیک نہ ہوتی، جب کہ امام بردعی فرماتے ہیں کہ صانع کا عمل محل استصناع ہے اس لئے کہ استصناع مشتق ہے "صنع" سے جس کے معنی عمل کے ہی ہیں (الموسوعۃ الفقہیہ ۳/۳۲۹)۔ اور تیسری رائے صاحب "المحیط البرہانی" کی ہے کہ معقود علیہ عین اور عمل دونوں ہی ہیں چنانچہ تحریر فرماتے ہیں : "المستصنع طلب منه العمل و العین جمیعاً فلابد من اعتبارهما جمیعاً" (المحیط البرہانی ۷/۵۰۷)۔ بعض معاصرین نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے کہ معقود علیہ عین وعمل دونوں ہی ہیں اور اسی وجہ سے عقد استصناع دیگر عقود سے ممتاز ہوتا ہے، چوں کہ مطلق بیع میں محل عین ہوتا ہے، اور اجارہ میں محل عمل ہوتا ہے اور سلم میں محل وہ عین ہوتا ہے جو موصوف فی الذمہ ہو۔

عقد استصناع کی شرائط :

۱۔ معقود علیہ یعنی مستصنع فیہ معلوم ہو، یعنی جس چیز کا بنوانا مقصود ہے اس کے تمام اوصاف کو بیان کردیا جائے، خام میٹریل کی تحدید کردی جائے جنس، نوع اور قدر کو اس طرح بیان کردیا جائے کہ تسلیم کے وقت کوئی تنازع نہ ہو، اسی کو علامہ کاسانی نے ان الفاظ میں تحریر کیا ہے : "وأما شرائط جوازه فمنها بیان جنس المصنوع ونوعه وقدره وصفته لأنه لا یصیر معلوماً بدونه" (بدائع الصنائع ۵/۳)۔

۲۔ شیئ مصنوع ان چیزوں میں سے ہو جن میں لوگوں کا تعامل ہے، اس لئے کہ عقد استصناع کا جواز ہی تعامل عرف کی وجہ سے

ہے، ورنہ تو وہ معدوم کی بیع ہے، علامہ کاسانی فرماتے ہیں: "ومنها أن يكون مما يجري فيه التعامل بين الناس" (حوالہ سابق ۵؍۳)۔ فقہاء متقدمین نے ان چیزوں کو علی سبیل المثال ذکر کیا ہے جن کے استصناع کا ان کے زمانہ میں تعامل تھا جیسا کہ لوہے، پیتل اور شیشہ کے برتن بنوانا، خفین بنوانا، تلوار بنوانا وغیرہ، پھر تیرہویں صدی ہجری میں مجلۃ الاحکام العدلیہ صادر ہوا تو اس میں ان چیزوں میں استصناع کو بطور مثال ذکر کیا گیا ہے جن کے بنوانے کا تیرہویں صدی میں رواج تھا، جیسے بندوقیں، جہاز وغیرہ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرات فقہاء متقدمین نے جن چیزوں کو ذکر کیا ہے وہ علی سبیل المثال ہیں حصر کے طریقہ پر نہیں ہیں، لہذا ہمارے زمانے میں استصناع اور بھی متعدد اشیاء میں جاری ہوسکتا ہے جن میں استصناع کا لوگوں کا تعامل ہے اور ضرورت وحاجت بھی جیسے ہوائی جہاز بنوانا، فرنیچر بنوانا، کمپیوٹرس بنوانا، عمارتیں بنوانا وغیرہ، ہزاروں سامان ایسے ہیں جو آرڈر پر ہی تیار کرائے جاتے ہیں یہ بھی سب تعامل پائے جانے کی وجہ سے جائز ہوں گے۔

۳۔ تیسری شرط شیئ مصنوع کی ادائیگی کی مدت کو متعین کرنا ہے، یعنی مجلس عقد میں یہ متعین کردیا جائے کہ بائع فلاں تاریخ میں بنوایا ہوا سامان سپرد کردے گا، اس تیسری شرط میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کا اختلاف ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ تو فرماتے ہیں کہ استصناع میں اگر شیئ مصنوع کی ادائیگی کی مدت متعین کردی گئی تو وہ بیع سلم ہوجائے گی، امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ جب اس کی مدت متعین ہوگئی تو اب سلم کے معنی پائے گئے اور عقود میں اعتبار معانی کا ہوا کرتا ہے، لہذا ضروری ہے کہ عقد استصناع میں مدت متعین نہ کی جائے لیکن صاحبین فرماتے ہیں کہ مدت متعین کی جائے یا نہ کی جائے، ہر حال میں یہ عقد استصناع ہی رہے گا، مدت کے متعین کرنے سے سلم نہیں بنے گا صاحبین کا استدلال اس بات سے ہے کہ استصناع میں مدت کی تعیین کا عرف اور تعامل ہے اور استصناع بھی تعامل ہی کی وجہ سے مشروع ہوا ہے، لہذا مدت کے متعین کرنے سے یہ عقد سلم میں تبدیل نہ ہوگا۔ صاحب بدائع لکھتے ہیں:

"وجه قولهما أن العادة جارية بضرب الأجل في الاستصناع وإنما يقصد به تعجيل العمل لا تأخير المطالبة فلا يخرج به كونه استصناعاً" (بدائع الصنائع ۵؍۳)۔ مجلہ الاحکام العدلیہ میں صاحبین کی رائے کو اختیار کیا گیا ہے، چنانچہ کہا گیا ہے کہ جس چیز کے استصناع کا تعامل ہے تو اس میں استصناع مطلقاً جائز ہے اور جس کے استصناع کا تعامل نہیں ہے اگر اس میں مبیع کی ادائیگی کی مدت متعین کردی جائے تو وہ سلم ہوجائے گا۔ "على أن كل شيئ تعومل باستصناعه يصح فيه الاستصناع على الإطلاق، وأما ما لم يتعامل باستصناعه إذا بين فيه المدة صار سلماً وتعتبر فيه حينئذ شروط السلم" (مجلۃ الاحکام العدلیہ مادہ: ۳۸۹)۔

دور حاضر کے علماء نے بھی صاحبین ہی کی رائے کو اختیار کیا ہے، اور یہی دور حاضر کے حالات کے موافق بھی ہے۔ اس لئے کہ معاملات میں پختگی اور دھوکہ دہی سے بچنے کے لئے وقت کا مقرر کرنا انتہائی ضروری ہے، بالخصوص بڑی بڑی صنعتوں اور پروجیکٹوں کے استصناع میں اگر مدت متعین نہ کی گئی تو صانع کی طرف سے تاخیر ہوتی رہے گی، مثلاً بڑی بڑی عمارتوں، پلوں، بری اور بحری جہازوں کے بنانے کے لئے ٹھیکہ میں اگر وقت کی تعیین نہ ہوئی تو صانع کی طرف سے ٹال مٹول کے قوی امکانات ہیں جو آپسی نزاع کا سبب بنے گا، انہیں وجوہات کے پیش نظر مجمع الفقہ الاسلامی جدہ نے بھی وقت کی تعیین کو ضروری قرار دیا ہے۔

۴۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ عقد مکتوب (لکھا ہوا) ہو، متقدمین نے اس چوتھی شرط کو بیان نہیں کیا ہے، کیوں کہ عقد استصناع بھی دیگر معاملاتی عقود کی طرح ایک ایسا عقد ہے جو عاقدین کی جانب سے محض ایجاب وقبول کے پائے جانے سے ہی منعقد ہوجاتا ہے، لہذا اس

کے اثبات کے لئے کسی لکھی ہوئی متعینہ شکل کی پابندی کرنا ضروری نہ ہوگا، لیکن ہم اس چوتھی شرط کا اضافہ اس لئے کر رہے ہیں کہ عقد استصناع میں دین کی بھی جہت ہے، اور شریعت نے دیون کو لکھنے کی تاکید فرمائی ہے فرمایا گیا ہے: ''یاأیھا الذین آمنوا إذا تداینتم بدین إلی أجل مسمی فاکتبوہ'' (سورہ بقرہ: ۲۸۲)۔ حصول اطمینان، معاملات میں استحکام اور متعاقدین میں نزاع سے بچنے کے لئے موجودہ زمانہ میں عقد استصناع کا مکتوب شکل میں ہونا بھی ضروری ہے۔

استصناع کے اقسام:

عصر حاضر میں استصناع کی دو قسمیں لوگوں کے درمیان رائج ہیں، ایک استصناع عادی جس کو استصناع تقلیدی بھی کہا جاتا ہے، دوسری استصناع موازی ہے جس کو استصناع تمویلی اور متوازی بھی کہا جاتا ہے، ہم ان دونوں قسموں پر مختصر روشنی ڈالتے ہیں۔

استصناع عادی:

استصناع عادی سے مراد وہ طریقہ ہے جن کا ذکر کتب فقہ میں کیا گیا ہے، جس کی تعریف ماقبل میں بیان ہو چکی ہے، استصناع عادی کا تعاقد طرفین: مستصنع (فرد یا ادارہ) اور صانع (ٹھیکہ دار یا کمپنی) کے درمیان ہوتا ہے، ان دونوں کے درمیان کوئی تیسرا واسطہ نہیں ہے، اسی استصناع کو لوگ اپنی ذاتی ضرورتوں میں اختیار کرتے ہیں، مثلاً ضرورت کے مطلوبہ ڈیزائن کے ساتھ کپڑے یا بدایا وغیرہ تیار کرانا، نیز اسی کو بڑے بڑے صنعتی ادارے صنعت کے میدانوں میں استعمال کرتے ہیں، بڑے صنعتی اداروں کو جن آلات کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان کے اجزاء کو چھوٹے چھوٹے اداروں سے تیار کروا لیتے ہیں، نیز اسی طریقہ سے استصناع کو حکومتیں سرکاری عمارتوں، سڑکوں اور پلوں وغیرہ کے بنوانے میں اختیار کرتی ہیں، چنانچہ ایک حکومت ٹھیکہ دار کو متعین محدود سڑک بنانے کا ٹھیکہ دے دیتی ہے جس میں سارا میٹریل ٹھیکہ دار ہی کی طرف سے ہوتا ہے، گویا حکومت مستصنع ہے اور ٹھیکہ دار صانع ہے۔

استصناع موازی یا متوازی:

استصناع متوازی وہ عقد ہے جس کو اسلامی مالیاتی ادارے بطور سرمایہ کاری استعمال کرتے ہیں، یہ عقد درحقیقت دو عقدوں سے مرکب ہوتا ہے، ایک وہ عقد جو ادارہ (بینک) سامان کے خریدار کے ساتھ کرتا ہے، بینک کی حیثیت اس میں ''صانع'' کی ہوتی ہے، دوسرا وہ عقد جو بینک کسی کمپنی یا سامان کے بنانے والے یا کانٹریکٹر کے ساتھ کرتا ہے تا کہ بینک فریق اول سے طے کی ہوئی اشیاء کو تیار کرائے، اس صورت میں بینک کی حیثیت مستصنع کی ہوتی ہے، یعنی یہ معاملہ بنیادی طور پر تین فریقوں کے درمیان ہوتا ہے، اور مالیاتی ادارے کی حیثیت درمیانی فریق کی ہوجاتی ہے، کیونکہ بینک یا مالیاتی ادارہ ایک شخص سے آرڈر حاصل کرتا ہے اور دوسرے شخص کو خود آرڈر دیتا ہے اور دونوں کی قیمت میں ایسا فرق رکھتا ہے کہ پہلے شخص سے جو زیادہ رقم حاصل ہو وہ اس کا نفع ہوجائے، اس کو مثال سے اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک شخص نے اسلامی بینک سے کہا کہ مجھے رہنے کے لئے ایک مکان چاہئے، بینک اس شخص سے معاملہ کرلیتا ہے کہ وہ آپ کو مثلاً ایک سال میں فلاں فلاں صفات کے ساتھ متصف مکان تیار کر کے دس لاکھ روپے (۱۰,۰۰۰۰) میں دے دے گا، وہ شخص اس کو قبول کرلیتا ہے۔ ثمن کی ادائیگی چاہے فی الحال کردے یا قسط وار کردے، اس کے بعد بینک بلڈنگ بنانے والی کمپنی سے رابطہ کر کے ایک مکان (جو ان ہی

صفات کا حامل ہو جو فریق اول سے طے ہوئی ہیں) بنوانے کا معاملہ طے کر لیتا ہے، اور ثمن اس کا کانٹریکٹر کو نقد ادا کر دیتا ہے۔ بینک کمپنی سے وہ آٹھ لاکھ (۸۰۰,۰۰۰) میں تیار کراتا ہے، اب بینک فریق اول سے تو لیتا ہے، دس لاکھ روپے (۱۰,۰۰۰۰) اور کمپنی کو دے رہا ہے آٹھ لاکھ روپے (۸۰۰,۰۰۰)، یہ جو دو لاکھ روپے کا فرق ہے یہ بینک کا نفع ہوا۔

استصناع متوازی کی شرائط :

استصناع متوازی کے جواز کی تین شرطیں ہیں :

۱ — دونوں عقود کے درمیان کوئی ربط نہ ہو بلکہ ہر عقد دوسرے سے الگ ہو، عقد اول میں جو مستصنع (مشتری) ہے اس کو اس شخص کے ساتھ اس معاملہ میں کوئی تعلق نہ ہو جو عقد ثانی میں صانع کی حیثیت رکھتا ہے، بلکہ بینک جس کی حیثیت عقد ثانی میں مستصنع کی ہے وہ عقد ثانی کے صانع سے معاملہ کرے اور مکان کے تمام تر معاملات کی خود نگرانی کرے۔

۲ — بینک مکان کے فریق ثالث سے وصول کے بعد اور فریق اول کو سپرد کرنے سے پہلے اس کے تمام تر مصارف کو خود برداشت کرے خواہ مرمت وصیانت کے قبیل سے ہو یا بجلی کے بل وغیرہ کے قبیل سے ہوں، کیونکہ ابھی بینک کی حیثیت صانع کی ہے، البتہ جب بینک یہ مکان فریق اول کو سپرد کر دے تو پھر وہ اس کے مصارف وغیرہ سے بری ہو جائے گا۔

۳ — بینک شیئ مصنوع کی ادائیگی کی اتنی لمبی مدت متعین نہ کرے جو اس شئی کے بنانے میں درکار مدت سے بہت زیادہ ہو، ایسی صورت میں صانع کے لئے اس مال سے سرمایہ کاری لازم آئے گی جو اس نے بینک سے حاصل کر لیا ہے۔

استصناع متوازی کے جواز کی دلیل :

اگر استصناع متوازی میں مذکورہ بالا شرائط پائی جا رہی ہیں تو پھر یہ عقد جائز ہوگا، اور جواز کی پہلی دلیل تو یہ ہے کہ استصناع کے تحقق کے لئے ایسی کوئی شرط فقہاء نے نہیں لگائی ہے جس کی رو سے یہ لازم آتا ہو کہ یہ عقد اسی کے ساتھ ہوگا جو اس شئی کو خود تیار کرے، بلکہ اگر کوئی شخص اہل صنعت میں سے نہیں ہے اور مشتری اس کے ساتھ عقد استصناع کا معاملہ کر لے، پھر یہ شخص جو خود اہل صنعت میں سے نہیں ہے، کسی دوسرے سے مشتری کی مطلوبہ شیئ تیار کرا کر مشتری (مستصنع) کو سپرد کر دے تو بھی شرعاً یہ عقد درست ہو جائے گا، اسی کے بارے میں علامہ کاسانی لکھتے ہیں :

”لأن العقد ما وقع على عين المعقود بل على مثله في الذمة لما ذكرنا أنه لو اشترى من مكان آخر و سلم إليه جاز“۔

اسی طرح صاحب ہدایہ نے لکھا ہے :

”حتى لو جاء به أي الشيئ المصنوع مفروغا لا من صنعته أو من صنعته قبل العقد فأخذه جاز“ (البدائع فتح القدير ۱۰۸/۷)۔

اور دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ حضرات فقہاء نے باب الاجارہ میں نقل کیا ہے : کسی شخص نے کوئی متعین کام کرانے کے لئے کسی شخص کو اجرت پر لیا، اب اس شخص نے کسی تیسرے کے ساتھ مل کر اس مطلوبہ کام کو پورا کر دیا تو بھی جائز ہے (عقد الاستصناع ... الحنفية المعاصرة ۳۲)۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں: ''والدليل عليه أن صانعاً تقبل عملاً بأجر ثم لم يعمل بنفسه ولكن قبله لغيره بأقل من ذلك طاب له الفضل'' (بدائع ۶/ ۶۲)۔

عقد استصناع کے استعمال کے جدید میدان:

عصر حاضر میں عقد استصناع کا استعمال اسلامی اقتصادیات کے فروغ اور سرمایہ کاری کے بہت سے میدانوں میں کیا جارہا ہے، اور اس عقد کے ذریعہ سرمایہ کاری کے بہت سے میدان کھلتے ہیں:

۱- پٹروکیمیکل صنعتیں: جن میں گیس، تیل اور ان سے مشتق اشیاء کی صنعتیں شامل ہیں، ان عرب ممالک کی اہم ترین صنعت ہے جن میں تیل اور گیس کی پیداوار ہوتی ہے۔

۲- تعمیری منصوبے: اس میں راستوں، لوہے کی پٹریوں، ڈیم، پلوں، بجلی کے پلانٹ، پانی کی لائنوں کے پروجیکٹ بھی شامل ہیں، اسی طرح رہائشی کالونیوں کی تعمیر کرنا ہے۔

۳- صکوک استصناع، اسلامی سرمایہ کاری کی سمت میں یہ جدید ترین ایجاد ہے، جس کے نتیجہ میں اسلامی اقتصاد کو فروغ ملتا ہے۔

۴- ٹکنالوجی کی صنعت: اس میں کمپیوٹر اور اس کے پارٹس بنوانا، طبی مشین بنوانا، گاڑیاں تیار کرنا، ہوائی جہاز تیار کرانا، میزائل بنوانا وغیرہ ہزاروں اشیاء شامل ہیں۔

عقد استصناع کے آثار:

کسی بھی عقد کے آثار وہ احکام اور نتائج ہوا کرتے ہیں جو اس عقد پر مرتب ہوں، عقد استصناع کے احکام و نتائج دو قسم کے ہیں، ایک التزام، دوسرے لزوم، التزام سے مراد وہ پابندیاں ہیں جو صانع اور مستصنع دونوں ہی پر عائد ہوتی ہیں، اور لزوم سے مراد عقد کا ایسا پختہ ہونا ہے کہ عاقد کے لئے تنہا عقد سے رجوع کرنا ممکن نہ رہے۔

عقد استصناع کی وجہ سے عائد ہونے والی ذمہ داریاں:

عقد استصناع صانع اور مستصنع دونوں پر کچھ ایسی متعینہ ذمہ داریاں مرتب کرتا ہے جن کا پابند ہونا صانع اور مستصنع کے لئے ضروری ہے، پھر بعض ذمہ داریاں تو ایسی ہیں جن کا تعلق صانع سے ہے اور بعض ایسی ہیں جن کا تعلق مستصنع سے ہے۔

صانع کی ذمہ داریاں:

۱- بائع (صانع) کی پہلی ذمہ داری تو یہ ہے کہ وہ شیئ مصنوع کا مادہ اور میٹریل اپنی طرف سے مہیا کرے گا اور صانع ہی اس میٹریل کے عمدہ اور طے کئے گئے اوصاف کے مطابق ہونے کا ذمہ دار ہوگا، مطلوبہ شیئ کو وجود میں لانے کے لئے جن آلات و اسباب کی ضرورت ہوگی صانع ہی ان کو حاصل کرے گا، چنانچہ جزائر کے قانون مدنی میں مادہ نمبر (۵۵۱-۵۵۲) میں اس کی صراحت ہے:

''إذا تعهد المقاول بتقديم مادة العمل كلها أو بعضها كان مسئولاً عن جودتها وعليه ضمانها لرب العمل، وعلى المقاول أن يأتي بما يحتاج إليه في إنجاز العمل عن الات وأدوات إضافية ويكون ذلك على نفقته. هذا ما لم يقض الاتفاق أو

عرف الحرفة بغیر ذلک"(القانون المدنی الجزائری، مادہ نمبر ۵۵۱-۵۵۲)۔

۲- صانع کی دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ یا تو وہ شیئ مصنوع کو اپنے ہاتھ سے خود تیار کرے، یا اپنے کارخانہ میں تیار کرائے، یا وہ کسی دوسرے کاریگر سے تیار کرائے، بشرطیکہ عقد میں دوسرے سے کرانے کی صریح ممانعت نہ ہو، لیکن صانع اگر کسی دوسرے کاریگر سے مطلوبہ شیئ تیار کرائے گا تو کسی بھی کمی کا ذمہ دار خود صانع ہی ہوگا (حوالہ سابق مادہ: ۵۶۴)۔

۳- صانع کی تیسری ذمہ داری یہ ہے کہ کام عقد کی شرائط اور طریقہ کے مطابق ہو جس پر فریقین کا اتفاق ہوا ہے، اسی وجہ سے ہم نے شرائط کے بیان میں لکھا تھا کہ معاملہ مکتوب ہو تا کہ بعد میں فریقین کے لئے اس کی پابندی کرنا آسان ہو۔

۴- صانع کی چوتھی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ مطلوبہ شیئ اس طرح تیار کرے یا کرائے کہ وہ عیوب سے خالی ہو، اگر شیئ مصنوع میں کوئی نقصان یا خسارہ پایا جا رہا ہو تو اس کا ضامن صانع ہوگا، خواہ اس خسارہ اور عیب میں اس کی تعدی ہو یا نہ ہو، اس کو فقہاء نے "تضمین الصناع" کے نام سے ذکر کیا ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۶۲۸)۔

۵- صانع کی پانچویں ذمہ داری یہ ہے کہ وہ شیئ مصنوع کو مستصنع (مشتری) کے حوالہ کرے اور مستصنع کا قبضہ تام کرادے۔

مستصنع کی ذمہ داریاں:

۱- مستصنع (مشتری) کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ جب اس کی مطلوبہ شیئ تیار ہو جائے اور صانع اس کو لے جانے کے لئے کہہ دے تو وہ اس کو حاصل کرلے، اگر بلا کسی عذر کے مستصنع مطلوبہ شیئ کو لے جانے میں وقت مقررہ سے تاخیر کرتا ہے اور اس شیئ میں کوئی نقصان ہو جاتا ہے تو مستصنع ہی اس کا ذمہ دار ہوگا، صانع پر کوئی ضمان عائد نہ ہوگا۔

۲- جب صانع نے مطلوبہ شیئ تیار کردی اور وقت ادائیگی بھی ہو گیا تو مستصنع کی ذمہ داری ہے کہ وہ بائع کے حق کو ادا کردے، یعنی ثمن کی ادائیگی کردے اور شیئ مصنوع کو وصول کرے، اگر مستصنع وقت مقررہ پر ثمن ادا نہ کرے تو صانع کو حق ہوگا کہ قواعد کی رو سے اس کو ادائیگی ثمن پر مجبور کرے یا عقد کو فسخ کر کے کسی دوسرے کو سامان فروخت کردے (مقالۃ الشیخ مصطفی الزرقا ص: ۹۸-۹۹)۔

عقد استصناع کا لزوم:

لزوم سے مراد عقد کا ایسا مستحکم اور مضبوط ہونا ہے کہ عاقد تنہا اپنے ارادہ سے اس عقد سے رجوع نہ کر سکے، بلکہ اگر عقد کو فسخ کرنا ہو تو فریقین کی رضامندی ضروری ہے، اب عقد استصناع میں ایسا لزوم ہے یا نہیں؟ اس کو جاننے کے لئے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ عقد مختلف مراحل سے گزرتا ہے:

۱- عقد تو ہو گیا لیکن صنعت کا کام ابھی شروع نہیں ہوا ہے۔

۲- صنعت کا کام شروع ہو کر مکمل ہو گیا لیکن مستصنع نے شیئ مصنوع کو ابھی دیکھا نہیں ہے۔

۳- صنعت کا کام بھی مکمل ہو گیا اور مشتری (مستصنع) نے اس کو دیکھ بھی لیا ہے۔ جمہور فقہاء احناف کی رائے یہ ہے کہ تینوں صورتوں میں ہی یہ عقد مستصنع کے لئے تو لازم نہیں ہوتا البتہ صانع کے حق میں پہلی دوسری صورت میں تو عقد لازم نہیں ہوتا ہے، لیکن تیسری

صورت میں بائع کے حق میں اس وقت لازم ہوگا جب وہ شیئ مصنوع کو مستصنع کے پاس حاضر کردے، گویا شیئ مصنوع مشتری کے پاس حاضر کرکے یا بائع کے خیار کو ساقط کردیا، اور جب اس تیسری صورت میں مستصنع مصنوع کو دیکھے گا تو اس کو خیار رؤیت حاصل ہوگا، البتہ امام ابو یوسف کی ایک دوسری رائے ہے کہ عقد استصناع محض انعقاد سے لازم ہوجاتا ہے، لہذا صانع کو مطلوبہ شیئ کے بنانے پر مجبور کیا جائے گا اور مستصنع کو اس شیئ مصنوع کے قبول کرنے پر، بشرطیکہ وہ شیئ مصنوع ان اوصاف کے مطابق ہو جن پر عقد کے وقت اتفاق ہوا تھا، حضرت امام ابو یوسف کی اسی رائے کو صاحب "المحیط البرہانی" نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

"ثم رجع أبو يوسف عن هذا وقال: لا خيار لواحد منهم، بل يجبر الصانع على العمل والمستصنع على القبول" (المحیط البرہانی ۳۰۰، طبع دار احیاء التراث)۔ اور وجہ اس رائے کی یہ ہے کہ صانع نے تو قبول کے ذریعہ اس بات کا ضمان لے لیا کہ وہ مطلوبہ شیئ تیار کرے گا، لہذا صانع جس عمل کا ضامن خود بنا ہے اس کو پورا کرنا بھی اسی کی ذمہ داری ہوگی اور پورا کرنے پر اس کو مجبور کیا جائے گا۔

علامہ برہان الدین الحنفی (المتوفی ۶۱۶ھ) المحیط البرہانی میں لکھتے ہیں: "وجه ما روي عن أبي يوسف: أنه يجبر كل واحد منهما، أما الصانع فلأنه ضمن العمل فيجبر عليه وأما المستصنع، فلأنه لو لم يجبر على القبول يتضرر به الصانع، لأنه عسى أن لا يشتريه غيره منه أصلاً، أو لا يشتري بذلك القدر من الثمن فيجبر على القبول دفعاً للضرر عن البائع" (المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی ۱۳۷/۱۷)۔

مجلۃ الاحکام العدلیہ نے امام ابو یوسف کی اسی روایت کو اختیار کیا ہے، "إذا انعقد الاستصناع فليس للعاقدين الرجوع، وإذا لم يكن المصنوع على الأوصاف المطلوبة المبينة كان المستصنع مخيراً" ہماری رائے میں بھی یہی راجح ہے اور اس کی چند وجوہ ہیں:

۱۔ نصوص شرعیہ وفاء بالعقود کے وجوب پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں، اللہ تعالی کا فرمان ہے: "يا أيها الذين آمنوا أوفوا بالعقود" اسی طرح نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد ہے: "المسلمون على شروطهم"۔

۲۔ شریعت کے عمومی قواعد میں ضرر اور ضرار کی نفی ہے، مشہور قاعدہ ہے: "لا ضرر ولا ضرار" اگر اس عقد استصناع کو لازم نہیں مانیں گے تو طرفین کے لئے بڑے ضرر کا سبب بنے گا، بالخصوص اس زمانہ میں جبکہ بڑے بڑے سودے بھاری بھاری قیمتوں پر کئے جاتے ہیں اور مستصنع کے پاس اتنا وقت بھی نہیں ہوتا کہ وہ کسی دوسرے سے مطلوبہ سامان بنوائے، اسی طرح صانع بنی ہوئی چیز کو کسی دوسرے کو بھی فروخت نہیں کرسکتا، کیوں کہ وہ تو مستصنع کی طلب پر مخصوص ڈیزائن کے ساتھ تیار کی گئی ہے۔

۳۔ معاملات کو برقرار رکھنے میں مصلحت عامہ بھی عقد کے لازم ہونے ہی کا تقاضا کرتی ہے، تاکہ صانع اور مستصنع دونوں کے کئے ہوئے عقد پر مطمئن رہیں۔

۴۔ اگر اس کو ہم لازم نہیں مانیں گے تو اس سے اقتصادی معاملات میں استفادہ بھی ممکن نہ ہوگا، چونکہ ہر ایک کے معاملہ کو فسخ کرکے الگ ہوجانے کے امکانات ہیں۔

ان وجوہات کے پیش نظر یہی رائے قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ عقد استصناع فریقین کے حق میں لازم ہو، ہاں اگر عقد میں بیان

کردہ اوصاف کے مطابق مطلوبہ شیئ نہیں بنی ہے تو وصف مشروط کے فوت ہونے کی وجہ سے مستصنع کو خیار حاصل ہوگا۔

عقد استصناع میں شرط جزائی :

شرط جزائی کا مطلب ہے: جرمانہ کی شرط لگانا، عقد استصناع میں اس کی دو صورتیں ہیں: ایک کا تعلق صانع سے ہے، وہ یہ ہے کہ صانع وقت مقررہ پر سامان کی تیاری میں تاخیر کرے تو طے شدہ قیمت میں کمی کی شرط لگادی جائے خواہ یہ شرط اصل معاملہ کے وقت ہی لگادی جائے یا یہ کہ نقصان ہونے سے پہلے ہی اسے معاہدہ میں طے کرلیا جائے، دوسری صورت کا تعلق مستصنع سے ہے کہ مال بنوانے والا اگر اپنا ذمہ ادا کرنے میں دیر کرے تو اس پر یومیہ کے حساب سے یا مطلقاً کوئی جرمانہ لگادیا جائے گا۔

پہلی صورت بالاتفاق جائز ہے، اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ کی قرارداد نمبر (۶۵) میں ہے "استصناع میں کاریگر کے لئے جرمانہ کی شرط فریقین کے باہمی اتفاق کے مطابق شامل کی جاسکتی ہے، بشرطیکہ ذمہ داری کو پورا نہ کرنے یا اس میں تاخیر کرنے کے مجبور کن حالات نہ ہوں، مجبور کن حالات کی صورت میں تاخیر پر جرمانہ کی شرط پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ عام حالات میں شیئ مصنوع کی ادائیگی میں تاخیر پر اگر جرمانہ کی شرط نہ لگائی جائے گی تو صانع کی طرف سے ٹال مٹول کے قوی امکانات ہیں جس سے باہمی نزاع پیدا ہوگا، اور شرط لگانے کی صورت میں صانع کو فکر ہوگی کہ وقت مقررہ پر سامان ادا کرے۔

رہی دوسری صورت کہ مال بنوانے والا اپنا ذمہ ادا کرنے میں تاخیر کرے، صانع کو طے شدہ معاہدے کے مطابق ثمن ادا کرنے میں تاخیر کرے تو اس پر جرمانہ کی شرط جائز نہیں ہے، اس لئے کہ وہ ثمن جو مال بنوانے والے (مستصنع) کے ذمہ میں ہے، مانند قرض کے ہے اور قرض کی ادائیگی میں تاخیر پر کوئی بھی جرمانہ لگنا ربا ہے جو شرعاً حرام ہے، چنانچہ مجمع الفقہ الاسلامی جدہ کے بارہویں اجلاس منعقدہ ریاض سعودی عرب، مورخہ ۲۵/جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ میں ہے:

"یجوز أن یشترط الشرط الجزائی فی جمیع العقود المالیة ماعدا العقود التی یکون الالتزام الأصلی فیها دینا فإن هذا من الربا الصریح---- لایجوز أی الشرط الجزائی فی عقد الاستصناع بالنسبة للمستصنع إذا تأخر فی أداء ماعلیه" یعنی تمام مالی معاملات میں جرمانہ کی شرط جائز ہے، سوائے ان معاملات کے جن میں التزام اصلی (اصلی ذمہ داری) بھی دین (قرض) ہو، کیونکہ اس صورت میں ربا صریح پایا جائے گا، لہذا استصناع کے معاملہ میں مال بنوانے والا اگر اپنا ذمہ ادا کرنے میں دیر کرے تو جرمانہ کی شرط جائز نہ ہوگی (مجلہ مجمع الفقہ الاسلامی ۱۲/۱۹۸)۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مستصنع ثمن کی ادائیگی میں وقت مقررہ سے تاخیر کرے تو پھر کیا کیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے مواقع پر شریعت کی ان احتیاطی تدبیروں کو اختیار کرنا چاہئے جن سے قرضوں کو ضائع ہونے سے بچایا جاتا ہے، مثلاً مستصنع سے کوئی شیئ رہن رکھوائی جائے یا اس کا کوئی کفیل لے لیا جائے یا پھر قاضی کے دربار میں عدالت میں اسے پیش کیا جائے، جیسا کہ دائن مماطل کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

صانع کا عیوب سے بری ہونے کی شرط لگانا :

جب بیع مطلق کا معاملہ ہو اور بائع یہ شرط لگادے کہ وہ مبیع میں پائے جانے والے کسی بھی عیب کا ذمہ دار نہیں ہوگا، اور مشتری اس

پر راضی ہو جاتا ہے، تو بھی فقہاء احناف کے یہاں یہ عقد درست ہو جائے گا اور بائع کا عیوب سے بری ہونے کی شرط لگانا درست ہوگا، خواہ بائع اس عیب کے بارے میں پہلے سے واقف ہو یا نہ واقف ہو، اسی طرح وہ اس عیب کا نام ذکر کرے یا نہ کرے، اس لئے کہ عیب کا ضمان مشتری کا حق ہے اور مشتری اپنے حق کو خود ساقط کرے تو درست ہے جبکہ دیگر فقہاء کے یہاں بائع اگر یہ شرط لگادے تو بھی وہ عیب کے ضمان سے بری نہ ہوگا، البتہ اگر کسی خاص متعینہ عیب کی ذمہ داری سے براءت کی شرط لگادے تو درست ہے (بدایۃ المجتہد ۲/۲۹۹ طبع دار الجیل)۔

یہ مسئلہ تو تھا مطلق بیع میں عیب کے ضمان سے براءت کی شرط لگانے کا، لیکن عقد استصناع میں اس طرح کی شرط لگانے سے کہ صانع شیئ مصنوع میں پائے جانے والے عیب کے ضمان سے بری ہوگا، درست ہے یا نہیں؟ متقدمین فقہاء نے اس پر بحث نہیں کی ہے، اس لئے کہ ان کے زمانہ میں عقد استصناع کا دائرہ بہت وسیع نہیں تھا، لوگ صرف ذاتی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ہی اس عقد استصناع کو اختیار کرتے تھے لیکن موجودہ زمانہ میں جب عقد استصناع کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا ہے، بڑی بڑی مشینوں اور کارخانوں کے آلات کو آرڈر پر ہی تیار کرایا جاتا ہے اور صانع اس طرح کی شرط لگاتا ہے، تو اس میں اس کے سوء نیت کا اثر معلوم ہوتا ہے، وہ اس طرح شرط لگا کر دھوکہ کے دروازہ کو کھول رہا ہے جس میں مستصنع کا ضرر ہے، لہذا ہماری نظر میں صانع کا اس طرح کی شرط لگانا عقد استصناع میں درست نہ ہونا چاہئے، واللہ اعلم۔

عقد استصناع میں شیئ مصنوع کی گارنٹی :

عصر حاضر میں جب عقد استصناع ہوتا ہے تو آرڈر پر مال بنوانے والا (مشتری) صانع پر شیئ مصنوع کی گارنٹی کی شرط لگادیتا ہے، شرعی نقطہ نظر سے یہ شرط لگانا درست ہے یا نہیں؟ اس کا جواب جاننے کے لئے ہمیں تفصیل میں جانا ہوگا، وہ یہ کہ شیئ مصنوع کے ضمان اور گارنٹی کی شرط عقد استصناع کے مکمل ہونے کے بعد الگ سے مستقل طور پر لگائی جائے جس میں صانع اس بات کی ذمہ داری لے کہ اگر شیئ مصنوع میں کوئی عیب پایا جائے تو وہ اس کو ایک متعینہ مدت میں یا تو درست کردے گا یا بدل کردے گا، اس طرح کی گارنٹی اور ضمان کا معاملہ شرعاً درست نہ ہوگا، کیونکہ اس میں غرر ہے، تیار کیا ہوا سامان کبھی ٹھیک کام کرتا ہے اور کبھی نہیں بھی کرتا ہے، پھر اگر وہ خراب ہو جائے تو بسا اوقات اس کی درستگی میں اصل قیمت سے بھی زیادہ کے مصارف آجاتے ہیں جس سے صانع کو ضرر کثیر لاحق ہوتا ہے، اور نبی ﷺ نے بیع میں غرر سے منع فرمایا ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے : "نهى النبي ﷺ عن بيع الغرر" (مسلم، حدیث : ۱۱۵۳)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ شیئ مصنوع کی گارنٹی اور ضمان کی شرط خود عقد استصناع کے معاملہ میں شامل ہو جس میں صانع اس ذمہ داری کو قبول کرتا ہے کہ وہ مستصنع کو صحیح سالم سامان تیار کر کے دے گا، اگر شیئ مصنوع میں کوئی صنعتی ٹیکنیکی عیب پایا جائے تو وہ اس عیب کا ذمہ دار ہوگا، یا متعینہ مدت میں اس کو درست کر کے دے گا یا بدل کردے گا، نیز یہ گارنٹی ان عیوب کی نہیں ہوتی جو شیئ مصنوع کے غلط استعمال سے پیدا ہو جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ کمپنیاں اس شیئ مصنوع کے ساتھ طریقہ استعمال کا ایک کتابچہ بھی دیتی ہیں، اگر اس میں لکھے ہوئے اصولوں کے مطابق اس کو استعمال کیا ہے، پھر بھی اس میں کوئی عیب ظاہر ہو گیا تو کمپنی اس کا ضمان دیتی ہے اور اگر ان اصولوں کی پابندی نہیں کی اور شیئ خراب ہو گئی تو کمپنی اس کا ضمان نہیں دیتی۔

یہ جو دوسری صورت ہے اس میں شیئ مصنوع میں پائے جانے والے عیب کا ضمان بچند وجوہ درست معلوم ہوتا ہے :

۱— مستصنع کے لئے متعذر ہے کہ جب وہ شیئ مصنوع پر قبضہ کرے تو اسی وقت اس کو اس کے عیب کا علم ہو جائے، یقینی طور پر

اس عیب کو جاننے کے لئے کوئی نہ کوئی مدت درکار ہے۔

۲— بہت سے ایسے دقیق عیوب ہوتے ہیں جو اس شیئ کے استعمال کرنے سے ہی معلوم ہو سکتے ہیں بالخصوص کمپیوٹر، موبائل اور دیگر الیکٹریکل اشیاء۔

۳— مستصنع کی رضامندی اسی میں ہوتی ہے کہ شیئ مصنوع عیوب سے خالی ہو، اور اس رضا کا تحقق تجربہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے، جب تجربہ سے وہ عیب ظاہر ہو جاتا ہے، تو مستصنع کی رضا بھی فوت ہو جاتی ہے۔

۴— عامۂ صانع جن عیوب سے سلامتی کی گارنٹی لیتا ہے وہ ہوتے ہیں جو ظاہر تو اگرچہ مستصنع کے یہاں ہوئے ہیں، لیکن ان کا سبب کوئی صنعتی کمی ہی ہوتی ہے، یعنی اس عیب کا سبب بائع کے یہاں پایا جاتا ہے، اور فقہاء احناف اس عیب کا ضامن بائع کو ٹھہراتے ہیں جس کا سبب بائع کے یہاں پایا جا رہا ہو۔

۵— شیئ مصنوع کی گارنٹی کا تعارف و تعامل بھی ہے، اور عقد استصناع کا جواز ہی تعامل و تعارف کی وجہ سے ہوا ہے، ان وجوہات کی بنیاد پر ہماری رائے یہ ہے کہ عقد استصناع میں شیئ مصنوع کی گارنٹی کی شرط متعینہ مدت تک کے لئے درست ہے۔

عقد استصناع میں مجبور کن حالات کا اثر :

فریقین نے کسی زبردست عمارت بنانے پر معاملہ کیا مثلاً پل، ڈیم یا کسی بلند عمارت : ہاسپیٹل اسکول وغیرہ کا ٹھیکہ بطور استصناع کے دیا، جس کو پورا کرنے کے لئے طویل مدت درکار تھی، ثمن بھی متعین ہو گیا، پھر اچانک حالات پیدا ہو گئے جن کے نتیجہ میں زبردست اقتصادی بحران پیدا ہو گیا اور منصوبے کو پورا کرنے کے لئے جس میٹریل کی ضرورت تھی یا تو میٹریل دستیاب ہی نہ رہا یا اتنا گراں ہو گیا کہ طے شدہ معاوضہ سے اس کا پورا کرنا ممکن نہیں ہے، اگر پورا کیا جائے تو صانع کو زبردست خسارہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یا مثلاً صانع کے کارخانہ میں آگ لگ گئی جس کی وجہ سے وہ لیا ہوا آرڈر پورا نہیں کر سکتا، ملک میں جنگی حالات پیدا ہو گئے جس کی وجہ سے خام میٹریل دستیاب نہ رہا وغیرہ۔
نیز کبھی یہ مجبور کن حالات یا اعذار مستصنع کو بھی لاحق ہو سکتے ہیں، مثلاً مستصنع نے صانع کو آرڈر دیا کہ وہ اس کے لڑکے کے لئے ایک روم تیار کرے، میٹریل سب اپنی طرف سے لگائے، معاملہ عقد استصناع کے طور پر متعینہ رقم میں طے ہو گیا، اب مستصنع کا وہ لڑکا مر جاتا ہے جس کے لئے وہ کمرہ یا گھر بنوا رہا تھا، یا مثلاً تیل کی کمپنی نے گاڑی بنانے والی کمپنی کو آرڈر دیا کہ وہ تیل کی نقل و حمل کے ایسا ایسا ٹینکر تیار کرے، لیکن تیل کی کمپنی کو اچانک ایسا نقصان ہو گیا کہ اس کا دیوالیہ ہو گیا اور وہ اس حالت میں نہیں ہے کہ بھاری قیمت کا یہ ٹینکر خرید سکے۔
حاصل یہ ہوا کہ یہ مجبور کن حالات صانع کے لئے بھی ہو سکتے ہیں اور مستصنع کے لئے بھی پیدا ہو سکتے ہیں، تو اب ایسے حالات میں کیا کرنا چاہئے؟

عصر حاضر کے علماء کا نظریہ اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ان استثنائی حالات میں ''وضع جوائح'' کے اصول پر عمل کرنا چاہئے، یعنی جس طرح قدرتی آفات کی صورت میں طے شدہ واجب دیون میں کمی کی جاتی ہے اسی طرح مجبور کن حالات اور اعذار کو بھی ایک آفت اور حادثہ تصور کرتے ہوئے ''وضع جوائح'' اصول پر عمل کر لیا جائے جیسا کہ حدیث میں ہے : ''أن النبی ﷺ أمر بوضع الجوائح'' اب اس اصول پر عمل کرنے کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں :

۱—حقوق اور ذمہ داریوں میں مناسب تبدیلی کرلی جائے اس طرح کہ عقد کے اندر عدل کا توازن باقی رہے۔

۲—عقد کو فسخ کردیا جائے، جیسا کہ اگر مسلم فیہ ختم ہوجائے تو عقد کو فسخ کیا جاسکتا ہے، اور یہ حق فسخ صانع (بائع) کو بھی حاصل ہوگا اور مستصنع (مشتری) کو بھی حاصل ہوگا۔

۳—اگر حالات ممکنہ ترین وقت میں درست ہونے کی توقع ہے تو صاحب عذر کو مہلت دے دی جائے کہ وہ عذر کے زائل ہونے تک انتظار کرے، قرآن کریم کی آیت: "لا یکلف اللہ نفساً إلا وسعھا"، اور حدیث نبوی ﷺ: "لا ضرر ولا ضرار" اسی کی طرف مشیر ہے، واللہ اعلم (فقہ المعالات: ۳۰۶)۔

عقد استصناع کی انتہاء:

احناف کے یہاں عقد استصناع دو چیزوں سے ختم ہوجاتا ہے: ایک تو یہ کہ صنعت مکمل ہوجائے، شیئ مصنوع مستصنع کے حوالہ کردی جائے، مستصنع اس کو قبول بھی کرلے، اور صانع ثمن پر قبضہ کرلے، جب صانع نے ملے ہوئے آرڈر کے مطابق سامان تیار کرکے مستصنع کے حوالہ کردیا اور مستصنع نے ثمن ادا کرکے شیئ مصنوع پر قبضہ کرلیا تو عقد استصناع مکمل ہوگیا، ہاں اگر شیئ مصنوع مطلوبہ اوصاف کے موافق نہ ہو، بلکہ اس میں ایسے وصف کی کمی ہے جو عیب شمار کیا جاتا ہے، تو مستصنع کو خیار عیب ملے گا۔

دوسری چیز جس سے عقد استصناع مکمل ہوجاتا ہے، عاقدین میں سے کسی ایک کی موت ہے، اگر عاقدین میں سے کوئی ایک مرگیا تو بھی عقد استصناع ختم ہوجائے گا اور احناف نے درحقیقت اس کو قیاس کیا ہے اجارہ پر کہ اجارہ متعاقدین میں سے کسی ایک کی موت کی وجہ سے ختم ہوجاتا ہے، لیکن ہماری نظر میں متعاقدین میں سے کسی ایک کی موت مطلقاً عقد استصناع کے ختم ہونے کا سبب نہ بنایا جائے، بلکہ اس میں تفصیل کی جائے اور وہ یہ کہ اگر عقد استصناع میں یہ شرط لگی تھی کہ صانع مطلوبہ شیئ کو خود اپنے ہاتھ سے بنائے گا، پھر صانع کا انتقال ہوجاتا ہے، تو عقد استصناع ختم ہوجائے گا، اس لئے کہ صانع کی موت کے بعد شیئ مصنوع کا وصول کرنا ممکن نہ رہا۔

لیکن اگر یہ شرط نہیں لگی تھی کہ یہ صانع اس مطلوبہ شیئ کو اپنے ہاتھ سے بنائے گا تو عقد استصناع صانع کی موت سے ختم نہ ہوگا، بلکہ اس کے ورثہ اگر اس مطلوبہ شیئ کو تیار کرسکتے ہیں تو وہ تیار کریں گے، اور ہمارے زمانہ میں تو استصناع کا دائرہ وسیع ہے، بڑی بڑی کمپنیاں آرڈر پر مال تیار کرتی ہیں، اب اگر کمپنی کے مالک کا جو کہ عاقد تھا انتقال ہوجاتا ہے تو آرڈر کے لئے مال کے تیار کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی، اس لئے کہ کمپنی بھی اپنی جگہ ہے، اس میں کام کرنے والے بھی اپنی جگہ ہیں، بلکہ کمپنی کی ایک مستقل مضبوط حیثیت ہوتی ہے۔

فقہاء نے عقد استصناع کے ختم ہونے کی دو ہی شکلیں لکھی ہیں، یہاں ایک تیسری شکل کا بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے جس کی تفصیل ماقبل میں آگئی یعنی مجبور کن حالات پیدا ہوجائیں تو بھی عقد استصناع ختم ہوسکتا ہے۔

عقد استصناع کن کن چیزوں میں جاری ہوگا:

عقد استصناع ہر اس شئ میں جاری ہوسکتا ہے جس میں صنعت جاری ہوتی ہو اور اس شئ کو اوصاف کے بیان سے متعین کیا جاسکتا ہو، خواہ وہ استعمال کے اموال ہوں یا استہلاک کے، نیز ان چیزوں میں استصناع کا عرف بھی ہو۔

چنانچہ نہ تو استصناع ان اشیاء میں جاری ہوگا جن میں انسان کی صنعت کو دخل نہیں ہے، جیسے غلہ، پھل، سبزیاں، میوے اور ان جیسی دیگر زرعی پیداوار، البتہ ان اشیاء میں سلم جائز ہے، جبکہ فقہ میں متعینہ تمام شرعی شرائط ملحوظ ہوں، ہاں اگر ان زرعی پیداواروں میں انسان کی صنعت کو دخل ہو جائے تو استصناع ٹھیک ہو جائے گا، جیسے ان پھلوں کو خرید لیا جائے پھر ان سے جو وغیرہ آرڈر پر تیار کرایا جائے۔

اسی طرح جن اشیاء میں عقد استصناع کا تعامل نہیں ہے، ان میں بھی استصناع درست نہ ہوگا، کیونکہ استصناع تعامل کی وجہ سے ہی جائز رکھا گیا ہے، ورنہ تو وہ معدوم کی بیع ہونے کی وجہ سے ناجائز تھا، نیز تعامل الناس زمانہ کے تغیر سے بدلتا رہتا ہے، ایک زمانہ وہ تھا کہ آرڈر پر برتن بنوائے جاتے تھے لیکن اب لوگوں میں آرڈر پر برتن بنوانے کا تعامل نہیں ہے، اس لئے کہ مارکیٹ کے اندر برتنوں کی مختلف قسمیں ہیں جو ہر وقت دستیاب ہیں، جو خریدنا چاہے وہ بیع مطلق کے ذریعہ فوراً خرید سکتا ہے، ہاں البتہ اگر کوئی شخص برتن فروخت کرنے کا کام کرتا ہے اور اس کو فیکٹری سے برتن لینے ہوتے ہیں تو وہ پہلے آرڈر دیتا ہے اور فیکٹری میں اس کے آرڈر سے برتن تیار کر دیئے جاتے ہیں، تو یہ درست ہے، اس لئے کہ یہ لوگوں کا تعامل ہے اور اس کی ضرورت بھی ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ عقد استصناع ان ہی اشیاء اور سامانوں میں جائز ہوگا جن میں انسانی صنعت کو دخل ہو اور لوگوں کو انفرادی یا عمومی طور پر حاجت وضرورت بھی ہو۔ واللہ اعلم۔

اشیاء مصنوعہ کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا :

شیئ مصنوع کو صانع سے وصول کرنے سے پہلے کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا درست نہیں ہے، خواہ صانع سے حقیقۃً وصول کر لے یا حکماً، اس لئے کہ یہ بیع قبل القبض ہے، جس کی حدیث میں ممانعت ہے، نیز اسی بنیاد پر ان فلیٹس کا قبل القبض فروخت کرنا بھی درست نہ ہوگا جن کو عقد استصناع کے طور پر نقشہ کے مطابق خریدا گیا تھا، یعنی مستصنع (مشتری) کے لئے درست نہیں کہ وہ کسی دوسرے کے ہاتھ ان فلیٹس کو تیار ہونے سے پہلے ہی کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرے، اس لئے کہ یہ بھی معدوم کی بیع ہے (الفتاوی الشرعیۃ فی المسائل الاقتصادیۃ بیت التمویل الکویتی فتوی نمبر ۳۳۲)۔ "ولأن فی البیع قبل القبض غرر انفساخ العقد الأول" (موسوعہ فقہیہ ۹ / ۱۴۴)۔

اور مبیع (شیئ مصنوع) ابھی مشتری (مستصنع) کے ضمان میں نہیں آئی ہے، اور جو چیز ضمان میں نہ آئی ہو اس کو فروخت کرنے میں حدیث کی مخالفت لازم آتی ہے، حدیث میں ہے : "أن النبی ﷺ قال : لا یحل سلف وبیع ولا شرطان فی بیع ولا ربح ما لم یضمن" (سنن ترمذی ۳ / ۵۲۷ طبع حلبی)۔

نیز مستصنع کی ملکیت ابھی ضعیف بھی ہے، پھر یہ مکان اگر بغیر زمین کے فروخت ہو تو اموال منقولہ میں سے ہے اور اموال منقولہ کی بیع قبل القبض حنفیہ کے نزدیک بھی درست نہیں ہے (قاموس الفقہ ۵ / ۱۴۴)۔

عقد استصناع کے مسائل عصری تناظر میں

مفتی محمد انور القاسمی ☆

صورت مسئلہ :

کسی شخص نے صانع کو کسی چیز کے بنانے کا آرڈر اس کی نوعیت، صفات اور مقدار کو واضح کرتے ہوئے متعین قیمت پر دیا اور دوسرے شخص نے اس کو قبول کرلیا اس کو استصناع کہا جاتا ہے، اس میں کل قیمت معجل یا مؤجل یا بعض معجل اور بعض مؤجل بھی ہوسکتا ہے، علامہ کاسانی فرماتے ہیں : "فصل : أما صورة الاستصناع فهي أن يقول إنسان لصانع من خفاف أو صفار أو غيرهما : اعمل لي خفاً أو آنية من أديم أو نحاس من عندك بثمن كذا ويبين نوع ما يعمل وقدره وصفته فيقول الصانع : نعم" (بدائع ۵/۲)۔

اور مجلۃ الاحکام العدلیہ کی شرح درر الحکام میں ہے :

"لا يلزم في الاستصناع دفع الثمن حالاً أي وقت العقد، أي لا يلزم فيه تعجيل الدفع وقد بين في المادة (۳۸۷) أن تعجيل دفع الثمن شرط في السلم لا في الاستصناع، وعلى كل فكما يكون الاستصناع صحيحاً بالتعجيل يكون صحيحا بتأجيل بعض الثمن أو كله" (درر الحکام شرح مجلہ، شرح مادہ ۳۹۱)۔

آرڈر دینے والے کو مستصنع، آرڈر قبول کرنے والے کو صانع اور شیئ مصنوع کو مستصنع فیہ جب کہ اس معاملہ کو استصناع کہا جاتا ہے۔

مسالک ائمہ :

امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ مذکورہ صورت میں استصناع کو ناجائز کہتے ہیں، ان حضرات نے سلم کے ضمن میں ذکر کرتے ہوئے اس کی صحت کے لئے سلم کی شرائط پوری کرنے کو ضروری قرار دیا ہے۔ احناف میں امام زفر بھی استصناع کے عدم جواز کے قائل ہیں، یہ حضرات کہتے ہیں : یہ بیع معدوم ہے جو جائز نہیں ہے، اس لئے یہ بس ایک فرمائش اور وعدے کے انداز کا معاملہ ہے اس سے آگے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور یہ کوئی عقد نہیں ہے، اس لئے لازم بھی نہیں ہے، لہذا اگر صانع نے مستصنع فیہ بنا بھی دیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے کیا ہوا وعدہ پورا کیا اور اگر نہیں بنایا تو اس کو بنانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے، زیادہ سے زیادہ کیا جائے گا کہ اس نے وعدہ خلافی کی دوسری طرف مستصنع کو بھی مستصنع فیہ خریدنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے۔

☆ قاضی شریعت دار القضاء امارت شرعیہ رانچی۔

احناف کا مسلک :

جمہور احناف کے نزدیک استصناع جائز ہے، البتہ اس کے لزوم اور عدم لزوم کے سلسلہ میں مشائخ احناف میں اختلاف ہے جس کی تفصیل مرحلہ وار اس طرح ہے: (۱) عقد کے بعد اور عمل سے قبل، (۲) عقد اور عمل سے فراغت کے بعد لیکن معقود علیہ کو مستصنع کے دیکھنے سے قبل، علامہ کاسانی فرماتے ہیں کہ مذکورہ دونوں صورتوں میں عقد کے غیر لازم ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

"فهي أنه عقد غير لازم قبل العمل في الجانبين جميعاً بلا خلاف حتى كان لكل واحد منهما خيار الامتناع قبل العمل... وأما بعد الفراغ من العمل قبل أن يراه المستصنع فكذلك" (بدائع د، ۲)۔

۳۔ تیسرا مرحلہ عمل سے فراغت اور مستصنع کے مبیع کو دیکھنے کے بعد۔ اس میں تین اقوال ہیں، قول اول : صرف مستصنع کو خیار ہے صانع کو نہیں، یہ جمہور احناف کا قول ہے، "فأما إذا أحضر الصانع العين على الصفة المشروطة فقد سقط خيار الصانع و للمستصنع الخيار" (سابق)، قول دوم : دونوں کو خیار ہے یہ امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت ہے، "وروی عن أبي حنيفة رحمه الله أن لكل واحد منهما الخيار" (سابق)، قول سوم : دونوں کو خیار نہیں ہے، یہ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت ہے، "وروی عن أبي يوسف أنه لا خيار لهما جميعاً" (سابق)۔ یہ امام ابو یوسفؒ کا قول آخر ہے کہ صانع یا مستصنع دونوں میں سے کسی کو کوئی خیار حاصل نہیں ہوگا بلکہ صانع کو عمل پر اور (مستصنع فیہ مواصفات مشروطہ کے مطابق ہونے پر) مستصنع کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا اس لئے کہ مستصنع کے قبول نہیں کرنے کی صورت میں صانع کو ضرر لاحق ہوگا بایں معنی کہ شیئ مصنوع کو کوئی دوسرا خریدنے کے لئے تیار نہ ہو یا خریدے مگر مقررہ ثمن سے کم قیمت ادا کرے، اس لئے صانع سے ضرر کو دفع کرنے کے لئے مستصنع کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

اور مجلۃ الاحکام العدلیہ کے مرتبین نے مزید وسعت دیتے ہوئے استصناع کو اس کے انعقاد کے وقت ہی سے لازم مانا ہے اور یہ کہ انعقاد کے بعد کسی فریق کو دوسرے کی رضامندی کے بغیر (امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق) رجوع کا اختیار نہیں ہوگا، ہاں اتنا ضرور ہے کہ اگر مستصنع فیہ مواصفات مشروطہ کے مطابق نہ ہو تو مستصنع کو عقد کے باقی رکھنے یا ختم کرنے کا خیار ہوگا لیکن شرط کے مطابق ہونے پر قبول کرنا ضروری ہوگا... اور اس مسئلہ میں امام ابو یوسف کے قول ہی پر فتوی ہے۔

"المادة : ۳۹۲ : وإذا انعقد الاستصناع، فليس لأحد المتعاقدين الرجوع وإذا لم يكن المصنوع على الأوصاف المطلوبة المبينة كان المستصنع مخيراً، فإذا انعقد فليس لأحد العاقدين على رواية أبي يوسف الرجوع عنه بدون رضاء الآخر، فيجبر الصانع على عمل الشيئ المطلوب وليس له الرجوع عنه، وكذلك ليس للمستصنع أن يرجع عنه، ليس للمستصنع خيار الرؤية خلافاً لبعض الفقهاء وبما أنه قد قبل في هذه المسألة قول أبي يوسف، فلا يكون الخيار الوارد هنا خيار رؤية" (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام العدلیہ لعلی حیدر، المادۃ : ۳۹۲)۔

خلاصہ یہ کہ عقد استصناع انعقاد کے وقت ہی سے لازم ہوتا ہے اور منعقد ہوجانے کے بعد طرفین میں سے کسی کو دوسرے کی رضامندی کے بغیر رجوع کا حق نہیں ہوگا، اسی پر فتوی ہے اور فی زمانہ بلا قید مسالک فقہیہ معاصر فقہاء، علماء محققین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ہاں اگر مستصنع فیہ مواصفات مشروطہ کے مطابق نہ ہو تو مستصنع کو اختیار ہوگا کہ عقد کو باقی رکھے یا ختم کردے۔

کن اشیاء میں استصناع جاری ہوسکتا ہے :

قیاس کا تقاضا تو عقد استصناع کے عدم جواز کا ہے، اس لئے کہ یہ معدوم کی بیع ہے، لیکن یہ عقد استحساناً جائز ہے اور استحسان کی وجہ لوگوں کا اس پر اجماع کرلینا ہے، اس لئے کہ ہر دور میں بلانکیر اس پر لوگوں کا تعامل رہا ہے اور اجماع کی وجہ سے قیاس کو ترک کیا جاتا ہے۔

"فالقياس أن لا يجوز لأنه بيع ما ليس عند الإنسان لا على وجه السلم وقد نهى رسول الله ﷺ عن بيع ما ليس عند الإنسان ورخص في السلم ويجوز استحسانا لإجماع الناس على ذلك، لأنهم يعملون ذلك في سائر الأعصار من غير نكير وقد قال عليه الصلاة والسلام : لا تجتمع أمتي على ضلالة، وقال عليه الصلاة والسلام : ما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن، وما رآه المسلمون قبيحاً فهو عند الله قبيح، والقياس يترك بالإجماع" (بدائع الصنائع، کتاب الاستصناع)۔

تو چونکہ تعامل کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ کر استصناع کو جائز قرار دیا گیا ہے، اس لئے انہیں اشیاء میں عقد استصناع درست ہوگا جن میں استصناع کا عادۃً وعرفاً زمانہ لوگوں میں تعامل ہو جن اشیاء میں تعامل بالاستصناع نہ ہو ان میں عقد استصناع نہیں ہوگا۔

"ومنها أن يكون مما يجري فيه التعامل بين الناس من أواني الحديد... ولا يجوز في الثياب، لأن القياس يأبى جوازه، وإنما جوازه استحسانا لتعامل الناس ولا تعامل في الثياب" (سابق)۔

دوسری بات یہ ہے کہ مستصنع فیہ کا جنس، نوع، مقدار، ہیئت، طول وعرض اور استعمال ہونے والا مواد، اوصاف، معلوم، منضبط، کافی اور نافی جہالت ہو، یعنی مستصنع فیہ اس طرح معلوم اور متعین ہوجائے کہ بعد میں کسی وصف یا کسی شئی کی وجہ سے مفضی الی النزاع نہ ہو، ان اشیاء میں عقد استصناع جاری ہوسکتا ہے۔ "وأما شرائط جوازه فمنها بيان جنس المصنوع ونوعه وقدره وصفته لأنه لا يصير معلوما بدونه" (سابق)۔

"الاستصناع طلب الصنعة وهو أن يقول لصانع... اصنع لي خفا طوله كذا أو سعته كذا، أو دستا، أي برمة، تسع كذا وزنها كذا على هيئة كذا، بكذا" (فتح القدیر ۵/ ۱۱۵)۔

اس شرط کا مقتضی یہ ہے کہ جن اشیاء کے اوصاف کو منضبط کرنا ممکن نہ ہو اس میں استصناع درست نہیں ہوگا اور اگر اوصاف منضبط اور کمیات واضح کئے بغیر عقد کرلیا تو وہ عقد فاسد ہوگا۔

"ومقتضى هذا الشرط أمران :

۱- أن ما لا يمكن ضبطه بالوصف لا يصح استصناعه۔

۲- إذا لم تنضبط الأوصاف أو لم تبين الكميات في العقد، ويكون العقد فاسداً" (فقہ المعاملات ۱/ ۲۸۳)۔

پہلے دور میں جن چیزوں کو آرڈر پر تیار کرایا جاتا تھا وہ معمولی اور چھوٹی مالیت کی ہوتی تھی، اس لئے فقہ کی کتابوں میں بھی استصناع سے متعلق مواد اور صنعتوں کا ذکر اسی دور کی اشیاء کی مناسبت سے ہے جیسا کہ اوپر تذکرہ آیا، لیکن جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا اس میں اضافہ کے ساتھ بے پناہ وسعت پیدا ہوگئی ہے، اس لئے مذکورہ شرطوں کی رعایت کرتے ہوئے اس مفہوم میں میٹریل اور بناوٹ کے اعتبار سے ہر دور کی تمام نئی مصنوعات کے لئے گنجائش ہے خواہ منقولات ہوں یا غیر منقولات۔

"كل شيئ تعومل استصناعه يصح فيه الاستصناع على الإطلاق.... أن الاستصناع صحيح في كل ماتعومل به عادة وعرفا" (درراحکام شرح مادہ ۳۸۹)۔

استصناع بیع یا وعدۂ بیع :

مشائخ احناف میں حاکم شہید، صفار، محمد بن سلمہ اور صاحب منثور کی رائے میں استصناع خالص وعدہ ہے، یعنی من جانب صانع شیئ مطلوب کو بنانے اور من جانب مستصنع، عند التسلیم مستصنع فیہ کو قبول کر لینے کا محض وعدہ ہے، بیع نہیں ہے، لہذا اگر طرفین نے وعدے کے مطابق معاملہ کو عملی شکل دیدی تو یہ بیع بالتعاطی ہے نہ کہ بیع بالاستصناع، اسی لئے اگر طرفین میں سے کوئی اپنے وعدہ سے مکر جائے تو اس کے خلاف عدالتی کاروائی نہیں ہوگی، کیونکہ مواعید میں عدالتی کاروائی نہیں ہے اور یہ کہ طرفین کو خیار ہوگا، چنانچہ صانع کو عمل اور مستصنع کو شیئ مصنوع کو قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ طرفین کو خیار کا حاصل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عقد نہیں ہے، بلکہ وعدۂ محض ہے، اس لئے لازم بھی نہیں ہے۔

"اختلف المشايخ أنه مواعدة أو معاقدة فالحاكم الشهيد والصفار ومحمد بن سلمة وصاحب المنثور مواعدة، وإنما ينعقد عند الفراغ بيعاً بالتعاطي، ولهذا كان للصانع أن لا يعمل ولا يجبر عليه بخلاف السلم، وللمستصنع أن لا يقبل ما يأتي به ويرجع عنه ولا تلزم المعاملة" (شرح فتح القدیر ۷/۱۱۵)۔

لیکن صحیح یہ ہے کہ استصناع وعدہ نہیں بلکہ بیع ہی ہے، یہی عام مشائخ احناف کا مذہب ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کتب فقہیہ میں اس کا نام بیع ہے، اس میں خیار رؤیت ثابت ہے جو کہ خصائص بیوع میں سے ہے، امام محمدؒ نے اس کے جواز میں قیاس اور استحسان کا ذکر کیا ہے، اور یہ مواعید کے لئے ضروری نہیں ہے اور اسی لئے یہ صرف ان اشیاء میں جائز ہے جن میں تعامل بھی ہو جن میں تعامل نہیں ان میں جائز نہیں جب کہ مواعدہ دونوں طرح کی اشیاء میں جائز ہے، اور طرفین میں سے ہر ایک کے لئے خیار کا ثابت ہونا مواعدہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا، اس لئے کہ بیع مقایضہ میں بھی تو ہر ایک کے لئے خیار ہوتا ہے لیکن وہ لامحالہ بیع ہے، اور اس میں عدالتی کاروائی ہوسکتی ہے اور یہ واجبات میں ہوتی ہے نہ کہ مواعید میں۔

اس لئے استصناع وعدہ نہیں بلکہ بیع ہے اور جملہ اختلافات پر نظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے، ماسوی امام زفرؒ عند الاحناف بالاتفاق جائز ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ سلم اور اجارہ کے ساتھ تشابہ کے باوجود استصناع ایک مستقل عقد ہے اور اس کے اپنے مستقل خصوصیات اور مخصوص احکام ہیں، اس لئے کہ استصناع، عقد بیع کے عام قواعد سے الگ ہے بایں طور کہ بیع المعدوم جائز نہیں ہے، لیکن استصناع میں اس کو جائز سمجھا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں خیار رؤیت حاصل نہیں بلکہ اصل اعتبار ان مواصفات مشروطہ کا ہے جو عقد کے وقت طے ہوئے تھے۔

پھر استصناع کے ذریعہ صنعت کار اور تجار کو سلم سے زیادہ سہولت ہے۔ مثلاً سلم میں بوقت عقد رب السلم پر پوری قیمت کا ادا کرنا لازم ہے جب کہ مبیع اس کو بعد میں چل کر ملے گی، جب کہ استصناع میں ثمن کی ادائیگی فی الفور لازم نہیں بلکہ کل مؤجل یا بعض معجل اور بعض مؤجل یا پھر بالاقساط بھی ہوسکتی ہے۔

بیع المستصنع قبل الوجود :

معدوم کی بیع اسی طرح جو چیز انسان کے اپنے ضمان میں نہ آئی ہو، اس پر نفع حاصل کرنے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے :

۱ - ذکر عبداللہ بن عمرو أن رسول اللہ ﷺ قال : ''لا یحل سلف و بیع و لا شرطان فی بیع، و لا ربح ما لم یضمن، و لا بیع ما لیس عندک''۔

۲ - عن حکیم بن حزام قال : أتیت رسول اللہ ﷺ : فقلت یأتینی الرجل یسألنی من البیع ما لیس عندی أبتاع له من السوق ثم أبیعه قال : ''لا تبع ما لیس عندک'' (الترمذی باب ما جاء فی کراہیۃ بیع ما لیس عندک)۔

اور عقد استصناع میں مستصنع کے معقود علیہ کو آگے کسی اور سے فروخت کرنے کی صورت میں اوپر میں مذکور ممانعت کی دونوں وجہیں موجود ہیں بایں معنی کہ ابھی صرف عقد ہوا ہے معقود علیہ وجود میں آیا ہی نہیں ہے، لہذا معدوم ہوا پھر جب تک معقود علیہ صانع کے پاس ہے اسی کے ضمان میں ہوتا ہے، اسی لئے اس دوران معقود علیہ میں نقصان کا ذمہ دار بھی صانع ہی ہوتا ہے نہ کہ مستصنع، لہذا معقود علیہ کو آگے فروخت کرکے نفع کمانا درست نہیں ہوگا، البتہ دوسرے کے ساتھ استصناع کا معاملہ کرسکتا ہے اور یہ استصناع متوازی کہلائے گا۔ ہاں معقود علیہ کی تیاری کے بعد من جانب صانع مستصنع کو اس پر حقیقی یا حکمی قبضہ دے دینے سے صانع کے ضمان سے نکل کر مستصنع کے ضمان میں آجاتا ہے، لہذا اس کو فروخت بھی کرسکتا ہے، اس لئے کہ اس صورت ممانعت کی وجہیں باقی نہیں رہ گئیں بایں طور کہ معقود علیہ مستصنع کے قبضہ میں آجانے سے اس کے ضمان میں آگیا اور معدوم بھی نہیں رہا۔

الاستصناع المتوازی :

استصناع متوازی تین فریقوں کے درمیان دو عقد کا مرکب ہوتا ہے جیسے خالد کو فلیٹ کی ضرورت ہے جس کے لئے اس نے مالیاتی ادارہ کے ساتھ رابطہ کیا پھر دونوں کے درمیان شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے معاقدۂ مصانعہ ہوا، اب مالیاتی ادارہ معقود علیہ کو مواصفات مشروطہ کے مطابق تیار کرانے کے لئے کسی صناعتی کمپنی یا ماہر صناع کے ساتھ دوسرا عقد کرتا ہے اور معقود علیہ تیار کرا کر حاصل کرتا ہے، پھر خالد کے حوالہ کرتا ہے اس صورت کو استصناع متوازی کہا جاتا ہے۔ کیا یہ صورت درست ہے یا پھر مستصنع کو غیر صانع سے نہیں بلکہ براہ راست صانع ہی سے معاقدہ کرنا ہوگا۔ تو فقہاء کرام نے جہاں استصناع کے شروط و حدود کو بیان کیا ہے اس میں اس قید کا تذکرہ نہیں ہے کہ عقد براہ راست کسی اہل صنعت ہی کے ساتھ ہو، لہذا براہ راست صانع ہی کے ساتھ معاقدہ کو ضروری قرار دینا درست نہ ہوگا خصوصاً جب کہ من جانب صانع کسی غیر کی صنعت سے تیار سامان پیش کردینے کو کافی سمجھا گیا ہو۔ بایں معنی کہ عقد عین معمول پر منعقد نہیں ہوا ہے، بلکہ صانع کے ذمہ اس کی مثل ہے، اسی لئے اگر صانع کسی دوسری جگہ سے اسی طرح کا سامان خرید کر مستصنع کے حوالہ کردے تو بھی جائز ہے، صاحب بدائع فرماتے ہیں :

''لأن العقد ما وقع علی عین المعمول بل علی مثله فی الذمة لما ذکرنا أنه لو اشتری من مکان آخر و سلم إلیه جاز''

(بدائع کتاب الاستصناع)۔

اور اس لئے بھی کہ اگر استصناع صانع ہی کے ساتھ ضروری ہوتا تو صانع کے علاوہ دوسرے کا تیار کردہ سامان پر استصناع درست نہیں ہونا چاہئے تھا، مگر ایسا نہیں ہے، اس لئے کہ اگر صانع نے مستصنع کے سامنے اس کی شرط کے مطابق مطلوبہ سامان حاضر کردیا جو اس نے ازخود تیار نہیں کیا ہے یا تیار تو اسی نے کیا مگر عقد سے قبل اور مستصنع نے وہ سامان قبول کرلیا تو یہ صورت درست ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: ''لو جاء به مفروغاً لا من صنعته أو من صنعته قبل العقد فأخذها جاز'' (الہدایہ ۳؍۷۸)۔

اور فقہاء نے اجارہ کے باب میں یہ ذکر کیا ہے کہ اگر متاجر نے اجیر پر بذات خود کام کرنے کی شرط رکھی اور اسی پر معاملہ ہوگیا تو اجیر پر ازخود کام کرنا ضروری ہوگا، لیکن اگر اس طرح کی کوئی شرط نہیں رکھی بلکہ مطلق معاملہ ہوا تو اجیر کے لئے درست ہوگا کہ ازخود کام کرے یا کسی اور سے کرائے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

''وقال: وإذا شرط على الصانع أن يعمل بنفسه فليس له أن يستعمل غيره لأن المعقود عليه العمل في محل بعينه فيستحق عينه كالمنفعة في محل بعينه وإن أطلق له العمل فله أن يستأجر من يعمله، لأن المستحق عمل في ذمته ويمكن إيفاؤه بنفسه وبالاستعانة بغيره بمنزلة إيفاء الدين'' (کتاب الاجارات، الہدایہ لمرغینانی)۔

اور استصناع متوازی میں عقد اول کے مستصنع کو اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ مالیاتی ادارہ ازخود معقود علیہ تیار کرکے کسی صنعتی ادارہ سے تیار کرائے گا بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسی پر تعامل بھی ہے اس لئے صانع کے لئے درست ہوگا کہ کسی اور سے تیار کرا کر مستصنع کے حوالہ کرے لیکن اگر کسی خاص صنعتی کمپنی یا ماہر صناع کی شرط کے ساتھ معاملہ طے پایا ہے تو اس کی پابندی ضروری ہوگی۔ استصناع متوازی میں ضروری ہے کہ دونوں عقد ایک دوسرے سے منفصل ہو، اسی طرح ایک کا دوسرے پر انحصار اور رابطہ نہ ہو۔

استصناع متوازی میں درمیانی فریق کا حصول نفع:

استصناع متوازی میں درمیانی فریق کا عقد ثانی کا ثمن عقد اول سے کم رکھ کر نفع کمانے میں کوئی قباحت نہیں ہے، اگرچہ اس سلسلہ کی تفصیلات استصناع کے باب میں نہیں ملتیں، لیکن اجارہ کے باب میں اگر متاجر نے کسی شخص کے ساتھ خاص کام کے لئے معاملہ کیا مگر اس شخص نے ازخود وہ کام نہ کرکے کسی دوسرے سے اس کام کو کرانے کے لئے معاملہ اول سے کم قیمت پر معاملہ طے کرلیا تو فقہاء نے اس کو صحیح سمجھا ہے، علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

''والدليل عليه أن صانعاً تقبل عملاً بأجر ثم لم يعمل بنفسه ولكن قبله لغيره بأقل من ذلك طاب له الفضل ولا سبب لاستحقاق الفضل إلا الضمان'' (بدائع الصنائع، کتاب الشرکۃ، فصل وأما بیان شرائط جواز ہذہ الأنواع)۔

مستصنع کے مکرنے پر بیعانہ کی ضبطی:

استصناع میں عقد سلم کی طرح ثمن کی ادائیگی فی الفور ضروری نہیں ہے، اس میں کل یا بعض ثمن کو مؤجل رکھنا بھی درست ہے، درر الحکام میں ہے:

''لا يلزم في الاستصناع دفع الثمن حالاً أي وقت العقد، أي لا يلزم فيه تعجيل الدفع وقد بين في المادة (۳۸۷): أن

تعجیل دفع الثمن شرط فی السلم لا فی الاستصناع، وعلی کل فکما یکون الاستصناع صحیحاً بالتعجیل یکون صحیحاً بتأجیل بعض الثمن أو کله" (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام از علی حیدر، شرح مادہ ۳۹۱)۔

اگر مستصنع نے بوقت عقد یا درمیان میں بعض یا کل ثمن ادا کردیا ہو اس کے باوجود مبیع کو لینے سے انکار کردے تو کیا اس ادا شدہ رقم کو صانع کے لئے رکھ لینا صحیح ہوگا یا جس طرح معاملہ طے نہیں ہونے پر مروجہ بیعانہ کی واپسی از روئے شرع ضروری ہے اسی طرح استصناع میں بھی ادا شدہ رقم کو واپس کرنا ضروری ہوگا، یہ جاننے سے قبل مناسب ہوگا کہ بیعانہ اور پھر استصناع میں ثمن میں ملک کا حکم سامنے آجائے۔

بیعانہ:

بیعانہ کی صورت یہ ہے کہ خریدار، بائع سے کوئی سامان خریدتے ہوئے قیمت کا کچھ حصہ ادا کردے اور کہے کہ اگر میں نے سامان خرید لیا تو ادا کردہ رقم ثمن کا حصہ قرار پائے گا اور اگر میں نے سامان نہیں خریدا تو ادا کردہ رقم تمہاری ہوجائے گی، اس پر میرا مطالبہ نہیں ہوگا، اس کو بیع عربان کہا جاتا ہے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے:

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن بیع العربان، قال أبو عبد الله: العربان أن یشتری الرجل دابة بمائة دینار فیعطیه دینارین عربونا فیقول: إن لم أشتر الدابة فالدیناران لک وقیل: یعنی والله أعلم أن یشتری الرجل الشیئ فیدفع إلی البائع درهما أو أقل أو أکثر ویقول: إن أخذته وإلا فالدرهم لک (سنن ابن ماجہ، باب بیع العربان، رقم الحدیث ۲۱۸۳)۔

تاہم اگر فریقین نے مذکورہ صورت پر معاملہ کرلیا اور خریدار نے حسب وعدہ سامان نہیں خریدا تو ایسی صورت میں بائع کے لئے بیعانہ کی رقم جائز نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس کے حق میں بغیر عوض کا مال ہے لہذا بیعانہ کی رقم خریدار کو واپس کرنا ضروری ہوگا، بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد میں ہے:

"وإنما صار الجمهور إلی منعه، لأنه من باب الغرر والمخاطرة، وأکل المال بغیر عوض" (الباب الرابع فی بیوع الشروط والثنیا)۔

استصناع میں پیشگی رقم کا حکم:

اوپر ذکر آچکا ہے کہ عقد استصناع انعقاد کے وقت ہی سے لازم ہوتا ہے اور منعقد ہوجانے کے بعد طرفین میں سے کسی کو دوسرے کی رضامندی کے بغیر رجوع کا حق نہیں ہوتا ہے، اس لزوم سے من جانب مستصنع بوقت عقد یا درمیان میں صانع کو ادا کی گئی رقم میں صانع کا ملک لازم ہونا بھی ثابت ہوگیا، علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

"فصل وأما حکم الاستصناع فهو ثبوت الملک للمستصنع فی العین المبیعة فی الذمة، وثبوت الملک للصانع فی الثمن ملکاً غیر لازم علی ماسنذکره إن شاء الله تعالی" (بدائع ۵/۲)، "وأما حکم الاستصناع فحکمه فی حق المستصنع إذا أتی الصانع بالمستصنع علی الصفة المشروطة ثبوت ملک غیر لازم فی حقه حتی یثبت له خیار الرؤیة إذا رآه إن شاء أخذه وإن شاء ترکه، وفی حق الصانع ثبوت ملک لازم إذا رآه المستصنع ورضی به، ولا خیار له وهذا جواب ظاهر الروایة" (بدائع ۵/۲۱۰)۔

تو استصناع میں صانع پیشگی ادا شدہ رقم کا مالک ہے جب کہ بیعانہ کی صورت اس سے مختلف ہے جس کی تفصیل آ چکی ہے اس لئے بیعانہ کی طرح استصناع میں پیشگی ادا شدہ رقم کی واپسی نہیں ہے بلکہ مستصنع کے لئے ضروری ہوگا کہ ثمن کا مابقی حصہ صانع کو ادا کرے اور مستصنع فیہ کو قبول کرے۔

مستصنع کے مکرنے پر مبیع کی فروختگی اور مابقی کی وصولی :

مستصنع فیہ مواصفات مشروطہ کے مطابق ہونے کے باوجود اگر مستصنع اس کو لینے سے انکار کردے، ایسی صورت میں صانع کے لئے مبیع کو فروخت کرانا درست ہوگا اور مقررہ قیمت سے زائد رقم مستصنع کو دیدے گا اور کمی کی صورت میں ثمن کا مابقی حصہ اس سے وصول کرے گا۔

"یجوز النص في عقد الاستصناع على توكيل المستصنع للصانع ببيعه إذا تأخر المستصنع عن تسلمه مدة معينة، فيبيعه على حساب المستصنع ويرد الزيادة إليه إن وجدت، أو يرجع عليه بالنقص إن وجد، وتكون تكلفة البيع على المستصنع" (المعیار الشرعی رقم (۱۱) الاستصناع والاستصناع الموازی ص: ۲۱۲ ہیئۃ المحاسبۃ والمراجعۃ للمؤسسات المالیۃ الاسلامیۃ)۔

مبیع کی حوالگی کی تاخیر پر تاوان :

استصناع کے شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں مبیع کی حوالگی کا میعاد متعین ہو اور صانع کے لئے لازم ہوگا کہ وقت مقررہ میں مبیع مستصنع کے حوالہ کردے۔ اس سلسلہ میں فریقین کے لئے جائز ہوگا کہ باہمی اتفاق سے شرط جزائی عائد کردے کہ اگر صانع نے وقت مقررہ میں مبیع حوالہ نہیں کیا تو ہر دن کی تاخیر پر قیمت سے اتنی متعین رقم کم ہوتی جائے گی، لیکن یہ اس وقت صحیح ہوگا جب کہ حوالگی میں تاخیر غیر اختیاری حالات کی بنیاد پر نہیں ہوئی ہو، بخاری شریف میں ہے :

"والشروط التي يتعارفها الناس بينهم، وإذا قال: مائة إلا واحدة أو ثنتين، وقال ابن عون عن ابن سيرين قال رجل لكريه: أدخل ركابك، فإن لم أرحل معك يوم كذا وكذا فلك مائة درهم، فلم يخرج، فقال شريح: من شرط على نفسه طائعاً غير مكره فهو عليه، وقال أيوب عن ابن سيرين: إن رجلاً باع طعاماً وقال: إن لم آتك الأربعاء فليس بيني وبينك بيع، فلم يجيء، فقال شريح للمشتري: أنت أخلفت، فقضى عليه" (باب ما یجوز من الاشتراط والثنیا فی الاقرار)۔

خلاصہ :

استصناع محض وعدہ نہیں بلکہ بیع ہے جو اپنے انعقاد کے وقت ہی سے لازم ہوتا ہے اور ہر اس شئی میں جائز ہے جس میں تعامل ناس ہو اور اس کی نوع، جنس اور صفات قابل انضباط ہو، خواہ وہ منقولات کے قبیل یا غیر منقولات کے قبیل سے، استصناع متوازی میں درمیانی فریق کو عقد اول کے مقابلے میں عقد ثانی میں کم قیمت پر معاملہ کرتے ہوئے نفع کمانا درست ہوگا، مستصنع فیہ کے مواصفات مشروطہ کے مطابق ہونے کے باوجود مستصنع اس کو قبول کرنے سے مکر جائے تو من جانب مستصنع ادا کردہ پیشگی رقم پر صانع کی لازمی ملکیت ہونے کی وجہ سے صانع کو روک لینا صحیح ہوگا، اسی طرح اگر فریقین باہمی رضامندی سے شرط جزائی عائد کردے اور بلا عذر غیر اختیاری صانع وقت مقررہ پر مستصنع فیہ حوالہ نہ کرسکے تو شرط کے مطابق مستصنع کے لئے قیمت میں کمی کرنا درست ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

استصناع سے متعلق مسائل واحکام

مولانا عبدالتواب اناوی ☆

الحمد للہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی سید المرسلین محمد صلی اللہ علیہ و سلم و علی الہ و أصحابہ و من تبعھم أجمعین۔

استصناع کی لغوی تعریف :

"ھو لغۃ طلب عمل الصنعۃ أی أن یطلب من الصانع العمل"۔

کسی کاریگر کو کسی چیز کے بنانے کا حکم دیا جائے، یا اس سے کسی چیز کے بنا کر دینے کی فرمائش کی جائے۔

استصناع کی شرعی تعریف :

ھو شرعاً طلب عمل من الصانع فی شیئ خاص علی وجہ مخصوص۔

کسی خاص چیز کو اس کے خاص اوصاف ذکر کرتے ہوئے کسی کاریگر کو اسے بنانے کا حکم، آرڈر یا فرمائش کرنے کو شریعت میں استصناع کہتے ہیں۔

استصناع کا ثبوت :

حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آرڈر دے کر انگوٹھی اور منبر بنوایا تھا، کما فی المبسوط السرخسی، قال : وفی الحدیث "أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم استصنع خاتماً و استصنع المنبر" (مبسوط السرخسی ۱۲/۱۲۱ بیروت)۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر آج تک استصناع پر لوگوں کا تعامل موجود ہے، کسی زمانہ میں اس پر عمل بند نہیں ہوا، اور نہ ہی کسی طرح کی نکیر اس بابت منقول ہے، ہمیشہ ہر زمانے میں استصناع معمول بہ رہا ہے۔

وفی المبسوط : فإنھم تعاملوہ من لدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی یومنا ھذا من غیر نکیر منکر (المبسوط للسرخسی ۱۲/۱۲۱ بیروت)۔

اس تعامل کی شرعی حیثیت جس پر نکیر نہ ہو :

وہ تعامل الناس جس پر کسی زمانہ میں بھی نکیر نہ ہوئی ہو اور وہ دور اول سے کسی نہ کسی صورت میں موجود ہو تو اگرچہ وہ اصولاً قواعد شرعیہ "قیاس" کے مغائر کیوں نہ ہو اسے استحساناً جائز قرار دے دیا جاسکتا ہے۔

☆ مہتمم جامعہ اسلامیہ مدار نگر، فریدپور کنہ، اناؤ۔

كما في المبسوط وتعامل الناس من غير نكير أصل من أصول كبير، لقوله ﷺ: "ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن" وقال ﷺ: "لا تجتمع أمتي على ضلالة" وهو نظير دخول الحمام بأجر فإنه جائز لتعامل الناس، وإن كان مقدار المكث فيه وما يصب من الماء مجهولا، وكذلك شرب الماء من السقاء بفلس، والحجامة بأجر جائز لتعامل الناس، وإن لم يكن له مقدار - إلى أن قال - فإذا ثبت هذا، يترك كل قياس في مقابلته" (المبسوط للسرخسی، کتاب البیوع ۱۲/ ۱۲۱ بیروت)۔

استصناع بھی اصولاً قیاس کے مغائر ہے :

چونکہ عقد استصناع میں مبیع معدوم پر معاملہ ہوتا ہے ضابطہ یہ ہے کہ جس عقد بیع میں مبیع معدوم ہو وہ بیع باطل ہوتی ہے یعنی وہ عقد سرے سے ہوتا ہی نہیں ہے، لہذا بیع استصناع بھی درست اور جائز نہ ہونی چاہئے، مگر عموم اور تعامل کی بنیاد پر شریعت اسلامیہ نے اسے استحساناً جائز قرار دیا ہے۔

وفي المبسوط وغير ذلك، فالقياس أن لا يجوز ذلك، لأن المستصنع فيه مبيع وهو معدوم، وبيع المعدوم لا يجوز، لنهيه ﷺ عن بيع ليس عند الإنسان، ثم هذا في حكم بيع العين ولو كان موجودا غير مملوك للعاقد لم يجز بيعه، فكذلك إذا كان معدوما بل أولى (المبسوط للسرخسی کتاب البیوع ۱۲/ ۱۲۱ بیروت)۔

عقد استصناع کے ارکان :

عقد استصناع کے ارکان تین ہیں :

۱ــ عاقدین یعنی صانع (بائع) مستصنع (مشتری)۔

۲ــ صیغہ (جس لفظ یا صیغہ سے متعاقدین عقد پر رضامند ہوں خواہ زبانی یا کسی تحریر پر)۔

۳ــ محل (مستصنع) یعنی جس پر عقد استصناع کیا گیا ہو۔

وفي البحر الرائق: وشرعاً أن يقول لصاحب الخف: اصنع لي خفا طوله كذا، وسعته كذا على هيئة كذا بكذا، فيقبل الآخر منه (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب البیوع، باب السلم ۶/ ۲۸۳)۔

شرائط استصناع :

وفي البدائع: وأما شرائط جوازه فمنها: بيان جنس المستصنع ونوعه، وقدره، وصفته، ولأنه مبيع فلا بد أن يكون معلوما، والعلم إنما يحصل بأشياء، منها: أن يكون ما للناس فيه تعامل، كالقلنسوة والخف والآنية ونحوها فلا يجوز فيما لا تعامل لهم فيه، كما إذا أمر حائكاً أن يحوك له ثوبا بغزل نفسه ونحو ذلك مما لم تجر عادات الناس بالتعامل فيه، لأن جوازه مع أن القياس يأباه ثبت بتعامل الناس فيختص بما لهم فيه تعامل ويبقى الأمر فيما وراء ذلك موكولاً إلى القياس (بدائع الصنائع، کتاب البیوع، باب حکم الاستصناع ۴/ ۴۴۴)۔

عقد استصناع میں مستصنع (مبیع) کی صفات کا تذکرہ ضروری ہے، یعنی جس شیئ پر عقد کیا جارہا ہے اس کی جنس، اس کی نوع، اس

کی مقدار خواہ عرض وطول میں ہو یا وزن میں اور اس کی صفت، رنگ وروپ نیز اس کی ڈیزائن وغیرہ کا تذکرہ بھی عندالعقد ضروری ہے، اسی طرح استصناع کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ استصناع صرف انہیں چیزوں میں جائز ہوگا جس میں لوگوں کے درمیان تعامل ہو، جیسے ٹوپی بنوانا، جوتا، موزہ، برتن وغیرہ بنوانا، اور جن چیزوں میں لوگوں کے درمیان تعامل نہ ہو ان میں استصناع جائز نہ ہوگا۔ مثلاً کسی کپڑا بننے والے شخص کو ایک خاص قسم کا کپڑا بننے کا حکم دینا کہ ایسا ایسا کپڑا بن دے یہ جائز نہ ہوگا، کیونکہ لوگوں کی عادات اور تعامل اس طرح کی چیزوں میں نہیں ہے اور جب تعامل نہیں ہے تو حکم قیاس کی طرف راجع ہوگا، اور قیاساً یہ استصناع ناجائز ہے۔

ا- گذشتہ زمانے میں فقہاء کے درمیان جن چیزوں کے کارخانے تھے یا جس طرح لوگ کام کرتے تھے اس کا اعتبار کرتے ہوئے انہوں نے اپنے زمانے کی چیزوں کا تذکرہ کیا ہے، جیسے بدائع الصنائع میں علامہ کاسانی لکھتے ہیں :

''ومنها أن یکون مما یجری فیه التعامل بین الناس من أوانی الحدید، والرصاص، والنحاس، والزجاج، والخفاف، والنعال، ولجم الحدید للدواب، ونصول السیوف والسکاکین، والقسی والنبل والصلاح کله، والطشت، والقمقمة ونحو ذلک'' (بدائع الصنائع للکاسانی کتاب الاستصناع ۵؍ ۳)۔

لیکن موجودہ زمانہ میں آرڈر اور ٹھیکہ پر تیار کی جانے والی چیزوں کی فہرست بہت طویل ہے، ادنی اور معمولی چیزوں سے لے کر بڑی سے بڑی چیزیں آرڈر پر تیار کی جاتی ہیں، اور اس شکل نے تجارتی دنیا میں بڑی آسانیاں پیدا کر رکھی ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ہر آرڈر پر تیار کی جانے والی اشیاء میں عقد استصناع جاری ہوگا یا بعض میں جاری ہوگا اور بعض میں نہیں، اور جس بعض میں عقد استصناع جاری ہوگا ان کے لئے معیار اور شرائط کیا ہوں گے، اور جن بعض میں نہیں تو کیوں، ان دونوں کے درمیان کیا فرق ہوگا اور کیا اصول وضوابط؟

فقہاء کرام نے عقد استصناع کے لئے چار چیزیں بطور شرط بیان کی ہیں :

(۱) جنس مصنوع، (۲) نوع مصنوع، (۳) مقدار مصنوع، (۴) صفت مصنوع۔

کبھی یہ چیزیں بوقت عقد زبانی بیان کی جاتی ہیں، اور کبھی ان کا تحریری دستاویز تیار کیا جاتا ہے مثلاً انجینئر سے نقشہ بنوا کر ٹھیکہ دار کو دے دیا جاتا ہے، ٹھیکہ دار نقشہ کے مطابق کام کی تکمیل کر دیتا ہے، پھر ٹھیکہ دار کبھی اپنے پاس سے میٹریل (سامان) لگاتا ہے اور کبھی آرڈر دینے والے سے لیتا ہے۔

نقشہ کا مطلب ہوتا ہے کہ اس میں یہ بھی تحریر ہوتا ہے کہ کون سی چیز کہاں پر ہوگی، اور کس جگہ پر کیا سامان لگے گا یعنی پوری تفصیل اس کے اندر موجود ہوتی ہے یعنی، جنس، نوع، قدر، اور صفت چاروں شرائط کا احاطہ نقشہ کے اندر ہوتا ہے، اس تفصیل کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو چیزیں نقشہ کی بنیاد پر تیار کی جاتی ہیں اور عوام الناس کے درمیان ان کا تعامل ہے، وہ سب عقد استصناع کے تحت داخل ہوں گی، مثلاً عمارتوں کا بنوانا، کارخانوں کا بنوانا، بل لگوانا، فلیٹ کی خریداری، کارخانوں میں اپنی فرمائشی تفصیل پر سامان تیار کروانا وغیرہ یہ سب چیزیں عقد استصناع میں داخل ہوں گی، اور جہاں مذکورہ تفصیل واضح نہ ہو وہاں عقد استصناع جاری نہ ہوگا۔

عقد استصناع کے لئے ضابطہ یہ ہوگا کہ چھوٹی اشیاء جو کارخانوں میں بنتی ہیں مثلاً تخت، چارپائی، الماری، بیٹ وغیرہ، ان کی

فرمائش کرنے کے لئے اوصاف شئ عند العقد بیان کرنا اور اگر ہو سکے تو ان کو تحریر کرنا ضروری ہوگا ورنہ عقد صحیح نہ ہوگا اور بڑی اشیاء، مثلاً فلیٹ، مل، کارخانے، فیکٹری، مکانات، برج، روڈ، پل وغیرہ، چیزیں بنانے یا بنوانے کے لئے عقد استصناع اس وقت درست ہوگا جب ان کی پوری تفصیلات کا نقشہ متعاقدین کے روبرو ہو اور اسی کے مطابق عقد ہو اور بائع عین نقشہ کے مطابق مستصنع (مبیع) پیش کرے اور مشتری اسے قبول کرے۔

۲ — استصناع خود بیع ہے وعدہ بیع نہیں، جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔ وفی الهداية : والصحيح أنه يجوز بيعا لا عدة (فتح القدیر ۷/۱۰۸)۔

۳ — عن حكيم بن حزام ﷺ قال : قلت يا رسول الله! يأتيني الرجل فيسألني البيع وليس عندي أفأبيعه؟ قال : لا تبع ما ليس عندك (سنن ابن ماجہ باب النہی عن بیع مالیس عندک رقم ۲۱۸۷)۔

"نهى رسول الله ﷺ عن بيع ما ليس عند الإنسان ورخص في السلم" (بدائع الصنائع، کتاب الاستصناع ۵/ ۹۳)۔

عن ابن عمر ﷺ أن النبي ﷺ قال : من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه "زاد اسماعيل" من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه (بخاری)۔

مذکورہ روایات واحادیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، چہ جائیکہ شئ معدوم کی بیع وہ بدرجہ اولی نادرست ہوگی۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ العرف الشذی میں مذکورہ حدیث کے عنوان سے کہ مبیع جب شئی غیر منقولہ ہو تو عند الشیخین قبل القبض درست ہے۔

قال : التصرف في المبيع قبل القبض عند الشيخين جائز إذا كان المبيع عقارا إلا في المنقولات وعند محمد لا يجوز في شيئ، وقال الثلاثة أي الحجازيون يجوز التصرف في كل شيئ إلا الطعام، والله أعلم (العرف الشذی علی جامع الترمذی باب کراہیۃ بیع مالیس عندک ۱/ ۹۹)۔

مذکورہ عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عقار موجود ہو تو قبل القبض جائز ہوگا، اور جب عقار معدوم ہو تو پھر کسی بھی طرح درست نہیں بیع معدوم جائز نہیں ہے، چونکہ استصناع میں مبیع معدوم کو موجود پر محمول کرکے بیع کو جائز قرار دیا جاتا ہے، مگر یہ صرف مستصنع (مشتری) کے لئے ہی جائز ہے استحسانا، یہ نہیں ہوسکتا کہ مستصنع (مشتری) ابھی مستصنع مبیع کے کل یا بعض حصہ پر بلا قبضہ دوسرے کو فروخت کرے۔

مفتی زین الاسلام صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں : واضح رہے کہ فلیٹ پر مکمل قبضے سے پہلے اس کو کسی دوسرے شخص کو بیچنا بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ ابھی مبیع پر قبضہ نہیں ہوا ہے اور بیع قبل القبض جائز نہیں ہے (چند اہم عصری مسائل پر دارالافتاء دارالعلوم دیوبند سے صادر کئے گئے فتاوی ص: ۲۸۳)۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب لکھتے ہیں :

اگر ابھی بلڈنگ تعمیر ہی نہیں ہوئی ہے تو خریدنے والے شخص سے اس کا بیچنا جائز نہیں ہے، کیونکہ جو چیز بیچی جائے اس کا فی الجملہ موجود ہونا ضروری ہے۔ البتہ اگر چھت پڑ چکی ہو یا کسی حد تک مکان وجود میں آچکا ہو تو بحالت موجودہ اس کی جو قیمت مقرر ہو اس کے لحاظ سے فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ اس حد تک مکان وجود میں آچکا ہے (کتاب الفتاوی ۵/ ۲۷۰ دیوبند)۔

۴— عقد استصناع اشیاء منقولہ وغیر منقولہ دونوں میں درست اور جائز ہے، چونکہ عقد استصناع کے شرائط میں یہ ہے کہ جس چیز پر استصناع کیا جارہا ہے اس کی صورت وشکل کیسی ہوگی واضح ہو، اس کی مقدار کیا ہوگی یہ بھی واضح ہو اور اس کی کیفیت، کمیت، رنگ وروپ، وزن اور ڈیزائن وغیرہ واضح طور پر بیان کی جائیں، اور لوگوں کے درمیان اس کا تعامل ہو، یہ شرائط جس محل میں پائی جائیں گی خواہ وہ از قبیل منقول ہو یا غیر منقول استصناع درست ہوگا، اس لئے کہ عقد استصناع کی شرائط میں یا ارکان میں یہ نہیں ہے کہ وہ صرف منقولہ میں درست ہوگا اور غیر منقولہ میں درست نہیں یا صرف غیر منقولہ میں جائز ہے منقولہ میں جائز نہیں۔ شریعت نے ارکان وشرائط ذکر کرکے ایک ضابطہ بیان کردیا کہ جس عقد استصناع کے اندر یہ چیزیں لازمی طور پر موجود ہوں گی وہ باعتبار عقد درست اور جائز ہوگا خواہ ان کا تعلق اموال منقولہ سے ہو یا اموال غیر منقولہ سے ہو، لہذا فلیٹ، عمارت، برج وغیرہ کی تعمیر میں بھی عقد استصناع درست ہوگا۔

علامہ تقی عثمانی استصناع کے حوالے سے اپنے ایک دستاویز میں لکھتے ہیں:

آج کل جتنے ٹھیکہ داریوں میں کام ہورہے ہیں وہ سب عقد استصناع میں آرہے ہیں (اسلام اور جدید معاشی مسائل، باب مخصوص اشیاء کی خریدوفروخت ۴/ ۷۰ دیوبند)۔

ایک جگہ پر تحریر فرماتے ہیں: پہلے زمانے میں جو استصناع ہوتا تھا وہ چھوٹے پیمانے پر تھا کہ کسی نے منبر بنوالیا، کسی الماری بنوالی، اور کسی نے فرنیچر بنوالیا، اب جو استصناع ہورہا ہے یہ بہت بڑے بڑے منصوبوں کا ہوتا ہے، کوئی مل لگاتا ہے تو اس کے لئے مشینری کا پلانٹ لگاتا ہے اور یہ مشینری پلانٹ کروڑوں روپے کا بنتا ہے، اب اگر کسی نے دوسرے آرڈر دے دیا کہ آپ میرے لئے چینی بنانے کا پلانٹ لگادو یہ استصناع ہوا (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/ ۶۸–۶۹ دیوبند)۔

ایک جگہ لکھتے ہیں: اس وقت ساری دنیا میں یہ عقد چل رہا ہے (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/ ۷۰ دیوبند)۔

مذکورہ تفصیل کے بعد یہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عقد استصناع جملہ ان امور میں جن میں تعامل الناس ہو اور عقد استصناع کے ارکان وشرائط موجود ہوں بر بنائے استصناع جائز ہونا چاہئے، یہی استحسان کا تقاضا ہے، ورنہ ضرورت ہی کیا تھی کہ اصول بیع سے ہٹ کر عقد استصناع کو جائز قرار دیا جائے۔ نیز فقہاء کرام نے عقد استصناع کے شرائط وارکان، ذکر کرنے کے بعد ان اشیاء کا تذکرہ شمار بھی فرمایا جن کا عرف میں ان کے زمانے میں استصناع ہوتا تھا، نیز "ونحوہ" کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ بھی کیا کہ ان اشیاء کے مثل نہیں بلکہ ان ضابطوں پر جو عقود ہوں گے ان میں استصناع درست ہوگا، اسی وجہ سے "ثیاب" کا تذکرہ کرکے منع فرمایا، کیونکہ کپڑا بنوانا ان ضابطوں کے خلاف تھا یا عرف نہیں تھا اس لئے منع فرمایا، حالانکہ قیمۃً انہیں اشیاء کے مثل ہوگا جن کو شمار کرایا ہے۔ اس لئے استصناع کے اصول وشرائط جس عقد میں موجود ہوں خواہ وہ از قبیل منقولہ ہو یا غیر منقولہ عقد استصناع درست ہوگا۔

۵— وفي المبسوط، والأصح المعقود عليه المستصنع فيه، وذكر الصنعة لبيان الوصف، فإن المعقود هو المستصنع فيه، ألا ترى أنه لو جاء به مفروغاعنه لا من صنعته أو من صنعته قبل العقد فأخذه كان جائزا، والدليل أن محمدا قال

إذا جاء به مفروغا عنه فللمستصنع الخيار لأنه اشترى شيئاً ما لم يره، وخيار الرؤية إنما يثبت في بيع العين، فعرفنا أن المبيع هو المستصنع فيه (المبسوط للسرخسی، کتاب البیوع ۱۲/۱۴۱ قاہرہ)۔

وفي الدر المختار: قال: (والمبيع هو العين (لا عمله) (فإن جاء) الصانع بمصنوع غيره أو بمصنوعه قبل العقد فأخذه (صح) (ردالمحتار علی الدر المختار، مطلب فی الاستصناع)۔

مذکورہ بالا عبارات سے مفہوم ہوتا ہے کہ عقد استصناع میں صانع پر عمل لازم نہیں ہے، اسے اختیار ہے کہ خود کرے یا کسی سے کروالے یعنی مشتری کو مستصنع فیہ چاہئے اپنی مذکورہ صفات پر اور اسی پر اس نے بائع سے عقد کیا ہے۔ اب بائع اسے خود بنا کر دے چاہے یا کسی سے بنوا کر دے دونوں طرح درست ہے۔

اب اگر خود بنا کر دے تب تو ٹھیک، لیکن اگر کسی دوسرے سے بنوائے گا تو ظاہر ہے کہ یہ ایک دوسرا معاملہ ہوجائے گا۔ اس لئے بائع کسی تیسرے آدمی سے کہے گا کہ مجھے فلاں سامان ایسا ایسا بنا کر دے اور قیمت متعین کر کے وہ تیسرا آدمی سامان تیار کر کے اپنے مشتری (آمر) کو دے گا پھر وہ مشتری اول کو سامان حوالہ کرے گا، اس میں اگر کوئی قباحت ہوتی تو فقہاء کرام اسے ذکر ہی نہ کرتے، وہاں تو خود ہی یہ بات مذکور ہے۔

البتہ دونوں معاملے ایک نہ ہوں، الگ الگ ہوں، کسی بھی طرح کا دوسرے سے تعلق، شرط وغیرہ نہ ہو۔

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم الاستصناع المتوازی کی صورت ذکر فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:

لیکن شرط یہ ہے کہ یہ دونوں عقد (جو میرے اور زید کے درمیان اور زید اور خالد کے درمیان ہوئے) ہیں ان دونوں کے درمیان کوئی ربط نہ ہو، دونوں کے علاحدہ ایک دوسرے سے ممتاز ہوں، یعنی فرض کرو کہ خالد نے تکمیل کر کے نہ دی پھر بھی زید پر لازم ہوگا کہ میرے اور زید کے درمیان جو معاہدہ ہے زید اس کو پورا کرے۔

آج کل کی اصطلاح میں اس کو الاستصناع المتوازی کہتے ہیں۔

اس کے جواز کی شرط یہ ہے کہ دونوں عقد منفصل ہوں، ایک دوسرے کے ساتھ مشروط نہ ہوں، ایک دوسرے پر موقوف نہ ہوں، ایک کی ذمہ داریاں دوسرے کی ذمہ داریوں کے ساتھ گڈمڈ نہ ہوں۔

جو آج کل فلیٹوں کی بکنگ ہو رہی ہے، پہلے سے بکنگ کے پیسے لیتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ پیسے دیئے جاتے ہیں، اس کی فقہی تخریج استصناع ہے (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/ ۲۷، دیوبند)۔

۲ — إن النبي ﷺ نهى عن بيع العربان، قال: أبو عبد الله: العربان أن يشتري الرجل دابة بمائة دينار فيعطيه دينارين عربونا فيقول: إن لم اشتر الدابة فالديناران لك، وقيل: يعني والله أعلم أن يشتري الرجل الشيئ فيدفع إلى البائع درهما أو أقل أو أكثر ويقول: إن آخذته وإلا فالدرهم لك (ابن ماجہ، کتاب ابواب التجارات، باب بیع العربان، ۹ دار شید بدنی)۔

مذکورہ حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ بیع نامکمل ہونے کی صورت میں بیعانہ ضبط کر لینا ناجائز اور حرام ہے، اس کو بہر حال بائع کو اپنے مشتری کو واپس کرنا ہوگا، بائع کے لئے کسی بھی طرح حلال نہیں ہے، اور یہ اس لئے کہ یہ جرمانہ ہوگا بیع کو تام نہ کرنے کا اور تعزیر بالغد

المال جائز نہیں۔

حضرت مولانا رشید احمد لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

معاہدہ کی پابندی دونوں فریق پر ضروری ہے، منحرف ہونے والے فریق کو ایفاء معاہدہ پر مجبور کیا جاسکتا ہے، مگر بیعانہ ضبط کرنا جائز نہیں ہے (احسن الفتاوی، متفرقات بیوع ۶/۵۰۰، دہلی)۔

چونکہ "المجلۃ الاحکام العدلیہ (شرح المجلہ ۲/۴۰۳-۴۰۶، المادہ ۳۸۹-۳۹۲) میں حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کو مفتی بہ قرار دیا گیا ہے اور امام ابو یوسف خیار رؤیۃ للمشتری ای المستصنع کے قائل نہیں ہیں، اس لئے عقد استصناع لازم ہوگا، اور صانع مستصنع کو خرید پر مجبور کرے گا بشرطیکہ مستصنع شرائط عقد کے ساتھ جملہ اوصاف مذکورہ عند الوقت کا حامل ہو۔

اور جب مستصنع کو انکار کی گنجائش ہی نہ رہی ہو تو پھر بیعانہ جزو قیمت بن جائے گا، اور اگر مذکورہ صفات عند العقد کے موافق بائع سامان تیار کردے اور مشتری کو پیش کردے، لیکن مشتری اب لینے سے انکار کردے تو ایسی صورت میں بائع کو عدالت شرعیہ میں اپنا مقدمہ درج کرانا چاہئے اور اس کے فیصلہ پر رضامند ہو۔

۷- اگر کسی کو کسی چیز کے بنانے کا آرڈر دیا جائے اور مصنوع میں لگنے کا سارا میٹریل، سامان، مستصنع خود فراہم کرے تو یہ عقد استصناع نہیں ہوگا بلکہ یہ عقد اجارہ ہوگا، کیونکہ یہاں عقد عمل پر ہورہا ہے مصنوع پر نہیں اور عقد استصناع میں معقود علیہ مستصنع فیہ ہوتا ہے عمل نہیں ہوتا، کما فی الہندیہ: والاستصناع أن تكون العين والعمل من الصانع فأما إذا كانت العين من المستصنع لا من الصانع فإنه يكون إجارة ولا يكون استصناع (فتاوی ہندیہ، کتاب الاجارۃ باب الاستصناع والاستئجار علی العمل ۴/۵۱۷، دیوبند)۔

اور جب یہ عقد استصناع نہیں ہے بلکہ عقد اجارہ ہے تو استصناع کا حکم بھی یہاں جاری نہیں ہوگا، یہاں اجارہ کے احکامات جاری ہوں گے، اور اجارہ میں جو چیز بنوائی جاتی ہے اس کا ضابطہ یہ ہے کہ وہ آرڈر کے مطابق نہ ہونے کی صورت میں یا تو کاریگر سے اسی سابقہ اجرت معینہ پر اسے درست کرایا جاتا ہے یا پھر اسے نقصان کے ساتھ سامان بنوانے والا اسے قبول کرلیتا ہے اور نقصان کی کچھ تلافی اجرت میں کمی کرکے کرتا ہے۔

صورت مسئولہ حکماً عقد اجارہ ہے، سامان آرڈر کے موافق نہ ہونے کی صورت میں آرڈر دینے والے کو سامان قبول کرنا ضروری ہوگا۔ سامان ان مواصفات کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے جو عند العقد اجیر (صانع) کو بتلائی گئی تھیں، مستاجر کو اجیر کی اجرت میں کمی کرکے تلافی کی گنجائش ہوگی۔

علامہ تقی عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

فقہاء کرام نے اس طرح کی شرط اجارے میں جائز قرار دی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کپڑوں کی سلائی کے لئے کسی خیاط کی خدمات حاصل کرتا ہے تو فراہمی کے حساب سے اجرت مختلف ہوسکتی ہے، مستاجر (جو کپڑے سلوانا چاہتا ہے) یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر خیاط ایک دن میں یہ کپڑے تیار کردے تو وہ سو روپیہ اجرت دے گا، اور دو دن میں تیار کرتا ہے تو اسّی روپیہ دے گا (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/۱۵۲، دیوبند)۔

وفي الهندية :إن رضي بالعيب فعليه المسمى، وإن لم يرض بالعيب فعليه أجر المثل لا يجاوز به حصته من المسمى (ہندیہ ۴/ ۵۱۸ دیوبند)۔

مذکورہ بالا عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ اگر صانع (میٹریل دینے کے باوجود اس صفت پر جو عند العقد بیان کی گئی تھیں یا جس طرح نقشہ میں مواصفات ذکر کئے گئے تھے) مصنوع تیار کر کے نہیں دے رہا ہے اس سے نقصان کے بقدر اجرت میں کمی واقع کرنے کی اجازت ہے، یا اس سے اجرت مسمی پر ہی اسے صحیح کرانے کو ضروری قرار دیا جائے، اور اگر اسی عیب کے ساتھ مستاجر رضامند ہو تو اجیر کو اجرت مسمی دے کر مصنوع کو لے لیا جائے۔

لیکن موجودہ دور کے تعامل سے یہ بات زیادہ انسب ہے کہ مصنوع کا اپنی مذکورہ عند الوقت صفات پر ہونے کی صورت میں صانع پر جرمانہ (ضمان) عائد کیا جائے اور صانع کا اجرت مسمی سے اس جرمانہ کو وضع کئے جانے کو ضروری قرار دیا جائے تا کہ صانع آئندہ ایسی حرکت نہ کرنے پر مجبور ہو۔

۸— جب عقد استصناع میں مستصنع کی حوالگی کی تاریخ مقرر ہو جائے تو صانع پر لازم ہے کہ وہ وقت مقررہ پر مستصنع (مبیع) کو حاضر کرے، کیونکہ وقت اسی وقت متعین کیا جاتا ہے جب دوسرے اور امور بھی مصنوع سے وابستہ ہوتے ہیں، اگر وقت معینہ پر مصنوع تیار نہیں ہوگا تو اس میں مشتری کو ضرر لاحق ہوگا اور بسا اوقات اس ضرر کی حد کچھ زیادہ ہی ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے مشتری بائع دونوں کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ سامان کی فراہمی کے لئے زیادہ سے زیادہ مدت مقرر کر دیں، تا کہ وقت مقرر پر مشتری کو سامان حاصل ہو جائے اور وہ جہاں چاہے اپنے اعتبار سے استعمال کرے، نیز اس میں ایک یہ بھی پہلو ہے کہ اگر خریدار کو وقت مقررہ پر سامان نہیں ملتا ہے تو خریدار لینے اور قیمت ادا نہ کرنے کا بھی حقدار ہوگا۔

وفي الهندية :أما إذا ذكر على وجه الاستعجال بأن قال على أن تفرغ غدا أو بعد غد لا يصير سلما في قولهم جميعا (ہندیہ ۳/ ۲۰۷ دیوبند)۔

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں :

یہ بات یقینی بنانے کے لئے کہ سامان مطلوبہ مدت میں فراہم کر دیا جائے گا اس طرح کے بعض جدید معاہدے ایک تعزیری شق پر مشتمل ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں اگر تیار کنندہ فراہمی میں متعین وقت سے تاخیر کر دے تو اس پر جرمانہ عائد ہوگا جس کا حساب یومیہ بنیاد پر کیا جائے گا، کیا شرعاً بھی اس طرح کی کوئی تعزیری شق شامل کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اگر چہ فقہاء استصناع پر بحث کے دوران اس سوال پر خاموش نظر آتے ہیں لیکن انہوں نے اس طرح کی شرط کو اجارے میں جائز قرار دیا ہے۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کپڑوں کی سلائی کے لئے کسی خیاط کی خدمت حاصل کرتا ہے تو فراہمی کے حساب سے اجرت مختلف ہو سکتی ہے، مستاجر (جو کپڑے سلوانا چاہتا ہے) یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر خیاط ایک دن میں یہ کپڑے تیار کر دے تو وہ سو روپیہ اجرت دے گا، اور اگر وہ دو دن میں تیار کرتا ہے تو اسی روپیہ دے گا، اسی طرح سے استصناع میں قیمت کو فراہمی کے وقت کے ساتھ منسلک کیا جا سکتا ہے، اگر فریقین اس بات پر متفق ہو جائیں کہ فراہمی میں تاخیر کی صورت میں فی یوم متعین مقدار میں قیمت کم ہو جائے گی تو یہ شرعاً جائز ہوگا (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/ ۱۵۶ دیوبند)۔

لیکن اس میں دو باتیں قابل لحاظ معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ متعاقدین یومیہ تاخیر پر قیمت میں کی جانے والی کمی پر عند العقد رضامند ہوں، دوسرے یہ کہ تفصیل اجل اور اس میں تاخیر کے باعث ہونے والے معاملات بھی عقد استصناع کے وقت ہی متعین ہوں، تاکہ ساری تفصیلات متعاقدین پہلے دن سے ہی جان لیں اور اسی کے مطابق عملی کوشش کریں، اور اگر عقد استصناع کے وقت یہ تفصیلات ذکر نہ کی جائیں تو پھر بعد میں ان کو جزو عقد نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی ان پر عمل کی گنجائش ہوگی۔

دورِ جدید میں عقدِ استصناع کے بعض مسائل

مفتی سید باقر ارشد قاسمی بنگلوری☆

۱۔ موجودہ دور میں استصناع اور اس کا اصول:

معاملات کے باب میں شروع ہی سے عقد استصناع کا طریقہ چلا آرہا ہے، لوگوں کا اس پر تعامل رہا ہے اور فقہاء کرام کے یہاں اس کی تصریحات بھی ملتی ہیں، معاملات میں یہ طریقہ تجار حضرات اور کاریگروں کے لئے تسہیل کا باعث ہے، لوگوں کے لئے اس میں سہولت ہے اور دور اول سے زیادہ اب اس دور میں جہاں اپارٹمنٹس، ملٹی لیول عمارتوں تیز سڑکوں کی اعلیٰ پیمانے پر تعمیر کا کام زور پکڑ گیا ہے، اس طرح کی بیع کی کافی حد تک اہمیت بھی بڑھ گئی ہے۔ جہاں تجارت میں، لوگوں کے معاملات میں نیز لوگوں کی ضرورتوں میں وسعت آگئی ہے، اشیاء کی احتیاج اور ان کی کھپت میں کافی اضافہ ہوا ہے، لوگوں کی ضرورت و حاجت کے اعتبار سے مانگ بھی بڑھ گئی ہے، وہیں عقود میں استصناع کے طریقہ کار کی اہمیت اور اس کی افادیت میں بھی اضافہ ہوا ہے بلکہ اس جدید اور تیز رفتار دور میں یہ بیع ناگزیر ہوگئی ہے۔

سوال یہ ہے کہ موجودہ دور میں کس طرح کی اشیاء میں عقد استصناع جاری ہوسکتا ہے؟ پہلے پہلے جیسا کہ خود سوال نامے میں اس کی صراحت موجود ہے: چھوٹی چھوٹی اور معمولی اشیاء میں استصناع ہوا کرتا تھا، مثلاً خود رسول اکرم ﷺ نے انگشتری کو آرڈر پر بنوایا، منبر آرڈر دے کر بنوایا گیا وغیرہ۔ مگر اب چونکہ زمانے میں ہر چیز میں بہتات ہوگئی ہے، افراط بھی ہے اور واقعی لوگوں کی جہاں آبادی میں اضافہ ہوا وہیں اشیاء کی وافر مقدار و تعداد ضرورت بن گئی ہے۔ اب ہر کام بڑے پیمانے پر کیا جارہا ہے اور اس کی ضرورت بھی ہے۔ اس لحاظ سے آرڈر دے کر اشیاء کو بنوانے میں یعنی ''استصناع'' میں بھی دائرہ کار وسیع تر ہوگیا ہے۔

لہٰذا فی زمانہ ان اشیاء میں استصناع جاری ہوسکتا ہے جن میں لوگوں کا تعامل ہو اور اس بنوائی جانے والی شئی کے مواصفات بیان کردی جائیں تاکہ وہ شئی پوری طرح معلوم ہوجائے۔ جیسے روزمرہ کی استعمال کی اشیاء، برتن، جوتے، موزے، انگشتری، فرنیچر، وغیرہ یہ عام طرح کی اشیاء ہیں جن میں لوگوں کا تعامل بھی ہے اور معمولی اور چھوٹی اشیاء میں شمار ہوتی ہیں۔

وفي البدائع : و منها أن يكون ممايجرى فيه التعامل بين الناس من أواني الحديد و الرصاص و النحاس والزجاج والخفاف والنعال ولجم الحديد للدواب ونصول السيوف والسكاكين و القسي و النبل و السلاح كله والطشت والقمقمة ونحو ذلك، ولا يجوز في الثياب، لأن القياس يأبى جوازه، وانما جوازه استحسانا لتعامل الناس

☆ مدیر المفتی ریسرچ، اسٹڈی سرکل اینڈ پبلی کیشنز، چن پٹن، بنگلور۔

و لا تعامل فی الثیاب (بدائع الصنائع ۴/ ۹۴)۔

اسی طرح چھوٹی چھوٹی اشیاء کے علاوہ بڑی بڑی اشیاء میں بھی استصناع جاری ہوسکتا ہے، کارخانہ کی اشیاء (Industrial Products) میں، جن کو کاریگر تیار کرے (which can be constructed or manufactured) یا پھر اپنی نگرانی میں کوئی تیار کرائے۔

عام حالات میں تیار شدہ، بنی بنائی اشیاء میں استصناع جاری نہیں ہوسکتا، کیونکہ استصناع کے معنی ہی بنوانے کے ہیں، معدوم شئی کو وجود میں لانے کے ہیں۔ یہاں ذرا سی تفصیل یہ ہے کہ مستصنع نے کسی چیز کا آرڈر دیا تو صانع پر لازم ہے کہ وہ اس کو آرڈر کی ہوئی چیز تیار کر کے دے، لیکن اگر مستصنع نے جس طرح کی چیز کا آرڈر دیا ہے، کسی وجہ سے صانع اس کو تیار نہیں کر پا رہا ہے یا اس کے لئے اس کی تیاری ناممکن ہے تو ایسی صورت میں بالکل اسی نوعیت اور اسی طرز کی شئی بنی بنائی موجود ہے جس کی ضرورت مستصنع کو ہے، اگر مستصنع اس پر اپنے آرڈر کی تکمیل کے طور پر راضی ہوجائے تو ایسا کرنا بھی جائز ہے، یعنی صانع کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ آرڈر کی ہوئی شئی کو خود تیار نہ کر سکے تو اس سے وہ مستصنع کو مطلع کر کے آرڈر کی تکمیل کر سکتا ہے۔

ایک اور بات یہ بھی ہے کہ آج کل جس طرح سے استصناع میں بھاری مقدار و تعداد میں آرڈر دیے جا رہے ہیں، مثلاً کوئی کمپنی اپنے گاہکوں کو تحفہ میں دینے کے لئے کوئی شئی بھاری مقدار و تعداد میں بنواتی ہے، یا کوئی تجارت ہی کی غرض سے کوئی شئی ہزاروں کی تعداد میں تیار کرواتا ہے، اب جس نے آرڈر لیا ہے وہ اکیلا تو بنوانے سے رہا، وہ یہی کرتا ہے کہ وہ کاریگروں کو اپنے پاس رکھ کر یا تو اس مطلوبہ آرڈر کی تکمیل کرتا ہے یا پھر اس شئی کے کاریگروں کو یہ ٹھیکہ دے کر بنواتا ہے۔ یعنی استصناع میں خود بنانا یا دوسرے سے بنوانا اور مستصنع (بنوانے والا) اگر تیار ہو تو اس کی مطلوبہ شئی بنی بنائی صورت میں تیار ہو تو اس کو فراہم کرنا جائز ہے، جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

و الأصح أن المعقود علیه المستصنع فیه، و لهذا لو جاء به مفرو غاً عنه لا من صنعته أو من صنعته قبل العقد جاز کذا فی الکافی (الفتاوی الہندیہ ۳/ ۲۰۸)۔

فتاویٰ ہندیہ کی اس عبارت کے تحت ہر اس شئی کی صنعت میں، تعمیر میں، بنوانے میں استصناع جاری ہوسکتا ہے جس میں لوگوں کا تعامل ہو، اور اس بنوائی جانے والی شئی کا وصف ایسا واضح ہوجائے کہ اس سے شئی کی معرفت ہوجائے۔ چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے: ثم انما جاز الاستصناع فیما للناس فیه تعامل اذا بین وصفاً علی وجه یحصل التعریف... (فتاوی ہندیہ ۴/ ۲۰۸)۔

آج کل بڑے پیمانے پر استصناع ہو رہا ہے، مکان بنا کر فروخت کرنے کا کاروبار بڑے بڑے شہروں میں عام ہوتا جا رہا ہے۔ کچھ لوگ بنے بنائے مکان فروخت کرتے ہیں، کچھ ٹھیکیدار ایسے ہیں جو اجرت پر مکانوں کی تعمیر کرتے ہیں، یعنی تعمیری سامان ان کو مہیا کرنے پر وہ صرف مکان کو تعمیر کر دیتے ہیں۔ ان سب صورتوں میں استصناع جاری ہوسکتا ہے، اسی طرح سمندری جہاز، طیارہ یا راکٹ، بڑی بڑی لاریاں (Container) وغیرہ کی تیاری میں بھی استصناع ہو رہا ہے اور یہ جائز ہے، کچھ ٹھیکیدار ایسے ہیں جو آرڈر پر مکان کو تیار کرتے ہیں، یعنی پلاٹ اور مکان کی نوعیت، اس کا طرز، اس کا سائز اور کوالٹی بتا دینے پر وہ اپنے ہی میٹریل سے مکان تعمیر کر دیتے ہیں، یہ بھی

استصناع ہے۔

استصناع کا اصول :

عقد استصناع کے سلسلہ میں اصول کیا ہوگا؟ اوپر جن جن اشیاء یا پراڈکٹس کا بیان ہوا ہے کہ ان اشیاء میں اور ان صورتوں میں استصناع جاری ہوسکتا ہے، استصناع صحیح ہے، لیکن ان سب میں ضروری ہے کہ از اول تا آخر تعمیر کے لئے درکار تمام سامان ٹھیکیدار ہی کو لینا ہوگا۔ آرڈر دینے والا صرف اپنی پسند و ناپسند کے مطابق تعمیر کا نقشہ، اس کا پلان اور اس کی نوعیت، اس کی کوالٹی بتادے گا، میٹریل کی بھی ذمہ داری ٹھیکیدار پر ہو تو وہ استصناع ہے اور اگر میٹریل کی ذمہ داری بنوانے والے پر ہو، ٹھیکیدار پر نہیں تو وہ استصناع نہیں بلکہ اجارہ ہے، ٹھیکیدار صرف اجرت پر کام کررہا ہے۔ استصناع اور اجارہ میں یہی فرق ہے کہ استصناع میں میٹریل بھی صانع ہی کا ہوگا جب کہ اجارہ میں میٹریل کی فراہمی مستصنع کرے گا اور صانع صرف اجرت پر اپنی محنت ولیاقت اس شیٔ کے بنانے میں صرف کرے گا، جیسا کہ موسوعہ فقہیہ میں لکھا ہے : تفترق الإجارۃ (في الاجیر المشترک) عن عقد الاستصناع (الذی ھو بیع عین شرط فیھا العمل) في أن الاجارۃ تکون العین فیھا من المستأجر و العمل من الأجیر، أما الاستصناع فالعین و العمل کلاھما من الصانع (الأجیر)...(موسوعہ فقہیہ ا، مادہ: الاجارہ، ای بک)۔

استصناع میں تیار کرائی جانے والی شیٔ معلوم ہو کہ اس کی جنس متعین ہو، نوع متعین ہو، شیٔ کی صفت یعنی کوالیٹی متعین ہو، مقدار معلوم ہو، ادائیگی کی مدت "علی سبیل الاستعجال" معلوم ہو۔ قیمت کی ادائیگی کا طریقہ متعین کرلیا گیا ہو، یعنی قیمت کب ادا کی جائے گی، پیشگی یا قسط وار وغیرہ۔

کما فی مجلۃ الاحکام العدلیۃ : اذ قال شخص لأحد من أھل الصنائع : اصنع لی الشئی الفلانی بکذا قرشاً و قبل الصانع ذلک انعقد البیع استصناعاً، مثلاً لو أری المشتری رجلہ لخفاف و قال لہ : اصنع لی زوجی خف من نوع السختیان الفلانی بکذا قرشاً و قبل البائع، أو تقاول مع نجار علی ان یصنع لہ زورقاً، او سفینۃ و بین لہ طولھا و عرضھا و أوصافھا اللازمۃ و قبل النجار انعقد الاستصناع...(مجلۃ الاحکام العدلیہ، الفصل الثانی فی بیان احکام انواع البیوع، المادۃ: ۳۸۸ (موبائیل ایپلی کیشن "المکتبۃ الشاملۃ")۔

نیز فتاویٰ ہندیۃ میں ہے جیسا کہ اوپر بھی اس کا ذکر ہوا ہے : ثم انما جاز الاستصناع فیما للناس فیہ تعامل اذا بین وصفاً علی وجہ یحصل التعریف... (فتاویٰ ہندیہ ۳/۲۰۸)۔

۲— استصناع خود بیع ہے یا وعدۂ بیع :

استصناع کے معنی و مفہوم کے سلسلہ میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے۔ احناف میں سے بعض نے اس کو وعدۂ بیع قرار دیا تو اکثر احناف سے اس کے فی نفسہ بیع ہونے کا قول ذکر ہے اور انہوں نے استصناع کو بیع کی اقسام و انواع میں ذکر کیا ہے، بعض احناف نے استصناع کو اجارہ قرار دیا۔ اسی طرح اکثر حنابلہ نے بھی استصناع کو بیع قرار دیا ہے اور انہوں نے اس کے احکام بیع بالصنعۃ میں ذکر کئے

ہیں۔ مالکیہ و شافعیہ نے استصناع کو بیع قرار دیا ہے مگر اسے بیع سلم کے ساتھ ملحق کیا ہے۔ ان کے یہاں اس کی تفصیل، تعریف و احکام و مسائل سلم کے باب میں ملتے ہیں۔

استصناع بہ حیثیت وعدۂ بیع :

بعض حضرات نے اس کو وعدۂ بیع کہا ہے یہ دلیل کے طور پر کہتے ہیں کہ اگر یہ بیع ہوتی تو اس میں بنانے والے اور خریدنے والے کے لئے اختیار نہ ہوتا کہ اگر چاہے تو بنائے یا نہ بنائے اور اسی طرح شئی بن جانے کے بعد چاہے تو خریدے یا چھوڑ دے، جب کہ استصناع میں بنانے نہ بنانے کا اختیار صانع کے لئے رہتا ہے۔ ایسی صورت میں صانع پر جو چیز لازم آتی ہے وہ صرف وعدہ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کا قول ہے کہ یہ محض وعدہ ہے، جبکہ وعدہ کی تکمیل محض مکارم اخلاق میں سے ہے، واجبات میں سے نہیں، چنانچہ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں : ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ جب کوئی شخص کسی سے کوئی چیز بنواتا ہے تو یہ بذات خود کوئی عقد نہیں ہے بلکہ یہ ایک فرمائش ہے کہ میرے لئے بھی بنا دو، لہٰذا یہ بیع بھی نہیں، چنانچہ یہ عقد لازم بھی نہیں بلکہ اس کی حیثیت محض ایک وعدے کی سی ہے (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/ ۶۳)۔

استصناع "بیع" ہے :

استصناع وعدۂ بیع نہیں، فی نفسہ بیع ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ، امام ابو یوسفؒ اور اکثر احناف، نیز اکثر حنابلہ استصناع کے بیع ہونے کے قائل ہیں اور یہی صحیح ہے کیونکہ امام محمدؒ نے اس کے جواز میں قیاس و استحسان کا ذکر کیا ہے اور قیاس و استحسان کا ذکر عدات (وعدوں) میں نہیں کیا جاتا اور انہوں نے اس میں مستصنع کے لئے خیار الرویۃ ثابت کیا ہے جو کہ خصوصیات بیع میں سے ہے۔ نیز استصناع کے جواز کی شرط یہ ہے کہ اس کے بارے میں لوگوں میں تعامل ہو، اگر استصناع کا شمار مواعدہ میں ہوتا تو پھر اس کا جواز مشروط نہ ہوتا کہ عدات کے جواز کو کسی شرط کے ساتھ مقید نہیں کیا جاتا۔ اس کا تعامل کی شرط کے ساتھ ملحق ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بیع ہے۔

البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں لکھا ہے کہ : والصحيح من المذهب جوازه بيعاً، لأن محمداً ذكر فيه القياس والاستحسان وهما لا يجريان في المواعدة، ولأن جوازه فيما فيه تعامل خاصة، ولو كان مواعدة لجاز في الكل (البحر الرائق ۶/ ۲۸۳)۔

مستصنع کے لئے خیار رؤیت ہے یا نہیں؟

یہ ثابت ہونے کے بعد کہ استصناع بیع ہے، یہ وعدۂ بیع نہیں۔ اب اس میں ایک اختلاف اس میں خیار الرویۃ کے ہونے اور نہ ہونے کا ہے۔ چنانچہ اس میں دو اقوال ہیں کہ استصناع بیع ہے لیکن مستصنع کو خیار الرؤیۃ حاصل رہے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عند البیع، عقد کے وقت میں صانع اور مستصنع کے درمیان مصنوع کے سلسلہ میں جو تفصیلات و مواصفات طے پائی تھیں، یعنی جو چیز بنوائی جارہی ہے اس کی

کوالیٹی ایسی ہوگی، وہ اتنی ہوگی، اس کا سائز اتنا ہوگا، اس میں یہ یہ سامان لگے گا، اس کی نوعیت وغیرہ جو بھی طے ہوا تھا اگر صانع نے اسی کے مطابق بنا کر دیا ہے تو پھر مستصنع کے لئے "خیار الرؤیۃ" باقی نہیں رہے گا۔ ہاں اگر صانع نے طے شدہ مواصفات کے مطابق شئی کو نہ بنایا ہو تو ایسی صورت میں مستصنع کو اختیار رہے گا کہ وہ دیکھ کر شئی کو چاہے لے چاہے واپس کر دے۔

استصناع اگر بیع ہے تو کیا مستصنع کے لئے، خیار رؤیت حاصل ہے۔ اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دو اشخاص کے مابین صانع و مستصنع کی حیثیت سے ایجاب وقبول کے ذریعہ عقد بھی ہو جاتا ہے اور بیع بھی۔ مگر بنوانے والی شئی کو چونکہ مستصنع نے ابھی تک دیکھا نہیں، اس کو خیار الرؤیۃ حاصل ہوگا۔ چنانچہ جب وہ شئی بن کر سامنے آئے اس وقت مستصنع اس شئی کو دیکھ کر عقد کو باقی رکھے یا ختم کر دے۔

استصناع کا حکم یہ ہے کہ صانع نے طے شدہ صفت کے مطابق شئی بنائی ہو تو ایسی صورت میں مستصنع کی ملکیت کا اثبات ہے جو اس کے حق میں غیر لازم ہے، لہٰذا اس کے لئے خیار الرؤیۃ ثابت ہوتا ہے۔ جب وہ اس شئی کو دیکھے تو چاہے اسے لے لے یا چاہے نہ لے اور صانع کے حق میں مستصنع کے اسے دیکھنے اور پسند کر لینے کے بعد ملکیت کا لزوم ہے۔ اور اس کو اس میں خیار الرؤیۃ نہ ہوگا۔ یہ ظاہر الروایۃ ہے۔

امام ابوحنیفہؒ سے روایت ہے کہ اس کی ملکیت دونوں کے حق میں لازم ہے اور ان میں سے ہر ایک کے لئے خیار ہے صانع کے لئے بھی اور مستصنع کے لئے بھی۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ استصناع بیع ہے، جب بیع ہوگئی اور بیع کے سارے قواعد اس پر جاری ہو گئے، تو ایسی صورت میں بیع کے قواعد میں سے ایک قاعدہ "خیار الرؤیۃ" کا بھی ہے اور مکمل بیع کے ہو جانے کے بعد ہی "رؤیت" کا اختیار ملتا ہے، لہٰذا جب شئی بن کر آئی تو مستصنع اپنے اس اختیار کا استعمال کرے گا اور شئی کو دیکھ کر پسند آنے پر لے لے گا یا پھر اس کو چھوڑ دے گا۔

کما فی بدائع الصنائع: وأما حكم الاستصناع؛ فحكمه في حق المستصنع اذا أتى الصانع بالمستصنع على الصفة المشروطة ثبوت ملک غير لازم في حقه حتى يثبت له خيار الرؤية إذا رآه ان شاء أخذه، و ان شاء تركه و في حق الصانع ثبوت ملک لازم اذا رآه المستصنع ورضي به ولا خيار له، و هذا جواب ظاهر الرواية... وروى عن ابى حنيفة ﷺ أنه غير لازم في حق كل واحد منهما حتى يثبت لكل واحد منهما الخيار (بدائع الصنائع ۴/ ۴۴۴)۔

قول راجح :

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ استصناع کی صورت میں جو بیع کا انعقاد ہو رہا ہے وہ دونوں صانع و مستصنع کے حق میں لازم ہے اور دونوں میں سے کسی ایک کے لئے بھی خیار الرؤیۃ نہیں رہے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مستصنع کے لئے خیار الرؤیۃ کا مطلب صانع کے حق میں نقصان دہ ہے، کیونکہ اس نے شئی کے بنانے میں اپنا سامان ضائع کیا، محنت کی، اور بیان کی ہوئی صفت کے مطابق شئی کو بنایا، اب اگر مستصنع کے لئے خیار دیا گیا تو ایسی صورت میں بیان کردہ صفت کے مطابق بنانے کے باوجود مستصنع شئی کو پسند نہ کرے اور رد کر دے تو اس میں صانع کا بہت بڑا نقصان ہوگا، اس لئے امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دفع ضرر کے لئے اسے اس کے حق میں لازم قرار دیا جائے۔

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم؛ اسلام اور جدید معاشی مسائل میں لکھتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ کا فرمان یہ ہے کہ دوسری بیع میں اور استصناع میں بڑا فرق ہے، دوسری بیع میں ہوتا یہ ہے کہ سامان عام طور پر تاجر کے پاس پہلے سے موجود ہوتا ہے اور مشتری جا کر خرید تا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا ہے کہ اس خاص مشتری کے واسطے وہ تاجر دکان کھول کر بیٹھا ہو بلکہ اس کے دوکان میں جو سامان ہے اس نے لا کر رکھا ہوا ہے کہ کوئی بھی آئے گا تو بیچوں گا اور عام طور سے ہوتا یہ ہے کہ سامان موجود ہے ایک آدمی آیا اور سامان خرید لیا تو جب اس کو خیار رویت دیا جاتا ہے تو اس صورت میں بائع کا کوئی نقصان نہیں ہوتا لیکن استصناع میں اس نے سارا کام اس شخص کی فرمائش کی بنیاد پر کیا ہے، کیونکہ اس نے خاص قسم کی طلب پیش کی، لہٰذا ضروری نہیں کہ وہ مواصفات دوسرے شخص کے بھی مناسب ہوں، اب یہ جو کچھ کر رہا ہے وہ خاص اس مستصنع کے لئے کر رہا ہے، لہٰذا اگر مستصنع کو یہ اختیار دیا جائے کہ محض دیکھ کر بغیر وجہ بتائے کہ میں نہیں لیتا تو اس میں صانع کا بڑا ضرر ہوسکتا ہے کہ اس کی محنت بھی برباد ہوئی اور پیسے بھی، اسلئے امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس کو خیار رویت نہیں ملے گا، ہاں اگر ان مواصفات کے مطابق نہیں ہے جو مواصفات عقد استصناع میں طے ہوئی تھیں تو وہ بے شک انکار کرسکتا ہے۔ یہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/۲۶)۔

اکثر فقہاء احناف نے امام ابوحنیفہؒ ہی کے قول کو ترجیح دی ہے اور اسی کو مفتی بہ قول قرار دیا ہے، مگر متاخرین فقہاء احناف نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو اختیار کیا ہے، چنانچہ مجلۃ الاحکام العدلیۃ فقہ حنفی کے مطابق اسلام کے دیوانی قانون کی دفعات کی شکل میں تیرھویں صدی ہجری کے آغاز میں تدوین کی ہے۔ اس میں جن مسائل میں معروف قول کو چھوڑ کر غیر معروف قول کو اختیار کیا گیا ہے ان میں سے ایک مسئلہ استصناع کا بھی ہے جس میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کے بجائے امام ابو یوسفؒ کے قول کو اختیار کیا گیا ہے (سابقہ حوالہ)۔

چنانچہ مجلۃ الاحکام العدلیۃ میں لکھا ہے کہ **واذا انعقد الاستصناع فليس لأحد العاقدين الرجوع واذا لم يكن المصنوع على الاوصاف المطلوبة المبينة كان المستصنع مخيراً...** (مجلۃ الاحکام العدلیہ، المادۃ: ۳۹۲ صفحہ ۷۶، موبائیل ایپلیکیشن لائبریری ''المکتبۃ الشاملۃ'')۔

فی زماننا استصناع کے باب میں امام ابو یوسفؒ ہی کا قول قابل اختیار ہے، کیونکہ اس وقت صنعت کے میدان میں مہنگائی اور تقابل (Compitation) کی وجہ سے کاریگروں کے لئے بہت سی مشکلات ہیں، نیز پہلے کی بہ نسبت اب جو استصناع ہو رہے ہیں وہ بڑے پیمانے پر ہو رہے ہیں۔ آرڈر ایک دو کی مقدار میں نہیں بلکہ سینکڑوں و ہزاروں کی مقدار میں اشیاء کو بنانے کے آرڈر کا چلن عام ہے۔ اشیاء کی بہتات، ضرورتوں و حاجتوں میں اضافہ اس میدان میں جو بھی کام ہو رہا ہے وہ معمولی نہیں بلکہ بڑے سے بڑا ہو رہا ہے، نیز مکانات، فیکٹریوں اور سڑکوں کی تعمیر بھی استصناع کے میدان کا بڑا شعبہ ہے، اس میں بنانے والے کے لئے، صانع کے لئے مشکلات و چیلنجوں کا سامنا ہے، ایسے میں اگر مستصنع کو بعد بیع کے آرڈر کی تکمیل پر رویت کا اختیار دے دیا جائے تو صانع کا دیوالیہ ہی نکل جائے۔ پوری جمع پونجی ڈال کر وہ آرڈر کی تکمیل کرتا ہے، ایسے میں اگر مستصنع دیکھ کر انکار کردے تو ضروری نہیں کہ کسی دوسرے شخص کو وہ تیار شدہ شئی پسند آجائے اور وہ اس کو لے لے، لہٰذا صانع کا اس میں بہت بڑا نقصان ہے۔ اسی لئے امام ابو یوسفؒ — جو کہ قاضی تھے، زمانے کے نشیب و فراز کا آپ کو زیادہ تجربہ تھا —

استصناع میں دونوں میں سے کسی ایک کو بھی رویت کا اختیار دینے کے حق میں نہیں ہیں۔

ہاں! اگر شئی بن جانے کے بعد معاہدہ کے مطابق جو صفات طے کی گئیں تھیں، اگر وہ اس میں پائی نہیں جا رہی ہیں، یعنی صانع نے مستصنع کے بیان کردہ صفات کے مطابق شئی نہیں بنائی تو ایسی صورت میں بالاتفاق "مستصنع" کو خیار الرؤیۃ حاصل رہے گا۔

۳۔ استصناع: اموال منقولہ و اموال غیر منقولہ میں :

استصناع کا تعلق صرف اموال منقولہ کے قبیل ہی سے نہیں بلکہ اموال غیر منقولہ جیسے بلڈنگ وغیرہ سے بھی ہے۔ یعنی اموال منقولہ اور اموال غیر منقولہ دونوں میں استصناع جاری ہوسکتا ہے، بلکہ آج کل بڑے بڑے پیمانے پر جو استصناع کے عقود ہو رہے ہیں وہ اموال غیر منقولہ ہی میں ہو رہے ہیں۔ لوگوں کا تعامل اس طرح کے عقود میں عام ہے، بڑی بڑی کمپنیاں اس میدان میں اتر چکی ہیں اور لوگوں کے اسی میدان میں بڑے بڑے بزنس ہیں۔ آج مکانات، فیکٹریاں، کارخانے، بڑے بڑے دفتر، ایئر پورٹس، بڑی بڑی ہوٹلیں سبھی کچھ استصناع ہی کے ذریعے بنوائے جارہے ہیں۔ حتیٰ کہ شہر کی بڑی بڑی سڑکوں، ایک شہر سے دوسرے شہر کو جوڑنے والی سبھی شاہراہوں (ہائی ویز) کی تیاری و مرمت استصناع ہی کے ذریعہ ہو رہی ہے، چونکہ اس میں لوگوں کے درمیان تعامل ہے، استصناع کی شرط بھی یہی ہے کہ استصناع ان اشیاء میں جاری ہوسکتا ہے جن میں لوگوں کا تعامل ہو، فی زماننا اموال غیر منقولہ میں بھی تعامل کی شرط کے ساتھ استصناع جائز ہوسکتا ہے۔

مجلہ الاحکام العدلیہ میں لکھا ہے کہ: کل شئی تعومل استصناعہ یصح فیہ الاستصناع علی الاطلاق......... الخ (مجلۃ الاحکام العدلیہ، المادۃ: ۳۸۹، موبائیل ایپلی کیشن "المکتبۃ الشاملۃ")۔

۴۔ الاستصناع المتوازی کا جواز :

الاستصناع المتوازی یا الاستصناع الموازی جائز ہے۔ یہ ایسا استصناع ہے جو مساوی طور پر تین الگ الگ فریقوں میں طے ہوتا ہے۔ پہلا استصناع مستصنع اور مالیاتی ادارے کے درمیان میں ہوتا ہے اور دوسرا استصناع مالیاتی ادارے اور صانع کے درمیان میں ہوتا ہے، اب یہ دونوں استصناع ایک دوسرے پر موقوف نہ ہوں، اور ایک دوسرے سے مشروط بھی نہ ہوں، بلکہ مالیاتی ادارہ اپنے طور سے، اپنی ذمہ داری پر مستصنع سے آرڈر لے اور وہ اپنی ہی ذمہ داری پر صانع کو بنانے کا آرڈر دے۔ یہ دونوں استصناع ایک دوسرے سے علیحدہ طور پر ہوں تو جائز ہے۔

چنانچہ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ آج کل کی اصطلاح میں اس کو الاستصناع المتوازی کہتے ہیں۔ یعنی دونوں متوازی ہیں کہ ایک عقد استصناع ابتداء میں اصل مستصنع اور بینک کے درمیان ہوا اور دوسرا عقد بینک اور اصل صانع کے درمیان ہوا تو اس کو الاستصناع المتوازی کہتے ہیں۔ اس کے جواز کی شرط یہ ہے کہ دونوں عقد منفصل ہوں، ایک دوسرے کے ساتھ مشروط نہ ہوں، ایک دوسرے پر موقوف نہ ہوں، ایک کی ذمہ داریاں دوسرے کی ذمہ داریوں کے ساتھ گڈمڈ نہ کی جائیں (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۷/ ۲۷)۔

۵۔ استصناع میں نقصان کی تلافی بیعانہ کی رقم سے:

استصناع میں عقد ہو جانے کے بعد صانع و مستصنع دونوں کے لئے خیار الرؤیۃ نہیں رہے گا۔ یعنی جو مواصفات عند البیع مقرر ہو جائیں انہی کے مطابق شئی کو بنا کر دینا صانع پر لازم ہے اور ان مواصفات کے مطابق شئی تیار ہو کر آ جائے تو اب مستصنع کے لئے اس شئی کو لے کر اس کی قیمت ادا کرنا واجب ہے، انکار یا رؤیت کی گنجائش نہیں ہے۔ اب صاف بات تو یہ ہے کہ ایسی صورت میں 'بیعانہ'' کا لزوم یا چلن بے معنی ہے، عام حالات میں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ شئی مواصفات کے مطابق بن جانے کے بعد مستصنع کو لینا ہی لینا ہے، انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ استصناع میں سامان اور شئی کی تیاری کے اخراجات صانع ہی کو برداشت کرنے ہوں گے، مستصنع اپنی پسند کے مطابق شئی کا آرڈر دے گا۔ رہی بات استصناع میں پیشگی طور پر رقم دینے کی، وہ لازم نہیں ہے، جیسا کہ مجلۃ الاحکام العدلیۃ میں لکھا ہے: **لایلزم فی الاستصناع دفع الثمن حالاً ای وقت العقد...** (مجلۃ الاحکام العدلیۃ، المادۃ: ۳۹۱ صفحہ ۷۶، موبائیل ایپلی کیشن "المکتبۃ الشاملۃ")۔ بلکہ اس کا انحصار فریقین کی باہمی رضامندی پر ہے، چنانچہ یہ فریقین کے مابین معاہدہ کے مطابق کسی بھی وقت دی جاسکتی ہے، جو معاہدہ میں طے ہوگا اس حساب سے قیمت کی ادائیگی ہوگی، پیشگی یا قبضہ کے وقت یا پھر مختلف اقساط میں۔

لہٰذا اگر فریقین دونوں اس بات پر متفق ہوں کہ عقد کے وقت کچھ بیعانہ کے طور پر رقم دی جائے تو مستصنع بیعانہ دے سکتا ہے، مگر کبھی کبھی بیعانہ کا دینا اور لینا ضروری بھی ہو جاتا ہے مثلاً آرڈر بڑا ہو، صانع کو ڈر ہے کہ اگر آرڈر مکمل ہو جانے کے بعد مستصنع انکار کر دے تو کافی بڑا نقصان ہوسکتا ہے۔ بغیر بیعانہ کے آرڈر لینا بڑا رسک ہے تو ایسی صورت میں 'بیعانہ'' کی اجازت ہوگی۔ یا پھر مستصنع کوئی نئی پارٹی ہو، اس سے معاملات کا تجربہ نہ ہو، اس پارٹی کا بزنس بی ہیویر (Bussiness Behaviour) کیسا ہے پتہ نہیں۔ آرڈر مکمل ہو جانے کے بعد وہ اگر مبیع لینے سے انکار کر دے تو ایسی صورت میں وہ سامان کی تیاری کے لئے کچھ رقم لے سکتا ہے۔ ان جیسی دوسری چند صورتوں میں اگر آپسی معاہدہ کے تحت صانع مستصنع سے کچھ رقم شئی کی تیاری کے سلسلہ میں 'بیعانہ'' کے طور پر لینا چاہے تو وہ ان کا آپسی معاملہ ہوگا۔

اگر مستصنع نے شئی کے بن جانے کے بعد اس کو لینے سے انکار کر دیا تو اس کا انکار کرنا سراسر غلط اور ناجائز ہے اور صانع کے لئے بیعانہ والی رقم کو ضبط کرنے کا اختیار ہے، اگر بیعانہ کی رقم نقصان سے زیادہ ہے تو ایسی صورت میں صانع اپنے نقصان کی تلافی کر لینے کے بعد مابقیہ رقم واپس کرسکتا ہے۔ کیونکہ استصناع بیع ہے، اور بیع میں جب آپسی معاہدہ ہو جائے تو ایسی صورت میں بائع کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اس مبیع کو جب کہ اس کو شرائط کے مطابق تیار کر دیا گیا ہے؛ قبضہ میں لے لے۔ اگر وہ انکار کرتا ہے تو وہ بطور بیعانہ دی ہوئی اپنی رقم کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں رکھتا ہے۔

۶۔ استصناع میں تاخیر پر ''تاوان'' کا وجوب اور اس کی صورتیں:

عقد استصناع میں مدت کی تعیین کے سلسلہ میں فقہاء کے مابین اختلاف ہوا ہے، چنانچہ استصناع میں وقت کو متعین کرنے نہ

کرنے کے سلسلہ میں دو اقوال ہیں، بعض احناف کا قول عقد استصناع میں وقت کی تعیین نہ کرنا شرط ہے۔ اور صاحبین کا قول عقد استصناع میں وقت کی تعیین کرنا یا نہ کرنا شرط نہیں ہے بلکہ اس میں وقت مقرر کرنے کا عرف ہے۔ جیسا کہ موسوعہ فقہیہ میں ہے: عدم ضرب الأجل؛ اختلف في هذا الشرط، فمن الحنفية من يرى انه يشترط في عقد الاستصناع خلوه من الاجل فاذا ذكر الاجل في الاستصناع صار سلما .... وخالف في ذلك ابو يوسف رحمه الله و محمد رحمه الله اذ ان العرف عندهما جرى بضرب الاجل في الاستصناع، والاستصناع انما جاز للتعامل، و من مراعاة التعامل بين الناس، رأى الصاحبان؛ أن الاستصناع قد تعورف فيه على ضرب الأجل، فلا يتحول الى السلم بوجود الأجل (موسوعہ فقہیہ ۳، ای بک، الفقہ الاسلامی وادلتہ ایضا)۔

میرے خیال میں فی زمانہ صاحبینؒ ہی کے قول کو اختیار کیا جانا چاہئے، کیونکہ اس میں صانع و مستصنع دونوں کے لئے سہولت و اطمینان ہے اور آج کل اسی پر تعامل بھی ہے جیسا کہ موسوعہ میں صاحبین کے قول کی عبارت بتارہی ہے۔ وقت کی تعیین کر دینے سے وہ استصناع سے سلم نہیں ہوجاتا بلکہ وہ استصناع ہی رہتا ہے۔

اس تفصیل کے بعد سوالنامے میں ذکر کردہ صورت اور سچویشن میں عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی مدت مقرر کرلی جائے، اور اگر فریقین اس بات پر شروع ہی میں راضی ہوجائیں کہ بائع وقت پر مبیع کی حوالگی نہ کرپانے کی صورت میں تاخیر کے حساب سے خریدار تاوان کی صورت میں مبیع کی قیمت کم کردے گا یا اجرت میں کمی کرے گا۔ تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے۔

حضرت مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم نے لکھا ہے کہ استصناع کی بحث میں فقہاء سے اس بحث میں کوئی صراحت نہیں ملتی کہ تاخیر سے مطلوبہ سامان کی فراہمی کی صورت میں جرمانہ عائد کیا جائے لیکن آج کل جدید معاہدوں میں ایک تعزیری شق کو شامل کیا جانے لگا ہے جس میں یہ صراحت موجود ہوتی ہے کہ صانع متعین وقت سے سامان کی فراہمی میں تاخیر کردے تو اس پر جرمانہ عائد ہوگا جس کا حساب تاخیر کے اعتبار سے یومیہ بنیاد پر کیا جائے گا۔

چنانچہ حضرت مفتی تقی صاحب دامت برکاتہم نے مزید لکھا ہے کہ: اسی طرح سے استصناع میں قیمت کو فراہمی کے وقت کے ساتھ منسلک کیا جاسکتا ہے، اگر فریقین اس بات پر متفق ہوجائیں کہ فراہمی میں تاخیر کی صورت میں فی یوم متعین مقدار میں قیمت کم ہوجائے گی، تو یہ شرعاً جائز ہوگا (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/۱۵۶)۔

عقد استصناع سے مربوط چند مسائل

مفتی ابوحماد غلام رسول منظور القاسمی پہراوی ☆

عقد استصناع اور اس کی مشروعیت :

عقد استصناع کا جواز اور اسکی مشروعیت خلاف قیاس رسول اکرم ﷺ کے مبارک عمل سے ثابت ہے، آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ایک انگوٹھی بنانے کا آرڈر دیا، پھر آپ ﷺ کے لیے انگوٹھی تیار کی گئی، جیسا کہ حضرت انس بن مالک ؓ سے منقول ہے، حدیث کے الفاظ مبارکہ حسب ذیل ہیں :

عن أنس بن مالک قال . اصطنع رسول الله ﷺ خاتما فقال : إنا قد اصطنعنا خاتما نقشنا فيه نقشا فلا ينقش أحد عليه (مسند احمد ۱۰۱/۳، رقم الحدیث ۱۲۰۱۲، السنن الکبریٰ للنسائی ۵۶/۵، رقم ۹۵۴۵)۔

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک انگوٹھی بنوائی، اور یوں ارشاد فرمایا : ہم نے اس میں ایک مخصوص نقش کی ہے کوئی اور شخص اس پر نقش نہ کرے)۔

نیز رسول اکرم ﷺ نے ایک صحابیہ عورت کو حکم دیا کہ وہ اپنے غلام سے منبر بنوائے، چنانچہ اس عورت نے اپنے غلام سے منبر بنوا کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔

أن النبی ﷺ أرسل إلی إمرأة من المهاجرين و كان لها غلام نجار قال لها : مري عبدک فليعمل لنا أعواد المنبر فأمرت عبدها فقطع من الطرفاء فصنع له منبرا، فلما قضاه أرسلت إلی النبی ﷺ أنه قد قضاه قال رسول الله ﷺ : أرسلي به إلي فجاؤ وا به فاحتمله النبی ﷺ فوضعه حيث ترون (البخاری رقم ۲۲۰۴، ومسلم رقم ۵۴۴)۔

(نبی کریم ﷺ نے مہاجرین کی ایک عورت کو بلا بھیجا اور اس عورت کا ایک غلام تھا جو بڑھئی تھا، آپ نے اس سے فرمایا: تم اپنے غلام کو حکم دو کہ وہ میرے لیے لکڑی کا ایک منبر بنائے، چنانچہ اس نے غلام کو حکم دیا، غلام نے جنگل سے جھاؤ کی لکڑی کاٹ کر لائی اور آپ کے لیے منبر تیار کی جب اس نے منبر تیار کر دیا تو عورت نے رسول اللہ ﷺ کے پاس خبر بھیجوائی کہ منبر تیار ہو چکا ہے، آپ نے فرمایا : اس کو میرے پاس بھیجوا دو، چنانچہ لوگ اس کو لے کر آپ خدمت میں آئے، آپ نے جہاں مناسب جانا رکھا)۔

ان دونوں احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ عقد استصناع جائز اور مشروع ہے، اگرچہ قیاس عقد استصناع کے عدم جواز کا متقاضی ہے، کیوں کہ اس میں ایک معدوم شئی کی خرید وفروخت ہوتی ہے اور شئی معدوم کی بیع وشراء سے رسول اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے، چنانچہ

☆ استاذ حدیث وفقہ جامعہ اسلامیہ کشاف العلوم کبوزہ چشمہ تہ کیرالا۔

صحابی رسول حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس لوگ ایسے مال خریدنے کے لیے آتے ہیں کہ جو میرے پاس نہیں ہوتا ہے تو کیا میں بازار سے لاکر اس سے فروخت کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا جو چیز تمہارے پاس نہیں ہے اس کو مت بیچو۔ حدیث شریف کے الفاظ مبارکہ ملاحظہ فرمائیں :

عن حکیم بن حزام قال : قلت یارسول اللہ! یأتینی الرجل فیرید منی البیع و لیس عندی فابتاع له من السوق قال : لا تبع مالیس عندک (مشکوۃ ص ۲۴۸) (حضرت حکیم بن حزامؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس ایک شخص کچھ مال خریدنے کی غرض سے آتا ہے، حالاں کہ وہ مال میرے پاس موجود نہیں ہوتا ہے، تو کیا میں بازار سے لاکر اس سے فروخت کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا : جو چیز تیرے پاس نہ ہو اس کو مت بیچو)۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ معدوم شئی اور غیر مقبوض کی بیع جائز نہیں ہے، لہذا اصول کے اعتبار سے عقد استصناع ناجائز ہونا چاہیئے، قیاس بھی اسی بات کا داعی اور متقاضی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام شافعی اور حنفیہ میں حضرت امام زفرؒ نے قیاس پر عمل کرتے ہوئے اس کے عدم جواز کا قول اختیار کیا ہے، البتہ علماء احناف کا سواد اعظم علی سبیل الاستحسان اور عمل رسول کی وجہ سے اور حاجت و ضرورت کی بنیاد پر اس کو جائز کہتے ہیں۔

عقد استصناع کے جواز پر امت کا اجماع :

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور سے لے کر آج تک پوری امت کا اس کے مشروع اور جائز ہونے پر بلا کسی نکیر کے اجماع ہے، کسی نے بھی اس کے عدم جواز کا قول اختیار نہیں کیا ہے بلکہ ہمیشہ لوگوں کا اس پر تعامل رہا ہے اور برابر اس کی ضرورت داعی رہی ہے، کیوں کہ آدمی خود سے ہر کام نہیں کر سکتا ہے، لامحالہ وہ کسی نہ کسی کو آرڈر دے کر ہی اپنی ضرورت پوری کریگا، اس لیے عقد استصناع بہر صورت جائز اور درست ہے، چنانچہ الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ باب حکمۃ مشروعیۃ الاستصناع کے تحت رقم ہے :

الاستصناع بإعتباره عقد مستقلا- مشروع- عند أکثر الحنفیة علی سبیل الاستحسان ، ومنعه زفر من الحنفیة أخذا بالقیاس لأنه بیع المعدوم، ووجه الاستحسان : استصناع الرسول صلی اللہ علیہ وسلم الخاتم، والاجماع من لدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دون نکیر - وتعامل الناس بهذا العقد و الحاجة الماسة إلیه (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیہ، باب حکمۃ مشروعیۃ الاستصناع ۳/ ۳۲۷)۔

استصناع اپنے اعتبار سے ایک مستقل عقد ہے، اکثر علماء کے نزدیک علی سبیل الاستحسان مشروع ہے، البتہ احناف میں سے حضرت امام زفرؒ نے قیاس کو اپناتے ہوئے عقد استصناع سے منع فرمایا ہے، اس لیے کہ یہ شئی معدوم کی بیع ہے اور وجہ استحسان یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنوائی ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر تا ہنوز بلا کسی نکیر کے اس کے جواز پر اجماع ہے اور لوگوں کا اس پر تعامل بھی ہے، نیز ضرورت و حاجت بھی اس کی مشروعیت کی داعی ہے۔

علامہ کاسانی صاحب بدائع الصنائع اس کے جواز پر کلام کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

و أما جوازه - فالقیاس أن لا یجوز، لأنه بیع ما لیس عند الانسان لا وجه السلم وقد نهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع ما لیس عند الانسان ورخص فی السلم، ویجوز استحسانا لإجماع الناس علی ذالک، لأنهم یعملون ذلک فی

سائر الأعصار من غير نكير، وقد قال عليه الصلوة والسلام :لاتجتمع أمتي على ضلالة، وقال عليه الصلوة والسلام :ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن، وما رآه المسلمون قبيحا فهو عند الله قبيح، والقياس يترك بالإجماع (بدائع الصنائع ۴ / ۹۳ وکذا البحر الرائق ۶ / ۲۸۳)۔

(بہر حال عقد استصناع کا جواز، تو قیاس اس کے عدم جواز کا متقاضی ہے، اس لیے کہ یہ غیر بیع سلم کے طور پر اس چیز کی بیع ہے جو انسان کے پاس نہیں ہے، جب کہ رسول اکرم ﷺ نے شئی معدوم کی بیع سے منع فرمایا ہے، البتہ بیع سلم میں اسکی اجازت دی ہے، اور اس پر لوگوں کے اجماع کی وجہ سے استحسانا جائز ہے کیوں کہ ہر دور میں لوگوں نے اس پر بغیر کسی نکیر کے عمل کیا ہے، جبکہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہوسکتی ہے، نیز رسول اکرم ﷺ نے فرمایا : مسلمان جس چیز کو اچھا سمجھے، وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور مسلمان جس چیز کو برا جانے وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے، اور اجماع کی وجہ سے قیاس کو ترک کردیا جاتا ہے)۔

دکتور حسام الدین خلیل "باحث مركز القرضاوي للوسطية الاسلامية بدولة قطر" اپنے مقالہ "عقد الاستصناع كأحد البدائل الشرعية للأوعية الادخارية البنكية" میں اس کے جواز کی ضرورت پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

عقد استصناع کی مشروعیت اور جواز کے سلسلے میں علماء احناف کا طریقہ استدلال یہ ہے کہ شرعی اعتبار سے یہ اصول مقرر اور مسلم ہے کہ بیع سلم کے علاوہ کسی اور بیع میں شئی معدوم کی بیع یا اس پر باہمی عقد کرنا ناجائز اور ممنوع ہے، جب کہ جمہور علماء احناف عقد استصناع کو بیع سلم کے علاوہ ایسی بیع قرار دیتے ہیں جس میں معدوم شئی کی بیع کی جاتی ہے، لہٰذا ازروئے قیاس یہ بیع جائز نہیں، تاہم ان حضرات نے اس قیاس پر عمل نہیں کیا، اور ایک مضبوط اور قوی دلیل کی بنیاد پر عقد استصناع کو جائز قرار دیا اور وہ دلیل قبول استصناع پر اجماع عملی ہے بایں طور کہ لوگوں کا اس پر تعامل رہا ہے اور عدم حرمت کا تعارف رہا ہے، اور اس کی نظیر غسل خانہ میں اجرت کے عوض داخل ہونا ہے، چنانچہ یہ لوگوں کے تعامل کی وجہ سے جائز ہے، اگر چہ اس میں غسل خانے میں ٹھہرنے کی مقدار اور پانی بہانے کی مقدار مجہول اور نامعلوم ہے، اسی طرح سقا سے پانی پینا مقدار شرب کی جہالت کے باوجود جائز ہے (عقد الاستصناع ص ۱۲)۔

استصناع کی لغوی اور اصطلاحی تعریف :

جب عقل ونقل اور اجماع امت نیز تعامل ناس سے عقد استصناع کا جواز اور اس کی مشروعیت ثابت ہوگئی، تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی لغوی اور اصطلاحی تعریف بھی سپرد قرطاس کردی جائیں تا کہ نفس مسئلہ کے افہام وتفہیم میں آسانی ہو۔ علامہ ابن عابدین شامی صاحب ردالمحتار استصناع کے لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :

هو لغة :طلب الصنعة أي أن يطلب من الصانع العمل (ردالمحتار ۷ / ۴۷۴ کتاب البیوع باب السلم) (استصناع لغت میں طلب صنعت کو کہتے ہیں یعنی صانع (بائع) سے عمل طلب کرنا)۔

الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیہ میں استصناع کے لغوی معنی ان الفاظ میں سپرد قلم کیا گیا ہے :

الاستصناع في اللغة :مصدر استصنع الشئي أي دعا إلى صنعه ويقال :اصطنع فلان بابا، إذا سأل رجلا أن يصنع له بابا كما يقال :أكتتب أي أمر أن يكتب له (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۳ / ۳۲۵ بحوالہ لسان العرب وتاج العروس مادہ صنع)۔

لفظ استصناع درحقیقت لغت میں استصنع الشئی (باب استفعال) کا مصدر ہے، یعنی کسی چیز کے بنانے کا کسی سے مطالبہ کرنا کہا جاتا ہے : اصطنع فلان بابا، فلاں نے ایک دروازہ بنوایا یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی کسی سے دروازہ بنانے کی درخواست کرے، جیسا کہ کہا جاتا ہے اکتتب یعنی اسکو لکھنے کا حکم دیا)۔

الغرض مطلقاً کسی چیز کے تیار کرنے کا کسی صانع اور کاریگر کو آرڈر دینا لغت میں استصناع کہلاتا ہے، اور رہا یہ سوال کہ شریعت کی نظر میں اور فقہاء کی اصطلاح میں استصناع کسے کہتے ہیں؟ تو حضرات فقہاء کرام اس کی اصطلاحی و شرعی تعریف مختلف الفاظ میں کرتے ہیں :

علامہ ابن عابدین شامی اپنی شہرہ آفاق تصنیف ردالمحتار میں حسب ذیل الفاظ سے استصناع کی تعریف کرتے ہیں :

وأما شرعا :فهو طلب العمل فيه في شئي خاص علي وجه مخصوص يعلم مما يأتي (شامی ۷؍۴۷۴)۔

(شریعت کی اصطلاح میں استصناع یہ ہے کہ کسی خاص شئی میں صانع سے ایسے مخصوص طرح سے عمل طلب کرنا جو معلوم ہو) یعنی اس میں کسی طرح کی کوئی جہالت باقی نہ رہے۔

الموسوعة الفقهية میں استصناع کی شرعی و اصطلاحی تعریف ان الفاظ کے ذریعے کی گئی ہے۔

وفي الاصطلاح هو ماعرفه بعض الحنفية :عقد علی بیع في الذمة شرط فيه العمل فإذا قال شخص لآخر من أهل الصانع : اصنع لي الشئي الفلاني بكذا درهما، وقبل الصانع انعقد استصناعا عند الحنفية (الموسوعة الفقهية ۳؍۳۲۵ وهكذا في بدائع الصنائع ۵؍۹۳)۔

(استصناع کی اصطلاحی تعریف یہ ہے جو بعض علمائے احناف نے کی ہے کہ استصناع ایک ایسا عقد ہے جو ایک ایسی مبیع پر کی جاتی ہے جو ذمہ میں واجب ہوتی ہے اور اس میں عمل کی شرط لگائی جاتی ہے، چنانچہ جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے جو کاری گر ہے، کہے کہ میرے لیے فلاں چیز اتنے درہم کے بدلے تیار کردو اور کاری گر نے اس کو قبول کرلیا تو عندالاحناف استصناع منعقد ہوگیا)۔

عقد استصناع کے بارے میں اصول :

عقد استصناع کے سلسلے میں اکیڈمی کی جانب سے جو سوال نامہ جاری کیا گیا ہے وہ آٹھ جزئیات پر مشتمل ہیں، احقر کی کوشش یہ ہوگی کہ ان تمام جزئیات کا جواب حضرات فقہاء کرام کی عبارات کی روشنی میں تسلی بخش دیا جائے، سب سے پہلا جزئیہ یہ ہے کہ موجودہ دور میں کن اشیاء میں عقد استصناع جاری ہوسکتا ہے اور اس سلسلے میں اصول کیا ہوگا؟ تو ظاہر کتب فقہ میں حضرات فقہاء کرام نے جو مثالیں دی ہیں، وہ معمولی اور نہایت چھوٹی چھوٹی ہیں، چوں کہ ان حضرات فقہاء کے زمانے میں عام طور پر ان ہی مذکور اشیاء میں عقد استصناع کا چلن تھا اور عرف عام اور تعامل ناس ان ہی چیزوں سے متعلق تھا، اس لیے حضرات فقہاء کرام نے اپنے زمانے کے لوگوں کے تعامل اور عرف ورواج کو مدنظر رکھتے ہوئے چھوٹی چھوٹی اور معمولی معمولی چیزوں کو عقد استصناع کی مثال میں پیش کی ہیں، لیکن موجودہ دور میں عقد استصناع کی خدمات کا دائرہ نہایت وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے اور آئے دن بڑی سی بڑی چیزیں آرڈر پر تیار کی جارہی ہیں اور اس کا عام تعامل ہوتا جارہا ہے، ایک کمپنی دوسری کمپنی کو بڑی سی بڑی چیز کو تیار کرنے کا آرڈر کررہی ہیں اور کمپنی چیز تیار کرکے دوسری کمپنی کو دے رہی ہے، اس لیے عقد استصناع کے جواز کے سلسلے میں حضرات فقہاء کرام کی عبارات کی روشنی میں اصول یہ ہوگا کہ ہر وہ چیز جس کے استصناع کا لوگوں میں عام تعامل

اور رواج ہو گیا ہے اور لوگ اس کو آرڈر دے کر تیار کرواتے ہوں وہ سب جائز ہیں بشرطیکہ جس چیز کو تیار کروایا جارہا ہے، اس کی تمام نوعیت اور تمام صفت کو آرڈر دیتے وقت اس طرح بیان کر دیا جائے کہ بعد میں کسی بھی قسم کے باہمی نزاع کا شائبہ بھی باقی نہ رہے، جیسا کہ حضرات فقہاء کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے۔ علامہ علاء الدین أبی بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی الملقب بملک العلماء (المتوفی ۵۸۲ھ) اپنی شہرہ آفاق تصنیف بدائع الصنائع میں رقم کرتے ہیں :

وأما شرائط جوازه - فمنها بيان جنس المصنوع ونوعه وقدره وصفته لأنه لا يصير معلوما بدونه۔ ومنها أن يكون مما يجرى فيه التعامل بين الناس من أوانى الحديد، والرصاص، والنحاس، والزجاج، والخفاف، والنعال، ولجم الحديد للدواب ونصول السيوف، والسكاكين، والقسى، والنبل والسلاح كله، والطشت والقمقمة ونحو ذلك، ولا يجوز في الثياب، لأن القياس يأبى جوازه وإنما جوازه استحسانا لتعامل الناس ولا تعامل في الثياب (بدائع الصنائع ۴/ ۹۴ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

(بہر حال عقد استصناع کے جواز شرطیں، تو ان میں سے ایک مصنوع کی جنس، اس کی نوع، اسکی مقدار اور اس کی صفت کو بیان کرنا ہے، اس لیے ان چیزوں کے بیان کیے بغیر شئی مصنوع کی تعیین نہیں ہو سکتی ہے اور اس کی دوسری شرط یہ ہے کہ اس میں لوگوں کا تعامل بھی ہو، جیسے لوہے، کانچ، پیتل، اور سیشہ کے ظروف، نیز موزے، جوتے، جانوروں کے لیے لوہے کا لگام، تلواروں کے دستے، چھریاں، قسی، تیر، ہتھیار، طشت اور قمقمے وغیرہ، اور لوگوں کے عدم تعامل کے سبب کپڑوں میں استصناع جائز نہیں ہے، قیاس جواز استصناع فی الثیاب کا منکر ہے جب کہ اس کا جواز استحسانا لوگوں کے تعامل ہی کی وجہ سے ہے اور کپڑوں میں استصناع کا تعامل ہی نہیں ہے)۔

استصناع بیع ہے یا وعدہ بیع؟

اب رہا یہ سوال کہ مستصنع نے صانع کو کسی چیز کے بنانے کا آرڈر دیا اور صانع نے اس آرڈر کو قبول بھی کر لیا تو عقد استصناع منعقد ہو گیا لیکن یہ عقد استصناع بذات خود بیع ہے یا وعدہ بیع؟ یا مستقل کوئی عقد جدید ہے جو ان دونوں سے الگ ہے؟

اس مسئلہ میں حضرات فقہاء کرام کی عبارتیں مختلف ہیں، بعض فقہاء اس کو بیع مانتے ہیں جبکہ بعض دیگر فقہاء اس کو بیع ماننے کے لیے تیار نہیں، بلکہ وعدہ بیع قرار دیتے ہیں چنانچہ حاکم شہیدؒ، صفارؒ، اور محمد بن سلمہ اور صاحب المنثور نے اس کو معاہدہ اور مواعدہ تسلیم کیا ہے اور فقہاء معاصرین کی ایک جماعت نے اس کو ان دونوں سے بالکل الگ تھلگ مستقل عقد قرار دیا ہے جس کے مستقل الگ اور خاص احکام ہیں لیکن عام مشائخ امت نے استصناع کو بیع ہی کی ایک دوسری قسم مانا ہے جو خلاف قیاس بطور استحسان جائز ہے۔

چنانچہ علامہ ابن الہمام صاحب فتح القدیر (المتوفی ۶۸۱ھ) اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

ثم اختلف المشائخ أنه مواعدة أو معاقدة، فالحاكم الشهيد والصفار ومحمد بن سلمة وصاحب المنثور مواعدة، وإنما ينعقد عند الفراغ بيعا بالتعاطى، ولهذا كان للصانع أن لا يعمل ولا يجبر عليه بخلاف السلم، وللمستصنع أن لا يقبل ما يأتى به، ويرجع عنه، ولا تلزم المعاملة - إلى قوله - والصحيح من المذهب جوازه بيعا، لأن محمدا ذكر فيه القياس والاستحسان وهما لا يجريان فى المواعدة، ولأنه جوزه فيما فيه تعامل دون ما ليس فيه، ولو كان مواعدة جاز فى الكل وسماه شراء فقال : إذا رآه المستصنع فهو بالخيار لأنه اشترى ما لم يره، ولأن الصانع يملك الدراهم بقبضها، ولو كانت مواعيد لم

یملکها، وإثبات أبی الیسر الخیار لکل منهما لایدل علی أنه غیر بیع، ألاتری أن فی بیع المقایضة لو لم یر کل منهما عین الآخر، کان لکل منهما الخیار وحین لزم جوازه علمنا أن الشارع اعتبر فیها المعدوم موجودا وفی الشرع کثیر (۷/ ۱۰۸-۱۰۹ کذا فتاوی تاتارخانیہ ۹/ ۴۰۰)۔

(پھر مشائخ امت میں اس مسئلہ میں اختلاف ہوا کہ استصناع وعدہ بیع ہے یا بیع؟ حاکم شہید، صفار، محمد بن سلمہ اور صاحب منثور کی رائے یہ ہے کہ یہ وعدہ بیع ہے، البتہ لین دین سے فراغت کے بعد یہ بیع بیع تعاطی کے طور پر منعقد ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ تیار کنندہ کو عمل نہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے اس کو کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، برخلاف بیع سلم کے (اس میں مسلم الیہ کو مال دینے پر مجبور کیا جاسکتا ہے) اور عقد استصناع میں آرڈر دینے والے کو اختیار ہوتا ہے، صانع جس چیز کو لے آئے اس کو قبول نہ کرے اور اس سے رجوع کر لے عقد استصناع لازم نہیں ہوتا ہے (اگر یہ بیع ہوتی تو معاملہ لازم ہو جاتا)........ لیکن اس بارے میں صحیح مذہب یہ ہے کہ عقد استصناع کا جواز بطور بیع ہے، اس لیے کہ حضرت امام محمد نے اس میں قیاس اور استحسان کو ذکر کیا ہے جب کہ یہ دونوں وعدہ بیع میں جاری نہیں ہوتے ہیں، اس لیے عقد استصناع کو صرف ان ہی چیزوں میں جائز قرار دیا ہے جن میں تعامل ہے نہ کہ جن میں تعامل نہیں ہے، اگر یہ وعدہ بیع ہوتا تو ہر چیز میں جائز ہوتا، اور اس کا نام شراء رکھا، چنانچہ فرمایا کہ جب مستصنع شئی مصنوع کو دیکھے تو اس کو (لینے اور نہ لینے کا) خیار رؤیت ملتا ہے، کیوں کہ اس نے سامان بن دیکھے خریدا ہے اور تیار کنندہ روپیہ پر قبضہ کرنے کے بعد اس کا مالک ہو جاتا ہے، اگر یہ محض وعدہ بیع ہوتا تو وہ اس کا مالک نہ ہوتا، اور ابو الیسر کا ان دونوں کے لیے خیار ثابت کرنا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ عقد استصناع غیر بیع ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ بیع مقایضہ میں اگر بائع اور مشتری میں سے کوئی دوسرے کے سامان کو نہ دیکھے تو دونوں کے لیے اختیار ہوتا ہے اور جس وقت عقد استصناع کا جواز لازم ہوا، ہمیں معلوم ہوا کہ شریعت نے معدوم شئی کو موجود مانا ہے اور بہت سے مواقع میں اس کی نظیر موجود ہے۔

صاحب فتح القدیر کے علاوہ علامہ فرید الدین اندرپتی دہلوی صاحب فتاوی تاتارخانیہ، علامہ کاسانی صاحب بدائع الصنائع، علامہ ابن عابدین شامی صاحب رد المحتار اور ان کے علاوہ دیگر فقہاء کرام عقد استصناع کو بیع قرار دیا ہے نہ کہ وعدہ بیع، اکثر فقہاء اس پر متفق ہیں۔

شئی معدوم کی بیع اور اس کا حکم شرعی :

شرعی اعتبار سے کسی چیز کی بیع صحیح ہونے کے لیے اساسی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جس چیز کی بیع کی جارہی ہے وہ حسی یا معنوی اعتبار سے بائع کے قبضے میں ہو اور اس میں تین باتیں پائی جاتی ہیں :

۱—مبیع یعنی جس چیز کو فروخت کیا جارہا ہو وہ موجود ہو، لہذا ایسی چیز کی بیع جو ابھی موجود نہیں ہے بلکہ معدوم ہے شرعی نقطہ نظر سے درست نہیں ہے۔

۲—مبیع پر بائع کی ملکیت ہو، لہذا جو شئی موجود تو ہے لیکن وہ بائع کی ملکیت سے خارج ہے، اس کی بھی بیع از روئے شرع درست نہیں ہے۔

۳—شرعی اعتبار سے صحت بیع کے لیے صرف شئی مبیع کا مالک ہو جانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس پر بائع کا قبضہ اور کنٹرول بھی ضروری ہے خواہ یہ قبضہ حسی ہو یا معنوی، لہذا اگر بائع کسی کا مالک تو ہے لیکن وہ خود یا اس کے وکیل کا اس پر قبضہ نہیں ہے تو اس کو فروخت نہیں

کرسکتا ہے۔الغرض عام اصول شرع کے اعتبار سے شئی معدوم کی بیع درست نہیں ہے۔حدیث شریف میں ہے :

عن حكيم بن حزام قال :قلت يا رسول الله! يأتيني الرجل فيريد مني البيع وليس عندي فابتاع له من السوق قال :لا تبع ما ليس عندك (مشکوۃ ص ۲۴۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۲۱۸۷ باب النہی عن بیع مالیس عندک)۔

(حضرت حکیم بن حزامؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس ایک شخص کچھ مال خریدنے کی غرض سے آتا ہے حالاں کہ وہ مال میرے پاس موجود نہیں ہوتا ہے،تو کیا میں بازار سے لاکر اس سے فروخت کرسکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا :جو چیز تیرے پاس نہ ہو اس کو مت بیچو)۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جب مبیع بائع کے پاس موجود نہ ہو تو اس کی بیع اصولا جائز نہیں ہے،حضرات فقہاء کرام بھی صحت بیع کے لیے مبیع کے موجود ہونے کو شرط قرار دیتے ہیں،چنانچہ فتاوی ہندیہ میں صحت بیع کی شرائط کو شمار کراتے ہوئے لکھا ہے :

ومنها :في المبيع وهو أن يكون موجودا فلا ينعقد بيع المعدوم, وماله خطر العدم كبيع نتاج النتاج والحمل كذا في البدائع, وأن يكون مملوكا في نفسه, وأن يكون ملك البائع (ہندیہ ۳/۲، بدائع الصنائع ۴/۳۲۶)۔

(صحت بیع کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مبیع موجود ہو،لہذا معدوم شئی کی بیع اور اس چیز کی بیع جس کے عدم لاحق ہونے کا خطرہ درپیش ہو منعقد نہ ہوگی،جیسے ولد کے ولد کی بیع اور اس کی جو ابھی حمل ہے،جیسا کہ بدائع الصنائع میں ہے،اور صحت بیع کی دوسری شرط یہ ہے کہ مبیع فی نفسہ مملوک ہو اور بائع کی ملکیت میں ہو)۔

سارے ہی فقہائے کرام نے شئی معدوم کی بیع کو ناجائز قرار دیا ہے،البتہ حضرات فقہاء کرام نے شریعت کے اس عمومی اصول سے دو قسم کی بیع کو مستثنی قرار دیا ہے (۱) بیع سلم (۲) بیع استصناع۔یہ دونوں مخصوص نوعیت کی بیع ہے،اس لیے ان میں چند شرائط کے ساتھ شئی معدوم کی بیع جائز ہے جو کتب فقہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

عقد استصناع میں خریدار (صانع) جس چیز کو خریدتا ہے وہ عقد کے وقت معدوم ہوتی ہے،لیکن اس کے باوجود یہ بیع خلاف قیاس علی سبیل الاستحسان جائز ہے،کیوں کہ رسول اکرم ﷺ سے استصناع کا ثبوت ملتا ہے،آپ نے ایک انگوٹھی بنوائی اور تلوار نیز منبر کا بنوانا بھی آپ سے ثابت ہے،لہذا اگر کوئی شخص بلڈر سے فلیٹ تعمیر ہونے سے قبل خرید لے تو اس کی گنجائش ہے،بشرطیکہ اس کی پوری تفصیلات بیان کردی جائیں،اس کا فلیٹ کس منزل پر ہوگا،کس طرح کا ہوگا،کتنے گز میں ہوگا وغیرہ وغیرہ یہ ساری تفصیلات اگر بیان کردی جائیں تو جائز ہے،لیکن مستصنع کے لیے مبیع پر قبضہ کیے بغیر اور اس کا مالک بنے بغیر دوسرے سے اور دوسرے کا تیسرے سے فروخت کرنا جائز نہیں ہے اور سلسلہ وار بیع کی تمام صورتیں بیع معدوم کے عدم جواز سے مستثنی نہیں ہوں گی،وجہ اس کی یہ ہے کہ مستصنع کے لیے شئی معدوم کی خریداری کا جواز ضرورت وحاجت کی وجہ سے خلاف قیاس بطور استحسان ثابت ہے،اور فقہ کا مسلمہ اصول ہے کہ الضرورة تتقدر بقدر الضرورة جس چیز کا جواز ضرورت کی وجہ سے ہو وہ بقدر ضرورت ہی جائز ہوتا ہے،لہذا مستصنع کے لیے دوسرے اور دوسرے کا تیسرے سے معدوم کی بیع جائز نہ ہوگی،نیز فقہ اسلامی کا ایک مسلمہ قاعدہ یہ بھی ہے کہ جو چیز خلاف قیاس بطور استحسان ثابت ہو وہ مورد شرع ہی پر منحصر رہتی ہے،اس میں تعدیہ جائز نہیں اور نہ اس پر قیاس کرکے کسی اور پر حکم لگانا درست ہے۔**ما ثبت على خلاف القياس فغيره لا يقاس عليه** (قواعد الفقہ ص ۱۱۴)۔

جو چیز خلاف قیاس ثابت ہو تو اس کے غیر کو اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا) بلکہ وہ مورد شرع ہی پر منحصر رہے گا۔

مذکورہ بالا فقہ اسلامی کے دونوں اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ صرف مستصنع کے لیے ضرورت و حاجت اور خلاف قیاس ثابت ہونے کی وجہ سے معدوم شئی کی خریداری کرنا شرعی اعتبار سے جائز ہے، لیکن خود مستصنع کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ جس چیز کو تیار کرنے کا آرڈر دیا ہے، اس کا مالک ہوئے بغیر اور قبضہ کیے بغیر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرے یا کوئی دوسرا تیسرے کے ہاتھ فروخت کرے۔ کیوں کہ اس میں ضرر اور غرر دونوں معنی پائے جاتے ہیں، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی بیع سے منع فرمائی ہے جس میں احد المتعاقدین کو دھوکہ ہو یا ضرر ہو۔

عن أبی هريرة رضی الله تعالی عنه نهی رسول الله ﷺ عن بيع الحصاة و عن بيع الغرر (۲۴۷/۲، سنن داری ۲۷۲/۲، رقم الحدیث ۲۵۵۴، مسند احمد بن حنبل رقم الحدیث ۲۷۵۲) (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کنکری کی بیع اور دھوکے کی بیع سے منع فرمایا ہے)۔

نیز ایک دوسری حدیث میں ہے، اور بہت سارے ائمہ حدیث نے اس کی تخریج بھی کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اناج یا غلہ خریدے تو اس وقت تک اس کو کسی کے ہاتھ فروخت نہ کرے جب تک اس پر قبضہ نہ کر لے۔

عن ابن عمر رضی الله تعالی عنه قال قال رسول الله ﷺ: من ابتاع طعاما فلا يبعه حتی يستوفيه (مسند احمد بن حنبل رقم الحدیث ۳۹۶، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث ۱۴۲۱۰، موطا امام مالک رقم الحدیث ۲۳۵۶) (حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کوئی غلہ خریدے تو اس کو اس وقت تک فروخت نہ کرے جب تک اس پر قبضہ نہ کر لے)۔

مذکور بالا دونوں حدیثوں اور ذکر کردہ دونوں فقہی اصولوں سے یہ بات آفتاب نصف النہار کی طرح بالکل واشگاف ہو جاتی ہے کہ مستصنع کے لیے مال پر قبضہ کیے بغیر اور شئی مصنوع کے مالک ہوئے بغیر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے، البتہ مستصنع کے لیے صانع سے شئی معدوم کی خریداری خلاف قیاس بطور استحسان بوجہ تعامل ناس اور بسبب اجماع امت جائز ہے۔ و الله اعلم بالصواب و إليه المرجع و المتاب۔

اشیائے غیر منقولہ میں عقد استصناع اور اس کا شرعی حکم:

اب رہا یہ سوال کہ استصناع کا تعلق صرف ان اشیاء سے ہے جو اموال منقولہ کے قبیل سے ہیں یا اموال غیر منقولہ سے بھی، جیسے بلڈنگ اور فلیٹ وغیرہ۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ کتب فقہ کے ورق گردانی اور مطالعہ سے جو بات سامنے آتی ہے، وہ یہ کہ حضرات فقہائے کرام نے عقد استصناع کے سلسلے میں جو مثالیں پیش کی ہیں، وہ سب کے سب اشیاء منقولہ کے قبیل سے ہیں، اموال غیر منقولہ کی ایک بھی مثال پیش نہیں کی ہیں، جس سے بادی النظر میں یہ سمجھ میں آتا ہے کہ عقد استصناع کے جواز کا تعلق صرف اشیائے منقولہ ہی سے ہے نہ کہ اشیائے غیر منقولہ سے، لیکن اگر عقد استصناع کے جواز کی علت اور سبب کو سامنے رکھا جائے اور اس پر غور و خوض کیا جائے تو اس کا جواز اشیائے غیر منقولہ سے بھی معلوم ہوتا ہے، چوں کہ عقد استصناع کے جواز کی علت اصل تعامل ناس اور عرف عام ہے، حضرات فقہائے متقدمین کے عہد مبارک میں

چوں کہ صرف اموال منقولہ ہی میں استصناع کا رواج تھا اور اموال غیر منقولہ میں استصناع کا رواج اور تعامل نہ تھا، اس لیے حضرات فقہائے کرام نے ان کی مثالیں پیش نہیں فرمائیں۔

لیکن فی زماننا اموال منقولہ اور اموال غیر منقولہ دونوں میں ہی استصناع کا رواج وتعامل ہے اور اس کا عرف بالکل عام ہوتا جارہا ہے اور شریعت نے عرف وتعامل کا اعتبار کیا ہے، جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامی نے شرح عقود رسم المفتی میں اس کا ذکر بڑے اہتمام سے کیا ہے، علامہ موصوف لکھتے ہیں :

والعرف في الشرع له اعتبار . . . لذا عليه الحكم قد يدار (شرح عقود رسم المفتی ۱۷۵) (شریعت اسلامیہ میں عرف کا اعتبار ہے، یہی وجہ ہے کہ شریعت کے بہت سے مسائل کا دارومدار عرف پر ہے)۔

شرح البیری میں مبسوط کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ الثابت بالعرف كالثابت بالنص۔ جو چیز عرف سے ثابت ہو وہ نص سے ثابت کے درجہ میں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کے احکام متعین کرنے میں عرف کا بہت بڑا دخل ہے اور عرف کا شریعت نے بہت زیادہ لحاظ کیا ہے، علامہ ابن عابدین شامیؒ نے شرح عقود رسم المفتی میں عرف اور تغیر زمانہ کی وجہ سے احکام میں تبدیلی کی چند مثالیں بھی پیش کی ہیں، بیع الوفاء اور عقد استصناع کو علامہ موصوف نے عرف زمانہ ہی پر موقوف رکھا ہے۔

استصناع کو بطور استثمار استعمال کرنے کا شرعی حکم :

استصناع کو بعض اسلامی مالیاتی ادارے بطور تمویل اور استثمار بھی استعمال کرتے ہیں اور اس کا نام استصناع موازی یا متوازی دیتے ہیں، استصناع موازی یا متوازی درحقیقت تین فریقوں کے درمیان دائر ہوتا ہے اور اس میں مالیاتی ادارے کی حیثیت صرف درمیانی فریق کی ہوتی ہے، یہ ادارہ ایک شخص سے آرڈر حاصل کرتا ہے اور دوسرے شخص کو آرڈر دیتا ہے، مثلاً ادارہ نے ایک شخص سے یہ آرڈر حاصل کیا کہ میں آپ کو فلیٹ دس لاکھ میں فراہم کردوں گا جس کی نوعیت اس اس طرح کی ہوگی، اس میں فلاں فلاں سہولیات دستیاب ہوں گی، پھر ادارہ کسی دوسرے شخص کو مثلاً ٹھیکدار کو آرڈر دیتا ہے کہ آپ نولاکھ میں ایک فلیٹ تیار کردیں جس میں فلاں فلاں سہولیات دستیاب ہوں، اب ٹھیکدار نولاکھ میں فلیٹ تیار کر کے ادارہ کو دیتا ہے، ادارہ نے دس لاکھ میں فلیٹ اسکو دیدیا جس سے آرڈر حاصل کیا تھا، ظاہر ہے کہ ادارہ کو اس صورت میں ایک لاکھ کا منافع حاصل ہوا، اب سوال یہ ہے کہ اس صورت میں ادارہ نے جو نفع حاصل کیا ہے وہ شرعی نقطہ نظر سے کوئی قباحت اور شناعت تو نہیں؟

تو اس بارے میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ صورت مذکورہ میں اسلامی مالیاتی ادارے کی حیثیت چوں کہ دلال اور وکالت کی سی ہے اور دلال کے لیے اپنی محنت کی اجرت لینا جائز ہے، دلال کی اجرت کو حضرات فقہاء کرام نے جائز قرار دیا ہے، جب کہ آپسی معاہدے کے تحت اور عام عرف کے مطابق ہو۔ علامہ شامیؒ رقم فرماتے ہیں :

قال في البزازية : إجارة السمسار والمنادي والحمامي والصكاك وما لا يقدر فيه الوقت والعمل تجوز لما كان للناس به حاجة ويطيب الأجر المأخوذ لو قدر أجر المثل (شامی ۹/ ۶۴) (فتاویٰ بزازیہ میں ہے : دلال، بولی لگانے والا، حمامی اور چیک نویس کی اجرت، نیز جس میں وقت اور عمل کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ہے، اس کی اجرت ان چیزوں میں جائز ہے جن میں لوگوں کی حاجت

وضرورت ہے اور لی ہوئی اجرت حلال ہے بشرطیکہ اجرت مثل کے برابر ہو)۔

دکتور حسام الدین خلیل باحث اکیڈمی مرکز القرضاوی للوسطیۃ الاسلامیۃ والتجدید اپنے مقالہ "عقد الاستصناع كأحد البدائل الشرعية للأوعية الادخارية البنكية" میں صفحہ (۳۷) پرتحریر کرتے ہیں:

ويتبين من هذا : أن في الاستصناع، والاستصناع الموازی ثلاثة أطراف وأحد منها مشترک في العقدين وهو البنک أو المؤسسة المالية، إذيكون صانعا في عقد الاستصناع مع العميل، ومستصنعا في عقد الاستصناع الموازی مع المقاول أو الصانع الفعلی، وتكون الشروط متماثلة في العقدين إلا في الثمن لتحقيق هامش ربح للبنک، وزمن التسليم لتمكين البنک مع التسلم ثم التسليم، ويجوز للبنک أن يؤكل العميل (في الاستصناع الموازی) بتسلم المصنوع من المقاول أو الصانع الفعلی، بعد تمكن البنک من القبض الحكمي۔

(اور اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بلا شبہ استصناع موازی میں تین فریق ہوتے ہیں: ان میں سے ایک دونوں عقد میں مشترک ہوتا ہے، اور درحقیقت بینک یا مالیاتی ادارہ ہے، اس لیے کہ وہ عقد استصناع میں عمیل کے ساتھ صانع بھی ہوتا ہے۔ اور ٹھیکے دار یا بالفعل بائع کے لیے مستصنع بھی ہوتا ہے اور ان دونوں عقدوں میں شرطیں باہم یکساں اور متماثل ہوتی ہیں، الا یہ کہ بینک کے نفع کے لیے اور سپردگی کے زمانے کے لیے ثمن میں فرق رکھا جاتا ہے تاکہ بینک وصول کر کے پھر حوالہ کر دے اور بینک کے لیے یہ بات جائز ہے کہ استصناع موازی میں ٹھیکدار یا بالفعل صانع سے تیار کردہ چیز وصول کرنے کے لیے وکیل بنائے بشرطیکہ خود بینک کو اس پر قبضہ حکمی حاصل ہو چکا ہو)۔

دکتور حسام الدین خلیل کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ بینک یا مالیاتی ادارے کو اس معاملہ میں جو نفع حاصل ہو رہا ہے وہ جائز ہے بشرطیکہ نفع محدود اور طرفین کو معلوم ہو اور معاہدہ کرتے وقت ہی یہ ساری تفصیلات طے کر لی گئیں ہوں۔

عند التوقيع على عقد الاستصناع المصرفي يجب أن يكون مبلغ الاستصناع مبلغا محدودا ومعلوما للطرفين (عقد الاستصناع صفحہ ۳۸)۔ (عقد استصناع مصرفی پر دستخط کرتے وقت یہ ضروری ہے کہ استصناع کا مبلغ محدود اور طرفین کے لیے معلوم ہو)۔

بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ مالیاتی ادارہ یا بینک صانع اور مستصنع کے درمیان داخل ہو کر جو نفع حاصل کرتا ہے وہ درست اور جائز ہے، بینک یا مالیاتی ادارہ گویا مستصنع کے حق میں دلال یا وکیل ہے، مالیاتی ادارہ دوسرے سے آرڈر لیتا ہے کہ میں تمہارے لیے مال فراہم کراؤں گا پھر وہ کسی اور کو آرڈر دیتا ہے کہ اتنا مال تیار کر دو، پھر تیار شدہ مال مستصنع کے حوالہ کرتا ہے اور درمیان میں کچھ نفع حاصل کرتا ہے یہ جائز ہے اور اگر بینک یا مالیاتی ادارہ کو اجیر مان لیا جائے تو بھی نفع حلال ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عقد استصناع میں پیشگی بیعانہ دینا:

عقد استصناع میں بعض مرتبہ مستصنع یعنی خریدار صانع یعنی بائع کو کچھ رقم بطور بیعانہ پیشگی دیتا ہے اور بعض مرتبہ صانع اس کا مطالبہ کرتا ہے کہ تمہارا آرڈر اس وقت قبول کروں گا جب تم کچھ رقم بطور بیعانہ پہلے دو، اور یہ اس لیے کرنا پڑتا ہے کہ مال فرمائش کے مطابق تیار ہونے کے بعد اگر مستصنع مال لینے سے انکار کر دے تو صانع یعنی بائع اس کی بیعانہ والی رقم کو ضبط کر کے اپنے نقصان کی تلافی کر سکے، اس لیے

کہ بعض مرتبہ جس ڈیزائن کا مال آرڈر پر کیا جاتا ہے اس کا مانگ مارکیٹ میں بالکل نہیں ہوتا ہے، اس لیے صانع کے لیے اس مال کا نکالنا اور سیل کرنا دشوار ہو جاتا ہے، اس لیے ہر آدمی اس ڈیزائن اور اس معیار کا مال لینے کے لیے تیار نہیں ہوتا ہے بایں وجہ صانع کچھ رقم پیشگی بطور بیعانہ مستصنع سے لیتا ہے تاکہ عند انکار المستصنع اس رقم کو روک کر کے نقصان کی تلافی کرے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ بیعانہ کی رقم عند انکار المستصنع روک لینا اور واپس نہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر صانع بیعانہ کی رقم نہیں روکے گا تو پھر اس کے نقصان کی تلافی کی صورت کیا ہوگی؟ اور صانع اپنا نقصان کس طرح پورا کریگا؟

اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ شرعی نقطہ نظر سے بیعانہ کی رقم ضبط کرنا اور اسے واپس نہ کرنا جائز نہیں، احادیث پاک میں رسول اکرم سرور دو عالم جناب محمد رسول ﷺ نے صراحتاً اس سے اپنی امت کو منع فرمایا ہے، حدیث پاک میں بیع عربان کی ممانعت وارد ہے، "نهى ﷺ عن بيع العربان" (مشکوۃ صفحہ ۲۴۸) (رسول اکرم ﷺ نے بیع عربان سے منع فرمایا ہے)۔

بیع العربان کی تشریح وتوضیح کرتے ہوئے محشی مشکوۃ علامہ سندھیؒ رقمطراز ہیں:

وهو أن يشترى السلعة ويعطى البائع درهما أو أقل أو أكثر على أنه إن تم البيع حسب من الثمن، وإلا لكان للبائع ولم يرجعه المشترى وهو بيع باطل لما فيه من الشرط والغرر (مشکوۃ حاشیہ صفحہ ۲۴۸) (بیع عربان یہ ہے کہ مشتری سامان خریدے اور بائع کو کچھ درہم سامان کی قیمت سے کم یا زیادہ اس شرط پر دیا جائے کہ اگر بیع مکمل ہوگئی تو یہ دی گئی رقم ثمن مبیع میں محسوب ہوگی ورنہ بائع کے لیے ہو جائے گی، مشتری اس سے وہ رقم رجوع نہیں کرے گا یہ بیع شرط اور غرر پر مشتمل ہونے کی وجہ سے باطل ہے)۔

مسند الہند الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی مشہور کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" میں لکھتے ہیں:

نهى عن العربان: أن يقدم إليه شئي من الثمن فإن اشترى حسب عن الثمن وإلا هو له مجانا وفيه معنى الميسر (حجۃ اللہ البالغۃ ۲/۲۲۲ بحوالہ آپ کے مسائل اوران کا حل ۷/۱۱۳، جدید فقہی مسائل ۱/۲۷۴) (رسول اکرم ﷺ نے بیع عربان سے منع فرمایا ہے جس کی شکل یہ ہے کہ بائع کو ثمن کا کچھ حصہ پہلے دیدیا جائے اگر وہ خریدلیا تو قیمت میں محسوب ہوگا، اگر اس نے نہیں خریدا تو بائع کو وہ رقم مفت حاصل ہو جائے گی، اس میں جوا کا معنی پایا جاتا ہے)۔

اس لیے بیعانہ واپس نہ کرنا بلکہ عدم نفاذ بیع کی صورت میں بیعانہ میں دی گئی رقم کو روک لینا شرعی اعتبار سے ناجائز ہے اور بیعانہ کی رقم ہر حال میں واپس کرنا ضروری ہے، جہاں تک صانع کے نقصان کی تلافی کی بات ہے کہ صورت ہذا میں صانع یعنی بائع کو زبردست خسارہ ہوگا، کیوں کہ آرڈر کے مطابق بہت زیادہ مال تیار کر دیا ہے، اور اس ڈیزائن اور اس معیار کا مال مارکیٹ میں لینے کے لیے کوئی تیار نہیں، اگر مستصنع نہیں لیتا ہے اور عین موقع پر لینے سے انکار کر دیتا ہے تو بائع تو شدید نقصان تلے دب جائیگا، اور دوسری طرف مشتری جری بھی ہو جائے گا، مال تیار کروالے گا اور مختلف بہانہ بنا کر لینے سے یہ سوچکر انکار کر دے گا کہ مجھ پر کیا تاوان اور جرمانہ ہے جو ڈرنے کی بات ہے، اس لیے مشتری کی جسارت کو ختم کرنے اور بائع کے خسارہ اور نقصان کی تلافی کے لیے کسی نہ کسی صورت پر ضرور غور وخوض کرنا ہوگا۔ احقر کی ناقص عقل میں جو بات سمجھ میں اس وقت آرہی ہے وہ یہ کہ بیعانہ کی رقم تو بہرصورت بائع تو واپس ہی کر دے، لیکن معاہدہ اور معاملہ طے کرتے وقت مشتری اس بات کی وضاحت کر دے کہ اگر تم نے مال تیار کروا کے نہیں لیا، اور میرا مال کہیں دوسری جگہ فروخت بھی نہیں ہو، بلکہ یوں ہی ضائع

ہو گیا، اور مجھے نقصان سے دو چار ہونا پڑا تو اس صورت میں دو عادل متدین آدمی جو طے کر دے گا وہ دینا ہوگا، اور اس وقت الضرر یزال، لا ضرر و لا ضرار في الاسلام اور المسلمون علی شروطھم کے قواعد پر عمل کیا جائے تو مناسب ہوگا تا کہ بائع کو نقصان سے بچایا جا سکے، تاہم اس پر مزید اجتماعی غور وخوض کی ضرورت ہے جو اہل فکر ونظر اور اصحاب فقہ وفتاوی حضرات اس سمینار میں ضرور کریں گے اور اسکا کوئی نہ کوئی شرعی حل نکالیں گے تا کہ بائع کو بے جا نقصان کے دلدل سے نکالا جا سکے۔

عقد استصناع میں میٹریل خود خریدار فراہم کرے تو یہ استصناع ہوگا یا عقد سلم؟

یہ بات خوب اچھی طرح ذہن میں رہنی چاہیے کہ عقد استصناع میں تیار کنندہ یعنی صانع خود اپنے خام مال اور میٹریل سے چیز تیار کرنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے، لہذا یہ عقد استصناع اس بات کو شامل ہوگا کہ صانع خود اپنی طرف سے سارا میٹریل لگائے، اور فرمائش کے مطابق مستصنع کے لیے چیز تیار کرے، اور اگر خام مال اس کے پاس موجود نہیں ہے تو اس کو کہیں سے فراہم کرے، اور مطلوبہ چیز کی تیاری کے لیے کام کرے، لیکن اگر تیار کنندہ میٹریل اپنی جانب سے نہیں لگاتا ہے بلکہ میٹریل خود مستصنع اپنی جانب سے فراہم کرتا ہے، تیار کنندہ صرف محنت اور عمل کرتا ہے تو یہ عقد، عقد استصناع نہ ہوگا بلکہ اس صورت میں یہ عقد اجارہ ہوگا، جس کے ذریعے کسی شخص کی خدمات ایک متعین معاوضے کے بدلے میں حاصل کی جاتی ہیں، اور تیار کنندہ اس صورت میں اگر مطلوبہ شئی کو فرمائش اور آرڈر کے مطابق تیار کر دیا تو اجرت کا مستحق ہوگا، اور اگر آرڈر کے مطابق تیار نہیں کیا بلکہ مستصنع کے خام مال کو بھی خراب کر دیا تو صانع ضامن ہوگا اور بقدر نقصان تاوان دینا ہوگا۔

ملک العلماء علامہ کاسانیؒ صاحب بدائع الصنائع لکھتے ہیں:

فإن سلم إلى حداد حديدا ليعمل له إناء معلوما بأجر معلوم، أو جلدا إلى خفاف ليعمل له خفا معلوما بأجر معلوم، فلذا جائز ولا خيار فيه، لأن هذا ليس باستصناع بل هو استيجار فكان جائزا فإن عمل كما أمر، استحق الأجر، وإن أفسد فله أن يضمنه حديدا مثله، لأنه لما أفسده فكأنه أخذ حديدا له، واتخذ انية من غير إذنه، والإناء للصانع، لأن المضمونات تملك بالضمان. واللہ اعلم بالصواب (بدائع الصنائع ۵/۹۶)۔

(پس اگر کسی نے لوہار کو متعین اجرت کے بدلے کوئی لوہا دیا تا کہ اس کے لیے متعین برتن تیار کرے، یا کسی موزہ بنانے والے کو چمڑا دیا تا کہ اس کے واسطے موزہ تیار کر دے، تو یہ جائز ہے اور اس میں کوئی خیار حاصل نہ ہوگا، اس لیے کہ یہ عقد استصناع نہیں ہے بلکہ عقد اجارہ ہے پس یہ عقد جائز ہوگا، چنانچہ اگر صانع نے فرمائش کے مطابق برتن یا موزہ تیار کر دیا تو وہ اجرت کا مستحق ہوگا اور اگر اس نے خراب کر دیا تو اس صورت میں اسی کے مثل لوہے کا ضامن ہوگا، اس لیے کہ جب اس نے اس کو خراب کر دیا تو گویا اس نے اس کا لوہا لے لیا اور اس کی اجازت بغیر برتن بنا لیا، اس صورت میں برتن صانع کا ہوگا، کیوں کہ ضمان سے آدمی شئی مضمون کا مالک ہو جاتا ہے)۔

علامہ کاسانی کی مذکورہ بالا عبارت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اگر خریدار خود میٹریل فراہم کرے اور صانع صرف تیار کر دے تو یہ عقد استصناع کے دائرے میں نہ ہوگا، بلکہ عقد اجارہ کے دائرے میں آئیگا۔ عقد استصناع میں میٹریل اور خام مواد صانع خود انتظام کرتا ہے، مستصنع تو صرف آرڈر دیتا ہے۔

شئ مصنوع اگر طے کردہ اوصاف کے مطابق نہ ہوتو کیا حکم ہے؟

خریدار نے مطلوبہ شئ کو جس معیار اور جس ڈیزائن کے مطابق تیار کرنے کے لیے کہا تھا، صانع نے اس کے مطابق مطلوبہ شئ کو تیار نہیں کیا بلکہ اس کے خلاف تیار کیا، تو اس صورت حال میں مشتری کو شرعی اعتبار سے اختیار حاصل ہوگا کہ وہ شئ مصنوع کو مسترد کردے اور چاہے اسکو لے لے، جیسا کہ دکتور حسام الدین خلیل نے اپنے مقالہ میں اس کی تصریح کی ہے :

وإذا لم يكن المصنوع على الأوصاف المطلوبة المبينة كان المستصنع مخيرا (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام لعلی حیدر، ۱/ ۴۲۴، بحوالہ عقد الاستصناع، لدکتور حسام الدین خلیل)۔

اور جب تیار کردہ شئ بیان کردہ اوصاف مطلوبہ کے مطابق نہ ہوتو اس صورت میں خریدار کو اختیار ہوگا چاہے اس کو لے لے چاہے اس کو ترک کردے، خریدار کو لینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے، کیوں کہ زبردستی لینے پر مجبور کرنے کی صورت میں خریدار کو نقصان ہوگا، جو صانع کے نقصان سے کہیں زیادہ ہے، لیکن اگر خریدار نے دیکھنے کے بعد مصنوع کو قبول کرلیا تو اب مسترد کرنے کا حق نہ ہوگا۔

ومتى قبله بعد رؤيته فليس رده (عقد الاستصناع صفحہ ۲۶) (جب خریدار دیکھنے کے بعد مصنوع کو قبول کرلے تو اس کے بعد مسترد نہیں کرسکتا)۔

اگر شئ مصنوع طے شدہ اوصاف کے مطابق ہوتو کیا حکم ہے؟

جب مطلوبہ چیز بائع تیار کرلے تو اس کو خریدار کے سامنے پیش کرے، تو خریدار اس مرحلہ میں اس کو مسترد کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں حضرات فقہائے کرام کے نقاط نظر مختلف ہیں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ خریدار اس چیز کو دیکھنے کے بعد اپنا خیار رؤیت استعمال کرسکتا ہے، اس لیے کہ استصناع ایک عقد بیع ہے اور جب کوئی شخص عقد بیع میں ایسی چیز خریدے جو اس نے دیکھی نہیں ہے تو دیکھنے کے بعد اسے لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوتا ہے، عقد استصناع میں بھی یہی اصول لاگو ہوگا۔

لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے جلیل القدر تلمیذ رشید حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ تیار کردہ شئ عند العقد طے شدہ اوصاف کے بالکل عین مطابق ہے تو خریدار اسے قبول کرنے کا پابند ہوگا اور خیار رؤیت کا حق استعمال نہیں کرسکتا ہے۔ خلافت عثمانیہ میں حضرات فقہاء کرام نے اسی نقطہ نظر کو ترجیح دی تھی اور حنفی قانون اسی کے مطابق مدون کیا گیا تھا، اس لیے کہ جدید صنعت وتجارت میں یہ بڑی نقصان کی بات ہوگی کہ تیار کنندہ نے اپنے تمام وسائل مطلوبہ چیز کی تیاری میں لگادیئے، اس کے بعد خریدار کوئی وجہ بتائے بغیر سودا منسوخ کردے، اگرچہ فراہم کردہ چیز مطلوبہ اوصاف کے مکمل مطابق ہو (دیکھئے مجلہ دفعہ ۳۹۲ اور مقدمہ بحوالہ اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/ ۱۵۵، مفتی محمد تقی عثمانی)۔

عقد استصناع میں مبیع وقت پر ادا نہ کرنا :

عقد استصناع میں مبیع کے حوالہ کرنے کا وقت متعین کرنا ضروری نہیں ہے، البتہ عقد سلم میں مسلم فیہ کی ادائیگی کا وقت مقرر کرنا اور تاریخ متعین کرنا صحت سلم کے لیے ضروری ہے اور عقد سلم کا حصہ ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک اگر عقد استصناع میں اجل متعین کردیا جائے تو پھر عقد استصناع باقی نہیں رہتا ہے بلکہ عقد سلم ہوجاتا ہے اور عقد سلم کی تمام شرائط کی رعایت اس میں لازمی ہوجاتی ہے،

حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ اجل کی عدم تعیین، عقد استصناع کے لیے ضروری نہیں ہے، اجل کی تعیین کردی جائے یا نہ کی جائے، بہرصورت وہ استصناع ہی رہتا ہے سلم نہیں ہوتا ہے، عام طور پر استصناع میں بھی لوگ اجل کو بیان کرتے ہیں اور اس کا عام عادت ہے، الغرض استصناع میں یہ ضروری نہیں ہے کہ سامان کی فراہمی کا وقت متعین کیا جائے تاہم خریدار سامان کی فراہمی کے لیے زیادہ سے زیادہ مدت مقرر کرسکتا ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر تیار کنندہ فراہمی سامان میں متعینہ وقت سے تاخیر کردے تو خریدار اسے قبول کرنے اور قیمت ادا کرنے کا پابند نہ ہوگا۔

اس مسئلے کو علامہ کاسانی صاحب بدائع الصنائع ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

ومنها أن لا يكون فيه أجل، فإن ضرب للاستصناع أجلا صار سلما حتى يعتبر فيه شرائط السلم وهو قبض البدل في المجلس، ولا خيار لواحد منهما إذا سلم الصانع المصنوع على وجه الذي شرط فيه السلم، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله وقال أبو يوسف ومحمد: هذا ليس بشرط وهو استصناع على كل حال ضرب فيه اجلا أو لم يضرب، ووجه قولهما: أن العادة جارية بضرب الأجل في الاستصناع الخ (بدائع الصنائع ۴/ ۹۴، ردالمحتار ۲/ ۴۷۴)۔

(عقد استصناع کے لیے چند شرائط ہیں: ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اس میں مدت کا بیان نہ ہو، چنانچہ اگر استصناع میں مدت بیان کردی جائے تو وہ سلم ہو جاتا ہے پھر اس میں سلم کی شرائط کا اعتبار کرنا ہوگا اور وہ مجلس عقد میں بدل پر قبضہ کرنا ہے اور صانع نے شئی مصنوع کو بیع سلم میں بیان کردہ اوصاف وشرائط کے مطابق سپرد کردیا تو ان دونوں میں سے کسی کو بھی خیار حاصل نہ ہوگا اور یہ حضرت امام ابوحنیفہ کا قول ہے جب کہ حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد فرماتے ہیں کہ یہ کوئی شرط نہیں ہے ہر حال میں استصناع ہی ہوگا خواہ مدت بیان کی جائے خواہ مدت بیان نہ کی جائے، حضرات صاحبینؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ عقد استصناع میں عموماً لوگوں کی اجل بیان کرنے کی عادت جاری وساری ہے اور لوگ اس میں مدت بیان کرتے ہیں، اس لیے مدت کے بیان کرنے کی وجہ سے عقد استصناع بیع سلم میں تبدیل نہ ہوگا، بلکہ استصناع ہی رہیگا۔

وقت مقررہ پر مبیع فراہم نہ کرنے کیوجہ سے بائع سے تاوان لینے کا حکم:

عقد استصناع میں خریدار نے مال تیار کرنے کا آرڈر صانع یعنی بائع کو دیدیا اور یہ بھی وضاحت کردی کہ ہمیں فلاں ماہ کی فلاں تاریخ تک مال بہر حال چاہیے، اب خریدار یہ سوچ کر کہ ہمیں فلاں ماہ تک مال مل جائے گا، اپنے گاہک سے معاملہ طے کرلیا کہ ہم آپ کو فلاں ماہ کی فلاں تاریخ تک مال فراہم کردیں گے، لیکن ہوا یہ کہ بائع نے بیان کردہ تاریخ اور متعینہ مدت کے مطابق مال تیار کرکے نہیں دیا، جس کی وجہ سے خریدار کو کافی دقت کا سامنا کرنا پڑا، بایں طور کہ وہی سامان مارکیٹ سے مہنگا خرید کردینا پڑا، ادھر جب اس کا آرڈر موصول ہوگا تو اس کو دوسرا خریدار تلاش کرنا ہوگا، ظاہر ہے کہ اس میں خریدار اول کو سراسر نقصان ہی نقصان ہے تو آیا اس صورت میں خریدار صانع سے تاوان وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس موضوع پر کلام کرتے ہوئے شیخ الاسلام علامہ محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

”یہ بات یقینی بنانے کے لیے کہ سامان مطلوبہ مدت میں فراہم کردیا جائیگا، اس طرح کہ بعض جدید معاہدے ایک تعزیری شق پر مشتمل ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں اگر تیار کنندہ فراہمی میں متعین وقت سے تاخیر کردے تو اس پر جرمانہ عائد ہوگا، جس کا حساب یومیہ بنیاد پر کیا

جائیگا، کیا شرعاً بھی اس طرح کی کوئی تعزیری شق شامل کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگرچہ فقہاء استصناع پر بحث کے دوران اس سوال پر خاموش نظر آتے ہیں، لیکن انھوں نے اس طرح کی شرط کو اجارہ میں جائز قرار دیا ہے، فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کپڑوں کی سلائی کے لیے کسی خیاط کی خدمات حاصل کرتا ہے تو فراہمی کے حساب سے اجرت مختلف ہوسکتی ہے مستاجر (جو کپڑا سلوانا چاہتا ہے) یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر خیاط ایک دن میں یہ کپڑا تیار کردے تو وہ سو روپے اجرت دے گا، اور اگر دو دن میں تیار کرتا ہے تو وہ اسی (۸۰) روپیہ دے گا"۔

اس مسئلے کو حضرات فقہاء کرام ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

إن خطته اليوم فلک درهم وإن غدا فلا أجر لک، قال محمد : إن خاطه في الأول فله درهم وإن في الثاني فأجر المثل ,لايزاد درهم في قولهم جميعا (شامی ۹/۹۸) (اگر تو اس کو آج کے دن سی کر کے دے گا تو تجھے ایک درہم ملے گا اور اگر تو نے کل سی کر دیا تو تیرے لیے کوئی اجرت نہیں، حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے پہلے ہی دن سی کر دیا تو اس کو ایک درہم ملے گا اور اگر دوسرے دن سی کر دیا تو اس صورت میں اجرت مثل کا حق دار ہوگا، لیکن بالاتفاق اجرت مثل ایک درہم سے زیادہ نہیں ہوگی)۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ اس طرح سے استصناع میں قیمت کو فراہمی کے ساتھ منسلک کیا جاسکتا ہے، اگر فریقین اس پر متفق ہو جائیں کہ فراہمی میں تاخیر کی صورت میں فی یوم متعین مقدار میں قیمت کم ہو جائے گی، تو یہ جائز ہوگا (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/۱۵۶)۔

اگر وقت متعینہ پر سامان مطلوبہ کی فراہمی نہیں کرتا ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ آخر وہ کیوں وقت مقررہ پر حوالہ نہیں کر رہا ہے؟ اس کی علت اور وجہ کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ عقد استصناع میں بیع کی تاریخ مقررہ پر عدم حوالگی کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں:

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ بائع کو کوئی شرعی عذر لاحق ہوگیا، مثلاً بیمار ہوگیا، یا غیر متوقع طور پر فساد پھوٹ پڑا، شہر میں کرفیو نافذ ہوگیا، شہر میں آمد و رفت بالکل بند ہوگیا، فیکٹری کھولنا مشکل ہوگیا، اس لیے وقت متعینہ پر مال تیار نہ ہوسکا، اور بائع حسب وعدہ خریدار کو مقررہ تاریخ میں مبیع حوالہ نہ کرسکا، ظاہر ہے کہ یہ ایک معقول عذر ہے، لہذا اس صورت میں بائع کو کسی بھی قسم کے تاوان کا مکلف نہیں کیا جائے گا بلکہ خریدار کو اس صورت حال میں عقل و دانش اور فہم و فراست سے کام لینا ہوگا اور صبر کرنا ہوگا۔ یا پھر آپس میں بیٹھ کر باہم کچھ طے کر لے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ بائع کو کسی بھی قسم کا کوئی عذر پیش نہیں آیا، بلکہ یوں ہی خواہ مخواہ مبیع کی فراہمی میں تاخیر کردی اور مقررہ تاریخ پر خریدار کو سامان مطلوبہ سپرد نہیں کیا، جس کی وجہ سے خریدار کو نقصان اٹھانا پڑا تو اس صورت میں خریدار بائع سے حسب معاہدہ تاوان وصول کرسکتا ہے اور خریدار اس کا مجاز ہوگا، جیسا کہ مذکورہ بالا عبارت سے مفہوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وإليه المرجع والمتاب۔

استصناع کے چند مسائل

مفتی محمد روح اللہ قاسمی ☆

استصناع کا لغوی مفہوم :

لغت کے اعتبار سے استصناع صنعت اور کاریگری کے طلب کرنے کو کہتے ہیں، کوئی کسی سے کہے "میرے لئے فلاں سامان بنادو" تو یہ استصناع ہے۔ خواہ آرڈر دینے والے نے خام مادہ دیا ہو یا نہیں اور صانع نے بنانے کی مزدوری لی ہو یا علی سبیل التبرع بنادیا ہو۔

استصناع کا فقہی مفہوم :

کتب فقہ میں عام طور سے استصناع کی تعریف کے لئے جو تعبیر استعمال کی گئی ہے، درحقیقت اس میں اس کے لغوی مفہوم کی ادائیگی کی گئی ہے۔ علامہ شامی کے الفاظ یہ ہیں: **ھو طلب العمل من الصانع فی شئ مخصوص علی وجہ مخصوص** (کتاب البیوع، باب السلم، مطلب فی الاستصناع، ۷/۴۷۴)۔ استصناع مخصوص چیزوں میں مخصوص طریقہ پر کاریگر سے عمل کا طلب کرنا ہے۔ یہ اور اس سے ملتی جلتی تعریف استصناع کے لغوی مفہوم کو واضح کرتا ہے۔

البتہ کچھ فقہاء نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے :

ھو عقد علی مبیع فی الذمۃ شرط فیہ العمل (بدائع، کتاب الاستصناع، فصل فی صورۃ استصناع، ۶/۸۴)۔

موسوعہ فقہیہ کویت نے اسی تعریف کو اختیار کیا ہے (استصناع، التعریف، ۳/۳۲۵)۔

مجلۃ الاحکام العدلیۃ میں ہے "**الاستصناع عقد مقاولۃ مع أھل الصنعۃ علی أن یعملوا شیئا**" (المادۃ ۱۲۴، ص ۳۵)۔

ان تعریفات کا حاصل یہ ہے کہ :

۱— استصناع ایک عقد اور معاملہ ہے، محض وعدۂ بیع نہیں ہے۔

۲— اس میں معقود علیہ مبیع ہے نہ کہ محض عمل جیسا کہ اجارہ میں ہوتا ہے۔

۳— یہ عام بیوع سے الگ اور ممتاز ہے؛ کیونکہ عام بیوع میں مبیع کی موجودگی ضروری ہوتی ہے، جبکہ اس عقد میں بیع کے وقت عام طور سے مبیع کا سرے سے وجود نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ عقد سلم کی طرح بائع (صانع) کے ذمہ میں واجب ہے۔

۴— بائع کے ذمہ عمل کی بھی شرط ہوتی ہے اور اسی وجہ سے یہ عقد سلم سے ممتاز ہوتا ہے۔

شیخ مصطفی الزرقاء کے خیال میں فقہاء کے بیان کردہ تعریفات میں سے کوئی بھی استصناع کی حقیقت کو مکمل واضح نہیں کرتا ہے۔

☆ استاذ مدرسہ فلاح المسلمین، گوا پوکھر، بھوارہ، مدھوبنی بہار۔

اس لئے انہوں نے اس کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے : **هو عقد يشتري به في الحال شئ مما يصنع صنعاً يلتزم البائع بتقديمه مصنوعاً بمواد من عنده بأوصاف معينة بثمن محدد** (مجلہ مجمع الفقہ الاسلامی ،العدد السابع) (استصناع وہ معاملہ ہے جس کے ذریعہ ایسی مصنوعات فروخت ہوتی ہے جسے بائع مخصوص صفات پر تیار شکل میں متعینہ قیمت کے بدلے مستصنع (مشتری) کو دینے کاالتزام کرتا ہے)۔

اس کی تحلیل کرتے ہوئے شیخ نے مذکورہ پہلے تین ماحصل کے علاوہ درج ذیل خلاصہ بھی تحریر فرمایا ہے :

۱—بائع کے ذمہ عمل کی شرط کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بیع کے وقت مبیع معدوم ہی ہو اور بائع اسے خود تیار کر کے مشتری کے حوالہ کرے۔

۲—استصناع کا تعلق ان اشیاء سے ہوگا جس میں صنعت و کاریگری کی جاتی ہو۔فطری طور سے بننے والی اشیاء جیسے غلہ جات، سبزیاں اور پھل وغیرہ میں عقد استصناع نہیں ہوسکتا ہے۔پیداوار سے پہلے اگر اس کی بیع کرنی ہو تو عقد سلم کا طریقہ اپنایا جائے گا۔

۳—مبیع کے اتنے اوصاف کی تعیین ضروری ہوگی جس سے وہ متعین ہوجائے اور اس کی جہالت دور ہو سکے۔نیز ثمن کی تعیین بھی ضروری ہوگی۔

۴—نقد ثمن ضروری نہیں ہے؛ بلکہ اسے مکمل نقد، ادھار اور قسطوں میں بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔

۵—مبیع تیار کرنے کے لئے تمام خام مادوں کی فراہمی کی ذمہ داری بائع (صانع) کی ہوگی۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہے کہ عقد استصناع درحقیقت معدوم کی بیع ہے اور سوائے عقد سلم کے معدوم کی بیع جائز نہیں ہے، لیکن چونکہ شروع زمانہ سے بغیر نکیر کے استصناع پر عمل چلا آرہا ہے، اس لئے تعامل ناس کے وجہ سے قیاس کے برخلاف استحساناً اس کے جواز پر اجماع ہوگیا، چنانچہ اس کی جہاں اور شرطیں ہیں، تعامل کو بھی ایک شرط قرار دیا گیا ہے۔ **أن يكون المصنوع مما يجري فيه التعامل** (الفقہ الاسلامی وادلتہ ،عقد الاستصناع ،شروط، ۴؍ ۶۳۳)۔

اس صورتحال میں استصناع پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں موجودہ تجارتی دور میں اس کی اہمیت دو چند ہوجاتی ہے اور اس سے بڑے بڑے تجارتی مواقع میں اسلامی خطوط پر فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے، وہیں اس کا محل اور دائرہ کار بھی متعین ہوجاتا ہے، کیونکہ اگر ایک طرف اس میں دو عقد کی خاصیتیں جمع ہوگئیں ہیں، یعنی شئی معدوم کی بیع کی وجہ سے یہ عقد سلم کے مشابہ ہے اور تعجیل ثمن نہ ہونے کی وجہ سے بیع مطلق کے مشابہ، گویا یہ ایسی بیع ہے جس میں ثمن اور مبیع دونوں ادھار رکھا جاسکتا ہے، تو دوسری طرف اس بیع میں دو باتوں کا خاص لحاظ ضروری ہوگیا ہے۔

(۱) معقود علیہ کا تعلق ان چیزوں سے ہو جو صنعت وعمل کے نتیجہ میں وجود میں آنے والی ہو۔

(۲) بطور استصناع ان جیسی اشیاء کے معاملہ میں تعامل ناس جاری ہو۔فقہاء کرام نے اس تعلق سے جوتے، برتن وغیرہ کی جو مثالیں دی ہیں اس میں مذکورہ دونوں باتیں دیکھی جاسکتی ہیں۔

ان معروضات کا حاصل یہ نکلا کہ :

۱—الکٹرانک سامان جو اپنے انواع واقسام کے ساتھ بازار میں دستیاب ہیں، جیسے ریڈیو، ٹیلیفون، موبائل، فریج وغیرہ کہ عام طور

سے بازار میں دستیاب ان اشیاء سے ضرورت پوری ہوجاتی ہے اور الگ سے استصناع کرنے کی نوبت نہیں آتی ہے، ان چیزوں میں عقد استصناع جاری نہیں ہوگا۔

۲— دوا، خوشبو اور زیبائش و آرائش کے تمام سامان جو بازار میں تیار حالت میں ملتے ہیں؛ ان میں بھی عقد استصناع جاری نہیں ہوگا، اگر کسی کو ان اشیاء میں مخصوص صفات کی حامل سامان کی ضرورت پڑے اور وہ بازار میں موجود نہیں ہو تو اس کے حصول کے لئے عقد سلم کا طریقہ اختیار کرنا ہوگا؛ کیونکہ عام طور سے ایسا نہیں ہوتا ہے۔

۳— مصنوعات بنانے کے وہ مادے جو بازار میں تیار حالت میں ملتے ہیں جیسے سمینٹ، بالو، ٹائیلس اور تعمیرات کی بناء و تزئین میں استعمال ہونے والے دوسرے پتھر، شیشے کے مختلف سائز وانواع کی پلیٹ، ہر طرح کی لکڑیاں جس سے مختلف سامان بنتے ہیں، المونیم، لوہے اور اسٹیل کی وہ پلیٹ جس سے گودریج، الماری اور دوسری چیزیں تیار ہوتی ہیں: ان چیزوں میں عقد استصناع جاری نہیں ہوگا۔ کیونکہ ان شکلوں میں استصناع کا تعامل موجود نہیں ہے، **لأن المجوز للاستصناع التعامل ففيما لا تعامل فيه لا يجوز فيعمل فيه بالقياس** (المحیط البرہانی رکتاب البیوع رالفصل الرابع والعشر ون فی الاستصناع، ۷ر۱۳۵)۔

۴— گوشت، پھل، سبزی اور اس طرح کے وہ اشیاء جس میں صنعت کو دخل نہیں ہے؛ ان میں استصناع جاری نہ ہوگا۔

البتہ دور حاضر میں ان اشیاء کو صنعت و عمل کے ذریعہ لمبے زمانے تک محفوظ رکھا جاتا ہے اور اس کی حفاظت و بقاء کے لئے بڑے بڑے کولڈ اسٹورس اور دوسرے وہ ذرائع استعمال ہوتے ہیں جس سے کسی خرابی کے آئے بغیر لمبی مدت تک یہ چیزیں محفوظ رہ سکیں۔ ظاہر ہے کہ تدابیر استعمال میں لائے بغیر لمبی مدت تک ان اشیاء کا محفوظ رہنا تقریباً ناممکن ہے، اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ لمبی مدت تک محفوظ رہنے میں انسانی صنعت و عمل کو دخل ہوگیا ہے، اس لئے اس میں استصناع جاری ہوسکتا ہے، چنانچہ الراجحی کمپنی کے شرعی بورڈ نے یہی فتویٰ دیا ہے جو بورڈ کے مجموع فتاوی میں فتوی نمبر ۸۴ر میں درج ہے۔ متن یہ ہے: **الاشياء الطبيعية التي لا تدخلها صنعة الانسان كالمنتوجات الزراعية من الحبوب والثمار والخضراوات والفواكه ونحوها، لا يجوز فيها عقد الاستصناع ۔ وانما يجوز بيعها سلماً بشروطه الشرعية المقررة في فقه المذاهب۔ لكن هذه المنتوجات الطبعية اذا دخلها التصنيع الذى يخرجها عن حالها الطبيعية كالفواكه واللحوم المعلبة المحفوظة، فانها يجوز ان تباع وتشترى بطريق الاستصناع بالشروط المبينة في البند الأول، وهذا يعني ان للشركة ان تشترى سلماً منتوجات طبيعية ثم تبيعها بعقد استصناع منتوجات مصنعة** (فقہ المعاملات رفتاوی الاستصناع راحکام عامۃ للاستصناع) (وہ فطری چیزیں جس میں صنعت انسانی کو کوئی دخل نہیں ہے، جیسے غلہ، پھل، سبزی اور میوہ وغیرہ کے قبیل کی پیداوار، اس میں عقد استصناع جائز نہیں ہے، بوقت ضرورت اس کی بیع عقد سلم کے طریقے پر ہوگی اور اس میں سلم کی ان شرطوں کا لحاظ رکھا جائیگا جو کتب فقہ میں مذکور ہیں، البتہ اگر ان فطری پیداوار میں صنعت کو دخل ہوجائے اور وہ اسے فطری حالت سے نکالدے جیسے پیک اور محفوظ گوشت اور میوہ وغیرہ، تو اسے شق اول میں ذکر کردہ شرائط کے مطابق استصناع کے طریقہ پر خرید و فروخت کیا جاسکتا ہے، یعنی کمپنی ان فطری پیداوار کو بطور عقد سلم کے خریدیگی پھر صنعت کے بعد بطور استصناع کے فروخت کرے گی)۔

۵— وہ تمام چیزیں جس میں صانع کی صنعت کو دخل ہو، تعامل ناس جاری ہو اور ان کے اوصاف کی تعیین ممکن ہو، اس میں عقد

استصناع جاری ہوگا۔

جوتے، چپل اور برتن جیسی معمولی چیزوں سے لیکر زمینی، فضائی اور سمندری حمل ونقل کی سواریاں، جنگوں میں کام آنے والے ہر طرح کے اوزار وہتھیار، فیکٹریوں کی بڑی بڑی مشینیں، ہوٹلوں اور ریسٹورنٹ کی فلک بوس عمارتیں سمیت تجارت کا بڑا وسیع میدان ہے جہاں استصناع کا عمل جاری ہے اور آج صورتحال یہ ہے کہ ہر طرح کے اشیاء کو اسکی تمام صفات، اصولی وفروعی کل پرزوں اور اس کی شکل وصورت کو اس طرح متعین کردینا کہ جہالت بالکل نہ رہے اور شئی مستصنع کی مکمل تعیین ہوجائے، بدیہی امر ہے۔ بسا اوقات اس کی صورتِ مثالی اور ماڈل کے ذریعہ رنگ وروغن تک کے خفاء کو دور کردیا جاتا ہے، بلکہ آلات اور مشینوں کے ذریعہ صنعت کی وجہ سے کثیر مقدار میں بننے والی اشیاء کے افراد میں سر موفرق نہیں ہوتا ہے، لہذا ان مصنوعات میں اگر تعامل وعرف ہو تو بطور عقد استصناع کے یہ معاملات جائز ہونگے۔ **فیما فیہ تعامل انما یجوز اذا امکن اعلامہ بالوصف لیمکن التسلیم** (ہدایہ اخیرین، کتاب البیوع، باب السلم قبیل مسائل منثورۃ، ص ۱۰۰)۔

اس سلسلے میں فقہاء کے یہاں ذکر کردہ مثالیں بطور حصر کے نہیں کہ ان جیسی اشیاء کے علاوہ دوسری اشیاء میں استصناع نہ ہوسکے؛ بلکہ بطور تمثیل کے ہیں، چنانچہ **مجلۃ الاحکام** نے جدید مثال دیکر گویا اس کی صراحت کردی ہے کہ استصناع کا کوئی مخصوص میدان نہیں ہے۔ ارکان وشرائط اور ضروری تقاضے جہاں پورے ہونگے استصناع کا عقد وہاں کیا جاسکتا ہے۔ **مجلۃ** کی عبارت ہے:

تقاول مع صاحب معمل ان یصنع لہ کذا بندقیۃ، کل واحد بکذا قرشاً، وبین الطول والحجم وسائر اوصافھا اللازمۃ وقبل صاحب المعمل انعقد الاستصناع (الکتاب الاول، الباب السابع، الفصل الرابع، المادۃ ۳۸۸، ص ۶۷)۔

نیز تعامل بھی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے دوام وقرار حاصل ہو؛ بلکہ یہ تغیر زمانہ کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ ایک زمانہ میں ایک تعامل ہوتا ہے تو دوسرے زمانے میں متروک ہوجاتا ہے؛ لہذا ضروری نہیں کہ فقہاء متقدمین نے جن چیزوں میں استصناع کے جواز کی صراحت کی ہے آج بھی ان میں استصناع جاری ہو، یا جن چیزوں میں آج ہوسکتا ہے کل بھی اس میں باقی رہے، چنانچہ فقہاء نے برتن وغیرہ میں بھی اس کے جواز کا تذکرہ کیا ہے: **یجب أن یعلم أن الاستصناع جائز فی کل ما جری التعامل فیہ کالقلنسوۃ والخف والأوانی المتخذۃ من الصفر والنحاس** (المحیط البرہانی، کتاب البیوع، الفصل الرابع والعشرون فی الاستصناع، ۷، ۱۳۴)۔ جبکہ عرض کیا گیا کہ اب اس میں استصناع نہیں ہوگا؛ کیونکہ اس کے اتنے انواع بازار میں موجود ہیں کہ بطور استصناع کے اس کا تعامل اب متروک ہوچکا ہے۔

اسی طرح فقہاء نے صراحت کی ہے کہ کپڑوں میں استصناع نہیں ہوسکتا ہے۔ **ولا یجوز فیما لم یجر فیہ التعامل کالثیاب** (ایضاً)۔ جبکہ اس کا تعامل آج موجود ہے، اسی لئے اب کپڑوں میں یہ عقد جائز ہوگا۔ **وإنما لا یجوز الاستصناع فی الثوب لعدم التعامل فإذا وجد التعامل فی ھذا یجوزہ اعتباراً بالاستصناع فیما فیہ التعامل** (المبسوط للسرخسی، کتاب الاجارات، باب کل الرجل یستصنع شیئاً، ۱۵، ۸۸)۔ **إن المعتبر فیہ العُرف وکل ما تعارف الناس الاستصناع فھو جائز** (ایضاً، ص ۹۰)۔

عقد استصناع بیع ہے:

استصناع کے حکم کے بارے میں خود احناف کا اختلاف ہے۔ علامہ سرخسیؒ (م: ۴۸۳ھ) نے حاکم شہید المروزی (م: ۳۳۴ھ) کا قول نقل کیا ہے کہ استصناع وعدۂ بیع ہے۔ پھر جب شئی مستصنع کو تیار کرکے مستصنع کو حوالہ کرنے کے لئے لے آئے تب آپسی اتفاق کی

وجہ سے بیع بنتا ہے۔ وکان الحاکم الشہید یقول :الاستصناع مواعدۃ وإنما ینعقد العقد بالتعاطی إذا جاء بہ مفروغاً عنہ (ایضاً رالبیوع رالسلم فی اللحم ۱۲ر۱۳۹)۔ صاحب فتح القدیر علامہ ابن ہمام سیواسی (م:۶۸۱ھ) نے ابو القاسم صفار البلخی (م:۳۳۹ھ) اور ابو عبداللہ محمد بن سلمہ (م:۲۶۸ھ) وغیرہ کا بھی یہی مسلک نقل کیا ہے (فتح القدیر رکتاب البیوع رباب السلم رقبیل مسائل منثورۃ،۷ر۱۰۸)۔

"فقہ المعاملات" نے فقہاء کی تعبیرات کے اختلاف کو سامنے رکھ کر مذکورہ قول کے علاوہ بھی درج ذیل پانچ اقوال نقل کیا ہے :

۱۔ استصناع بیع ہے اور مبیع صرف شیٔ مستصنع ہے، چنانچہ اگر صانع (بائع) کے پاس مبیع پہلے سے تیار ہو یا کسی دوسرے سے مبیع بنوا کر مشتری کے حوالہ کردے تو جائز ہے۔ المعقود علیہ العین دون العمل ... ولذا لو جاء بہ مفروغاً عنہ لا من صنعتہ او من صنعتہ قبل العقد جاز (فتح القدیر رکتاب البیوع رباب السلم رقبیل مسائل منثورۃ،۷ر۱۰۹)۔ والمبیع ھو العین لا عملہ ... فان جاء الصانع بمصنوع غیرہ او بمصنوعہ ھو قبل العقد فأخذہ صح۔ ولو کان المبیع عملہ لما صح (الدر المختار مع الرد رباب السلم رمطلب فی الاستصناع،۷ر۴۷۶)۔

۲۔ استصناع اجارہ ہے نہ کہ بیع۔ یہ احمد بن حسین ابو سعید بردعی (م:۳۱۷ھ) کا قول ہے۔ قول ابی سعید البردعی المعقود علیہ العمل (فتح القدیر رکتاب البیوع رباب السلم رقبیل مسائل منثورۃ،۷ر۱۰۹)۔

۳۔ ابتداءً اجارہ ہے، انتہاءً بیع۔ فی الذخیرۃ : الاستصناع إجارۃ ابتداءً بیع انتہاءً (ردالمحتار رباب السلم رمطلب فی الاستصناع،۷ر۴۷۵)۔

علامہ صدر الشہید محمود بن احمد برہان الدین صاحب محیط کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے (المحیط البرہانی رکتاب البیوع رالفصل الرابع والعشرون فی الاستصناع،۷ر۱۳۵)۔

۴۔ عمل کی شرط کے ساتھ بیع ہے۔ قال بعضھم :الاستصناع عقد علی مبیع فی الذمۃ شرط فیہ العمل ... وھو الصحیح (بدائع رکتاب الاستصناع رفصل فی صورۃ استصناع،۶ر۸۴)۔

۵۔ دور حاضر کے فقہاء کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ استصناع مستقل عقد ہے اور وہ فقہاء کے یہاں متعارف کسی عقد میں شامل نہیں ہے۔

جس طرح سلم اور صرف مستقل بیع ہے اور اس کے مستقل احکام ہیں جو بیع مطلق میں نہیں ہے، اسی طرح عقد استصناع ہے۔ ڈاکٹر علی محی الدین قرہ داغی کا کہنا ہے :الاستصناع عقد مستقل خاص۔ استصناع مستقل اور مخصوص عقد ہے (فقہ المعاملات رالاستصناع رالوصف الفقہی للاستصناع)۔

راجح قول : عام طور سے فقہاء کے جو اقوال ہیں وہ استصناع کے بیع ہونے کی وضاحت کرتے ہیں فقہاء احناف کے یہاں — جنہوں نے اس مسئلہ پر دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں تفصیل سے کلام کیا ہے — اس کی صراحت ہے کہ مفتی بہ قول کے مطابق استصناع بیع ہی ہے اور اس سلسلے میں فقہاء کے یہاں ذکر کردہ دلائل یہ ہیں :

۱۔ امام محمدؒ نے اس کے جواز کو بیان کرتے ہوئے قیاس واستحسان کا تذکرہ کیا ہے جو بیع کی خاصیت ہے۔

۲۔ اس میں خیار رویت کو ثابت کیا ہے، یہ بھی بیع کی خاصیت ہے۔ اثبت فیہ خیار الرویۃ وانہ یختص بالبیاعات۔

۳— اس میں تقاضہ ہوتا ہے جو کہ واجب کی خصوصیت ہے۔ یہ بھی اس کے بیع ہونے کی طرف مشیر ہے کیونکہ وعدہ واجب نہیں ہوتا ہے۔ یجری فیہ التقاضی۔ وإنما یتقاضی فیہ الواجب لا الموعود (بدائع ر کتاب الاستصناع رفصل فی صورۃ استصناع، ۶ر ۸۴)۔

۴— یہ انہی معاملات میں جائز ہے جن میں تعامل ہو جبکہ وعدوں میں تعامل کی ضرورت نہیں ہے، لأن جوازہ فیما فیہ تعامل خاصۃ۔

۵— صانع (بائع) ثمن پر قبضہ کے بعد اس کا مالک ہو جاتا ہے۔ وعدوں میں یہ بات نہیں ہوتی ہے، لأن الصانع یملک بقبضھا۔

۶— امام محمدؒ نے مستصنع کے معاملہ کو شراء سے تعبیر فرمایا ہے، لأنہ اشتری مالم یرہ (البحر ر کتاب البیوع ر باب السلم رتحت قولہ : صح السلم والاستصناع، ۶ر ۲۸۴)۔

البتہ اس کا معقود علیہ اور مبیع کیا ہے؟ صرف شئی مستصنع (مبیع فی الذمۃ) یا اس کے ساتھ صانع کا عمل بھی؟

فقہاء کرام کے یہاں دونوں طرح کی بات ملتی ہے۔ صاحب ہدایہ اور علامہ شامی نے اس کی صراحت کی ہے کہ معقود علیہ صرف مبیع ہے، صانع کا عمل نہیں ہے اور دونوں نے اس کی وضاحت کی ہے کہ اگر کوئی صانع دوسرے کی مصنوعات مشتری کے حوالہ کردے یا اس نے خود پہلے سے مطلوبہ صفات کی حامل مبیع تیار کر رکھا تھا، وہی حوالہ کردے اور مشتری اسے قبول کرلے تو جائز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ معقود علیہ صرف صانع کا عمل ہے؛ ورنہ مذکورہ صورت جائز نہیں ہوتی۔ والمعقود علیہ العین دون العمل۔ حتی لو جاء بہ مفروغاً لا من صنعتہ أو من صنعتہ قبل العقد فأخذہ جاز (ہدایہ اخیرین ر کتاب البیوع ر باب السلم رقبیل مسائل منثورۃ۔ ص ۱۰۰، الدر المختار مع الرد ر باب السلم رمطلب فی الاستصناع، ۷ر ۴۷۵)۔ موسوعہ فقہیہ کویت نے جمہور احناف کا یہی مذہب نقل کیا ہے اور مذکورہ استدلال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے : ھذا دلیل علی ان العقد یتوجہ علی العین لا علی الصنعۃ مزید لکھا : ان المبیع ھو العین لا الصنعۃ (استصناع ر ارکان الاستصناع ۳ر ۳۲۸)۔ جبکہ علامہ کاسانیؒ کا رجحان یہ ہے کہ معقود علیہ عمل کی شرط کے ساتھ مبیع ہے۔ تنہا مبیع معقود علیہ نہیں ہے، چنانچہ انہوں نے معقود علیہ کی تعیین میں مبیع کے ساتھ صانع کے عمل کی شرط لگائی ہے۔ اس سلسلے میں علامہ کاسانیؒ کی بات دل کو لگتی ہے۔ علامہ کاسانی نے استصناع کی تعریف "ھو عقد علی مبیع فی الذمۃ شرط فیہ العمل" نقل کرنے کی بعد اس کی تصحیح کرتے ہوئے فرمایا ہے : لأن الاستصناع طلب الصنع فما لم یشترط فیہ العمل لا یکون استصناعاً، فکان مأخذ الاسم دلیلاً علیہ، ولأن العقد علی مبیع فی الذمۃ یسمی سلماً وھذا العقد یسمی استصناعاً، واختلاف الاسامی دلیل اختلاف المعانی فی الأصل (بدائع ر کتاب الاستصناع رفصل فی صورۃ استصناع، ۶ر ۸۴، ۸۵) (استصناع درحقیقت صنعت کو طلب کرنا ہے۔ پس جب عمل کی شرط نہیں ہوگی تو استصناع بھی نہیں ہوگا، گویا استصناع کا ماخذ ہی صنعت پر دلیل ہے۔ نیز مبیع فی الذمہ پر ہونے والے معاملہ کو "سلم" کہتے ہیں اور اسے "استصناع"، اور نام کا اختلاف حقیقت میں اختلاف کی دلیل ہوا کرتی ہے۔

پھر علامہ کاسانی نے صاحب ہدایہ وغیرہ کے استدلال کا جواب دیا ہے کہ صورت مذکورہ کے جائز ہونے کی وجہ استصناع نہیں، بلکہ عاقدین کا اس معاملہ سے رضامندی اور اتفاق ہے۔ (گویا یہ بیع بالتعاطی کے قبیل سے ہے)۔ فانما جاز لا بالعقد الاول بل بعقد آخر وھو التعاطی بتراضیھما (ایضاً ر ۶ر ۸۵)۔

مبسوط میں ہے : والعمل مشروط فيه، وهذا لأن هذا النوع من العمل اختص باسم فلا بد من اختصاصه بمعنى يقتضيه ذلك الاسم، والاستصناع من الصنع فعرفنا أن العمل مشروط فيه (المبسوط،کتاب الاجارات، باب کل الرجل یستصنع شیئا، ۱۵/ ۸۵)۔

مجلۃ الاحکام نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے : الاستصناع عقد مقاولة مع أهل الصنعة على أن يعملوا شيئا (المادۃ ۱۲۴، ص ۳۵)۔

نیز اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ کے استصناع کے تعلق سے فیصلہ میں یہی وضاحت درج ہے کہ استصناع عین وعمل دونوں پر وارد ہوتا ہے۔ ان عقد الاستصناع وهو عقد وارد على العمل والعين في الذمة (قرارات وتوصیات مجمع الفقہ الاسلامی، بشان عقد الاستصناع)۔

استصناع میں سلسلہ وار بیع :

استصناع اگرچہ معدوم کی بیع ہے اور قیاس کے مطابق اسے جائز نہیں ہونا تھا؛ لیکن استحساناً تعامل کی وجہ سے فقہاء نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، اور معدوم مبیع کو موجود مانا ہے۔ فقہ میں اس کی کئی نظیریں ہیں جن میں معدوم کو موجود کا درجہ دیا گیا ہے۔ مثلاً :

۱۔ اگر کسی کو شرعی عذر جیسے استحاضہ، سلسل البول یا اس طرح کا عارضہ ہو، تو نماز کا وقت رہتے ہوئے طہارت نہ ہونے کے باوجود اسے طاہر مانا جاتا ہے۔

۲۔ کوئی مسلمان جانور ذبح کرتے ہوئے بسم اللہ بھول جائے تو مانا جائیگا کہ اس نے بسم اللہ پڑھا اور ذبیحہ حلال ہوگا۔

۳۔ کوئی کسی سے قرض مانگے اور قرض خواہ کے پاس کچھ رہن رکھدے، پھر قرض دینے سے پہلے شئی مرہون ہلاک ہوجائے تو موعود قرض میں سے شئی مرہون کی مالیت کی مقدار دین ساقط ہوجائیگا، اگرچہ اس نے ابھی قرض نہیں دیا ہے؛ کیونکہ قرض موعود کو موجود مانا جائے گا۔

۴۔ نماز میں مقتدی قرأت نہیں کرتا ہے مگر اس کے حق میں قرأت مانی جاتی ہے۔

چنانچہ صاحب بحر نے اس مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے تحریر کیا ہے : وحين لزم جوازه علمنا ان الشارع اعتبر فيه المعدوم موجودا وهو كثير في الشرع كطهارة صاحب العذر وتسمية الذابح اذا نسيها والرهن بالدين الموعود وقرأة المأموم (البحر، کتاب البیوع، باب السلم، تحت قولہ : صح السلم والاستصناع ۶/ ۲۸۴، فتح القدیر، کتاب البیوع، باب السلم، قبیل مسائل منثورۃ، ۷/ ۱۰۹)۔ جب بیع استصناع کا جواز ثابت ہوگیا تو اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس میں شریعت نے معدوم کو موجود مانا ہے اور شریعت میں یہ عام ہے، جیسے صاحب عذر کی طہارت، بسم اللہ بھول جانے والے کا تسمیہ، دین موعود کے بدلے رہن اور مقتدی کی قرأت)۔

جب صورتحال یہ ہے کہ استصناع میں مبیع معدوم ہونے کے باوجود حکماً موجود ہوتی ہے تو سلسلہ وار بیع میں جو حکم بیع مطلق کا ہوگا وہی استصناع کا بھی ہوگا اور یہ مسئلہ محقق ہے کہ بیع مطلق میں مشتری کے مبیع پر قبضہ سے پہلے بیع جائز نہیں ہوتی ہے جیسا کہ کتب فقہ میں بصراحت موجود ہے : من اشترى شيئاً مما ينقل ويحول لم يجز له بيعه حتى يقبضه (ہدایہ اخیرین، باب المرابحۃ والتولیۃ، فصل، ص ۷۴)۔ اسی طرح استصناع میں بھی مبیع پر قبضہ سے پہلے آگے بیع صحیح نہیں ہوگی۔

اگر بالفرض استصناع میں مبیع کو معدوم ہی مانا جائے تو مبیع کے معدوم ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا بالکل وجود نہیں ہوگا کہ قبضہ کو ایک امر اعتباری مان کر اس کی دوبارہ بیع جائز ہوجائے، ظاہر ہے کہ یہ واقعہ کے خلاف ہے، لہذا جب بیع مطلق میں قبضہ سے پہلے بیع

جائز نہیں ہے تو اس میں بدرجہ اولی جائز نہیں ہوگا۔

البتہ بیع قبل القبض میں یہ تفصیل ہے کہ اگر مبیع منقولات کے قبیل سے ہو تو قبل القبض بیع جائز نہیں ہے اور غیر منقول میں جائز ہے، تو کیا جب غیر منقول اشیاء میں استصناع کا عقد کیا جائے تو اس میں قبضہ سے پہلے سلسلہ وار بیع جائز ہوگی یا نہیں؟

بلڈنگ وغیرہ میں استصناع :

مذکورہ سوال کو حل کرنے کے لئے پہلے اس پر غور کرنا ہوگا کہ بلڈنگوں اور مکان وہوٹل کی تعمیرات میں استصناع جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا یہ اموال منقولہ کے قبیل سے ہے یا اموال غیر منقولہ کے قبیل سے۔

سب سے پہلے منقول اور غیر منقول کی حقیقت سامنے رہنا ضروری ہے۔

احناف اور دیگر فقہاء (مالکیہ کے علاوہ) کا خیال ہے کہ منقول وہ شئی ہے جسے منتقل کرنا ممکن ہو، چاہے منتقل کرنے میں اس کی شکل وصورت بدل جائے۔ یری جمہور الفقهاء ان المنقول هو الشئ الذی یمکن نقله من محل الی آخر سواء أبقی علی صورته و هیئته الاولی أم تغیرت صورته و هیئته بالنقل و التحویل... و غیر المنقول هو : مالا یمکن نقله من محل الیٰ آخر کالدور و الأراضی مما یسمی بالعقار (موسوعہ فقہیہ ۹ر۳ر۱۱۴)۔

جمہور فقہاء (مالکیہ کے علاوہ) کا خیال ہے کہ منقول وہ ہے جسے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ممکن ہو، چاہے منتقل کرنے میں اس کی شکل وصورت باقی رہے یا نہ رہے اور غیر منقول وہ ہے جسے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ممکن نہ ہو، جیسے مکان اور زمین، اسے عقار بھی کہتے ہیں۔

گویا عقار کا اطلاق زمین اور عمارت دونوں پر ہوتا ہے، بلکہ جو چیزیں زمین سے متصل ہو کر قرار حاصل کرلیں وہ بھی زمین کے تابع ہو کر عقار کے حکم میں شامل ہونگی۔ ڈاکٹر وہبہ الزحیلی نے لکھا ہے کہ حنفیہ کے یہاں عمارت، درخت اور کھیتی زمین کے تابع ہو کر عقار میں شمار ہوتی ہیں، چنانچہ اگر ایسی زمین بیچی جائے جس میں تعمیر ہو، یا درخت لگا ہو، یا کاشت ہو تو زمین کے ساتھ ان چیزوں پر بھی عقار کا حکم لگے گا، البتہ اگر ان چیزوں کو علیحدہ بیچا جائے تو پھر یہ منقولات میں شامل ہوں گے، پس عقار صرف زمین کو شامل ہے اور منقول اس کے علاوہ کو۔ و یلاحظ أن البناء و الشجر و الزرع فی الأرض لا تعد عقاراً عند الحنفیة إلا تبعاً للأرض، فلو بیعت الارض المبنیة أو المشجرة أو المزروعة طبقت أحکام العقار علی ما یتبع الأرض من البناء و نحوه، أما لو بیع البناء وحده او الشجر وحده من غیر الأرض فلا یطبق علیها حکم العقار، فالعقار عند الحنفیة لا یشمل إلا الأرض خاصة۔ و المنقول یشمل ما عداها (الفقہ الاسلامی وادلتہ رالقسم الثانی رالفصل الثانی رالمبحث الثانی رالمطلب الثانی، ۴ر۲۹۴)۔

موسوعہ نے بحر اور شامی کے حوالے سے یہ صراحت کیا ہے کہ عمارت کا تعلق منقولات سے ہے۔ صرح الحنفیة بأن البناء من المنقولات (بناء ربل البناء من المنقولات، ۸ر۲۰۸)۔

مجلہ میں ہے : الأشجار و الأبنیة المملوکة الواقعة فی أرض الوقف أو الأراضی الأمیریة هی فی حکم المنقول (مادہ ۱۰۱۹)۔

مجلہ کے اس مادہ کا حوالہ دیتے ہوئے شارح مجلہ علی حیدر نے تحریر فرمایا ہے: فللأبنية والأشجار اعتباران: (١) فاذا اعتبرت الأبنية والأشجار مع الأراضي الواقعة عليها تعد حينئذ عقارا۔ (٢) اما اذا اعتبرت لوحدها بدون الاراضي الواقعة عليها فتعد منقولا (درر الحکام، المادة: ۱۲۸، ۱/۱۱۶) (عمارت اور درخت کی دو حیثیت ہے، اگر انہیں اس زمین سے ملا کر دیکھا جائے جس پر یہ واقع ہے تو عقار ہے ورنہ منقول)۔ مزید لکھا ہے کہ غیر منقول (عقار) کی تعریف سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ عمارت اور زمین دونوں کو شامل ہے، البتہ عمارت بغیر زمین کے منقولات میں شمار ہوتا ہے، نیز بحر اور ذخیرہ کے حوالے سے لکھا ہے: يفهم بان العقار هو عبارة عن مبنى كالدور وغيرها من المباني، وغير مبني وهو الأراضي إلا أن البناء بدون الأرض يعد منقولا (درر الحکام، المادة ۱۲۹، ۱/۱۱۷)۔

ان عبارتوں سے یہ پتہ چلا کے عمارت اور بلڈنگ وغیرہ اصلاً منقولات میں سے ہے، کیونکہ جب اسے زمین سے علیحدہ کر کے دیکھا جاتا ہے تو اس پر منقول کا حکم لگتا ہے، چنانچہ جب زمین کسی کی ہو اور مکان کسی اور کا، تو اس وقت یہ مکان منقول میں داخل ہوگا، فإذا بنى أحد داراً مثلاً في غير ملكه فتكون الدار منقولا (ایضا)۔ یہی وجہ ہے کہ جب تنہا عمارت بیچی جائے تو اس میں شفعہ کا ثبوت نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ اب اس کا شمار منقولات میں ہوگا اور شفعہ منقولات میں ثابت نہیں ہوتا ہے۔ تجري الشفعة في البناء اذا بيع مع الارض تبعاً لها، ولا تثبت فيها اذا بيع منفرداً۔ وعلى هذا جمهور الفقهاء (موسوعہ، بناء، جریان الشفعۃ فی البناء المبیع ۸/۲۰۸)۔

لیکن جب اسے زمین سے تابع کر کے دیکھا جائے تو وہ عقار کے حکم میں داخل ہوجاتا ہے۔

اب بلڈنگوں میں استصناع کی مختلف شکلیں ہوسکتی ہیں:

۱—زمین مستصنع کی ہو اور اس نے اپنی زمین پر صانع سے عمارت بنانے کا معاملہ کیا ہو۔

۲— صانع نے اپنی زمین میں استصناع کا معاملہ کیا ہو اور مشتری کو صرف عمارت حوالہ کرے، زمین اپنی ملکیت میں باقی رہنے دے۔

۳—صانع نے اپنی زمین میں استصناع کا معاملہ کیا ہو اور زمین مع عمارت کے مشتری کے حوالہ کرے، لیکن زمین اور عمارت کے لئے دو عقد ہوئے ہوں، پہلے زمین کی بیع ہو کر اسے مشتری کے حوالہ کر دیا گیا ہو پھر عمارت کے لئے استصناع کا عقد ہوا ہو۔

۴—زمین چاہے کسی کی ہو، لیکن استصناع کا معاملہ ایسی عمارت بنانے پر ہوا ہو جسے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہو، جیسا کہ دوسرے ممالک میں اس طرح کی عمارت بنانے کا آغاز ہو چکا ہے۔

ان چاروں شکلوں میں عمارت اموال منقولہ میں شمار ہوگی؛ کیونکہ پہلی تین شکلوں میں عمارت زمین کے تابع نہیں ہے جبکہ چوتھی شکل میں عمارت میں باضابطہ انتقال کی صلاحیت موجود ہے۔

۵—صانع نے اپنی زمین میں استصناع کا معاملہ کیا ہو اور زمین مع عمارت کے ایک عقد کے ذریعہ مشتری کے حوالہ کرے۔ اس صورت میں عمارت اموال غیر منقولہ میں شمار ہوگی؛ کیونکہ وہ زمین کے تابع ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات طے ہوجاتی ہے کہ پہلی چار شکلوں میں استصناع کے ذریعہ بلڈنگوں کی تعمیر ہوسکتی ہے، کیونکہ مذکورہ شکلوں میں بلڈنگ اموال منقولہ میں داخل ہوگی اور اموال منقولہ میں استصناع کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے اور اس سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ ان عمارتوں کی قبضہ سے پہلے سلسلہ وار بیع جائز نہیں ہوگی۔

البتہ آخری شکل میں استصناع کا معاملہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور کیا استصناع کا تعلق اموال غیر منقولہ سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟

کتب فقہ میں اس کی کوئی صراحت نہیں مل سکی کہ استصناع اشیاء غیر منقول میں بھی ہوسکتا ہے، لیکن استصناع کی حقیقت بیان کرتے ہوئے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ استصناع کے لئے تین باتیں ضروری ہیں :

۱ — استصناع کا تعلق ان چیزوں سے ہو جس میں صنعت وعمل کو دخل ہو۔

۲ — تعامل وعرف جاری ہو۔

۳ — اس کے اوصاف کو اس طرح متعین کرنا ممکن ہو جس سے اس کی جہالت دور ہوجائے اور نزاع کا باعث نہ بنے۔

اس حقیقت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ استصناع غیر منقول اشیاء میں ہوسکتا ہے، اگر اس کے ارکان وشرائط کے ساتھ مذکورہ تینوں تقاضے پورے ہوں۔ نیز اس صورت میں قبضہ سے پہلے بیع جائز ہوگی، جبکہ منقول میں قبضہ سے پہلے سلسلہ وار بیع جائز نہیں ہے۔ (کمامر)

استصناع موازی :

یہ استصناع کی ایک خاص شکل ہے جس میں بنیادی طور پر تین فریق کے درمیان معاملہ ہوتا ہے، جس میں بینک اور مالیاتی ادارے ایک شخص سے آرڈر لیکر کسی صانع سے مشتری کا مطلوبہ سامان بناتا ہے اور وہاں سے حاصل کر کے آرڈر دینے والے کے حوالہ کرتا ہے۔ خود آرڈر دینے والے مشتری اور مستصنع کو بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس سے ہم نے استصناع کا معاملہ کیا ہے مطلوبہ شئی وہ خود نہیں بنائے گا؛ بلکہ وہ کسی دوسری جگہ سے تیار کر کے اسے حوالہ کریگا۔ اس طرح مالیاتی ادارے کی حیثیت صانع اور مستصنع دونوں کی ہوجاتی ہے۔

استصناع کا یہ معاملہ درحقیقت اس بنیاد پر قائم ہے کہ اس میں صانع کے لئے عمل کی شرط نہیں ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں جیسا کہ ماقبل میں عرض کیا گیا کہ فقہائے احناف کے یہاں دونوں طرح کی رائیں ملتی ہیں۔ ایک جماعت نے صانع کے لئے عمل کی شرط نہیں لگائی ہے جبکہ علامہ کاسانی کا نقطۂ نظر بیان کیا گیا کہ خود استصناع کا مادہ صنعت پر دلیل ہے؛ لہذا عمل کی شرط ہوگی۔

پہلی رائے کے مطابق تو استصناع موازی کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے؛ کیونکہ جب صانع کے لئے عمل کی شرط ہی نہیں ہے تو چاہے وہ خود بنائے یا دوسرے سے بنوائے، اس سے مسئلہ کے جواز پر کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔

دوسرے نقطۂ نظر کی بناء پر بھی یہ معاملہ جواز کے دائرہ میں ہی رہتا ہے؛ کیونکہ اس رائے کی بناء پر اگرچہ صانع کے لئے عمل کی شرط ہے اور اس وجہ سے مالیاتی اداروں کو خود ہی صنعت کا عمل بھی انجام دینا چاہئے تھا؛ لیکن علامہ کاسانی نے اسی مقام پر اس کی بھی صراحت کی ہے کہ اگر کوئی صانع دوسرے کی مصنوعات مشتری کے حوالہ کردے یا اس نے خود پہلے سے مطلوبہ صفات کی حامل مبیع تیار کر رکھا تھا، وہی حوالہ کردے اور مشتری اسے قبول کرلے، تو جائز ہے۔ (یہ اور بات ہے کہ اس کا جواز بطور استصناع کے نہیں ہوگا)۔ (کمامر)۔ لہذا اگر مالیاتی ادارہ کسی دوسرے سے مطلوبہ سامان بنوالے اور مشتری کے حوالہ کردے، تو یہ بھی جائز ہوگا۔

لیکن اس سلسلے میں سب سے اہم غور طلب پہلو یہ ہے کہ بینک نے جب ایک شخص سے آرڈر لیکر دوسرے کو آرڈر دیدیا اور بیچ میں دونوں قیمتوں میں ایسا فرق رکھا جو اس کا نفع بن گیا تو اسے اس طرح بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ گویا آرڈر دینے والے نے براہ راست معاملہ اصل صانع سے کیا ہے اور بینک سے قرض لیکر ثمن کی ادائیگی کی ہے، پھر وہ بعد میں یکمشت یا قسط وار اس قرض کو نفع کے ساتھ بینک کو واپس

کریگا؛ لیکن یہ صریح ربا ہوتا، اس لئے اس سے بچنے کے لئے اس نے بینک کے ساتھ استصناع کا معاملہ کرلیا ہو۔ معاملہ کا یہ پہلو مزید نمایاں ہوجاتا ہے جب آرڈر دینے والے کا براہ راست اصل صانع سے رابطہ ہے اور وہ اپنا سامان اسی سے وصول کرے۔

اس لئے ضروری ہے کہ اس میں کچھ ایسی شرطیں ہوں جو اس معاملے کو ربا کے شبہہ سے بچا سکے۔ ذیل میں چند ایسی شرطوں کی نشاندہی کی جاتی ہے:

۱— بینک مستصنع اور صانع سے علیحدہ علیحدہ معاملہ کرے اور دونوں عقدوں میں کوئی ربط اور جوڑ نہ ہو۔

۲— مطلوبہ سامان بنانے کی ساری ذمہ داری بینک کی ہو، وہی اصل صانع سے رابطہ کرے اور اس سے لین دین میں مستصنع کو شریک نہیں کرے۔

۳— مستصنع اور صانع کا بینک کے معاملہ کرنے سے پہلے بھی اس معاملہ کے تعلق سے آپس میں کوئی رابطہ نہ ہو۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ مستصنع اور صانع اپنی ضرورتوں کے پیش نظر اس معاملہ پر پہلے بات کرلیں؛ کیونکہ صانع کو اپنی مصنوعات کی سپلائی کے لئے خریدار چاہیے اور مستصنع اپنی ضرورت کی تکمیل کے لئے رقم کا محتاج ہو، پھر یہ دونوں بینک کے پاس آنے اور بینک دونوں سے علیحدہ علیحدہ معاملہ کرے (فقہ المعاملات، تطبیقات الاستصناع، الاستصناع الموازی)۔

۴— بینک سامان پر پہلے مکمل قبضہ کرلے پھر مستصنع کے حوالے کرے، چاہے اموال منقولہ ہو یا غیر منقولہ؛ کیونکہ اموال غیر منقولہ میں حیلہ ربا کا شبہہ ہوگا جبکہ اموال منقولہ میں قبل القبض بیع بھی درست نہیں ہوگی۔

بیعانہ کی رقم سے نقصان کی تلافی:

استصناع میں جب صانع نے آرڈر کا سامان مطلوبہ اوصاف کے مطابق بنادیا تو مشتری کے لئے اس کا لینا لازم ہوگیا لیکن جب وہ کسی وجہ کر اس کے لینے سے انکار کرجائے، تو کیا بائع کو یہ حق ہوگا کہ بیعانہ کی رقم روک کر اس سے اپنے نقصان کی تلافی کرے؟

مفتی اعظم حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں: بیعانہ جزو قیمت ہے جس کو پیشگی وصول کیا جاتا ہے، پھر بقیہ قیمت معاملہ پختہ ہونے پر وصول کرلی جاتی ہے، اگر معاملہ بیع طے نہ ہو بلکہ ختم ہوجائے تو یہ بیعانہ واپس کرنا ضروری ہے، اس کو روکنا اور سوخت کرنا درست نہیں (فتاوی محمودیہ ۱۶/ ۱۶۷)۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: بیعانہ کے روکنے میں میسر کا معنی پایا جاتا ہے۔ **ونهى عن بيع العربان ان يقدم اليه شيء من الثمن فان اشترى حسب من الثمن و الا فهو له مجانا و فيه معنى الميسر** (حجۃ اللہ البالغۃ، باب البیوع المنہی عنہا، البیوع التی فیہا معنی المیسر ۲/ ۳۴۱)۔

الغرض بیعانہ کی رقم روک لینا تو درست نہیں ہے لیکن اس نقصان کی تلافی کی کیا شکل ہوگی؟

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم نے یہ صورت تجویز کی ہے کہ اگر وہ (مستصنع) اس کے (سامان لینے کے) لئے تیار نہ ہو اور شرعی و قانونی حدود میں رہتے ہوئے اس پر دباؤ و اثر انداز بھی نہ ہو تو ایسا کیا جاسکتا ہے کہ اس کی رقم ضمانت میں بازار کے عام نرخ کے مطابق اس سامان کی جو مقدار بن سکتی ہے وہ اسے دیدی جائے اور باقی کو کسی اور سے فروخت کرنے کی کوشش کی

جائے''(کتاب الفتاوی، ۵/ ۲۱۲)۔

لیکن یہ صورت بھی اس وقت ممکن ہوگی جب اس سامان میں تقسیم ہونے کی صلاحیت ہو اور اگر آرڈر کا سامان ایسا ہے جس میں تقسیم کی صلاحیت نہ ہو، تو پھر بیعانہ کی مقدار مبیع حوالہ کرنے کی کوئی شکل نہیں ہے۔

شروع عقد میں ہی کوئی ایسی شکل اپنائی جائے جس سے مشتری کو انکار کی گنجائش نہ ہو سکے اور صانع کو کوئی نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ مثلاً

۱۔ مشتری سے کوئی تحریر لے لی جائے کہ انکار کی صورت میں قانونی چارہ جوئی کا حق ہوگا۔

۲۔ بطور رہن کسی ایسی شئی کا مطالبہ کیا جائے جس سے مجبور ہو کر وہ انکار نہ کر سکے۔

۳۔ تعزیر مالی کو عام طور سے فقہاء نے ناجائز لکھا ہے۔ مگر حضرت مولانا خالد سیف اللہ دامت برکاتہم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ شریعت میں تعزیر مالی کی مختلف نظیریں ملتی ہیں اور علامہ ابن نجیم کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے: وفی الخلاصة: سمعت من ثقة ان التعزیر بأخذ المال أن رأی القاضی ذلک او الوالی جاز ومن جملة ذلک رجل لایحضر الجماعة یجوز تعزیره بأخذ المال له (خلاصہ میں ہے کہ قاضی یا والی کی صوابدید کے مطابق مالی تعزیر جائز ہے اور اسی کے منجملہ یہ ہے کہ کوئی آدمی (نماز کی) جماعت میں نہ آتا ہو تو مال لے کر اس کی تعزیر جائز ہے) (جدید فقہی مسائل ۳/ ۲۴۹)۔ اس پر بھی غور کیا جا سکتا ہے جب عاقدین کے اتفاق سے ہو؛ کیونکہ فقہ جدید میں ''شرط جزائی'' کے نام سے اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ (کما سیجیء)۔

استصناع میں اگر میٹریل خود خریدار فراہم کرے:

استصناع میں اگر میٹریل خود خریدار فراہم کرے تو یہ عقد اجارہ ہے۔ أما اذا كان العين من المستصنع لا من الصانع يكون إجارة ولا يكون استصناعا (المحیط، کتاب القسمة، الفصل الثالث والثلاثون فی الاستصناع، ۷/ ۲۲۶)۔

لہذا اگر سامان آرڈر کے مطابق نہ ہو تو اس پر اجارہ کے احکام نافذ ہوں گے اور خریدار کو رد کرنے کا اختیار ہوگا اور بائع کو میٹریل کا تاوان دینا ہوگا گویا یہ مانا جائیگا کہ صانع نے خریدار کا میٹریل ہلاک کر دیا ہے۔ (اجیر پر تاوان کے تفصیلی احکام کتب فقہ میں مذکور ہیں)۔

جب صانع وقت پر سامان مہیا نہ کرے:

اگر صانع سامان کی تیاری میں تاخیر کر دے تو اس سے مشتری کا نقصان ہو سکتا ہے؛ کیونکہ ایسا عین ممکن ہے کہ مشتری نے کسی اور سے بھی معاملہ کر رکھا ہو تو وقت مقرر پر صانع کے سامان نہ بنانے کی وجہ سے مشتری کو بازار سے مہنگے قیمت پر سامان لیکر دینا پڑے، یہ نقصان اسے صانع کی تاخیر کی وجہ سے اٹھانا پڑا ہے، تو کیا خریدار اس کا تاوان اپنے صانع سے لے سکتا ہے؟

شیخ مصطفی الزرقاء نے خلافت عثمانی کے دور آخر میں تجارت، بطور خاص استصناع کے عمل دخل اور ملکی وغیر ملکی تجارتی کمپنیوں سے معاملات کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: تولدت فی العصر الحدیث انواع من الحقوق لم تکن معهودة... واتسع مجال عقود الاستصناع فی التعامل بطریق الایصاء علی المصنوعات مع المعامل والمصانع الاجنبیة... وازدادت ایضاً قیمة الزمن

فی الحرکة الاقتصادیة فأصبح تأخر أحد المتعاقدین أو امتناعه عن تنفیذ التزاماته فی مواعیدها المشروطة مضراً بالطرف الآخر فی وقته وماله اکثر مماقبل۔ فلو ان متعهداًبتقدیم المواد الصناعیة إلی صاحب معمل تأخر عن تسلیمها الیه فی الموعد المضروب لتعطل المعمل وعماله ...وکذا تأخر الصانع عن القیام بعمله فی وقته ... وقد ضاعف احتیاج الناس الی ان یشترطوا فی عقودهم ضمانات مالیة علی الطرف الذی یتأخر عن تنفیذ التزامه فی حینه۔ومثل هذا الشرط یسمی فی اصطلاح الفقه الاجنبی :الشرط الجزائی (المدخل الفقہی العام/الباب السابع/الفصل ۷ ۵ موقف القانون من الفسخ/فقرة ا،ص ۵۹ ۷/ ۱۰ ۷)(دور حاضر میں حقوق کی نئی قسمیں وجود پذیر ہوئی ہیں اور غیر ملکی کمپنیوں اور فیکٹریوں کے ساتھ بطور استصناع کے مصنوعات بنانے کا رواج بڑھ گیا ہے،تجارتی لائن میں وقت کی قدر و قیمت بڑھ گئی ہے، یہانتک کہ کسی فریق کی کمی کوتاہی اور وقت مقررہ پر آرڈر کا سامان نہ بنانے سے دوسرے فریق کے مال ووقت میں بے پناہ نقصان ہوجاتا ہے، اگر وقت پر خام مادہ فراہم نہ ہوتو بسا اوقات فیکٹری کے بند ہوجانے کی نوبت آجاتی ہے، اسی طرح اگر وقت پر آرڈر کا سامان تیار نہ ہوتو مستصنع کو ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔اس صورتحال کے پیش نظر اس بات کی ضرورت بڑھ گئی ہے کہ وقت پر کام پورا نہیں کرنے والے فریق پر مالی تاوان عائد کیا جائے۔اسی کا نام فقہ جدید میں ''شرط جزائی '' ہے)(اس کے تعلق سے تفصیلی بحث کیلئے دیکھئے البحوث العلمیة/الجلد الاول۔مجلة مجمع الفقه الاسلامی/العدد الثانی عشر۔فقه المعاملات/الابحاث/الاستصناع/الشرط الجزائی فی عقد الاستصناع۔المدخل الفقهی العام/الفصل ۲ ۳/فقرة ۸ ۱/ص ۵۶۵)۔

اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ نے اس تعلق سے جو فیصلہ کیا ہے وہ حسب ذیل ہے :

یجوز ان یتضمن عقد الاستصناع شرطاً جزائیاً بمقتضی ما اتفق علیه العاقدان ما لم تکن هناک ظروف قاهرة

(قرارات وتوصیات مجمع الفقہ الاسلامی التابع لمنظمة المؤتمر الاسلامی/بشان عقد الاستصناع)۔

یجوز هذاالشرط -مثلاً-فی عقد الاستصناع بالنسبة للصانع اذالم ینفذ ما التزم به أو تأخر فی تنفیذه...ولا یجوز فی عقد الاستصناع بالنسبة للمستصنع إذا تأخر فی أداء ما علیه (ایضاً/بشان موضوع الشرط الجزائی)۔

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ فقہ جدید میں مالی تاوان کی ایک شکل موجود ہے جسے ''شرط جزائی '' کا نام دیا گیا ہے اور ان حالات کے پیش نظر جس کی طرف استاذ مصطفیٰ الزرقاء نے اشارہ کیا ہے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے، البتہ اس میں یہ رعایت ضروری ہیکہ جوا اور ربا کی شکل نہ بنے، جیسا کہ اکیڈمی مذکور کے فیصلہ میں یہ رعایت موجود ہے، چنانچہ اگر عاقدین اس پر اتفاق کرلیں کہ جس کی طرف سے کوتاہی پائی جائے، اسے ایک خاص مقدار میں رقم کی ادائیگی کرنی پڑیگی اور رقم کی یہ زیادتی مالی معاملات میں کوتاہی کے بدلے نہ ہوتو جائز ہے، جیسے صانع کی طرف سے پائی جانے والی کوئی بھی کوتاہی مثلاً وقت سے تاخیر سے مال دینا یا مطلوبہ اوصاف کے مطابق تیار نہ کرنا، یا مستصنع کی طرف سے غیر مالی تعاون میں کوتاہی، یا آرڈر دیکر سامان نہ لینا جس سے صانع کو نقصان پہنچ جائے، ان کوتاہیوں کی وجہ سے اگر مال کی متعین مقدار پر اتفاق ہوجائے تو یہ جائز ہے اور اگر مستصنع نے رقم کی ادائیگی میں کوتاہی کی یا تاخیر کردے تو اس کی وجہ سے مالی تاوان عائد کرنا صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ یہ ربا کے مشابہ ہوجائے گا۔

هذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعلمه اتم واحکم۔

استصناع اور جدید شکلیں

مولانا روح الامین ☆

نحمدک اللّٰھم و نستعینک و نستھدیک و نصلي و نسلم علی عبدک و رسولک سیدنا محمد، و بعد!

انسانی ضروریات کی تکمیل کے لیے جو مالی معاملات وجود میں آئے، ان میں ایک اہم صورت استصناع کی ہے، حضور نبی کریم ﷺ کا اپنی ضرورت کی تکمیل کے لیے انگوٹھی اور منبر بنوانا، اس عقد کے شرعاً مشروع ہونے کے لیے مؤید ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر سے منقول ہے:

"إن رسول اللہ ﷺ اصطنع خاتما من ذھب و کان یلبسہ" الحدیث (باب من حلف علی الشیء وإن لم یحلف، رقم: ۶۶۷۵)۔

ابن الاثیر اس کی شرح میں فرماتے ہیں: "أی أمر ان یصنع لہ کما تقول اکتتب، أی أمر أن یکتب" (النہایہ فی غریب الحدیث ۳/ ۱۱۳)۔

اسی طرح حدیث سہل جس میں منبر بنائے جانے کا تذکرہ ہے، بخاری نے اس پر ان الفاظ میں ترجمہ منعقد کیا ہے: "باب الاستعانۃ بالنجار و الصناع فی أعواد المنبر و المسجد" جس سے استصناع کی مشروعیت کی طرف اشارہ ہے۔

تاہم ماضی میں استصناع کی جو صورتیں ملتی ہیں، وہ چھوٹی اور معمولی چیزوں سے متعلق ہیں، بدلتی دنیا نے جہاں ہر میدان کو وسیع کیا ہے، وہیں استصناع کے دائرہ کو بھی وسیع تر کر دیا ہے، اس لیے ضرورت پیش آئی کہ اصول شرع سے نئی پیدا ہونے والی صورتوں کی تخریج کی جائے، چنانچہ فقہ اکیڈمی انڈیا کی طرف سے تجویز کردہ امور کی تحقیق کے لیے یہ تحریر پیش کی جارہی ہے۔

استصناع کی حقیقت:

اس باب میں فقہاء کے نقطہائے نظر مختلف ہیں کہ استصناع محض شخص آخر سے کیا جانے والا ایک وعدہ ہے، یا طرفین کی جانب سے ایجاب وقبول کے ذریعہ منعقد ہونے والا ایک عقد ہے، پھر اگر عقد ہے تو آیا عقد معاوضہ ہے؟ جو انعقاد صحیح سے طرفین کے لیے لازم ہو جاتا ہے یا وکالت، ایداع اور اعارہ کی طرح غیر لازم ہے۔

جمہور فقہاء:

حنفیہ کے علاوہ فقہاء نے اس کی ایسی تعریف نہیں کی ہے، جو اس کی مخصوص ماہیت پر مشتمل ہو، بلکہ یہ حضرات اسے سلم ہی کی

☆ [illegible] جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ، بھروچ، گجرات۔

ایک نوع قرار دیتے ہیں اور اسے سلم فی المصنوعات کا نام دیتے ہیں، اسی لیے ان کے نزدیک ضروری ہے کہ یہ معاملہ ان تمام شرائط کا جامع ہو، جن پر سلم کی صحت موقوف ہے، اور اس میں سرفہرست ثمن کی تعجیل ہے۔ اس سلسلہ میں ان کی کچھ عبارتیں پیش کی جاتی ہیں۔

مذہب مالکی :

قال الحطاب :قال في المدونة :"من استصنع طستا أو قلنسوة أو خفا أو غير ذلك مما يعمل في الأسواق بصفة معلومة فإن كان مضمونا إلى مثل أجل السلم ولم يشترط عمل رجل بعينه ولا شيئا بعينه بعمله منه جاز إذا قدم رأس المال مكانه أو إلى يوم أو يومين فإن ضرب لرأس المال أجلا بعيدا لم يجز وصار دينا بدين" (مواہب الجلیل ۶/ ۵۱۷)۔

(حطاب فرماتے ہیں : مدونہ میں ہے کہ جو شخص طشت یا ٹوپی یا خف یا اس کے علاوہ وہ چیزیں جو بازار میں تیار کی جاتی ہیں، متعین اوصاف کے ساتھ تیار کروانا چاہے، تو اگر سلم کی اجل مثل تک مضمون ہو اور متعین شخص کا عمل اور متعین شئی کا مادہ طے نہ ہو تو جائز ہے، بشرطیکہ اسی وقت راس المال ادا کردے یا ایک دو دن کے درمیان ادا کردے، لیکن اگر راس المال کی ادائیگی کے لیے کوئی لمبی مدت طے کردی، تو جائز نہیں ہے بلکہ یہ بیع الدین بالدین ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مالکیہ کے نزدیک اگر سلم کے شرائط متحقق ہوں تو سلم ہے ورنہ بیع یا اجارہ ہے، جس کی صحت وفساد کا مدار عام بیوع اور اجارات کے اصول پر ہوگا (راجع للتفصیل المقدمات لابن رشد ۲/ ۳۲)۔

مذہب شافعی :

کتب شافعیہ میں استصناع کے عنوان سے کوئی خاص باب نہیں ملتا، البتہ سلم کے ضمن میں اس کا تذکرہ ملتا ہے، چنانچہ امام شافعی کی کتاب الام میں "باب السلف" کے ضمن میں ایک باب ہے "باب السلف في الشيء المصلح لغيره" اور اس کے آخر میں یہ عبارت ہے :"ولا بأس أن يسلفه في طست أو تور من نحاس أحمر أو أبيض أو شبه أو رصاص، ويشترطه بسعة معروفة"- الخ- (کتاب الام، ۵۲۸)۔

امام نووی فرماتے ہیں :

"يجوز السلم في الزجاج والطين والجص والنورة وحجارة الأرحية والأبنية والأواني فيذكر نوعها وطولها وعرضها وغلظها... لايجوز السلم في الحباب والكيزان والطسوت والقماقم لندور اجتماع الوزن مع الصفات المشروطة" (روضۃ الطالبین ۴/ ۲۷)۔

یعنی جس کے اوصاف منضبط ہوسکیں اس میں سلم جائز ہے اور جس کے اوصاف منضبط نہ ہوسکیں اس میں سلم جائز نہیں۔ الغرض ان کے نزدیک بھی استصناع سلم کی ایک صورت ہے۔

مذہب حنبلی :

کتب حنابلہ میں استصناع کے عدم جواز کی صراحت ملتی ہے۔ چنانچہ محمد ابن مفلح کتاب الفروع میں فرماتے ہیں :

ذکرہ القاضي وأصحابه : "لا يصح استصناع سلعة، لأنه باع ما ليس عنده على غير وجه السلم" (الفروع مع تصحیح الفروع ۶/۱۴)۔

یعنی یہ معدوم کی بیع ہے جو سلم کے طور پر ہی جائز ہے۔

نیز ان حضرات نے بھی مالکیہ اور شافعیہ کی طرح باب السلم کے تحت اس قسم کی جزئیات سے تعرض کیا ہے (دیکھئے المغنی لابن قدامہ کل ما ضبط بصفة فالسلم فیہ جائز ۴/۲۲۹)۔

الغرض! ان کے نزدیک صحیح ایجاب وقبول کے ذریعہ منعقد ہونے والا ایک عقد ہے محض وعدہ نہیں، تاہم عقد مستقل بھی نہیں، بلکہ سلم کی ایک صورت ہے، جس کے لیے وہی شرائط ہیں اور اس پر وہی احکام جاری ہوں گے جو سلم کے لیے ہیں۔

فقہائے حنفیہ :

حنفیہ کے نزدیک اس عقد کی مشروعیت پر تقریباً اتفاق ہے، البتہ اس کی تخریج میں اختلاف ہے کہ آیا محض وعدہ ہے یا عقد بیع ہے۔

چنانچہ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں :

"ثم اختلف المشائخ أنه مواعدة أو معاقدة، فالحاكم الشهيد والصفار ومحمد بن مسلمة وصاحب المنثور مواعدة، وإنما ينعقد عند الفراغ بيعا بالتعاطي، ولهذا كان للصانع أن لا يعمل ولا يجبر عليه بخلاف السلم، وللمستصنع أن لا يقبل ما ياتي به ويرجع عنه... والصحيح من المذهب جوازه بيعا، لأن محمدا ذكر فيه القياس والاستحسان وهما لا يجريان في المواعدة ولأنه جوزه فيما فيه تعامل دون ما ليس فيه ولو كان مواعدة جاز في الكل وسماه شراء... ولأن الصانع يملك الدراهم بقبضها ولو كانت مواعيد لم يملكها" (فتح القدیر، باب السلم ۶/۲۴۲)۔

(پھر مشائخ کا اختلاف ہے کہ یہ وعدہ ہے یا عقد، چنانچہ حاکم شہید، صفار، محمد بن مسلمہ اور صاحب منثور کہتے ہیں کہ وعدہ ہے اور عمل سے فراغت کے وقت لین دین کے ذریعہ بیع منعقد ہوگی، اسی لیے کاریگر کو اختیار ہے کہ وہ عمل نہ کرے اور اسے مجبور بھی نہیں کیا جائے گا، جب کہ سلم کا معاملہ اس کے برخلاف ہے، اور آرڈر دینے والے کو بھی اختیار ہے کہ تیار کردہ چیز قبول نہ کرے اور اس سے رجوع کرلے... اور صحیح مذہب یہ ہے کہ یہ معاملہ بطور بیع مشروع ہے، اس لیے کہ امام محمد نے اس مسئلہ میں قیاس واستحسان دونوں وجہ ذکر کی، جبکہ یہ دونوں وعدہ میں جاری نہیں ہوتیں اور اس وجہ سے کہ ان چیزوں میں اسے جائز قرار دیا جس میں تعامل ہو، ان میں نہیں جن میں تعامل نہ ہو، اگر یہ وعدہ ہوتا تو سب میں جائز ہوتا، اور اسے شراء سے موسوم کیا، نیز یہ کہ کاریگر دراہم پر قبضہ کرنے سے مالک بن جاتا ہے، اگر یہ وعدہ ہوتا تو وہ مالک نہ ہوتا)۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن حضرات نے اسے وعدہ قرار دیا ہے، ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں :

۱- صانع کو عمل نہ کرنے کا اختیار ہے، جبکہ عقد میں عاقد مجبور ہوتا ہے۔

۲- آرڈر دینے والے (مستصنع) کو بھی اختیار ہے کہ کاریگر کے تیار کردہ مال کو رد کردے، بلکہ اسے عمل کی تکمیل سے قبل یا دیکھنے سے قبل رجوع کا اختیار ہے، یہ اس کے وعدہ ہونے کی دلیل ہے : "ولكل منهما الامتناع عن العمل قبل العمل بالاتفاق" (ابن عابدین ۵/۲۲۴)۔

جبکہ جن حضرات نے اسے عقد قرار دیا، وہ یہ دلائل پیش کرتے ہیں :

۱— کاریگر قبضہ کرنے سے پیسوں کا مالک ہوجاتا ہے، اگر محض وعدہ ہوتا تو وہ مالک نہ ہوتا۔

۲— امام محمدؒ نے وجہ قیاس اور وجہ استحسان کی تقریر فرمائی، جبکہ وعدہ میں اس کی ضرورت نہیں۔

۳— تعامل اور عدم تعامل کا فرق موجود ہے، اگر وعدہ ہوتو سب چیزوں میں جائز ہونا چاہیے۔

۴— امام محمد نے شراء سے موسوم کرتے ہوئے خیار رؤیت ثابت کیا ہے، جبکہ وعدہ تو لازم ہی نہیں ہوتا تو خیار کی حاجت ہی نہیں۔

۵— اس میں ایک دوسرے کو تقاضہ اور مطالبہ کا حق ہے، جو حقوق واجبہ میں ہوتا ہے۔ "وكذايجري فيه التقاضي وانمايتقاضى فيه الواجب لاالموعود"۔

اسی لیے امام سرخسی نے بھی بیع کی ایک قسم شمار کیا ہے۔

"السلم أن البيوع أربعة، بيع عين بثمن... وبيع دين في الذمة بثمن وهو السلم... وبيع عمل العين فيه تبع مثل السلم والإجارة... وبيع عين شرط فيه العمل... وهو الاستصناع فالمستصنع فيه بيع عين" (المبسوط ۱۵ر ۸۵)۔

تعیین راجح :

محققین نے اس کے عقد بیع ہونے ہی کو راجح قرار دیا ہے (بدائع الصنائع ۵ر ۲، الاختیار ۲ر ۳۸، بدائع ۵ر ۲، فتح القدیر ۶ر ۲۴۴، درمختار، رد ۵ر ۲)۔

اولاً : اس لیے کہ ائمہ مذہب کے کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

ثانیاً : اس لیے کہ قول اول کے قائلین نے اپنے مدعیٰ کو ثابت کرنے کے لیے جو امور پیش کیے ہیں، وہ دراصل وعدہ قرار دینے کے نتائج ہیں، دلائل نہیں، اس لیے وہ قول ثانی کے دلائل کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

ثالثاً : اس لیے کہ جانبین کو اختیار ملنا اس کے وعدہ ہونے کو مستلزم نہیں، چنانچہ بیع مقایضہ میں بغیر رؤیۃ کے معاملہ ہو تو ہر ایک کو اختیار ہوتا ہے۔

ففي الفتح : "وإثبات أبي اليسر الخيار لكل منهما لا يدل على أنه غير بيع، ألاترى أن في بيع المقايضة لو لم ير كل منهما عين الآخر كان لكل منهما الخيار" (فتح القدیر ۶ر ۲۴۴)۔

رابعاً : اس لیے کہ وعدہ قرار دینے کی صورت طرفین کے لیے ضرر میں مبتلا ہونے کو مستلزم ہے، چنانچہ اگر طالب مکر جائے تو صانع کا لگایا ہوا مال اور تیار کردہ شئی ضائع ہوسکتی ہے، کیونکہ ضروری نہیں کہ اس ڈیزائن یا معیار کی چیز دوسرے لوگوں کو بھی مطلوب ہو، جن کے ہاتھ وہ فروخت کرسکے، اسی طرح اگر صانع وعدہ کرنے کے بعد کام نہ کرے تو طالب کو انتظار کے باوجود شئی کے حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ضرر ہوسکتا ہے، جبکہ شریعت کے معاملات "لاضرر ولاضرار" اصول پر مبنی ہیں (ابن ماجہ عن عبادۃ بن الصامت فی باب من بنی فی حقہ ما یضر بجارہ "الحديث بسنده ضعيف ولكن له شواهد كثيرة يصح بها، وقد صحح الحديث الحاكم وأيده الذهبي ومال إلى تصحيحه الحافظ العلائي كما نقله المناوي في فيض القدير وقواه الحافظ ابن رجب في جامع العلوم والحكم والحافظ ابن التركماني في الجوهر النقي وحسنه ابن الصلاح كما نقل عنه ابن رجب وحسنه كذلك النووي في الأربعين" (سنن ابن ماجہ تحقیق شعیب الارنووط ۳ر ۴۳۰، الرقم ۲۳۴۰)۔

عقد کی صورت میں محل عقد کی تعیین :

جن حضرات کے نزدیک استصناع عقد ہے، ان کے درمیان اختلاف ہے کہ محل عقد کیا ہے؟

۱ — معقود علیہ عین ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر صانع ایسی شئی حاضر کردے جس کو اس نے عقد سے پہلے تیار کیا تھا تب بھی صحیح ہے، حالانکہ اگر نفس عقد سے عمل کی شرط ثابت ہوتی، تو عقد صحیح نہ ہونا چاہیے، کیونکہ عمل کی شرط مستقبل سے وابستہ ہے۔

۲ — معقود علیہ عین ہی ہے، البتہ عمل اس کے لیے شرط ہے، اس لیے کہ استصناع کی حقیقت طلب صنع ہے، لہٰذا اگر عمل مشروط نہ ہو تو وہ استصناع ہی نہیں، لہٰذا خود تسمیہ کا ماخذ اس کی دلیل ہے، نیز اگر معقود علیہ مبیع فی الذمہ ہو تو اس کا نام سلم ہے، جبکہ اس عقد کا نام استصناع ہے، اور تسمیہ کا اختلاف حقیقت کے اختلاف کی دلیل ہے۔

علامہ علاء الدین کاسانی نے اسی قول کی تصحیح کی ہے، اور قول اول کی دلیل کا جواب یہ دیا ہے کہ اس صورت میں اگر مستصنع راضی ہو جائے، تو یہ معاملہ سابق عقد کی بناء پر نہیں بلکہ از سرنو لین دین (تعاطی) کے ذریعہ منعقد ہو جائے گا۔

حاصل یہ ہے کہ تصویر عقد میں گو اختلاف ہے لیکن عقد بہر حال صحیح ہے، نتیجہ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔

"والصحيح هو القول الأخير، لأن الاستصناع طلب الصنع فمالم يشترط فيه العمل لايكون استصناعا فكان ماخذ الإسم دليلا عليه، ولأن العقد على مبيع في الذمة يسمى سلما، وهذا العقد يسمى استصناعا، واختلاف الأسامي دليل اختلاف المعاني في الأصل، وأما إذا أتى الصانع بعين صنعها قبل العقد ورضي به المستصنع فإنما جاز لا بالعقد الأول بل بعقد آخر وهو التعاطي بتراضيهما" (بدائع الصنائع ۵/ ۲)۔

صحیح قول اخیر ہے، اس لیے کہ استصناع کی حقیقت طلب صنع ہے، اس لیے اگر اس میں عمل شرط نہ ہو تو استصناع ہی نہ ہوگا، گویا اسم کا ماخذ اس کی دلیل ہے اور اس لیے کہ ذمہ میں واجب ہونے والی مبیع پر عقد ہو تو اس کا نام سلم ہے، اور یہ عقد تو استصناع سے موسوم ہے، اور تسمیہ کا اختلاف اصلاً حقائق کے اختلاف کی دلیل ہے، اور صانع عقد سے قبل تیار کردہ شئی پیش کردے اور مستصنع راضی ہو تو یہ معاملہ عقد اول سے نہیں بلکہ عقد آخر یعنی آپس کی رضامندی کے ساتھ لین دین سے منعقد ہوگا۔

بعض نے استصناع کو اجارہ قرار دیا ہے، جس کا تذکرہ ہم آئندہ کریں گے۔

استصناع کی تعریف :

سابقہ تفصیل سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ائمہ ثلاث کے نزدیک اس کی کوئی مستقل تعریف نہیں، کیونکہ یہ سلم ہی کی ایک صورت ہے، اسی طرح جن مشائخ حنفیہ نے اسے وعدہ قرار دیا ان کے نزدیک بھی اس کی کوئی ایسی تعریف نہیں ہوگی، جو اسے وعدہ کے مفہوم عام سے ممتاز کرے، ہاں جن کے نزدیک یہ مستقلاً ایک عقد ہے اور یہی راجح ہے، انہوں نے مختلف تعبیرات میں متعدد تعریفات کی ہے (دیکھئے بدائع ۵/ ۲، ابن عابدین ۵/ ۲۲۳، عنایہ شرح البدایہ ۹/ ۳۵۹، مجلۃ الاحکام العدلیہ فی مادتہا (۱۲۴) ص ۳۱، العینی فی شرح الکنز)۔

البتہ سب سے واضح اور جامع تعریف وہ ہے، جو شیخ مصطفی احمد زرقاء نے کی ہے :

"هو عقد يشترى به في الحال شيئ مما يصنع صنعا يلتزم البائع بتقديمه مصنوعا بمواد من عنده، بأوصاف معينة وبثمن محدد" (ایسا عقد جس کے ذریعہ فی الحال ایسی چیز خریدی جائے جس کو صانع اپنا مٹیریل لگا کر تیار کرے گا، نیز اس کے اوصاف متعین اور ثمن طے کر دیا گیا ہو)۔

پھر تعریف کا تجزیہ کرتے ہوئے آپ نے مندرجہ ذیل امور ذکر کیے ہیں:

۱۔ یہ عقد از قبیل بیع ہے، نہ اجارہ اور نہ محض وعدہ، لہٰذا دیگر عقود کی طرح طرفین کی رضامندی کے ساتھ ایجاب وقبول اور اس کے علاوہ شرائط عامہ کا لحاظ ضروری ہے۔

۲۔ مبیع عین ہے، محض صانع کا عمل نہیں۔

۳۔ مبیع عقد کے وقت معدوم فرض کی جاتی ہے، اور مقصد اس کی ایجاد اور تیاری ہوتی ہے، لیکن بالفعل معدوم ہونا شرط نہیں۔

۴۔ یہ عقد مصنوعات میں جاری ہوگا، ایسی خلقی چیز جس میں انسانی صنعت کا دخل نہ ہو جاری نہ ہوگا، جیسے پھل، غلہ وغیرہ، کیونکہ ایسی چیز کو وجود سے قبل خریدنے کا مشروع طریقہ سلم ہے۔

۵۔ شئی مطلوب کے اوصاف (نوع، قدر وغیرہ) کی تحدید اور ثمن کی تعیین ضروری ہے، ہاں ثمن نقد، ادھار یا قسط وار ہو سکتا ہے، جیسا کہ عام بیوع میں ہوتا ہے اور یہ استصناع اور سلم کے درمیان اساسی فرق ہے، کیونکہ سلم میں راس المال پیشگی دینا شرط ہے۔

۶۔ شئی مطلوب کی تیاری میں تمام تر مادہ اور مواد اور دیگر ضروری چیزیں صانع کی طرف سے ہوں گی، جن کی قیمت ثمن ہی میں محسوب ہوگی (عقد الاستصناع ومدی اہمیتہ فی الاستثمارات الاسلامیہ المعاصرۃ ص: ۷-۲ — شامل)۔

استصناع کن اشیاء میں؟

استصناع قیاس کے مطابق جائز نہیں اس لیے کہ یہ بیع معدوم ہے، جس کی تجارت صرف بطریق سلم ہے لیکن:

۱۔ ہر زمانہ میں بلا نکیر اس قسم کے عقد کا امت کے درمیان تعامل رہا ہے، اس لیے استحساناً اسے جائز قرار دیا گیا۔

۲۔ حاجت اس کی داعی ہے، اس لیے کہ انسان کو مخصوص جنس ونوع اور مخصوص قدر وصفت کی شئی درکار ہوتی ہے، اور بسا اوقات وہ بازار میں دست یاب نہیں ہوتی، ایسی صورت میں ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اپنی مطلوبہ شئی تیار کرائے، لہٰذا اگر اس کی اجازت نہ ہو تو لوگ حرج میں مبتلا ہوں گے، جیسا کہ اسی ضرورت کی وجہ سے سلم کو جائز قرار دیا گیا ہے (بدائع الصنائع ۵/ ۳)۔

لہٰذا جب اس کی مشروعیت کا مدار تعامل اور ضرورت پر ہے تو انہی چیزوں میں مشروع ہوگا جن میں تعامل ہے، اور جن میں تعامل نہیں ان میں بطریق سلم یا بطریق اجارہ ہی معاملہ مشروع ہوگا۔

چنانچہ صاحب بدائع شرائط کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"ومنها أن يكون مما يجري فيه التعامل بين الناس من أواني الحديد والرصاص والنحاس والزجاج والخفاف والنعال ولجم الحديد للدواب وفصول السيف والسكاكين والقسي والنبل والسلاح كله والطشت والقمقمة ونحو ذلك ولا يجوز في الثياب، لأن القياس يأبى جوازه وإنما جوازه استحسانا لتعامل الناس ولا تعامل في الثياب"۔

(ان (شرائط) میں سے ایک یہ ہے کہ ایسی چیز ہو جس میں تعامل جاری ہے یعنی لوہے، تانبے، شیشے کے برتن، اور خف، نعل، جانوروں کے لیے لوہے کی لگام، تلوار اور چھری کے پھل، کمان، تیر، ہر قسم کے ہتھیار، طشت، پیالہ اور اس جیسی چیزیں، اور کپڑوں میں جائز نہیں ہے، کیونکہ قیاس اس کے جواز سے اباء کرتا ہے، اس کا جواز تو استحسانا تعامل ناس کی وجہ سے ہے اور کپڑوں میں تعامل نہیں ہے (بدائع الصنائع ۵/ ۳، فتح القدیر ۶/ ۲۴۱، مجمع الانہر ۳/ ۱۴۹)۔

پھر تعامل زمان ومکان کے اعتبار سے مختلف ہوسکتا ہے، اس لیے جن چیزوں میں تعامل ہمارے زمانہ میں ہے، یا مخصوص علاقہ میں ہے، خواہ فقہاء کے کلام میں اس کا تذکرہ ہو یا نہ ہو، استصناع کا معاملہ جائز ہوگا، کیونکہ فقہاء نے ان چیزوں کا تذکرہ تمثیل کے طور پر اپنے زمانہ کے تعامل کی بناء پر کیا ہے، اور ہر زمانہ کی صنعت قلت وکثرت، شیوع وندرت کے اعتبار سے مختلف ہوسکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مجلۃ الاحکام العدلیہ میں بارودی بندوق، جنگی اور تجارتی جہاز کی بھی مثال کا اضافہ کیا ہے، جن کا قدیم زمانہ میں وجود نہیں تھا۔

الغرض اس باب میں اصول یہ ہے کہ جن چیزوں میں حاجت اور تعامل ہو استصناع جائز ہوگا، البتہ شرط یہ ہے کہ ایسی چیز ہو، جن کو قدر ووصف کے ذریعہ متعین ومنضبط کیا جاسکتا ہو، اب خواہ وہ اشیاء منقولہ کے قبیل سے ہو یا غیر منقولہ کے قبیل سے، جیسے بلڈنگ وغیرہ، یہی فقہاء کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے، اور محققین عصر جیسے مصطفی احمد زرقاء، وہبہ زحیلی، ڈکتور علی محی الدین القرۃ داغی، حضرت مفتی تقی عثمانی وغیرہ یہی رائے رکھتے ہیں، اور اسی کو مجلۃ اور اس کی شرح درر میں اختیار کیا گیا ہے (دیکھئے مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی ج ۷ – شاملہ)۔

مصنوع کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا :

حدیث میں ہے: "لا یحل سلف و بیع و لا شرطان فی بیع، و لا ربح مالم یضمن، و لا بیع مالیس عندک" (رواہ الخمسۃ وصحح الترمذی، ابن خزیمۃ والحاکم، بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام ص ۱۰۳/ ۸۰۰)۔

مالیس عندک کی دوصورتیں ہیں: (۱) غیر مملوک شئی (۲) غیر مقدور التسلیم، جس کی ایک صورت معدوم ہونا بھی ہے، اسی وجہ سے مضامین (مافی اصلاب الفحول)، ملاقیح (مافی ارحام الانعام) اور حبل الحبلۃ کی بیع بالاجماع ممنوع اور باطل ہے۔

ابن قدامہ فرماتے ہیں:

قال ابن المنذر: "قد أجمعوا علی أن بیع الملاقیح و المضامین غیر جائز" (المغنی ۴/ ۲۹۸)۔

اور صاحب تنویر الابصار نے اسے بیع معدوم میں شمار کیا ہے۔

"و المعدوم کبیع حق التعلي و المضامین و الملاقیح" (درمع الرد ۵/ ۵۳)۔

البتہ اس اصل سے دوصورتیں مستثنیٰ ہیں۔

(۱) سلم: جس کی صراحت حدیث میں ہے، امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں ترجمہ منعقد کیا "باب السلم إلی من لیس عندہ أصل" اور اس کے تحت یہ واقعہ بیان کیا کہ محمد بن ابی المجالد فرماتے ہیں کہ مجھے عبد اللہ بن شداد اور ابو بردہ نے عبد اللہ بن ابی اوفی کے پاس بھیجا کہ ان سے پوچھو کہ کیا حضرات صحابہ آپ ﷺ کے زمانہ میں گیہوں میں سلم کا معاملہ کرتے تھے؟ حضرت عبد اللہ نے جواب دیا کہ ہم شامی کاشتکاروں سے گیہوں، جو اور زیتون میں متعین کیل کے ساتھ متعینہ مدت کے لیے سلم کا معاملہ کرتے تھے، میں نے کہا: کیا ایسے شخص

سے جس کے پاس اس کی اصل ہوتی؟ فرمایا: اس بابت ہم تحقیق نہیں کرتے تھے (صحیح البخاری کتاب السلم باب ۳، حدیث ۲۱۲۸)۔

ابن نجیم مصری فرماتے ہیں: "هو على خلاف القياس إذهو بيع المعدوم ووجب المصير إليه بالنص والإجماع للحاجة" (البحرالرائق ۶/۱۶۹)۔

(۲) استصناع: چنانچہ امام زفر نے بیع معدوم ہونے ہی کی وجہ سے اسے ممنوع قرار دیا جبکہ جمہور نے استحساناً اس کو جائز قرار دیا ہے جس کی قدرے تفصیل ماقبل میں گذر چکی ہے (فتح القدیر ۶/ ۲۴۳)۔

الغرض معدوم کی بیع کا جواز بطور سلم یا بطور استصناع رب السلم اور مسلم الیہ یا صانع اور مستصنع کے لیے ہے، یہی وجہ ہے کہ سلم میں رب السلم کے لیے مسلم فیہ کو وصول کرنے سے پہلے کسی اور کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

"لا يجوز التصرف للمسلم إليه في رأس المال ولا رب السلم في المسلم فيه قبل قبضه بنحو بيع وشركة ومرابحة وتولية" (درمع الرد ۵/ ۲۱۸)۔

مسلم الیہ کے لیے راس المال میں اور رب السلم کے لیے مسلم فیہ میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جیسے بیع وشرکت، مرابحہ وتولیہ جائز نہیں ہے۔

لہٰذا استصناع میں بھی مستصنع کے لیے بیع وغیرہ کا کوئی تصرف کرنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ جواز عقد استصناع میں ہے اور تیسرے شخص کے ساتھ کیا جانے والا معاملہ عقد استصناع نہیں، اس لیے اصول کے مطابق یہ صورت جائز نہ ہوگی۔

نیز فقہاء کے یہاں مبیع پر قبضہ سے پہلے تصرفات ممنوعہ کے سلسلہ میں یہ ضوابط موجود ہیں۔

۱— "إن كل عوض ملك بعقدينفسخ بهلاكه قبل القبض، لم يجز قبل قبضه، وما لا ينفسخ العقد بهلاكه، جاز التصرف فيه قبل قبضه" (درمع الرد ۵/ ۱۴۱، ونحوہ فی المغنی ۴/ ۲۲۱)۔

ہر وہ عوض جس پر ملکیت ایسے عقد کے ذریعہ ثابت ہوتی ہے کہ قبضہ سے پہلے اس کی ہلاکت سے عقد فسخ ہوجائے تو اس میں قبل القبض کوئی تصرف جائز نہ ہوگا، اور جس کی ہلاکت سے عقد فسخ نہ ہو تو قبل القبض تصرف جائز ہے۔

۲— "إن كل تصرف لايتم إلابالقبض، كالهبة والصدقة والرهن والقرض والإعارة ونحوها، يجوز قبل قبض المبيع، وكل تصرف يتم قبل القبض كالبيع والإجارة... لايجوز قبل قبض المبيع" (کذا فی فتح القدیر ۵/ ۲۶۷، ابن عابدین ۵/ ۱۴۸)۔

ہر وہ تصرف جو قبضہ ہی سے تام ہو جیسے ہبہ، صدقہ، رہن، قرض، اور اعارہ وغیرہ تو قبضہ سے پہلے تصرف جائز ہے اور ہر وہ تصرف جو قبضہ سے پہلے ہی تام ہوجاتا ہے جیسے بیع اور اجارہ وغیرہ تو وہاں بیع پر قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہ ہوگا، یہ امام محمد سے منقول ہے۔

۳— علامہ شوکانی فرماتے ہیں:

"أن التصرفات التي تكون بعوض تلتحق بالبيع، فيكون فعلهما قبل القبض غير جائز، والتصرفات التي لاعوض فيها، تلتحق بالهبة، فيكون فعلهما قبل القبض جائز" (نیل الاوطار ۵/ ۱۶۰) (وہ تمام تصرفات جو بالعوض ہوں، بیع کے ساتھ ملحق ہیں، چنانچہ ان کو انجام دینا قبضہ کے پہلے جائز نہیں، اور جو تصرفات بلاعوض ہوں، وہ ہبہ کے ساتھ ملحق ہیں، انہیں انجام دینا قبل القبض جائز ہے)۔

مذکورہ تمام ضوابط سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ استصناع میں مستصنع کے لیے بیع (مصنوع) کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ پہلے ضابطہ کی رو سے یہ عقد فسخ ہونے کا احتمال رکھتا ہے، لہٰذا قبل القبض کسی قسم کے تصرف کی اجازت نہ ہوگی۔

دوسرے ضابطہ کی رو سے یہ عقد قبضہ سے پہلے ہی تام ہوجاتا ہے، کیونکہ یہ عقد بیع ہی ہے، جو ایجاب وقبول سے تام ہوجاتا ہے، اس لیے مستصنع کے لیے قبل القبض تصرف جائز نہ ہوگا، اور تیسرے ضابطہ کی رو سے عقد معاوضہ ہونے کی وجہ سے بیع کے ساتھ ملحق ہے۔

نیز بیع قبل القبض کا مسئلہ جزوی اختلاف کے علاوہ فی الجملہ متفق علیہ ہے، اور ممانعت کی علت چند ہیں:

(۱) غرر۔

چنانچہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:

"ما یتوهم فیه غرر الانفساخ بهلاک المعقود علیه لم یجز بناء عقد آخر علیه تحرزا من الضرر وما لا یتوهم فیه ذلک الغرر انتفی المانع فجاز العقد علیه" (المغنی ۱۱۹/۶) (جس معاملہ میں مبیع کے ضائع ہوجانے کی وجہ سے معاملہ کے فسخ ہوجانے کا اندیشہ ہو تو غرر سے بچنے کے لئے اس پر دوسرے معاملہ کی بنیاد رکھنا درست نہیں، اور جس میں غرر کا اندیشہ نہیں، اس میں مانع موجود نہیں، اس لیے اس پر عقد جائز ہے)۔

ابواسحاق شیرازی لکھتے ہیں

"ولأن ملکه علیه غیر مستقر، لأنه ربما هلک فانفسخ العقد وذلک غرر من غیر حاجة فلم یجز" (شرح المہذب ۲۰۷/۹) ((بیع قبل القبض کی علت) اس لیے کہ اس پر بائع کی ملکیت پختہ نہیں، کیونکہ ہوسکتا ہے، مبیع ہلاک ہوجائے اور معاملہ فسخ ہوجانے کی نوبت آجائے اور یہ غرر ہے جو بلا حاجت ہے، لہٰذا یہ جائز نہیں ہوگا)۔

(۲) ربا، کو مستلزم ہونا۔

حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے ثابت ہے۔

عن ابن طاؤس عن أبیه عن ابن عباس رضی اللہ عنهما أن رسول اللہ ﷺ: "نهی أن یبیع الرجل طعاما حتی یستوفیه قلت لابن عباس: کیف ذلک؟ قال: ذاک دراهم بدراهم والطعام مرجا" (صحیح البخاری رقم ۲۱۳۲)۔

(ابن عباس سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ کوئی غلہ فروخت کرے، حتی کہ اسے وصول کرلے، طاؤس کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ یہ کیوں؟ فرمایا: یہ دراہم دراہم کے بدلہ میں ہوجائیں گے، اور غلہ ادھار رہے گا، یعنی یہ بالواسطہ سود ہے)۔

(۳) ایسی شئی سے نفع حاصل کرنا جو ضمان میں داخل نہ ہوئی ہو۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

یجوز بیع العقار قبل القبض عند أبي حنیفة وأبي یوسف، وقال محمد: لایجوز رجوعا إلی اطلاق الحدیث یعني عمومه وهو ما في حدیث حکیم من قوله صلی اللہ علیه وسلم: "لا تبیعن شیئا حتی تقبضه" وللنهي عن ربح مالم یضمن۔

(زمین کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے، امام ابوحنیفہؒ اور ابویوسف کے نزدیک ... اور امام محمد فرماتے ہیں کہ جائز نہیں

ہے۔۔۔حدیث کے اطلاق یعنی عموم کی طرف نظر کرتے ہوئے اور حکیم بن حزام کی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ارشاد ہے : ''ہر گز کسی چیز کو فروخت نہ کرو یہاں تک اس پر قبضہ کرلو''۔۔۔اور اس وجہ سے کہ جو چیز ضمان میں داخل نہ ہو، اس سے نفع اٹھانا ممنوع ہے)۔

بیع قبل القبض کی ممانعت کی یہ سب علتیں جو یہاں بدرجۂ اتم موجود ہیں)۔

اولاً : اس لیے کہ مطلق بیع میں مبیع موجود اور متعین ہوتی ہے جب کہ استصناع میں مبیع متعین نہیں، کیونکہ وہ تو صانع کے ذمہ میں ہے، ابھی خارج میں اس کا کوئی وجود ہی نہیں۔

ثانیاً : اس لیے کہ مطلق بیع (جس میں کسی قسم کا خیار نہ ہو) ایجاب وقبول سے لازم ہوجاتی ہے، جبکہ استصناع عمل سے پہلے متعاقدین میں سے کسی کے لیے لازم نہیں، بلکہ عمل کے بعد بھی مستصنع کی رؤیت سے پہلے لازم نہیں۔

صاحب بدائع فرماتے ہیں :

''وأنه عقد غير لازم قبل العمل في الجانبين جميعا بلا خلاف حتى لكل واحد منهما خيار الامتناع قبل العمل'' (بدائع الصنائع ۵/ ۳)۔

(یہ (استصناع) عمل سے پہلے جانبین کے حق میں بغیر کسی اختلاف کے لازم نہیں ہے، حتی کہ دونوں میں سے ہر ایک کو عمل سے پہلے منع کا اختیار ہے)۔

مبسوط میں ہے :

''وإذا عمله الصانع فقبل أن يراه المستصنع باعه يجوز بيعه من غيره، لأن العقد لم يتعين في هذا بعد۔ الخ'' (مبسوط ۱۲/ ۱۴۳) (جب صانع بنالے تو مستصنع کے دیکھنے سے پہلے اس کے لیے کسی اور سے فروخت کرنا جائز ہے، اس لیے کہ اب تک عقد اس میں متعین نہیں)۔

''وأما بعد الفراغ من العمل قبل أن يراه المستصنع فكذلك حتى كان للصانع أن يبيعه لمن شاء''۔

(عمل سے فراغت کے بعد مستصنع کی رؤیت سے پہلے یہی حکم ہے (ہر ایک کو فسخ کا اختیار ہے) حتی کہ صانع کے لیے جائز ہے کہ وہ جسے چاہے فروخت کردے)۔

الغرض! جب مبیع متعین وموجود نہیں اور عقد لازم نہیں تو عقد کے فسخ ہوجانے کا غرر اور مستصنع کی ملکیت کا عدم استقرار بدرجہ اتم موجود ہے، اس لیے قبل القبض فروختگی کا حکم عام اصول سے مستثنیٰ نہیں۔

فائدہ : مذکورہ جو تفصیل ذکر کی گئی کہ یہ عقد قبل العمل اور بعد العمل قبل الرؤیۃ بالاتفاق حنفیہ کے نزدیک لازم نہیں اور بعد الرؤیۃ کی صورت (اگر آرڈر کے موافق ہو تو) حنفیہ کے درمیان مختلف فیہ ہے۔

۱—صانع کا خیار ساقط ہوجائے گا اور مستصنع کا خیار باقی رہے گا، یہ حنفیہ کی ظاہر الروایۃ ہے۔

۲—امام ابوحنیفہ کی ایک روایت ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کا اختیار باقی ہے۔

۳—امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ دونوں میں سے کسی کو اختیار حاصل نہ ہوگا۔

تفصیل تحفۃ الفقہاء (۲ ۳۶۳)، بدائع الصنائع (۵ ۳) اور فتح القدیر (۶ ۲۴) وغیرہ کے موافق ہے۔

لیکن محیط برہانی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک محض تیسری صورت میں نہیں بلکہ اصل عقد ہی کے سلسلہ میں اختلاف ہے کہ یہ عقد لازم ہے، یا غیر لازم، بالفاظ دیگر جن حضرات کے نزدیک نفس انعقاد سے عقد لازم ہو جاتا ہے، ان کے نزدیک صانع عمل پر مجبور ہے۔

محیط کی عبارت ملاحظہ ہو:

"قلنا: الروایات في لزوم الاستصناع وعدم لزومه مختلفة، روی أبو یوسف عن أبي حنیفة رحمه الله: أن الصانع لا یجبر علی العمل بل یتخیر إن شاء فعل وإن شاء لم یفعل، وذکر الکرخي في کتابه أن هذا العقد لیس بلازم ولم ینسب هذا القول إلی أحد، وقال أبو یوسف رحمه الله: أولاً یجبر المستصنع دون الصانع وهو روایة عن أصحابنا رحمهم الله، ثم رجع أبو یوسف عن هذا وقال: لا خیار لواحد منهما بل یجبر الصانع علی العمل ویجبر المصنوع علی القبول" (المحیط البرہانی ۷/ ۳۰۰)۔

(ہم کہتے ہیں کہ روایات استصناع کے لزوم وعدم لزوم کے سلسلہ میں مختلف ہیں، امام ابو یوسف، امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ صانع عمل پر مجبور نہیں بلکہ خود مختار ہے، چاہے تو بنائے اور چاہے تو نہ بنائے، اور ابوالحسن الکرخی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ یہ عقد لازم نہیں ہے، لیکن اس قول کو کسی کی طرف منسوب نہیں کیا، اور ابو یوسف کا پہلا قول یہ تھا کہ مستصنع مجبور ہے نہ کہ صانع اور یہی ہمارے اصحاب سے روایت ہے، پھر ابو یوسف نے اس سے رجوع فرمالیا، اور فرمایا: کہ کسی کو اختیار نہیں بلکہ صانع عمل پر اور مستصنع قبول پر مجبور ہوگا)۔

یہی صاحب تنویر الابصار اور صاحب درمختار اور ابن عابدین کے بقول درر اور مختصر الوقایہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے (دیکھئے: درمع الرد ۵/ ۲۲۴)۔ اور اسی کو مجلۃ الاحکام العدلیہ میں اختیار کیا ہے۔

"إذا انعقد الاستصناع فلیس لأحد العاقدین الرجوع وإذا لم یکن المصنوع علی الأوصاف المطلوبة المبینة کان المستصنع مخیراً" (المجلہ ص ۷۲)۔

یہی مصطفی احمد الزرقاء، شیخ وھبہ الزحیلی اور دکتور علی محی الدین القرہ داغی کی رائے ہے (مجلہ مجمع الفقہ الاسلامی جدہ — شمارہ)۔

اور شیخ الاسلام تقی عثمانی کی ایک معتدل رائے ہے کہ عمل سے پہلے تو اختیار ہے، البتہ عمل شروع کرنے کے بعد عقد لازم ہو جائے گا (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/ ۱۵۴)۔

استصناع موازی:

یہ دراصل دو عقد کے مجموعہ کا نام ہے، ایک عقد استصناع مستصنع اور مثلاً مالیاتی ادارہ کے درمیان ہوتا ہے اور دوسرا عقد مالیاتی ادارہ اور اصل صانع کے درمیان ہوا، اس کو جدید اصطلاح میں استصناع متوازی یا موازی کہا جاتا ہے (دیکھئے فقہ المعاملات المجموعۃ من المؤلفین ۲/ ۲۶ — شاملہ)۔

اس عقد میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

اولاً: اس لیے کہ استصناع میں یہ شرط نہیں ہے کہ عقد صانع ہی کے ساتھ ہو اور اسی کی صنعت ہو، یہی وجہ ہے کہ اگر وہ کسی اور صانع کا تیار کردہ مطلوب مال پیش کردے تو صحیح ہے۔

درمختار میں ہے: "فإن جاء الصانع بمصنوع غيره أو بمصنوعه قبل العقد فأخذه صح" (درمع الرد ۵/۲۲۵)۔

(اگر صانع نے اپنے علاوہ کی تیار کردہ شئی یا اپنی ہی عقد سے پہلے تیار کردہ شئی پیش کی اور مستصنع نے قبول کرلی تو صحیح ہے)۔

معلوم ہوا کہ جس کے ساتھ معاملہ کیا جارہا ہے، ضروری نہیں کہ اسی کی صنعت ہو بلکہ وہ دوسرے سے تیار کروا کر مطلوب شئی فراہم کرسکتا ہے۔

ثانیاً: اس لیے کہ فقہاء نے اجارہ کے باب میں یہ صراحت کی ہے کہ اگر مستاجر نے اجیر پر یہ شرط نہ لگائی کہ وہ خود کام کرے، تو اس کے لیے جائز ہے کہ کام کسی اور کے سپرد کردے، اور اگر ایسی شرط لگائی اور وہ کام عامل کے اختلاف سے مختلف ہوسکتا ہے تو اجیر کے لیے جائز نہیں کہ کام کسی اور سے کرائے۔

"وإذا شرط عمله بنفسه بأن يقول له: إعمل بنفسك أو بيدك لا يستعمل غيره ولو غلامه أو أجيره، لأن عليه العمل من محل معين فلا يقوم غيره مقامه... في العناية وفيه تأمل، لأنه إن خالفه إلى خير بأن يستعمل من هو أصنع منه أو سلم دابة أقوى من ذلك ينبغي أن يجوز، وأجاب السائحاني بأن ما يختلف بالمستعمل فإن التقييد فيه مفيد... وإن أطلق كان له أي للأجير أن يستاجر غيره" (درمع الرد ۶/۱۸)۔

(جب اسی کے عمل کی شرط لگائی، بایں طور کہ اس سے کہے کہ تو بذات خود یا اپنے ہاتھ سے کرنا، تو وہ دوسرے سے کام نہ لے، اگرچہ وہ اس کا غلام ہو یا اجیر ہو، اس لیے کہ محل معین کی جانب سے عمل کی ذمہ داری اس پر ہے، لہٰذا دوسرا اس کے قائم مقام نہ ہوگا... عنایہ میں ہے کہ یہ امر محل غور ہے، کیونکہ اگر اس سے بہتر عامل کو سپرد کرکے شرط کی مخالفت کی کہ وہ اس سے اچھا کاریگر ہے یا اس (مشروط) سے قوی تر چوپایہ حوالہ کیا تو جائز ہونا چاہیے، سائحانی نے یہ جواب دیا کہ جو مطلوب سے مختلف ہو تو وہاں تقیید مفید ہوگی... اور اگر معاملہ مطلق ہے تو اس کے لیے دوسرے کو اجیر بنانا جائز ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب معاملہ مطلق ہو تو عاقد ہی کا عمل شرط نہیں بلکہ وہ دوسرے شخص سے کام کروا سکتا ہے، اور استصناع کو بھی اجارہ سے مشابہت ہے، حتی کہ بعض کے نزدیک اجارہ ہی ہے، اس لیے یہاں بھی یہ صورت جائز ہوگی، خصوصاً جب کہ مالیاتی ادارہ سے معاملہ کرنے والا جانتا ہے کہ ادارہ خود عمل انجام نہیں دیتا، بلکہ دوسرے ہی سے کام لیتا ہے۔

جواز کی شرطیں:

یہ عقد ربا کو مستلزم ہوسکتا ہے، اس لیے مندرجہ ذیل امور کا لحاظ ضروری ہے:

۱ — دونوں عقد منفصل ہوں، ایک دوسرے کے ساتھ مشروط نہ ہوں، اور اس طرح باہم منسلک نہ ہوں کہ ان میں سے ایک کے حقوق اور ذمہ داریاں دوسرے عقد کے حقوق اور ذمہ داریوں پر موقوف ہوں۔

۲ — مالیاتی ادارہ مستصنع کو صانع کے ساتھ عقد کا مکلف نہ بنائے، اور نہ اس کو نگرانی اور شئی مصنوع پر خود قبضہ وغیرہ کرنے کے

لیے وکیل بنائے ۔

۳— یہ معاملہ تیسرے فریق سے ہو، جس کا مستصنع سے کوئی ربط نہ ہو ۔

۴— ادارہ شئی مصنوع کو اولاً اپنی تحویل میں لے، پھر استقرار ملک کے بعد مستصنع کو حوالہ کرے (مستفاد از اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/ ۱۵۳، فقہ المعاملات ۱/ ۲۷۲— شاملہ) ۔

بیعانہ کی رقم نہ لوٹانا :

فقہ کی اصطلاح میں اسے بیع العربان کہا جاتا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ کوئی کسی سے سامان خریدے اور بائع کو کوئی رقم اس شرط پر دے کہ اگر اس نے سامان لے لیا، تو وہ ثمن میں شمار ہوگی، ورنہ وہ بائع کی ملک ہوگی (الموطا ۴/ ۸۷۹، رقم: ۲۲۵۷، المغنی ۴/ ۳۱۲) ۔

اس باب میں روایات مرفوعہ اور آثار صحابہ اور تابعین اور مذاہب ائمہ مختلف ہیں :

احادیث مرفوعہ :

(۱) عن زید بن أسلم : أن النبي أحل العربان في البيع (اخرجه ابن أبي شيبه في مصنفه رقم ۲۳۱۹۵ — هذا مرسل وفيه هشام بن سعد المدني. قال الحافظ : في التقريب (۷۲۹۴) صدوق له أوهام ورمي بالتشيع. وروي من طريق الأسلمي عند عبد الرزاق (۲۳۲۰۰) وهو إبراهيم بن محمد بن أبي يحى الأسلمي وفي التقريب (۲۳۱) متروك من السابعة) ۔

(۲) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، أن النبي نهى عن بيع العربان (سنن ابن الماجه (۲۱۹۲) ومالک فی مؤطاء (۲۲۵۷) وأحمد في مسنده (۲۷۲۳) . وأبو داؤد في سننه (۳۵۰۲) إلا أن الجميع لم يذكر اسم الراوي الذي روى عن مالک إلا ابن ماجه، قال الحافظ : في تلخيص الحبير وفيه راو لم يسم. وسمي في رواية ابن ماجة، عبد الله بن عامر الأسلمي، وقيل هو ابن الهيعة وهما ضعيفان) ۔

حدیث اول سے اجازت ثابت ہوتی ہے، جبکہ حدیث ثانی سے ممانعت ثابت ہو رہی ہے ۔

آثار صحابہ :

"أن نافع بن عبد الحارث إشترى دار السجن من صفوان بن أمية بأربعة الاف درهم، فإن رضي عمر فالبيع له وان عمر لم يرض فاربع مائة لصفوان" (اخرجه ابن ابی شیبه فی مصنفه (۲۳۲۶۲ بترقیم عوامه) والبخاری تعلیقا فی باب الربط والحبس فی الحرم) ۔

(نافع بن عبد الحارث نے صفوان بن امیہ سے حضرت عمر کے لیے چار ہزار درہم میں ایک مکان خریدا کہ اگر عمر راضی ہو گئے تو بیع انہی کے لیے، اور راضی نہ ہوئے تو چار سو درہم صفوان کی ملک ہوں گے) ۔

اس سے اجازت ثابت ہوتی ہے جبکہ ابن قدامہ نے ابن عباس سے عدم جواز نقل کیا ہے (مغنی ۴/ ۳۱۲) ۔

آثار تابعین :

(۱) عن سعيد بن المسيب قال : "لا عربون في ودک، ولا علف ولا طعام والعربون في غيرهن" (مصنف ابن ابی شیبہ ۷/ ۲۳۱۹۵) ۔

(۲) عن مجاهد: "كان لا يرى بالعربون بأساً"۔

(۳) عن ابن سيرين: "أنه كان لا يرى بأساً أن يعطي الرجل العربون الملاح, أو غيره فيقول: جئت به إلى كذا و كذا وإلا فهو لك"۔

(۴) عن عطاء وعن ابن طاؤس عن أبيه: "أنهما كرها العربان في البيع"۔

یعنی مجاہد اور ابن سیرین جواز کے اور عطاء و طاؤس کراہت کے اور ابن المسیب تفصیل کے قائل ہیں۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس باب میں کوئی صحیح حدیث مرفوع ثابت نہیں، جواز کی روایت مرسل ہونے کے ساتھ ضعف سے خالی نہیں اور نہی کی روایت موصول ہے لیکن راوی متکلم فیہ ہے، نیز عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سند کے قابل احتجاج ہونے میں محدثین کے درمیان اختلاف ہے، تاہم روایت کے دیگر طرق ہیں، جن کی طرف حافظ نے اشارہ کیا ہے (دیکھئے: تلخیص الحبیر ۳/ ۴۴)۔ نیز جس راوی کے مبہم ہونے کی وجہ سے کلام ہے، امام مالکؒ نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔

اس لیے نہی والی روایت قابل احتجاج ہے، بلکہ اباحت والی روایت سے راجح ہے۔ جیسا کہ شوکانی فرماتے ہیں:

"والأولى ما ذهب إليه الجمهور, لأن حديث عمرو بن شعيب قد ورد من طرق قوى يقوى بعضها بعضا ولأنه يتضمن الحظر وهو أرجح من الإباحة كما تقرر في الأصول"۔

البتہ صحابی کا اثر اباحت والی روایت کے موافق ہے لیکن عقد کی تفصیل میں الفاظ مختلف وارد ہونے کی وجہ سے مصرح نہیں، جبکہ ابن عباس سے عدم جواز منقول ہے۔

مذاہب ائمہ:

جمہور ائمہ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، اور حنابلہ میں ابوالخطاب عدم جواز کے قائل ہیں جبکہ حنابلہ کے مذہب میں یہ صورت جائز ہے۔

دلائل: ان کے مذہب کا مبنی نافع بن حارث کا مذکورہ اثر ہے، اور جمہور حدیث عمرو کے علاوہ اصولی استدلال بھی پیش کرتے ہیں:

الف— یہ اکل اموال الناس بالباطل کا مصداق ہے۔

ب— اس میں غرر ہے۔

ج— اس میں دو شرط فاسد ہیں: (۱) بیعانہ کے ہبہ کی شرط۔ (۲) عدم رضا کی صورت میں مبیع کو لوٹانے کی شرط۔

د— یہ بائع کے لیے بلا کسی عوض کے شرط ہے۔

ہ— یہ بمنزلہ خیار مجہول کے ہے (الموسوعۃ الفقہیۃ ۹/ ۹۴)۔

تردید:

جن محققین نے جواز کا قول اختیار کیا ہے، ان کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اکل مال بالباطل نہیں، اور نہ بلا عوض ہے بلکہ اس تعطل اور انتظار کے ضرر کے مقابلہ میں ہے، جو بائع کو لاحق ہوا، اور عقد میں مشروط ہونے کی وجہ سے مشتری کی رضا بھی شامل ہے، اور نہ اس

میں غرر ہے، کیونکہ مبیع وثمن معلوم ہے اور تسلیم پر قدرت بھی حاصل ہے، البتہ یہ غرر کہ مشتری شراء سے انکار کرسکتا ہے مضر نہیں، کیونکہ یہ غرر تو خیار شرط اور خیار رؤیت وغیرہ میں بھی ہوتا ہے، اور انتظار کی مدت متعین کردینے کی صورت میں خیار مجہول بھی نہیں، رہا شرط فاسد کا مسئلہ تو یہ منصوص نہ ہونے کی وجہ سے خود مختلف فیہ ہے، اسی وجہ سے حنفیہ کے یہاں بھی جس شرط فاسد کا تعامل ہوجائے وہ "المسلمون عندشروطهم ماوافق الحق" (الدارقطنی ۹۹) کی وجہ سے فاسد نہیں اور حضرت عمر سے منقول ہے : "مقاطع الحقوق عندالشروط" (البخاری تعلیقا، والنسائی وغیرہ موصولا ۲۹۲ السنن الکبری للبیہقی ۱۴۸۲۶)۔

نیز امام بخاری نے ابن سیرین سے نقل کیا ہے :

"قال رجل لكريه : أرحل فإن لم أرحل معك يوم كذاوكذا فلك مائة درهم فلم يخرج فقال شريح : من شرط على نفسه طائعاغير مكره فهو عليه" (صحیح البخاری باب ما یجوز من الاشتراط، المدخل الفقہی ۱/ ۴۹۵، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۱۲۰)۔

اسی وجہ سے محققین عصر میں مصطفی الزرقاء، وہبہ الزحیلی، یوسف القرضاوی، عبدالرزاق سنہوری اور ابورخیہ نے جواز کا قول اختیار کیا ہے (دیکھئے مقالہ بیع العربون اعداد ڈاکٹر رفیق یونس مصری – شاملہ)۔

الغرض مسئلہ مختلف فیہ ہے، دونوں مذہب سلف کے اقوال سے مؤید ہیں، لیکن احتیاط کا مقتضی یہی ہے کہ عدم جواز کا قول اختیار کیا جائے، تاہم ضرورت وحاجت کے وقت دوسرے قول کو اختیار کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

چنانچہ عقد استصناع میں صانع آرڈر کے مطابق مال تیار کردے، لیکن خریدار اس کو لینے سے مکر جائے تو صانع بیعانہ کی رقم سے اپنے نقصان کی تلافی کرسکتا ہے، یا رقم واپس دینے سے انکار کرسکتا ہے، لیکن بہتر ہے کہ عقد کے وقت معاملہ اسی طرح طے ہوجائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

استصناع اور اجارہ :

استصناع کو اجارہ کے ساتھ من وجہ مشابہت ہے، حتی کہ بعض فقہاء نے اسے اجارہ محض قرار دیا ہے، تاہم محققین کی رائے میں یہ اجارۂ محضہ نہیں۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں : "إذلا يمكن -أى الاستصناع- إجارة، لأنه استيجار على العمل في ملك الأجير، وذلك لايجوز" (فتح القدیر ۱۶/ ۲۳) (ممکن نہیں کہ استصناع اجارہ ہو، اس لیے کہ یہ اجیر کی ملکیت میں عمل پر اجارہ کو طلب کرنا ہے اور یہ جائز نہیں)۔

چنانچہ استصناع اور اجارۃ میں بنیادی دو فرق معلوم ہوتے ہیں :

۱ – اجارہ میں محل عقد "عمل" ہوتا ہے جبکہ استصناع میں محل عقد "عین موصوفہ فی الذمہ" یا "عین وعمل" کا مجموعہ ہے۔

علامہ سرخسی بیوع کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"بيع عمل، العين فيه تبع، وهو الاستئجار ... وبيع عين، شرط فيه العمل، وهو الاستصناع" (المبسوط ۱۵/ ۱۵۵)۔

وفي المحيط البرهاني "أن المستصنع طلب منه العمل والعين جميعًا فلابد من اعتبارهما جميعًا" (المحیط البرہانی ۷/ ۳۰۰)۔

۲ — اجارہ میں عامل محض عمل کا مکلف ہوتا ہے، شئی اور میٹریل مستاجر فراہم کرتا ہے، اور استصناع میں صانع اپنا ہی مال لگاتا ہے، یہ فرق ابن ہمام کی مذکورہ عبارت سے ثابت ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی چیز کا آرڈر دیا جائے اور مصنوع کے لیے درکار میٹریل خود خریدار فراہم کردے تو یہ عقد استصناع نہیں بلکہ اجارہ کے حکم میں ہوگا، اور اس صورت میں شئی آرڈر کے مطابق نہ ہو تو عقد کو فسخ کرنے کا اختیار تو نہیں لیکن یہ اختیار ہے کہ اس کو نقصان کا ضامن بنائے۔

شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں:

"إذا سلم حديدا إلى حداد ليصنعه إناء مسمى بأجر مسمى فإنه جائز و لا خيار له فيه إذا كان مثل ما سمي، لأن ثبوت الخيار للفسخ حتى يعود إليه رأس ماله فيندفع الضرر به و ذلك لا يتاتى هنا فان بعد اتصال عمله بالحديد لا وجه لفسخ العقد فيه فأما في الاستصناع المعقود عليه العين وفسخ العقد فيه ممكن فلهذا ثبت خيار الرؤية فيه، و لأن الحداد هنا يلتزم العمل بالعمل في ذمته ولا يثبت خيار الرؤية فيما يكون محله الذمة كالمسلم فيه فأما في الاستصناع المقصود هو العين و العقد يرد عليه... وإن أفسده الحداد فله أن يضمنه حديدا مثل حديده ويصير الإناء للعامل وإن شاء رضي به وأعطاه الأجر الخ"

(مبسوط ۱۵/ ۵۵، نحوہ فی البدائع ۵/ ۴)۔

(جب لوہا لوہار کے سپرد کیا کہ وہ متعینہ برتن معین اجرت کے بدلہ تیار کرے تو یہ جائز ہے، اور اسے اختیار نہ ہوگا، جب وہ معین کے موافق ہو، اس لیے کہ خیار فسخ کے لیے ہوتا ہے تاکہ وہ راس المال واپس لے لے اور اس کے ذریعہ ضرر کو دفع کرے، اور یہاں یہ مقصد حاصل نہیں ہوگا، اس لیے کہ لوہے کو کام میں لگا لینے کے بعد عقد کو فسخ کرنے کی کوئی صورت نہیں، ہاں استصناع میں معقود علیہ عین ہے اور فسخ عقد ممکن ہے، اس لیے اس میں خیار رؤیت ثابت ہے، اور اس لیے کہ یہاں لوہار نے عقد کے ذریعہ اپنے ذمہ عمل کا التزام کیا ہے اور خیار رؤیت وہاں ثابت نہیں ہوتا جہاں محل ذمہ ہو جیسے مسلم فیہ، جبکہ استصناع میں مقصود عین ہے اور وہی معقود علیہ ہے... اور اگر لوہار اس کو خراب کردے تو جائز ہے کہ اس کو اس جیسے لوہے کا ضامن بنائے اور برتن عامل کے لیے ہو جائے گا، اور اگر چاہے تو اسی پر راضی رہے اور اسے اس کے عمل کی اجرت دیدے)۔

مقررہ تاریخ پر سامان فراہم نہ کرنے پر تاوان:

فقہ قانونی میں اس قسم کے تاوان کو شرط جزائی کہا جاتا ہے، جس کی تعریف ان الفاظ میں کی جاتی ہے: "الجزاء المرتب على الإخلال بالشرط" یعنی شرط کی خلاف ورزی پر مرتب ہونے والی جزاء، یا "هو اتفاق بين المتعاقدين على تقدير التعويض" یعنی متعاقدین کا معاوضہ کی ادائیگی پر اتفاق کرلینا، پھر کبھی یہ اتفاق عقد کے وقت ہوتا ہے، اور کبھی عقد کے بعد اور ضرر کے لاحق ہونے سے پہلے ہوتا ہے (دیکھئے مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی عدد ۷— شامنہ)۔

اس قسم کی شرط کے حکم کو ذکر کرنے سے پہلے چند قابل لحاظ امور ذکر کیے جاتے ہیں:

(۱) عقود میں صحیح اور فاسد شروط کی تفصیل منصوص نہیں، کیونکہ اس باب میں بنیادی تین روایتیں ہیں جو باہم مختلف ہیں

۱- حدیث ابی ھریرۃ: اس کی صحت پر اتفاق ہے اور شیخین نے مختلف طرق سے اس کی تخریج کی ہے (صحیح بخاری ۱/۲۵۱، صحیح مسلم ۱۵۰۴)۔ اس میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے: "من اشترط شرطا لیس فی کتاب اللہ فھو باطل"۔

۲- حدیث جابر: یہ روایت بھی متفق علیہ ہے (صحیح بخاری ۱۸/۲۷۸، صحیح مسلم ۷۰۰)۔ اس حدیث میں یہ واقعہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک اونٹ خریدا تھا اور حضرت جابر نے مدینہ منورہ تک سواری کی شرط لگائی تھی لیکن اس کے الفاظ میں اضطراب ہے (تفصیل کے لیے دیکھئے تکملہ فتح الملہم ۱/۲۹۰)۔

۳- حدیث: النھی عن بیع و شرط: یہ روایت عبداللہ بن عمروؓ سے منقول ہے، البتہ امام ابوحنیفہ کے طریق میں یہ الفاظ: "نھی عن الشرط فی البیع" اور سنن ترمذی و ابوداؤد وغیرہ کے الفاظ ہیں: "ولا شرطان فی بیع"۔

اول کے متعلق ابن تیمیہ کی تحقیق یہ ہے کہ:

"قد ذکرہ جماعۃ من المصنفین فی الفقہ، ولا یوجد فی شیء من دواوین الحدیث، وقد أنکرہ أحمد وغیرہ من العلماء، وذکروا أنہ لا یعرف، وأن الأحادیث الصحیحۃ تعارضہ" (مجموع الفتاوی ۲۹/۱۳۲)۔

لیکن حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے اعلاء السنن میں اس کا جواب دیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ممکن ہے، دونوں متن حضرت عمرو سے منقول ہوں، یا امام ابوحنیفہؒ نے روایت کے منشاء کے پیش نظر روایت بالمعنی کیا ہو (تکملہ فتح الملہم ۱/۲۹۰)۔

۴- النھی عن الثنیا: جس میں استثناء سے منع کیا گیا ہے، صحیح مسلم میں یہ روایت مطلق ہے لیکن نسائی اور ترمذی میں "إلا أن تعلم" کی قید موجود ہے، یعنی وہ استثناء جو مفضی الی الجہالت ہو منع ہے (صحیح مسلم ۲/۱۵۳، نسائی ۷/۱۸۹، ترمذی ۱۲۹۰)۔

(۲) شرط کے باب میں متفق علیہ امور:

عقد میں شرط کے جواز اور عدم جواز کا مسئلہ اگرچہ مختلف فیہ ہے جس کی تفصیل ہماری بحث سے خارج ہے، تاہم کچھ امور متفق علیہ ہیں:

۱- صلب عقد میں لگائی جانے والی شرط مؤثر ہے، عقد سے پہلے یا بعد کی شرط عقد میں مؤثر نہیں۔

۲- جو فی نفسہ حرام ہو۔

۳- جو شرط غرر کو مستلزم ہو۔

۴- جو شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو، یہ تینوں قسم بالاتفاق باطل ہے۔

۵- وہ شرط تحت القدرت ہو، ورنہ وہ کالعدم ہوگی۔

۶- جو شرط مقتضائے عقد کے موافق ہو یا اس کے لیے مؤکد ہو یا ملائم ہو، بالاتفاق معتبر ہے، اور حنفیہ کے یہاں جس شرط کا تعامل ہو جائے اور عرف اس کا متقاضی ہو وہ بھی معتبر ہے۔

۷- جس شرط پر نص وارد ہوئی ہو، بالاتفاق معتبر ہے جیسے خیار شرط، خیار رؤیت وغیرہ۔

(۳) عقود و شروط کے باب میں ضابطہ:

معاملات، عقود اور شروط وغیرہ میں اصل اباحت ہے، جب تک اس اصل سے تخصیص پر کوئی دلیل قائم نہ ہو۔

اس باب میں کچھ کبار محققین کی عبارات ذیل میں پیش کی جاتی ہیں :

۱—حضرت امام شافعی (م ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں :

"إن أصل البيوع كلها مباح إذا كانت برضى المتبايعين الجائزي الأمر فيما تبايعا، إلا ما نهى عنه رسول الله منها وما كان في معنى ما نهى عنه رسول الله ﷺ محرم بإذنه داخل في معنى المنهي عنه (الام ۳/۳)۔

۲-"أوفوا بالعقود" کی تفسیر میں امام ابوبکر جصاص رازی حنفی (م ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں :

"واقتضى أيضا على إلزام الوفاء بعقود البياعات والإجارات والنكاحات وجميع ما يتناول إسم العقود فمتى اختلفا في جواز عقده أو فساده وفي صحة نذر و لزومه صح الاحتجاج بقوله تعالى :"أوفوا بالعقود" لاقتضاء عمومه جواز عمومها من الكفالات والإجارات والبيوع وغيرها، ويجوز الاحتجاج به في جواز الكفالة بالنفس والمال وجواز تعلقها على الأخطار لأن الآية لم تفرق بين شيئ منها وقولها -والمسلمون عند شروطهم- في معنى قول الله تعالى :"أوفوا بالعقود" وهو عموم في إيجاب الوفاء بجميع ما يشترط الإنسان على نفسه مالم تقم دلالة تخصصه" (احکام القرآن بیروت ۳/۲۸۷)۔

تنبیہ : عقود وشروط کی یہ تقسیم ابن تیمیہ سے قبل ابن حزم نے بھی کی ہے (دیکھئے الاحکام فی اصول الاحکام ۵/۸، قاہرہ)۔ اور انہوں نے اول کو اختیار کیا ہے، جس کی ابن تیمیہ تردید کررہے ہیں، اور اس سے زیادہ پرزور تردید ابن قیم کے کلام میں ہے (دیکھئے : اعلام الموقعین ۱/۳۴۴)۔

تاہم حنفیہ وشافعیہ کا مذہب ابن حزم سے مختلف ہے، جیسا کہ ابن تیمیہ کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے، پھر یہ ابن تیمیہ کا تجزیہ ہے، ورنہ سابق میں امام شافعی اور محققین حنفیہ کا کلام درج کیا جاچکا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات بھی قاعدۂ ثانیہ پر اپنے مذہب کی بناء رکھتے ہیں، البتہ یہ ضرور ہے کہ حنابلہ کے یہاں حنفیہ وشافعیہ کے بہ نسبت اس باب میں توسع ہے۔

۵—علامہ شاطبی نے موافقات میں عبادات ومعاملات کے درمیان فرق کرتے ہوئے ایک اصول درج کیا ہے :

"والقاعدة المستمرة في أمثال هذه التفرقة بين العبادات والمعاملات ... لأن الأصل فيها التعبد دون الالتفات إلى المعاني والأصل فيها أن لا يقدم عليها إلا بإذن، إذ لا مجال للعقول في اختراع التعبدات، فكذلك ما يتعلق بها من الشروط، وما كان من العاديات يكتفي فيه بعدم المنافاة، لأن الأصل فيها الالتفات إلى المعاني دون التعبد، والأصل فيها الإذن حتى يدل الدليل على خلافه"۔ یعنی عبادات اور اس کی شرائط تعبدی ہیں اور امور عادیہ اور معاملات میں اصل اباحت ہے جب تک اس کے خلاف دلیل قائم نہ ہو۔

شرط جزائی کا حکم :

شرط جزائی امور مستحدثہ میں سے ہے، جس کا حکم قرآن وسنت میں منصوص نہیں، بلکہ متقدمین فقہاء کے کلام میں بھی اس کی تصریح نہیں، لہٰذا اس کی تخریج کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں :

۱—نظائر پر قیاس کیا جائے۔ ۲—اصول عامہ سے استنباط کیا جائے۔

شرط جزائی کے نظائر :

۱— عربون :

عربون مشتری کی جانب سے عقد کو رد کیے جانے پر لاحق ہونے والے ضرر کا معاوضہ ہے، اور شرط جزائی وقت پر مبیع فراہم نہ کرنے کی وجہ سے لاحق ہونے والے ضرر کا معاوضہ ہے۔

مصطفی زرقاء لکھتے ہیں : "إن طریقة العربون هي أساس لطريقة التعهد بتعويض ضرر الغير عن التعطيل والانتظار"۔

البتہ عربون اور شرط جزائی میں درج ذیل فرق ہیں:

۱— عربون عقد کے مردود ہونے کی صورت میں معاوضہ ہے، جبکہ شرط جزائی تسلیم مبیع میں تاخیر کی وجہ سے ہے۔

۲— عربون میں مشتری کو عقد کی تردید کا اختیار ہوتا ہے، جبکہ یہاں بائع کی طرف سے اس امر کی خلاف ورزی ہے، جس کا خود اس نے التزام کیا تھا۔

تاہم دونوں تعطل وانتظار کے ضرر میں مشترک ہیں، اس لیے اگر ضرورت کی وجہ سے عربون کی گنجائش ہے، تو شرط جزائی کی بھی گنجائش ہوگی، اور اگر تاخیر پر معاوضہ پہلے سے طے ہو جائے، تو اس کا مستند ابن سیرین اور عطاء کا وہ قول ہوگا، جس کا تذکرہ عربون کے بیان میں گذر چکا ہے۔

۲— شرط جزائی کی دوسری نظیر رہن و کفالت کو قرار دینا ممکن ہے، کیونکہ جو شرط عقد کی مصلحت کی خاطر ہو، شرط صحیح ہے، اور اس کا ایفاء واجب ہے، جیسے رہن و کفالت ایسے ہی شرط جزائی بھی عقد کی مصلحت کے خاطر ہے، کیونکہ یہ وقت موعود پر مبیع کی تسلیم میں مؤثر و مساعد ہے، جیسے رہن و کفالت دین کی وصولی میں معین ہے۔

البتہ دونوں میں اس اعتبار سے فرق ہے کہ رہن مال کے ذریعہ اپنا حق وصول کرنے کا ایک وثیقہ ہے، یہاں کوئی تاوان نہیں اور شرط جزائی میں تاخیر کے ضرر کا معاوضہ ہے اور تاوان ہے، یہ ایک بنیادی فرق ہے، اس لیے اسے نظیر قرار دینا مشکل ہے، ہاں اس حد تک اس نظیر سے اعتبار ممکن ہے کہ یہ عقد کی مصلحت سے متعلق شرط ہے، لہٰذا شرط فاسد نہیں کہ عقد اس کی وجہ سے فاسد ہو جائے، ورنہ تاوان کے جواز پر استیناس مشکل ہے۔

۳— اجارہ کی ایک صورت :

فقہاء نے اجارۃ کے باب میں ایک صورت ذکر کی ہے، کسی نے درزی سے کہا : **"إن خطته اليوم فبدرهم أو غدا فبنصف درهم"** یعنی آج اگر سل کر دیگا تو ایک درہم اجرت اور کل دیا تو نصف درہم اجرت دونگا۔ یہ صورت فقہاء کے درمیان مختلف فیہ ہے :

۱— امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ شرط اول صحیح ہے، چنانچہ اگر آج سل کر دیا تو ایک درہم کا مستحق ہے اور اگر کل دیا تو اجرت مثل واجب ہے جو نصف درہم سے نہ کم ہو نہ زیادہ۔

۲— امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ دونوں شرط صحیح ہے، یہی امام احمدؒ کی ایک روایت ہے۔

۳— امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ دونوں شرط فاسد ہے اور عقد فاسد ہے، یہی مالکیہ اور شافعیہ کا مذہب ہے، اور امام احمد کی دوسری روایت ہے، ان کے نزدیک اس صورت میں اجرت مثل واجب ہوگی (المغنی ۶/۹۸، مختصر اختلاف العلماء للطحاوی ۳/۱۳، شرح مختصر الخلیل ۷/۱۵)۔

الغرض! اس مسئلہ سے معلوم ہوا کہ تاخیر کی وجہ سے اجرت میں کمی بعض فقہاء کے نزدیک جائز ہے، لہٰذا مبحوث عنہ مسئلہ میں اس سے استیناس کیا جاسکتا ہے کہ استصناع میں اگر ابتداء ہی سے اس طرح معاملہ طے کیا جائے کہ مبیع مثلاً پندرہ دن پر سپرد کی تو قیمت مثلاً ایک ہزار اور اگر اس سے تاخیر کی تو ہر دن کے حساب سے مثلاً دس روپے کم کردیئے جائیں گے، تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

اصول عامہ سے استنباط:

شرط جزائی کے حکم کی تخریج کی دوسری صورت یہ ہے کہ اصول عامہ سے استدلال کیا جائے۔

۱— یہ اصول ثابت کیا جاچکا کہ عقود وشروط اور معاملات میں اصل اباحت ہے اور جب تک دلیل سے حرمت ثابت نہ ہو، اسے حرام قرار نہیں دیا جائے گا، اس کا تقاضہ ہے کہ شرط جزائی کی اجازت ہو جب کہ عاقدین پہلے سے اس پر اتفاق کریں۔

۲— اس ضمان کی مشروعیت سے حقوق العباد کے ساتھ کھلواڑ اور بہت سے مفاسد کا سد باب ہے، لہٰذا "لا ضرر ولا ضرار" اصول کے تحت اس کی اجازت ہونی چاہیے۔

۳— "المسلمون علی شروطهم إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما" اصول بھی اسی کا متقاضی ہے۔

۴— "الضرر يزال" اصول کا یہ مطالبہ ہے، کیونکہ کبھی ازالہ کی صورت تعویض ہی ہوتی ہے۔

۵— قاضی شریح کا یہ ارشاد "من شرط علی نفسه طائعا غير مكره فهو عليه" بھی اس کا مؤید ہے۔

عقد استصناع عصر جدید کے تناظر میں

مفتی محمد اشرف قاسمی گونڈوی ☆

استصناع کے لغوی معنی ہیں: ''کسی سے کوئی چیز بنوانا'' اصطلاح شرع میں بھی اسی معنی میں اس کا اطلاق ہوتا ہے، البتہ یہاں کچھ شرائط وقیود کے ساتھ معاوضہ بھی طے ہوتا ہے۔

وأما شرعا فهو طلب العمل منه في شيء خاص علی وجه محصوص (شامیہ ۷/ ۴۷۴)۔

اس میں کبھی اجارہ اور کبھی استصناع اور سلم کی شکلیں ہوتی ہیں جن کی تفصیلات کتب فقہ میں موجود ہیں۔ استصناع کی بنیاد سلم ہے، اس لئے عموماً دونوں کو ایک ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ صح السلم والاستصناع في نحو خف وطست وقمقمة (کنز الدقائق ص ۲۵۷)۔

مستصنع نے صانع کو کسی سامان کے بنانے کا آرڈر دیا اور صانع نے وہ چیز بنادی تو اب آرڈر دینے والے کو وہ چیز لینا ضروری ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں فقہاء کا اختلاف ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے روایت ہے کہ صانع چاہے تو سامان نہ دے، اسی طرح بنوانے والا چاہے تو سامان نہ لے، کیوں کہ مستصنع کو خیار رؤیت حاصل ہے ساتھ ہی بنانے والے کو بھی مال بیچنے کے لئے اپنے مال ''مبیع'' کو دیکھنے کا اختیار رہے۔ اس کے برخلاف حضرت امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ دونوں میں کسی کو خیار رؤیت حاصل نہ ہوگا۔

عن أبي يوسف أنه لا خيار لواحد منهما أما الصانع فلأنه بائع ولا خيار لمن باع مالم يره، وأما المستصنع فلأن الصانع آتلف ماله ليحصل إلى بدله فلو ثبت له الخيار تضرر الصانع فربما لا يرغب فيه غير المستصنع۔۔ الخ (حاشیہ کنز الدقائق حاشیہ ۳ ص ۲۵۷ بحوالہ عینی، فتح، منایہ)۔

ردالمحتار میں اس مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے اس معاملہ کو ابتدائی طور پر ہی بیع قرار دیا ہے، اس لئے فریقین میں سے ہر ایک کو اپنی بات پر قائم رہنا ضروری ہوگا۔ صح الاستصناع بيعا لا عدة على الصحيح فيجبر الصانع على عمله ولا يرجع الآمر عليه (ردالمحتار ۷/ ۴۷۵ زکریا)۔

اگر عقد استصناع کو وقت کے ساتھ مقید کردیا جائے تو اس پر ''سلم'' کے احکام جاری ہوں گے یا صرف ''استصناع'' کے؟ اس سلسلے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ تعیین وقت ''اجل'' سے اس پر سلم کے احکام جاری ہوں گے اور اس میں سلم کی جمیع شرائط کیساتھ ہی معاملہ درست ہوگا، مثلاً پوری قیمت پیشگی دیدی جائے اور مستصنع کو خیار رؤیت نہ ہو وغیرہ اور تعیین وقت میں بھی یہ تفصیل ہے کہ سلم میں ایک ماہ سے کم مدت نہ ہو۔ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جن چیزوں میں ''استصناع'' جاری ہے، ان میں مدت کی تعیین سے ''سلم'' نہیں ہوگا، لہذا ثمن کا

☆ دارالافتاء شہر مہد پور اجین مدھیہ پردیش۔

نقد ہونا، خیار رؤیت اور دوسرے مسائل سلم یہاں ضروری نہیں ہیں اور وہ معاملات جن میں عام طور پر عقد استصناع نہیں ہوتا ہے اگر ان میں عقد استصناع کیا جائے تو بالاتفاق ان میں ''اجل'' سے سلم کے احکام جاری ہوں گے۔

الدر المختار مع الرد میں تعیین اجل کی تقسیم کی گئی ہے :

والاستصناع باجل ذکر علی سبیل الاستمهال لا الاستعجال فانه لا یصیر سلما سلم فتعتبر شرائطه جری فیه تعامل ام لا وقالا الاول استصناع ۔۔الخ (ردالمحتار)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر کام کی تکمیل کے لئے وقت مانگا جائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ اجل معاملہ کو سلم سے بدل دے گا اور اس میں سلم کے شرائط نافذ ہوں گے اور اگر مستصنع کے پیش نظر جلد سے جلد حصول ہو اور اس کے لئے اس نے وقت متعین کیا تو اس اجل سے معاملہ سلم کے دائرے میں نہیں آئیگا، اس کی مزید وضاحت کنز الدقائق کے محشی نے عینی و فتح کے حوالے سے کی ہے جس میں ایک اور بات بھی نقل کی ہے کہ اگر مستصنع کی طرف سے وقت کی تعیین ہو تو استصناع ہوگا اور اگر صانع کی طرف سے وقت کی تعیین ہو تو سلم ہوگا۔

وهذا إذا ذكر الأجل على سبيل الاستمهال أي تاخير المطالبة بالتسليم، وان ذكره على وجه الاستعجال بأن قال على أن تفرغ عنه غدا أو بعد غد يكون استصناعا، لأن ذكر الأجل حينئذ للفراغ لا لتاخير المطالبة، وقيل إن ذكر أدنى مدة يتمكن فيها من العمل فهو استصناع، وإن كان أكثر من ذلك فهو سلم، وفصل الهندواني ان ذكر الاجل ان كان من قبل المستصنع فهو للاستعجال فلا يصير سلما وإن من قبل الصانع فهو الاستمهال فيكون سلما، عيني وفتح (کنز الدقائق ص ۲۵۷ حاشیہ ۵)۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ عقد استصناع اور سلم میں کافی مماثلت ہے، اس لئے سلم کی تفصیلات بھی سامنے لانا مناسب ہے، البتہ اس سے قبل استصناع کی ان صورتوں کے بعض احکام جو اجارہ کے زمرے میں آتے ہیں ذیل میں پیش ہیں :

اجارہ میں اجیر دو قسم کے ہوتے ہیں : (۱) اجیر خاص (۲) اجیر مشترک۔

(۱) اجیر خاص وہ ہے جو صرف مستاجر کے ہی کام کا پابند ہو جیسے یومیہ مزدوری کرنے والے۔ گھر یا مکان پر جا کر کام کرنے والے۔

(۲) اجیر مشترک ایک آدمی کے کام کیساتھ دوسروں کا بھی کام کر سکتا ہے جیسے ٹیلر، خیاط۔

اجیر خاص اگر کام مکمل نہ کر سکے تو بھی اپنی مزدوری کا حقدار ہوتا ہے، سامان بنانے میں کمی اور نقص ہو جائے اور اس کی طرف سے تعدی نہ ہو یا سامان ضائع ہو جائے تو وہ ضامن نہ ہوگا اور اپنی اجرت کا حق دار ہوگا۔

في الشامية : **لأنه عمل باذنه ولا يضمن هو لأنه أجير واحد لأستاذه يستحق الأجر بتسليم نفسه في المدة الخ** (شامیہ ۹ / ۱۰۳ زکریا)۔

ولا يضمن ما هلك في يده أو بعمله كتخريق الثوب من دقه إلا إذا تعمل الفساد فيضمن كالمودع (درمع الرد ۹ / ۹۷)۔

چونکہ عقد استصناع کی اساس عقد سلم ہے، اس لئے اس کی بھی تعریف اور جملہ شرائط و احکام درج ذیل ہیں :

سلم کہتے ہیں : **تعجيل احد البدلين قبل حضور المبيع۔**

دوسرے انداز میں یہ تعریف کی گئی ہے :

وھو بیع الشيء علی أن یکون دینا علی البائع بالشرائط المعتبرة (حاشیہ ۵ کنز الدقائق ص ۲۵۳)۔

(سلم، خرید و فروخت کی اس صورت کو کہتے ہیں جس میں قیمت نقد ادا کردی جائے اور سامان ادھار رہے) (بدائع الصنائع جلد ۴)۔

کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ دونوں سے اس کی مشروعیت کا ثبوت ملتا ہے۔ یا أیھا الذین أمنوا إذا تداینتم بدین إلی أجل مسمی فاکتبوہ (البقرہ: ۲۸۲)۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ آیت بیع سلم کو جائز قرار دیتی ہے، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے: من أسلف في شيء فلیسلف في کیل معلوم و وزن معلوم إلی اجل معلوم (بخاری کتاب السلم ۱/ ۲۹۸، مسلم ۲/ ۳۱، باب السلم)۔

معاملات طے کرتے وقت اصطلاحی الفاظ، خاص اہمیت رکھتے ہیں "سلم" کے سلسلے میں بھی اس کی اہمیت کے پیش نظر فقہاء کے درمیان اصطلاحی وغیر اصطلاحی الفاظ سے عقد سلم کے انعقاد اور عدم انعقاد کا اختلاف موجود ہے لیکن الفاظ اصطلاحی کی اہمیت کے باوجود اس میں اگر ارکان وشرائط سلم پائے جاتے ہیں تو "اصطلاحی وفقہی" الفاظ کے اپنے الگ الگ معنی و مراد کے بجائے عقد سلم منعقد ہوجانا چاہئے، خواہ اس کو بیع سے تعبیر کیا جائے یا سلم سے۔

سلم کے ارکان میں ایجاب وقبول ACCEPTENCE @ OFFER ہے۔ ایک طرف سے پیش کش اور دوسری طرف سے قبول ACCEPTENCE کا اظہار ہو۔

أما رکنه أن تقول لآخر: أسلمت إلیک عشرة دراھم في کر حنطة و أسلفت و یقول الآخر: قبلت و ینعقد السلم بلفظ البیع في روایة الحسن وھو الأصح اھ (فتاوی ھندیہ ۳/ ۱۹۳)۔

اسکے بعد پانچ متعلقات ہیں، عام فقہاء، انھیں ارکان سے تعبیر کرتے ہیں، وہ یہ ہیں:

۱— خریدار، اس کو رب السلم یا "مسلم" کہتے ہیں:

۲— فروخت کنندہ، اس کو مسلم الیہ کہا جاتا ہے۔

۳— قیمت COST، جو خریدار نقد ادا کرتا ہے اس کو رأس المال کہتے ہیں۔

۴— سامان، جو ادھار ہو "مسلم فیہ" کہلاتا ہے۔

۵— پورے مجموعے معاملہ پر "عقد سلم" کا اطلاق ہوتا ہے۔

فالمبیع یسمی مسلما فیه و الثمن رأس المال و البائع مسلما إلیه و المشتری رب السلم (کنز الدقائق ۵/ ۲۵۳)۔

اس معاملہ سے متعلق شرطیں بھی تین طرح کی ہیں: ایک وہ جو نفس معاملہ سے متعلق ہو، دوسرے وہ جو رأس المال یا قیمت سے متعلق ہیں، تیسرے وہ جو "مسلم فیہ" یعنی سامان سے متعلق ہیں۔

نفس معاملہ سے متعلق ایک شرط یہ ہے کہ فریقین میں سے کسی نے اپنے لئے خیار شرط نہ حاصل کیا ہو کہ وہ تین دنوں تک غور و فکر کر کے ایک طرفہ طور پر معاملہ ختم کر سکے۔ یہ درست نہیں ہے۔

یأتی خیار الشرط في الإجارة و البیع و لا النکاح و الطلاق و السلم (حاشیہ ۱۰ کنز الدقائق ص ۲۳۰ من الفتح والعینی)۔

۳—صفت متعین ہو۔

۴— مقدار متعین ہو۔

۵—جس چیز سے مقدار متعین ہو یعنی وزن، پیمانہ ناپ وغیرہ اس کے ضائع اور ناپید ہونیکا اندیشہ نہ ہو۔

۶—مبیع ادھار ہو۔

۷— سامان ادا کرنے کی مدت متعین ہو، تعیین مدت ایک ماہ تین دن یا عرف کے مطابق ہو، اقل مدت کے بارے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، استصناع کے ذیل میں کچھ تفصیلات آ چکی ہیں۔

۸— امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ جس سامان پر معاملہ ہوا ہے وہ سامان، معاملہ طے پانے سے لیکر ادائیگی کے وقت تک بازار میں دستیاب ہو۔

لا یجوز السلم حتی یکون المسلم فیه موجودا من حین العقد الی حین المحل حتی لو کان منقطعا عند العقد موجودا عند المحل او علی العکس او منقطعا فیما بین ذالک وھو موجود عند العقد والمحل لا یجوز (فتاوی ہندیہ ۳/۱۹۵)۔

ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک، وقت معاملہ سے لیکر ادائیگی تک بازار میں دستیاب ہونا ضروری نہیں ہے۔ بازار میں سامان مسلسل دستیاب رہنے کی صورت میں ادائیگی پر وثوق حاصل ہوتا ہے اور غرر سے حفاظت رہتی ہے لیکن ایسی صورت میں عام حالات میں رب السلم، پیشگی راس المال (قیمت) دینے کے بجائے بازار سے نقد خرید سکتا ہے، عقد سلم کی حاجت و ضرورت بہت ہی کم ہو جائے گی۔ اس لئے ائمہ ثلاثہؒ کے قول کو اختیار کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۹۔نویں شرط مکان ایفاء کی تعیین ہے (فتاوی ہندیہ ۳/۱۹۵)۔

عقد سلم میں مبیع و ثمن کی تعیین اور امکانی حد تک نزاع کے سدباب کے لئے بعض سامانوں کے اندر پائے جانے والے ابہام کے پیش نظر فقہاء کے درمیان، کچھ چیزوں میں سلم کے جواز و عدم جواز کا اختلاف منقول ہے۔ جانوروں کا گوشت، لکڑی، روئی کے مسائل اسی قبیل سے ہیں لیکن اس زمانہ میں شادی بیاہ اور تقریبات کے موقعوں پر ان میں سلم کے مطابق لوگ معاملہ کرتے ہیں اور چونکہ معاملہ اس طور پر طے کرتے ہیں کہ نزاع نہیں ہوتا ہے، اس لئے ان میں مروج سلم درست ہے: ولا فی الحطب بالحرز ورطبة بالجرز الا اذا ضبط بما لا یؤدی الی النزاع وجاز وزنا (ردالمحتار ۷/۴۸۵)۔

بیع سلم پر درج ذیل احکام مرتب ہوتے ہیں:

۱— راس المال پر قبضہ کرنے کے بعد فروخت کنندہ کی ملکیت قائم ہو جاتی ہے۔

۲—مسلم فیہ یعنی طے شدہ سامان میں قبضہ کرنے سے پہلے تبادلہ کا عمل نہیں ہو سکتا، اس طور پر کہ خریدار بجائے اس کے کوئی دوسری چیز لینے پر آمادہ ہو جائے۔

۳— بیچنے والے کی طرف سے حوالہ اور کفالہ درست ہے۔

۴—مسلم فیہ کے حصول کے لئے رہن رکھنا جائز ہے۔

۳—صفت متعین ہو۔

۴— مقدار متعین ہو۔

۵—جس چیز سے مقدار متعین ہو یعنی وزن، پیمانہ ناپ وغیرہ اس کے ضائع اورنا پید ہونیکا اندیشہ نہ ہو۔

۶—مبیع ادھار ہو۔

۷— سامان ادا کرنے کی مدت متعین ہو، تعیین مدت ایک ماہ تین دن یا عرف کے مطابق ہو، اقل مدت کے بارے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، استصناع کے ذیل میں کچھ تفصیلات آ چکی ہیں۔

۸—امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ جس سامان پر معاملہ ہوا ہے وہ سامان، معاملہ طے پانے سے لیکر ادائیگی کے وقت تک بازار میں دستیاب ہو۔

لا یجوز السلم حتی یکون المسلم فیه موجودا من حین العقد الی حین المحل حتی لو کان منقطعا عند العقد موجودا عند المحل او علی العکس او منقطعا فیما بین ذالک و هو موجود عند العقد و المحل لا یجوز (فتاوی ہندیہ ۳/۱۹۵)۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک، وقت معاملہ سے لیکر ادائیگی تک بازار میں دستیاب ہونا ضروری نہیں ہے۔ بازار میں سامان مسلسل دستیاب رہنے کی صورت میں ادائیگی پر وثوق حاصل ہوتا ہے اور غرر سے حفاظت رہتی ہے لیکن ایسی صورت میں عام حالات میں رب السلم، پیشگی راس المال (قیمت) دینے کے بجائے بازار سے نقد خرید سکتا ہے، عقد سلم کی حاجت وضرورت بہت ہی کم ہو جائے گی۔ اس لئے ائمہ ثلاثہ کے قول کو اختیار کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۹۔نویں شرط مکان ایفاء کی تعیین ہے (فتاوی ہندیہ ۳/۱۹۵)۔

عقد سلم میں مبیع وثمن کی تعیین اور امکانی حد تک نزاع کے سد باب کے لئے بعض سامانوں کے اندر پائے جانے والے ابہام کے پیش نظر فقہاء کے درمیان، کچھ چیزوں میں سلم کے جواز وعدم جواز کا اختلاف منقول ہے۔ جانوروں کا گوشت، لکڑی، روئی کے مسائل اسی قبیل سے ہیں لیکن اس زمانہ میں شادی بیاہ اور تقریبات کے موقعوں پر ان میں سلم کے مطابق لوگ معاملہ کرتے ہیں اور چونکہ معاملہ اس طور پر طے کرتے ہیں کہ نزاع نہیں ہوتا ہے، اس لئے ان میں مروج سلم درست ہے: ولا فی الحطب بالحرز و رطبة بالجرز الا اذا ضبط بما لا یؤدی الی النزاع و جاز وزنا (رد المحتار ۷/۴۵۱)۔

بیع سلم پر درج ذیل احکام مرتب ہوتے ہیں:

۱—راس المال پر قبضہ کرنے کے بعد فروخت کنندہ کی ملکیت قائم ہو جاتی ہے۔

۲—مسلم فیہ یعنی طے شدہ سامان میں قبضہ کرنے سے پہلے تبادلہ کا عمل نہیں ہو سکتا، اس طور پر کہ خریدار بجائے اس کے کوئی دوسری چیز لینے پر آمادہ ہو جائے۔

۳— بیچنے والے کی طرف سے حوالہ اور کفالہ درست ہے۔

۴—مسلم فیہ کے حصول کے لئے رہن رکھنا جائز ہے۔

۵— جیسے عام معاملات میں یہ جائز ہے کہ فریقین باہمی رضامندی سے معاملہ ختم کر دیں، اسی طرح سلم میں بھی اس کی گنجائش ہے۔

لا یجوز استبدال المسلم فیه قبل قبضه ...... و تجوز الحوالة بالمسلم فیه لوجود رکن الحوالة مع شرائطه، و کذلک الکفالة به لما قلنا، الا ان فی الحوالة یبرأ المسلم الیه، و فی الکفالة لا یبرأ و رب السلم بالخیار إن شاء طلب المسلم إلیه و إن شاء طلب الکفیل ویجوز الرهن بالمسلم فیه، لأنه دین حقیقة و الإقالة جائزة فی المسلم فیه کما تجوز فی بیع العین (بدائع الصنائع ۴/۲۵۱)۔

تعیین وقت کے سلسلے میں یہ بات آچکی ہے کہ اگر مستصنع کی طرف سے وقت طے ہو تو ایک قول کے مطابق وہ عقد سلم کے بجائے عقد استصناع ہی ہوگا، چنانچہ استصناع میں بھی وقت کی تعیین بہت مفید ہے، اس لئے صانع کو بھی اس وقت کا پابند بنانا بہتر ہے، اب اگر سامان بنانے میں تاخیر ہوتی ہے تو پھر حسب ذیل طریقے پر کارروائی ہونے چاہئے :

سامان اگر کسی مجبوری کی وجہ سے وقت پر نہ دے سکے تو پھر مستصنع کو اختیار ہے کہ معاملہ کو فسخ کر دے یا پھر کچھ اور مہلت دے، مقروض کو مہلت دینے کا حکم قرآن میں بیان فرمایا گیا ہے۔ اس مہلت کے بدلے کسی بھی حال میں کچھ بھی تاوان نہیں وصولا جا سکتا ہے۔ اگر یومیہ یا ماہانہ صانع پر کچھ جرمانہ عائد کیا جائے تو یہ کھلا ہوا سود ہو رہا ہے۔ اگر صانع بلا عذر معقول یوں ہی لالچ میں ٹال مٹول کرتا ہے تو چونکہ یہ طریقہ کار مستصنع اور افراد کے لئے باعث ضرر ہے، اس لئے بدنیتی سے کی جانے والی تاخیر کا سد باب کے لئے کوئی نہ کوئی سزا ضرور ہونی چاہئے، اگر ایسا خطرہ ہو تو مختلف تعزیرات میں سے تاوان مالی بھی ایک تعزیر ہے۔ حضرت مفتی تقی عثمانی مدظلہ نے بینکوں سے نقود قرض لیکر قصداً تاخیر کرنے والوں پر تعویض مالی COMPENSATION کے بارے میں بیان فرماتے ہیں :

''معاہدے Agreement میں مدیون یہ بات بھی لکھے کہ اگر میں نے ادائیگی میں تاخیر کی تو اتنی رقم کسی خیراتی کام میں خرچ کروں گا۔ یہ رقم دین کے تناسب سے بھی طے کی جا سکتی ہے، ایسی رقم سے ایک خیراتی فنڈ بھی قائم کیا جا سکتا ہے، اس فنڈ سے کسی کی امداد بھی کی جا سکتی ہے اور اس سے لوگوں کو بلا سود قرض بھی دیا جا سکتا ہے لیکن یہ رقم بینک کی آمدنی میں شامل نہیں ہوگی یہ طریقہ زیادہ مفید اس لئے ہے کہ اس طریقے میں رقم کی شرح متعین نہیں، زیادہ بھی رکھی جا سکتی ہے، اس سے مدیون پر دباؤ ہوگا، اس کا جواز یہ ہے کہ یہ رقم نہ جرمانہ ہے اور نہ ربوا، بلکہ مدیون کی طرف سے التزام ہے جس کو ''یمین اللجاج'' کہتے ہیں، اس التزام کا ذکر امام حطاب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''تحریر الکلام فی مسائل الالتزام'' میں کیا ہے :

اما اذا التزم المدعی علیه للمدعی انه ان لم یوفه حقه علی وقت کذا و کذا فله علیه کذا و کذا فهذا لا یحتلف فی بطلانه لانه صریح الرباء ... الی قوله : و اما اذا التزم انه ان لم یوفه حقه فی وقت کذا فعلیه کذا لفلان او صدقة للمساکین فهذا هو محل الخلاف المعقود له هذا الباب فالمشهور انه لا یقضی به کما تقدم و قال ابن دینار یقضی به (ص ۱۷۶ طبع بیروت)۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ التزام دیانۃ بالاتفاق لازم ہوتا ہے اور قضاءً لازم ہونے میں اختلاف ہے، موجودہ ضرورت کی بنا پر ان حضرات کے قول پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں، جو قضاءً بھی اس کے لازم ہونے کے قائل ہیں'' (اسلام اور جدید معیشت و تجارت ص ۱۰۳ مفتی تقی عثمانی)۔

مشتری یا مستصنع سامان مبیع پر قبضہ سے قبل ہی اس کی بیع کرتا ہے تو غیر منقولہ کی بیع درست اور منقولہ کے بارے میں ناجائز ہونے

کی صراحت ملتی ہے:

والقبض فی بیع المشتری المنقول وفی الدین ففسد بیع الدین قبل قبضه کالمسلم فیه ورأس المال الخ وفی الحاشية قوله والقبض: ای یشترط قبض منقول اشتراه لصحة بیعه فلو اشتری منقولا ولم یقبضه فباعه لا یصح بیعه (شامیہ ۷/۱۶، حاشیہ ۱)۔

وصح بیع عقار لا یخشی هلاکه قبل قبضه لا بیع منقول (درمختار، ۷/۳۶۹)۔

منقول کے عدم جواز کی وجہ غرر ہے ہاں اگر ایسی صورت پیش آجائے کہ جس سے مشتری کا قبضہ ثابت ہوتا ہو تو اس کی بیع درست ہوگی (بدائع الصنائع ۵/۳۰۵)۔

ان تفصیلات کے بعد سوالنامے کا ترتیب وار جواب درج ذیل ہے:

۱- موجودہ دور میں استصناع ان تمام چیزوں میں ہوسکتا ہے جو مستقل تجربات کے مراحل سے گذر کر مارکیٹ میں عملی طور پر آچکے ہیں، ان کے خام اجزاء دستیاب ہوں، کاریگر و ماہرین کو تیار کرنے میں پورا یقین ہو۔ استصناع کی بنیاد سلم پر ہے لیکن سلم میں ثمن کا نقد ہونا ضروری ہے جب کہ استصناع میں ایسا ضروری نہیں، اگر سلم کے اصول سے استصناع کو مربوط کریں تو پہلے ادائیگی ثمن کی صورت میں دھوکہ اور خدع کا زیادہ خوف ہے۔ استصناع میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مشتری و بائع دونوں کو خیار رویت نہیں حاصل ہوتا ہے۔ صانع کو ضرر سے محفوظ رکھنے کے لئے امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق کسی فریق کو خاص طور پر مشتری کو یہ حق حاصل نہ ہوگا۔ جہاں تک اجل کے ذریعہ سلم میں معاملہ کی تبدیلی کا اشکال ہے تو ایک قول یہ ہے کہ مستصنع کی طرف سے مہلت دی جائے تو ایسی صورت میں معاملہ سلم کے بجائے استصناع ہی رہے گا۔ بہتر یہ ہے کہ اپنی طرف سے کوئی نئی رائے قائم کرنے کے بجائے اسی قول کو اختیار کرکے اجل کے ذریعے اس کو عقد سلم کے دائرے سے باہر رکھا جائے۔

۲- خاص مستصنع کے لئے کوئی چیز بنانے کا معاملہ کیا جائے تو وہ عقد استصناع خود بیع ہے وعدۂ بیع نہیں ہے۔

۳- مبیع (مصنوع) کو وجود میں آنے سے پہلے جس طرح صانع فروخت کرسکتا ہے، اسی طرح مستصنع، صانع کی حیثیت سے دوسرے کو اسے بیچ سکتا ہے۔ فلیٹس کی ہاتھ در ہاتھ بیع کے جواز کی یہ شکل درست معلوم ہوتی ہے، دوسری صورت جواز کی اور بھی ہے کہ بائع مشتری کو بیچنے کا ایسا اختیار دے کہ اس کی طرف سے قانونی و کاغذی حقوق دوسرے مشتری کی طرف منتقل ہوجائیں۔ مشتری اول معاہدے کے تحت شریک، مضارب، دلال، اجیر کی حیثیت سے رقوم حاصل کرسکتا ہے، یہ عقد استصناع اگرچہ معدوم ہے لیکن حکما موجود ہے۔

۴-۵- استصناع اشیا منقولہ غیر منقولہ جیسے بلڈنگ وغیرہ میں رائج اور جاری ہے، اس لئے دونوں سے متعلق ہوگا، درمیانی فریق صانع اور نیا بائع ہے، اس لئے اس طرح ایک فریق سے حاصل ہونے والا نفع جائز اور درست ہوگا۔

۶- اگر آرڈر کے مطابق مال تیار کیا اور اس میں کوئی ایسی کمی نہیں باقی رہی جس سے مستصنع کی مصالح فوت ہوں تو اس کو لینے سے انکار کی صورت میں اگر بآسانی وہ مال بازار میں بک سکتا ہے تو بیعانہ سے صرف اپنے نقصان کی تلافی کرسکتا ہے اور اگر وہ مال نہ بک سکے تو بیعانہ کو تو ضبط کر ہی سکتا ہے ساتھ ہی بقیہ رقوم حاصل کرنے کا بھی مجاز ہے۔ اس مصنوع سے کباڑ یا دوسری شکل میں جو قیمت حاصل ہو وہ بھی اس کی مجموعی قیمت میں شمار ہوگی۔

۷— معییر یل مستصنع کی طرف سے ہو تو یہ معاملہ اجارہ کے حکم میں ہوگا۔ اگر صانع کی طرف سے تیاری میں ایسی کمی رہ گئی جس سے مصنوع کی قیمت میں کمی ہوتی ہو یا مستصنع کے مصالح فوت ہو جائیں تو ایسی صورت میں اسے اختیار ہوگا کہ اپنے خام مال کی قیمت صانع سے وصول کر لے یا اسی مصنوع کو اجرت مثل دے کر لے لے۔ مزید کوئی جرمانہ اور تاوان نہیں لے سکتا ہے۔

۸— اگر وقت مقررہ پر مبیع کی حوالگی نہ ہو سکے تو اگر صانع کی معقول مجبوری سے ایسا ہوا تو مستصنع کو اختیار ہوگا کہ معاملہ کو فسخ کر دے یا اس کو مزید مہلت دے، اس مہلت پر کوئی تاوان نہیں وصول سکتا ہے۔ معاملہ فسخ کر دینے کے بعد اگر صانع مال تیار کر کے حوالے کرتا ہے تو اب اسکو خریدار لینے کا پابند نہیں، اس معاملہ کو ختم وفسخ کر دینے کے بعد دوسرے مقام سے مال جس قدر مہنگا لیا ہے وہ اضافی رقم بھی نہیں لے سکتا ہے۔ البتہ اس طرح صانع کو چھوٹ دینے سے صانعین کو ایسی آزادی ملے گی جس سے مستصنع اور خریدار کو ضرر پہنچنے کا کافی اندیشہ ہے۔ اس لئے تاخیر کی صورت میں ایک متعین رقم اگریمنٹ میں بطور صدقہ دینے کا التزام کرایا جائے۔ نیز اگر صانع کی طرف سے شرارت کی وجہ سے بروقت مصنوع نہ تیار کیا گیا یا نہیں دیا گیا ہو تو ایسی صورت میں بھی معاملہ فسخ کیا جا سکتا ہے۔ شرارتاً وعدہ خلافی کرنے کی سزا کے طور پر، مشتری کے نقصان کی تلافی کے لئے نہیں بلکہ وعدہ خلافی کے سدباب کے لئے نقصان کی مناسبت سے ایک مشت تاوان لگائی جائے، اس تاوان میں اگرچہ صانع دیوالیہ ہو جائے، اس رقم کو خیراتی امور میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عقد استصناع — ایک تحقیقی جائزہ

مولانا محمد عظمت اللہ ابن ہدایت اللہ میر الرحیمی ☆

لغوی تعریف:

لغت میں استصناع کہتے ہیں کسی چیز کو بنوانا یا کسی چیز کی فرمائش کرنا، ''الاستصناع فی اللغة: طلب الصنعة'' (القاموس المحیط)۔

اصطلاحی تعریف:

فقہاء کے نزدیک کسی کاسب یا فیکٹری سے کسی خاص چیز کو مخصوص صفات اور انداز میں بنانے کی فرمائش کرنا (آرڈر دینا)۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: وهو فی اصطلاح الفقهاء طلب العمل من الصانع فی شیئی مخصوص علی وجه مخصوص (شامی ۴/۲۲۱)۔

عقد استصناع میں مشتری کو ''مستصنع'' بائع کو ''صانع'' اور مبیع کو ''شیئی مصنوع'' کہتے ہیں۔ عقد استصناع بھی عام عقد کی طرح مستصنع اور صانع کے ایجاب وقبول کرنے سے منعقد ہوتا ہے (بدائع ۴/۴۴۴، فتح القدیر ۵/۳۵۵)۔

استصناع کی حقیقت:

کیا وہ حقیقی بیع ہے یا محض ایک اگریمنٹ (وعدہ) ہے، اگر بیع حقیقی ہے تو مبیع مصنوعہ شئی ہے یا عمل صانع؟ اس سلسلے میں فقہاء احناف کے یہاں چند قول سامنے آتے ہیں:

پہلا قول: فقہاء احناف میں سے علامہ حاکم شہید مروزیؒ، صفارؒ، محمد بن سلمہؒ اور صاحب منثورؒ کے علاوہ ائمہ ثلاثہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا کہنا ہے کہ جب کوئی شخص کسی سے کوئی چیز بنواتا ہے تو یہ بذات خود کوئی عقد نہیں بلکہ یہ ایک آرڈر ہے فرمائش ہے کہ فلاں چیز میرے لئے بنا دو، لہذا یہ بیع بھی نہیں چنانچہ یہ عقد لازم نہیں بلکہ اس کی حیثیت محض ایک وعدہ کی ہے اور یہ عقد صانع کے عمل سے فارغ ہونے کے بعد ''بیع تعاطی'' کے اعتبار سے منعقد ہوگا۔

دلیل: ائمہ ثلاثہ اور مذکورہ فقہاء احناف کا یہ کہنا ہے کہ یہ محض وعدہ بیع ہے عقد لازم نہیں ہوتا ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جس چیز پر عقد منعقد ہو رہا ہے وہ ابھی وجود میں نہیں آیا ہے۔ لہذا اگر ہم یوں کہیں کہ اس کی بیع ابھی ہو گئی ہے عقد ہو گیا ہے تو یہ معدوم کی بیع ہو گی اور معدوم کی بیع جائز نہیں، چنانچہ اس کو زیادہ سے زیادہ وعدہ بیع کہا جا سکتا ہے نہ کہ حقیقی بیع۔

☆ استاذ جامعۃ الاسلامیہ دار العلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کشمیر۔

ثم هو بيع عند عامة مشائخنا، وقال بعضهم :هو عدة ليس بسديد (بدائع ۴/ ۴۴۴)۔

دوسرا قول :امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ہے کہ یہ عقد، عقد حقیقی ہے، ایک کے ایجاب اور دوسرے کے قبول کرنے سے عقد وجود میں آیا، لیکن صورتاً یہ عقد استصناع ہے، اس لئے کہ مشتری نے ابھی مبیع کو نہیں دیکھا، لہذا مشتری کو خیار رؤیت ملے گا اور مشتری کو خیار رؤیت کا مل جانا اس کے عقد ہونے کے منافی نہیں ہے، کیونکہ خیار رؤیت بیع کے تام ہونے کے بعد بھی ملتا ہے لہذا یہاں بھی بیع تام ہے (الفتاوی العالمگیریہ ۳/ ۲۰۷، ۲۰۸)۔

تیسرا قول :امام ابو یوسفؒ کا ہے ان کے ہاں بھی عقد تام ہے، عقد عقد حقیقی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ وہ فرماتے ہے کہ مشتری کو مطلقاً خیار رؤیت نہیں ملے گا بلکہ اگر عقد میں طے شدہ اوصاف کے عین مطابق چیز تیار ہوگی، تو اب مشتری کو خیار نہیں ملے گا لیکن اگر طے شدہ اوصاف کے مطابق نہ بنائی گئی ہو تب اس کو خیار ملے گا (بدائع ۴/ ۴۴۴)۔

عقد استصناع میں مبیع کیا ہے؟

ایک قول یہ ہے کہ عقد استصناع میں مبیع ''عمل صانع'' ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مبیع ''شئ مصنوع'' ہے اور یہی راجح قول ہے۔

پہلا قول :عقد استصناع میں مبیع ''عمل صانع'' ہے عمل صانع کے مبیع ہونے کے قائل علامہ ابوسعید البرادعیؒ ہیں۔

دلیل :وہ فرماتے ہیں کہ معقود علیہ وہ ''عمل'' یا ''صنع'' ہے اور استصناع کے معنیٰ ''طلب الصنع'' ہے اور وہ عمل ہی ہے جس کا انجام دینا عامل اور کاسب کے ذمہ ہے۔

علامہ وھبہ زحیلیؒ تحریر فرماتے ہیں :وقال ابو سعيد البرادعي :المعقود عليه هو العمل أو الصنع، لأن الاستصناع : طلب الصنع، وهو العمل (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۳۶۴۲، ۳۶۴۳)۔

دوسرا قول :جمہور احناف کا ہے اور راجح فقہ حنفی میں وہی ہے کہ ''مبیع ''مصنوع شئ کا عین ہی ہے نہ کہ عمل صانع۔

کیونکہ امام محمدؒ نے استصناع میں قیاس اور استحسان کا ذکر فرمایا ہے اور یہ دونوں چیزیں مواعدۃ میں جاری نہیں ہوتی ہیں اور عقد استصناع میں جواز کا حکم صرف ان چیزوں سے متعلق ہے جن میں تعامل ناس پایا جاتا ہے، ہر چیز میں یہ حکم نہیں ہے۔

والصحيح الراجح في المذهب الحنفي :ان الاستصناع بيع للعين المصنوعة لا لعمل الصانع۔۔۔۔۔والدليل أن محمد بن الحسن ﷺ ذكر في الاستصناع القياس والاستحسان، وهما لا يجريان في المواعدة، ولأنه جوزه فيما فيه تعامل دون ما ليس فيه تعامل (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۳۶۴۲، ۳۶۴۳)۔

عقد استصناع کی مشروعیت :

عقد استصناع کو احناف مطلقاً تعامل ناس کی بناء پر استحساناً جائز قرار دیتے ہیں، حالانکہ بیع کے عام قواعد اور قیاس کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ معاملہ ''بیع صحیح'' کے اعتبار سے قطعاً درست نہ تھا، اس لئے کہ یہ معاملہ ایک معدوم چیز کا ہے اور شریعت مطہرہ نے ''بیع ما ليس عند

الانسان" سے منع فرمایا ہے۔

احناف کا کہنا یہ ہے کہ اگر چہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ معدوم کی بیع جائز نہیں، لیکن نصوص سے اس میں دو استثناء ہیں: ایک استثناء "سلم" کا ہے کہ "سلم" میں بھی بیع ہوتی ہے، یعنی ایک ایسی چیز کی بیع جو ابھی تک وجود میں نہیں آئی بلکہ وہ واجب فی الذمہ ہوتی ہے خارج میں موجود نہیں ہوتی ہے، جس طرح شریعت نے "سلم" کا بیع المعدوم سے استثناء کیا اسی طرح "استصناع" کا بھی استثناء کیا اور اس کی دلیل حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر بنوانا ہے اور اس منبر بنوانے کی متعدد روایات آئی ہیں، ان میں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منبر بنوانا باقاعدہ ایک عقد تھا، لہذا احناف اسی کو دلیل بناتے ہیں۔ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

فالقیاس یأبی جواز الاستصناع، لأنه بیع المعدوم کالسلم بل هو أبعد جوازا من السلم،... وفی الاستحسان: جاز، لأن الناس تعاملوه فی سائر الأعصار من غیر نکیر فکان إجماعا منهم علی الجواز فیترک القیاس (البدائع ۴/ ۴۴۴)۔

علامہ زحیلی کہتے ہیں: وذهب الحنفیة إلی أنه یجوز الاستصناع استحسانا، لتعامل الناس وتعارفهم علیه فی سائر الأعصار من غیر نکیر، فکان إجماعا من غیر إنکار من أحد، والتعامل بهذه الصفة أصل مندرج فی قوله صلی اللہ علیہ وسلم: "لا تجتمع أمتی علی ضلالة" الخ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۳۶۴۲)۔

احناف میں سے امام زفرؒ اور دیگر مسالک میں سے ائمہ ثلاثہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے یہاں اگر اس طرح کے معاملات "عقد سلم" کی بنیادوں پر کئے جائیں تب درست ہونگے ورنہ نہیں۔ ان کے یہاں ایسے عقود میں "شروط سلم" کی بنیادوں پر ہی عقد استصناع درست ہوگا۔ بجز ان کے صحیح نہ ہوگا۔

عقد سلم کے اہم شرائط میں سے کچھ شرطیں یہ ہیں:

(۱) مجلس عقد میں جمیع ثمن کی سپردگی۔

(۲) شئی مصنوع کی سپردگی کے وقت کو متعین کرنا۔

(۳) عامل، صانع اسی طرح معمول، مصنوع کا متعین نہ کرنا۔

اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط بھی عقد استصناع میں نہ پائی جائے تو ان کے یہاں عقد استصناع فاسد ہو جائے گا۔ صاحب فقہ الاسلامی وادلتہ "دلیل مشروعیة الاستصناع" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

یری فقهاء الحنفیة ان مقتضی القیاس أو القواعد العامة ألا یجوز الاستصناع لانه بیع المعدوم کالسلم، وبیع المعدوم لا یجوز لنهی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع مالیس عند الانسان، فلا یصح بیعا، لانه بیع معدوم، ولا یمکن جعله إجارة... وهذا قول زفر ومالک والشافعی واحمد، لکن یصح الاستصناع عندهم علی اساس عقد السلم، ویشترط فیه ما یشترط فی السلم، ومن أهم شروطه: تسلیم جمیع الثمن فی مجلس العقد،---وذکروا ایضا انه یجب تحدید آجل لتسلیم الشئی المصنوع کالسلم وإلا فسد العقد، ویشترط عندهم ألا یعین العامل الصانع، ولا الشئی المعمول المصنوع، کما تشترط بقیة السلم، وبناء علیه یفسد عقد الاستصناع ویفسخ فی صور ثلاث: هی ألا یحدد وقت لتسلیم الشئی المصنوع، وأن یعین العامل، أو یعین المعمول (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۳۶۴۲)۔

عندالاحناف عقد استصناع کے صحیح ہونے کے لئے ملحقہ شرائط :

احناف نے عقد استصناع کے صحیح ہونے کے لئے تین شرطیں بیان فرمائی ہیں، اگر ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی فوت ہو جائے تو اس وقت عقد فساد کی طرف عود کر یگا وہ شرطیں مندرجہ ذیل ہیں :

(۱) معقود علیہ (مصنوع) کی جنس، نوع، قدر، اور صفت واضح ہو۔ اس لئے کہ معقود علیہ مبیع ہے اور مبیع کا واضح ہونا ضروری ہے تو ضروری ہے کہ مبیع معلوم ہو، اگر ان عناصر میں سے کوئی ایک عنصر بھی نہ پایا جائے تو عقد فاسد ہوگا۔

(۲) معقود علیہ (مصنوع) کا ان چیزوں میں سے ہونا جن میں تعامل ناس پایا جاتا ہو، اگر ایسا نہ ہو تو عقد استصناع درست نہ ہوگا۔

(۳) عقد استصناع میں اجل کو متعین نہ کیا جائے، اگر ایسا ہوا تو امام اعظمؒ کے نزدیک مصنوع کی مدت سپردگی کا عقد میں ذکر کرنے سے "عقد استصناع" فاسد ہو کر "عقد سلم" بن جائیگا پھر اس کے صحیح ہونے کے لئے "سلم" کے شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک ذکر اجل کرنے یا نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، یہ عقد پھر بھی "عقد استصناع" ہی شمار ہوگا۔ لیکن اس اختلاف کا دارومدار اس وقت ہے جب اجل کا ذکر ان معاملات میں پایا جائے جن میں تعامل ناس کا دخل ہو، اگر ذکر اجل کا تعلق غیر تعامل ناس معاملات سے ہو تو اس صورت میں عقد استصناع اجماعاً "عقد سلم" بن جائے گا۔

عقد استصناع پر حکم شرع کے اعتبار سے مرتب ہونے والے اثرات کیا ہیں؟

۱۔ شئی مصنوع کی رؤیت اور رضامندی کے اظہار سے پہلے پہلے یہ عقد دونوں "مستصنع، مشتری" اور "صانع، بائع" کے لئے "عقد غیر لازم" کا حکم رکھتا ہے، اس لئے کہ اس حال میں صانع کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عمل سے منع کرے یا مستصنع کے شئی مصنوع کی رؤیت سے پہلے کسی اور خریدار کو یہ چیز بیچ دے، اسی طرح اس صورت میں مستصنع کو بھی رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ فرمائش، آرڈر کو کینسل کرے۔

۲۔ عقد استصناع میں صانع اور مستصنع کے لئے مبیع اور بدل میں ملکیت کا ثابت ہونا ہے، لیکن اس کا تعلق شئی مصنوع کے وجود سے متعلق ہے کہ اگر بائع نے "مبیع" کو "مشروطه او صاف في العقد" کے عین مطابق تیار کیا تو مستصنع کی ملکیت مبیع میں ثابت ہوئی لیکن ایسی ملکیت جو کہ غیر لازمی ہے یعنی اس کے بعد بھی مشتری کو خیار رؤیت ملے گا چاہے تو اس کو لے یا چھوڑ دے، لیکن صانع کے لئے بدل میں ملکیت کا ثبوت لازمی ہو جاتا ہے وہ اب اس چیز سے متعلق کوئی اختیار نہیں رکھتا ہے کہ وہ اس چیز کو کسی دوسرے کو بیچ دے وغیرہ، جبکہ مستصنع، مشتری نے شئی مصنوع کو دیکھ لیا ہو اور وہ اس کے لینے پر راضی بھی ہو۔

۳۔ بائع کا شئی مصنوع کو مشروط اوصاف کے ساتھ بنانا پھر مشتری کا اس کو دیکھنا اور رضامندی کا اظہار کرنا، بائع کے لئے خیار کے ساقط ہونے کا سبب بنے گا اور مشتری کو خیار رؤیت حاصل رہیگا۔

۴۔ شئی مصنوع کو بنانے کے بعد اس پر مستصنع کا کوئی حق نہیں رہتا جب تک کہ بائع اس کو مشتری کے سامنے پیش نہ کرے، یہی وجہ ہے کہ اس صورت میں بائع، صانع اس چیز کو بنانے کے بعد مشتری کو دکھانے سے پہلے پہلے کسی دوسرے کو فروخت کر سکتا

ہے۔علامہ کاسانی حنفی کہتے ہیں :

وأما حكم الاستصناع : فحكمه في حق المستصنع اذا اتى الصانع بالمستصنع على الصفة المشروطة ثبوت ملك غير لازم في حقه حتى يثبت له خيار الرؤية اذا رآه إن شاء أخذه وإن شاء تركه وفي حق الصانع ثبوت ملك لازم إذا رآه المستصنع ورضي به ولا خيار له (بدائع ۴/۴۴۴)۔

مذکورہ بالا اہم اور ضروری تفصیلات کو مدنظر رکھتے ہوئے "عقد استصناع" کے متعلق مندرجہ ذیل باتوں کا خلاصہ سامنے آیا :

۱— عقد استصناع ائمہ ثلاثہ اور امام زفر رحمھم اللہ کے یہاں مطلقاً جائز ہی نہیں ہے الا یہ کہ "عقد سلم" کی بنیادوں پر اگر کیا جائے تو درست ہوگا۔

۲— عام فقہاء احناف کے یہاں بھی قواعد بیع اور قیاس کے پیش نظر مطلقاً ناجائز تھا لیکن تعامل ناس کی وجہ سے استحساناً جائز قرار دیا گیا۔

۳— کچھ فقہاء احناف اور ائمہ مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ "عقد استصناع" کو "عقد بیع" مانتے ہی نہیں ہیں محض "وعدہ بیع" اس کو قرار دیتے ہیں۔

۴— جمہور احناف "عقد استصناع" کو "عقد بیع" ہی مانتے ہیں۔

۵— احناف کے یہاں "ظاہر الروایۃ" کے اعتبار سے امام اعظمؒ کے مفتی بہ قول کی بناء پر "مشتری، مستصنع" کو "مصنوعہ وموصوفہ مبیع" کے وجود میں آنے کے بعد بھی "خیار" مل جائیگا۔

۶— امام ابو یوسفؒ کے غیر مفتی بہ قول کے مطابق "مصنوعہ وموصوفہ مبیع" جو کہ مشتری، مستصنع کی فرمائش کے بعد ہی وجود پذیر ہوئی ہے، مشتری مستصنع کو کوئی خیار نہیں ملے گا لیکن اگر متعینہ اوصاف میں بائع، صانع کے طرف سے کوئی کمی بیشی ہو تو اس صورت میں ان کے نزدیک بھی خیار رؤیت حاصل ہوگا۔

۷— بائع کا مبیع کو متعینہ اوصاف کے ساتھ مشتری کے سامنے پیش کرنے اور مشتری کی رضامندی کے اظہار کے بعد "عقد استصناع" حکم کے اعتبار سے (امام اعظمؒ کے نزدیک) بائع، صانع کے لئے عقد لازم ہو جاتا ہے اور مشتری، مستصنع کے لئے غیر لازم ہو جاتا ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دونوں کے لئے لازم ہو جاتا ہے۔

۸— عقد استصناع "مبیع، شئی مصنوع" کے وجود میں آنے سے پہلے فقہاء احناف کے نزدیک بالاتفاق یہ عقد استصناع عاقدین کے لئے "عقد غیر لازم" کی حیثیت رکھتا ہے۔

۹— امام اعظمؒ کے نزدیک عقد استصناع والے وہ معاملات جن میں "تعامل" پایا جاتا ہو "مبیع، مصنوع" کے لئے مدت سپردگی کو متعین کرنے سے عقد استصناع فساد کی طرف عود کر کے "عقد سلم" میں تبدیل ہو کر "شرائط بیع سلم" کے مطابق عمل میں لایا جائے گا۔

۱۰— صاحبینؒ کے نزدیک سپردگی مبیع کے لئے مدت کا ذکر عقد استصناع کے لئے سبب فساد نہیں ہے بلکہ یہ عقد "عقد استصناع" ہی شمار ہوگا۔

۱۱— احناف کے یہاں عقد استصناع کے وہ معاملات جن میں تعامل نہ ہو ان میں مبیع کی سپردگی کے لئے وقت کو متعین کرنے سے بالاجماع ایسا "عقد استصناع" "فاسد ہو کر کے "بیع سلم" میں تبدیل ہوگا۔

۱۲— جمہور احناف کے یہاں عقد استصناع میں ایجاب وقبول کے بعد "مبیع شئی مصنوع" کے محض وجود میں آنے سے ہی "ملک" ثابت ہوجاتی ہے۔ مشتری کے لئے مبیع میں "ثبوت ملک" ہوجاتا ہے اور بائع کے لئے "بدل مبیع" میں ثبوت ملک ہوجاتا ہے۔

۱۳— عقد استصناع میں مبیع "مادہ شئی مصنوع" ہی ہے نہ کہ عمل صانع۔

۱۴— عقد استصناع میں مادہ مصنوع، بائع ہی کی طرف سے ہوتا ہے، اگر تھوڑا سا مستصنع، مشتری کی طرف سے بھی ہو، لیکن اکثر بائع کا ہی ہو تو بھی اس عقد کو عقد استصناع ہی مانا جائیگا۔

۱۵— اگر سامان گاہک خریدار کی طرف سے ہو اور بائع صرف اس کو تیار کر کے دے تو اس صورت میں یہ عقد "عقد اجارہ" ہوگا۔

۱۶— عقد استصناع کے لازم نہ ہونے کی وجہ سے بائع کا مبیع کو بنانے کے بعد مشتری اول کے سامنے پیش کرنے سے پہلے کسی مشتری ثانی سے اس چیز کا عقد کرنا جائز ہے۔

۱۷— فقہ حنفی کی عقد استصناع سے متعلق عبارات سے تو یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ عقد استصناع، مکیلی، موزونی، عددی، منقولی، چیزوں میں ملحقہ شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے جائز ہے۔

۱۸— عقد استصناع ہمیشہ ایسی چیز پر ہوگا جس کو تیار کرنے کی ضرورت پڑے، یعنی وہ چیز بازار میں موجود نہ ہو۔

۱۹— عقد استصناع کے لئے ضروری ہے کہ عقد کے شروع ہی میں فریقین بائع، مشتری باہم رضامندی سے کسی قیمت پر متفق ہوں اور مبیع، مطلوبہ چیز کے ضروری اوصاف بھی متعین کر لئے جائیں۔

۲۰— عقد استصناع میں متعینہ قیمت یا بدل کا پیشگی ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔

ب— استصناع خود بیع ہے یا وعدہ بیع؟

شرعاً کسی بیع کے صحیح ہونے کے لئے بنیادی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جس چیز کی بیع کا ارادہ ہے، وہ بیچنے والے کے حسی یا معنوی قبضے میں ہو، اس شرط میں تین باتیں پائی جاتی ہیں:

۱— وہ چیز موجود ہو، لہذا ایسی چیز جو ابھی موجود نہیں ہے اس کی بیع جائز نہیں ہے۔

۲— بیچی جانے والی چیز بائع کی ملکیت میں آچکی ہو، اگر ایسا نہیں تو معلوم ہوا کہ چیز تو موجود ہے لیکن بائع اس کا مالک نہیں ہے تو وہ ایسی چیز کی بیع نہیں کرسکتا ہے۔

۳— صرف ملکیت ہی کافی نہیں ہے بلکہ وہ چیز بائع کے قبضہ میں ہونی چاہیے، خواہ وہ قبضہ حسی ہو یا معنوی، اگر بائع اس چیز کا مالک تو ہے، لیکن وہ خود یا کسی اپنے وکیل کے ذریعے اسے قبضے میں نہیں لایا تو وہ اسے بیچ نہیں سکتا ہے۔

شریعت کے اس عمومی اصول سے صرف دو صورتیں مستثنیٰ ہیں۔ ایک "عقد سلم" دوسرا "عقد استصناع" اور دونوں مخصوص نوعیت کی بیع ہیں۔ احناف کے یہاں اس سلسلے میں دونوں طرح کی باتیں منقول ہیں جس میں عقد استصناع کو "بیع اور وعدہ بیع" دونوں مانا گیا ہے

لیکن راجح قول ''عقد بیع'' ہونے کا ہے۔

عقد استصناع بعض صورتوں میں ''بیع'' اور بعض صورتوں میں ''وعدہ بیع'' ہے:

احقر کے نزدیک مشتری کی جانب سے موصول ہونے والی فرمائش اور آرڈر کے بعد جس کو بائع نے قبول کیا ہے ''کیفیت مبیع'' مختلف ہوتی ہے اور اس اعتبار سے ''استصناع'' کبھی صرف ''وعدہ'' ہوگا اور کبھی ''بیع'' ہوگا اور اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

۱۔ اگر مستصنع اور صانع کے درمیان عقد ہونے کے بعد مبیع کے ایجاد سے متعلق کوئی کوشش نہ ہوئی ہو اور ابھی صرف زبانی اعتبار سے ایجاب وقبول ہی ہوا ہو اور قانونی اعتبار سے بھی کوئی تحریر نہ لکھی گئی ہو۔ تو اس صورت میں یہ معاملہ صرف ''وعدہ'' شمار ہوگا۔

۲۔ ایجاب وقبول کے بعد صانع نے ''مطلوبہ شئی، مبیع'' پر اگر کام شروع نہ کیا ہو اور دونوں میں سے کوئی ایک مشتری یا بائع معاملہ کو رد کرنا چاہیں تو اس صورت میں بھی یہ صرف ''وعدہ'' ہوگا۔

۳۔ مشتری اور بائع کے ایجاب وقبول کے بعد اس عقد کی تکمیل کے لئے اگر کوئی بھی چیز سامنے آئی، چاہے مشتری کی جانب سے یا بائع کی جانب سے، چاہے شرعی کاوش ہو یا عرفی کاوش ہو مثلاً مشتری نے بدل کا کل یا بعض بائع کے سپرد کر دیا، یا دونوں نے باہم قانونی اعتبار سے کوئی ایسی پیش قدمی کی جس کی وجہ سے قانوناً دونوں اپنے حقوق کو حاصل کر سکتے ہوں، یا اپنے ضرر کو دفع کر سکتے ہوں، یا بائع نے مبیع کو بنانے کے لئے مادہ مصنوعہ کے حصول کے لئے اس کو خریدا یا خود کسی اور کو آرڈر دیا۔ تو اس صورت میں یہ ''عقد'' شمار ہوگا۔

یہ تقسیم احقر نے کتب فقہ میں عقد استصناع سے متعلق ان عبارات کے ذیل میں کی ہیں جن میں اس عقد کے لازم اور غیر لازم ہونے کا بیان آیا ہے جس کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے۔

فلیٹس کی ''قبل القبض بیع'' احناف کا رجحان جواز کی طرف:

عقد استصناع سے متعلق سوال (۳) میں بھی اسی اصول کے پیش نظر حکم عائد ہوگا کہ مشتری کا مبیع کے وجود میں آنے سے پہلے بیچنا کب جائز ہوگا اور کب ناجائز ہوگا۔ اس لئے کہ اصل علت بیع قبل القبض کے ناجائز ہونے کی ''ربح مالم یضمن'' اور ''غرر'' ہے اور یہ علت منصوص ہے جہاں بھی پائی جائیگی وہاں ''بیع قبل القبض'' ناجائز ہوگی، لیکن یہ حکم صرف منقولات کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ ابھی امام صاحب اور امام ابو یوسف کی دلیل سے واضح کیا گیا، لیکن اگر مبیع غیر منقول ہو اور ان میں ہلاکت کا اندیشہ نہ تو وہاں بیع قبل القبض مطلقاً جائز ہوگی۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ''مبیع'' اگر معدوم ہو یا معدوم تو نہیں لیکن ملکیت میں نہیں ہے، یا ملکیت میں تو ہے لیکن قبضہ نہیں ہے چاہے حقیقی قبضہ ہو یا معنوی قبضہ ہو، یا منقولات میں سے ہو اور ہلاکت کا اندیشہ ہو اس طرح کہ ضمان میں نہ آئی ہو تو ان تمام صورتوں میں ''بیع قبل القبض'' قطعاً جائز نہیں ہے اور اگر اس کا برعکس پایا گیا تو وہاں معاملہ صحیح اور جائز ہوگا مگر صرف غیر منقولات میں ایسا ہوگا۔ منقولات میں حکم اصل الاصول ہی کی طرف عود کرے گا۔

چونکہ آج فلیٹس کی خرید وفروخت میں ایسا بہت ہوتا ہے تو وہاں اس طرح سے ان میں ''بیع قبل القبض'' کرنا درست اور صحیح ہوگا، اس لئے کہ یہاں ضمان میں آنا ضروری نہیں ہے اور نہ ہی ہلاکت کا اندیشہ ہے اور نہ ہی غرر کا اندیشہ ہے۔ احقر کی بھی یہی رائے ہے اس کے علاوہ

کوئی چارہ کار بھی نہیں ہے۔

د– عقد استصناع کا تعلق اموال منقولہ اور غیر منقولہ دونوں کے ساتھ ہے تفصیل اوپر آ گئی ہے۔

ہ– استصناع موازی یا متوازی کا حکم :

اس کے جواز کی شرط یہ ہے کہ دونوں عقد منفصل ہوں، ایک دوسرے کے ساتھ مشروط نہ ہوں، اسی طرح ایک دوسرے پر موقوف نہ ہوں، ایک کی ضمان دوسرے کے ساتھ نہ مل جائے تب ایسا کرنا جائز ہے ورنہ نہیں اور عقد استصناع کے علاوہ اس کے جواز کی کوئی اور صورت نظر نہیں آتی ہے، لیکن شرط یہی ہے کہ ان دونوں عقود کے درمیان کوئی ربط نہ ہو، دونوں کے علاقے ایک دوسرے سے ممتاز ہوں۔ رہی بات دونوں قیمتوں میں فرق اور امتیاز کی جو کہ تیسرا فرد نفع کی شکل میں لیتا، رکھتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ علامہ وہبہ زحیلی نے اس سلسلے میں "أثر الاستصناع في تنشيط الحركة الصناعية" عنوان کے ذیل میں تفصیلاً ان چیزوں کے متعلق "اعلام الموقعين ۳/ ۴۰۰" کے حوالے سے مندرجہ ذیل چیزوں کے جواز کی طرف اشارہ کیا ہے اور عرب علماء کے اتفاق رائے کو بھی نقل کیا ہے۔

۱– استصناع کو مخصوص معاہدوں میں تمویل کی سہولت فراہم کرنے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے، خاص طور پر ہاؤس بلڈنگ فائنانس کے شعبے میں۔

۲– چونکہ استصناع میں یہ ضروری نہیں کہ قیمت پیشگی ادا کی جائے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ مبیع پر قبضے کے وقت ادا کی جائے (بلکہ قیمت فریقین کے طے شدہ معاہدے کے مطابق کسی بھی وقت تک مؤجل ہو سکتی ہے) اس لئے فریقین جس طرح چاہیں قیمت کی ادائیگی کا وقت مقرر کر سکتے ہیں، نیز قیمتوں کی ادائیگی قسطوں میں بھی ہو سکتی ہے۔

۳– یہ بھی ضروری نہیں کہ تمویل کار مبیع کو خود بنائے بلکہ وہ کسی تیسرے فریق کے ساتھ متوازی استصناع کے معاہدے میں داخل ہو سکتا ہے یا وہ کسی ٹھیکے دار کی خدمت حاصل کر سکتا ہے۔

۴– دونوں صورتوں میں وہ صرف شدہ لاگت کا حساب لگا کر استصناع کی قیمت کا تعین اس انداز سے کر سکتا ہے کہ اس سے اس "صرف شدہ" رقم پر معقول منافع حاصل ہو جائے۔

۵– جدید معاہدات کو بھی جن میں مبیع کو بنانے کے بعد بائع ہی کو بدل کے عوض میں متعینہ مدت تک چلانے کے لئے دیا جاتا ہے یا اس کو اختیار دیا جاتا ہے کہ اپنا بدل کسی دوسرے کو بیچ کر حاصل کرے۔ جیسا کہ عام شاہراہوں، پلوں وغیرہ کے تعمیرات میں ممالک کا طرز عمل دیکھنے کو ملتا ہے۔ ان کو بھی عقد استصناع کی بنیادوں پر تشکیل دیا جا سکتا ہے۔ علامہ لکھتے ہیں :

ثم انتشر الاستصناع انتشارا واسعا في العصر الحديث، فلم يعد مقصورا على صناعة الاحذية والجلود والنجارة والمعادن والاثاث المنزلي من مفروشات وغيرها من الخزائن والمقاعد والمساند والصناديق، وانما شمل صناعات متطورة ومهمة جدا في الحياة المعاصرة كالطائرات والسفن والسيارات والقطارات وغيرها ... وانما يشمل ايضا اقامة المباني وتوفير المساكن المرغوبة ... ومن ابرز الامثلة والتطبيقات لعقد الاستصناع بيع الدور والمنازل والبيوت السكنية على الخريطة ضمن اوصاف محدودة، فأن بيع هذه الاشياء في الواقع القائم لا يمكن تسويغه الا على أساس الوعد الملزم بالبيع او

علی عقد الاستصناع... ویتم تسدید الثمن عادة علی اقساط ذات مواعید محدودة, وتحتسب الاقساط جزءا من الثمن فلا زکاة فیها إلا اذا فسخ العقد (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۳۶۵۷، ۳۶۵۸)۔

و — بیعانہ کی حقیقت اور اس کا حکم :

ہمارے فقہ احناف میں اس کی تفصیل اور حقیقت اس طرح ملتی ہے : علامہ وھبہ زحیلی ؒ ''بیع العربون'' کے عنوان کے تحت رقمطراز ہیں :

بیع العربون یا بیعانہ یا بیع العربان : اس بیع کو کہتے ہیں جس میں مشتری بیعانہ کے طور پر کچھ رقم بائع کو دیتا ہے اور اس میں یہ شرط ہوتی ہے کہ مشتری بائع سے کہتا ہے، دیکھو میں یہ کچھ رقم دیتا ہوں اور ساتھ میں اپنے لئے خیار لیتا ہوں کہ چاہوں تو اس بیع کو قائم رکھوں اور چاہوں تو اس کو فسخ کروں۔

اگر بیع کو بعد میں مشتری قائم رکھے گا تو یہ پیشگی دی ہوئی رقم جس کو بیعانہ یا بیع العربون کہتے ہیں، اصل ثمن کا جزو بن جاتی ہے اور اگر بیع کو فسخ کر دیا تو یہ بیعانہ کی رقم ضرر کو دور کرنے کے لئے بائع کی ملک ہو جاتی ہے، گویا یہ مشتری کی طرف سے بائع کے لئے ہبہ ہوگا، مشتری کا اس میں کوئی حق نہیں رہتا ہے۔ مشتری کو اس عقد میں خیار رہتا ہے اور بائع کے لئے یہ عقد لازم ہو جاتا ہے اور مدت خیار مشتری کے لئے غیر محدود ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں فقہاء کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے، ایک مسلک جمہور فقہاء کا ہے اور ایک مسلک امام احمد بن حنبلؒ کا ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے :

جمہور کا مسلک : امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ تینوں صاحبوں کا کہنا ہے کہ عقد میں اس شرط کا لگانا جائز نہیں، اگر بیع تام نہ ہوئی تو بائع کا بیعانہ کے طور پر دی گئی رقم کو ضبط کر لینا درست نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ رقم بغیر کسی عوض کے بائع کے پاس چلی گئی جس کی شرعاً کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اس صورت میں تو یہ عقد احناف کے یہاں ''عقد فاسد'' ہوگا اور بقیہ کے یہاں یہ عقد ''عقد باطل'' ہوگا۔

جمہور کا مستدل : جمہور کا مستدل وہ حدیث پاک ہے جس کو امام مالکؒ نے مؤطا میں نقل کیا ہے ''نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع العربان أو العربون'' اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کی طرف سے نہی منقول ہے، اس واسطے جمہور کا کہنا ہے کہ نہی بھی موجود ہے اور شرعی قواعد کا مقتضی بھی یہی ہے کہ ایسا معاملہ جائز نہ ہو، کیونکہ بائع یا کمپنی بلا وجہ بغیر کسی عوض کے دی ہوئی رقم پر قبضہ کر رہا ہے۔

مسلک امام احمد ابن حنبلؒ :

آپ کے یہاں بیع العربون جائز ہے، آپ کے نزدیک بائع یا مشتری کا ''بیعانہ'' کی شرط لگانا یہ دراصل عقد کی تکمیل کے لئے ایک امر ضروری ہے جس کی وجہ سے دفع ضرر ممکن ہوتا ہے، اس طرح کی شرط سے بیع پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ لیکن خیار مشتری کو محدود رکھنا ضروری ہے، یعنی خیار کی مدت مشتری کے لئے متعین ہونی چاہئے ورنہ بائع کہاں تک انتظار کرتا رہے گا۔

امام احمدؒ مصنف عبدالرزاق کی ایک روایت کو مستدل بنا رہے ہے جس میں نبی اکرم ﷺ کو عربان سے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے اس کو حلال قرار دیا۔

تعامل اور عرف کی وجہ سے بیعانہ کا طریقہ کار جواز کے ہی حکم کا تقاضہ کرتا ہے :

موجودہ دور میں چونکہ بیعانہ کا عرف بن گیا ہے اور اس سے بچنا ناگزیر ہو گیا ہے، لہٰذا اس طرح کے معاملات کو عرف اور استحسان کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہے، چونکہ احناف کے یہاں ایک تو اس سلسلے میں واضح ممانعت وارد ہوئی ہے اور امام احمدؒ کے مستدلات کی احادیث بھی ان کے یہاں قابل قبول نہیں ہے، محدثین کے ان میں کلام کی وجہ سے۔ اسی وجہ سے "مجمع الفقہ الاسلامی نے بھی ۱۴۱۴ھ میں ہونے والے سیمینار میں عقد بیعانہ کو بربنائے تعامل اور استحسان جائز قرار دیا۔

احقر کی بھی یہی رائے ہے کہ چونکہ اس طرح کے معاملات اب اکثر پائے جاتے ہیں جن میں بطور بیعانہ کے ایک قلیل رقم ہی نہیں بلکہ کثیر رقم منصوبات کے تکمیل کے لئے جمع "ڈپازٹ" کرنی پڑتی ہے جس کے بغیر تجارت کے منصوبات کو تکمیل تک نہیں پہنچایا جا سکتا ہے اور کمپنیاں بھی اس کے بغیر کوئی معاملہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی ہیں، لہٰذا اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے "بیعانہ" دینا اور اسی کے مطابق عقد کرنا درست ہوگا۔ اسی کو علامہ وھبہ زحیلیؒ نے بھی بطور خلاصہ کے یوں لکھا ہے :

وفي تقديري أنه يصح ويحل بيع العربون وأخذه عملاً بالعرف، لأن الاحاديث الواردة في شأنه عند الفريقين لم تصح، وهذا هو قرار مجمع الفقه الإسلامي في دورته الثامنة في بروني في غرة المحرم ۱۴۱۴ هج (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۳۴۳۴، ۳۴۳۵)۔

ز—مصنوع کے لئے مادہ، میٹریل صانع کو دینا :

یہ بات پہلے آچکی ہے کہ عقد استصناع میں مادہ مصنوعہ بائع کی طرف سے ہونا ضروری ہے، تب عقد استصناع شمار ہوگا اور اگر مادہ مشتری کی طرف سے ہو تو اس وقت عقد "عقد اجارہ" بن جائیگا۔

رہی بات آرڈر کے مطابق مبیع کے تیار نہ ہونے پر کیا مشتری کو خریدنے کا اختیار رہے گا یا کیا اس کو یہ حق نہیں رہے گا؟
اس سلسلے میں یہ تفصیل گذر چکی ہے کہ امام صاحبؒ کے یہاں اس کو خیار حاصل رہے گا لیکن امام ابو یوسفؒ کے یہاں مشتری کو کوئی خیار نہیں رہے گا، لیکن احقر کے نزدیک ایک تیسرا راستہ یہ بھی اپنایا جا سکتا ہے کہ دونوں قولوں کو (ظاہر الروایہ) کو بھی اور امام ابو یوسفؒ کے قول کو بھی) عمل میں لایا جائے جس کی چند صورتیں ہو سکتی ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں :

۱— اگر مبیع کا تعلق منقولات سے ہو، ساتھ ہی متعینہ اوصاف کے اعتبار سے آرڈر پر بنائی ہوئی چیز میں نقص قابل برداشت ہو، یا مشتری کے ذاتی استعمال کے لئے ہو آگے بیچنے کا مسئلہ نہ ہو، بائع کے لئے بھی اشد ضرر کا سبب نہ ہو اور وہ نقصان کو برداشت کرنے کی بغیر کسی جبر واکراہ کے برضا ورغبت تیار ہو، یا اس کو اور کوئی خریدار بھی ملنے کا امکان ہو تو ان تمام صورتوں میں ظاہر الروایہ پر عمل کر کے بائع اور مشتری کو اختیار رہیگا۔ چاہیں تو عقد کو باہمی رضامندی کے ساتھ باقی رکھیں یا فسخ کر دیں۔

۲— اگر مبیع منقولات میں سے ہو، اور نقص قابل برداشت ہو لیکن مشتری کو یہ چیز ذات کے لئے نہیں ہے، بلکہ دوسرے کے لئے ہو (جیسے کہ عقد موازی یا متوازی ہو) لیکن خود کے لئے اسی طرح بائع کے لئے مبیع کا نقص قابل برداشت ہے تو اس صورت میں بھی ظاہر الروایہ پر عمل کر کے بائع اور مشتری کو اختیار رہے گا، چاہیں تو عقد کو باہمی رضامندی کے ساتھ باقی رکھیں یا فسخ کر دیں۔

۳— اگر مبیع غیر منقولات میں سے ہیں اور نقص کے اعتبار سے اخف ہے، مشتری کو اپنی ذات کے لئے ہے، کسی دوسرے کو آگے نہیں بیچنا ہے، لیکن بائع کو مبیع رد کرنے کے اندر اخف ضرر لاحق ہوسکتا ہے بایں معنی کہ مبیع کا کوئی دوسرا خریدار بھی مل سکتا ہے، چاہے کم قیمت کے عوض میں ہی مل جائے تو اس صورت میں بھی ظاہر الروایہ پر عمل کر کے بائع اور مشتری کو اختیار رہے گا چاہیں تو عقد کو باہمی رضامندی کے ساتھ باقی رکھیں یا فسخ کر دیں۔

۴— اگر مبیع غیر منقولات میں سے ہیں اور آرڈر کے اعتبار سے اس کے اوصاف میں کوئی نقص رہ گیا جس کو بائع صحیح طرح سے نہ بنا سکا، لیکن مبیع کا تعلق بہت بڑی چیز کے ساتھ ہے جس کی تلافی کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی بایں معنی کہ یہ چیز کسی اور کے کام نہ آسکتی ہے، صرف مشتری ہی اس کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کرسکتا ہے اگرچہ نقص بھی ہے، نیز یہ نقص مشتری کے لئے قابل برداشت ہے، لیکن بائع کو اشد ضرر لاحق ہوتا ہے اگر مشتری اس کو رد کرے یا اس کو خیار دیا جائے۔ اس صورت میں امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کر کے مشتری کو اختیار نہیں دیا جائے گا ساتھ ہی بائع سے نقص کا جرمانہ اصل قیمت سے لیا جائیگا تاکہ دونوں کے حقوق کی رعایت ہو سکے۔

الغرض ان تمام صورتوں میں ضرر ہی کو دونوں طرف سے دیکھا جائے اور اسی کے مطابق خیار یا جرمانہ نقصان کی تلافی، کا فیصلہ کیا جائے تاکہ اصل الاصول پر بھی عمل ہو اور تعامل ناس کی بھی رعایت ہو سکے۔

ح— عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی تاریخ :

اس سلسلے میں عرض ہے کہ فقہا اس معاملہ میں خاموش نظر آرہے ہیں، لیکن عقد اجارہ میں اس کی ایک مثال اس طرح ملتی ہے کہ اگر زید درزی کو کپڑا سلانے کے لئے دے اور اس کو کپڑے کے تیار کرنے کے بارے میں کہے کہ اگر تم نے اس کو تین تاریخ تک سل کے دیا تو معاوضہ ایک سو روپیہ دونگا اور اگر دس تاریخ تک دیا تو معاوضہ پچاس روپیہ دونگا تو زید کا درزی کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرنا، درزی کی قبولیت کی شرط کے ساتھ جائز ہے۔ اسی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے احقر کی رائے عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کے مدت کے بارے میں کچھ اس طرح ہے :

۱— اگر عقد میں اس چیز کا ذکر آیا ہو اور دونوں نے باہمی اس پر اتفاق کیا ہو تب تو وقت پر مبیع کا حاضر کرنا بائع کے ذمہ لازم ہوگا، اگر اس نے تاخیر کی تو مشتری کو بھی تاوان لینے کا حق ہوگا۔

۲— اگر عقد میں اس طرح کا کوئی ذکر ہوا ہو، لیکن بائع کی طرف سے تاخیر کسی معقول عذر کی وجہ سے ہوئی ہو، مثلاً کوئی آفت آئی یا حالات کی خرابی کی وجہ سے کارخانہ بند رہا، یا ایسی کوئی چیز پیش آئی جو بائع کے اختیار میں نہیں ہے اور وہ مبیع کے وقت مقررہ تک پیش کرنے سے عاجز رہا، مثلاً ایسی بیماری لگی جو کام کے لئے مانع بنی، ان صورتوں میں مشتری کو کوئی تاوان نہیں ملے گا، اگرچہ وقت پر مبیع کا پیش کرنا بائع کے ذمہ تھا۔

۳— اگر عقد میں اس طرح کا کوئی تذکرہ نہ تھا تو اس صورت میں مشتری کو کوئی تاوان وغیرہ نہیں دیا جائیگا۔

وجہ یہ ہے کہ عقد میں عاقدین کا باہمی کسی چیز پر اتفاق کرنا یا نہ کرنا اس کا شریعت نے ہمیشہ اعتبار کیا ہے تاکہ اصلاً جو عقود میں اباحت ہے وہ برقرار رہے، علامہ وہبہ زحیلیؒ نے بھی اس چیز کو "قاضی شریح" کے حوالے سے یوں بیان کیا ہے : "جو شخص کسی چیز کو بغیر کسی

جبرواکراہ کے لازم کردے، تو وہ چیز اس پر لازم ہو جاتی ہے''۔علامہ لکھتے ہیں :

واما فی مجال المقاولات التی یتم فیها اعادة الاتفاق علی مدة التسلیم والالزام بغرامات معینة عند التأخیر، فهو ای التغریم جائز ایضا وداخل تحت مفهوم ما یسمی قانونا الجزائی، وقد أقره القاضی شریح، وأیده قرار هیئة کبار العلماء فی السعودیة سنہ ۱۳۹۴ھ، قال شریح : ''من شرط علی نفسه طائعا غیر مکره، فهو علیه'' (اعلام الموقعین ۳/۴۰۰ بحوالہ الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۳۶۵۸)۔

عقد استصناع کی شرعی حیثیت

مفتی عابد الرحمن مظاہری بجنوری ☆

استصناع کی لغوی اور اصطلاحی تعریف :

استصناع لغت میں "طلب الفعل" کو کہتے ہیں (ملاحظہ فرمائیں : لسان العرب ۸/ ۲۰۹، اور مختار الصحاح ۱/ ۲۷۳، نیز القاموس المحیط ۱/ ۹۵۴)۔

اور سید محمد مرتضی الزبیدی نے لکھا ہے :

استصناع عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی کسی چیز کو تیار کرنے کا حکم دینا ہے (تاج العروس ۵/ ۲۲۴، مادہ: صنع)۔

علامہ ابن عابدین شامی صاحب رد المحتار استصناع کے لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

"هو لغة : طلب الصنعة أي أن يطلب من الصانع العمل" (رد المحتار ۷/ ۴۷۴، کتاب البیوع باب السلم) (استصناع لغت میں طلب صنعت کو کہتے ہیں، یعنی صانع سے عمل طلب کرنا)۔

الغرض "استصناع" کسی چیز کے تیار کرنے کا حکم کسی کاریگر (صانع، دستکار) کو دینا۔

فقہاء کی اصطلاح میں "استصناع" ایک ایسی چیز پر کیا گیا عقد ہے جس کی صفات متعین ہوں اور ان صفات کے مطابق اس چیز کو بنوانا مقصود ہو۔ فقہاء نے مختصر الفاظ میں اس کی تعریف اس طرح کی ہے :

"هي عقد على بيع في الذمة شرط فيه العمل" (الکاسانی، علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی، بدائع الصنائع ۵/ ۲) (یعنی کسی ایسی چیز پر عقد کرنا جو ذمہ میں ہو اور اس پر عمل کرنا مشروط ہو)۔

عقد استصناع کی مشروعیت :

بعض اہل علم نے قرآن پاک کی اس آیت مبارکہ سے استصناع کے جواز پر استدلال کیا ہے : "فهل نجعل لک خرجاً على أن تجعل بيننا وبينهم سداً" (سورہ کہف : ۹۴) (کیا ہم آپ کے لئے کچھ انتظام کردیں؟ (اس شرط پر کہ) آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنادیں)۔

سیدنا ابن عباسؓ سے مذکورہ آیت میں لفظ "خرجاً" کی تفسیر "أجراً عظيماً" یعنی بڑا معاوضہ سے کی ہے، اس آیت میں قرآن مجید نے اس قسم کے معاہدوں کے صحیح ہونے کی رہنمائی کی ہے (البیان : عقد الاستصناع: ۲۲۱)۔

☆ مدرسہ عربیہ مدینۃ العلوم محلہ مردھگان بجنور یوپی۔

عقد استصناع کا جواز احادیث مبارکہ سے :

آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ایک انگوٹھی بنانے کا آرڈر دیا، پھر آپ ﷺ کے لئے انگوٹھی تیار کی گئی، جیسا کہ حضرت انس بن مالک ؓ سے منقول ہے : ''عن أنس بن مالک قال : اصطنع رسول الله ﷺ خاتماً فقال : إنا قد اصطنعنا خاتما نقشنا فيه نقشا فلا ينقش أحد عليه'' (مسند احمد ۳/۱۰۱، رقم الحدیث ۱۲۰۱۲، السنن الکبری للنسائی ۵/۴۵۶، رقم : ۹۵۴۵)۔

نیز رسول اکرم ﷺ نے مہاجرین کی ایک عورت سے کہا کہ وہ اپنے لڑکے کو (جو بڑھئی کا کام کرتا ہے) حکم دے کہ وہ میرے لئے منبر بنائے، چنانچہ اس عورت نے اپنے لڑکے سے منبر بنوا کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا :

''أن النبي ﷺ أرسل إلى امرأة من المهاجرين وكان لها غلام نجار قال لها : مري عبدك فليعمل لنا أعواد المنبر فأمرت عبدها فقطع من الطرفاء فصنع له منبراً، فلما قضاه أرسلت إلى النبي ﷺ أنه قد قضاه قال رسول الله ﷺ : أرسلي به إلي فجاؤا به فاحتمله النبي ﷺ فوضعه حيث ترون'' (البخاری : کتاب الصلاۃ، أبواب استقبال القبلۃ، رقم : ۴۴۰، مسلم رقم : ۵۴۴)۔

(نبی کریم ﷺ نے مہاجرین کی ایک عورت کو بلا بھیجا اور اس عورت کا ایک لڑکا تھا جو بڑھئی کا کام کرتا تھا، آپ ﷺ نے اس سے فرمایا : تم اپنے لڑکے کو حکم دو کہ وہ میرے لئے لکڑی کا ایک منبر بنائے، چنانچہ اس (عورت) نے لڑکے کو حکم دیا، لڑکا جنگل سے جھاؤ کی لکڑی کاٹ کر لایا اور آپ ﷺ کے لئے منبر تیار کیا، جب منبر تیار ہو چکا تو (اس) عورت نے رسول اللہ ﷺ کے پاس خبر بھیجوائی کہ منبر تیار ہو چکا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا : اس کو میرے پاس بھیجوا دو، چنانچہ کچھ آدمی اس کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں آئے، آپ ﷺ نے جہاں مناسب جانا (اس منبر کو) رکھ دیا)۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ عقد استصناع جائز ہے، اگرچہ قیاس ''عقد استصناع'' کے عدم جواز کا متقاضی ہے کیوں کہ اس میں شیئ معدوم کی خرید و فروخت لازم آتی ہے اور ''شیئ معدوم'' کی خرید و فروخت سے رسول اکرم ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے : ''لا تبع ما ليس عندك'' (مشکوۃ : ۲۴۸، جامع ترمذی : کتاب البیوع، باب کراہیۃ بیع مالیس عندک)۔

اس حدیث شریف کی رو سے معلوم ہوا کہ شیئ معدوم (جو چیز موجود نہ ہو) اور قبضہ میں نہ ہو اور اس کی بیع جائز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام شافعیؒ اور احناف میں امام زفرؒ قیاس پر عمل کرتے ہوئے اس طرح کی خرید و فروخت کو جائز قرار نہیں دیتے۔ البتہ علماء احناف میں اکثر علی سبیل الاستحسان حاجت و ضرورت کی اس بیع و شراء کو جائز قرار دیتے ہیں۔

ڈاکٹر علی احمد سالوس لکھتے ہیں :

''الاستصناع عند المالكية والشافعية والحنابلة جزء من السلم لا يصح إلا بشروطه وهو عند الحنفية عدا زفر عقد مستقل له شروطه وأحكامه الخاصة'' (موسوعۃ القضایا الفقہیۃ فی قضایا الاقتصادیۃ المعاصرۃ ۲/۱۹۴–۱۹۵)۔

(مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک استصناع سلم کی ہی ایک قسم ہے جو سلم کی شرطوں کے بغیر درست نہیں ہوتی، البتہ امام زفرؒ کے علاوہ باقی تمام حنفیوں کے نزدیک یہ ایک مستقل عقد ہے جس کی اپنی شرطیں اور خاص احکام ہیں)۔

عقد استصناع کی شرائط :

استصناع پر عمومی طور پر بیع کی ہی شرطیں نافذ ہوتی ہیں، لیکن اس کے ساتھ کچھ ایسی اہم شرائط ہیں جو بیع سے مختلف ہیں اور ان کا استصناع میں خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے، جن میں مصنوع (جو چیز بنوانا مطلوب ہے) کی جنس، نوع، صفت، اور مقدار معلوم ہو اور اس میں لوگوں کا عرف بھی جاری ہو، اور ان ہی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ میعاد مقرر نہ ہو نہیں تو یہ عقد سلم ہو جائے گا۔ ان شرائط کی وضاحت مندرجہ ذیل ہے :

۱۔ جس چیز کا آرڈر دیا جا رہا ہے وہ معاشرہ میں رائج ہو اور لوگ اسے تیار کرواتے ہوں، کیوں کہ اس معاہدے کو بیع معدوم سے مستثنیٰ ہی اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ اس کی صورت اور ماہیت وخصوصیات کا لوگوں کو علم ہوتا ہے جس کے سبب جہالت اور غرر کا خطرہ ٹل جاتا ہے۔

علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی بدائع الصنائع میں رقم طراز ہیں :

"**وأما شرائط جوازه فمنها بيان جنس المصنوع ونوعه وقدره وصفته لأنه لا يصير معلوماً بدونه، ومنها أن يكون مما يجري التعامل بين الناس من أواني الحديد والرصاص والنحاس والزجاج والخفاف والنعال ولجم الحديد للدواب ونصول السيوف والسكاكين والقسي والنبل والسلاح كله والطشت والقمقمة ونحو ذلك ولا يجوز في الثياب، لأن القياس يأبى جوازه وإنما جوازه استحساناً بتعامل الناس ولا تعامل في الثياب**" (بدائع الصنائع ۴/۹۳)۔

(بہر حال عقد استصناع کے جواز کی جو شرطیں ہیں، ان میں سے ایک مصنوع کی جنس، اس کی نوع، اس کی مقدار اور اس کی صفت کو بیان کرنا ہے، اس لئے ان چیزوں کے بیان کئے بغیر شیئ مصنوع کی تعیین نہیں ہو سکتی ہے، اور دوسری شرط یہ کہ اس میں لوگوں کا تعامل بھی ہو، جیسے لوہے، کانچ، پیتل، اور کانچ کی برتن نیز موزے جوتے، جانوروں کے لئے لوہے کا لگام، تلواروں کے دستے، چھریاں، قسی، تیر، ہتھیار، طشت اور قمقمے وغیرہ، اور کپڑوں میں لوگوں کے عدم تعامل کی وجہ سے عقد استصناع جائز نہیں ہے، اور قیاس کپڑوں میں استصناع کے جواز کا منکر ہے جب کہ اس کا جواز استحساناً لوگوں کے تعامل ہی کی وجہ سے ہے، اور کپڑوں میں استصناع کا تعامل ہی نہیں ہے)۔

۲۔ آرڈر پر تیار کرائے جانے والی چیز کی جملہ خصوصیات کا معاہدہ کے وقت تعین کر لیا جائے اور ہر ایسی شق سے بچا جائے جس سے معاہدہ متنازع ہونے کا خدشہ ہو۔

علامہ عبد الرحمن بن محمد بن سلیمان الکلیبولی اپنی کتاب مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں لکھتے ہیں کہ عقد استصناع صرف ان ہی چیزوں میں جائز ہے جن میں عوام کا تعامل ہے اور وہ عام عرف میں داخل ہو، اور آرڈر پر تیار کی جانے والی چیزوں کو اس طرح کھول کر بیان کر دیا جائے اور اس میں کوئی ایسی شق اور جہالت باقی نہ رہے جو مستقبل میں نزاع کا باعث بنے۔ "**يصح استحساناً فيما تعورف فيه**" (مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر ۳/۱۴۹)۔

۳۔ بعض فقہاء نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ عقد استصناع کرتے وقت معاہدہ میں وقت کا تعین نہ کیا جائے، اگر وقت کا تعین کیا گیا تو وہ چیز استصناع سے نکل کر بیع سلم میں داخل ہو جائے گی اور اس پر سلم کے احکامات نافذ ہوں گے۔

لیکن معاصر محققین کے نزدیک یہ شرط قابل اعتبار نہیں، کیونکہ اگر وقت کا تعین نہ کیا گیا تو تنازع کی صورت باقی رہے گی، لہذا وقت کا تعین ضروری ہے تاکہ تنازع سے بچا جا سکے۔

استصناع اور بیع میں فرق :

عام بیع اور استصناع میں جو بنیادی فرق ہے، وہ یہ ہے کہ اگرچہ استصناع میں بھی خرید و فروخت ہوتی ہے، لیکن نوعیت اور شرعی حکم کے اعتبار سے یہ مسئلہ بیع سے قدرے مختلف ہے، کیونکہ بیع کی جو بنیادی شرط شریعت نے متعین کی ہے وہ یہ ہے کہ "لا تبع ما لیس عندک" (جامع ترمذی : کتاب البیوع باب کراہیۃ بیع ما لیس عندک) یعنی ایسی چیز جو تمہارے پاس نہ ہو اس کو مت بیچو۔

استصناع کے مسئلہ کو اگر بیع کی نوعیت سے دیکھا جائے تو آرڈر پر مال تیار کرانا جائز ہے، کیونکہ کاریگر ایک ایسی چیز پر معاہدہ کر رہا ہے جو ابھی وجود میں نہیں آئی ہے اور کسی کی ملکیت بھی نہیں ہے بلکہ معدوم ہے۔ لیکن شریعت مطہرہ چونکہ لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کرتی ہے، تنگی اور مشکلات میں مبتلا نہیں کرتی۔ اللہ تعالی نے فرمایا : "**یرید اللہ بکم الیسر و لا یرید بکم العسر**" (البقرہ ۱۵۸)۔

اور دوسری جگہ ارشاد باری تعالی ہے " : **وما جعل علیکم فی الدین من حرج**" (الحج ۷۸)۔

کیونکہ آج کل خرید و فروخت کا معیار اور اسٹینڈرڈ بالکل بدل چکا ہے، آن لائن انٹرنیٹ پر معاملات طے پاتے ہیں، یا صرف زبانی معاملات طے ہوتے ہیں، اور مال تیار ہو جاتا ہے۔ کارخانہ سے ہی مال دوسرے کو سپلائی ہو جاتا ہے اور کاریگر (صانع) کو رقم پہنچ جاتی ہے اور آج کل یہ عرف عام میں داخل ہو گیا ہے (عرف کے بارے میں ہم گزشتہ سطور میں عرض کر چکے ہیں) اور لوگوں کی عادت بن گئی ہے۔ ان حالات میں اگر "شیئ معدوم" کے حکم کو نافذ کیا جائے تو ایک حرج عظیم واقع ہوگا جس کا مسلمانوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑے گا اور مسلمانوں کے لئے مالی مشکلات پیدا ہوں گی، لہذا لوگوں کی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس قسم کے معاہدات کو عموی احکام سے چند صورتوں میں الگ کر کے استثنائی طور پر ان کی اجازت مرحمت فرما دی گئی ہے تاکہ لوگ تنگی اور مشکلات میں مبتلا نہ ہوں (البیان، عقد استصناع : ۲۲۲)۔

شیئ معدوم کی بیع کا شرعی حکم :

شرعی اعتبار سے صحت بیع کے لئے صرف شیئ مبیع کا مالک ہو جانا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ اس پر بائع کا قبضہ اور کنٹرول بھی ضروری ہے خواہ یہ قبضہ حسی ہو یا معنوی، لہذا اگر بائع کسی کا مالک تو ہے لیکن وہ خود یا اس کے وکیل کا اس پر قبضہ نہیں ہے تو اس کو فروخت نہیں کر سکتا ہے، شرعی اعتبار سے کسی چیز کی بیع صحیح ہونے کے لئے اساسی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جس چیز کی بیع کی جا رہی ہے وہ حسی یا معنوی اعتبار سے بائع کے قبضے میں ہو اور وہ شیئ معدوم نہ ہو، اس لئے کہ شرع کے اعتبار سے شیئ معدوم کی بیع درست نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے : "**عن حکیم بن حزام قال : قلت یا رسول اللہ! یاتینی الرجل فیرید منی البیع و لیس عندی فابتاع لہ من السوق قال : لا تبع ما لیس عندک**" (مشکوۃ ۲۴۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۲۱۸۷، باب النہی عن بیع ما لیس عندک) (حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس ایک شخص کچھ مال خریدنے کی غرض سے آتا ہے، حالانکہ وہ مال میرے پاس موجود نہیں ہوتا ہے تو کیا میں بازار سے لا کر اس سے فروخت کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو چیز تیرے پاس نہ ہو اس کو مت بیچو)۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جب مبیع بائع کے پاس موجود نہ ہوتو اس کی بیع اصولاً جائز نہیں ہے، حضرات فقہاء کرام بھی صحت بیع کے لئے مبیع کے موجود ہونے کو شرط قرار دیتے ہیں، چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں صحت بیع کی شرائط کو شمار کراتے ہوئے لکھا ہے:

"ومنها: في المبيع وهو أن يكون موجوداً فلا ينعقد بيع المعدوم وماله خطر العدم كبيع نتاج النتاج والحمل كذا في البدائع، وأن يكون مملوكاً في نفسه وأن يكون ملك البائع" (ہندیہ ۳/۲، بدائع الصنائع ۴/۲۶۶)۔

(صحت بیع کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مبیع موجود ہو، لہذا معدوم شیئ کی بیع اور اس چیز کی بیع جسے عدم لاحق ہونے کا خطرہ درپیش ہو منعقد نہ ہوگی، جیسے ولد کے ولد کی بیع، اور اس کی جو ابھی حمل ہے، جیسا کہ بدائع الصنائع میں ہے، اور صحت بیع کی دوسری شرط یہ کہ مبیع فی نفسہ مملوک ہو اور بائع کی ملکیت میں ہو)۔

فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ مبیع کا موجود ہونا، اور مال متقوم اور مملوک فی نفسہ وغیرہ ہونا شرط ہے کہ بیع معدوم کی بیع صحیح نہیں، جیسا کہ رد المحتار میں ہے: "وشرط المعقود عليه ستة كونه موجوداً مالاً معقوداً مملوكاً في نفسه وكون الملك للبائع فيما يبيعه لنفسه فلم ينعقد بيع المعدوم، ولا بيع ماليس مملوكاً له" (رد المحتار ۷/۱۵)۔

اس طرح سے تقریباً تمام ہی فقہاء کرام نے شیئ معدوم کی بیع کو ناجائز قرار دیا ہے، البتہ حضرات فقہاء کرام نے شریعت کے اس عمومی اصول سے دو قسم کی بیع کو مستثنیٰ قرار دیا ہے: (۱) بیع سلم، (۲) بیع استصناع۔ یہ دونوں مخصوص نوعیت کی بیع ہے، اس لئے ان میں چند شرائط کے ساتھ شیئ معدوم کی بیع جائز ہے جو کتب فقہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

معدوم کی بیع میں احناف کے نزدیک اگرچہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ جائز نہیں مگر نصوص سے اس میں دو استثناء ہیں، ایک استثناء سلم کا کہ سلم میں بھی بیع ہوتی ہے، یعنی ایک ایسی چیز کی بیع ہوتی ہے جو ابھی تک وجود میں نہیں آئی بلکہ وہ واجب فی الذمہ ہوتی ہے، اور خارج میں موجود نہیں ہوتی، جس طرح شریعت نے سلم کو بیع المعدوم کے استثناء کیا ہے، اسی طرح "استصناع" کو بھی استثناء کیا ہے، اور اس کی دلیل حضور ﷺ کا منبر بنوانا ہے اس واقعہ سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اور منبر بنوانے کی متعدد روایات آئی ہیں، ان میں سے بعض روایات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ باقاعدہ عقد تھا، اور یہ احناف کے یہاں دلیل ہے۔ اس لئے شیئ معدوم کی بیع عقد استصناع میں جائز ہے۔

اور ڈاکٹر وہبہ الزحیلی علماء احناف کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ويجوز عند الحنفية استحساناً لتعامل الناس وتعارفهم عليه في سائر الأعصار من غير نكير" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۶۳۲) (علماء احناف استحساناً اس بیع کو جائز قرار دیتے ہیں، کیونکہ اس پر لوگوں کا تعامل چلا آرہا ہے اور تمام زمانوں میں لوگ اس پر عمل کرتے آئے ہیں)۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

اگرچہ استصناع کے اندر معدوم چیز کی بیع ہوتی ہے لیکن لوگوں کے تعامل کی وجہ سے اسے حکماً موجود سمجھا جائے گا آپ لکھتے ہیں:

"أن المعدوم قد يعتبر حكماً أي من حيث الحكم كناس لتسمية عند الذبح فإن التسمية جعلت موجودة لعذر النسيان والطهارة للمستحاضة جعلت موجودة لعذر جواز الصلاة لئلا تتضاعف الواجبات فكذلك المستصنع المعدوم

جعل موجوداً حکماً لتعامل الناس"(البنایہ شرح الہدایہ ۳/ ۲۱۴)۔

(یعنی کبھی کبھی معدوم چیز کو انسان کے اعذار کے پیش نظر حکماً موجود سمجھا جاتا ہے، جیسے ذبح کرتے وقت تسمیہ بھول جانے والے ذبیحہ کو یوں سمجھا جاتا ہے کہ گویا حکماً تسمیہ موجود ہے، اسی طرح مستحاضہ اگرچہ ناپاک ہوتی ہے لیکن اس کی مجبوری کے پیش نظر نماز کے وقت اسے حکماً پاک قرار دیا جاتا ہے، لہٰذا یہاں عقد استصناع میں لوگوں کے تعامل کی وجہ سے معدوم چیز کو موجود فرض کرلیا جائے گا)۔

نیز فقہ اسلامی کا ایک مسلمہ قاعدہ یہ بھی ہے کہ جو چیز خلاف قیاس بطور استحسان ثابت ہو وہ مورد شرع ہی پر منحصر رہتی ہے، اس میں تعدیہ جائز نہیں اور نہ اس پر قیاس کر کے کسی اور پر حکم لگانا درست ہے، "ما ثبت علی خلاف القیاس فغیرہ لا یقاس علیہ" (قواعد الفقہ ۱۱۴)

(جو چیز خلاف قیاس ثابت ہو تو اس کے غیر کو اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا بلکہ وہ مورد شرع ہی پر منحصر رہے گا)۔

لہٰذا مذکورہ بالا فقہ اسلامی اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ضرورت اور حاجت اور خلاف قیاس ثابت ہونے کی وجہ سے صرف مستصنع کے لئے شیئ معدوم کی خریداری کرنا شرعی اعتبار سے جائز ہے، لیکن یہ بات واضح رہے کہ خود مستصنع کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس نے جس چیز کی تیاری کا آرڈر دیا ہے اس پر قبضہ حاصل کئے بغیر کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرے، اسی طرح سے دوسرا تیسرے کو فروخت نہیں کرسکتا، کیوں کہ اس میں ضرر اور غرر دونوں معنی پائے جاتے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ نے ایسی بیع سے منع فرمایا ہے جس میں کسی ایک کو دھوکہ یا نقصان ہو، حدیث شریف میں ہے: "نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع الحصاۃ وعن بیع الغرر" (سنن دارمی ۲/ ۳۲۷، رقم الحدیث ۲۵۵۴، مسند احمد، رقم الحدیث ۲۷۵۲) (حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کنکری کی بیع اور دھوکے کی بیع سے منع فرمایا ہے)۔

نیز ایک دوسری حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"عن ابن عمر ؓ قال قال رسول اللہ ﷺ: من ابتاع طعاما فلا یبعہ حتی یستوفیہ" (مسند احمد، رقم الحدیث ۳۹۶، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث ۱۴۲۱۰، موطا امام مالک رقم الحدیث ۱۲۳۵) (حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کوئی غلہ خریدے تو اس کو اس وقت تک فروخت نہ کرے جب تک اس پر قبضہ نہ کرلے)۔

استصناع کے مسئلہ کو اگر بیع کی نوعیت سے دیکھا جائے تو آرڈر پر مال تیار کرانا جائز ہے، کیونکہ صانع ایک ایسی چیز پر معاہدہ کر رہا ہے جو ابھی وجود میں نہیں آئی ہے اور کسی کی ملکیت بھی نہیں ہے، بلکہ معدوم ہے، لیکن شریعت مطہرہ چونکہ لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کرتی ہے، تنگی اور مشکلات میں مبتلا نہیں کرتی، ان حالات میں اگر "شیئ معدوم" کے حکم کو نافذ کیا جائے تو ایک حرج عظیم واقع ہوگا جس کا مسلمانوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑے گا، اور مسلمانوں کے لئے مالی مشکلات پیدا ہوں گی، لہٰذا لوگوں کی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس قسم کے معاہدات کو عمومی احکام سے چند صورتوں میں الگ کر کے استثنائی طور پر ان کی اجازت مرحمت فرما دی گئی ہے تاکہ لوگ تنگی اور مشکلات میں مبتلا نہ ہوں، لہٰذا مذکور بالا احادیث علماء کی آراء اور فقہی اصولوں سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ "مستصنع" کے لئے صانع سے شیئ معدوم کی خریداری خلاف قیاس بطور استحسان بوجہ تعامل ناس اور بسبب اجماع امت جائز ہے جب کہ مستصنع کے لئے مال پر قبضہ حاصل کئے بغیر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عقد استصناع میں بیعانہ کی رقم کا حکم :

عقد استصناع میں معاملات طے پاتے وقت "مستصنع" (خریدار یا مال کا آرڈر دینے والا) سے "صانع" (بائع یا دستکار، یا مینوفیکچرر) کچھ رقم بطور بیعانہ پیشگی لیتا ہے۔ اس کے بعد ہی معاملہ کو قابل بھروسہ سمجھا جاتا ہے، ان میں احتیاطی پہلو یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی وجہ سے آرڈر دینے والا سامان لینے سے مکر جائے یا انکار کردے تو اس شکل میں مینوفیکچرر کو ایک بڑا نقصان ہوتا ہے، اور یہ بھی ضروری نہیں کہ کوئی دوسرا گاہک اس سامان کو مطلوبہ قیمت پر خرید لے اور یہ بھی ممکن ہوتا ہے کہ مال کی تیاری کے وقت اس مال کی مارکیٹ ویلیوڈاؤن ہوجائے، ان تمام احتمالات کی وجہ سے صانع زر بیعانہ وصول کرتا ہے، اور مال کے عدم وصولیابی کی شکل میں صانع اس رقم کو ضبط کرلیتا ہے، یہ طریقہ اس وقت پوری دنیا میں رائج ہے اور عرف میں داخل ہوگیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ بیعانہ کی رقم مستصنع کے انکار کی صورت میں روک لینا اور واپس نہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر صانع بیعانہ کی رقم نہیں روکے گا تو پھر اس کے نقصان کی تلافی کی کیا صورت ہوگی؟ اور صانع اپنے نقصان کی بھرپائی کس طرح کرے گا؟

خرید و فروخت کا معاملہ طے ہونے کے بعد بطور سند و وثیقہ کے خریدار بیچنے والے کو متعینہ قیمت کا ایک حصہ دے دیتا ہے جسے عرف میں "بیعانہ" کہا جاتا ہے، فقہ کی اصطلاحی زبان میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ مشتری کی جانب سے ثمن کے بعض حصہ پر قبضہ دلانا ہے، اس میں تو کچھ حرج نہیں، لیکن معاملات طے پانے کے بعد مروجہ صورت میں اگر مال کو بعد میں خریدار نے نہ لیا تو اس کی یہ رقم سوخت اور کالعدم ہوجائے گی، اس کو علماء نے درست قرار نہیں دیا ہے، حدیث میں اس کو "بیع عربان" کہا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حدیث پاک میں بیع عربان کی ممانعت فرمائی ہے : "نهى رسول الله ﷺ عن بيع العربان" (مشکوۃ ۲۴۸، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴ / ۲۲۰) (رسول اللہ ﷺ نے بیع عربان سے منع فرمایا ہے)۔

اور اس سلسلہ میں شارح مشکوۃ علامہ سندھی رقمطراز ہیں :

"وهو أن يشتري السلعة ويعطي البائع درهماً أو أقل أو أكثر على أنه إن تم البيع حسب من الثمن وإلا لكان للبائع ولم يرجعه المشتري وهو بيع باطل لما فيه من الشرط والغرر" (مشکوۃ حاشیہ ۲۴۸) (بیع عربان یہ ہے کہ مشتری سامان خریدے اور بائع کو کچھ درہم سامان کی قیمت سے کم یا زیادہ اس شرط پر دیا جائے کہ اگر بیع مکمل ہوگئی تو یہ دی گئی رقم ثمن مبیع میں محسوب ہوگی ورنہ بائع کے لئے ہوجائے گی، مشتری اس سے وہ رقم رجوع نہیں کرے گا یہ بیع شرط اور غرر پر مشتمل ہونے کی وجہ سے باطل ہے)۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فرمایا :

"نهى عن العربان : أن يقدم إليه شيئ من الثمن فإن اشترى حسب عن الثمن وإلا هو له مجاناً وفيه معنى الميسر" (حجۃ اللہ البالغہ ۲ / ۱۰۰) (حضور ﷺ نے بیع عربان سے منع فرمایا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ بائع کو ثمن کا کچھ حصہ دیا جائے کہ اگر اس نے خرید لیا تو وہ قیمت میں محسوب ہوگا اور نہ خریدا تو بائع کو وہ رقم مفت حاصل ہوجائے گی، اس میں 'جوا' پایا جاتا ہے)۔

جمہور کے نزدیک یہ بیع از روئے قیاس اس لئے ناجائز ہے کہ اس میں دو شروط فاسد ہیں: ایک تو یہ کہ مشتری کے بیع فسخ کرنے کی

صورت میں بیعانہ بائع کا ہو جائے گا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ مشتری کے راضی نہ ہونے کی صورت میں بیع فسخ کر دی جائے گی۔ اور یہ خیار مجہول ہے (مغنی المحتاج ۲/ ۳۹، نیل الاوطار ۵/ ۲۵۱)۔

بعض علماء نے اس کے ناجائز ہونے کی یہ علت بیان فرمائی کہ اس بیع میں لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھالیا جاتا ہے، نیز اس میں غرر بھی ہے (حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۶۳)۔

بعض علماء نے کہا کہ اس بیع میں بائع کے لئے بلاعوض بیعانہ کی شرط لگادی گئی ہے (المغنی ۴/ ۱۶۰)۔

لیکن مذاہب اربعہ سے تعلق رکھنے والے دیگر محقق فقہاء نے اسے جائز قرار دیا ہے اور یہ حضرات بھی اپنے موقف پر سنت اور قیاس سے استدلال کرتے ہیں۔ یہ حضرات جواز میں مصنف عبدالرزاق اور سنن بیہقی کی درج ذیل روایات پیش کرتے ہیں :

"سئل رسول اللهﷺ عن العربان في البيع فأحله" (مصنف عبدالرزاق ۸/ ۵، حدیث ۱۴۲۹۳، سنن بیہقی ۶/ ۳۴۲، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۲۲۰)۔

نافع بن حارث سے مروی ہے :

"إنه اشترى لعمر دار السجن من صفوان بن أمية بأربعة آلاف درهم، فإن رضي عمر، وإلا فله كذا وكذا (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۲۲۰)۔

ازروئے قیاس بائع کے لئے فسخ بیع کی صورت میں بیعانہ (عربون) رکھ لینا اس لئے جائز ہے کہ دراصل یہ مشتری کی جانب سے تعطل اور بائع کو بلاوجہ انتظار کروانے کا معاوضہ ہے۔ مجمع الفقہ الاسلامی نے اس کے جواز کا فتوی دیا ہے۔ مجمع الفقہ الاسلامی نے اس بابت جو فتوی دیا وہ درج ذیل ہے :

"يجوز بيع العربون إذا قيدت فترة الانتظار بزمن محدود وتحتسب العربون جزئا من الثمن إذا تم الشراء ويكون من حق البائع إذا عدل المشتري عن الشراء" (فقہ المعاملات المالیۃ المقارن: ۹۵)۔

"وفي الجمع بين القولين : يعمل بقول جمهور الفقهاء عند عدم وجود الضرر على البائع والمشتري : ويعمل بقول فقهاء الحنابلة عند وجود ضرر لأحد المتعاقدين" (فقہ المعاملات المالیۃ المقارن: ۹۵)۔

اسی طرح بحرین کی Auditing And Accounting کی بین الاقوامی تنظیم نے بھی بیع عربون کے جواز کا فتوی دیا۔ خیال رہے کہ یہ وہ تنظیم ہے جس کے مرتب کردہ قوانین ساری دنیا کے اسلامی بینکوں میں رائج ہیں۔ اس کی عبارت درج ذیل ہے :

It is permissible for the institution to take Urboon after concluding the Murabaha sale with the customer. (Shariah Standards page no.117).

(ادارے کے لئے جائز ہے کہ وہ بیع مرابحہ کرنے کے بعد گاہک سے عربون وصول کرے)۔

درج بالا سطور میں مانعین اور مجوزین کے موقف کو مع دلائل ذکر کر دیا گیا ہے، جہاں تک سنت سے استدلال کا تعلق ہے تو مانعین اور مجوزین دونوں ہی حضرات نے اپنے موقف پر جو احادیث پیش کی ہیں، وہ سنداً ضعیف ہیں (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۲۲۰)۔

اشیاءغیر منقولہ میں عقد استصناع کا شرعی حکم :

یہ تو واضح ہے کہ عقد استصناع کا تعلق اموال منقولہ سے ہے لیکن اب موجودہ دور میں کیونکہ تمام ہی چیزیں خواہ وہ اموال منقولہ کی قبیل سے ہوں یا اموال غیر منقولہ کی قبیل سے تقریباً سبھی کو آرڈر دیکر یا ٹھیکہ دے کر بنوایا جاتا ہے. جن میں بڑی بڑی عمارتیں، کارخانیں، ایئرپورٹ، فیکٹریاں، ہوٹل، مکانات، فلیٹس، وغیرہ شامل ہیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اموال غیر منقولہ میں بھی عقد استصناع کیا جا سکتا ہے؟

تو اس کا جواب مختصراً یہ ہے کہ کتب فقہ میں حضرات فقہاء کرام نے اشیاءمنقولہ کے بارے میں تو بصراحت لکھا ہے لیکن اشیاء غیر منقولہ کے بارے میں کچھ زیادہ تفصیل اور وضاحت کے ساتھ احقر کو نہیں مل پایا ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ فقہاء متقدمین کے زمانہ میں چونکہ صرف اشیاءمنقولہ میں ہی استصناع کا رواج تھا، اشیاءغیر منقولہ میں عقد استصناع پر عمل موجودہ دور میں ہے اور یہ رائج ہو چکا ہے اور اس پر عام تعامل ہے، اس لئے آج کل اشیاءغیر منقولہ میں بھی تعامل ناس اور عرف عام پایا جاتا ہے، اس لئے عصر حاضر میں اشیاءغیر منقولہ کو اشیاء منقولہ پر محمول کرتے ہوئے جائز قرار دینا چاہئے، کیونکہ یہ بھی عرف میں داخل ہو چکا ہے، اور عرف کے بارے میں ہم گزشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

عقد استصناع میں خام مال کا حکم :

آرڈر دے کر کام کرانے کی دو شکلیں ہیں : ایک تو یہ کہ صانع (مینوفیکچرر) صرف کام کی اور کوالٹی کی ذمہ داری لیتا ہے اور خام مال (میٹریل) مستصنع (مشتری) فراہم کرتا ہے، مثلاً مینوفیکچرر، کاریگر، یا بلڈر (صانع) مستصنع سے یہ کہے کہ میں آپ کی مشین تیار کردوں گا لیکن اس میں لگنے والا خام مال آپ کو فراہم کرنا ہوگا میں تو صرف کام کی اجرت لوں گا، تو یہ عقد استصناع نہیں ہوگا بلکہ اس کو "عقد اجارہ" کہیں گے۔ اس شکل میں اگر صانع نے مطلوبہ شیئ فرمائش کے مطابق تیار کردی تو یہ مینوفیکچرر اجرت کا مستحق ہوگا لیکن اگر اس نے فرمائش کے مطابق سامان تیار نہیں کیا بلکہ کام بگاڑ دیا اور مستصنع کا مال بھی خراب کر دیا تو صانع ضامن ہوگا اور نقصان کی بھرپائی کرنی ہوگی، جیسا کہ صاحب بدائع الصنائع علامہ کاسانی نے فرمایا :

"فإن سلم إلى حداد حديداً ليعمل له إناء معلوماً بأجر معلوم, أو جلداً إلى خفاف ليعمل له خفاً معلوماً بأجر معلوم, فلذا جائز ولا خيار فيه, لأن هذا ليس باستصناع بل هو استيجار فكان جائزاً فإن عمل كما أمر, استحق الأجر, وإن أفسد فله أن يضمنه حديداً مثله لأنه لما أفسده فكأنه أخذ حديداً له, واتخذ آنية من غير إذنه, والإناء للصانع, لأن المضمونات تملك بالضمان, والله أعلم بالصواب" (بدائع الصنائع ۵/۹۶)۔

(چنانچہ اگر کسی (مستصنع) نے لوہار (صانع) کو طے شدہ اجرت کے بدلے کوئی لوہا دیا تاکہ اس کے لئے متعین برتن تیار کردے، یا کسی موزہ بنانے والے کو چمڑا دیا تاکہ اس کے واسطے موزہ تیار کردے، تو یہ جائز ہے، اور اس میں کوئی خیار حاصل نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ عقد استصناع نہیں ہے بلکہ عقد اجارہ ہے، پس یہ عقد جائز ہوگا، چنانچہ اگر صانع نے فرمائش کے مطابق برتن یا موزہ تیار کردیا تو وہ اجرت کا مستحق ہوگا اور اگر اس نے خراب کردیا تو اس صورت میں اسی کے مثل لوہے کا ضامن ہوگا، اس لئے کہ جب اس نے اس کو خراب کردیا

تو گویا اس نے اس کالو ہا لے لیا اور اس کی اجازت کے بغیر برتن بنالیا، اس صورت میں برتن صانع کا ہوگا، کیوں کہ ضمان سے آدمی شیئی مضمون کا مالک ہو جاتا ہے)۔

دوسری شکل یہ ہے کہ تمام چیزوں کی ذمہ داری خام مال کا فراہم کرنا یہ سب صانع کے ذمہ ہوگا، مثلاً "مستصنع" صانع سے یہ کہے: یہ نقشہ اور پیمائش ہے، آپ مجھے اس کے مطابق مکان یا سامان تیار کر دیں، تو یہ عقد استصناع کہلائے گا۔

الحاصل علامہ کاسانی کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر مستصنع (خریدار) خود خام مال (Material) فراہم کرتا ہے اور صانع (مینوفیکچرر) صرف بناتا ہے تو یہ معاملہ عقد استصناع کے دائرہ میں نہیں آئے گا، بلکہ عقد اجارہ کے دائرے میں آئے گا، عقد استصناع میں میٹریل اور خام مال کا انتظام خود صانع کرتا ہے، مستصنع تو صرف آرڈر دیتا ہے اور معاہدہ کی رقم ادا کرتا ہے۔

عقد استصناع میں تیار شدہ مال کا حکم:

تیار شدہ مال کی دو شکلیں ہیں: ایک تو یہ کہ مستصنع نے صانع کو آرڈر دیا کہ ان اوصاف کا سامان تیار کر دے، تو اس معاملہ میں مستصنع (مشتری) کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ اگر صانع نے معاملہ کے مطابق مطلوبہ شیئی کو تیار نہیں کیا بلکہ اس کو بگاڑ دیا یا خلاف معیار تیار کر دیا تو اس صورت حال میں مستصنع (مشتری) کو شرعی اعتبار سے یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ شیئی مصنوع کو مسترد کر دے اور چاہے اس کو قبول کر لے، اس سلسلہ میں ڈاکٹر حسام الدین خلیل نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے: "وإذا لم يكن المصنوع على الأوصاف المطلوبة المبينة كان المستصنع مخيراً" (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام علی حیدر ار ۴۲۲، بحوالہ عقد الاستصناع لڈاکٹر حسام الدین خلیل) (اور جب تیار کردہ شیئی طے شدہ اوصاف کے مطابق نہ ہو تو اس صورت میں خریدار کو اختیار ہوگا)۔

یعنی خریدار کو یہ حق حاصل ہوگا چاہے اس کو قبول کر لے یا اس کو رد کر دے خریدار کو لینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ زبردستی لینے پر مجبور کرنے کی صورت میں خریدار کو نقصان ہوگا جو صانع کے نقصان سے کہیں زیادہ ہے، لیکن اگر خریدار نے دیکھنے کے بعد مصنوع کو قبول کر لیا تو اب مسترد کرنے کا حق نہ ہوگا۔ "ومتى قبله بعد رؤيته فليس رده" (عقد الاستصناع ۲۶) (جب خریدار دیکھنے کے بعد مصنوع کو قبول کرلے تو اس کے بعد مسترد نہیں کر سکتا)۔

دوسری شکل یہ ہے کہ اگر صانع نے طے شدہ معیار کے مطابق سامان تیار کر دیا، اب اگر یہ کہا جائے کہ جب ٹھیکیدار عمارت یا کاریگر کارخانہ فیکٹری تیار کر دے گا تو پھر مشتری کو خیار دیدیں کہ تم چاہو تو لے لو اور نہ چاہو تو نہ لو۔ تو اس بارے میں حضرات فقہاء کرام کے نظریات مختلف ہیں، امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ خریدار اس چیز کو دیکھنے کے بعد اپنا خیار رؤیت استعمال کر سکتا ہے، اس لئے کہ استصناع ایک عقد بیع ہے اور جب کوئی شخص عقد بیع میں ایسی چیز خریدے جو اس نے دیکھی نہیں ہے تو دیکھنے کے بعد اسے لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

لیکن امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ تیار کردہ شیئی عند العقد طے شدہ اوصاف کے بالکل عین مطابق ہے تو خریدار اسے قبول کرنے کا پابند ہوگا اور خیار رؤیت کا حق استعمال نہیں کر سکتا ہے۔ خلافت عثمانیہ میں حضرات فقہاء کرام نے اسی نقطہ نظر کو ترجیح دی تھی اور حنفی قانون اسی کے مطابق مدون کیا گیا تھا، اس لئے کہ جدید صنعت وتجارت میں یہ بڑی نقصان کی بات ہوگی کہ تیار کنندہ نے اپنے تمام وسائل

مطلوبہ چیز کی تیاری میں لگا دیئے، اب اگر مشتری یا مستصنع نے کوئی وجہ بتائے بغیر یہ کہہ دیا کہ مجھے نہیں چاہئے، اگرچہ فراہم کردہ چیز مطلوبہ اوصاف کے مطابق ہو تو صانع کو بہت بڑا نقصان ہوگا، اور اگر اسی طرح کے دو چار معاملات اس کے ساتھ اور پیش آ گئے تو صانع بالکل برباد ہو جائے گا۔ اس لئے اب عقد استصناع کو عقد لازم قرار دیا جائے گا اور اسی میں بھلائی ہے (ملاحظہ فرمائیں مجلہ دفعہ ۳۹۲ اور مقدمہ بحوالہ اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/ ۱۵۵)۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اگر مطلوبہ مواصفات کی چیزیں صانع نے تیار کر دی ہیں تو پھر مستصنع (خریدار) لینے کا پابند ہوگا، لیکن اگر خریدار اس مطلوبہ چیز کو لینے سے مکر جائے تو تعزیراً اس پر تاوان عائد کیا جا سکتا ہے، اور اگر تیار کردہ شیئ بیان کردہ اوصاف کے مطابق نہیں ہیں بلکہ اس کے خلاف ہو تو خریدار اس کو لینے کا پابند نہ ہوگا اور اس کو اختیار ہوگا کہ وہ مال لے یا نہ لے، اور عقد فسخ کر دے، اور اس صورت میں آرڈر کے مطابق مال نہ تیار کرنے کی وجہ سے خریدار کو جو نقصان کا بار اٹھانا پڑا وہ تیار کنندہ سے بطور تاوان تعزیراً کچھ وصول کر سکتا ہے، بشرطیکہ یہ تمام باتیں معاملہ کرتے وقت طے کر لی ہوں، لیکن اگر تیار شدہ مال طے شدہ اوصاف کے مطابق ہے تو پھر مستصنع کو یہ مال لینا پڑے گا رد کرنے کا اختیار نہ ہوگا، کیونکہ اس شکل میں صانع کو حرج عظیم ہوگا جس کی بھرپائی مشکل ہو جاتی ہے۔

فقہاء کرام نے صانع (مینوفیکچرر) کو ایک سہولت یہ دی ہے کہ صانع کے ذمہ یہ بات ہوتی ہے کہ جس قسم کی مواصفات کی چیزیں مستصنع نے طلب کی ہیں وہ اس کو فراہم کرے، لیکن فرض کریں، اگر صانع کسی موقع پر یہ سوچے کہ یہ بنانا میرے لئے ناممکن ہے یا مشکل ہے، لہٰذا اگر وہ بالکل انہیں مواصفات کی چیز بازار سے خرید کر لا دے تو فقہاء کہتے ہیں یہ بھی جائز ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

استصناع متوازی کا شرعی حکم:

ڈاکٹر حسام الدین خلیل نے اپنے مقالہ "عقد الاستصناع" میں لکھا ہے

"ويتبين من هذا: أن في الاستصناع، والاستصناع الموازي ثلاثة أطراف وأحد منها مشترك في العقدين وهو البنك أو المؤسسة المالية إذ يكون صانعاً في عقد الاستصناع مع العميل، ومستصنعاً في عقد الاستصناع الموازي مع المقاول أو الصانع الفعلي وتكون الشروط متماثلة في العقدين إلا في الثمن لتحقيق هامش ربح للبنك، وزمن التسليم لتمكين البنك مع التسلم ثم التسليم ويجوز للبنك أن يؤكل العميل (في الاستصناع الموازي) بتسلم المصنوع من المقاول أو الصانع الفعلي، بعد تمكن البنك من القبض الحكمي" (مقالہ عقد الاستصناع: ۷، ۲)۔

(اور اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بلاشبہ استصناع موازی میں تین فریق ہوتے ہیں ان میں سے ایک دونوں عقد میں مشترک ہوتا ہے، جو درحقیقت بینک یا مالیاتی ادارہ ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ عقد استصناع میں عمیل کے ساتھ صانع بھی ہوتا ہے اور ٹھیکیدار بھی اور بالفعل بائع کے لئے مستصنع بھی ہوتا ہے، ان دونوں عقدوں میں شرطیں باہم یکساں اور متماثل ہوتی ہیں، الا یہ کہ بینک کے نفع کے لئے اور سپردگی کے زمانہ کے لئے ثمن میں فرق رکھا جاتا ہے تاکہ بینک وصول کر کے پھر حوالہ کر دے اور بینک کے لئے یہ بات جائز ہے کہ استصناع موازی میں ٹھیکیدار یا بالفعل صانع سے تیار کردہ چیز وصول کرنے کے لئے وکیل بنائے بشرطیکہ خود بینک کو اس پر قبضہ حکمی حاصل ہو چکا ہو)۔

اس عبارت سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ بینک کا یہ معاملہ اور نفع حاصل کرنا جائز ہے، بشرطیکہ تمام معاملات طے ہوں اور نفع

محدود ہو اور طرفین کو معلوم ہو۔

"عند التوقيع على عقد الاستصناع المصرفي يجب أن يكون مبلغ الاستصناع مبلغاً محدوداً و معلوماً للطرفين"

(عقد الاستصناع ح ۳۰۸) (عقد استصناع میں معاہدہ طے پاتے وقت اور کاغذات پر دستخط کرتے وقت یہ ضروری ہے کہ استصناع کا مبلغ کی تحدید واضح ہو اور طرفین کے علم میں ہو)۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ مالیاتی ادارہ یا بینک کا صانع اور مستصنع کے درمیان داخل ہو کر جو معاملات طے کرتا ہے اور پھر اس پر جو نفع حاصل کرتا ہے وہ درست اور جائز ہے، کیونکہ بینک کی حیثیت ایک دلال یا وکیل کی ہوتی ہے اور بینک ہی گارنٹر ہوتا ہے، کیونکہ اگر کسی وجہ سے سودے میں نقص واقع ہو جائے تو ساری ذمہ داری بینک کی ہوتی ہے اور وہی نقصان بھی برداشت کرتا ہے، مستصنع پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، اس کو تو طے شدہ معیار کے مطابق فلیٹ چاہئے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عقد استصناع میں وقت متعین کرنا:

عقد استصناع کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی کوئی میعاد مقرر نہ کی جائے، ورنہ وہ عقد سلم ہو جائے گا، جیسا کہ رد المحتار میں ہے:

"في رد المحتار عن بدائع من شرطه بيان جنس المصنوع و نوعه و قدره و صفته، و أن يكون مما فيه تعامل و أن لا يكون مؤجلاً و إلا كان سلماً" (رد المحتار، کتاب البیوع، باب السلم ۴ / ۲۱۲)۔

(رد المحتار میں بحوالہ بدائع ہے کہ استصناع کی شرطوں میں سے یہ کہ مصنوع (جو چیزیں بنوانا مطلوب ہوں) کی جنس، نوع، صفت، اور مقدار کو بیان کرنا اور یہ کہ اس میں لوگوں کا عرف جاری ہو اور یہ کہ اس کی کوئی میعاد مقرر نہ کی جائے نہیں تو یہ عقد سلم ہو جائے گا)۔

عقد استصناع میں مبیع کے حوالہ کرنے کا وقت متعین کرنا ضروری نہیں ہے، البتہ عقد سلم میں مسلم فیہ کی ادائیگی کا وقت مقرر کرنا اور تاریخ متعین کرنا صحت سلم کے لئے ضروری ہے اور عقد سلم کا حصہ ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر عقد استصناع میں اجل متعین کر دیا جائے تو پھر عقد استصناع باقی نہیں رہتا ہے بلکہ عقد سلم ہو جاتا ہے اور عقد سلم کی تمام شرائط کی رعایت اس میں لازمی ہو جاتی ہے، لیکن صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ وقت کی عدم تعیین، عقد استصناع کے لئے ضروری نہیں ہے، وقت مقرر کیا جائے یا نہ کیا جائے، بہر صورت وہ استصناع ہی رہتا ہے سلم نہیں ہوتا ہے۔ اب عام طور پر عوام الناس عقد استصناع میں بھی وقت متعین کرنے لگے ہیں اور یہ عرف میں داخل ہو چکا ہے، الغرض استصناع میں یہ ضروری نہیں ہے کہ سامان کی فراہمی کا وقت متعین کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ البتہ اب یہ دستور چل نکلا ہے کہ صانع خریدار سے زیادہ سے زیادہ وقت مانگتا ہے تاکہ بسہولت مال تیار ہو جائے اور تاخیر کی صورت میں مستصنع سامان لینے سے انکار نہ کرے۔

اس بارے میں علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

"و منها أن لا يكون فيه أجل فإن ضرب للاستصناع أجلاً صار سلماً حتى يعتبر فيه شرائط السلم و هو قبض البدل في المجلس، و لا خيار لواحد منهما إذا سلم الصانع المصنوع على وجه الذي شرط فيه السلم، و هو قول أبي حنيفة و قال أبو يوسف و محمد هذا ليس بشرط و هو استصناع على كل حال ضرب فيه أجلاً أو لم يضرب، و جه قولهما أن العادة جارية بضرب الأجل في الاستصناع الخ" (بدائع الصنائع ۵ / ۳، [illegible])۔

(عقد استصناع کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اس میں مدت کا ذکر نہ ہو، چنانچہ اگر استصناع میں مدت بیان کر دی جائے تو وہ سلم ہو جاتا ہے پھر اس میں سلم کی شرائط کا اعتبار کرنا ہوگا، اور وہ مجلس عقد میں بدل پر قبضہ کرنا ہے اور اگر صانع نے شیئ مصنوع کو بیع سلم میں بیان کردہ اوصاف وشرائط کے مطابق (خریدار کو) سپرد کر دیا تو ان دونوں میں سے کسی کو بھی خیار حاصل نہ ہوگا۔ اور (اس بارے میں) یہ قول امام ابوحنیفہ کا ہے، جب کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ کوئی شرط نہیں ہے، بہر حال ہی استصناع ہی ہوگا خواہ مدت بیان کی جائے یا نہ کی جائے، صاحبینؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ عقد استصناع میں عموماً لوگوں میں وقت متعین کرنے کی عادت جاری وساری ہے اور لوگ اس میں مدت بیان کرتے ہیں، اس لئے مدت کے بیان کی وجہ سے عقد استصناع بیع سلم میں تبدیل نہ ہوگا بلکہ استصناع ہی رہے گا)۔

عقد استصناع میں معاملات طے پا جانے کے بعد جس میں یہ بھی وضاحت کر دی گئی کہ فلاں تاریخ تک یہ مال تیار کر دیا جائے، اور صانع (مینوفیکچرر) نے قبول کر لیا کہ مطلوبہ تاریخ تک سامان تیار ہو جائے گا، اب اس خریدار نے اپنے گاہکوں سے اس امید پر آرڈر وصول کر لئے کہ مقررہ وقت پر سامان دستیاب ہو جائے گا، لیکن کسی وجہ سے صانع مطلوبہ سامان وقت متعینہ پر تیار نہ کر سکا تو خریدار کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس کے گاہک ٹوٹنے کا خطرہ پیدا ہو جائے گا، اب مستصنع دوسری جگہ سے مہنگے دام پر وہ سامان اپنے گاہک کو فراہم کرے گا تاکہ اس کی دوکانداری اور اس کی امیج خراب نہ ہو، اس صورت حال میں خریدار اول کو کافی نقصان برداشت کرنا پڑے گا، تو اس صورت حال میں یہ مستصنع صانع سے نقصان کا تاوان کر سکتا ہے یا نہیں، اس مسئلہ کو فقہاء کرام نے اس طرح واضح فرمایا ہے

"إن خطته اليوم فلك درهم وإن غدا فلا أجر لك، قال محمد: إن خاطه في الأول فله درهم وإن في الثاني فأجر المثل لا يزاد درهم في قولهم جميعا" (شامی ۹، ۹۸)۔

(مستصنع نے صانع سے یہ کہا اگر تم اس (کپڑے) کی سلائی آج ہی کر دو گے تو تمہیں ایک درہم ملے گا اور اگر تم نے کل "سی" کر دیا تو تمہیں کوئی اجرت نہیں ملے گی، (تو اس بارے میں) امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے (کپڑا) پہلے ہی دن سی کر دیا تو اس کو ایک درہم ملے گا، اور اگر دوسرے دن سی کر دیا تو اس صورت میں اجرت مثل کا حق دار ہوگا، لیکن بالاتفاق اجرت مثل ایک درہم سے زیادہ نہیں ہوگی)۔

اگر وقت متعینہ پر مطلوبہ سامان کی فراہمی نہیں ہوتی ہے تو اب دیکھا جائے گا کہ آخر وہ کیا عوارضات ہیں جس کی وجہ سے سامان کی فراہمی میں تاخیر ہوئی، اس کی علت اور وجہ کیا ہیں؟ اب دو ہی وجہیں ہو سکتی ہیں:

۱— ایک یہ کہ صانع کو کوئی شرعی عذر لاحق ہو گیا، مثلاً بیمار ہو جائے، شہر میں فساد ہو جانے کی وجہ سے شہر میں کرفیو نافذ ہو گیا اور آمد ورفت کے راستے بند ہو گئے ہوں، جس کی وجہ سے کارخانہ، فیکٹری، دوکان کھولنا مشکل ہو جائے، اور اس وجہ سے وقت متعینہ پر مال تیار نہ ہو سکے، اور صانع حسب وعدہ خریدار کو مبیع حوالہ نہ کر سکا، تو اس صورت میں صانع پر کسی طرح کا تاوان نہیں لگایا جائے گا، بلکہ خریدار صانع کو کچھ مزید سہولت دیتے ہوئے کام کو انجام تک پہنچائے۔

۲— دوسری وجہ یہ ہے کہ صانع کو کسی بھی قسم کا کوئی عذر پیش نہیں آیا بلکہ محض اپنی سستی اور لاپرواہی کی وجہ سے کام میں تاخیر کر دی اور مقررہ تاریخ پر مطلوبہ سامان فراہم نہ کر سکا، تو اس صورت میں خریدار بائع سے حسب معاہدہ تاوان وصول کر سکتا ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عقد استصناع کے احکام

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی ☆

کسی بھی تیار کنندہ شخص یا کمپنی کو آرڈر دینا کہ مطلوبہ شیئ تیار کردے، خام مال بھی تیار کرنے والے کی طرف سے ہو، استصناع کہلاتا ہے۔ آرڈر دہندہ کو "مستصنع" (یعنی خریدار) اور تیار کنندہ کو صانع (یعنی بائع) کہا جاتا ہے، علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں

"أما شرعاً فهو طلب العمل منه في شيئ خاص على وجه مخصوص" (رد المحتار ۷/۴۷۴، کتاب السلم، مطلب فی الاستصناع)

(صانع سے کوئی خاص چیز مخصوص طرز سے بنانے کا مطالبہ کرنا شرعاً استصناع کہلاتا ہے)۔

اس کی توضیح کرتے ہوئے شیخ فریدالدین عالم بن العلاء ہندی نے (متوفی ۷۸۶ھ) فتاوی تاتارخانیہ میں صدر الاسلام سے نقل کیا ہے

"ذكر صدر الإسلام صورته في الجامع الصغير: أن يجيئ إنسان إلى اخر فيقول له: احرز لي خفاً صفته كذا، وقدره كذا بكذا درهماً ويسلم له جميع الدراهم أو لا يسلم أو يسلم بعضه" (تاتارخانیہ ۹/۴۰۰، الفصل الخامس والعشرون فی الاستصناع مسئلہ ۱۶٬۱۳۷)۔

(صدر الاسلام نے جامع صغیر میں اس کی صورت ذکر کی ہے، ایک انسان کسی دوسرے کے پاس آکر کہتا ہے: میرے لئے ایک جوتا گانٹھ دو جس کی ہیئت اور قدر یہ ہوگی، اتنے درہم میں دوں گا، اور مکمل درہم دے دیتا ہے یا کچھ بھی نہیں دیتا یا اس کا بعض حصہ دیتا ہے)۔

دراصل یہ معدوم کی بیع ہے، بیع کے اصول وضوابط کے مطابق معدوم کی بیع باطل ہے، مگر شریعت نے استثنائی طور پر سلم کی اجازت دی ہے، سلم بھی حقیقت میں معدوم کی بیع ہے، لیکن بیع سلم کی شروط وقیود استصناع میں پوری طرح نہیں پائی جاتی، متعدد اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے، مثال کے طور پر:

الف—عقد سلم میں رأس المال (ثمن) مجلس میں ادا کرنا ضروری ہوتا ہے جبکہ استصناع میں عام طور پر مبیع کے حاصل ہونے پر مکمل ادا کیا جاتا ہے، آرڈر کے وقت بھی کچھ حصہ بیعانہ کے طور پر دیا جاتا ہے اور کبھی کچھ بھی نہیں دیا جاتا۔

ب—سلم کے لئے ضروری ہے کہ مبیع ایسی شیئ ہو جس کا لزوم ذمہ میں ہوسکتا ہو، یعنی مثلیات یا عددی متقارب کی قبیل سے ہو، جبکہ استصناع میں عام طور پر عین یعنی مشخص اور ایسی چیز ہوتی ہے جو تعیین سے متعین ہوجاتی ہے۔

☆ خادم حدیث مدرسہ حسینیہ کیرالہ۔

ج — عقد سلم میں جمہور علماء کے نزدیک مدت کی تعیین ضروری ہے، صرف شوافع اجل کی قید کو ضروری قرار نہیں دیتے ہیں، لیکن استصناع میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر اجل کی تحدید کردی جائے تو عقد باقی نہیں رہتا ہے بلکہ وہ سلم بن جاتا ہے، ہاں صاحبین کے نزدیک اجل کی تحدید سے استصناع کی حقیقت پر فرق نہیں پڑتا ہے۔

"أن لا يكون مؤجلاً وإلا كان سلماً، وعندهما: المؤجل استصناع إلا إذا كان مما لا يجوز فيه الاستصناع فينقلب سلماً في قولهم جميعاً" (شامی ۷/۴۷۵، باب السلم، مطلب فی الاستصناع، مطبوعہ زکریا دیوبند) (شرط یہ ہے کہ مؤجل ہو ورنہ سلم ہو جائے گا اور صاحبین کے نزدیک مؤجل بھی استصناع ہے الا یہ کہ ایسی چیز ہو کہ اس میں استصناع جائز نہیں ہو تو سب کے نزدیک سلم ہو جائے گا)۔

د — عقد سلم ایجاب وقبول سے لازم ہو جاتا ہے، دونوں کی رضامندی سے تو معاملہ ختم کیا جا سکتا ہے، ایک فریق فسخ کرنا چاہے تو اختیار نہیں ہوتا، جبکہ استصناع کا معاملہ اس سے کچھ الگ ہے، کام شروع کرنے سے پہلے پہلے ہر دو مختار ہیں کہ آرڈر کو منسوخ کردے، اور معاملہ فسخ ہو جائے، کام شروع کر دینے کے بعد مستصنع کو حق فسخ نہیں، اسی طرح مصنوع کو آرڈر دہندہ کے سامنے کر دینے کے بعد صانع کو حق فسخ نہیں ہونا چاہئے۔

ہ — عقد سلم میں احناف کے نزدیک مسلم فیہ یعنی مبیع کی جنس کا مارکیٹ میں عقد کے وقت سے ادائیگی تک موجود ہونا ضروری ہے، جمہور کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے، استصناع میں احناف کے نزدیک بھی یہ شرط نہیں ہے۔ اس لئے اس معاملہ کو بعینہ عقد سلم قرار دینا مشکل ہے، ایک احتمال یہ ہے کہ اجارہ قرار دے کر اجارہ کے احکام جاری کیا جائے، کیوں کہ جس طرح اجارہ میں عمل کا مطالبہ ہوتا ہے، اسی طرح استصناع میں بھی عمل کا مطالبہ ہوتا ہے، ایک شخص کو مکان کی حاجت ہے، کسی معمار سے کہتا ہے کہ اس قسم کا مکان تیار کرو، وہ کام شروع کرتا ہے اور ایک مکان بن کر تیار ہو جاتا ہے۔

لیکن اس معاملہ کو اجارہ بھی بنانا مشکل ہے، اس لئے کہ اجارہ میں میٹریل اور مادہ مستاجر کی طرف سے ہوتا ہے، اجیر و عامل صرف عمل کرتا ہے، جبکہ عقد استصناع میں خام مال بھی صانع ہی مہیا کرنے کا پابند ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ اجارہ کی روح کے خلاف ہے۔

لیکن اس قسم کے معاملات کا رواج تقریباً عہد نبوی سے ہی ہے، رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی کے لئے عائشہ انصاریہ کے آزاد کردہ غلام میمون سے ایک منبر بنوایا تھا، حدیث کی تمام متداول کتابوں میں قصہ مذکور ہے، یہ استصناع ہی کی شکل تھی، حضرت علیہ السلام کا متعدد بار انگوٹھی بنوانا بھی ثابت ہے جو عقد استصناع ہی ہے، پھر بعد میں بھی تعامل جاری رہا، اور علماء امت میں سے کسی نے بھی اس پر نکیر نہیں فرمائی یہ بڑی مضبوط دلیل ہے معاملہ کے صحیح ہونے کی۔ علامہ سرخسی نے تفصیلی بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وفي الحديث أن النبي ﷺ استصنع خاتماً، واستصنع المنبر، وإذا ثبت هذا يترك كل قياس في مقابلته" (مبسوط ۱۲/۱۳۸، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ) (حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے انگوٹھی بنوایا، اور منبر کا آرڈر دیا، اور جب یہ ثابت ہے تو اس کے بالمقابل تمام قیاس متروک ہوگا)۔

ضرورت بھی داعی ہوتی ہے، ایک شخص ہے جو نہ کاریگر ہے، اور نہ خام مال ہی لاکر دے سکتا ہے، جبکہ اس کو مال کی ضرورت ہے، ایسے موقع پر استصناع کی مذکورہ شکل ہی اختیار کرنی پڑتی ہے، اس لئے یہ معاملہ خاص طور پر احناف کے یہاں صحیح ہے، اس کا جواز تعامل اور

ضرورت کی بنیاد پر ہے،لہذا ایسی ہی چیز میں جواز ہوگا،جس میں تعامل ہو،نیز معاملہ اس طرح کیا جائے کہ نزاع کا خدشہ باقی نہ رہے،یعنی شیئ مصنوع کی جنس،نوع،قدر،صفت ہر شیئ واضح کردی جائے،کیوں کہ شیئ مصنوع کی حیثیت مبیع کی ہے،لہذا جو شرائط مبیع بننے کے لئے ہیں وہی اس کے لئے بھی ہوں گے۔

علامہ کاسانی (علاء الدین ابوبکر بن سعود ۵۸۲ھ) لکھتے ہیں :

"والاستحسان : جاز؛ لأن الناس تعاملوه في سائر الأعصار من غير نكير، فكان إجماعاً منهم على الجواز، فيترك القياس، ثم هو بيع عند عامة مشايخنا، وأما شرائط جوازه : بيان جنس المستصنع ونوعه وقدره وصفته؛ لأنه مبيع، فلابد أن يكون معلوماً، والعلم إنما يحصل بأشياء، ومنها أن يكون ما للناس فيه تعامل كالقلنسوة والخف والآنية ونحوها، فلا يجوز فيما لا تعامل لهم فيه" (بدائع ۴؍۴۴۴ مطبوعہ زکریا دیوبند ۱۴۱۹ھ) (استحسان معاملہ جائز ہے،اس لئے کہ لوگوں کا ہر زمانہ میں بلا کسی نکیر تعامل رہا ہے، لہذا یہ ان کی طرف سے جواز پر اجماع ہوگیا،پس قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا،پھر جمہور مشائخ کے نزدیک بیع ہے،اس کے جواز کی شرائط یہ ہیں کہ شیئ مصنوع کی جنس،نوع،مقدار،صفت بیان کردی جائیں،اس لئے کہ وہ مبیع ہے،لہذا معلوم ہونا ضروری ہے،اور علم چند اشیاء سے حاصل ہوتا ہے۔انہی شرائط جواز میں سے ہے کہ اس شیئ میں معاملہ کا تعامل رہا ہو،جیسے ٹوپی،خفین،اور برتن وغیرہ لہذا ایسی چیزوں میں جائز نہیں جن میں تعامل نہ ہو)۔

اسی طرح جواز کے لئے ایک شرط امام ابوحنیفہ کے نزدیک اجل کی عدم تحدید ہے،لیکن صاحبین کے نزدیک تحدید سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا،حضرات صاحبین کی رائے اچھی معلوم ہوتی ہے،کیوں کہ تعامل کی بنا پر ہی اس کا جواز ہے،اگر تعامل،تاجیل کا ہو تو یہ بھی ملحوظ ہونا چاہئے۔

صرف یہی نہیں کہ اس کا جواز احناف کے نزدیک ہے،بلکہ سادات شافعیہ کے متاخرین نے بھی اسی کے مطابق فتوی دیا ہے۔

"وهذا ولا نرى مانعاً من الأخذ برأي السادة الحنفية رحمهم الله تعالى، والحكم بصحة هذا التعامل تيسيراً على الناس، إذ أن الحاجة ماسة إليه والناس يتعاملونه في أكثر صناعاتهم" (الفقہ المنہجی ۶؍۵۴،عقد الاستصناع،مطبوعہ دار القلم دمشق ۱۴۲۸ھ)۔

(سادات حنفیہ کی رائے اختیار کرنے،اور لوگوں کی آسانی کے لئے اس معاملہ کی صحت کا فیصلہ کرنے میں ہم کوئی مانع نہیں دیکھتے ہیں،اس لئے کہ حاجت متقاضی ہے اور لوگوں کا اکثر معاملات میں یہ تعامل ہے)۔

۱ — کن اشیاء میں عقد استصناع جاری ہوگا :

چوں کہ عقد استصناع کے جواز کی بنیاد تعامل پر ہے،اس لئے ہر دور میں ہر ایسی چیز میں استصناع جائز ہوگا جس میں تعامل پایا جاتا ہو،اس نقطہ نظر پر تقریباً اتفاق ہی پایا جاتا ہے،اصول وفروع کی کتابوں میں استصناع کا جواز تعامل،اور حاجت کی بنا پر مانا گیا ہے۔علامہ ابن نجیم جواز کو مبرہن کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"والقياس أن لا يجوز وهو قول زفر لكونه بيع المعدوم وتركناه للتعامل" (البحر الرائق ۶؍۲۰۰،مطبوعہ رشیدیہ پاکستان)

(قیاس کا تقاضا ہے کہ جائز نہ ہو،یہی امام زفر کا قول ہے،اس لئے کہ معدوم کی بیع ہے لیکن ہم نے تعامل کی بنا پر قیاس کو ترک کردیا)۔

علامہ سرخسی کا کلام مبسوط سے اور علامہ کاسانی کا کلام بدائع سے ماقبل میں مذکور ہو چکا ہے، علامہ شامی رقمطراز ہیں: "وصفته أن یکون مما فیه تعامل" (شامی ۷/۴۷۴، باب السلم، مطلب فی الاستصناع مطبوعہ زکریا دیوبند ۱۴۱۷ھ) (اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایسی چیزوں میں ہو جس میں تعامل ہو)۔

ابن نجیم اشباہ میں "الحاجة تنزل منزلة الضرورة" کے تحت مثال میں "جواز الاستصناع للحاجة" کو پیش کرتے ہیں (دیکھئے اشباہ ابن نجیم ۱/۲۶۷، القاعدۃ السادسۃ من الخامسہ)۔

اس لئے شیخ فرید الدین عالم بن علاء (متوفی ۷۸۶ھ) نے صراحت کردی ہے

"یجب أن یعلم بأن الاستصناع جائز فی کل ما جری التعامل فیه کالقلنسوة والخف والأوانی المتخذة من الصفر والنحاس، وما أشبه ذلک استحسانا، ولا یجوز فیما لم یجر التعامل فیه کالثیاب وما أشبهها" (تاتارخانیہ ۹/۲۰۰، الفصل الخامس العشر من مسائل ۱۳۷، مطبوعہ زکریا دیوبند ۱۴۳۳ھ) (یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ استصناع ہر ایسی چیز میں جائز ہے جس میں تعامل ہو، جیسے ٹوپی، خفین، پیتل، اور تانبے کے برتن، یا اس جیسی چیزیں، یہ جواز استحسانا ہے، اور ایسی چیزیں جن میں تعامل نہیں ہے مثلاً کپڑے وغیرہ تو ان میں استصناع جائز نہیں)۔

بعد کے ادوار میں کپڑوں میں بھی تعامل ہو گیا تو علامہ وہبہ زحیلی وغیرہ نے جواز کو محض تعامل کی بنا پر مستنبط کیا۔

"ولکن جری التعامل فی عصرنا باستصناع الثیاب فیکون جائزاً، لأن جریان التعامل یختلف باختلاف البلدان والأزمنة" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۳۶۵۶) (لیکن ہمارے زمانہ میں کپڑوں کے استصناع کا تعامل بھی شروع ہوا، لہذا یہ بھی جائز ہوگا، کیوں کہ تعامل مختلف شہروں اور وقتوں میں بدلتا رہتا ہے)۔

اس لئے ہر ایسی چیز جس میں تعامل ہو خواہ اشیاء منقولہ کی قبیل سے ہو یا غیر منقولہ کی قبیل کی، ہر ایک میں استصناع جائز ہے۔

۲ — استصناع بیع ہے یا وعدۂ بیع:

یہ سوال اہم ہے، اس لئے کہ بیع کے احکام الگ ہیں اور وعدۂ بیع کے الگ، وعدہ کو اخلاقی طور پر پورا کرنا تو ضروری ہے، مگر پورا نہ کرنے پر کوئی قانونی کارروائی نہیں کی جاسکتی، اس طور پر کہ دنیا میں اس کا اثر مرتب ہو جائے نہیں ہو سکتا، جبکہ بیع کی وجہ سے ملکیت بھی منتقل ہو جاتی ہے اور لزوم بھی آجاتا ہے، البتہ رسک وضمان قبضہ پر منحصر رہتا ہے، فقہی ذخائر کے مطالعہ سے یہی بات منقح ہوتی ہے کہ یہ عقد بیع کے حکم میں ہے، صرف وعدۂ بیع نہیں، علامہ فرید الدین عالم بن العلاء (۷۸۶ھ) تحریر فرماتے ہیں:

"ثم الاستصناع فیما بین الناس فیه تعامل إذا جاز فیه استحسانا فإنما یجوز معاقدة لا مواعدة بدلیل أن محمداً ذکر فیه القیاس والاستحسان، ولو کان مواعدة لجاز قیاساً واستحساناً، والدلیل علیه أنه فصل بین ما للناس فیه تعامل وبین ما لا تعامل للناس فیه، ولو کان مواعدة لجاز فی الکل، والدلیل علیه أن محمداً قال فی الکتاب: إذا فرغ الصانع من العمل وأتی به کان المستصنع بالخیار لأنه اشتری مالم یره فقد سماه شراء الخ" (تاتارخانیہ ۹/۲۰۰، الفصل الخامس والعشرون فی الاستصناع مسئلہ ۱۳۷۰۳)۔

(پھر استصناع جس میں تعامل ہو استحساناً جائز ہے تو یہ جواز عقد کے طور پر ہے، وعدہ نہیں، دلیل اس کی یہ ہے کہ امام محمد نے اس

معاملہ میں قیاس واستحسان دونوں کو ذکر کیا اگر وعدہ ہوتا تو قیاساً اور استحساناً دونوں وجوہ سے جائز ہوتا، اور اس پر دلیل یہ ہے کہ انہوں نے تفصیل کی ہے کہ ان چیزوں کے مابین جن میں تعامل ہے اور ان چیزوں کے مابین جن میں تعامل نہیں ہے، اگر وعدہ ہوتا تو ہر ایک میں جائز ہوتا، اور اس پر دلیل یہ ہے کہ امام محمد نے مبسوط میں ذکر کیا ہے کہ جب صانع کام کر کے فارغ ہو جائے اور اس کو لے کر آئے تو مستصنع کو اختیار ہوگا، اس لئے کہ اس نے ایسی چیز خریدی ہے جس کو دیکھا نہیں ہے، چنانچہ امام محمد نے اس کا نام ''شراء'' رکھا ہے)۔

علامہ ابن نجیم کے بیان کے مطابق حاکم شہید، صفار، اور محمد بن سلمہ کے نزدیک وعدہ بیع ہے، بیع تو لینے کے وقت ہوگی، لیکن دیگر بزرگوں کے نزدیک یہ بیع ہے پھر مذکورہ بالا دلیل پیش کی (دیکھئے البحر الرائق ۶/۱۷۱، مکتبہ رشیدیہ، پاکستان)۔

درمختار اور رد المحتار میں بھی صحیح قول بیع ہی کو قرار دیا گیا ہے، اس پر صرف یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر بیع ہے اور صانع کا انتقال ہو جائے تو معاملہ ختم ہو جاتا ہے، بیع ہونے کا تقاضہ تو یہ ہے کہ معاملہ باقی رہے، اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ شامی لکھتے ہیں:

استصناع میں ایک حیثیت اجارہ کی بھی ہے، کیوں کہ صانع سے عمل بھی مطلوب ہے، اور وہ عین بھی مطلوب ہے، اس مشابہت کی بنا پر معاملہ ختم ہو جاتا ہے (رد المحتار ۷/۴۷۵، باب السلم مطلب فی الاستصناع، مطبوعہ زکریا ۱۴۱۴ھ)۔

پھر فقہاء کے مابین اس میں اختلاف ہے کہ یہ بیع لازم ہے یا لازم نہیں، عام طور پر اس عقد کو غیر لازم ہی مانا گیا ہے، لہذا صانع کے لئے جائز ہے مال تیار نہ کرے، اگر تیار کر بھی لیا تو دوسرے کو دیدے، اسی طرح مستصنع کو حق ہے کہ آرڈر کو کبھی بھی واپس لے لے، بلکہ صانع مال تیار کر کے حاضر بھی کر دے تو بھی وہ خیار رؤیت حاصل کر کے مال لینے سے انکار کر دے۔

لیکن علامہ سرخسی نے اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے اور امام ابو یوسف کا قول نقل کیا ہے:

''وعن أبی یوسف قال: إذا جاء به کما وصفه له فلا خیار للمستصنع استحساناً بدفع الضرر عن الصانع فی إفساد أدیمه، ولأنه فربما لا یرغب غیره فی شرائه علی تلک الصفة فلدفع الضرر عنه قلنا بأنه لا یثبت له الخیار'' (المبسوط ۶/۱۳۸، جز ۱۲، الاستصناع)۔

(امام ابو یوسف نے فرمایا: جب صانع نے مستصنع کے آرڈر کے مطابق بنالیا تو اب مستصنع کو استحساناً خیار نہیں ہوگا، صانع سے ضرر کو دفع کرنے کی وجہ سے، اس لئے کہ اس کا چمڑا خراب ہو چکا ہے، اور اس لئے بھی کہ بسا اوقات دوسرا شخص اس قسم کا سامان نہیں خریدے گا، تو اس سے ضرر کو دفع کرنے کے لئے ہم نے کہا کہ خیار ثابت نہیں ہوگا)۔

اسی طرح صانع کو بھی امام ابو یوسف کے نزدیک حق نہیں ہے کہ آرڈر کے مطابق تیار نہ کرے، شیخ فرید الدین (۷۸۶ھ) لکھتے ہیں:

''قال أبو یوسف أولاً: یجبر المستصنع دون الصانع، وهو روایة عن أصحابنا، ثم رجع عن هذا، وقال: لا خیار لواحد منهما، بل یجبر الصانع علی العمل ویجبر المستصنع علی القبول'' (تاتارخانیہ ۹/۱۰۴، الفصل الخامس والعشرون فی الاستصناع)۔

(امام ابو یوسف نے اولا کہا: مستصنع کو مجبور کیا جائے گا نہ کہ صانع کو، یہی ایک روایت ہمارے اصحاب سے ہے، پھر امام ابو یوسف نے اس قول سے رجوع کیا اور کہا: دونوں میں سے کسی کو خیار نہیں ہے بلکہ صانع کو تیار کرنے پر مجبور کیا جائے گا، اور مستصنع کو

قبول کرنے پر)۔

امام ابو یوسف کا قول ہی معمول بہ رہا، بالخصوص جبکہ خلافت عثمانیہ میں فقہاء نے قوانین مرتب کیا تو انہی کا قول درج کیا: "إذا انعقد الاستصناع فليس لأحد العاقدين الرجوع، وإذا لم يكن المصنوع على الأوصاف المطلوبة المبينة كان المستصنع مخيرا" (مجلۃ الاحکام العدلیہ مادہ ۳۹۲ بحوالہ: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲۶۵۱/۵) (جب استصناع منعقد ہو گیا تو عاقدین میں سے کسی کے لئے رجوع کرنا جائز نہیں، اور اگر مصنوع طے شدہ اوصاف کے مطابق نہ ہو تو مستصنع کو اختیار ہوگا)۔

مجلہ میں امام ابو یوسف کا قول اختیار کیا گیا ہے، اس لئے کہ بائع و مشتری دونوں ہی اس کے بغیر نقصان اٹھاتے ہیں، صانع نے کثیر لاگت کا میٹریل لگایا، مستصنع نے کہا: میں نہیں لیتا، اس کا مال کیا ہوگا اونے پونے ہو کر ضائع ہوگا۔

اسی طرح ایک خریدار نے آرڈر دے دیا، اس نے کسی اور سے معاملہ طے کر لیا، اب وقت پر اس کو مال نہیں مل سکا تو اس کی مارکیٹ خراب ہوگئی، اور بروقت دوسرے سے خرید کر فراہم کرنا ہوگا، جس میں گراں بار بھی ہوسکتا ہے، اس لئے کسی کو حق نہیں کہ رجوع کرے، بلکہ یہ عقد لازم ہو گیا۔

ہاں سامان ابھی تیار نہیں ہوا ہے اور کچھ زیادہ وقت بھی نہیں گزرا ہے، یعنی اتنا وقت باقی ہے کہ دوسرے صانع سے اسی ریٹ میں تیار کرا سکتا ہے تو ایسی صورت میں کسی کا نقصان نہیں ہے، اس لئے رجوع کرنا چاہے تو کرسکتا ہے، اس وقت عقد غیر لازم ہوگا۔

۳۔ استصناع معدوم کی بیع ہے، سلسلہ وار معاملہ بھی ہوسکتا ہے:

اوپر کی تفصیل سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ استصناع معدوم کی بیع ہے، استحسانا تعامل اور حاجت کی بنا پر جائز ہے، لہذا جس طرح یہ مستصنع اول کے حق میں معدوم ہے، دوسرے آرڈر دہندہ کے حق میں بھی معدوم ہے، عام طور پر فلیٹوں اور بلڈنگوں کی تیاری میں ایسا مرحلہ آتا ہے کہ ایک خریدار دوسرے کے ہاتھ بیچ دیتا ہے، ظاہر ہے وہ بھی آرڈر دے کر اور استصناع کا معاملہ کر کے ہی بات چیت طے کرے گا، بظاہر اس میں قباحت معلوم نہیں ہوتی ہے۔

۴۔ استصناع کا تعلق ہر قسم کے اموال سے ہے:

اس کی بنیاد تعامل پر ہے، اس لئے وہ عین منقول کی قبیل سے ہو یا غیر منقول کی قبیل سے، استصناع ہر ایک میں جائز ہے، اس میں بلڈنگ، فلیٹ، سڑک، پل، ریلوے لائن سبھی غیر منقول اشیاء آجاتی ہیں، اس طرح آرڈر کے ذریعہ تیار کروانے میں مضائقہ نہیں ہے۔

۵۔ استصناع بطور تمویل:

استصناع کے معاملہ میں نہ تو ثمن کی ادائیگی فی الفور ضروری ہے اور نہ ہی مبیع کے قبضے کے وقت، بلکہ طے شدہ معاملہ کے مطابق ہر فریق مجاز ہے کہ ثمن ادا کرے، اور مال مصنوع حوالہ کرے، اسی طرح اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ معاملہ دو نفری ہو، بلکہ تیسرے فریق خواہ ٹھیکہ دار ہو یا کوئی اور اس کو درمیان میں رکھا جاسکتا ہے، لاگت و محنت کا حساب لگا کر کچھ نفع رکھ کر استصناع کا معاملہ طے کریں، خطوط و حدود متعین ہوں، تمویل کار کی ذمہ داری ہو کہ جو معاہدہ میں طے ہوا ہے اس کے مطابق سامان تیار کرائے، تو استثمار کے طور پر استصناع کو

استعمال کیا جاسکتا ہے۔

۶— استصناع میں تلافی نقصان :

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ صانع نے مال تیار کر کے حاضر کیا لیکن مستصنع لینے سے انکار کر دیتا ہے، صانع نے تو لاکھوں روپے کی لاگت سے ایک سامان تیار کیا ہے مخصوص ڈیزائن بنایا ہے، کیا ضروری ہے کہ اس ڈیزائن کا سامان اسے بک بھی جائے، اگر بکتا بھی ہے تو گھاٹے کے ساتھ بکتا ہے، اس مقصد سے بیعانہ کے طور پر صانع کچھ روپے لے لیتا ہے تا کہ اپنے نقصان کی تلافی کر سکے، اب سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح نقصان کی تلافی کی گنجائش شریعت میں ہے؟

ایک تو یہاں یہ متعین کرنا ہوگا کہ نقصان سے کیا مراد ہے؟ نقصان کبھی کم نفع کو بھی بولا جاتا ہے، ظاہر ہے شریعت کی نگاہ میں وہ نقصان نہیں ہے، ہاں جو لاگت آئی ہے اس سے کم میں بک رہا ہے تو یہ نقصان ہوگا، نقصان سے ہماری مراد یہی ہے۔

یہ نقصان اس لئے ہوا کہ ایک نے دوسرے پر اعتماد کر لیا لیکن دوسرا اپنی بات پر قائم نہیں رہ سکا، اس سلسلہ میں بعض نظیروں سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

غرور کی وجہ سے بعض اوقات رجوع بالنقصان جائز ہوتا ہے، علامہ شامی لکھتے ہیں :

”وإذا قال الأب بايعوا ابني، فقد أذنت له في التجارة فظهر أنه ابن غيره رجعوا عليه للغرور، وكذا لو قال بايعوا عبدي فقد أذنت له فبايعوه، ولحقه دين ثم ظهر أنه عبد لغيره رجعوا عليه“ (شامی ۵/۷، کتاب الوداعۃ مطلب الغرور یوجب الرجوع)۔

(اگر باپ نے اہل مارکیٹ سے کہا کہ میرے بیٹے سے بیع وشراء کرو، اس لئے کہ میں نے تجارت کی اجازت دی ہے، اس کے بعد معلوم ہوا کہ دوسرے کا بیٹا ہے تو وہ لوگ دھوکہ کی وجہ سے رجوع کر سکتے ہیں، اسی طرح کہے کہ میرے غلام سے بیع وشراء کرو، اس لئے کہ میں نے اجازت دی ہے چنانچہ ان حضرات نے بیع وشراء کی اور دین اس پر آ گیا، بعد معلوم ہوا کہ دوسرے کا غلام ہے تو وہ لوگ اسی کہنے والے سے رجوع کریں گے)۔

یہی صورت حال استصناع میں ہوتی ہے، صانع نے محض مستصنع کے آرڈر کی وجہ سے مال تیار کرایا ہے، اب اگر مستصنع لینے سے انکار کر دے تو صانع کا نقصان ہو رہا ہے، وہ دیکھ لے کہ کتنا نقصان ہو رہا ہے، اسی کے بقدر بیعانہ سے وضع کر لے تو گنجائش ہے۔

۷— خام مال اگر مستصنع کی طرف سے ہو تو کیا حکم ہے؟

استصناع کے سلسلہ میں ایک اور اختلاف پایا جاتا ہے، معقود علیہ کیا ہوتا ہے، آیا عمل معقود علیہ ہے، یا شیئ مصنوع، قول مختار یہ ہے کہ شیئ مصنوع معقود علیہ ہے عمل کا ذکر تو محض نوعیت مصنوع کی وضاحت کے لئے ہے، صرف ابوسعید البردعی (احمد بن حسین متوفی ۳۱۷ھ) اس کے قائل ہیں کہ عمل ہی معقود علیہ ہے، مصنوع کا ذکر تو آلہ وذریعہ کے ذکر کے طور پر ہے (مبسوط ۱۲/۱۳۸، دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ، البحر الرائق ابن نجیم ۶/۱۸۵، مکتبہ رشیدیہ پاکستان، درمختار ۴/۲۱۳، زکریا ۱۴۱۲ھ)۔

الف— لہذا میٹریل، صانع کی طرف سے ہی ہونا چاہئے، اگر مستصنع نے میٹریل خود مہیا کرایا تو پھر مطالبہ عمل باقی رہ گیا جو معاملہ کو اجارہ بنا دے گا، لہذا اجارہ کے ضوابط کے مطابق تخریج ہوگی، علامہ کاسانی (ملک العلماء علاء الدین ابوبکر بن مسعود ۵۸۷ھ) لکھتے ہیں

"فإن سلم إلى حداد حديداً ليعمل له إناء معلوماً بأجر معلوم أو جلداً إلى خفاف ليعمل له خفاً معلوماً بأجر معلوم فذلك جائز ولا خيار فيه، لأن هذا ليس باستصناع بل هو استئجار، فكان جائزاً فإن عمل كما أمر استحق الأجر، وإن فسد فله أن يضمنه حديداً مثله، لأنه لما أفسده فكأنه أخذ حديداً له واتخذ منه آنية من غير إذنه والإناء للصانع، لأن المضمونات تملك بالضمان" (بدائع ۵/۹، کتاب الاستصناع من الاجارہ مطبوعہ زکریا ۱۴۱۹ھ)۔

(اگر لوہار کو لوہا دیا کہ فلاں قسم کا برتن اتنے روپے میں بنادو، یا خف ساز کو چمڑا دیا کہ اس قسم کا موزہ اتنے روپے میں بنادو تو جائز ہے، اس میں خیار نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ استصناع نہیں ہے، بلکہ اجارہ ہے، لہذا جائز ہوگا، اب اگر اس نے ویسا ہی بنایا جیسا کہ آرڈر تھا تو اجرت کا مستحق ہوگا، اور اگر خراب ہو گیا تو اس کے مثل لوہے کا ضامن ہوگا، اس لئے کہ اس نے خراب کیا ہے، گویا کہ اس نے اپنے لئے لوہا لیا، اور بغیر مالک کی اجازت کے برتن بنالیا، برتن صانع کا ہوگا، اس لئے کہ مضمونات میں ملکیت ضمان سے ثابت ہوتی ہے)۔

ب- اس سے یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ صانع اجیر عام ہے، اجیر عام اگر مستاجر کے آرڈر کے خلاف کام کرے تو ضامن ہوتا ہے، خلاف خواہ جنس میں ہو یا قدر میں یا صفت میں، جنس میں خلاف کرنے کی مثال فقہاء نے دی ہے کہ ایک کپڑا دیا کہ فلاں رنگ سے رنگ دو، اس نے دوسرے رنگ سے رنگ دیا، ایسی صورت میں مستاجر کو حق ہے کہ کپڑے کا ضامن بنادے، یا پھر کپڑا لے لے اور رنگ کی وجہ سے جتنا اضافہ ہوا ہے وہ مثل دے دے، اگر اس کی وجہ سے نقصان ہی ہو گیا تو نقصان کے بقدر اس سے وصول کرلے۔

ایک اور مثال بھی ہے کہ جنس میں اختلاف ہو گیا تو مستاجر کو حق ہے کہ اصل مال کا ضامن بنائے یا پھر اجرت مثل دے کر لے لے، مثلاً کپڑا دیا کہ قمیص بنادے، اس نے قبا بنادیا تو ایسی صورت میں یا تو کپڑے کا ضامن بنائے یا قبا کی اجرت مثل دے۔

اگر خلاف صفت میں ہے، مثلاً کپڑا دیا رنگنے کے لئے اس نے جس رنگ سے رنگنا تھا اسی کی جنس کے دوسرے رنگ سے رنگ دیا تو بھی اس صورت میں اصل مال کا ضامن بنا سکتا ہے، یا پھر اجرت مثل دے کر وہ مصنوع لے سکتا ہے۔

اگر مقدار میں خلاف کیا مثلاً سوت دیا کہ سات پائی چار کا کپڑا بن دو اس نے اضافہ کردیا اب سوت کے مالک کو اختیار ہے، سوت کا ضامن بنائے، یا متعین کردہ مزدوری دے کر کپڑا لے لے، لیکن اگر ناقص کردیا تو اصل کی روایت میں ضامن بھی بنا سکتا ہے اور مزدوری کام کے حساب سے ہی دے سکتا اور دوسری روایت میں اجرت مثل واجب ہوگی (بدائع ۴/ ۸۱-۸۳، کتاب الاجارہ، باب استئجار الصناع مطبوعہ زکریا دیوبند)۔

اس سے یہ مسئلہ حل کیا جا سکتا ہے کہ مستصنع کو رد کر کے اصل مال کا ضامن بنانے کا بھی حق ہے، اگر لے لینا ہی چاہتا ہے تو اب یا تو شئی مصنوع، اصل کوالیٹی کی ہوگئی ہے تو مکمل اجرت دے دے، لیکن اس کا نقصان ہو رہا ہے بایں معنی جتنی قیمت میں مارکیٹ میں یہ مال دستیاب ہوتا ہے اس سے کم قیمت ہو جاری ہے تو نقصان کے بقدر جرمانہ وصول کرسکتا ہے۔

۸- اگر خریدار کو وقت پر سامان نہ مل سکے:

کبھی کبھی مستصنع کو پریشانی ہوتی ہے، اس نے آرڈر دے دیا، اور کسی خریدار سے بھی بات کرلی، کہ فلاں وقت تک سامان مہیا کردوں گا لیکن صانع نے وقت پر بنا کر نہیں دیا، یاد رہے کہ مدت کی تعیین سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عقد استصناع سلم بن جاتا ہے لیکن صاحبین کے نزدیک وہ عقد استصناع ہی رہتا ہے، راجح قول بھی صاحبین ہی کا ہے، اس لئے مدت کی تعیین سے استصناع ہی رہے گا، البتہ

ٹائم پرتیار نہ ہونے پر بعض اوقات مستصنع کو مارکیٹ سے خرید کر دینا پڑتا ہے، جس میں گراں قیمت کو برداشت کرنا پڑتا ہے، پھر جو سامان تیار ہوگیا ہے اس کا آرڈر تلاش کرنا پڑتا ہے، مل تو جائے گا، لیکن بعض اوقات تاخیر ہوگی جس سے دشواری ہوگی، لہذا ٹائم فیل ہونے پر جرمانہ عائد کر کے تلافی نقصان کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں اگر پہلے ہی معاہدہ نامہ پر ایک شق کا اضافہ کرلیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ اگر اس ٹائم پر فراہم نہیں کیا جاسکا تو یومیہ کے حساب سے جرمانہ عائد ہوگا، تو شرعاً حرج بھی نہیں ہوگا، اس کی بعض نظیر ملتی ہے کہ ٹائم کے حساب سے اجرت متعین کی جاتی ہے: ''**ولو أعطی خیاطاً ثوباً فقال: إن خطته الیوم فلک درهم، وإن خطته غداً فلک نصف درهم، قال أبو حنیفة: الشرط الأول صحیح، والثانی: فاسد، ... وقال أبویوسف ومحمد: والشرطان جائزان**'' (بدائع ۴؍ ۲۰۳، کتاب الاجارہ)

(اگر درزی کو کوئی کپڑا دیا اور کہا کہ اگر آج سلا تو ایک درہم ہوگا، اور کل سلا تو نصف درہم ہوگا، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ شرط اول صحیح ہے، اور دوسری شرط فاسد ہے، حضرات صاحبین کے نزدیک دونوں جائز ہیں)۔

لہذا استصناع میں فریقین اگر اس شق پر راضی ہو جائیں تو اس طرح یومیہ یا ہفتہ کے حساب سے کچھ جرمانہ عائد کرنا جائز ہوگا، واللہ اعلم۔

آرڈر سے متعلق چند مسائل واحکام

مولانا محمد فاروق گجراتی ☆

استصناع لغۃ واصطلاحاً :

استصناع لغت کے اعتبار سے "استصنع الشیئ" کا مصدر ہے، جس کا معنی "دعا إلی صنعه" یعنی کسی عمل کرنے کا مطالبہ کرنا ہے، چنانچہ "استصنع فلان بابا" اس وقت کہا جاتا ہے جب فلاں آدمی کسی سے مثلاً دروازہ بنانے کی فرمائش کرے (موسوعہ فقہیہ ۳/ ۳۲۵)۔

اور اصطلاح فقہاء میں مختلف الفاظ سے تعریف کی گئی ہے، چنانچہ شامی میں ہے : "طلب العمل من الصانع فی شیئ مخصوص علی وجه مخصوص" (شامی زکریا ۷/ ۴۷۴)۔

اور شرح مجلہ میں ہے : "هو عقد مع صانع علی عمل شیئ معین فی الذمة" (شرح مجلۃ الاحکام المادۃ ۱۲۴)۔

دونوں تعریف کا حاصل یہ ہے کہ استصناع فقہاء کی اصطلاح میں کسی کاریگر سے خاص طرز طریق پر کسی ایسی چیز بنانے پر عقد کرنا ہے جو اس کے ذمہ میں ثابت ہو، اور تقریباً یہی تعریف لغۃ الفقہاء سے بھی واضح ہوتی ہے، چنانچہ لغۃ الفقہاء میں ہے :

"الاستصناع : العقد علی بیع موصوف فی الذمة اشترط فیه العمل" (لغۃ الفقہاء/ ۲۲)۔

استصناع کی مذکورہ تینوں تعریف میں صانع کی جانب سے عمل کی شرط موجود ہے، جبکہ بعض علماء نے تعریف میں عمل کی شرط قرار نہیں دی ہے، جیسا کہ بدائع الصنائع میں ہے :

"قال بعضهم : هو عقد علی مبیع فی الذمة" (بدائع الصنائع)، یعنی استصناع ایسی مبیع پر عقد کرنے کا نام ہے جو صانع کے ذمہ ہو۔

اور یہی تعریف حضرات حنابلہ کے کلام سے بھی مستفاد ہوتی ہے، چنانچہ "موسوعۃ الفقہیہ" میں ہے :

"وکذلک الحنابلة : حیث یستفاد من کلامهم : أن الاستصناع بیع سلعة لیست عنده علی غیر وجه السلم" (موسوعہ ۳/ ۳۲۵)، یعنی استصناع غیر موجود سامان کو طریقہ سلم کے علاوہ پر بیچنے کا نام ہے۔

آخر الذکر دونوں تعریف سے معلوم ہوا کہ استصناع میں صانع کی طرف سے عمل مشروط نہیں ہے، بلکہ معقود علیہ محض ایسی چیز ہے جو صانع کے ذمہ واجب وثابت ہے۔

لہذا علماء کے مابین اختلاف ہے کہ عقد استصناع میں معقود علیہ صانع کا عمل ہے، یا مستصنع فیہ عین؟

☆ [illegible] مسان پارڈولی سورت گجرات۔

معقود علیہ عمل یا عین؟

امام ابوسعید البردعی فرماتے ہیں کہ معقود علیہ عمل ہے، اور صانع کی جانب سے میٹریل یا آلۂ عمل ہے، اس لئے کہ استصناع طلب الصنع یعنی فرمائش عمل کا نام ہے، اور عقد کا نام اس لفظ سے رکھنا یہ دلیل ہے کہ وہی عمل معقود علیہ ہو لیکن احناف کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ معقود علیہ مستصنع فیہ عین ہے، اور صنعت وعمل کا ذکر کرنا وصف صانع کو بیان کرنے کے لئے ہے، نہ کہ شرط کے لئے، جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ اگر صانع مطلوبہ اشیاء پہلے سے تیار شدہ پیش کردے تو حضرت امام محمد فرماتے ہیں کہ مستصنع کو لینے نہ لینے کا اختیار ہوگا، کیونکہ اس نے ایک ایسی چیز خریدی ہے جسے اب تک دیکھا نہیں ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ مبیع اور معقود علیہ عین ہے، عمل نہیں، کیونکہ خیار رؤیت عین کی خرید وفروخت میں ہوتا ہے عمل میں نہیں ہوتا، جیسے کہ علامہ سرخسی مبسوط میں فرماتے ہیں:

"ثم كان أبو سعيد البردعي يقول: المعقود عليه هو العمل، لأن لاستصناع اشتقاق من الصنع وهو العمل، وتسمية العقد به دليل على أنه هو المعقود عليه، والأديم، والصرم فيه بمنزلة الآلة للعمل، والأصح أن المعقود عليه المستصنع فيه، وذكر الصنعة لبيان الوصف، (إلى قوله) والدليل عليه أن محمدا قال: إذا جاء به مفروغا عنه فللمستصنع الخيار، لأنه اشترى شيئاً لم يره، وخيار الرؤية إنما يثبت في بيع العين، فعرفنا أن المبيع هو المستصنع فيه" (مبسوط سرخسی ۱۲/ ۱۳۷ بیروت)۔

ثمرۂ اختلاف:

اس اختلاف کا ثمرہ تب ظاہر ہوگا جب کہ صانع نے عقد سے قبل بنایا ہو، یا کسی دوسرے سے بنوا کر اوصاف مطلوبہ کے مطابق آرڈر پیش کردے، تو اس صورت میں عقد استصناع درست ہوا یا نہیں؟ تو جو لوگ عمل کو معقود علیہ قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک یہ عقد، استصناع کے طور پر صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ صانع کی جانب سے عمل مشروط نہیں پایا گیا، البتہ باہمی رضامندی سے بیع بالتعاطی کے طور پر درست ہوگا لیکن جو لوگ عمل کو معقود علیہ نہیں مانتے ان کے نزدیک صانع کے عمل کے بغیر بھی استصناع درست ہے جس کی تفصیل بدائع الصنائع میں دیکھی جاسکتی ہے (بدائع الصنائع ۶/ ۸۴)، اور تقریباً یہی بات علامہ وہبہ زحیلی نے درج ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے:

"فلو جاء الصانع بالمطلوب بما يوافق الأوصاف المشروطة ورضي له المستصنع جاز العقد، سواء كان من صنعة غيره أو من صنعته قبل العقد، ولو كان المبيع العمل نفسه لما صح ذلك" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۳۶۴)۔

استصناع وعدہ ہے یا بیع؟

مشائخ احناف کے مابین اختلاف ہے کہ عقد استصناع وعدۂ بیع ہے یا واقعی بیع ہے، تو اس سلسلہ میں حاکم شہید المروزی، صفار، محمد بن سلمہ اور صاحب منثور علیہم الرحمہ فرماتے ہیں کہ استصناع آئندہ ہونے والے عقد بیع کا وعدہ ہے، حقیقی بیع نہیں، البتہ جب صانع اپنے عمل صنعت سے فارغ ہو کر مصنوع مستصنع کے سامنے پیش کردے گا تو اس وقت بیع بالتعاطی کے طور پر عقد کا تحقق ہوگا، اسی لئے اگر صانع عمل کرنے سے انکار کردے تو اسے عمل کرنے پر جبر نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ وعدہ بیع کے بعد اگرچہ ایفاء عہد کرنا اخلاقاً ضروری ہے، لیکن شرعاً واجب

نہیں، لہذا اس وعدۂ بیع کے بعد عاقدین کے مابین معاملہ لازم نہیں ہوتا بلکہ لزوم معاملہ کے لئے دوسرے عقد کی ضرورت پڑے گی، چنانچہ دوسرے عقد سے پہلے فریقین کو معاملہ کرنے نہ کرنے کا اختیار رہوگا، جیسا کہ علامہ سرخسی مبسوط میں فرماتے ہیں :

"وكان الحاكم الشهيد يقول : الاستصناع مواعدة، وإنما ينعقد العقد بالتعاطي إذ جاء به مفروغاً عنه، ولهذا ثبت فيه الخيار لكل واحد منهما" (مبسوط سرخسی ۱۲؍۱۳۹)۔

"وفي حاشية الشلبي على التبيين (وبه قال) الصفار ومحمد بن سلمة وصاحب المنثور" (حاشیۃ الشلبی علی التبیین ۴؍۱۲۳)۔

لیکن جمہور احناف کے نزدیک "استصناع" عقد بیع ہے صرف بیع کا وعدہ نہیں، اس لئے کہ امام محمدؒ نے عقد استصناع کا شرا نام رکھا ہے، اور اس میں قیاس واستحسان کا ذکر کیا ہے، کہ یہ عقد قیاساً ناجائز اور استحساناً جائز ہے، اور قیاس واستحسان کا یہاں ذکر دلیل ہے کہ یہ عقد بیع ہے، کیونکہ مواعدہ میں قیاس واستحسان جاری نہیں ہوتے بلکہ وعدہ دونوں طریقہ سے درست ہوجاتا ہے۔

نیز امام محمدؒ نے عقد استصناع میں تعامل وعدم تعامل کا فرق بیان کیا ہے کہ جس چیز میں استصناع کا تعامل ہے، اس میں جائز ہے ورنہ جائز نہیں، جبکہ وعدہ کے لئے تعامل وغیر تعامل کا کوئی فرق نہیں بلکہ ہر چیز میں وعدہ ہوسکتا ہے۔

اسی طرح امام محمدؒ نے اس عقد میں خیار رؤیت اور قبضہ ثمن سے مالک ہونے کا اثبات کیا ہے، جبکہ وعدہ میں خیار رؤیت، اور قبضہ ثمن سے مالک ہونے کا تصور نہیں ہے، تو امام محمدؒ کا ان امور مذکورہ کا عقد استصناع میں ثابت کرنا اس کے بیع ہونے کی واضح دلیل ہے۔

رہی بات کہ جب عقد استصناع بیع ہے تو مبیع کے معدوم ہونے کی صورت میں اس کا جواز کیسے؟ تو اس کا جواب تفصیل سے آرہا ہے کہ یہ جواز حاجت الناس کی وجہ سے استحساناً ہے اور اس میں شارع نے معدوم کو موجود اعتبار کرلیا ہے، اور حاجت وضرورت کی وجہ سے بہت سارے مقامات پر اس طرح سے اعتبار کرنا ثابت ہے، جیسے کہ صاحب عذر کی طہارت، نسیاناً ذابح کی تسمیہ، مقتدی کی قراءت، وغیرہ، جیسا کہ صاحب بحر الرائق علامہ ابن نجیم رقمطراز ہیں :

"وحين لزم جوازه علمنا أن الشارع اعتبر فيه المعدوم موجوداً، وهو كثير في الشرع كطهارة صاحب العذر وتسمية الذابح إذا نسيها" (البحر الرائق ۶؍۲۸۴)۔

(اور جب اس کا جواز لازم ہوگیا تو ہمیں معلوم ہوا کہ شارع نے اس میں معدوم کو موجود اعتبار کرلیا ہے اور یہ شریعت میں بہت ہیں، جیسے کہ معذور کی طہارت، ذابح کی تسمیہ جب کہ وہ بھول جائے)۔

لہذا مذکورہ اقتباسات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ عقد استصناع وعدہ نہیں بلکہ عقد بیع کا نام ہے، فقط واللہ اعلم۔

شرائط :

جواز استصناع کے لئے تین شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے، اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی فوت ہوگئی تو عقد استصناع فاسد ہوجائے گا، اور مصنوع پر قبضہ کرنے سے اگرچہ ملکیت ثابت ہوجائے گی مگر ملک خبیث ثابت ہوگی، جس سے انتفاع جائز نہیں ہوگا، بلکہ نظام شریعت کے احترام میں اس کو ختم کرنا واجب ہوگا (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷؍۲۶۳)۔

اور وہ شرائط حسب ذیل ہیں :

۱۔ مصنوع کی جنس، نوع، مقدار اور وصف بیان کرنا، اس لئے کہ مصنوع مبیع ہے اور مبیع کا معلوم و متعین ہونا شرط ہے، اور ان امور مذکورہ کے بغیر مبیع معلوم نہیں ہوسکتی، لہذا اگر ان امور مذکورہ میں سے کوئی ایک بھی مجہول رہا تو اس کی جہالت مفضی إلی المنازعہ ہونے کی وجہ سے مفسد عقد ہوگی، جیسا کہ بدائع میں ہے :

"من شروطه : بيان جنس المصنوع، ونوعه، وقدره، وصفته، لأنه لا يصير معلوما بدونه" (بدائع ۵ / ۳ ۰ ۱)۔

اور مجلۃ الاحکام میں اس سے قدرے تفصیل کے ساتھ عبارت مذکور ہے :

"يلزم في الاستصناع وصف المصنوع وتعريفه على الوجه الموافق للمطلوب، بنوع يرفع الجهالة التي تفضي إلى النزاع، ولهذا ينبغي بيان جنسه ونوعه وقدره وصفته" (مجلۃ الاحکام مادہ ۳۹۰)۔

لائق استصناع اشیاء :

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ مصنوع ان اشیاء میں سے ہو جس میں آرڈر دیکر بنوانے کا لوگوں میں تعامل ہو، جیسے جوتے، فرنیچر، مختلف دھاتوں کے برتن، گھوڑوں کی لگام، تلوار و چھری کے پیکان، اور مختلف قسم کے ہتھیار وغیرہ، تو ان چیزوں میں خواہ مصنوع کی ادائیگی کی کوئی مدت بیان ہو یا نہ ہو استصناع جائز ہے، لیکن اگر استصناع کا معاملہ ایسی چیزوں میں کیا گیا ہو جن میں اس کا تعامل نہیں ہے، جیسے کپڑا، شیرۂ انگور وغیرہ تو استصناع جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس عقد کا جواز خلاف قیاس تعامل الناس کی وجہ سے ہے، اور ان امور میں تعامل نہیں ہے، لہذا عدم جواز علی حالہ باقی ہے، البتہ اگر اس میں عقد سلم کی جملہ شرطیں موجود ہوں تو یہ سلم میں تبدیل ہو جائے گا، جیسا کہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں :

"جاز استحساناً للإجماع الثابت بالتعامل، وفي فتح القدير : فيما لا تعامل فيه رجعنا فيه إلى القياس" (ہدایہ مع فتح القدیر ۷ / ۱۰۸)۔

تاہم عقد استصناع، صرف اشیاء مذکورہ میں منحصر نہیں، بلکہ اس کا دائرہ وسیع تر ہے اور وہ تمام چیزیں جن کا جنس، نوع اور مقدار وغیرہ کے اعتبار سے ضبط ممکن ہو اور ان کے اوصاف مختلفہ کی وضاحت ہوسکتی ہو جیسے ہوائی جہاز، پانی جہاز، کشتیاں، مختلف قسم کی گاڑیاں وغیرہ ان تمام میں عقد استصناع ہوسکتا ہے، بشرطیکہ ان میں آرڈر دینے کا تعامل ہو جائے، اسی طرح یہ عقد صرف اشیاء منقولہ میں منحصر نہیں، بلکہ بلڈنگوں، رہائشی مکانوں میں بھی ہوسکتا ہے، بشرطیکہ تعمیر کی نوع، کمروں کی مقدار، وسعتوں اور سہولیات کی اس طرح تصریح ہو کہ بعد میں باعث نزاع نہ ہو، اور بہتر یہ ہے کہ نقشہ سے اس کی تعیین ہو چکی ہو، نیز ان شرطوں کے ساتھ ساتھ قانونی اعتبار سے تعمیر کی اجازت بھی مل چکی ہو، ورنہ یہ بیع باخطر ہونے کی وجہ سے درست نہ ہوگی، اور بلڈنگوں میں اس کا جواز اس لئے ہوگا کہ موجودہ زمانہ میں کثرت کے ساتھ بلڈنگوں میں اس طرح خرید و فروخت کا تعامل ہو چکا ہے، اب اگر دائرہ استصناع میں رکھتے ہوئے جائز نہ کیا جائے تو مبیع معدوم ہونے کی وجہ سے جواز کی دوسری کوئی صورت معلوم نہیں ہوتی، اسی لئے مجلۃ الاحکام العدلیہ میں جو قوانین مسلک احناف کے مطابق قرار پائے ہیں، اس میں استصناع کے تعلق سے بہت عمومی قانون بیان کیا گیا ہے، جو ہر زمان و مکان کے متعامل فیہ چیزوں کو شامل ہے خواہ منقولی ہوں یا غیر منقولی، جیسا کہ

قانون حسب ذیل ہے: "کل شيئ تعومل استصناعه يصح فيه الاستصناع على الإطلاق" (مجلۃ الاحکام مادہ: ۳۸۹)۔
حاصل یہ کہ استصناع کا معاملہ ان تمام چیزوں میں ہوسکتا ہے جن کا ہر طریقہ سے ضبط کرنا ممکن ہو اور ان میں لوگوں کا تعامل ہو چکا ہو، خواہ منقولی ہوں یا غیر منقولی۔

اجل کا حکم:

۳۔ صحت استصناع کے لئے تیسری شرط یہ ہے کہ اس میں اجل معین نہ ہو، اب اگر متعاقدین تسلیم مصنوع کے لئے اجل متعین کردے تو اس کی دو صورتیں ہیں:

الف — یا تو یہ اجل ایسے آرڈر میں ہوگی جس میں استصناع کا تعامل نہیں ہے۔

ب — یا شیئ تعامل فیہ میں ہوگی۔

اگر صورت پہلی ہے، اور اجل ایک ماہ یا اس سے زائد ہے تو ہمارے ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے نزدیک بالاتفاق یہ عقد استصناع سلم میں بدل جائے گا، جیسا کہ بدائع میں ہے: "ولو ضرب للاستصناع فيما لا يجوز الاستصناع كالثياب ونحوها أجلا ينقلب سلماً في قولهم جميعاً" (بدائع ۷/۸۶)۔

اور اگر اجل شیئ غیر متعامل فیہ ایک ماہ سے کم ہے، تو یہ اجل یا تو استعجال یعنی فوری مصنوع ادا کرنے کے لئے ہوگی یا استمہال وتاجیل یعنی صانع کو مہلت دینے کے لئے ہوگی، اگر استعجال کے لئے ہے مثلاً کہا کہ میں معاملہ اس شرط پر کر رہا ہوں کہ کل یا پرسوں مصنوع مل جانا چاہئے، تو یہ صورت بھی دائرہ استصناع میں داخل ہو کر جائز ہوگی، لیکن اگر استمہال کے ارادہ سے ہے تو یہ صورت استصناع فاسد کی ہوگی، جیسا کہ علامہ شامی رقمطراز ہیں:

"والمؤجل بدونه (أى بدون شهر) إن لم يجر فيه تعامل فهو استصناع فاسد، إلا إذا ذكر الأجل للاستعجال فصحيح" (شامی زکریا ۷/۴۷۷)۔

اور اگر اس شیئ غیر متعامل فیہ میں بالکل کوئی اجل بیان نہ کی جائے تب بھی صاحب درمختار کے مطابق استصناع درست ہوجائے گا جیسا کہ علامہ شامی فرماتے ہیں: "وظاهره إنه لم يذكر أجلاً أصلاً فيما لم يجر فيه تعامل صح" (ایضاً ۷/۴۷۷)۔

لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ جب صحت استصناع کے لئے متعامل فیہ شیئ کا ہونا شرط ہے تو بغیر تعامل کے کیسے درست ہے، اسی لئے حضرت علامہ شامی نے بھی "لكنه خلاف ما يفهم من المتن ولم أره صريحاً" سے اظہار خدشہ کیا ہے، اور یہی حق ہے۔

اور اگر شیئ متعامل فیہ میں اجل کی تعیین کی گئی تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں:

یا تو اجل ایک ماہ یا اس سے زائد ہوگی، یا ایک ماہ سے کم ہوگی۔

اگر ایک ماہ یا اس سے زائد ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ استصناع سلم سے بدل جائے گا، یہاں تک کہ اس میں تمام شرائط سلم کی رعایت ضروری ہوگی، اور صاحبین کے نزدیک یہ صورت بھی استصناع کی ہوگی، اور اجل تعجیل پر محمول ہوگی، اور اگر اجل ایک ماہ سے کم ہو تو یہ صورت بالاجماع استصناع کی ہوگی (شامی ۷/۴۷۵)۔

حاصل یہ کہ صاحبین کے نزدیک صحت استصناع کے لئے اجل کا نہ ہونا شرط نہیں، بلکہ اجل کی تعیین ہو یا نہ ہو بہر صورت استصناع درست ہے، جیسا کہ ملک العلماء علامہ کاسانی فرماتے ہیں :

"قال أبو یوسف و محمد رحمهما الله : هذا لیس بشرط وهو استصناع علی کل حال ضرب فیه أجلا أو لم یضرب الخ" (بدائع ۲/ ۸۱)۔

علامہ وہبہ زحیلی الفقہ الاسلامی میں فرماتے ہیں کہ صاحبین کا قول ہی آج کل لوگوں کی ضروریات اور عملی زندگی کے موافق ہے، لہذا یہی اولی اور قابل عمل ہوگا۔ "وهذا القول هو المتفق مع ظروف الحیاة العملیة و حاجات الناس فیکون هو الأولی بالأخذ به" (الفقہ الاسلامی ۵/ ۳۶۳۸)۔

نیز مجلۃ الاحکام العدلیہ کے قانون سے بھی اسی قول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ قانون میں علی الاطلاق شیئ متعامل فیہ میں استصناع کو جائز قرار دیا ہے، خواہ اجل ہو یا نہ ہو، جیسا کہ قانون کے الفاظ حسب ذیل ہیں :

"کل شیئ تعومل استصناعه یصح فیه الاستصناع علی الإطلاق" (شرح المجلہ)۔

خلاصہ یہ کہ صحت استصناع کے لئے مستصنع فیہ کی مکمل تعیین و معرفت اور اس میں تعامل کا ہونا ضروری ہے، خواہ تسلیم مصنوع کے لئے مدت متعین ہو یا نہ ہو۔

دلیل مشروعیت :

قیاس اور قواعد عامہ کا تقاضہ ہے کہ عقد استصناع درست نہ ہو، کیونکہ مستصنع فیہ مبیع ہے جو معدوم ہے اور معدوم کی بیع جائز نہیں ہے، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے " نهی النبی ﷺ عن بیع ما لیس عند الإنسان" (ترمذی، ۱۲۳۲)۔

اسی قیاس کو اختیار کرتے ہوئے ائمہ ثلاثہ امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ نے عقد استصناع کو جائز قرار نہیں دیا، بلکہ عقد سلم کی بنیاد پر جائز مانتے ہیں، اور اس میں وہی شرطیں ضروری قرار دیتے ہیں جو عقد سلم میں مشروط ہیں، اسی لئے یہ حضرات شیئ مصنوع کی تسلیم کے لئے اجل کی تعیین کو ضروری قرار دیتے ہیں، جیسے کہ سلم میں ضروری ہے، اور اگر اس میں اجل کی تعیین نہیں کی گئی تو عقد درست نہیں مانتے ہیں، جیسا کہ علامہ وہبہ زحیلی نے تفصیل کے ساتھ مذاہب کا ذکر کیا ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ بحوالہ النہایہ ۲/ ۳۰۸)۔

لیکن احناف نے اس عقد کو ضرورت و حاجت کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے، کیونکہ آپ ﷺ کے زمانے سے آج تک پوری امت اس طریقہ عقد پر بغیر کسی نکیر کے عمل کرتی ہوئی آرہی ہے، اور بغیر نکیر کے لوگوں کا تعامل خود ایک بڑی دلیل ہے، جیسا کہ عبد اللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے " ما راه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن" (المبسوط ۱۲/ ۱۳۸، مسند احمد بن حنبل ۳۵۹۹)۔

نیز خود جناب نبی کریم ﷺ سے انگوٹھی میں استصناع کرنا متعدد روایتوں سے ثابت ہے، جیسا کہ بخاری شریف میں عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے " إن رسول الله ﷺ اصطنع خاتما من ذهب" (بخاری فی الایمان والنذور ۶۱۵۱، مسلم ۵۵۹۹)۔

اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ممبر بنانے میں معاملہ استصناع فرمایا (۔۔۔)، لہذا اس معاملہ کی حقیقت میں قیاس کے حکم کو ترک کر دیا جائے گا، اور استحسان پر عمل کیا جائے گا۔

[illegible] وجود سے قبل [illegible]

[illegible] وجہ سے عقد استصناع کا جواز خلاف قیاس استحساناً ہے، اور شریعت غراء نے دفع حرج [illegible] خلاف [illegible] ہے، لہذا یہ جواز آرڈر کی حد تک تو درست ہے، تاہم اس پر دوسری اور تیسری بیع [illegible] کی اجازت نہیں [illegible] مصنوع کے وجود میں آنے سے قبل دوسرے سے فروخت کر دے، خواہ وہ آرڈر از قبیل [illegible] منقول [illegible] ہوتا ہے وہ بقدر ضرورت ہوتا ہے، اور تعامل الناس عقد اول سے متعلق ہے، لہذا [illegible] کی اجازت [illegible] کے مطابق ناجائز و حرام ہوگی، جیسا کہ امام ترمذی، امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کی ہے:

"عن حکیم بن حزام قال: [illegible] رسول اللہ ﷺ أن أبیع ما لیس عندی" (رواہ الترمذی)، وفی روایۃ له ولأبی داؤد والنسائی قال: [illegible] یا رسول اللہ [illegible] الرجل فیرید منی البیع ولیس عندی أفابتاع له من السوق؟ قال: لا تبع ما لیس عندک" [illegible]

[illegible] استصناع کیا ہے، ان ہی اوصاف کے ساتھ کسی دوسرے کا آرڈر قبول کرے اور [illegible] کا پہلے صانع سے کوئی معاملہ [illegible] مالیاتی ادارہ کی طرح یہ عقد درست ہو جائے گا، جیسا کہ تفصیل آرہی ہے۔

[illegible] کے ذریعہ استثمار [illegible]

[illegible] استصناع میں مبیع وہ عین ہوتی ہے جو صانع کے ذمہ واجب ہے، اور اس عین مبیع کو پیش [illegible] کے مطابق کسی اور سے بھی بنوا کر پیش کر سکتا ہے، چنانچہ آج کل کے بہت سے [illegible] تمویل و استثمار کے استعمال کر رہے ہیں، کہ وہ کسی سے آرڈر قبول کرتے ہیں، اور دوسرے [illegible] پھر آرڈر دینے والے کو وہ اشیاء سپرد کرتے ہیں، تو ادارہ کا اس طرح آرڈر دینے والے اور [illegible] حاصل کرنا از روئے شرع درست ہے، اس لئے کہ یہاں دو مستقل عقد ہیں، مالیاتی ادارہ [illegible] کی طرف نسبت [illegible] اور تیسرے شخص کی طرف نسبت کر کے مستصنع ہے، اور چونکہ صانع کا خود سے عمل کرنا شرط نہیں [illegible] اشیاء بنوا کر اپنے مستصنع کو پیش کر دے، اور فائدہ حاصل کر لے تو بالکل درست ہے، جیسا کہ مجلۃ [illegible]

"والمبیع فی الاستصناع [illegible] العین فی الأصح، لا عمل الصانع، فلو أتی الصانع بما عمله غیره، أو بما صنعه هو قبل العقد فأخذه المستصنع صح، لأن المبیع العین لا عمله" ([illegible] ۲۲۰/۱)۔

[illegible] شرط یہ ہے کہ آرڈر کرنے والے اور ادارہ کے درمیان الگ عقد ہو اور پھر ادارہ [illegible] عقد پر موقوف نہ ہو، ورنہ یہ عقد صحیح نہیں ہوگا، بلکہ تعلیق البیع بالخطر لازم آ کر ناجائز [illegible]

اور چونکہ یہاں دو الگ الگ عقد ہیں، اور دونوں بالکل متساوی ہیں، اس لئے اس طرح کے عقد کو استصناع متوازی بھی کہتے ہیں، لہٰذا اگر متوسط ادارہ نے جس صانع کو مال بنانے کا حکم کیا ہے، اگر کسی وجہ سے مال تیار کر کے ادا نہ کر سکا تب بھی اس متوسط ادارہ پر واجب ہوگا کہ وہ اپنے آرڈر کرنے والے کا معاہدہ پورا کرے، اور وقت متعین پر مطلوبہ اشیاء کی ادائیگی کرے، اس لئے کہ اس عقد کو دوسرے عقد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مستصنع کا انکار :

یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر صانع نے شرط کے مطابق مصنوع پیش کر دیا تو مستصنع کے لئے کسی بھی طرح انکار کی اجازت نہ ہوگی، بلکہ اس کے لئے مصنوع کا لینا ضروری ہوگا، اور مجلۃ الاحکام العدلیہ میں زمانہ کی رعایت کرتے ہوئے اسی قول پر فتویٰ بھی دیا گیا ہے، لہٰذا اس قول کی بنا پر مطلوبہ اوصاف کے مطابق مصنوع تیار ہو جائے اور مستصنع بلا کسی وجہ لینے سے انکار کر دے جس کی وجہ سے صانع کو نقصان فاحش کا سامنا کرنا پڑے تو اس کی تلافی تاجروں کے عرف و عادت کے مطابق مستصنع کے مال سے کی جائے گی، کیونکہ موجودہ زمانہ میں جب کبھی اس طرح کا عقد ہوتا ہے، اور مستصنع بڑے پیمانہ پر آرڈر دیتا ہے، اور اس کی شرطوں کے مطابق مصنوع تیار ہو جاتا ہے تو بلا وجہ نہ لینے سے اس کی دی ہوئی ایڈوانس رقم سے تلافی نقصان کی جاتی ہے، یہی تاجروں کا معروف طریقہ ہے تاہم مقدار نقصان سے زیادہ مال لینا درست نہیں، بلکہ صرف نقصان کے مطابق ہی تلافی کی جائے گی، جیسا کہ قانون ہے :

"المعروف بين التجار كالمشروط بينهم، مثلاً لو اشترى شيئا من السوق بثمن معلوم ولم يصرحا بحلول ولا تأجيل، وكان المتعارف فيما بينهم أن البائع يأخذ كل جمعة أو كل شهر جميع الثمن أو بعضاً معيناً انصرف إليه بلا بيان، لأنه حيث كان ذلك متعارفا عند التجار فصار كأنهما قد اتفقا عليه" (شرح مجلۃ الاحکام ۱/ ۳۸)۔

نیز جب مستصنع نے اپنے اختیار و رضا سے آرڈر دیدیا اور اس کے منشا کے مطابق صانع نے مال تیار بھی کر دیا تو اب کسی عذر معتد بہ کے بغیر نہ لینا اپنے عقد و معاہدہ کے خلاف عمل کر کے صانع کو غیر معمولی نقصان میں ڈالنا ہے، اور تاجروں کے عرف میں ایسے موقع پر مواخذہ مالی ہوتا ہے، لہٰذا اس کے مال سے مقدار نقصان کی تلافی کی جائے گی جیسا کہ فقہاء کا قاعدہ ہے : "المرأ مواخذ بإقراره، وفي شرحه ولكن يشترط في الإقرار ولا أن يتم بالطوع والرضاء" (ایضاً مادہ: ۷۹، ۱/ ۵۳)۔

البتہ "الوسیط فی شرح القانون المدنی" میں ایسی صورت کا یہ حکم ہے کہ اولاً قانونی الٹی میٹم دے کر مصنوع لے جانے کی ایک معقول اجل مقرر کی جائے گی، اگر اس مدت میں مستصنع مصنوع نہیں لے گیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ صانع نے حکماً آرڈر سپرد کر دیا ہے، پھر اس حکمی سپردگی پر حقیقی سپردگی کے احکام جاری کر دیئے جائیں گے، لہٰذا مصنوع کی ملکیت مستصنع کی طرف منتقل ہو جائے گی، اور مصنوع کی مکمل قیمت اس پر واجب ہو جائے گی، جیسا کہ قانون کے الفاظ حسب ذیل ہیں :

"فإذا امتنع رب العمل دون سبب مشروع عن التسلم رغم دعوته إلى ذلك بإنذار سمي اعتبر أن العمل قد سلم إليه (إلى قوله) ويترتب على هذا التسلم الحكمي جميع النتائج التي تترتب على التسلم الحقيقي، فتنتقل ملكية الشيئ المصنوع إلى رب العمل ويستحق دفع الآجر" (الوسیط فی شرح القانون المدنی ۷/ ۵۳)۔

حاصل یہ کہ اگر بلا وجہ شرعی مستصنع مصنوع لینے سے انکار کردے تو اولاً کسی بھی طرح لینے پر جبر کیا جائے گا، پھر بھی لینے پر تیار نہ ہو تو صانع کے لئے اس کے مال سے تلافی نقصان کا اختیار ہوگا، فقط واللہ اعلم۔

مستصنع کا میٹریل دینا:

عقد استصناع کے تحقق کے لئے ضروری ہے کہ مادہ خام اور میٹریل صانع کی طرف سے ہو، اور مطلوبہ چیز کی تیاری بھی اسی کی جانب سے ہو، خواہ خود تیار کرے یا کسی سے تیار کروا کر پیش کرے، لیکن اگر مطلوبہ چیز کا مادہ خام خود مستصنع دے رہا ہے، اور صانع کی طرف سے صرف محنت وفن کاری مطلوب ہے، تو یہ عقد بجائے استصناع کے عقد اجارہ ہو جائے گا، اور یہ سمجھا جائے گا کہ مستصنع نے صانع کی خدمت وعمل کو اجرت پر لیا ہے، چنانچہ عقد استصناع کی شرط بیان کرتے ہوئے علامہ سلیم رستم تحریر فرماتے ہیں:

بشرط أن يكون الحديد من الصانع، إذ لو كان من المستصنع كان العقد إجارة، لا استصناعا (شرح المجلہ ۱/۲۲۰ بحوالہ فی الہندیہ ۳/۵۷۳)۔

اسی طرح مجلۃ الاحکام میں استصناع اور اجارہ کا فرق حسب ذیل طریقہ سے بیان کیا گیا ہے:

"فإن إعطاء السلعة للخياط مثلا ليخيطها ثوبا يعد إجارة على العمل، كما أن استخياط الثوب على أن السلعة من عند الخياط استصناع" (شرح المجلہ ۱/۲۴۶ مادہ ۴۲۱)۔

(یعنی درزی کو کپڑا وغیرہ سامان سینے کے لئے دینا عمل خیاطت پر اجارہ ہے، اور اس سے اس شرط پر کپڑا سی دینے کی فرمائش کرنا کہ کپڑا وغیرہ سامان اسی درزی کی جانب سے ہو عقد استصناع ہے)۔

معلوم ہو گیا کہ اگر شیٔ مطلوب کا مادہ و میٹریل مستصنع کی طرف سے ہو تو یہ اجارہ ہے نہ کہ استصناع، لہذا اب اگر صانع نے شیٔ مطلوب مستاجر کے مطابق تیار کر دیا ہے تو وہ اپنی متعینہ اجرت عمل کا حقدار ہوگا، لیکن اگر مستاجر کے مطابق تیار نہیں کیا تو اس میں قدرے تفصیل ہے، جو حسب ذیل ہے:

اگر تیار کردہ چیز بیان کردہ شرط کے عین مطابق تو نہیں لیکن اس کے قریب قریب قدر فرق کے ساتھ تیار ہوئی ہے اور عرف وعادت میں اس طرح کے تفاوت پر چشم پوشی کی جاتی ہے تو اس صورت میں مستصنع کے لئے لینا ضروری ہوگا، اور اجرت متعینہ دینا ہوگی، کیونکہ لزوم اجرت کے لئے من کل الوجوہ موافقت ضروری نہیں ہے بلکہ مقاربت کافی ہے جیسا کہ ہندیہ میں ہے:

"إن كان عمله صالحا مقاربا لا فساد فيه أجبر صاحب الجلد على القبول، ولم يكن له خيار، فقد اعتبر المقاربة للزوم لا حقيقة الموافقة من كل وجه" (فتاوی عالمگیریہ ۴/۲۵۰ جدید مکتبہ اتحاد)۔

اگر تیار کردہ شیٔ بیان کردہ شرطوں سے غیر معمولی متفاوت ہے اور اس جیسا تفاوت عرف وعادت میں قابل گرفت اور نا قابل تسامح ہے تو اس صورت میں مستصنع کو دو باتوں کا اختیار ہے:

الف — یا تو بنی ہوئی چیز صانع کو دیکر اپنے دیئے ہوئے میٹریل کا ضامن بنائے، اور اس کو کوئی اجرت نہ دے۔

ب — یا اسی وصف کے ساتھ مصنوع قبول کرلے اور صانع کو اجرت مثل ادا کردے جو معینہ اجرت سے زائد نہ ہو، اس لئے کہ

اگرچہ صانع نے پورے اوصاف کی رعایت نہیں کی تاہم نفس حکم کا امتثال کیا ہے، اور جب امتثال امر موجود ہے تو اس عمل کی اجرت سے بالکل محروم نہیں کیا جائے گا، لہٰذا اس طرح کے کام کرنے والوں کے عرف وعادت میں اس جیسے عمل پر جو اجرت ملتی ہے اس کا ادا کرنا ضروری ہوگا، تاہم صانع چونکہ اجرت معینہ فی العقد پر رضامند تھا، اس لئے اگر اجرت مثل، اجرت معینہ سے زائد ہو تو صانع اس کا حقدار نہ ہوگا، جیسا کہ ہندیہ میں ہے:

"فأما إذا أفسد بأن خالف في صفة ما أمر به، ذكر أن صاحب الجلد بالخيار، إن شاء ترك الخف عنده وضمنه قيمة جلده، وإن شاء أخذ الخف وأعطاه الأجر فإن ترك الخف عليه وضمنه فلا أجر عليه، وإن أخذ الخف فإنه يعطيه أجر مثل عمله الخ" (فتاوی ہندیہ ۴/ ۲۶۵ جدید اتحاد)۔

حاصل یہ کہ اگر صانع نے مطلوبہ اوصاف کے مطابق مصنوع تیار نہیں کیا، تو از روئے شرع مذکورہ طریقہ کے مطابق معاملہ کی صفائی ہوگی تاکہ طرفین کی رعایت ہو سکے، فقط واللہ اعلم۔

وقت پر مبیع سپرد نہ کرنا:

اس سے قبل بات گذر چکی ہے کہ بغرض تعجیل استصناع میں بھی مدت متعین کی جاسکتی ہے، اور اس میں عاقدین کے لئے سہولت بھی ہے، تاکہ مستصنع بار بار تقاضا نہ کرے، اور صانع اس مدت میں آرڈر کے مطابق سامان بھی فراہم کرلے لیکن اگر وہ مطلوبہ سامان وقت میعاد پر فراہم نہ کرسکے اور اس تقصیر میں کوئی عذر معتد بہ مثلاً ناگہانی حادثہ، مستصنع کی جانب سے کوئی خطا وغیرہ پیش نہ آئے اور اس تاخیر سے مستصنع کو حرج اور غیر معمولی ضرر کا سامنا کرنا پڑے تو اس وقت شریعت کا کیا حکم ہوگا؟

اس پر تو تقریباً سب کا اتفاق ہونا چاہئے کہ اس وقت مستصنع کو دو اختیارات ہوں گے کہ آیا عقد کو فسخ کردے یا پھر وہی کام تاخیر کے ساتھ کرائے، جیسا کہ اگر وقت متعین پر انقطاع مسلم فیہ کی وجہ سے ادائیگی نہ ہوسکے تو رب السلم کو یہی دو اختیارات ملتے ہیں، جیسا کہ ہدایہ میں ہے: "ولو انقطع بعد المحل فرب السلم بالخيار إن شاء فسخ السلم وإن شاء انتظر وجوده" (ہدایہ ۳/ ۹۳)۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ان اختیارات کے ساتھ ساتھ مستصنع کو لاحق ہونے والے ضرر کی تلافی کیسے ہوگی؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کے صریح جواب سے ہماری کتب فقہ خاموش ہیں، تاہم کتاب الاجارہ میں عمل کی تعجیل وتاخیر کی بنیاد پر اجرت کا فرق موجود ہے، کہ اگر کسی نے خیاط کو اس شرط پر کپڑا دیا کہ اگر اس نے آج سی کر دیا تو ایک درہم اور کل سی کر دیا تو نصف درہم، تو پہلی صورت میں ہمارے ائمہ ثلاثہ کا اتفاق ہے کہ جائز ہے، تاہم دوسری صورت میں اختلاف ہے، صاحبین کے نزدیک یہ بھی جائز ہے، لہٰذا ان کے نزدیک اگر پہلے دن سلائی کردی تو ایک درہم، اور اگر پہلے دن سلائی نہیں کی بلکہ دوسرے دن سلائی کی تو صرف آدھے درہم کا حقدار ہوگا، لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دوسری صورت میں اجرت مثل واجب ہوگی، جیسا کہ فتاوی قاضیخان میں ہے:

"إذا قال للخياط: إن خطته اليوم فلك درهم، وإن خطته غدا فلك نصف درهم، قال أبو حنيفه ﷺ: يصح الشرط الأول، ولا يصح الشرط الثاني، وقال صاحباه: يصح الشرطان جميعاً، والمسئلة معروفة، فإن خاطه في اليوم الأول يجب المسمى في ذلك اليوم وإن خاطه في اليوم الثاني يجب أجر المثل" (فتاوی قاضیخان ۸/ ۲۱۳)۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ خیاطت وغیرہ اعمال میں تعجیل وتاخیر کے اعتبار سے فرق اجرت کا معاملہ ہوسکتا ہے، لہٰذا زیر بحث مسئلہ میں بھی اگر اسی طرح عقد کرتے وقت معاملہ طے ہو جائے کہ اگر اتنی مدت میں آرڈر پورا ہو گیا تو یہ قیمت ورنہ دوسری قیمت، تو صاحبین کے مطابق یہ معاملہ درست ہونا چاہئے، اور وقت متعین کی تاخیر سے عقد میں ذکر کردہ قیمت کے مطابق معاملہ ہونا چاہئے۔

لیکن یہ سب اس وقت ہے جبکہ عقد میں اس طرح کی شرطیں ملحوظ ہوں۔

لیکن اگر عقد میں اس طرح کی شرط موجود نہ ہو، بلکہ شرط جزائی کی تعیین ہو، یا کسی قسم کی کوئی شرط ہی موجود نہ ہو تو اس میں تفصیل ہے:

اگر عقد میں شرط جزائی موجود ہو کہ اگر وقت متعین پر آرڈر فراہم نہیں کیا تو اس قدر تاوان مالی دینا ہوگا، یا تاخیر کا جرمانہ دینا ہوگا، تو اس شرط کے مطابق تاخیر مبیع کی صورت میں تاوان لیا جاسکتا ہے، جیسا کہ علامہ وہبہ زحیلی نے الفقہ الاسلامی وادلتہ میں تحریر کیا ہے کہ سعودی عرب کے اکابر علماء کی ایک جماعت نے ۱۳۹۴ھ میں اس تاخیر کی صورت میں غرامت مالی کو جائز قرار دیا ہے، اور حضرت قاضی شریح کے قول سے اسکی تائید بھی فرمائی ہے، کہ حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں: "من شرط علی نفسه طائعاً غیر مکره فهو علیه" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۳۶۵۸)۔

یعنی جس نے بلا کسی جبر واکراہ کے اپنی رضامندی سے کسی چیز کا اپنے اوپر التزام کرلیا ہے تو اس کی ادائیگی اس پر لازم ہے۔

البتہ عدم ضرر کی صورت میں مستصنع کا معاف کردینا اور ضرر کی صورت میں متعین تاوان لینے کے بجائے قدر ضرر پر اکتفا کرنا مستصنع کے لئے زیادہ مناسب ہے، جیسا کہ اس پوری تفصیل کی تائید الوسیط فی شرح القانونی المدنی سے بھی ہوتی ہے، علامہ عبدالرزاق السنہوری فرماتے ہیں:

"وقد تكون هناك شرط جزائی متفق علیه فتسری أحكامه، ویجوز تخفیضه إلی مقدار ما تحقق من الضرر كما یجوز الإعفاء منه إذا لم یقع ضرر أصلا" (الوسیط فی شرح القانونی المدنی ۷/۸۰ لبنان)۔

(یعنی (تاخیر عمل کے وقت) کبھی متفق علیہ شرط جزائی متعین ہوتی ہے، تو (اس وقت) اس کے پورے احکام نافذ ہوں گے، اور متحقق ضرر کی مقدار تک اس میں کمی کرنا جائز ہوگا جیسے کہ بالکل ضرر نہ ہونے کی صورت میں معاف کرنا)۔

اور اگر عقد میں صرف آرڈر پورا کرنے کی تاریخ متعین ہوئی، مالی جرمانہ وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں ہوا، اور صانع وقت پر آرڈر سپرد نہیں کرسکا، جس سے مستصنع کو ضرر فاحش لاحق ہوا تو اس صورت میں بھی تجار کے عرف وعادت کے مطابق جو ضرر لاحق ہوا ہے اس کی ادائیگی صانع سے کی جائے گی، کیونکہ عقد میں اگرچہ کوئی شرط موجود نہیں، لیکن تاجروں کی معروف عادت عقد میں مشروط کی طرح ہوتی ہے، جیسا کہ قاعدہ ہے: "المعروف بین التجار كالمشروط بینهم" (شرح المجلہ سلیم ۱/۳۸، المادہ ۴۴)۔

حاصل کلام یہ کہ اگر تسلیم مبیع میں تاخیر ہو جائے تو عقد میں حقیقۃً یا حکماً شرط کے مطابق معاملہ طے کرنا درست ہے، تاہم ضرر مستصنع کی صورت میں بقدر ضرر تاوان لینے کی اجازت ہے، اور عدم ضرر کی صورت میں لینا درست نہیں، اس لئے کہ یہ کسی سبب شرعی کے بغیر محض غرامت مالی ہے جو منسوخ ہے، كما فی الشامیة: والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال" (شامی زکریا ۶/۱۰۶)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عقد استصناع سے متعلق بعض مسائل

مولانا محمد نثار عالم الندوی ☆

• عقد استصناع کے سلسلہ میں اصول :

عقد استصناع کے بارے میں اکیڈمی کی جانب سے جو سوالنامہ جاری کیا گیا تھا وہ آٹھ جزئیات پر مشتمل ہیں، سب سے پہلا جزئیہ یہ ہے کہ موجودہ دور میں کس طرح کی اشیاء میں عقد استصناع جاری ہوسکتا ہے اور اس سلسلہ میں اصول کیا ہوگا؟

کتب فقہ کی متداول کتابوں میں حضرات متاخرین فقہاء کرام نے اس سلسلہ میں اپنے زمانہ کے لوگوں کے تعامل اور عرف و رواج کے مدنظر چھوٹی چھوٹی اور معمولی معمولی اشیاء کی مثالیں استصناع کے بارے میں درج کی ہیں۔

لیکن موجودہ دور میں عقد استصناع کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے، اس کا پہلے زمانہ میں تصور بھی نہ تھا، آئے دن بڑی سے بڑی چیزیں آرڈر پر تیار کروایا جارہا ہے، اور اس کا عام تعامل ہوتا جارہا ہے، اس سلسلہ میں ہزارہا کمپنیاں خدمت انجام دے رہی ہیں، اس لئے عقد استصناع کے سلسلہ میں فقہاء کرام کی عبارتوں کی روشنی میں اصول یہ ہوگا کہ ہر وہ چھوٹی بڑی چیز جس کے استصناع کا لوگوں میں متعامل اور رواج ہوگیا ہو اور عرف عام میں لوگ اس کو آرڈر پر تیار کرواتے ہوں، اس شرط کے ساتھ کہ اس کی تمام نوعیت وصفات وغیرہ کو اس طرح وضاحت کے ساتھ واضح کردیا جائے کہ اس میں نہ کسی طرح کا جہل رہے اور نہ نزاع کا موقع ہاتھ آئے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے :

"ثم إنما جاز الاستصناع فيما للناس فيه تعامل إذا بين وصفا على وجه يحصل التعريف، أما فيما لا تعامل فيه كالاستصناع في الثياب بأن يأمر حائكا ليحيك له ثوبا بالغزل من عند نفسه لم يجز كذا في الجامع الصغير" (فتاوی عالمگیری ۳/ ۲۰۷)۔

(پھر عقد استصناع کا جواز صرف ان ہی چیزوں میں ہے جن میں لوگوں کا تعامل ہے بشرطیکہ اس طرح اوصاف کو واضح کردیئے جائیں کہ وہ معلوم چیز ہوجائے اور جن چیزوں میں تعامل نہیں ہے جیسے کہ کپڑا بنوانا اس طرح کہ کوئی شخص کپڑا بننے والے کو آرڈر دے کہ وہ اپنی جانب سے اس کے لئے کپڑا بنے تو یہ استصناع جائز نہیں ہے، جیسا کہ یہ مسئلہ جامع الصغیر میں بھی ہے)۔

اس طرح کی اور بھی بہت سارے فقہاء بلکہ اکثر وبیشتر فقہاء کی کتابوں میں عبارت مذکور ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اصل چیز عرف عام ہے نہ کہ مخصوص چیزوں کا۔

☆ الجامعۃ الندویہ، ...تلا آلوای، ارنا کولم، کیرالا۔

پس عقد استصناع کے لئے فقہاء نے جو شرائط بیان کئے ہیں جیسا کہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے اپنی تصنیف ''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' میں تذکرہ کیا ہے :

''وهذه الشروط هي مايلي :

- بيان جنس المصنوع ونوعه وقدره وصفته الخ۔

- أن يكون المصنوع ممايجري فيه التعامل۔

- أن لايذكر فيه أجل محدد'' (تلخیص الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴؍ ۲۹۴۔ ۲۹۵)۔

علامہ مذکور نے استصناع کے لئے تین شرطیں ذکر کی ہیں :

— بنائی جانے والی چیز کا جنس، اس کی نوع، مقدار اور وصف سب معلوم ہو۔

— بنائی جانے والی چیز ایسی چیز ہو جو عرف عام میں آرڈر پر بنایا جاتا ہو۔

— اس میں کوئی خاص متعین دن مقرر نہ ہو۔

پس معلوم ہوا کہ عقد استصناع ہر اس چیز میں ہوسکتا ہے جس میں مذکورہ شرائط کا خیال کیا گیا ہو، چاہے وہ چیز چھوٹی ہو یا بڑی ہو، منقولہ ہو یا غیر منقولہ، غیر منقولہ کے سلسلہ میں بحث آگے آئے گی۔

استصناع خود بیع ہے یا وعدۂ بیع :

عقد استصناع ایجاب وقبول سے یعنی آرڈر دینے اور آرڈر قبول کر لینے سے منعقد ہوجاتا ہے، لیکن ایک سوال آتا ہے کہ وہ خود بیع ہے یا وعدہ بیع؟

اس سوال کے جواب میں حضرات فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے، ایک جماعت اس کو بیع ہی شمار کرتے ہیں جیسا کہ اکثر فقہاء مشائخ کی عبارتوں سے عیاں ہے، ان حضرات کے دلائل ہیں کہ اگر یہ وعدہ ہی مانا جاتا تو سب چیزوں میں استصناع کا حکم یکساں ہوتا جب کہ استصناع بعض چیزوں میں ہی ہوتا ہے اور بعض میں نہیں، اگر وعدہ مان لیا جائے تو پھر استثناء کی ضرورت ہی کیا باقی رہتی ہے، اس لئے یہ بیع ہی کی ایک قسم ہے جس پر اجبار اور اختیار کا حق حاصل ہوگا، اور عقد استصناع میں اگر جانبین کی موت واقع ہوگئی تو عقد باطل اور فسخ ہوجاتا ہے وہ تشبہ بالاجارہ کی وجہ سے ہے بایں طور کہ عقد استصناع من وجہ اجارہ بھی ہے، جیسا کہ ابن عابدین شامی عقد استصناع کے بیع اور وعدہ ہونے کے بحث پر وارد ہونے والے اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں :

''قال العلامة ابن عابدين الشامي قال في النهر : وأورد بطلانه بموت الصانع ينافي كونه بيعا ! وأجيب بأنه إنما بطل بموته لشبهه بالإجارة'' (شامی ۷؍ ۴۷۵)۔

(علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں کہ نہر الفائق میں جو اعتراض کیا گیا ہے کہ عقد استصناع میں صانع کی موت سے عقد کا باطل ہونا بیع کے منافی ہے، لیکن اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس بیع کا بطلان تشبہ بالاجارہ کی وجہ سے ہے)۔

اس کے برعکس ایک دوسری جماعت جن میں حاکم شہید، صفار، اور محمد بن سلمہ اور صاحب المنثور وغیرہم ہیں، یہ حضرات اس کو وعدہ

بیع مانتے ہیں ان حضرات کی طرف سے دلیل کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن الہمام (المتوفی ۶۸۱ھ) رقمطراز ہیں

"ثم اختلف المشائخ أنه مواعدة أو معاقدة، فالحاكم الشهيد والصفار ومحمد بن سلمة وصاحب المنثور [illegible] مواعدة وإنما ينعقد عند الفراغ بيعاً بالتعاطي. ولهذا كان للصانع أن لا يعمل ولا يجبر عليه بخلاف السلم، وللمستصنع أن لا يقبل ما يأتي به ويرجع عنه ولا تلزم المعاملة"۔

(پھر مشائخ امت میں اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا وہ بیع ہے یا وعدہ بیع [illegible] وعدہ شمار کرتے ہیں بایں طور کہ وہ لین دین کے بعد بیع بیع تعاطی کے طور پر منعقد ہوتی ہے [illegible] بنائے اور نہ ہی اس پر کسی طرح کا اجبار کیا جاسکتا۔ بخلاف بیع سلم کے اور دوسری طرف [illegible] کردے قبول نہ کرے اور معاملہ لازم نہ ہوگا)۔

فقہاء معاصرین کی ایک جماعت نے اس کو ایک مستقل بیع مانا ہے [illegible] مستقل بیع [illegible] احکام کچھ الگ مستقل اور خاص ہیں، اس کے گوشے اتنے زیادہ ہیں اور اس میں اتنا [illegible] نہ ہوگا، احقر کی ذاتی رائے بھی یہی ہے۔

۳—معدوم شیئ کی بیع اور اس کا شرعی حکم :

شیئ معدوم کی بیع کے سلسلہ میں فقہاء کے درمیان کافی اختلاف ہے جواز [illegible] مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی نے اپنی کتاب اسلام اور جدید اسلامی معاشی مسائل میں اس پر بڑی شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور [illegible] ترجمانی کرتے ہوئے اس کو راجح مسلک بتایا ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا مسلک یہ ہے کہ منقولات میں بیع مطلقاً ناجائز ہے [illegible] غیر منقول [illegible] بیع قبل القبض جائز نہیں ہے (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/۹۵)۔

ملکیت اور قبضہ دونوں چیز بیع کے شرائط میں سے ہے، بغیر اس کے بیع منعقد نہیں ہوتی ہے، آنجناب نے اس کی علت [illegible] کرتے ہوئے ترمذی شریف کی حدیث کو پیش کی ہے، لکھتے ہیں "نهى رسول الله [illegible] عن بيع وشرط [illegible] وعن بيع ما ليس عندك [illegible] وعن ربح مالم يضمن أو كما قال" (بحوالہ اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/۹۰)۔

فلیٹس کی خرید وفروخت :

آج کل فلیٹس کی خریداری نوع بنوع ہیں، ایک شکل اس کی یہ ہوتی ہے کہ [illegible] فلیٹس بنوائے جاتے ہیں اور بننے سے پہلے وہ فروخت بھی ہو جاتا ہے جس میں کاغذی خانہ پری کے ذریعہ سے اس کی پوری تفصیلات بتادی جاتی ہے زمین کا رقبہ، کمروں کی شکلیں [illegible] وغیرہ کی لازمی تفصیلات بتادی جاتی ہے، ایسے فلیٹس کی خرید وفروخت عام ہوگیا ہے۔ [illegible] اس کو بھی استصناع کے تحت [illegible] کرلیا جاسکتا ہے اور اس کی بھی قبل القبض بیع کرنا جائز ہوگا، کیونکہ یہ ازقبیل غیر منقولات [illegible]

ہے، مولانا تقی عثمانی نے اپنی کتاب اسلام اور جدید معاشی مسائل میں ان حضرات کا قول نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا مسلک یہ ہے کہ منقولات میں بیع مطلقاً ناجائز ہے خواہ طعام ہو یا غیر طعام۔

البتہ فلیٹس کی خرید وفروخت میں سلسلہ وار بیع ضرورت وحاجت کے دائرہ سے خارج ہے، مزید اس میں خدع اور غرر کا شائبہ بھی ہے جو کہ حدیث میں صراحت سے منقول ہے کہ بیع غرر ممنوع ہے۔

"عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال : نهی رسول اللهﷺ عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر" (سنن دارمی ۲/ ۳۲۶) (حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے کنکری پھینک کر اور دھوکہ دینے والی بیع سے منع کیا ہے)، اس لئے سلسلہ وار بیع کی گنجائش نظر نہیں آتی ہے۔

رہا مسئلہ فلیٹس کی خرید وفروخت کی دوسری شکل جس کو ریل اسٹیٹ کہا جاتا ہے جس میں ایک بڑی زمین خرید کر اس میں چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کا فلیٹس بنا کر بیچنا اور اس میں بھی سلسلہ وار بیع کی جاتی ہے، اس کا رقبہ، جانب اطراف وغیرہ ضروری معلومات کاغذ پر تفصیل سے درج ہوتا ہے، اس تفصیل کے ساتھ سلسلہ وار بیع کا آج کل عام رواج ہے، چنانچہ اس کی گنجائش دی جاسکتی ہے، کیونکہ اس میں ضروری تفصیلات کاغذ میں درج رہتا ہے اور وہ کاغذ جس شخص کے پاس ہوتا ہے وہ زمین اسی کی مانی جاتی ہے اور وہ شخص جب چاہے حکومت سے اس کو بائع کے واسطہ سے لکھوا سکتا ہے، رجسٹریشن ہوسکتا ہے اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی بلکہ وہ دوسری ذاتی رجسٹریشن والی زمین کی بیع کی طرح ہے۔

۴- استصناع کا تعلق اشیاء منقولہ سے ہے یا غیر منقولہ جیسے بلڈنگ وغیرہ سے بھی ہوسکتا ہے، فقہاء نے بیع استصناع کے سلسلہ میں عموماً جو مثالیں پیش کی ہیں وہ بہت چھوٹی چھوٹی چیزوں سے کی ہے اور وہ بھی اشیاء منقولات کے قبیل سے ہے، اشیاء غیر منقولات کی کوئی بھی مثال کتب فقہ میں وارد نہیں ہے، لیکن عقد استصناع کے سلسلہ میں جو علت درج کی جاتی ہے مثلاً تعامل الناس، اجماع وغیرہ خلاف قیاس بطور استحسان اگر علت پر نظر کیا جائے تو یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اشیاء غیر منقول تعمیر مکان وفلیٹس وغیرہ میں بھی تعامل ناس ہے رواج ہے اور عرفاً ایسا عام ہو گیا ہے اور چونکہ شریعت کے احکام میں عرف کا اعتبار کیا جاتا ہے فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: "العرف فی الشرع له اعتبار" (شرح عقود رسم المفتی ۷۵) (شریعت میں عرف کا اعتبار ہے)، اس وجہ سے آج کے زمانہ میں غیر منقولات کو بھی بیع استصناع میں شامل کیا جاسکتا ہے، چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے اپنی کتاب الفقہ الاسلامی وادلتہ میں اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

"ومن أبرز الأمثلة والتطبيقات لعقد الاستصناع بيع الدور والمنازل والبيوت السكنية على الخريطة ضمن أوصاف محدودة...... ويعد العقد صحيحاً إذا صدر رخصة البناء ووضعت الخريطة وذكرت في شروط العقد مواصفات البناء بحيث لا تبقى جهالة مفضية إلى النزاع والخلاف" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۳۰۲)۔

(عقد استصناع کی تطبیق میں یہ بھی ظاہری مثال ہے، گھروں کے فلیٹس کی خرید وفروخت، نقشہ پر محدود اوصاف کے ساتھ، ... آگے لکھتے ہیں... یہ عقد صحیح شمار ہوگا اگر فلیٹس کی مکمل تفصیل مندرج ہو، نقشہ پاس ہو، بلڈنگ کے صفات اس طرح سے اس میں درج ہو کہ اس کے اندر کوئی جہالت باقی نہ ہو اور نزاع واختلاف کا موقع بھی نہ ہاتھ آئے طرفین یا مشتری کو)۔

۵— اسلامی مالیاتی ادارے کا استصناع کو بطور استثمار کے استعمال کرنے کا حکم :

اسلامی مالیاتی ادارے استصناع کو بطور تمویل واستثمار استعمال کرنے کے لئے ایک ایسا طریقہ اختیار کرتے ہیں جسے وہ استصناع موازی یا متوازی کہتے ہیں، یہ معاملہ بنیادی طور پر تین فریقوں کے درمیان ہوتا ہے جس میں مالیاتی ادارے کی حیثیت درمیانی فریق کی ہوتی ہے، ادارہ ایک شخص سے آرڈر حاصل کرتا ہے اور دوسرے شخص کو خود آرڈر دیتا ہے اور دونوں کی قیمت میں ایسا فرق رکھتا ہے کہ پہلے شخص سے جو زیادہ رقم حاصل ہو وہ اس کا نفع ہو جائے اس سلسلہ میں عرض ہے کہ

مذکورہ صورت میں اسلامی مالیاتی ادارے کی حیثیت سمسار دلال بروکر کی سی ہے اور بروکر کی اجرت لینا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے، آیت قرآنی کی وجہ سے "ولمن جاء به حمل بعير" (یوسف ۷۲) (جو کوئی بادشاہ کا پیمانہ لائے گا اس کو ایک بوجھ اونٹ ملے گا)۔

احناف کا مفتی بہ قول بھی جواز ہی کا ہے اگر چہ علامہ عینی نے امام ابوحنیفہ سے عدم جواز کا قول نقل کیا ہے لیکن متاخرین فقہاء احناف میں سے علامہ شامی اور علامہ ابن قدامہ نے تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی جائز ہے، علامہ تقی عثمانی رقمطراز ہیں، علامہ ابن قدامہ کا قول نقل کرتے ہیں :

"الجعالة في رد الضالة والابق وغيرهما جائزة وهذا قول أبي حنيفة ومالک والشافعي ولا نعلم مخالفا" (اسلام اور جدید اسلامی معاشی مسائل ۲/۲۰۰) (گمشدہ چیز یا بھاگا ہوا غلام وغیرہ کو حاصل کرنے کے لئے اجرت دینا جائز ہے اور یہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک وشافعی کا قول ہے اور اس سلسلہ میں کسی کا قول اس کے خلاف نہیں ہے)۔

۶— عقد استصناع میں بیعانہ کی رقم کا حکم :

عقد استصناع میں بائع کبھی مشتری سے کچھ رقم بطور ضمان مطالبہ کرتا ہے یا مشتری خود دیتا ہے، بیع کے وقت وہ رقم اصل رقم میں ضم کردی جاتی ہے، اگر مشتری سامان لینے سے انکار کرجائے، مکر جائے تو کیا صانع کو بیعانہ کی وہ رقم ضبط کرنے کی گنجائش ہے۔

جواب یہ ہے کہ بیعانہ کی رقم ضبط کرنا جائز نہیں ہے حدیث پاک کے اندر صراحۃ بیع عربان کی نفی ہے جو کہ درحقیقت بیعانہ والی رقم کی ہی صورت ہے۔ "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال : نهى عن بيع العربان" (مشکوۃ ۲۴۸) (حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بیع عربان سے منع کیا)۔

اور فقہاء نے بھی اس کی ممانعت کا ذکر کیا ہے، علامہ ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں اس پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے لکھتے ہیں :

"وإنما صار الجمهور إلى منعه، لأنه من باب الغرر والمخاطرة وأكل مال بغير عوض" (بدایۃ المجتہد ۲/۱۲۲) (جمہور علماء کرام (بیعانہ کی رقم کو ضبط کرنا) سے منع کرتے ہیں، کیونکہ اس میں غرر اور جوا ہے اور بغیر عوض کے مال حاصل کرنا ہے)۔

لیکن بعض علماء بیعانہ کی رقم کو ضبط کرنے کی اجازت بھی دیتے ہیں اور اس کو قانون شرط جزائی کے تحت شمار کرتے ہیں۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی الفقہ الاسلامی وادلتہ میں لکھتے ہیں :

"أما في مجال المقاولات التي يتم فيها عادة الاتفاق على مدة التسليم والإلزام بغرامات معينة عند التاخير فهو أي التغريم جائز أيضاً، وداخل تحت مفهوم ما يسمى قانوناً بالشرط الجزائي .... قد أقره القاضي شريح وأيده قرار هيئة

كبار العلماء في سعودية سنة ۱۳۹۴ھ قال شريح: من شرط على نفسه طائعاً غير مكره فهو عليه'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۴۰۳)۔

(بہر حال لین دین معاملہ کرنے کے وقت جس میں عادۃ سامان دینے کی مدت پر اتفاق ہو گیا ہو اس کی تاخیر کی صورت میں اس پر تاوان لازم کرنا جائز ہے اور قانون بشرط الجزاء کے تحت آتا ہے جس کو قاضی شریح نے مانا ہے اور سعودی علماء کونسل بابت ۱۳۹۴ھ نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے، قاضی شریح کا کہنا ہے کہ اگر کسی نے یہ شرط راضی برضا بغیر کسی جبر کے لگایا تو اس پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے عمل درآمد لازم ہے)۔

۷—عقد استصناع میں میٹریل مواد فراہم کرنے کا مسئلہ:

یہ بات واضح ہے کہ عقد استصناع میں میٹریل خود صانع ہی فراہم کرتا ہے، خام مال ومواد میٹریل کی فراہمی وانتظام وانصرام تمام تر صانع کے ذمہ ہوتا ہے:

لیکن اگر استصناع میں میٹریل مستصنع (خریدار آرڈر دینے والا) فراہم کرتا ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ کیا وہ جزوی سامان فراہم کرتا ہے یا کلی سامان میٹریل، اگر کچھ جزوی سامان یا بعض میٹریل یا خام مال کا کچھ اقل حصہ فراہم کیا تو یہ عقد استصناع ہی شمار کیا جائے گا اور یہ فراہمی اس کی نصرت ومدد سمجھی جائے گی، اسی طرح اگر سامان فراہم کرتے وقت از سر نو خام میٹریل کی اس نے عقد کے ذریعہ سے فراہمی کیا ہے، مثلاً خام میٹریل کی قیمت اس نے وصول کرلی ہے تو بھی اس میں مدد ہی شمار کیا جائے گا، اور وہ عقد استصناع کے تحت آئے گا، سامان مطلوبہ اوصاف کے مطابق رہنے پر قبول ضروری ہوگا اور عدم مطابقت پر رد کا اختیار حاصل ہوگا جیسا کہ عقد استصناع۔

البتہ اگر پورا میٹریل خام مال یا اکثر حصہ اس نے اپنی طرف سے بغیر کسی عقد جدید کے فراہم کیا ہے، تو یہ پھر بیع استصناع کے درجہ میں نہ آئے گا اور وہ پھر عقد اجارہ کے تحت شمار کیا جائے گا، اور پھر اس کے تمام احکام عقد اجارہ کے احکام کے مثل ہوں گے، مثلاً:

اگر اس نے (تیار کرنے والا) مطلوبہ شیئ کو آرڈر کے مطابق تیار کردیا تو اجرت کا مستحق ہوگا، اور اگر آرڈر کے مطابق سمپل کے مطابق تیار نہیں کیا بلکہ مستصنع کے خام مال میٹریل کو بھی خراب کردیا تو ضامن ہوگا اور بقدر نقصان اس سے تاوان حاصل کرنا جائز ہوگا، جیسا کہ علامہ کاسانی صاحب بدائع الصنائع نے لکھا ہے:

''فإن سلم إلى حداد حديداً ليعمل له إناء معلوماً بأجر معلوم، أو جلداً إلى خفاف ليعمل له خفاً معلوماً بأجر معلوم فلذا جائز ولا خيار فيه، لأن هذا ليس باستصناع بل هو استيجار فكان جائزاً فإن عمل كما أمر استحق الأجر وإن أفسد فله أن يضمنه حديداً مثله، لأنه لما أفسده فكأنه أخذ حديداً له واتخذ آنية من غير إذنه، والإناء للصانع، لأن المضمونات تملك بالضمان'' (بدائع الصنائع ۴/ ۹۶)۔

(اگر کسی نے لوہار کو لوہا دیا کہ اس کے لئے ایک متعینہ اجرت پر مطلوبہ صفت کا برتن بنائے یا کسی نے جلد یا خف بنانے والے کو کہ متعینہ اجرت پر مطلوبہ صفت والا موزہ خف بنادیں، تو یہ جائز ہے اور اس میں کوئی خیار حاصل نہ ہوگا، کیونکہ یہ عقد استصناع نہیں بلکہ وہ عقد اجارہ ہے اور یہ جائز ہے، پس اگر اس نے (صانع) نے مطلوبہ صفت کے ساتھ بنادیا تو وہ اجر کا مستحق ہوگا، اور اگر اس نے سامان کو مطلوبہ صفت کے خلاف بنادیا تو وہ اس لوہے کے بقدر لوہے کا ضامن ہوگا، جب اس نے میٹریل کو خراب کردیا تو گویا کہ اس نے میٹریل لے لیا اور

بغیر اس کی (مستصنع) کی اجازت کے صانع نے ایک نیا برتن بنالیا، اس صورت میں برتن صانع آجر کا ہوگا، کیونکہ ضمان سے آدمی شیئ مضمون کا مالک بن جاتا ہے)۔

۸— عقد استصناع میں مقررہ مدت سے تاخیر کی صورت :

عقد استصناع میں وقت مدت متعین کرنا امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور ایسا ہونے سے وہ عقد سلم بن جاتا ہے، لیکن صاحبین امام ابو یوسف، وامام محمد کے نزدیک جائز ہے اور مفتی بہ قول بھی یہی ہے)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی ''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' میں استصناع کے شرائط ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''فإن حدد فيه أجل انقلب سلماً ولا خيار شرط في السلم وقال الصاحبان : يصح الاستصناع لأجل أو لغير أجل، لأن عرف الناس تحديد الأجل فيه'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۳۹۸)۔

(امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر بیع استصناع میں وقت مقرر کردیا تو وہ بیع سلم ہوجائے گا اور سلم میں خیار شرط نہیں ہے اور صاحبین کہتے ہیں کہ وہ استصناع ہی باقی رہے گا، چاہے وقت مقرر کریں یا نہ کریں، کیونکہ اس میں عرف عام میں اجل مقرر کیا جاتا ہے)۔

پس اگر صانع وقت مقرر پر شیئ مطلوبہ فراہم نہ کرسکے اور اس کی بنا پر مستصنع کو اس میں نقصان کا سامنا ہو، چاہے جس طرح کا نقصان ہو سامان بازار سے لے کر اپنے گاہک کو دینے کی شکل میں یا وقت نکل جانے پر وہ چیز بازار میں فروخت نہ ہونے کی شکل میں، تو اس کا ضمان وتاوان حاصل کیا جاسکتا ہے، دکتور وہبہ زحیلی نے اپنی کتاب ''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' میں قاضی شریح کا فتوی نقل کیا ہے اور سعودی علماء کونسل کی قرارداد کا تذکرہ کرتے ہوئے جواز لکھا ہے۔

احقر کی رائے اس سلسلہ میں ہے کہ اگر عذر شرعی یا معقول عذر جیسے کہ آفت سماویہ، یا آفت ارضیہ فتنہ وفساد کا پھوٹ پڑنا، اگر اس قسم کا عذر ہو تو اس میں طرفین سمجھوتے سے کام لیں عقل وخرد سے باہم جو طے پا جائے کرلیں۔

تاوان کے سلسلہ میں شیخ الاسلام مولانا تقی عثمانی کی رائے نپی تلی رائے معلوم ہوتی ہے کہ طرفین پہلے سے ہی یومیا تاخیر پر فیصداً قیمت میں کمی کا تاوان بھی طے کیا جاسکتا ہے۔

''یہ بات یقینی بنانے کے لئے کہ سامان مطلوبہ مدت میں فراہم کردیا جائے گا، اس طرح کی بعض جدید معاہدے ایک تعزیری شق پر مشتمل ہوتے ہیں، جس کے نتیجہ میں اگر تیار کنندہ فراہمی میں متعین وقت سے تاخیر کردے تو اس پر جرمانہ عائد ہوگا، جس کا حساب یومیہ بنیاد پر کیا جائے گا، کیا شرعاً بھی اس طرح کی کوئی تعزیری شق شامل کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگرچہ فقہاء استصناع پر بحث کے دوران اس سوال پر خاموش نظر آتے ہیں، لیکن انہوں نے اس طرح کی شرط کو اجارہ میں جائز قرار دیا ہے، فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کپڑوں کی سلائی کے لئے کسی خیاط کی خدمت حاصل کرتا ہے تو فراہمی کے حساب سے اجرت مختلف ہوسکتی ہے، مستاجر یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر خیاط ایک دن میں یہ کپڑا تیار کردے تو وہ سو روپے اجرت دے گا اگر دو دن میں تیار کرتا ہے تو وہ اسی ۸۰ روپے دے گا، اس مسئلہ کو فقہاء کرام ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :

''إن خطته اليوم فلك درهم وإن غدا فلا أجر لك قال محمد : وإن خاطه في الأول فله درهم وإن في الثاني فأجر

المثل لا یزاد درهم فی قولهم جمیعاً"(شامی ۹؍۹۵)۔

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ اس طرح سے استصناع میں قیمت کو فراہمی کے ساتھ منسلک کیا جاسکتا ہے، اگر فریقین اس پر متفق ہوجائیں کہ فراہمی میں تاخیر کی صورت میں فی یوم متعین مقدار میں قیمت کم ہوجائے گی تو یہ رعایت جائز ہوگا (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵؍۱۵۱)۔

عقد استصناع — مراحل ومسائل

مولانا محمد فرقان فلاحی اورنگ آبادی ☆

الف — عقد استصناع کہاں کہاں جاری ہوگا اور کن اصولوں کی بنیاد پر جاری ہوگا؟ اس سوال کی اصل وجہ یہ ہے کہ چونکہ فقہاء کرام کے ادوار میں استصناع کی مروجہ شکلیں نہ تھیں، لہذا انہوں نے اپنے دور میں پیش آنے والی صورتوں کا بالخصوص ذکر کر کے ان کے مفصل احکام نقل کرنے پر اکتفا فرمایا، لیکن آج کے دور میں استصناع کی جو جدید شکلیں ظاہر ہو رہی ہیں، ان کا لازمی تقاضہ یہی تھا کہ فقہاء کرام کی عبارات واستدلالات کو اور حالات حاضرہ کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے شریعت کی روشنی میں از سر نو کچھ اصول طے کر لئے جائیں، تاکہ اس عقد استصناع سے استفادہ بھی بہتر شکل پر ہو سکے اور اس کے بلاواسطہ وبالواسطہ نقصانات سے بچاؤ بھی ہو جائے۔

اس تمہید کے بعد اس بات کی وضاحت کرنا مناسب محسوس ہوتا ہے کہ عقد استصناع ہر اس جگہ جاری ہو سکتا ہے جہاں عقد بیع جاری ہو سکتا ہے، کیونکہ عقد استصناع کی اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک حیثیت بیع کی بھی ہے، جس کی وجہ سے اس کا اجراء ہر اس جگہ ہو سکتا ہے جہاں بیع کا اجراء ہو سکتا ہے، لیکن دوسری جانب چونکہ عقد استصناع کی ایک انفرادی حیثیت یہ ہے کہ اس میں عقد بیع کے تمام احکام نافذ نہیں کیے جا سکتے جس کی وجہ سے اس میں اور بیع میں فرق ہو جاتا ہے، لہذا اس فرق کا خیال رکھتے ہوئے عقد استصناع کو ان ہی اشیاء میں جاری کیا جائے گا جہاں پر مندرجہ ذیل امور کی رعایت ہو:

۱ — بنیادی طور پر اس بات کو ملحوظ رکھا جائے کہ عقد استصناع کو ان معاملات میں جاری نہ کیا جائے جن کے متعلق یہ خطرہ ہو کہ مستقبل میں نزاعی واختلافی صورت پیدا ہو سکتی ہے، لہذا جس چیز کی تیاری کا آرڈر دیا جا رہا ہو اس کی مکمل اور واضح صفت وکیفیت، مطلوبہ تعداد وکمیت اور اجرت ذکر کر دی جائے، البتہ اجرت کے سلسلہ میں یہ بات ملحوظ رہے کہ اگر مستصنع اپنا آرڈر جلدی وصول کرنے کی غرض سے قیمت میں تفاوت رکھنا چاہے تو اس کا ایسا کرنا جائز ہوگا، مثال کے طور پر اگر وہ صانع سے یہ معاملہ طے کرے کہ اگر اس کا آرڈر دو ماہ میں مکمل کیا گیا تو اس کی اجرت ایک لاکھ روپے رہے گی جبکہ ایک ماہ میں مکمل کرنے کی صورت میں اس کی اجرت دو لاکھ روپیہ رہے گی، چنانچہ امام بخاری نے امام شریح کا قول تعلیقاً نقل کیا ہے:

"من شرط علی نفسه طائعاً غیر مکره فهو علیه" (صحیح البخاری، کتاب الشروط باب ما یجوز الاشتراط والثنیا فی الاقرار)۔

نیز جدہ میں قائم "مجمع الفقہ الاسلامی" نے اپنے ساتویں سمینار میں اس کے جواز کا فیصلہ کرتے ہوئے اس سے متعلق قرارداد میں کہا ہے:

☆ فاضل المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد۔

"یجوز أن یتضمن عقد الاستصناع شرعاً جزائیاً بمقتضی ما اتفق علیه العاقدان ما لم تکن هناک ظروف قاهرة"

(دیکھئے مجمع الفقہ الاسلامی کا ساتواں سمینار منعقدہ ۷-۱۲/ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ بمطابق ۹-۱۴/مئی ۱۹۹۲، قرارداد نمبر: ۶۶/۳/۷)۔

۲- رہی یہ بات کہ عقد استصناع کن کن چیزوں میں درست ہوگا تو اس کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عقد استصناع ان تمام اشیاء میں جاری ہوسکتا ہے جن کی اوصاف وغیرہ سے تحدید ممکن ہو، چنانچہ جن چیزوں کی تحدید اوصاف وغیرہ سے ممکن نہ ہو جیسے غلہ جات، ترکاریاں وغیرہ توان میں عقد استصناع جاری نہیں ہوگا، کیونکہ لازماً یہ عقد مستقبل میں مفضی إلی النزاع ہوسکتا ہے، لہذا سدذریعہ کی غرض سے ایسی اشیاء میں عقد استصناع جاری نہیں کیا جائے گا۔

۳- ایک اور اہم اصول عقد استصناع کے سلسلہ میں وقت کی تعیین کا ہے، فقہاء کرام نے عقد استصناع کے سلسلہ میں وقت اور مدت کی تعیین کو عقد استصناع کی حقیقت کے مغایر قرار دیا ہے، جبکہ صاحبین کے یہاں وقت کی تعیین کرنا درست ہے اور فی زمانہ یہی قول اختیار کرنا مناسب ہے، کیونکہ جب خود عقد استصناع محض عرف وعادت کی بناپر استحساناً جائز قرار دیا گیا ہے تو اس میں وقت کی تعیین بھی معروف ومعتاد ہونے کی بناپر روا سمجھی جائے گی (دیکھئے الموسوعۃ الفقہیہ ۳/۳۲۹-۳۳۰)۔

مذکورہ بالا اصول کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ عقد استصناع آج کے دور میں بڑی اور چھوٹی صنعتوں، حکومتی ونجی ترقیاتی پروجیکٹس، گھروں اور بلڈنگوں کی تعمیر، دفاعی ٹیکنالوجی کی تیاری واسلحہ سازی اور ان جیسی دیگر اہم ضروریات میں جاری کیا جاسکتا ہے۔

ب- عقد استصناع خود بیع ہے یا وعدہ بیع ہے، اس سلسلہ میں فقہاء احناف کے درمیان ابتداء ہی سے اختلاف رہا ہے، چنانچہ علامہ کاسانی نے بدائع میں، ابن نجیم نے البحر الرائق میں، اور علامہ سمرقندی نے تحفۃ الفقہاء میں اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کی ہے (دیکھئے بدائع الصنائع ۶/۸۲، کتاب الاستصناع، فصل فی صورۃ الاستصناع ط: دار الکتب العلمیہ، البحر الرائق ۶/۲۸۳، کتاب البیع، باب السلم، ط: دار الکتب العلمیہ، تحفۃ الفقہاء ۲/۳۶۲، باب الاجارۃ الفاسدۃ، ط: دار الکتب العلمیہ) اور اس اختلاف کی بنیادی وجہ خود عقد استصناع کی ماہیت میں پائی جانے والی کیفیت ہے جو اسے اجارہ، سلم اور صرف سے قریب کردیتی ہے، جس کی وجہ سے اس کے حکم اور متعلقہ مسائل پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے، مشہور عالم شیخ احمد زرقا اس عقد کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الاستصناع نوع من البیوع مستقل لا یدخل فی أحد الأنواع الأخری کالصرف والسلم، ولیس أیضاً من البیع العادی (المطلق)، فکما أن الصرف والسلم نوعان من البیع وهما عقدان مستقلان ولهما أحکام خاصة لا تجری فی البیع المطلق، فکذلک الاستصناع (دیکھئے حسام الدین خلیل کا مقالہ بعنوان عقد الاستصناع کأحد البدائل الشرعیة للأوعیة الادخاریة البنکیة ص ۱۹-۲۰)۔

اسی طرح ڈاکٹر علی محی الدین قرہ داغی لکھتے ہیں:

"فالاستصناع عقد مستقل خاص محله العین والعمل معاً، وبذلک یمتاز عن البیع الذی محله العین، وعن الإجارة التی محلها العمل، وعن السلم الذی محله العین الموصوفة فی الذمة" (حوالہ بالا)۔

جب کہ دوسری جانب ڈاکٹر علی السالوس نے استصناع کی بحث مکمل کرنے کے بعد جو نتائج ذکر کئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عقد استصناع کو مستقل بیع نہیں بلکہ وعدہ بیع سمجھتے ہیں، اور اس سلسلہ میں انہوں نے بطور دلیل کے "مجمع الفقہ بمنظمۃ المؤتمر الاسلامی" کے

پانچویں سمینار کی قرارداد کا سہارا لیا جو "الوفاء بالوعد فی المرابحة للآمر بالشراء" سے متعلق ہے، گویا آپ استصناع کو بیع سلم ہی کی ایک شکل قرار دیتے ہیں، لیکن جانبین میں سے کسی کا نقصان نہ ہو اس سے بچنے کے لئے مستصنع کو خریدنے کا اور صانع کو مصنوع کی تیاری کا پابند کرتے ہیں (دیکھئے: موسوعۃ القضایا الفقہیہ المعاصرہ ص: ۸۴۲–۸۴۳، ط: مکتبۃ دار القرآن)۔

فی زمانہ استصناع کی ضرورت وافادیت کو دیکھتے ہوئے یہی بات زیادہ بہتر نظر آتی ہے کہ استصناع کو مستقل ایک بیع قرار دیا جائے نہ کہ وعدہ بیع، کیونکہ استصناع کے ذریعہ ہونے والا کاروبار اربوں روپیوں کا ہوتا ہے، اس صورت میں اگر استصناع کو محض وعدہ بیع قرار دیا جائے گا تو اس سے مارکیٹ پر اور ملکی ترقیاتی منصوبوں پر ہی نہیں بلکہ ایک عام انسان کی زندگی پر بھی اثر پڑے گا، دوسری بات یہ بھی ہے کہ جب سرمایہ کار اور کاریگر حضرات میں سے ہر ایک کو اس بات کا یقین نہ ہو کہ اس کی محنت یا اس کا سرمایہ نفع بخش ثابت ہونے کی کوئی ضمانت نہیں ہے تو کوئی سرمایہ کار اپنا سرمایہ نہیں لگائے گا اور نہ ہی کوئی ہنرمند اپنی خدمات پیش کرے گا، اس صورتحال سے بچنے کا بہترین حل یہی ہے کہ استصناع کو مستقل بیع قرار دیا جائے گا تا کہ سرمایہ بھی ضائع ہونے سے محفوظ رہے اور محنتیں بھی اپنا رنگ دکھائیں۔

ج — استصناع کے سلسلہ میں ایک عام اشکال جو ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے معدوم کی بیع سے نیز بیع الکالی بالکالی سے منع فرمایا ہے، اس بارے میں حکیم بن حزام ؓ کا واقعہ مشہور ہے جسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے (دیکھئے: ترمذی، ابواب البیوع، باب ماجاء فی کراھیۃ بیع مالیس عندک، حدیث: ۱۲۳۲)، اگر ہم اس حدیث یا اس مفہوم کی دیگر احادیث کو سامنے رکھ کر تھوڑا غور کریں کہ معدوم کسے کہا جاتا ہے اور یہ کہ آپ ﷺ نے اس سے منع کیوں فرمایا ہے تو یہ مسئلہ بآسانی حل ہو جائے گا، علامہ ابن قیم نے معدوم کی حقیقت کے سلسلہ میں کافی اچھی بحث کی ہے، چنانچہ آپ نے معدوم کی تین قسمیں بیان کی ہیں:

(۱) معدوم موصوف فی الذمہ۔

(۲) معدوم تبع للموجود۔

(۳) معدوم مختلف فیہ (دیکھئے: زاد المعاد فی ہدی خیر العباد ۵/ ۸۰۸، فصل فی ذکر احکامہ ﷺ فی البیوع، مکتبہ شاملہ)۔

جس سے پتہ چلتا ہے کہ معدوم کی بیع ہر حال میں ممنوع نہیں ہے بلکہ اس کی بھی کچھ شرائط ہیں، اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس سلسلہ میں جو گفتگو کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ معدوم کے ناجائز ہونے کے متعلق قرآن وحدیث ہی نہیں بلکہ صحابہ کرام کے اقوال وآثار میں بھی کوئی صریح بات نہ لفظاً ملتی ہے نہ معناً، بلکہ یہ بات ملتی ہے کہ بعض اشیاء جو معدوم تھیں انکی بیع سے روکا گیا تو بعض مرتبہ موجود اشیاء کی بیع سے بھی روک دیا گیا، پھر لکھتے ہیں کہ احادیث میں منع کرنے کا سبب مبیع کا موجود یا معدوم ہونا نہیں ہے بلکہ غرر کا پایا جانا ہے، لہذا چاہے مبیع معدوم ہو یا موجود ہو لیکن اگر غرر پایا جاتا ہو تو بیع ممنوع ہوگی:

"وليست العلة في المنع لا الوجود ولا العدم، بل الذى ثبت في الصحيح عن النبي ﷺ أنه نهى عن بيع الغرر، والغرر مالا يقدر على تسليمه سواء كان موجوداً أو معدوماً" (مجموع الفتاوی ۲۰/ ۵۴۳، مکتبہ شاملہ)۔

علامہ ابن تیمیہ کے اس بیان سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ بہت سی شکلیں ایسی بھی ہیں کہ حدیث میں ان کو ممنوع قرار دیا گیا ہے جبکہ غرر کے ختم ہو جانے کی صورت میں وہ ممنوع باقی نہیں رہتی ہیں، اور معدوم کی بیع میں بالخصوص یہی فلسفہ کام کرتا ہے کہ جہاں غرر

زائل ہوا وہیں اس کی ممنوعیت بھی ختم ہو جائے گی، اگر اس پس منظر کے استحضار کے ساتھ استصناع کو دیکھیں تو یہ اشکال خود بخود رفع ہو جاتا ہے کہ یہ معدوم کی بیع ہے، کیونکہ اس میں اگر چہ فی الوقت مصنوع ومبیع معدوم ہے لیکن اس کے تمام تر اوصاف کے بیان کردئیے جانے اور لوگوں میں اس کے عام وشائع ہو جانے کی وجہ سے اس میں موجود غرر وشبہات ختم ہو جاتے ہیں اور گویا وہ موجود ہی کی بیع سمجھی جاتی ہے، بالخصوص بلڈنگ، فلیٹ، گاڑیوں وغیرہ میں صانع کی جانب سے بطور نمونے کے تیار کردہ کچھ ماڈلس بھی ہوتے ہیں جن کی وجہ سے رہے سہے شبہات بھی ختم ہو جاتے ہیں۔

البتہ اس سے متعلق یہ وضاحت ضروری ہے کہ مصنوع کے وجود میں آنے سے پہلے ہی مستصنع کا اس کو بیچنا یا خریدار کا کسی اور کو بیچنا درست نہیں ہوگا، کیونکہ مستصنع اور صانع کے درمیان ہونے والا عقد اپنے مآل کے اعتبار سے حتمی ویقینی ہے کہ صانع مال تیار کر کے دے دے گا اور مستصنع اس کی اجرت ادا کر دے گا، گویا یہ ایک موجود شیئ ہی کا معاملہ ہو رہا ہے، لیکن اگر یہی مستصنع شیئ مصنوع کسی تیسرے شخص کو بیچے درانحالیکہ ابھی خود اس نے بھی قبضہ نہیں کیا ہے تو یہ درست نہیں ہوگا، اور "نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع ما لم یقبض" کی وجہ سے ممنوع ہوگا، البتہ اس میں اتنی رخصت دی جاسکتی ہے کہ جب مستصنع کو اس بات کا مصدقہ ذرائع سے علم ہو جائے کہ اس کا آرڈر تیار ہونا شروع ہو گیا ہے تب وہ اس کی بیع کر سکتا ہے، کیونکہ اس صورت میں مصنوع کا اسے ملنا اور قبضہ کا پایا جانا تقریباً ممکن ہو چکا ہے۔

د۔ استصناع کا تعلق اموال منقولہ ہی سے ہے یا غیر منقولہ سے بھی ہے، اس سلسلہ میں اگر دیکھیں تو احادیث میں انگوٹھی اور منبر کا ذکر بالخصوص ملتا ہے، اسی طرح فقہاء کرام نے جتنی بھی اشیاء کا ذکر کیا ہے وہ تمام منقولہ اشیاء ہی ہیں، لیکن اگر قرآن پاک میں دیکھیں تو سورہ کہف میں جہاں حضرت ذوالقرنین کے واقعہ کو ذکر کیا گیا ہے اس میں اس بات کو بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ذوالقرنین کا گزر ایک بستی پر ہوا جس نے ان سے درخواست کی کہ وہ ایک دیوار بنا دیں اور اس کی اجرت ان سے لے لیں، قرآن پاک میں اس واقعہ کا ذکر ہی اس بات کے لئے کافی ہے کہ اس طرح کا معاملہ کرنا درست رہا ہوگا تبھی تو قرآن نے اسے اتنی وضاحت کے ساتھ بیان کیا، اور استصناع میں بھی یہی ہوتا ہے کہ ایک جانب سے مال ہوتا ہے اور دوسری جانب سے محنت ہوتی ہے جس کی بنیاد پر مخصوص شرائط کے ساتھ معاہدہ طے پاتا ہے، اس توضیح سے پتہ چلتا ہے کہ اشیاء غیر منقولہ میں بھی استصناع جاری ہو سکتا ہے، دوسری بات یہ کہ استصناع کے جواز کی بنیاد استحسان وتعامل پر ہے، اور فی زمانہ اشیاء منقولہ سے زیادہ غیر منقولہ میں استصناع کے استعمال کو بہتر سمجھا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اشیاء غیر منقولہ میں استصناع کو درست سمجھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، چنانچہ آج کے دور میں راستوں کے تعمیر ومرمت، گھر اور بلڈنگ کی تعمیر، سمندری وہوائی جہاز، اسلحہ سازی اور دفاعی نظام وغیرہ سے لے کر روزمرہ کے استعمال کی چیزوں تک ہر معاملہ میں استصناع جاری ہو سکتا ہے، نیز اگر استصناع سے ہونے والے معاملات کی تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو نتائج حیرت انگیز نظر آئیں گے۔ مثال کے طور پر 'البنک الاسلامی للتنمیہ'' (Islamic Development Bank) کی ۲۰۰۳ء میں ہونے والی ایک میٹنگ میں استصناع کو جاری کرنے کے فوائد شمار کرواتے ہوئے بتایا گیا کہ انڈونیشیا میں ۱۳ ملین امریکی ڈالر کی بطریقہ استصناع سرمایہ کاری کی گئی جس کا مقصد انڈونیشیا کی اسلامی یونیورسٹی کی توسیع وترمیم اور اس میں واقع شعبہ جات میں اضافہ وغیرہ کرنا تھا، اسی طرح جنوبی امریکہ سے قریب "سرینام Surinam" نامی ملک کے دارالحکومت "پارامار یبو" میں ۶۵ ملین ڈالر کی سرمایہ کاری کی گئی، اس کا مقصد اس علاقہ میں کینسر کے علاج کی خاطر ایک میڈیکل کالج قائم کرنا اور مریضوں

کے لئے نیز طلبہ کے لئے بہتر وسائل مہیا کرنا تھا، نیز شمالی افریقہ کی مشہور سلطنت ''مراکش'' میں ۲۲۷ ملین ڈالر کی بطریقہ استصناع سرمایہ کاری کی گئی، جس سے شہروں اور دیہاتوں میں (Water Sewerage System) (پائپ لائن کا نظام) قائم کیا گیا، مزید یہ کہ 7.7 ملین ڈالر کے قرض حسنہ جاری کئے گئے جن کی واپسی کی مدت ۲۵ سال طے کی گئی اور اس میں مہلت کی اضافی مدت سال سال رکھی گئی، جبکہ ۱۵ ملین خاص سرمایہ کاری میں استعمال کئے گئے، اسی طرح لبنان میں 37.5 ملین ڈالر کی سرمایہ کاری کی گئی جس سے بیروت شہر کے انفراسٹرکچر کو بہتر بنایا گیا، گندے پانی اور بارش کے پانی کی نکاسی کے بہتر انتظامات کئے گئے، شہر بھر کے چھوٹے بڑے راستوں کو دوبارہ تعمیر کیا گیا اور راستوں پر روشنی اور شجر کاری وغیرہ کا اہتمام کیا گیا (دیکھئے حسام خلیل الدیم کا مقالہ : عقد الاستصناع کا حد البدائل الشرعیہ۔۔۔'')۔

اسی سے متعلق ایک اہم مسئلہ سونے اور چاندی کے زیورات میں استصناع کا ہے، جس کی ممکنہ شکل یہ ہے کہ مثلاً زید زیورات کا بڑا تاجر ہے اور بکر زیورات بنانے میں ماہر ہے، اب زید اور بکر میں یہ معاملہ طے پاتا ہے کہ دو ماہ کی مدت میں مخصوص اوصاف کے زیورات تیار کر کے زید کو دیئے جائیں گے، لیکن دوسری جانب زید اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ اجرت کے طور پر رقم نہیں بلکہ اتنی ہی مالیت کا سونا یا چاندی ادا کردی جائے گی، تو کیا اس صورت میں عقد استصناع درست ہوگا یا نہیں؟ کیونکہ اگر عقد استصناع کو بیع ہی کی ایک شکل تصور کیا جائے تو بیع میں سونے اور چاندی کے بدلے میں سونا اور چاندی لینا اسی وقت درست ہوگا جبکہ تفاوت نہ ہو ورنہ ربا متحقق ہونے کی وجہ سے یہ عقد حرام ہو جائے گا، اسی قسم کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ مثال کے طور پر حکومت اپنی ضرورت کے تحت کسی نجی کمپنی کو ایک کروڑ روپے کے نوٹ چھاپنے اور سکے ڈھالنے کا آرڈر دیتی ہے جس میں سے مثلاً ۳۰ لاکھ روپیہ سکے کی شکل میں ہوں اور بقیہ ۷۰ لاکھ نوٹ کی شکل میں ہوں اور حکومت کی جانب سے اس کی اجرت یہ طے ہوتی ہے کہ سکوں کی تیاری کی اجرت ۱۰ لاکھ روپے اور نوٹوں کی چھپائی کی اجرت ۲۵ لاکھ روپے ہوگی، اب کیا ایسی شکل میں عقد استصناع درست ہوگا کہ ۳۵ لاکھ روپے کے بدلے حکومت ایک کروڑ روپے حاصل کر رہی ہے، بظاہر یہ شکل سود کی نظر آرہی ہے کہ روپیوں کا تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ ہو رہا ہے جو جائز نہیں ہے، جبکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ جب تک نوٹ یا سکے کمپنی کی ملکیت میں ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، ہاں جب وہ حکومت کی تحویل میں آجائیں گے اور باقاعدہ حکومت کے توسط سے ان کا بینک میں اندراج ہو جائے گا تب وہ نوٹ اور سکوں کی حیثیت اختیار کریں گے، لہذا اس صورت میں استصناع درست ہوگا۔

الغرض استصناع جس طرح اشیاء منقولہ میں جاری ہوسکتا ہے، اسی طرح اشیاء غیر منقولہ میں بھی جاری ہوسکتا ہے، بس اس میں اتنا اہتمام ضرور کیا جائے کہ بہر وہ کیفیت، شرط اور شق کو ختم کردیا جائے یا واضح کردیا جائے جس سے کسی نہ کسی حد تک غرر پیدا ہونے کا امکان ہو۔

ہ — عصر حاضر میں کاروبار کے پھیلاؤ، لوگوں کی ضرورتوں اور پھر مالیاتی اداروں کی ہمہ جہتی فعالیت نے معاملات کی کئی نئی شکلوں کو جنم دیا ہے، ان ہی میں سے استصناع کی ایک مخصوص شکل ''استصناع موازی'' یا استصناع متوازی کی ہے، جس کا طریقہ عقد استصناع ہی کی طرح ہوتا ہے، البتہ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ استصناع میں دو فریق ہوتے ہیں جبکہ استصناع متوازی میں تین فریق ہوتے ہیں، اور یہ تیسرا فریق کوئی بینک یا اسی کی طرح کوئی مالیاتی ادارہ ہوتا ہے، جو بیک وقت صانع کا بھی کردار ادا کرتا ہے اور مستصنع کا بھی، بایں طور کہ وہ ایک جانب اپنے کسٹمر سے آرڈر وصول کرتا اور صانع کی حیثیت سے اس سے معاملہ طے کرتا ہے، پھر وہی آرڈر کسی اور کو بحیثیت مستصنع دیتا ہے او راس سے اپنی الگ معاملہ طے کرتا ہے، اس عمل کے ذریعہ بینک یا مالیاتی ادارے یہ فائدہ اٹھاتے ہیں کہ اپنے گاہک سے اور جسے آرڈر

دے رہے ہیں اس سے طے شدہ رقم میں تفاوت رکھتے ہیں اور یہی رقم ان کا منافع بن جاتی ہے، اس پوری شکل کو سمجھنے کے بعد دیکھیں کہ اس میں کل دو مسئلے قابل غور ہیں: اول تو یہ کہ کیا مالیاتی اداروں کا ایسا معاملہ کرنا درست ہے؟ اور دوم یہ کہ کیا اس طرح کے منافع کا حصول ان کے لئے جائز ہوگا؟

ان سوالات کے جوابات اس تفصیل سے حل ہوجاتے ہیں کہ علماء کرام نے استصناع متوازی کو چند امور کی رعایت کے ساتھ درست قرار دیا ہے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ استصناع متوازی کے دونوں عقد علاحدہ اور مستقل ہوں، دونوں کا آپس میں کوئی تعلق نہ ہو، اور اس کے لئے ضروری ہے کہ مالیاتی ادارے شفافیت کیساتھ معاملات انجام دیں، ایسا نہ ہو کہ منظم طور پر ایک شخص اپنی ضرورت کی چیز حاصل کرنے جائے اور پھر ادارہ پہلے سے طے شدہ شخص کو اس چیز کا آرڈر دے کر منافع حاصل کرلے، نیز اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مالیاتی ادارے کا دائرہ کار اتنا بڑھا ہوا ہو کہ وہ اپنے گاہکوں کی ضرورت کی اشیاء تیار کروانے یا انہیں منگوانے پر قدرت رکھتا ہو۔

۲۔ استصناع متوازی میں بہتر یہ ہے کہ دونوں معاملوں میں طے کی جانے والی مدتوں میں اتنا فرق ضرور رکھا جائے کہ اشیاء مصنوعہ پر مالیاتی ادارہ پہلے قبضہ کرلے اور پھر اسے گاہک کے حوالے کرسکے، تاکہ کسی قسم کے اختلاف سے بچا جاسکے۔

۳۔ استصناع متوازی میں اس بات کی اجازت رہے گی کہ مالیاتی ادارہ اپنے گاہک سے بحیثیت صانع اور کسی اور کمپنی وغیرہ سے بحیثیت مستصنع معاملات طے ہوجانے کے بعد گاہک کو براہ راست کمپنی سے اپنے آرڈر کی وصولیابی کا وکیل بنادے، یعنی اب گاہک بجائے مالیاتی ادارے کے سیدھا کمپنی سے اپنا آرڈر وصول کرے گا، اور چونکہ دونوں کے معاملات مالیاتی ادارہ کی وساطت سے طے ہوچکے ہیں، اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔

اس مسئلہ کی دوسری شق یہ ہے کہ استصناع متوازی میں دونوں معاملات میں مالیاتی ادارہ اپنے منافع کو ملحوظ رکھتے ہوئے اشیاء مطلوبہ کی قیمتوں میں فرق رکھتے ہیں اور دراصل یہی رقم ان کا منافع ہوتی ہے، بظاہر اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ مالیاتی ادارے اپنی خدمات کے عوض کچھ منافع حاصل کریں، البتہ اس کے لئے کچھ امور کی رعایت ضروری ہے:

(۱) منافع کی رقم اتنی زیادہ نہ ہو کہ غبن فاحش کے دائرہ میں آجائے، کیونکہ اس صورت میں یہ گاہک کے استحصال کے مانند ہوجائے گا کہ وہ اپنی ضرورت کی چیز بھی مارکیٹ کی قیمت سے زیادہ قیمت پر خریدنے پر مجبور ہوجائے گا۔

(۲) مالیاتی ادارہ جب منافع حاصل کررہا ہے تو "الغرم بالغنم" کے تحت اس کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اشیاء مطلوبہ کی عدم فراہمی کی صورت میں وہ کوئی متبادل انتظام کرے، اسی طرح کسی قسم کے نقص کے پائے جانے کی صورت میں بھی وہ اس کی تلافی کا ذمہ دار ہوگا۔

مذکورہ بالا امور کی رعایت کے ساتھ مالیاتی اداروں کا استصناع متوازی کا عقد کرنا اور پھر اس سے حاصل ہونے والے منافع استعمال کرنا درست اور جائز ہوگا۔

و۔ استصناع میں بعض دفعہ مصنوع ومبیع کی قیمت کا ایک حصہ بطور بیعانہ کے پہلے ہی دینا پڑتا ہے، جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ صانع کو آرڈر کی تیاری میں سہولت ملتی ہے نیز اسے اطمینان رہتا ہے کہ اس کا تیار کردہ مال ضائع نہیں ہوگا بلکہ اسے لے ہی لے گا، البتہ اگر ایسی

صورت پیش آجائے کہ مستصنع نے آرڈر دینے کے بعد مصنوع کو لینے سے انکار کر دیا تو اس بیعانہ کی رقم کا کیا کیا جائے گا، مستصنع کو لوٹا دی جائے گی یا پھر صانع اس سے اپنے نقصان کی تلافی کرے گا؟ اس مسئلہ میں تھوڑی سی تفصیل ہے، وہ یہ کہ دیکھا جائے گا کہ مستصنع کے انکار کی وجہ کیا ہے، اگر انکار کی وجہ یہ ہے کہ صانع نے مصنوع کو مطلوبہ اوصاف پر تیار نہیں کیا ہے تب تو ان اشیاء کا وہ خود ہی ضامن بھی ہوگا اور بیعانہ کی رقم بھی لوٹانی پڑے گی، اور اگر آرڈر کردہ اشیاء مطلوبہ اوصاف کے مطابق تیار کئے جانے کے باوجود مستصنع انکار کر رہا ہے تو ایسی صورت میں صانع اس بیعانہ کی رقم کا مستحق ہوگا جس سے وہ اپنے ہونے والے نقصان کی تلافی کرنا چاہے تو کرسکتا ہے، چنانچہ ''المعاییر الشرعیۃ'' کے استصناع سے متعلق معیار (معیار نمبر :۱۱) کی دفعہ :۳/ ۳/۱ میں فسخ عقد کی صورت کو ذکر کیا گیا ہے کہ عقد فسخ نہ ہونے کی صورت میں بیعانہ کی رقم ثمن ہی کا ایک حصہ سمجھی جائے گی، اور اگر عقد فسخ ہو جائے تو صانع اس کا مستحق ہوگا، البتہ اس میں اس بات کو بہتر قرار دیا گیا ہے کہ ضرر فعلی کے بقدر ہی رقم لینے پر اکتفا کیا جائے، مذکورہ بالا صورت میں بھی اگر صرف بیعانہ کی رقم ہی سے صانع کے نقصان کی تلافی ہو جاتی ہو تو ٹھیک ورنہ وہ مستصنع سے اور مزید رقم کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

ز— استصناع کی ایک امتیازی خصوصیت جو اسے دیگر عقود سے ممتاز کر دیتی ہے وہ یہ کہ استصناع میں صانع خود ہی عمل اور مواد (میٹریل) فراہم کرتا ہے، کیونکہ اگر میٹریل مستصنع فراہم کرے تو یہ عقد اجارہ ہو جائے گا اور اس میں عقد اجارہ ہی کے احکام جاری ہوں گے، البتہ استصناع میں اگر مستصنع کا آرڈر مطلوبہ اوصاف کے مطابق نہ ہو تو وہ صانع سے تاوان کا مطالبہ کرسکتا ہے جسے ''شرط جزائی'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور چونکہ عقد کی ابتداء ہی میں اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ مصنوع کے مطلوبہ اوصاف پر تیار نہ کئے جانے کی صورت میں صانع مستصنع کو بطور تاوان کے اتنی اتنی رقم ادا کرے گا جسے صانع بھی قبول کر لیتا ہے، لہذا اس میں کوئی حرج نظر نہیں آتا ہے، البتہ اس میں بھی بہتر یہی ہوگا کہ ضرر فعلی سے زیادہ کا مطالبہ نہ کیا جائے تاکہ صانع کو پریشانی نہ ہو اور وہ مستقبل میں بھی اپنی خدمات جاری رکھنے کے قابل رہ سکے۔

ح— استصناع و استصناع متوازی میں ایک اہم مسئلہ یہ پیش آتا ہے کہ مستصنع (چاہے وہ کمپنی اور مالیاتی ادارہ ہو یا کوئی ایک فرد ہو) اپنے گاہک کو مصنوعات کی حوالگی کی تاریخ متعین کر دیتے ہیں جس کی بنا پر اس تاریخ کو مصنوع کی حوالگی ضروری ہو جاتی ہے، اور صانع سے اس سے پہلے کی کسی تاریخ کا معاہدہ طے کرتے ہیں تاکہ مصنوع پر قبضہ کرلیں اور اسے مستصنع یا گاہک کے حوالہ کرسکیں، لیکن اگر صانع ہی مصنوع کی تیاری میں تاخیر کر دے اور وقت متعین پر مصنوع کو فراہم کرنے سے قاصر ہو تو اس صورت میں مستصنع اور استصناع متوازی میں ادارہ کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور شکل نہیں رہ جاتی ہے کہ وہ وہی چیز بازار سے زیادہ قیمت پر خرید کر مستصنع اور گاہک کے حوالہ کرے، اس صورت میں پہلا نقصان یہ ہوتا ہے کہ زیادہ قیمت پر سامان خریدنا پڑتا ہے، دوسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اب صانع جو سامان تیار کر کے دے گا اسے بیچنا دشوار ہو جاتا ہے، اس صورت حال سے نکلنے کا راستہ یہی ہے کہ عقد استصناع و استصناع متوازی میں اس شرط کو بھی شامل کر لیا جائے کہ اگر وقت متعین پر صانع نے سامان مہیا نہیں کیا تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہوگا نیز ادارہ کو یا مستصنع کو بازار سے زیادہ قیمت پر خریدنے کی وجہ سے جو نقصان ہوا ہے اس کی تلافی بھی صانع ہی کرے گا، کیونکہ قاعدہ ''الغرم بالغنم'' کا تقاضا یہی ہے کہ جب وقت پر ادائیگی کی صورت میں صانع منافع کا مستحق تھا تو وقت متعین سے تاخیر کی صورت میں ہونے والے نقصان کا ذمہ دار بھی وہی ہوگا۔

الغرض اس پوری بحث کا خلاصہ یہی ہے کہ عقد استصناع نے اپنی ہمہ گیر افادیت اور تجارتی اہمیت کی وجہ سے عصر حاضر کی ایک

اہم معاشی وتمویلی شکل اختیار کرلی ہے، لہذا اس کے مصالح کو مدنظر رکھ کر اور اس کے موجودہ متوقعہ مفاسد کو دور کرتے ہوئے اسے امت اسلامیہ کے لئے بالخصوص اور تمام انسانوں کے لئے بالعموم اس انداز میں پیش کرنا بہتر ہوگا کہ معاشی واقتصادی میدان میں بھی مذہب اسلام کی کامیاب منصوبہ بندی واضح ہوسکے اور سودی نظام پر مبنی مروجہ شکلیں ختم ہوجائیں کہ یہی ''کنتم خیر أمة أخرجت للناس'' اور ''خیر الناس من ینفع الناس'' کا تقاضا ہے اور اسی میں انسانیت کی دنیوی کامیابی اور اخروی نجات کا راز مضمر ہے، **وماتوفیقی إلا باللہ وهو أعلم بالصواب۔**

تیسرا باب

مختصر تحریریں

عقد استصناع کے احکام

مولانا زبیر احمد قاسمی ☆

۱ — عقد استصناع ہر ایسی چیز میں درست ہے جس کو آرڈر دے کر بنوانے کا لوگوں میں رواج ہو، خواہ وہ چیز اشیاء منقولہ کے قبیل سے ہو یا اشیاء غیر منقولہ کے قبیل سے، کل شئی تعومل استصناعہ یصح فیہ الاستصناع (شرح المجلہ ص ۲۲۰)۔

منها أن يكون ممايجرى فيه التعامل بين الناس من اوانى الحديد و الرصاص و النحاس و الزجاج و النعال و الخفاف و نحو ذلك (البدائع ۵/ ۹۳)۔

گزشتہ زمانوں میں صرف چھوٹی اور معمولی چیزوں کو ہی آرڈر دے کر بنوانے کا رواج تھا، اس لئے فقہاء کرام کی کتابوں میں صرف انہی چیزوں کی مثالیں ملتی ہیں جن کا تعلق اشیاء منقولہ سے ہے، مثلاً جوتا، چپل، برتن وغیرہ، لیکن موجودہ دور میں آرڈر پر تیار کی جانے والی اشیاء کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا ہے حتی کہ اشیاء غیر منقولہ مثلاً بلڈنگ وغیرہ کو بھی آرڈر دے کر تیار کروانے کا رواج ہو گیا ہے، لہذا مذکورہ بالا اصول کی روشنی میں بلڈنگ وغیرہ میں بھی عقد استصناع درست ہونا چاہیے، کیونکہ استصناع کی اصل بنیاد عرف وعادات اور تعامل ہے نہ کہ اشیاء کا منقولہ اور غیر منقولہ ہونا ہے۔

۲ — عقد استصناع خود بیع ہے یا وعدۂ بیع؟ اس سلسلے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، چنانچہ حاکم شہید، صفار، محمد بن سلمہ وغیرہم نے اسے وعدۂ بیع قرار دیا ہے جبکہ اکثر فقہاء کرام اس کو بیع قرار دیتے ہیں۔

اختلفوا فى كونه مواعدة أو معاقدة فالحاكم الشهيد و الصفار و محمدبن سلمة و صاحب المنثور مواعدة، وإنما ينعقد عند الفراغ بالتعاطى، و لهذا كان للصانع أن لا يعمل و لا يجبر عليه و الصحيح من المذهب جوازه بيعا لأن محمدا ذكر فيه القياس و الاستحسان وهما لا يجريان فى المواعدة (البحر ۶/ ۲۸۴)۔

ثم هو بيع عند عامة مشائخنا وقال بعضهم: هو عدة وليس بسديد، لأن محمدا ذكر القياس و الاستحسان فى جوازه و ذكر القياس و الاستحسان لا يليق بالعدات (بدائع ۵/ ۴۴۴)۔

۳ — عقد استصناع میں مبیع یعنی مصنوع کے وجود میں آنے سے پہلے صانع تو کسی اور سے معاملہ بیع کر سکتا ہے مگر اس خریدار کا اس کو کسی دوسرے کے ہاتھ اور دوسرے کا تیسرے کے ہاتھ فروخت کرنا قطعاً درست نہیں ہوگا، کیونکہ بعد والی دونوں صورتیں عقد استصناع نہیں ہے، لہذا یہ صورتیں نہی عن بیع المعدوم سے مستثنی نہیں ہوں گی، بلکہ بعد والا دونوں معاملہ بیع مطلق ہے، لہذا بیع معدوم کے تحت داخل ہونے

☆ ناظم جامعہ عربیہ اشرف العلوم کنہواں سیتامڑھی (بہار)۔

کی وجہ سے ناجائز ہوگا، ہر چند کہ فلیٹس کی خرید و فروخت میں اس طرح کی بات بکثرت پیش آتی ہے۔

۴ — اس سوال کا جواب اوپر کی تفصیل بہ ضمن جواب نمبر ۱ سے واضح ہو جاتا ہے۔

۵ — اسلامی مالیاتی ادارہ کا طریق کار کہ ادارہ ایک شخص سے آرڈر حاصل کرتا ہے اور دوسرے کو آرڈر دے دیتا ہے درست ہے، کیونکہ اس صورت میں ادارہ کی حیثیت صانع کی ہوئی اور صانع پر صحیح قول کے مطابق خود اس شئی کا تیار کرنا ضروری نہیں بلکہ اس کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو وہ خود اس کو بنائے یا کسی دوسرے سے بنوائے، کیونکہ عقد استصناع میں معقود علیہ عین مبیع ہوتا ہے نہ کہ صانع کا عمل۔

والمبيع في الاستصناع هو العين في الاصح لا عمل الصانع فلو اتى الصانع بما عمله غيره، فأخذه المستصنع صح لأن المبيع العين لا عمله (شرح المجلہ ۲۲۰)۔

اور جب یہ دو مستقل الگ الگ عقد ہے تو دونوں کی قیمت میں تفاوت مثلاً سو روپے میں ایک شخص سے آرڈر لیکر دوسرے کو نوے روپے میں آرڈر پر دینے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ انسان کو اختیار ہے کہ کسی شئی کو کم قیمت میں خرید کر زیادہ قیمت میں فروخت کر دے۔

۶ — صحیح قول کے مطابق عقد استصناع وعدۂ بیع نہیں بلکہ بیع ہے، لہذا منعقد ہونے کے بعد طرفین میں سے کسی کو رجوع کا حق نہیں ہوگا، الا یہ کہ مبیع آرڈر کے مطابق تیار نہ ہو تو مشتری کو رد کرنے کا اختیار ہوگا، لیکن صانع جب مبیع کو آرڈر کے مطابق تیار کر کے لایا تو اب مشتری پر اس کا لینا اور اس کی قیمت کا ادا کرنا واجب اور ضروری ہوگا انکار قطعاً درست نہیں ہوگا۔

إذا انعقد الاستصناع فليس لأحد العاقدين الرجوع عنه، وإذا لم يكن المصنوع على الأوصاف المطلوبة المبينة كان المستصنع مخيرا (شرح المجلۃ ص ۲۲۱)۔

آرڈر کے مطابق مبیع تیار ہونے کے باوجود اگر مشتری اس کو لینے سے انکار کر رہا ہے تو یقیناً اس میں بائع کا بڑا نقصان ہے، لیکن اس کے باوجود بیعانہ کی رقم کو ضبط کر کے اس نقصان کی تلافی کرنا درست نہیں ہوگا، کیونکہ یہ ''بیع عربان'' کی صورت ہے جس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے، چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نهى عن العربان أن يقدم إليه شئى من الثمن فإن اشترىٰ حسب عن الثمن وإلاّ فهوله مجانا وفيه معنى الميسر (حجۃ اللہ البالغۃ ۲/۱۰۰)۔

وإن لم يشتر السلعة لم يستحق البائع الدرهم، لأنه يأخذه بغير عوض ولصاحبه الرجوع فيه (الموسوعۃ الفقہیۃ ۹/۹۵)۔

۷ — اگر کسی چیز کا آرڈر دیا جائے اور مصنوع کے لئے میٹریل خود خریدار فراہم کر دے تو یہ عقد ''استصناع'' نہیں بلکہ اجارہ کہلائے گا۔ **فإن إعطاء السلعة للخياط مثلا ليخيطها ثوبا يعد اجارة على العمل كما ان استخياط الثوب على ان السلعة من عند الخياط استصناع** (شرح المجلۃ ۲۳۶)۔

اب اگر آرڈر کے مطابق چیز نہ پائی جائے تو اسے دو چیزوں کا اختیار ہوگا: چاہے تو وہ سامان کو رد کر کے خام میٹریل کی قیمت وصول کر لے یا اس سامان کو لیکر صانع کو طے شدہ اجرت کے بجائے اجرت مثل دیدے جو طے شدہ اجرت سے زائد نہ ہو۔

ولو دفع إلى خياط ثوبا ليخيطه قميصا بدرهم فخاطه قباء فإن شاء ضمنه قيمة الثوب وإن شاء أخذ القباء وأعطاه أجر مثله لا يجاوز به ما سمى (بدائع ۴/۸۱)۔

فإن سلم إلى حداد حديدا ليعمل له إناء معلوما بأجر معلوم، هذا ليس باستصناع بل هو استئجار فكان جائزا فإن عمل كما أمر استحق الأجر وإن فسد فله أن يضمنه حديدا مثله (بدائع ۹۶)۔

۸— وقت مقررہ پر اگر صانع مبیع فراہم نہ کرسکا تو بسا اوقات خریدار کو زبردست نقصان اٹھانا پڑتا ہے، لیکن اس کے باوجود خریدار کے لئے اس تاخیر کا جرمانہ وصول کرنا درست نہ ہوگا، کیونکہ وہ اخذ المال بلاعوض ہوگا، البتہ اس نقصان کی تلافی کے لئے ابتداء عقد میں فریقین کی باہمی رضامندی سے ''شرط جزائی'' عائد کی جاسکتی ہے یعنی عقد کے وقت فریقین باہمی رضامندی سے یہ طے کرلیں کہ وقت مقررہ پر سامان مل جانے کی صورت میں اس سامان کی قیمت مثلا سو روپے اور تاخیر کی صورت میں نوے روپے ہوگی، اس طرح کی شرط کو معاصر فقہاء کرام نے درست قرار دیا ہے، چنانچہ اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ نے اپنے ساتویں سمینار ۱۹۹۲ء میں جو تجویز پاس کی ہے وہ حسب ذیل ہے :

یہ بھی درست ہے کہ عقد میں فریقین کے باہمی اتفاق سے ''شرط جزائی'' (یعنی وقت مقررہ پر سامان کی تیاری میں تاخیر پر قیمت میں کمی کی شرط) عائد کی جائے بشرطیکہ غیر اختیاری حالات پیدا نہ ہوئے ہوں (اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ کے شرعی فیصلے ص: ۲۰۹)۔

عقد استصناع کے احکام ومسائل

قاضی عبدالجلیل قاسمی ☆

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی الہ وصحبہ أجمعین اما بعد :

مجمع الانہر میں عقد استصناع کو استحساناً صحیح قرار دیا گیا ہے، پھر لکھا ہے کہ قیاس کا تقاضہ ہے کہ یہ بیع صحیح نہ ہو اس لئے کہ یہ معدوم کی بیع ہے، پھر لکھا ہے کہ اس کے قائل حضرت امام زفر اور ائمہ ثلاثہ ہیں، پھر جواز کی وجہ تعامل کو قرار دیا ہے کہ حضور ﷺ کے دور سے آج تک اس پر عمل رہا ہے، جو سب سے قوی دلیل ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی طرف عدم صحت کی نسبت میں شبہ پیدا ہوا، تو الموسوعہ کو دیکھا اس میں جو کچھ ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ مستقل بیع نہیں ہے، بلکہ بیع سلم میں داخل ہے۔ ان کے یہاں اس پر بیع سلم کے احکام جاری ہوں گے، بعض صورتیں جائز ہوں گی اور بعض ناجائز، اس لئے ان کی طرف مطلق عدم صحت کی نسبت کرنا درست معلوم نہیں ہوتا ہے۔

براہ راست ائمہ ثلاثہ کی کتابوں کو دیکھنے کا موقع نہیں مل سکا۔ مجمع الانہر، بدائع الصنائع، ردالمحتار، اور سرخسی کی المبسوط میں جو کچھ بحثیں اس سلسلہ میں تھیں ان کی روشنی میں سوالات کے جوابات تحریر کررہا ہوں۔

۱- جس زمانہ میں جن اشیاء میں عقد استصناع کا تعامل ورواج ہوگا، ان میں یہ عقد صحیح ہوگا، گویا اصول تعامل ہوگا، فقہاء نے اس کے صحیح ہونے کے لئے جن تفاصیل کے بیان کو ضروری قرار دیا ہے ان کو ضرور بیان کرنا ہوگا، جیسے جنس، نوع اور صفات اس طرح منضبط ہوں کہ اس میں کسی طرح نزاع پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو، نہ کسی کو ضرر پہنچے۔

۲- اس سلسلہ میں علامہ کاسانی وغیرہ نے اختلاف نقل کیا ہے، لیکن مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اس کو بیع قرار دیا جائے، لیکن مطلق نہیں بلکہ بیع کی ایک خاص قسم قرار دی جائے جس کے شرائط بھی طے ہوں۔

۳- یہ بیع قیاس کے خلاف بطور استحسان جائز ہے، اس لئے ان ہی صورتوں میں یہ بیع جائز ہوگی، جن کے بارے میں حضور ﷺ کے زمانہ سے تعامل منقول ہے، اس میں صرف دو ہی فریق کے درمیان یہ بیع صحیح ہوگی، یعنی سامان بنوانے والا اور بنانے والا، یعنی معدوم کی بیع سے صرف یہی دونوں مستثنیٰ ہوں گے۔ بنوانے والا اس پر قبضہ سے قبل اس کو فروخت نہیں کرسکے گا، اس کے حق میں یہ معدوم کی بیع ہوگی اور ناجائز ہوگی۔

۴- استصناع کا تعلق ان تمام اشیاء سے ہوگا، جن کے بارے میں تعامل ہو، جیسا کہ سوال (۱) کے جواب میں گذرا، خواہ اشیاء منقول ہوں یا غیر منقول۔

☆ قاضی شریعت مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ۔

۵ — یہ بیع دو فریق کے درمیان ہی ہوسکتی ہے، جیسا کہ سوال ۳ کے جواب میں گذرا، اگر بینک اس طرح کا کام کرنا چاہے تو اس کی صورت صرف یہ ہوسکتی ہے کہ مصنوع شئی میں استعمال ہونے والا خام مال بینک خود فراہم کرے، اور مزدوروں سے تیار کرائے، اس صورت میں بینک ہی صانع ہوگا، اگر بینک خام مال فراہم نہیں کرے گا، تو اس کی حیثیت مستصنع کی ہوگی اور قبضہ سے قبل اس کے لئے فروخت کرنا جائز نہ ہوگا، کہ یہ معدوم کی بیع ہوجائے گی۔

۶ — عام بیوع کے بارے میں یہ اصول ہے کہ اگر بیع کے مکمل ہوجانے کے بعد خریدار خرید کردہ سامان کو نہ اٹھائے تو فروخت کنندہ اس معاملہ کو عدالت میں پیش کرے گا، اس لئے کہ بیع کے بعد مبیع کا مالک خریدار ہوجاتا ہے، اب اس میں بائع کے لئے کسی طرح کا تصرف کرنا جائز نہیں رہ جاتا ہے، اس لئے اس کو ضرورت ہے کہ ثمن وصول کرنے کے لئے عدالت میں جائے، پھر حاکم کی اجازت سے مبیع کو فروخت کرے گا، اگر ثمن پورا وصول ہوگیا تو فبہا، اگر کمی ہوگی تو وہ مشتری سے وصول کرے گا اور بچ جائے گا تو وہ اس کو واپس کرے گا۔

یہی اصول اس بیع میں نافذ ہونا چاہئے، صانع از خود اپنے نقصان کی تلافی نہیں کرے گا بلکہ وہ عدالت میں جائے گا، حاکم کی اجازت سے تیار شدہ مال فروخت کرے گا، اور اس میں جو نقصان ہوگا، خریدار کی دی ہوئی رقم سے اس کی تلافی کر سکے گا۔

ومن اشترى عبدا فغاب والعبد في يد البائع وأقام البائع البينة أنه باعه إياه فإن كانت غيبته معروفة لم يبع في دين البائع . . . لأنه يمكن إيصال البائع إلى حقه بدون البيع وفيه إبطال حق المشتري وإن لم يدر أين هو ؟ بيع العبد وأوفي الثمن، لأن ملك المشترى ظهر بإقراره فيظهر على الوجه الذي أقر به مشغولا بحقه، وإذا تعذر استيفاءه من المشتري يبيعه القاضي فيه . . . ثم إن فضل شيء يمسك للمشترى، لأنه بدل حقه وإن نقص يتبع هو أيضا (مسائل منثورہ: ھدایہ ۳/ ۱۰۳)۔

(اگر کوئی شخص غلام خریدے اور غائب ہوجائے اور غلام بائع کے قبضہ میں ہو اور بائع بینہ قائم کردے کہ اس نے اس کو اس کے ہاتھ فروخت کردیا ہے، تو اگر اس کی غیبت معلوم ہو (یعنی یہ معلوم ہو کہ وہ غائب ہوکر کہاں ہے) تو بائع کے دین میں غلام کو فروخت نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ بیع کے بغیر بھی بائع کو اس کا حق پہنچانا ممکن ہے، اور فروخت کرنے میں خریدار کے حق کو باطل کرنا لازم آئے گا، اور اگر معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں ہے، تو غلام کو فروخت کر کے ثمن ادا کردیا جائے گا، اس لئے کہ خریدار کی ملکیت بائع کے اقرار سے ثابت ہے تو جس طرح اس نے اقرار کیا ہے، اسی طرح ظاہر ہوگا، یعنی غلام کا مالک خریدار ہے، اور اس کے ذمہ ثمن باقی ہے تو جب خریدار سے ثمن وصول کرنا ممکن نہیں رہ جائے گا تو اس کی ادائیگی کے لئے قاضی غلام کو فروخت کردے گا۔ . . اگر فروخت کر کے ثمن ادا کرنے کے بعد کچھ بچ جائے تو خریدار کے لئے محفوظ کردیا جائے گا، اس لئے کہ وہ اس کے حق کا بدل ہے، اور اگر کم ہوجائے تو باقی ماندہ خریدار سے بعد میں وصول کیا جائے گا)۔

۷ — اگر تیار ہونے والی شئی میں استعمال ہونے والا خام مال بنوانے والا فراہم کرے گا، تو یہ عقد عقد استصناع نہیں رہ جائے گا، بلکہ عقد اجارہ ہوگا اور اس میں عقد اجارہ کے احکام جاری ہوں گے اور جب یہ عقد اجارہ ہوگا تو وہی اس کا مالک بھی ہوگا، تو پھر اس شئی کو قبول نہ کرنے کا کیا سوال رہ جائے گا، البتہ اگر آرڈر کے مطابق سامان تیار نہ ہو تو مزدوری یا اس کا کچھ حصہ روک لینے کا اختیار اس کو ہونا چاہئے۔

۸ — سوال (۳) کے جواب میں یہ وضاحت ہوچکی ہے کہ بنوانے والا اس پر قبضہ سے پہلے اس کو فروخت نہیں کرسکتا ہے، اس لئے کہ اس کے حق میں یہ معدوم کی بیع ہوگی اور ناجائز ہوگی، اگر اس نے فروخت کرنے کی غلطی کی ہے تو اس کا خمیازہ اسی کو بھگتنا ہوگا، سامان تیار کرنے میں اگر تھوڑی تاخیر ہوجائے تو اس کی وجہ سے صانع کو کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔

عقد استصناع کا حکم

مفتی حبیب اللہ قاسمی ☆

اس میں شک نہیں کہ دین صرف عبادات کے اندر منحصر نہیں ہے بلکہ اسلام میں جتنی اہمیت عبادات کی ہے، اس سے کم اہمیت معاملات کی نہیں ہے، معاملات کی جہاں بہت سی شکلیں ہیں ان میں سے ایک شکل استصناع کی بھی ہے، اگرچہ استصناع بمقتضاء قیاس جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں شئی معدوم کی بیع وشراء ہوتی ہے جس کے بارے میں صراحتاً ممانعت وارد ہے : نهى رسول الله ﷺ عن بيع ماليس عند الإنسان، لیکن اسی کے ساتھ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ دین کو اللہ نے آسان بنایا ہے، اسی لئے یہ کہا گیا ہے :"الدين يسر" اور اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ امت کو اس عسر سے نکال کر یسر کی فراہمی کے لئے ہمیشہ سلف سے خلف تک حضرات فقہاء وعلماء کی قابل قدر کاوشیں رہی ہیں، چنانچہ استصناع بھی اس کی ایک مثال ہے، امت کو تنگی اور دشواری سے نکالنے کی یہ ایک کاوش ہے جس کاوش پر فقہاء سلف کا اجماع منقول ہے اور اس اجماع کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا گیا۔

لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ استصناع کی ماضی میں جو محدود شکلیں تھیں، حال میں اس نے اپنے دامن کو بہت وسیع کر لیا ہے جس میں صرف جوتا، برتن، انگوٹھی جیسی ہی چیزیں نہیں رہ گئی ہیں بلکہ کروڑوں کی مالیت کا ساز و سامان مثلاً بڑی بڑی بحری کشتیاں، بڑے بڑے ہوائی جہاز، اور بڑی بڑی بلڈنگیں وغیرہ بھی آج کے دور میں عقد استصناع کے وسیع دامن میں سمو چکی ہے، لہذا اس مسئلہ کو غور وخوض کیلئے اٹھانا اور موجودہ شکلوں پر استصناع کے انطباق اور عدم انطباق کی طرف موجودہ فقہاء کو متوجہ کرنا اور اس کے لئے قابل قبول حل تلاش کروانا یقیناً قابل قدر کاوش ہے جس کے لئے اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے ذمہ داران قابل ستائش ہیں، اس مختصر سی تمہیدی گفتگو کے بعد سوالات کے جوابات بالترتیب سپرد قرطاس ہیں۔

۱۔ جن چیزوں میں حضرات فقہاء سلف نے تعامل ناس کو بنیاد بناتے ہوئے استصناع کی اجازت دی ہے، ان چیزوں میں استصناع کی اجازت تو ہے ہی اس سے ہٹ کر آج جن چیزوں میں لوگوں کا تعامل استصناع کا ہے وہ چیزیں بھی ماضی کے تعامل پر قیاس کرتے ہوئے عقد استصناع میں داخل ہونگی، چنانچہ شیخ وھبہ زحیلی نے موجودہ دور میں جہاز اور کشتیوں کے ساتھ رہائشی مکانات کو بھی محض نقشہ کی بنیاد پر عقد استصناع میں داخل کیا ہے، علامہ علاء الدین کاسانی کی یہ عبارت "وإنما جوزه استحساناً لتعامل الناس و لا تعامل في الثياب" سے معلوم ہوتا ہے کہ اصولی طور پر عقد استصناع کی سب سے اہم بنیاد لوگوں کا تعامل ہے، لہذا جس چیز میں لوگوں کا تعامل نہ ہو وہاں قیاس پر عمل کیا جائیگا اور استحسان کو ترک کر دیا جائے گا۔

☆ شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور سنجر پور اعظم گڈھ یوپی۔

۲—استصناع اگرچہ اپنے وسیع دامن میں بیع، وعدۂ بیع اور اجارہ تینوں کے مفہوم کو رکھتا ہے، لیکن حنفی مذہب میں صحیح اور راجح قول کے مطابق استصناع بیع میں داخل ہے وعدۂ بیع میں نہیں، والصحیح الراجح في المذهب الحنفي أن الاستصناع بيع للعين المصنوعة لا لعمل الصانع فهو ليس وعد أببيع و لا اجارة على العمل (کمافی الفقہ الاسلامی ۵/۳۶۴۴)۔

۳—عقد استصناع کے تحت تعامل کی بنیاد پر جس شئی معدوم کی بیع و شراء ہوتی ہے، اگر تعامل ایک کے بعد دوسرے سے خرید و فروخت کا بھی ہو تو چونکہ بنیاد تعامل ہے لہذا اس کی بھی گنجائش ہونی چاہئے۔

۴—فقہاء خلف کی عبارات و تحریرات سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ استصناع کا تعلق صرف اموال منقولہ ہی سے نہیں ہے بلکہ اموال غیر منقولہ سے بھی ہے، جیسے بلڈنگ وغیرہ بشرطیکہ استصناع کی بنیاد یعنی تعامل ناس اس میں پایا جائے، جیسا کہ علامہ وھبہ زحیلی کی تحریرات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے (کمافی الفقہ الاسلامی ۵/۳۶۵۸)۔

۵—اسلامی مالیاتی ادارے استصناع کو بطور استثمار استعمال کرنے کیلئے جو طریقہ اختیار کرتے ہیں، اس میں بوئے رباء پائی جاتی ہے، اس لئے اس شکل کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

۶—عقد استصناع کے تحت صانع یعنی بائع نے آرڈر کے مطابق اور عاقدین کے متفقہ شرائط کے مطابق مال تیار کیا ہو تو اس صورت میں عقد لازم ہو جائیگا اور اس مال کی تیاری پر جو رقم خرچ ہوئی ہے اس کی ادائیگی مستصنع یعنی مشتری کیلئے ضروری ہوگی اور ہر حال میں اس مال کا لینا اس کیلئے لازم ہوگا، جیسا کہ حضرت امام ابو یوسفؒ اسی کے قائل ہیں اور انہیں کا قول راجح بھی ہے، (کمافی فتح القدیر ۵/۳۵۵) اور عدم ادائیگی کی شکل میں بیعانہ کی رقم صانع ضبط کرسکتا ہے۔

۷—اگر کسی چیز کا آرڈر دیا جائے اور مصنوع کیلئے موجودہ میٹریل خود خریدار فراہم کردے تو یہ عقد اجارہ کے حکم میں ہوگا، استصناع کے حکم میں نہیں ہوگا، فإذا كانت العين من المستصنع لا من الصانع فان العقد يكون اجارة لا استصناعاً (کمافی الفقہ الاسلامی ۵/۳۶۴۲)۔ اس لئے کہ استصناع میں میٹریل اور کام دونوں صانع کی طرف سے ہوتا ہے، لہذا اگر آرڈر کے مطابق چیز تیار نہیں کی گئی تو اس صورت میں خریدار کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنا آرڈر کینسل کردے اور جتنا میٹریل اس نے دیا ہے صانع کو بلا کوئی معاوضہ دئے اپنا پورا میٹریل واپس لے لے فان سلم الى حداد حديداً ليعمل له اناء معلوما باجل معلوم فذالك جائز و لا خيار فيه، لأن هذا ليس باستصناع بل هو استيجار فكان جائزا فان عمل كما أمر استحق الأجر و إن فسد فله أن يضمنه حديدا مثله (کمافی بدائع الصنائع ۴/۹۶)۔

۸—اصل کے اعتبار سے حضرت امام ابوحنیفہ کی رائے کے مطابق عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی تاریخ مقرر نہیں کی جاسکتی ورنہ تو یہ عقد سلم بن جائیگا لیکن حضرات صاحبین نے اس بنیاد پر اس کی اجازت دی ہے کہ استصناع میں وقت مقرر کرنے کا عرف جاری ہے اور استصناع کا جواز محض تعامل کی بنیاد پر ہے، لہذا صاحبین کی رائے کے مطابق مبیع کی ادائیگی کا وقت مقرر کرنے کی گنجائش ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ وقت مقرر کرتے وقت ہی یہ شرط لگادی جائے کہ اگر وقت مقررہ پر مبیع کی حوالگی نہیں ہوئی تو اسکا اتنا تاوان دینا ہوگا، اس شرط کی بنیاد پر جزاء کے ترتب کی گنجائش ہے بشرطیکہ اس تاخیر میں غیر اختیاری احوال کی دخل اندازی نہ ہو۔

عقد استصناع کے احکام

مفتی محمد سلمان منصور پوری ☆

الجواب و باللہ التوفیق، حامداً و مصلیاً و مسلماً :

جواب (۱) : ہر وہ سامان جس میں استصناع کا عرف عام ہو، اور نمونہ دکھا کر اس کی صفات وغیرہ متعین کی جا سکتی ہوں، اس میں شرعاً عقد استصناع جاری ہو سکتا ہے، گویا کہ استصناع کا مدار لوگوں کے عرف و رواج پر ہے، اسی اصول کی روشنی میں عقد استصناع کے جواز اور عدم جواز کا فیصلہ کیا جائے گا، چناں چہ موجودہ دور میں مصنوعات کے امپورٹ، ایکسپورٹ کا زیادہ تر مدار عقد استصناع پر ہے کہ مشتری نمونہ دیکھ کر آرڈر دیتا ہے، اور بائع اسی نمونہ کی روشنی میں آرڈر تیار کرتا ہے۔

○ وإنما جوزنا الاستصناع فيما فيه تعامل ففيما لا تعامل نأخذ بأصل القياس (ہدایہ ۳/ ۸۰)۔

○ ثم إنما جاز الاستصناع فيما للناس فيه تعامل إذا بين وصفا على وجه يحصل التعريف، أما فيما لا تعامل فيه... لم يجز (ہندیہ ۳/ ۲۰۷، تبیین الحقائق زکریا ۴/ ۵۲۱–۵۲۲)۔

○ وأما شرائط جوازه، فمنها بيان جنس المصنوع ونوعه وقدره وصفته، لأنه لا يصير معلوما بدونه، ومنها أن يكون مما يجري فيه التعامل بين الناس من أواني الحديد والرصاص والنحاس والزجاج والخفاف والنعال ولجم الحديد للدواب ونصول السيوف والسكاكين والقسي والنبل والسلاح كله الطشت والقمقمة ونحو ذلك، ولا يجوز في الثياب، لأن القياس يأبى جوازه، وإنما جوازه استحسانا لتعامل الناس ولا تعامل في الثياب (بدائع الصنائع ۴/ ۹۵)۔

○ وأما الاستصناع فلإجماع الثابت بالتعامل من لدن النبي ﷺ إلى يومنا هذا وهو من أقوى الحجج (تبیین الحقائق زکریا ۴/ ۵۲۱، بدائع الصنائع ۴/ ۹۳، الموسوعة الفقہیہ ۳/ ۳۲۸)۔

○ ولأنه يجوز فيما فيه تعامل لا فيما لا تعامل فيه (مجمع الانہر ۳/ ۱۰۸، البحر الرائق ۶/ ۲۸۵، فتح القدیر ۷/ ۱۱۵، شرح عقود رسم المفتی ۱۸۳)۔

جواب (۲) : استصناع بجائے خود انجام کے اعتبار سے بیع ہے، اسی لئے اس پر بیع کے احکامات جاری ہوتے ہیں، مثلاً مشتری کو خیار رویت ملتا ہے، جو بیع ہی کا اثر ہے، اور فریقین میں سے کوئی بھی بغیر دوسرے کی اجازت کے اسے اپنے طور پر فسخ کرنے کا مجاز نہیں ہوتا؛ جیسا کہ فقہی عبارات سے واضح ہے۔

☆ مفتی جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد۔

○ إذا انعقد الاستصناع فليس لأحد العاقدين الرجوع (مجلة الأحكام العدلية رقم المادة ۳۹۲، بحواله بحوث في فقه المعاملات المالية المعاصرة ۱۲۹)۔

○ وأما معناه فقد اختلف المشائخ فيه، قال بعضهم: هو مواعدة وليس ببيع، وقال بعضهم: هو بيع لكن للمشتري فيه خيار وهو الصحيح، بدليل أن محمداً رحمه الله ذكر في جوازه القياس والاستحسان وذلك لا يكون في العدات، وكذا أثبت فيه خيار الرؤية واختص بالبياعات، وكذا يجري فيه التقاضي وإنما يتقاضى فيه الواجب لا الموعود (بدائع الصنائع [illegible])۔

جواب (۳): استصناع کا معاملہ جس مشتری اور بائع کے درمیان طے ہوتا ہے، وہ ضرورۃً شئی مستصنع کو موجود مان کر جائز قرار دیا گیا ہے، اس حد تک تو اس عقد میں کوئی خرابی نہیں؛ لیکن اگر مشتری اس عقد کی مبیع (شئی مصنوع) کو جو ابھی وجود میں نہیں آئی ہے، کسی تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا چاہے تو یہ معاملہ جائز نہ ہوگا؛ کیوں کہ یہ بیع قبل القبض کے درجہ میں ہے، اور جس طرح بیع سلم میں مسلم فیہ کو قبضہ سے پہلے بیچا نہیں جا سکتا، اسی طرح بیع استصناع میں شئی مصنوع کو بھی قبضہ سے پہلے بیچنا جائز نہ ہوگا، اور یہاں یہ نہ کہا جائے کہ جیسے بیع اول مبیع معدوم ہونے کے باوجود جائز قرار دی گئی تھی، اسی طرح بیع ثانی کو بھی جائز سمجھا جائے؛ کیوں کہ عرف و رواج یہ ہے کہ مشتری اول مثلاً اپنا بک کیا ہوا فلیٹ (جو ابھی تعمیر نہیں ہوا) تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرتا ہے، تو یہ فروختگی بیع استصناع میں داخل نہیں ہو سکتی؛ کیوں کہ فروخت کرنے والا نفع کے ساتھ بیچ کر درمیان سے الگ ہو جاتا ہے، اور فلیٹ بنانے والا ذمہ دار رہ جاتا ہے، جسے اس دوسری بیع سے کوئی نفع حاصل نہیں ہوتا، اور نہ ہی نیا خریدار اس سے براہِ راست معاملہ کرتا ہے، اس لئے شئی مصنوع کے وجود میں آنے اور اس پر قبضہ سے پہلے دوسری بیع کی گنجائش نہ ہوگی اور یہ ''ربح مالم یضمن'' کی ممانعت میں داخل ہوگا۔

○ كيف يجوز أن يكون بيعاً والمعدوم لا يصلح أن يكون مبيعاً؟ وتقرير الجواب أن المعدوم قد يعتبر حكماً أي من حيث الحكم كالناسي للتسمية عند الذبح، فإن التسمية جعلت موجودة لعذر النسيان، والطهارة للمستحاضة جعلت موجودة لعذر جواز الصلاة لئلا تتضاعف الواجبات فكذلك المستصنع المعدوم جعل موجوداً حكماً لتعامل الناس (عنایہ ۸/ [illegible])۔

جواب (۴): چوں کہ آج کل بلڈنگوں وغیرہ کی تعمیر میں استصناع کا عرف عام ہو چکا ہے، اس لئے اس میں بھی بلا شبہ استصناع جائز ہوگا۔

○ يجب أن يعلم بأن الاستصناع جائز في كل ما جرى التعامل فيه (فتاویٰ تاتارخانیہ زکریا ۹/ ۴۰۰)۔

○ جوازه مع أنه القياس يأباه ثبت بتعامل الناس فيختص بما لهم فيه تعامل ويبقى الأمر فيما وراء ذلك موكولاً إلى القياس (بدائع الصنائع زکریا ۴/ ۴۴۴)۔

○ لأنه يجوز فيما فيه تعامل لا فيما لا تعامل فيه (عنایہ مع الفتح زکریا ۷/ ۱۰۸)۔

○ إذا قال رجل لواحد من أهل الصنائع: إصنع لي الشيئ الفلاني بكذا قرشاً وقبل الصانع ذلك انعقد البيع

استصناعاً مثلاً تقاول مع نجارٍ على أن يصنع له زروقاً أو سفينةً وبين طولها وعرضها وأوصافها اللازمة وقبل النجار انعقد الاستصناع (شرح المجلۃ ۱/۲۱۹، رقم المادۃ: ۳۸۸)۔

جواب (۵) : کاروباری فریق بن کر اور بیع کے حقوق کی ذمہ داری لے کر اگر کوئی اسلامی مالیاتی ادارہ ایک شخص سے آرڈر حاصل کرلے اور پھر وہ آرڈر کسی دوسرے ذریعہ سے تیار کرا کے مشتری کو مہیا کرائے تو اس کے لئے درمیانی نفع حاصل کرنا حلال ہے؛ کیوں کہ یہاں دو معاملے الگ الگ ہیں اور اسلامی مالیاتی ادارہ بذاتِ خود عقد میں فریق بن رہا ہے، پس اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

○ يجوز فيما فيه تعامل لا فيما لا تعامل فيه (عنایۃ ۷/۱۰۸)۔

جواب (۶) : بیع نامہ کے طور پر پیشگی ثمن لینے میں تو کوئی حرج نہیں؛ البتہ اگر خریدار آرڈر دینے کے بعد مکر جائے تو شرعاً اس کو بائع کی اجازت کے بغیر ایسا کرنے کا حق نہیں ہے، اس کو مجبور کیا جائے گا کہ اپنا آرڈر وصول کر کے پوری قیمت ادا کرے؛ تاہم چوں کہ استصناع باقاعدہ بیع ہے، اس لئے بائع وصول شدہ رقم کے بقدر اپنی واجبی قیمت بدرجہ اولی لے سکتا ہے، اور جس قدر سامان کی قیمت اس نے وصول کی ہے، وہ سامان مشتری کو کسی بھی طرح پہنچا دے، اور یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ عقد تو مثلاً ایک ہزار پیس پر ہوا تھا اور قیمت صرف دو سو پیس کی وصول ہوئی؛ کیوں کہ ہم یہ کہیں گے کہ جب ہر عدد کی الگ الگ قیمت طے ہوتی ہے تو بیع کا تعلق مستقل طور پر ہر عدد سے ہو جاتا ہے، اور عدد کی کمی بیشی سے قیمت میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے، جو بالکل واضح ہے، اور فریقین کو اس حد تک عقد قبول کرنے کا اختیار رہتا ہے۔

○ ولو قال : بعتكها على أنه مائة درهم بمائة درهم، كل ذراع بدرهم فوجدها ناقصة، فالمشتري بالخيار إن شاء أخذها بحصتها من الثمن وإن شاء ترك، لأن الوصف وإن كان تابعاً لكنه صار أصلاً بإفراده بذكر الثمن فنزل كل ذراع بمنزلة ثوب (ہدایۃ الامین ۳/۲۲)۔

جواب (۷) : مسئولہ صورت میں اگر آرڈر دہندہ صانع کو مصنوع کے لئے موجودہ میٹریل خود فراہم کرے تو یہ عقد استصناع نہ ہو کر اجارہ ہو جائے گا، اور اجارہ میں معاہدہ کے مطابق کام نہ ہونے کی صورت میں آرڈر دہندہ کو رد کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا؛ بلکہ اس کو قبول کرنا ضروری ہوگا، اور اجیر کو اجر مثل دینا ضروری ہوگا، اس کے علاوہ آرڈر دہندہ مذکورہ صورت میں صانع سے کوئی جرمانہ وصول کرنے کا حق دار نہ ہوگا۔

○ ولو أسلم غزلاً إلى حائك لينسج له سبعاً في أربع فحاكه أكثر من ذلك أو أصغر فهو بالخيار إن شاء ضمنه مثل غزله وسلم له الثوب، وإن شاء أخذ ثوبه وأعطاه الأجر إلا في النقصان فإنه يعطيه الأجر بحسب ذلك ولا يجاوز به ما سمى (المبسوط ۱۵/۸۶)۔

○ فإن سلم إلى حداد حديداً ليعمل له إناءً معلوماً بأجر معلوم، أو جلداً إلى خفاف ليعمل له خفاً معلوماً بأجر معلوم فذلك جائز ولا خيار فيه، لأن هذا ليس باستصناع بل هو استئجار فكان جائزاً (بدائع الصنائع ۴/۹۲)۔

جواب (۸) : عقد استصناع میں بروقت مبیع مصنوع کی حوالگی نہ ہونے پر مبیع کی قیمت میں کمی کرنے کی شرط لگانا صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے؛ لہٰذا اسے تاوان سے تعبیر کرنے کے بجائے مبیع مصنوع کی قیمت میں کمی کرنے سے تعبیر کرنا بہتر ہوگا اور اس کی شرعاً گنجائش

ہے۔

○ ولو دفع إليه ثوباً ليقطعه قميصاً واشترط عليه إن خاطه اليوم فله درهم وإن لم يفرغ منه اليوم فله نصف درهم عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ إن خاطه اليوم فله درهم وإن لم يفرغ منه اليوم فله أجر مثله لا ينقص عن نصف درهم ولا يجاوز به درهماً، وقال أبو يوسف ومحمد رحمهما الله تعالىٰ: وهو على ما اشترط إذا فرغ منه اليوم فله درهم وإن فرغ منه بعد ذلك فله نصف درهم (المبسوط ۱۵/۹۹—۱۰۰)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عقد استصناع کے احکام

ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی ☆

۱— استصناع کی بابت شراح حدیث کی عبارتوں اور اقوال فقہاء سے تعرض کئے بغیر عرض ہے کہ ہر وہ شیئ جس میں تعامل ہو اس میں استصناع درست ہے۔

"الاستصناع جائزة في كل ما جرى التعامل فيه" (ہندیہ ۳/ ۲۰۷ دارالکتاب دیوبند)۔

"و كذا من شرط جوازه أن يكون فيما للناس فيه تعامل" (بدائع الصنائع ۴/ ۴۴۴ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

"فلهذا قصرناه على ما فيه تعامل" (بحرالرائق ۶/ ۱۷۰ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان، نیز دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۶۳۳ دارالفکر)۔

بشرطیکہ مستصنع کی جنس نوع قدر وصفت بیان کردی جائے:

"فمنها بيان جنس المستصنع و نوعه و قدره و صفته الخ" (بدائع الصنائع ۴/ ۴۴۴)۔

استصناع کی تعریف:

"إنه عقد على مبيع في الذمة يشترط فيه العمل على وجه مخصوص" میں وجہ مخصوص سے مراد جنس، نوع، قدر وصفت ہی ہیں۔

پیش کردہ معروضات کے نتیجہ میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس کے جواز کی بنیاد استحسان پر ہے اور استحسان کی وجہ لوگوں کا اس پر عملاً اجماع کرلینا اور لوگوں کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں بحث ونظر جولائی تا ستمبر ۱۹۹۳ء/ ۲۸ سے ایک تحریر پیش ہے، جس میں اصلاً تو اس کے بیع معدوم ہونے کی نفی ہے لیکن ایک گونہ اس سوال سے تعلق ہے:

"چوں کہ اس میں معقود علیہ معلوم اور موصوف ہوتا ہے، لوگوں کے عرف وعادت اور صنعت کاروں کی عبارت اور کام کار رفتار کا اندازہ ہونے کی وجہ سے اس کے مقدور التسلیم ہونے کی بنیاد پر۔ اس لئے غرر کے اسباب یہاں نہیں پائے جاتے اور شیئ اگرچہ عقد کے وقت نہیں ہے، لیکن اس حیثیت سے کہ اس کی صفات بیان کردی جائیں اور صانع کے لئے اس کے تیار اور فراہم کرنے کا امکان عرفاً معلوم ہے، اس لحاظ سے وہ دائرہ اختیار میں ہے"۔

۲— دکتور محمد رفعت سعید قطر یونیورسٹی کا مقالہ "عقد استصناع اور جائز عقود کے ساتھ اس کا تعلق" انتہائی بسیط اور پرمغز ہے جس کا ترجمہ مولانا نور الحق رحمانی صاحب نے پیش فرمایا ہے اور ثابت کیا ہے کہ جو لوگ اسے بیع معدوم قرار دے کر ناجائز کا قول فرماتے ہیں

☆ شیخ الحدیث و پرنسپل دارالعلوم مئو۔

درست نہیں اور یہ عقد بیع ہے۔ڈاکٹر صاحب موصوف نے دس دلائل پیش فرمائے ہیں منجملہ ان دلائل سے صرف ایک دلیل رقم ہے :

''کتاب اللہ، سنت رسول اللہ یا کسی بھی صحابی کے کلام میں یہ نہیں ہے کہ بیع معدوم ناجائز ہے نہ لفظ عام کے ساتھ نہ معنی عام میں، سنت میں بعض معدوم اشیاء کی بیع کی ممانعت اس طرح آئی ہے جس طرح بعض موجود چیزوں کے بارے میں آئی ہے، اس لئے ممانعت کی علت نہ معدوم ہونا ہے نہ موجود ہونا۔ سنت میں جس چیز کی ممانعت آئی ہے بیع غرر ہے اور وہ یہ ہے کہ مبیع کو سپرد کرنے پر قادر نہ ہو خواہ وہ شیئ معدوم ہو یا موجود جیسے بھاگے ہوئے غلام کی بیع اور سرکش اونٹ کی بیع خواہ وہ موجود ہی کیوں نہ ہو(بحث ونظر جولائی اگست ستمبر ۱۹۹۳ء ص ۲۸)۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں :

''هو بيع عند عامة مشائخنا وقال بعضهم : هو عدة وليس ببيع'' (بدائع الصنائع ۴/ ۴۴۴) (ہمارے مشائخ کے نزدیک بیع ہے بعض احناف نے جو اسے وعدہ قرار دیا ہے وہ درست نہیں ہے)۔

مصطفی احمد زرقاء اپنے مقالہ عقد الاستصناع ومدی أهمیته فی الاستثمارات الاسلامیة المعاصرة/ ۱۸ پر تحریر فرماتے ہیں :

''وقد أشرنا فيما سبق على أن الدلالة التي يستند إليها من يقول إنه وعد وليس بعقد هي آدلة ضعيفة ومردودة عليها بقوة فلا تنهض حجة''۔

یعنی استصناع بیع ہے وعدہ سے متعلق دلائل ضعیف اور مردود ہیں جو لائق استدلال نہیں ہیں۔

۳۔ مستصنع کے حق میں ملکیت کا ثبوت عقد غیر لازم ہے :

''أما حكمه في حق المستصنع إذا أتى الصانع بالمصنوع على الصفة المشروطة فهو ثبوت الملك غير لازم في حقه حتى يثبت له خيار الرؤية إذا رآه إن شاء أخذه وإن شاء تركه'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۶۳۴ دار الفکر)۔

صانع مبیع کو مشروط صفت کے مطابق جب خریدار (مستصنع) کے پاس لائے تو یہ ثبوت ملکیت ہے مگر مشتری کے حق میں یہ ثبوت لازم نہ ہوگا اور اسے خیار رؤیت حاصل ہوگا، دیکھنے کے بعد چاہے تو لے لے چاہے تو چھوڑ دے، مذکورہ تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اول دوسرے کو اور دوسرا تیسرے کو فروخت نہیں کرسکتا، ہاں بائع مبیع کی تیاری کے بعد مشتری کے دیکھنے سے پہلے پہلے کسی اور کو فروخت کرسکتا ہے :

''ولذا قلنا للصانع أن يبيع المصنوع قبل أن يراه المستصنع لأن العقد غير لازم'' (فتح القدیر ۵/ ۵۷۳ دار عالم الکتب ریاض)۔

عدم لزوم پر تاتارخانیہ (۹/ ۴۰۱) مکتبہ زکریا کی عبارت بھی پیش کی جارہی ہے :

''وروى أبو يوسف عن أبي حنيفة الصانع لا يجبر على العمل بل يتخير إن شاء فعل وإن شاء لم يفعل, وإذا أتى الصانع بالمصنوع لا يجبر المستصنع على القبول بل هو بالخيار إن شاء قبل وإن شاء لم يقبل'' (امام ابو یوسفؒ امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ صانع کو عمل پر مجبور نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے عمل کے کرنے اور نہ کرنے میں اختیار ہوگا، اسی طرح جب صانع مستصنع کے پاس مبیع کو لائے تو اسے قبول کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہوگا)۔

احقر کا خیال ہے کہ استصناع کا عدم جواز تعامل کے باعث تھا اور فلیٹس وغیرہ کی خریداری میں بھی تعامل عام اگر پایا جانے لگے تو ایک خریدار دوسرے کو اور دوسرا تیسرے کو فروخت کرنے کی گنجائش نکلنی چاہیئے۔

۴ـ اموال غیر منقولہ میں بھی جائز اور درست ہے، موسوعۃ الفقہ الاسلامی والقضایا المعاصرۃ للدکتور وہبہ الزحیلی (۴/۲۰۲، دار الفکر دمشق) سے ایک عبارت اس کے جواز کی بابت نقل کی جارہی ہے :

”وإنما یشمل أیضاً إقامة المباني وتوفیر المساکن المرغوبة وقد ساعد کل ذلک في التغلب علی أزمة المساکن، ومن أبرز الأمثلة والتطبیقات لعقد الاستصناع بیع الدور والمنازل والبیوت السکنیة علی الخریطة ضمن أوصاف محددة فإن بیع هذه الأشیاء في الواقع القائم لا یمکن تسویغه إلا علی أساس الوعد الملزم بالبیع أو علی عقد الاستصناع، ویعد العقد صحیحاً إذا صدرت رخصة البناء“۔

(استصناع شامل ہوگا عمارتوں کی تعمیر، پسندیدہ مکانات کی فراہمی کو اور یہ مکانات کے بحران کے قابو پانے میں معین ومددگار ہوگا۔ استصناع کی نمایاں مثال مکانات کی فروختگی متعینہ اوصاف کے مطابق نقشوں اور چارٹ پر ہے، کیوں کہ اس طرح کے معاملات طے شدہ وعدے یا استصناع کے طور پر ہی ہوسکتے ہیں اور بلڈنگ لائسنس کی موجودگی میں یہ عقد صحیح ہوں گے)۔

۵ـ اسلامی مالیاتی ادارے دونوں طرف کے پیسے طے کرلینے کے بعد اگر قیمت میں فرق رکھتے ہیں تو یہ زائد رقم ان کا حق المحنت ہوگی اور حق المحنت اجرت مثل کے بقدر ہونی چاہئے، نیز احقر کے نزدیک یہ ادارے دلال ہیں اور دلال کی اجرت جائز ہے :

”قال في التاتارخانیة : وفي الدلال والسمسار یجب أجر المثل ـــ وفي الحاوي سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار فقال : أرجو أنه لا بأس به وإن کان في الأصل فاسداً لکثرة التعامل وکثیر من هذا غیر جائز فجوزوا لحاجة الناس إلیه “(رد المحتار علی الدر ۹/۸۷ مطلب في أجرة الدلال، مکتبہ زکریا)۔

(تاتارخانیہ میں ہے کہ سمسار اور دلال کو اجرت مثل ملے گی، حاوی میں ہے کہ محمد بن سلمہ سے دلال کی اجرت کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ کوئی حرج نہیں، اگرچہ یہ اجرت اصلاً فاسد ہے مگر حاجت اور ضرورت کے سبب جواز کا قول ہے)۔

۶ـ احقر کے خیال میں اگر اضطراری حالات کے باعث انکار کررہا ہے تو بیعانہ کی رقم واپس کردینی چاہئے بصورت دیگر بیع عربون (یعنی اس شرط کے ساتھ پیشگی رقم دینا کہ اگر سامان لے لیا تو یہ رقم قیمت کا جزء ہوگی ورنہ یہ رقم سوخت ہوجائے گی) کے تحت جو حنابلہ کے یہاں درست ہے سوخت ہوجانی چاہئے۔ اس کے تحت یہ دلیل عرض ہے :

”عن نافع بن الحارث عامل علی مکة أنه اشتری من صفوان بن أمیة دار العمر بن الخطاب بأربعة الاف درهم، واشترط علیه إن رضی عمر فالبیع له وإن لم یرض فلصفوان أربعمائة درهم“(موسوعۃ فقہ عمر: ۶۷۸)۔

(نافع بن الحارث جنہیں حضرت عمرؓ نے مکہ کا عامل بنایا تھا انہوں نے صفوان بن امیہ سے ایک مکان عمر بن الخطابؓ کے لئے اس شرط کے ساتھ خریدا کہ اگر امیر المؤمنین راضی ہوگئے تو ٹھیک ورنہ چار سو درہم صفوان کے ہوجائیں گے)۔

مخصوص حالات میں دیگر مذاہب کی طرف عدول کی گنجائش ہے مگر یہاں تو عدول کی بھی ضرورت نہیں، زحیلی کی تحریر : ”ولأن عرف الناس في تعاملهم علی جوازه والإلزام به ولحاجة الناس إلیه لیکون العقد ملزماً“ سے تعامل کا ثبوت ہے جو بذات خود جواز کی علت ہے۔ وہبہ صاحب کی بھی یہی رائے ہے :

"وفي تقديري: أنه يصح ويحل بيع العربون وأخذه عملاً بالعرف" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۴۴۹—۴۵۰) (بیع عربون حلال ہے اور یہ رقم لے لینا عرف کے اعتبار سے درست ہے)۔

۷— یہ معاملہ اجارہ ہوگا، نیز مستصنع کا صانع سے تاوان وصول کرنا درست ہونا چاہئے اور اس صورت میں خریدار کو خیار حاصل نہ ہوگا، علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

"فإن سلم إلى حداد حديداً ليعمل له إناء معلوماً بأجر معلوم أو جلداً إلى خفاف ليعمل له خفاً معلوماً بأجر معلوم فذلك جائز ولا خيار فيه، لأن هذا ليس باستصناع بل هو استئجار فكان جائزاً فإن عمل كما أمر استحق الأجر وإن أفسد فله أن يضمنه حديداً مثله لأنه لما أفسده فكأنه أخذ حديداً له واتخذ منه آنية من غير إذنه والإناء للصانع، لأن المضمونات تملك بالضمان" (بدائع الصنائع ۴/ ۹۶ مکتبہ زکریا)۔

(اگر لوہا کسی لوہار کو دیا کہ وہ اس کے لئے برتن بنادے یا چمڑا کسی موچی کو دیا کہ وہ اس کے لئے موزہ بنادے متعینہ اجرت پر تو یہ جائز ہے، اگر آرڈر مخصوص کے مطابق بنادے تو پھر مستصنع کو خیار حاصل نہیں ہوگا اور یہ اجارہ ہوگا اور صانع اجرت کا مستحق ہوگا اور اگر خراب کردے تو اس جیسے لوہے کا ضامن ہوگا، کیوں کہ جن چیزوں کا ضمان ادا کیا جاتا ہے ضمان ادا کرنے والا ضمان ادا کرکے اس کا مالک ہوجاتا ہے)۔

علامہ سرخسی تحریر فرماتے ہیں:

"إذا سلم حديداً إلى حداد ليصنعه إناء مسمى بأجر مسمى ----- فإنه جائز ولا خيار فيه إذا كان مثل ما سمى" (المبسوط ۱۵/ ۸۴ مطبعۃ السعادۃ مصر)۔

۸— اگر اضطراری وغیر اختیاری حالات پیش نہ آنے کے باوجود مبیع وقت پر فراہم نہ کی گئی تو قیمت میں کسی شرط عائد کرنے کی اجازت ہے۔ چنانچہ انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی جدہ کے شرعی فیصلے ص: ۲۱۶ پر یوں درج ہے:

"عقد میں فریقین کے باہمی اتفاق سے شرط جزائی (یعنی مقررہ وقت پر سامان کی تیاری میں تاخیر پر قیمت میں کمی کی شرط) عائد کی جائے بشرطیکہ غیر اختیاری حالات نہ پیدا ہوئے ہوں"۔ اس تحریر سے تاوان وصول کرنے کا جواز مفہوم ہوتا ہے۔

شیخ مصطفی احمد زرقا تحریر فرماتے ہیں:

"باہمی تعامل میں عقد استصناع کا میدان کافی وسیع ہوگیا کہ لوگ غیر ملکی کارخانوں اور کمپنیوں کو آرڈر دے کر سامان تیار کراتے ہیں اور لوگوں کی یہ ضرورت بڑھ گئی ہے کہ وہ اپنے عقود و معاملات میں شرط کی خلاف ورزی کرنے والے اور وقت پر معاہدے کی تکمیل نہ کرنے والے فریق پر مالی تاوان عائد کریں (بحث ونظر جولائی اگست ستمبر ۱۹۹۳ء)۔

عقد استصناع — احکام و مسائل

مفتی عبدالرحیم قاسمی ☆

۱— کسی دوسرے کو کوئی چیز بنانے کا حکم دیا جائے یا فرمائش کی جائے، اسکو استصناع کہتے ہیں۔ استصناع معدوم کی بیع ہے اور معدوم کی بیع جائز نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: لاتبع مالیس عندک (ابن ماجہ ص ۱۸۵) (جو تیرے پاس نہ ہو اسکو مت بیچ)۔

حنفیہ کا کہنا ہے کہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ معدوم کی بیع جائز نہیں، لیکن نصوص سے اسمیں دو استثناء ہیں: ایک بیع سلم کا استثناء ہے، دوسرا استصناع بھی اس سے مستثنیٰ ہے جس طرح شریعت نے سلم کا بیع المعدوم سے استثناء کیا ہے، اسی طرح استصناع کو بھی مستثنیٰ کیا ہے، اس کی دلیل حضور ﷺ کا منبر بنوانا ہے، اور اس منبر بنوانے کی متعدد روایات آئی ہیں، ان میں بعض روایات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ باقاعدہ عقد تھا اس لئے یہ حنفیہ کی دلیل ہوئی (اسلام اور جدید معاشی مسائل ص ۶۵)۔

مبسوط میں ہے: وفي الحديث: أن النبي ﷺ استصنع خاتما و استصنع المنبر فاذا ثبت هذا يترك كل قياس في مقابلته (مبسوط ۱۲/۱۳۹) (حدیث میں ہے بیشک نبی ﷺ نے انگوٹھی بنوائی اور منبر بنوایا جب یہ ثابت ہو گیا تو اسکے مقابلہ میں ہر قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا)۔

اس سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ لوگوں کے تعامل کی وجہ سے استصناع جائز ہے۔ مبسوط میں ہے: ولكنا نقول: نحن تركنا القياس لتعامل الناس في ذلك فإنهم تعاملوه من لدن رسول الله ﷺ الى يومنا هذا من غير نكير منكر، وتعامل الناس من غير نكير اصل من الاصول كبير (مبسوط ۱۲/۱۳۸) (لیکن ہم کہتے ہیں کہ ہم نے قیاس کو چھوڑ دیا، استصناع کے بارے میں لوگوں کے تعامل کی وجہ سے، کیونکہ حضور ﷺ کے زمانہ سے آج تک بغیر نکیر کے اس کے متعلق لوگوں کا تعامل چلا آ رہا ہے اور بغیر نکیر کے لوگوں کا تعامل جواز کا بڑا اصول ہے)۔

نصت المادة من المجلة على مايلي: كل شئي تعومل استصناعه يصح فيه الاستصناع على الاطلاق (ہر چیز جس کے بنوانے کا تعامل ہو اس میں مطلقاً استصناع صحیح ہے) (مجلۃ الاحکام دفعہ: ۳۸۹)۔

۲— استصناع خود بیع ہے درمختار میں ہے: صح الاستصناع بيعا لا عدة على الصحيح ثم فرع عليه بقوله فيجبر الصانع على عمله ولا يرجع الآمر عنه ولو كان عدة لما لزم (درمختار علی ہامش ردالمحتار ۴/۲۱۳) (بیع کی حیثیت سے استصناع صحیح ہے وعدہ کے طور پر نہیں ہے، صحیح قول کے مطابق پھر اس پر تفریع کی ہے اسکے بنانے پر صانع کو مجبور کیا جائے گا اور حکم دینے والے کو اس سے پلٹنے کا اختیار

☆ امیر مرکز دعوت وارشاد و افتاء، ناظم و مفتی جامعہ خیر العلوم بھوپال۔

نہیں ہوگا۔ حالانکہ اگر وعدہ ہوتا تو یہ عقد لازم نہیں ہوتا)۔

استصناع کے چند شرائط ہیں جو درج ذیل ہیں :

۱۔ فروخت کی ہوئی چیز اور عمل دونوں صانع کی ہوں۔ اذلو کانت العین من المستصنع کان العقد اجارۃ (اگر وہ چیز بنوانے کے لئے مستصنع نے میٹیریل دیا ہے تو یہ عقد اجارہ ہوگا)۔

۲۔ جن چیزوں میں استصناع کا تعامل ہے انہی میں استصناع کا عقد صحیح ہوگا۔

۳۔ عقد الاستصناع بیعا و لیس وعدا عند ابی یوسف و اعتمدته مجلة الاحکام العدلیه فاذا تم الصانع صنع الشیء و أحضره للمستصنع موافقا للمواصفات فلیس لأحد منهما الخیار بل یلزم الصانع بتسلیمه ویلزم المستصنع باقراره بقبوله بمطابقتها المواصفات (عقد استصناع بیع ہے وعدہ نہیں، امام ابو یوسف کے نزدیک مجلۃ الاحکام العدلیہ نے انکے قول پر ہی اعتماد کیا ہے، لہٰذا جب صانع طے شدہ صفات کے مطابق اس چیز کو بنا کر حاضر کردے تو ان میں سے کسی کو بھی اختیار نہیں بلکہ صانع پر سپرد کرنا لازم ہے اور مستصنع پر مطلوبہ شئی کو قبول کرنا لازم ہے۔

۴۔ یہ کہ مستصنع بہ معلوم ہو اسکی صفات کامل طور پر بیان کی گئی ہوں اور یہ کہ وہ حلال چیز ہو، حلال چیز سے بنائی گئی ہو۔ أن یکون المستصنع به معلوما و ذلک بیان مواصفاته کاملة و أن یکون حلالا۔

استصناع میں پیشگی قیمت دینا لازم نہیں، ہاں قیمت طے کرنا ضروری ہے۔ لا یلزم فی الاستصناع دفع الثمن وقت التعاقد (الشامل فی معاملات و عملیات المصارف الاسلامیہ، تالیف شیخ محمود عبدالکریم۔ ص ۱۲۱)۔

۳۔ استصناع میں اول خریدار مصنوع کے وجود میں آنے سے پہلے دوسرے شخص کو بیچ سکتا ہے، جیسے حامد نے زید سے فلیٹ کی فرمائش کی تو زید نے خالد سے معاملہ کیا، خالد نے کہا کہ میں یہ فلیٹ کا منصوبہ آپکو پانچ کروڑ میں تیار کر کے دوں گا، دونوں متفق ہو گئے تو زید نے حامد سے سوا پانچ کروڑ طے کئے، خالد ٹھیکیدار فلیٹ تیار کر کے دیگا تو زید اسکو پانچ کروڑ قیمت دے گا، اور حامد سے سوا پانچ کروڑ لیکر اسکو فلیٹ دے گا، لیکن شرط یہ ہے کہ دونوں عقد جو حامد اور زید کے درمیان اور زید اور خالد کے درمیان ہوئے ہیں ان دونوں کے درمیان کوئی ربط نہ ہو، یعنی فرض کرو کہ خالد نے تکمیل کر کے نہیں دی پھر بھی زید پر لازم ہوگا کہ حامد اور زید کے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے زید اسکو پورا کرے، آجکل کی اصطلاح میں اس کو ''الاستصناع المتوازی'' کہتے ہیں۔ اس کے جواز کی شرط یہ ہے کہ دونوں عقد جدا ہوں، ایک دوسرے کے ساتھ مشروط نہ ہوں، ایک دوسرے پر موقوف نہ ہوں، ایک کی ذمہ داریاں دوسرے کی ذمہ داریوں کے ساتھ گڈمڈ نہ کی جائیں (اسلام اور جدید معاشی مسائل ص ۷۲۔۷۱)۔

مذکورہ شرط اگر پائی جائے تو سلسلہ وار فلیٹس وغیرہ کے استصناع کی صورتیں الاستصناع المتوازی میں داخل ہو کر جائز ہوں گی۔

۴۔ دور حاضر میں اموال غیر منقول بلڈنگ وغیرہ کے لئے بھی استصناع کیا جاسکتا ہے۔

ومن أبرز الأمثلة و التطبیقات لعقد الاستصناع بیع الدور و المنازل و البیوت السکنیة علی الخریطة ضمن أوصاف محددة، فإن بیع هذه الاشیاء فی الواقع القائم لا یمکن تسویغه إلا علی اساس الوعد الملزم بالبیع أو علی عقد

الاستصناع ويعد العقد صحيحا اذا صدرت رخصة البناء ووضعت الخريطة، وذكرت في شروط العقد مواصفات البناء بحيث لا تبقى جهالة مفضية الى النزاع والخلاف (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۲۰۲)۔

(عقد استصناع کی سب سے نمایاں مثال رہائشی گھروں اور بلڈنگوں کو متعینہ اوصاف کے ساتھ نقشہ کے مطابق بیچنا ہے، ان چیزوں کو بیچنے کی گنجائش نہیں ہوتی، مگر عقد استصناع پر یہ عقد اس وقت صحیح ہوگا جبکہ نقشہ رکھا جائے اور عمارت کی صفات کو ذکر کیا جائے، اس طرح پر کہ جھگڑے اور اختلاف تک پہنچانے والی جہالت باقی نہ رہے)۔

جبتک ایک چیز وجود میں نہ آجائے اسکو بیچنا درست نہیں، لیکن اس سے ایک صورت مستثنیٰ ہے جسکو استصناع کہتے ہیں، یعنی ایسی چیزیں جنکو آرڈر پر تیار کرنے کا رواج ہو، جیسے جوتا وغیرہ آج کل فلیٹس اسی انداز پر بنائے جاتے ہیں۔ فلیٹس کے نقشے اسکی مکانیت تعمیری معیار اور پوری تفصیلات پہلے واضح کردی جاتی ہیں محل وقوع دیکھنے کی گنجائش ہوتی ہے اور اسکا فلیٹ اس منزل پر ہوگا یہ بھی واضح کردیا جاتا ہے جسکی وجہ سے نزاع کا اندیشہ ختم یا بہت کم ہوجاتا ہے، اس لئے جولوگ فلیٹس تعمیر کرکے بیچتے ہیں ان کے لئے اس طرح خرید و فروخت کی گنجائش ہے (کتاب الفتاوی ۵/۲۷)۔

۵- اسلامی مالیاتی ادارے استصناع متوازی یا موازی کا عقد کریں، ایک شخص سے آرڈر حاصل کرکے دوسرے شخص کو آرڈر دیں اور پہلے شخص سے زیادہ رقم بطور نفع وصول کریں تو اسکی گنجائش ہے، مثلا جسکو فلیٹ تعمیر کرنا ہے وہ بینک سے عقد استصناع کرے کہ آپ مجھے یہ فلیٹ بنا کردیں، بینک خود تو بنا کر نہیں دے سکتا، لہٰذا وہ کسی دوسرے آدمی سے عقد استصناع کریگا، اب ظاہر ہے کہ جب بینک خالد سے ٹھیکیداری کا معاملہ کریگا تو ٹھیکیدار پانچ کروڑ میں فلیٹ کا منصوبہ بنا کر دینے کے لئے تیار ہوگا، تو بینک پہلے شخص سے کہے گا کہ میں آپ کو سوا پانچ کروڑ میں تیار کرکے دونگا، بینک نے پیسے دیکر وہ بنوالیا اب پہلا شخص جس سے سوا پانچ کروڑ طے ہوئے تھے وہ طے شدہ رقم دیکر فلیٹ حاصل کرلے گا اس طرح بینک کا منافع بھی ہوگیا اور منصوبہ کی تمویل بھی شریعت کے مطابق ہوگئی، لیکن شرط یہ ہے کہ ان دونوں عقدوں کے درمیان کوئی ربط نہ ہو، دونوں عقد منفصل ہوں، جدا ہوں ایک دوسرے کے ساتھ مشروط نہ ہوں، ایک دوسرے پر موقوف نہ ہوں، ایک کی ذمہ داریاں دوسرے کی ذمہ داریوں کے ساتھ گڈمڈ نہ کی جائیں، فرض کرو کہ ٹھیکیدار نے تعمیر کرکے نہیں دیا پھر بھی بینک پر لازم ہوگا کہ معاہدے کے مطابق اسکو فلیٹ فراہم کرے (اسلام اور جدید معاشی مسائل ص ۴۷)۔

اسکی تائید الشامل کی مندرجہ ذیل عبارت سے بھی ہوتی ہے: ان المصرف قد لا يكون قادرا على الاستصناع بنفسه لكنه يتقبل عقود الاستصناع، وفي حالات الصفقات المتلاحقة قد يرغب المصرف في تخفيف العبث عن نفسه فيقوم بقبول عقد الاستصناع وليكن مشروع ضاحيه اسكان وبعد قيامه بالدراسات اللازمة قام بطرح عطاء انشاء وفي حالة رسو العطاء على احد المقاولين وقع معه عقد استصناع ضمن المواصفات المطلوبه وبموظف واحد تابع العمل حتى مراحله النهائية هذا هو الاستصناع الموازي لان المصرف قام بقبول الاستصناع وفي نفس الوقت قدمه لمقاول اخر ليقوم بالعمل ويتقاسمان الربح أو ياخذ المقاول الثاني آجر المثل والباقي للمصرف والاثنان متكافلان متضامنان امام المستصنع (الشامل فی معاملات وعملیات المصارف الاسلامیہ، تالیف شیخ محمود عبد الکریم۔ ص ۱۳۰)۔

۶ — پہلے زمانے میں استصناع چھوٹے پیمانے پر ہوتا تھا کہ کسی نے منبر بنوالیا، کسی نے الماری بنوالی، کسی نے فرنیچر بنوالیا، اب جو استصناع ہو رہا ہے یہ بہت بڑے بڑے منصوبوں کا ہوتا ہے کوئی مل لگاتا ہے تو اسکے لئے مشنری کا پلانٹ لگاتا ہے اور یہ مشنری کا پلانٹ کروڑوں روپے کا بنتا ہے، اب اگر کسی نے دوسرے کو آرڈر دے دیا کہ آپ میرے لئے چینی شکر بنانے کا پلانٹ لگادو یہ استصناع ہوا جسکو آرڈر دیا ہے، اس نے لاکھوں روپے خرچ کئے یا باہر سے چیزیں منگوائیں اور پلانٹ لگایا پلانٹ لگانا کوئی آسان کام نہیں، اس نے جان جوکھم میں ڈال کر پلانٹ تیار کیا جو کروڑوں روپے کا تھا، اس نے تو اپنی ساری جمع پونجی اس پر صرف کردی اور آپ نے وجہ بتائے بغیر باوجود اسکے کہ وہ تمام مواصفات کے مطابق تھا کہہ دیا کہ مجھے نہیں چاہئے یہ اتنا زبردست ضرر عظیم ہے جسکی وجہ سے صانع کا دیوالیہ نکل سکتا ہے، لہٰذا حضرات حنفیہ نے فرمایا کہ اب اس دور میں اسکے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ امام ابو یوسف کے قول کو اختیار کر کے اسی پر فتویٰ دیا جائے کہ یہ عقد لازم ہے (اسلام اور جدید مسائل ص ۶۹)۔

کتاب الفتاویٰ میں ہے : جو سامان آرڈر پر بنا کر فروخت کئے جاتے ہیں، اگر انکا آرڈر دیا گیا اور جو نمونہ دکھایا گیا تھا اسی کے مطابق سامان تیار کیا گیا تو بعد میں خریدار کا اس سے انکار کر جانا درست نہیں، کیونکہ خرید و فروخت کا معاملہ مکمل ہو چکا ہے، لہٰذا اب اس پر اس سامان کو لینا اور قیمت ادا کرنا واجب ہے، تاہم اگر وہ اسکے لئے تیار نہ ہو اور شرعی و قانونی حدود میں رہتے ہوئے اس پر دباؤ اثر انداز بھی نہ ہو تو ایسا کیا جا سکتا ہے کہ اسکی رقم ضمانت میں بازار کے عام نرخ کے مطابق اس سامان کی جو مقدار مل سکتی ہو وہ اسے دیدی جائے اور باقی کو کسی اور سے فروخت کرنے کی کوشش کی جائے (کتاب الفتاویٰ ۵/ ۲۱۲)۔

۷ — یہ عقد اجارہ ہے، مثلاً ٹھیکیدار صرف کام اپنے ذمہ لیتا ہے، لیکن میٹریل یعنی سامان اسکی طرف سے نہیں ہوتا، ٹھیکیدار کہتا ہے کہ میں بنا دونگا لیکن سامان سارا آپکو دینا ہوگا، میٹریل آپکی ذمہ داری ہے یہ عقد اجارہ ہے (اسلام اور جدید معاشی مسائل : ۷۰)۔

ٹھیکیدار سے جس طرح کی چیز بنوانے کا معاملہ طے ہوا ہے اگر اسکے مطابق نہیں بنائی تو اس کی یہ تفصیل عالمگیری میں ہے :

إذا دفع حديدا إلى حداد ليصنعه عينا سماه بأجر مسمى فجاء به الحداد على ما امر به صاحب الحديد فانه لا خيار لصاحب الحديد و يجبر على القبول، و لو خالفه في ما امر به فان خالفه من حيث الجنس بأن أمره ان يصنع منه قدوما فصنع له مرا ضمن له حديدا مثل حديده و الآلة له و لا خيار لصاحب الحديد، و إن خالفه من حيث الوصف بان امره ان يصنع له قدوما يصلح للنجار فصنع له قدوما يصلح لكسر الحطب فصاحب الحديد بالخيار إن شاء ضمنه حديدا مثل حديده و ترك القدوم عليه و لا اجر له و إن شاء اخذ القدوم و أعطاه الأجر و كذلك الحكم في كل ما سلمه الى كل صانع ليصنع منه شيئا سماه (فتاوی عالمگیری ۴/ ۵۱۸) (جب لوہار کو لوہا دیا کہ اسکے لئے مقررہ اجرت پر متعینہ چیز بنادے، لوہے والے نے جیسا حکم دیا تھا اسی کے مطابق لوہار نے بنا کر دیا ہے تو لوہا دینے والے کو رد کا اختیار نہیں ہے، بلکہ اسکو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر اسکے حکم کے خلاف بنا کر دیا ہے تو دیکھا جائے گا اگر مخالفت جنس میں ہے کہ اسکو بسولہ بنانے کا حکم دیا تھا اس نے بیلچا پھاوڑا بنا دیا تو جیسا لوہا اسکو دیا تھا ویسا ہی لوہا واپس لوٹانے کا لوہار ضامن ہے اور وہ بیلچا خود رکھ لیگا، لوہے والے کو کچھ اختیار نہیں ہوگا اور اگر صفت میں مخالفت کی ہے، مثلاً بڑھئی کے استعمال کا بسولہ بنانے کا حکم دیا تھا اس نے ایسا بسولہ یا کلہاڑی بنادی جس سے لکڑی کاٹی جائے تو لوہے والے کو اختیار ہے، اگر چاہے تو لوہار کو ضامن بنائے اور اپنے لوہے کی

طرح لوہا واپس لے اور بسولہ اسی کے پاس چھوڑ دے اور اسکو اجرت نہ دے، اور چاہے تو بسولہ لے لے اور اجرت دیدے، اسی طرح شرعی حکم ہے ہر اس چیز کے بارے میں جسکا مٹیریل دیکر صانع نے مقرر چیز بنوانے کا معاملہ کیا ہو)۔

۸۔ مبیع کی حوالگی کی مقررہ مدت سے اگر تاخیر ہو جائے تو صانع کو فسخ کرنے کا تو اختیار ہے، لیکن تاخیر کی وجہ سے تاوان لینے کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی۔ **وإذا حددت مدة لتقديم المصنوع فانقضت دون ان يفرغ الصانع منه ويسلمه فالظاهر أن يتخير المستصنع بين الانتظار و الفسخ** (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۲۹۶)۔

(جب مصنوع کو پیش کرنے کے لئے مدت مقرر کردی جائے اور وہ مدت گزر جائے، صانع اس میں مصنوع کو سپرد نہ کرسکے تو ظاہر یہ ہے کہ مستصنع کو انتظار اور فسخ کے درمیان اختیار ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ مستصنع مقررہ مدت کے بعد مصنوع ملنے پر صانع سے تاخیر کا کوئی ضمان نہیں لے سکتا۔

عصر حاضر میں استصناع کی نئی شکلیں اور ان کے احکام

مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی ☆

استصناع کی حقیقت :

استصناع لغوی اعتبار سے ''طلب صنع'' (کسی چیز کو بنانے کا مطالبہ کرنا) کے معنی میں ہے، اور اصطلاح میں عقد استصناع ایسی مبیع پر معاملہ کرنے کا نام ہے جو ذمہ میں واجب ہوتی ہے اور اس میں مخصوص طریقہ پر عمل کی شرط ہوتی ہے۔

یہ بیع کی وہ قسم ہے جس میں سودا چیز کے وجود میں آنے سے قبل ہو جاتا ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی خریدار کسی تیار کنندہ (مینوفیکچرر) کو یہ آرڈر دے کہ میرے لئے متعین چیز تیار کر دو، پھر تیار کنندہ اپنے پاس سے خام مال لگا کر خریدار کے لئے چیز تیار کرنے کی ذمہ داری قبول کرے، ساتھ ہی قیمت فریقین کی باہمی رضامندی سے طے ہو جائے، اور مطلوبہ چیز کے ضروری اوصاف بھی متعین ہو جائیں، اس طرح عقد استصناع وجود میں آجاتا ہے۔

عقد استصناع کا حکم :

جمہور فقہاء عقد استصناع کو جائز قرار دینے پر متفق ہیں، اس میں صرف امام زفرؒ کا اختلاف ہے، امام زفرؒ استصناع کو ناجائز قرار دیتے ہیں، ان کا استدلال عقلی ہے، اور وہ یہ کہ عقد استصناع میں شئی معدوم کی بیع ہوتی ہے، اور شئی معدوم کی بیع جائز نہیں ہے، چناں چہ حدیث شریف میں ''بیع ما لیس عندہ'' (جو چیز انسان کے پاس نہ ہو اس کی بیع) سے ممانعت وارد ہوئی ہے؛ البتہ صرف بیع سلم کی رخصت آئی ہے۔

علامہ کاسانیؒ نے لکھا ہے :

أما جوازہ فالقیاس أن لا یجوز، لأنہ بیع ما لیس عند الإنسان لا علی وجہ السلم، وقد نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع ما لیس عند الإنسان ورخص في السلم (بدائع الصنائع ۴/ ۹۳ زکریا)۔

جمہور فقہاء کے نزدیک استصناع کے جواز کی دلیل استحسان اور اجماع عملی ہے، چناں چہ اس عقد پر تعامل دور نبوی سے ثابت ہے، اور آج تک بغیر کسی انکار کے اس پر تعامل چلا آرہا ہے، اس طرح یہ عقد ارشاد نبوی : لا تجتمع أمتي علی ضلالۃ (ترمذی شریف ۲/ ۳۹ باب فی لزوم الجماعۃ) کے ذیل میں داخل ہے۔

☆ شیخ الحدیث جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد۔

مزید برآں روایات سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے انگوٹھی بنوائی تھی، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے: أن النبي ﷺ اتخذ خاتماً من ورق فضة و نقش فيه "محمد رسول الله" (نسائی شریف ۲/ ۲۴۵ کتاب الزینة)۔

یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے پچھنہ لگوایا تھا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: أن النبي ﷺ احتجم و أعطى الحجام أجره (صحیح مسلم شریف ۲/ ۲۲۵ باب لکل داء دواء)۔

جب کہ پچھنہ لگوانے میں نہ تو حجامت کے عمل کی مقدار معلوم ہوتی ہے اور نہ یہ پتہ ہوتا ہے کہ حجام (پچھنہ لگانے والا) اپنے اس عمل میں فاسد مادہ کو کتنی مرتبہ کھینچے گا، ہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمل حجامت کا مطلب یہ ہے کہ فاسد مادہ باقی نہ رہ جائے اور سب نکال لیا جائے۔

اسی طرح آپ ﷺ کو حمام (وہ غسل خانہ جس میں گرم پانی کا انتظام رہتا تھا اور اجرت دے کر لوگ اس میں غسل کرتے تھے) کے بارے میں علم ہوا تو آپ نے مردوں کے لئے ستر چھپا کر نہانے کو جائز قرار دیا، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"من كان يؤمن بالله و اليوم الآخر فلا يدخل حليلته الحمام، و من كان يؤمن بالله و اليوم الآخر فلا يدخل الحمام بغير إزار... الخ (ترمذی شریف ۲/ ۱۰۷ باب ما جاء فی دخول الحمام)۔

جب کہ نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہانے والا شخص کتنا پانی استعمال کرے گا اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ غسل خانہ میں کتنی دیر رہے گا، ہاں نہانے کا عمل معلوم ہوتا ہے، واضح ہوا کہ ان سب امور یعنی انگوٹھی بنوانے، پچھنہ لگوانے اور حمام میں داخل ہونے کا جواز تعامل کی بنیاد پر ہی ہے۔ صاحب فتح القدیر کی صراحت ہے:

ولكنا جوزناه استحساناً للتعامل الراجع إلى الإجماع العملي من لدن رسول الله ﷺ إلى اليوم بلا نكير، و التعامل بهذه الصفة أصل مندرج في قوله ﷺ: "لا تجتمع أمتي على ضلالة" و قد استصنع رسول الله ﷺ خاتماً، و احتجم و أعطى الحجام، مع أن مقدار عمل الحجامة و عدد كرات وضع المحاجم و مصها غير لازم عند أحد، و مثله شرب الماء من السقاء، و سمع رسول الله ﷺ بوجود الحمام فأباحه بمئزر، و لم يبين له شرطاً، و تعامل بدخوله من لدن الصحابة و التابعين على هذا الوجه الآن، و هو أن لا يذكر عدد ما يصيبه من ملء الطاسة و نحوها، فقصرناه على ما فيه تعامل (فتح القدیر ۷/ ۱۰۷ – ۱۰۸ زکریا)۔

اس تمہیدی گفتگو کے بعد اب ترتیب وار سوالات کے جوابات درج کئے جاتے ہیں

۱ — عقد استصناع کے ضابطے اور اصول:

عقد استصناع کے جواز و اباحت کا اصل انحصار تعامل ناس پر ہے، اس لئے جن اشیاء میں تعامل پایا جائے گا ان میں استصناع جائز ہوگا، خواہ وہ اشیاء چھوٹی ہوں یا بڑی، شرط یہ ہے کہ ان کی نوع، صفت اور مقدار کو بیان کیا جاسکتا ہو، یہ ملحوظ رہے کہ تعامل مختلف زمانوں میں مختلف ہوسکتا ہے، مثلاً پہلے ٹوپی، چپل، جوتے، موزے اور برتن وغیرہ میں تعامل پایا جاتا تھا، اور فی زمانہ یہ صورت وسیع شکل اختیار کرگئی ہے، اور اب فلیٹ، گاڑی اور دوکان وغیرہ میں بھی تعامل پایا جاتا ہے، اس لئے ان اشیاء میں بھی استصناع معتبر ہوگا۔

مشہور فقیہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

وأن يكون المصنوع فيما يجري فيه تعامل الناس كالمصنوعات والأحذية والأواني وأمتعة الدواب ووسائل النقل الأخرى فلا يجوز الاستصناع في الثياب أو في سلعة لم يجر العرف باستصناعها . . . ويصح في عصرنا الحاضر الاستصناع في الثياب لجريان التعامل فيه والتعامل يختلف بحسب الأزمنة والأمكنة(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۲۹۵)۔

نیز صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں : وفيما فيه تعامل إنما يجوز إذا أمكن إعلامه بالوصف ليمكن التسليم (فتح القدیر ۷/ ۱۰۹)۔

۲— استصناع بیع ہے یا وعدۂ بیع ؟

اگر کوئی شخص صانع کو کوئی چیز بنانے کا آرڈر دے اور اس کے اوصاف، مقدار، قیمت اور مدتِ ادائیگی پر عاقدین راضی ہوجائیں تو اسے حقیقۃً بیع سمجھا جائے گا یا صرف وعدۂ بیع ؟ بالفاظ دیگر اگر صانع آرڈر دینے والے کے آرڈر کو قبول کرلے تو کیا یہ اس کی طرف سے وعدۂ بیع ہوگا کہ اگر وہ آرڈر کی تعمیل نہ کرے تو بداخلاقی کی وعید کا مستحق ہوگا اور وعدہ وفا کردے تو اجرت اور ثواب کا مستحق ہوگا، یا اس عمل کو حقیقۃً بیع سمجھا جائے گا، اور اگر متعینہ مدت پر آرڈر کی تعمیل نہ ہوئی اور آرڈر دہندہ کا نقصان ہوا، تو صانع تاوان کا ضامن ہوگا؟

اس سلسلہ میں بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ یہ وعدۂ بیع ہے، جب کہ جمہور فقہاء اسے عقد بیع قرار دیتے ہیں (ملاحظہ ہو: ہدایہ ۳/ ۱۰۰)۔

فی زمانہ عام لوگوں کے لئے استصناع کی ضرورت محتاجِ بیان نہیں ہے، اس بنیاد پر جمہور فقہاء کا یہ نقطہ نظر راجح معلوم ہوتا ہے کہ استصناع کو عقد بیع قرار دیا جائے۔ چنانچہ علامہ کاسانی فرماتے ہیں : ثم هو بيع عند عامة مشائخنا، وقال بعضهم : هو عدة، وليس بسديد (بدائع الصنائع ۴/ ۴۴۴ زکریا)۔

بہر حال استصناع کو حقیقۃً بیع قرار دینے والے فقہاء کی رائے زیادہ صائب اور راجح ہے، اور اسی کو اختیار کرنا بہتر ہے؛ تاکہ اس عقد کے ذریعہ صانع اور مستصنع اپنے مقاصد حاصل کریں، مزید اسے عقد بیع قرار دینے کے نتیجہ میں صنعتی ترقی کی رفتار بھی بڑھے گی اور اسے خوب فروغ حاصل ہوگا، جس کی وجہ سے عام انسانوں کی ضرورتیں بخوبی پوری ہوں گی۔

رہ گیا یہ مسئلہ کہ یہ غیر موجود شئی کی بیع ہے، جو شرعاً ممنوع ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ شرعاً بیع معدوم کی وجہ اس میں جہالت، غرر اور ضرر کا پایا جانا ہے، عقد استصناع میں اگرچہ بیع کے وقت معقود علیہ موجود نہیں ہوتا؛ لیکن موصوف، معلوم اور متعین ہوتا ہے، اس لئے اس میں جہالت، ضرر اور غرر سے مجموعی طور پر حفاظت رہتی ہے۔

۳— استصناع میں شئی مصنوع کی دوسرے سے بیع کا مسئلہ :

شئی مصنوع کے وجود میں آنے سے پہلے کسی دوسرے شخص کے ہاتھ بیع کا معاملہ اگر استصناع کے طور پر ہو تو جائز ہے، مثلاً پہلے مستصنع نے صانع کے طور پر ایک آرڈر لیا، اسی طرح دوسرے نے تیسرے سے آرڈر لیا، تو یہ تمام عقود اور بیعیں جائز سمجھی جائیں گی۔ اس کی دلیل فقہاء کی وہ عبارتیں ہیں جن میں یہ وضاحت ہے کہ صانع کسی دوسرے سے شئی مصنوع حاصل کرکے مستصنع کو دیدے، اور مستصنع اسے قبول کرلے، تو یہ جائز ہے۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں: لأن العقد ما وقع علی عین المعمول بل علی مثله في الذمة لما ذكرنا أنه لو اشترى من مكان آخر وسلم إليه جاز (بدائع الصنائع ۴/۹۵ زکریا)۔

اور اگر شئی مصنوع کے وجود میں آنے سے پہلے اسے کسی دوسرے کو بطور بیع بیچا جائے تو یہ دوسری بیع "بیع المعدوم" کے ذیل میں آنے کی وجہ سے جائز نہیں ہے (ملاحظہ ہو: العنایۃ مع فتح القدیر ۷/۱۰۸ زکریا، ردالمحتار ۷/۴۷۶ زکریا)۔

۴— استصناع کا تعلق کن اشیاء سے ہے؟

چوں کہ استصناع کی بنیا دلوگوں کی حاجت وضرورت پر اور اس کا مدار تعامل ناس پر ہے: لہٰذا جس چیز میں لوگوں کا تعامل اور رواج ہوجائے، خواہ وہ شئی منقول ہو یا غیر منقول، اس میں عقد استصناع جائز ہوگا؛ کیوں کہ زمانہ کے اختلاف سے تعامل مختلف ہوسکتا ہے۔

علامہ کاسانیؒ نے لکھا ہے: لأن جوازه مع أن القياس يأباه ثبت بتعامل الناس فيختص بما لهم فيه تعامل، ويبقى الأمر في ما وراء ذلك موكولا إلى القياس (بدائع الصنائع ۴/۴۴۴ زکریا)۔

لہٰذا استصناع کا تعلق اشیاء غیر منقولہ سے مثلاً: فلیٹ اور بلڈنگ وغیرہ سے بشرط تعامل ہوگا۔

۵— عقد استصناع بطور استثمار:

استصناع متوازی (جس میں عقد استصناع ابتداء اصل مستصنع اور مالیاتی ادارے کے درمیان ہوتا ہے، اور دوسرا عقد مالیاتی ادارے اور اصل صانع کے درمیان ہوتا ہے) کے جواز کی شرط یہ ہے کہ دونوں عقد منفصل ہوں، ایک دوسرے کے ساتھ مشروط بھی نہ ہوں اور ایک دوسرے پر موقوف بھی نہ ہوں۔

حاصل یہ ہے کہ استصناع بطور استثمار کا جواز راجح معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ صانع کا کسی دوسرے سے مصنوع حاصل کرکے مستصنع کے حوالے کرنا جائز ہے، پھر دوسرے سے مصنوع کا حصول بیع کے ذریعہ بھی ہوسکتا ہے، اور استصناع کے ذریعہ بھی۔ نیز اس طرح کا تعامل بھی پایا جاتا ہے کہ کوئی شخص چھوٹے اور مقامی تاجروں سے آرڈر لے کر بڑی فرم کو آرڈر دیتا ہے، اور پھر مصنوع حاصل کرکے چھوٹے اور مقامی تاجروں کو سپلائی کرتا ہے، پھر جب استصناع کو تعامل کی وجہ سے بیع مان لیا گیا ہے تو اس سے حاصل ہونے والا نفع بھی جائز ہوگا۔

اس مسئلہ پر فقہاء کی ان تصریحات سے استدلال ہوسکتا ہے:

حتى لو جاء به مفروغا لا من صنعته أو من صنعته قبل العقد فأخذ جاز (العنایۃ مع فتح القدیر ۷/۱۰۸ زکریا)۔

فإن جاء الصانع بمصنوع غيره أي بما صنع غيره أو بمصنوعه قبل العقد فأخذه أي الأمر صح (شامی ۷/۴۷۶ زکریا)۔

لأن العقد ما وقع على عين المعمول بل على مثله في الذمة لما ذكرنا أنه لو اشترى من مكان آخر وسلم إليه جاز (بدائع الصنائع ۴/۹۵ زکریا)۔

۶— بیعانہ کی رقم ضبط کرنے کا مسئلہ:

عقد استصناع میں صانع (بائع) نے بیعانہ وصول کرنے کے بعد مصنوع تیار کرکے خریدار کے حوالہ کردیا، مگر خریدار نے لینے سے

انکار کردیا تو ایسی صورت میں فقہاء احناف کے نزدیک بائع بیعانہ ضبط نہیں کرسکتا۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جب صانع آرڈر کے مطابق مصنوع تیار کردے اور خریدار کو پیش کردے تو صانع کا اختیار ساقط ہوجاتا ہے؛ لیکن خریدار کو اختیار باقی رہتا ہے، چاہے لے یا نہ لے؛ اس لئے کہ صانع بائع ہے جسے خیار رؤیت حاصل نہیں ہوتا، اور مستصنع خریدار ہے جسے خیار رؤیت حاصل ہوتا ہے؛ لہٰذا خریدار کو اختیار ملے گا اور صانع کے لئے بیعانہ کی رقم کو ضبط کرنا جائز نہیں ہوگا۔ بقول علامہ کاسانیؒ :

فأما إذا أحضر الصانع العين على الصفة المشروطة فقد سقط خيار الصانع، وللمستصنع الخيار، لأن الصانع بائع ما لم يره فلا خيار له، وأما المستصنع فمشتري ما لم يره فكان له الخيار، هذا جواب ظاهر الرواية عن أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رحمهم الله تعالى (بدائع الصنائع ۴/۹۵ زکریا)۔

یہ تو احناف کی ظاہر الروایہ ہے؛ البتہ امام ابو یوسفؒ کا آخری قول یہ ہے کہ اس صورت میں صانع اور مستصنع میں سے کسی کو اختیار نہیں ملے گا، اور عقد استصناع دونوں کے حق میں لازم وضروری ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر مستصنع کو خیار رؤیت حاصل رہے تو صانع نقصان میں مبتلا ہوسکتا ہے، بطور خاص فی زمانہ ایسی صورت میں صانع کا ناقابل تلافی ضرر ممکن ہے؛ کیوں کہ مستصنع کی طرف سے خیار کا استعمال کرتے ہوئے مصنوع کو رد کرنے کی صورت میں صانع کے لئے دوسرا مشتری تلاش کرنا بسا اوقات بے حد مشکل ہوتا ہے (ملاحظہ ہو: بدائع الصنائع ۴/۹۵-۹۶ زکریا، تاتارخانیہ ۹/۱۰۶ زکریا)۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے منصب قضاء پر فائز ہونے کے بعد لوگوں سے حرج کو دفع کرنے کے جذبہ سے اس مسئلہ میں اپنی یہ دوسری رائے پیش کی اور مستصنع کے لئے خیار کو رد قرار دے کر جانبین کے حق میں بیع کو لازم قرار دیا؛ تاکہ نقصان اور پھر اس کی تلافی کا کوئی قضیہ باقی نہ رہے۔

موجودہ حالات میں امام ابو یوسفؒ کی یہ آخری رائے قابل ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

۷— عقد استصناع میں مصنوع کے لئے مطلوب میٹیریل کی خریدار کی طرف سے فراہمی کا مسئلہ :

اگر کوئی شخص کسی چیز کا آرڈر دے اور مصنوع کے لئے مطلوبہ میٹیریل از خود فراہم کردے اور صانع کا کام صرف آرڈر کے مطابق مال کی تیاری ہو تو یہ عقد استصناع کے حکم میں نہیں ہوگا؛ بلکہ عقد اجارہ ہوگا، اور اس صورت میں اگر صانع آرڈر کے مطابق مال تیار نہ کرے تو آرڈر دینے والے کو صانع سے میٹیریل کی قیمت وصول کرنے کا حق حاصل ہوگا، اور تیار مال صانع کا ہوگا۔

علامہ کاسانیؒ نے لکھا ہے: فإن سلم إلى حداد حديدا ليعمل له إناء معلوما بأجر معلوم، أو جلدا إلى خفاف ليعمل له خفا معلوما بأجر معلوم، فذلك جائز، ولا خيار فيه، لأن هذا ليس باستصناع؛ بل هو استيجار فكان جائزا، فإن عمل كما أمر استحق الأجر، وإن فسد فله أن يضمنه حديدا مثله لأنه لما أفسده فكأنه أخذ حديدا له واتخذ منه آنية من غير إذنه، والإناء للصانع، لأن المضمونات تملك بالضمان (بدائع الصنائع ۴/۹۶ زکریا)۔

۸— وقت مقررہ پر شئ مصنوع فراہم نہ کرپانے کا مسئلہ :

موجودہ دور میں عقد استصناع مدت کی تعیین کے ساتھ ہی ہوتا ہے، یہی عرف وتعامل ہے، بدمعاملگی کے اس دور میں اگر صانع

کو یہ معلوم ہو جائے کہ متعین وقت پر شئ مصنوع دینا لازم نہیں ہے، تو اس کی طرف سے ٹال مٹول کی صورت حال سامنے آئے گی جو نزاع کا سبب بنے گی؛ لہٰذا اس مسئلہ میں حضرات صاحبینؒ کے قول کے مطابق صانع اگر وقت مقرر پر مصنوع فراہم نہ کر سکے، تو مستصنع کو انتظار کرنے یا بیع کو فسخ کرنے دونوں چیزوں کا اختیار حاصل ہوگا، جیسا کہ عقد سلم میں ہوتا ہے۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں :وقال أبو یوسف و محمد رحمهما الله تعالیٰ :هذا ليس بشرط و هو استصناع على كل حال ضرب فيه أجلاً أو لم يضرب، و جه قولهما أن العادة جارية بضرب الأجل في الاستصناع، و إنما يقصد به تعجيل العمل لا تأخير المطالبة فلا يخرج به عن كونه استصناعاً (بدائع الصنائع ۴؍۹۴ زکریا)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے صراحت کی ہے :

و إذا حددت مدة لتقديم المصنوع فانقضت دون أن يفرغ الصانع منه و يسلمه فالظاهر أن يتخير المستصنع بين الانتظار و الفسخ كما هو المقرر في عقد الفسخ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴؍۳۹۶) واللہ اعلم بالصواب۔

عقد استصناع کے مسائل دور حاضر کے تناظر میں

مولانا خورشید احمد اعظمی ☆

الحمد لله رب العالمین، والصلوٰة والسلام علی سید المرسلین وعلی آله وصحبه أجمعین۔

انسان کی معاشی ضروریات کو پوری کرنے کی ایک صورت، بیع وشراء ہے، جس میں ضرورت مند، اپنی ضرورت کے سامان کو حاصل کرنے کے لئے، بدلہ میں کوئی سامان یا نقد مال ادا کرتا ہے، اس معاملۂ بیع کے صحیح ہونے کے لئے، ایجاب وقبول اور باہمی رضامندی کے ساتھ کچھ شرطیں ہیں، جن میں سے ایک شرط یہ ہے کہ خرید وفروخت کے وقت مبیع یعنی خریدا جانے والا سامان موجود ہو، جو شئے موجود ومملوک نہ ہو اس کی خرید وفروخت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''لاتبع مالیس عندک'' (سنن الترمذی، حدیث ۱۲۳۲) اس سے بیع کی دو صورتیں مستثنیٰ ہیں: ایک تو بیع سلم ہے، جس کو بیع سلف بھی کہتے ہیں، اس کو بیع الدین بالعین اور بیع آجل بالعاجل سے بھی تعبیر کرتے ہیں، بیع کی اس صورت میں ثمن نقد اور مبیع ادھار ہوتی ہے جو معاملہ کے وقت بائع کے پاس موجود نہیں ہوتی لیکن بازار میں اس کا وجود ہوتا ہے، بیع سلم کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے: أن یکون المسلم فیه موجوداً من حین العقد الی حین المحل وحد الوجود أن لا ینقطع من السوق (الفتاوی الهندیہ ۳/ ۱۸۰) (کہ مسلم فیہ یعنی مبیع وقت عقد سے وقت ادا تک موجود ہو اور وجود کا مطلب یہ کہ بازار سے ختم نہ ہو) اس بیع کی اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں دیا ہے: ''من أسلف فی شئ ففی کیل معلوم، ووزن معلوم، الی أجل معلوم'' (صحیح البخاری مع الفتح، حدیث ۲۲۴۰) (جو شخص کسی شئ میں بیع سلف کرے، تو کیل معلوم، وزن معلوم اور مدت معلوم میں کرے)، یعنی ناپ، وزن اور مدت معلوم اور متعین ہونا چاہئے۔

دوسری صورت استصناع ہے، یعنی کسی صناع اور کاریگر سے کوئی سامان بنوانا، اس صورت میں بھی جو شئ بنوائی جاتی ہے، وہ بھی عقد معاملہ کے وقت موجود نہیں ہوتی، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور تعامل عوام کی وجہ سے فقہاء نے اس کو بھی جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منقول ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین عجم کو خطوط ارسال کرنے کا ارادہ فرمایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا گیا کہ وہ لوگ بغیر مہر لگے خطوط قبول نہیں کرتے ''فاصطنع خاتما، أی أمر أن یصنع له'' (جمع الوسائل فی شرح الشمائل ص ۱۴۳)، (تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہر (انگوٹھی) بنوائی)۔ فقہ حنفی کی معروف کتاب ھدایہ میں مذکور ہے: ''وإن استصنع شیئاً من ذلک بغیر أجل جاز استحسانا للاجماع الثابت بالتعامل، وفی القیاس لایجوز لأنه بیع المعدوم'' (ص ۸۴ باب السلم) (اور اگر ان میں سے کوئی چیز بغیر تعیین مدت کے بنوایا، تو استحساناً جائز ہوگا، اس اجماع کی وجہ سے جو تعامل سے ثابت ہے، اور قیاس میں جائز نہیں کیونکہ یہ بیع معدوم ہے)۔

☆ استاذ جامعہ عربیہ تعلیم الدین، منورگھوٹ، تھرپورہ، منوناتھ بھنجن، ۲۷۵۱۰۱۔

استصناع کا لغوی معنی ہے بنوانا، "وفي القاموس: الصناعة ككتابة: حرفة الصانع وعمله، فعلى هذا الاستصناع لغة طلب عمل الصانع" (البحر الرائق ۶ / ۲۸۳)، (قاموس میں ہے، صناعة بروزن كتابة: صانع کا پیشہ اور اس کا عمل، اس لحاظ سے استصناع کا لغوی معنی ہوگا، صانع کے عمل کو طلب کرنا)۔ اور استصناع کا اصطلاحی معنی یہ ہوگا کہ کسی صاحب صنعت، کاریگر سے یہ کہا جائے کہ میرے لئے یہ سامان بنادو، اور اس کی سائز، اس کا وزن، اس کی ہیئت وغیرہ اور قیمت متعین کردی جائے، مگر مدت متعین نہ ہو، خواہ اس کی قیمت کا کل یا اس کا کچھ حصہ، پیشگی دیدیا جائے یا نہ دیا جائے، اور صانع اسے قبول کرلے، "إذا قال رجل لواحد من أهل الصنائع: اصنع لي الشيئ الفلاني بكذا قرشاً وقبل الصانع ذلك انعقد البيع استصناعاً (شرح المجلۃ ۱ / ۲۱۹، المادۃ: ۳۸۸)۔ "ويبين نوع ما يعمل وقدره وصفته" (بدائع الصنائع ۶ / ۹۳)، نیز اس کی شرائط جواز کا ذکر کرتے ہوئے تحریر ہے: "فمنها بيان جنس المصنوع ونوعه وقدره وصفته، لأنه لا يصير معلوماً بدونه" (بدائع الصنائع ۶ / ۹۵، ۴۴۴)۔ اور ھدایہ میں مذکور ہے: "بغير أجل" (۳ / ۸۴)۔ لیکن اگر مدت کا تذکرہ برسبیل تعجیل ہو تو اس سے عقد استصناع میں فرق نہیں آئے گا۔

اور چونکہ اس کا جواز استحساناً تعامل عوام کی وجہ سے ہے، اس لئے اس کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ: "أن يكون مما يجري فيه التعامل بين الناس" (بدائع الصنائع ۶ / ۹۳) (کہ مصنوع، بنوائی جانے والی چیز ان اشیاء میں سے ہو جس کے بنوانے کا لوگوں میں رواج اور تعامل ہو)۔

اور اس کے شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ بنوائی جانے والی شئی کے اجزاء، و مواد (materials) صانع کی طرف سے ہوں، جیسا کہ فتاوی عالمگیریہ کی عبارت: "اصنع لي خاتماً من فضتك" (۳ / ۲۰۷)، اور شرح المجلہ کی عبارت: "بشرط أن يكون الحديد من الصانع" (۱ / ۲۲۰)، اور بدائع الصنائع کی عبارت "من أديم أو نحاس من عندك" (۶ / ۹۳) سے ظاہر ہے۔ ان ساری تفصیلات کا خلاصہ یہ ہوا کہ استصناع، خلاف قیاس، استحساناً صرف ان اشیاء میں جائز ہے، جن کے بنوانے کا تعامل اور رواج ہو، مدت مقرر نہ ہو، اجزاء اور سامان صانع کی طرف سے ہوں، بنوائی جانے والی چیز کی کیفیت وہیئت وغیرہ اور قیمت معلوم ہو، اگر مدت مقرر کی گئی اور مصنوع ان اشیاء میں سے ہے جن میں استصناع کا تعامل ہے، تو یہ مدت برائے استعجال متصور ہوگی، برائے مہلت نہیں اور معاملہ استصناع کا ہی ہوگا، اور اگر اس کا استصناع معمول بہ نہ ہو تو پھر یہ استصناع کے بجائے بیع سلم کا معاملہ ہوجائے گا، "كل شيئ تعومل استصناعه يصح فيه الاستصناع على الاطلاق، أي سواء عينت المدة أم لا ... الخ" (شرح المجلۃ ۱ / ۲۲۰) (ہر وہ شئی جس میں استصناع کا معمول ہو، اس میں استصناع علی الاطلاق صحیح ہوگا، یعنی خواہ مدت متعین کی جائے یا نہ کی جائے)، اور یہی زیادہ راجح اور قابل عمل ہے، کیونکہ عموماً معاملہ استصناع میں مدت کا ذکر آہی جاتا ہے اور اگر اجزاء و سامان بنوانے والے کی طرف سے ہوں گے تو یہ اجارہ کا معاملہ ہوگا، لہذا:

۱۔ موجودہ دور میں بھی عقد استصناع، انھیں اشیاء میں صحیح ہوگا، جن کے بنوانے کا لوگوں میں معمول ہو، اور بنوائی جانے والی چیز کی کیفیت اور ہیئت وغیرہ اس طور سے بیان کی جاسکے کہ وہ شئے معلوم اور متعین کے مثل ہوجائے، اور معاملہ مفضی الی النزاع نہ ہو، فقہاء کی عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن اشیاء میں تعامل نہ ہو، ان کا عقد استصناع صحیح نہیں ہوگا، "أما فيما لا تعامل فيه كالاستصناع في الثياب، بأن يأمر حائكاً ليحيك له ثوبا بغزل من عند نفسه لم يجز كذا في الجامع الصغير" (الفتاوی الھندیۃ ۳ / ۲۰۷) (بہر حال جن اشیاء میں تعامل نہ ہو، جیسے کپڑوں میں استصناع، اس طور پر کہ کسی کپڑا تیار کرنے والے سے یہ کہے، کہ اپنے دھاگے سے ایک کپڑا تیار کردو تو جائز

نہیں ہوگا)، اور البحر الرائق میں تحریر ہے: ''فلهذا قصرناه على ما فيه تعامل، و فيما لاتعامل فيه رجعنا فيه الى القياس، كأن يستصنع حائكاً أو خياطاً لينسج له أو يخيط له قميصاً بغزل نفسه'' (۶/۲۸۴)، (اسی لئے ہم نے استصناع کو ان اشیاء میں محدود رکھا جن میں تعامل ہے، اور جن اشیاء میں تعامل نہیں ہے ہم نے ان میں قیاس کی طرف رجوع کیا، جیسے کسی کپڑا تیار کرنے والے یا سلائی کرنے والے سے استصناع کا معاملہ کیا کہ اپنے دھاگے سے کپڑا تیار کردے یا قمیص سل دے (تو جائز نہ ہوگا))۔

۲— معاملۂ استصناع کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ یہ معاملۂ بیع ہے یا معاملۂ وعدہ، چنانچہ فتح القدیر میں مذکور ہے کہ ''ثم اختلف المشائخ أنه مواعدة أو معاقدة، فالحاكم الشهيد والصفار و محمد بن سلمة و صاحب المنثور: مواعدة، والصحيح من المذهب جوازه بيعاً'' (فتح القدیر ۶/۲۴۲، البحر ۶/۲۸۴، بدائع ۵/۹۳) (پھر مشائخ حنفیہ نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ یہ معاملۂ استصناع معاملۂ بیع ہے، یا معاملۂ وعدۂ بیع، حاکم شہید، صفار، محمد بن سلمہ اور صاحب منثور کا یہ قول ہے کہ یہ معاملۂ وعدہ ہے، اور صحیح مذہب اس کا بطور بیع جائز ہونا ہے)، جن لوگوں نے اس کو مواعدہ سے تعبیر کیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اس معاملہ میں صانع کو اختیار رہتا ہے کہ وہ اس عمل کو انجام نہ دے، اور اس کے کرنے پر اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا، اور مستصنع کو یہ اختیار رہتا ہے کہ وہ اس شیٔ مصنوع کو قبول نہ کرے، اور جن لوگوں نے اسے معاملۂ بیع قرار دیا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ معاملہ صرف ان اشیاء میں جائز ہے جن کے استصناع کا تعامل ہو، اگر یہ مواعدہ ہوتا تو صرف معمول بہ اور رائج کے ساتھ خاص نہ ہوتا، نیز یہ معاملہ خلاف قیاس استحساناً جائز ہے، اور معاملۂ وعدہ خلاف قیاس نہیں ہے، (تفصیل کے لئے مذکورہ حوالوں کی طرف رجوع کیا جائے)، لہٰذا راجح قول یہی ہے کہ معاملۂ استصناع معاملۂ بیع ہے۔

۳— استصناع کا معاملہ، عقد کے وقت، مصنوع (مبیع) کے معدوم ہونے کے باوجود، تعامل اور سد حوائج کے باعث استحساناً جائز کہا گیا ہے، ورنہ شرعی طور پر ایسی شیٔ کی بیع ناجائز ہے جو مملوک یا موجود نہ ہو، کتب فقہ میں صحت بیع کی شرائط میں اس کی صراحت کی گئی ہے: ''و أما شرائط المعقود عليه، فأن يكون موجوداً، مالاً متقوماً، مملوكاً في نفسه، و أن يكون ملك البائع فيما يبيعه لنفسه، و أن يكون مقدور التسليم، فلم ينعقد بيع المعدوم و ما له خطر العدم كنتاج النتاج، و الحمل و اللبن في الضرع... الخ'' (البحر الرائق ۵/۲۷۹، بدائع ۵/۱۳۸-۱۳۹، عالمگیری ۳/۲) (اور بہرحال معقود علیہ یعنی مبیع کی شرائط، تو یہ ہے کہ موجود ہو، مال متقوم ہو، اسکے اندر مملوک ہونے کی صلاحیت ہو، اور یہ کہ بائع کی اس میں ملکیت ہو، مقدور التسلیم ہو، لہٰذا معدوم کی اور جس کے معدوم ہو جانے کا خطرہ ہو اس کی بیع درست نہیں ہوگی، جیسے بچہ کا بچہ، حمل، اور تھن میں موجود دودھ کی بیع)، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے: ''أما الذي نهى عنه النبي ﷺ فهو الطعام أن يباع حتى يقبض، قال ابن عباس: و لا أحسب كل شئي إلا مثله'' (جس سے اللہ کے رسول ﷺ نے روکا ہے وہ تو غلہ ہے کہ اسے قبضہ کرنے سے پہلے بیچا جائے، ابن عباس رضی اللہ نے فرمایا اور میں ہر چیز کو غلہ کے مثل ہی سمجھتا ہوں)، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کے لئے ترجمۃ الباب قائم کیا ہے: باب بيع الطعام قبل أن يقبض، و بيع ما ليس عندك، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسکے تحت تحریر فرمایا ہے: و كأنه لم يثبت على شرطه، فاستنبطه من النهي عن البيع قبل القبض، و وجه الاستدلال منه بطريق الأولى (غلہ کو قبضہ سے پہلے اور جو شیٔ تمھارے پاس نہ ہو اس کو بیچنے کا باب گویا کہ (بيع ما ليس عندك، کی حدیث) ان کی شرط پر ثابت نہیں ہوئی، تو انھوں نے قبضہ سے پہلے بیچنے کی نہی سے اس کا استنباط کیا، اور اس سے وجہ استدلال بطریق اولی ہے، کہ مثلاً کسی سامان کو

خریدا اور اس پر قبضہ نہیں کیا اس کے بیچنے کی ممانعت ہے تو جس سامان کا آدمی سرے سے مالک ہی نہ ہو یا وہ سامان اسکے پاس موجود ہی نہ ہو اسکا بیچنا کیسے جائز ہوگا؟

غیر موجود شئی کی بیع سے ممانعت کی حدیث حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں منقول ہے: "أتيت رسول الله ﷺ فقلت: يأتيني الرجل يسألني من البيع ما ليس عندي، أبتاع له من السوق ثم أبيعه؟ قال: لا تبع ما ليس عندك" (سنن الترمذی حدیث ۱۲۳۲، کتاب البیوع) (آدمی میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے اس چیز کے بیچنے کا مطالبہ کرتا ہے جو میرے پاس نہیں ہے، میں اس کے لئے بازار سے خرید کر اسے دیدوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو سامان تمھارے پاس نہ ہو اسے مت بیچو)۔

لہذا مصنوع کے وجود اور قبضہ میں آنے سے پہلے مستصنع کے لئے اس کو کسی دوسرے کے ہاتھ بیچنا جائز نہیں ہوگا۔ معدوم کی بیع درست نہیں ہے، اور استصناع پر قیاس کرتے ہوئے، اس کی بیع کو جائز نہیں کہا جائے گا، استصناع خود خلاف قیاس ہے، اور تعامل وضرورت کی وجہ سے اسے استحساناً جائز کہا گیا ہے، اور اس کے بیع ہونے نہ ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے، لہذا اس پر کسی دوسری صورت کی بنا جائز نہیں ہوگی۔

۴— استصناع کا جواز ایک تو تعامل کی وجہ سے ہے، دوسرے لوگوں کی حاجات وضروریات کی تکمیل کے لئے ہے، "الاستصناع شرع لسد حاجات الناس ومتطلباتهم، نظراً لتطور الصناعات تطوراً كبيراً" (الموسوعۃ الفقہیہ ۳/۳۲۷) (مصنوعات کی ترقیات کے پیش نظر معاملہ استصناع لوگوں کی ضروریات اور ان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے مشروع کیا گیا ہے)، اور صحت استصناع کیلئے لازم ہے کہ مصنوع، مستصنع کی منشاء کے مطابق جنس ونوع اور قدر ووصف کے لحاظ سے واضح اور معروف ہو، تاکہ معاملہ مفضی الی النزاع نہ ہو "يلزم في الاستصناع وصف المصنوع وتعريفه على الوجه الموافق للمطلوب، بنوع يرفع الجهالة التي تفضي إلى النزاع، ولهذا ينبغي بيان جنسه ونوعه وقدره ووصفه (شرح المجلۃ ۱/۲۲۰)۔

لہذا مصنوع، اشیاء منقولہ کی قبیل سے ہو یا غیر منقولہ کی قبیل سے، اگر وہ اس قبیل سے ہے کہ اس کے وصف وقدر اور نوعیت وغیرہ کا ضبط ممکن ہو، اس میں استصناع کی عام حاجت درپیش ہو، اور اس کا تعامل ہو جائے، تو اس میں استصناع کا معاملہ درست ہوگا، اپنی تمام شرطوں کے ساتھ کہ مصنوع کی جنس، نوع، سائز، صفت اور ہیئت وغیرہ متعین اور معروف ہو، اور اس معاملہ میں کسی مدت کی تعیین نہ ہو اور اگر اس میں تعامل نہ ہو تو پھر اس میں استصناع کا معاملہ درست نہ ہوگا، جیسا کہ کپڑے میں تعامل نہ ہونے کی وجہ سے مصنفین کتب فقہ نے اپنے دور کے اعتبار سے اس میں استصناع کو درست نہیں کہا ہے، لیکن آج اگر کہیں کپڑے میں معاملہ استصناع کا تعامل ہو تو وہاں اس میں استصناع کا معاملہ درست ہوگا۔

اسی طرح بلڈنگ اور اس جیسی اشیاء، میں اگر زمین مستصنع کی ہو اور صرف بلڈنگ کی تعمیر کا معاملہ صانع سے ہو، یا زمین اور اس پر تعمیر ہونے والے مکان کا سارا میٹیریل صانع کی طرف سے ہو، اور اس کے جائے وقوع، اس کا رقبہ، مکان کا نقشہ، استعمال ہونے والے میٹیریل کی نوعیت وغیرہ طے ہو جائے، اور اسکے استصناع کا تعامل ہو، تو اس میں بھی استصناع کا معاملہ درست ہوگا۔

۵— معاملہ استصناع کی جملہ شروط کے ساتھ اگر ایک شخص یا کسی سے ایک سامان بنانے کا آرڈر لیتا ہے، اور پھر اس سامان کو خود تیار کرنے کے بجائے کسی دوسرے شخص کو نئے معاملہ اور نئے ثمن کے ساتھ اسی سامان کا آرڈر دیکر اسے تیار کراتا ہے، اور جس سے آرڈر لیا ہے اس کے حوالہ کر دیتا ہے، تو یہ معاملہ درست ہوگا کیونکہ یہ دونوں الگ الگ معاملے ہیں، جس میں درمیانی شخص یا ادارے کی دو حیثیت ہے، ایک معاملہ میں وہ صانع ہے، اور دوسرے معاملہ میں وہ مستصنع ہے، اور استصناع میں یہ ضروری نہیں ہے کہ بائع خود سامان تیار کر کے

دے۔ ھدایہ میں یہ صراحت ہے: "والمعقود علیه العین دون العمل، حتی لو جاء به مفروغا لا من صنعته أو من صنعته قبل العقد فأخذه جاز" (ھدایہ مع الفتح ۶ر ۲۴۳) (اور معقود علیہ عین شئی ہے نہ کہ عمل صنعت، حتی کہ اگر صانع اس شئی کو اپنے عمل کے بغیر تیار پیش کرے، یا معاملہ سے قبل اپنے ہاتھ کا تیار کیا ہوا پیش کرے اور مستصنع اسے قبول کر لے تو جائز ہوگا)، اگرچہ لفظ استصناع، عمل صنعت کا متقاضی ہے یعنی صانع اسے اپنے ہاتھ سے بنا کر دے، اور ابوسعید البردعی کا یہی قول ہے، اور ملک العلماء امام کاسانی نے بھی اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے: "لأن الاستصناع طلب الصنع، فما لم يشترط فيه العمل لا يكون استصناعاً، فكان مأخذ الاسم دليلاً عليه، ولأن العقد على مبيع في الذمة يسمى سلماً، وهذا العقد يسمى استصناعاً، واختلاف الأسامي دليل اختلاف المعاني في الأصل (بدائع الصنائع ۴ر ۹۳) (کیونکہ استصناع، صنعت کا طلب کرنا ہے، تو جس میں عمل کی شرط نہ ہو وہ استصناع نہیں ہوگا، لہذا اسم کا مأخذ اس پر دلیل ہے، اور اس لئے کہ اس مبیع پر عقد جو ذمہ میں واجب ہو اسے سلم کیا جاتا ہے، اور اس عقد کو استصناع کہتے ہیں اور ناموں کا اختلاف اصل میں معانی کے اختلاف پر دلیل ہے)، مگر دیگر فقہاء نے اس قول کو غیر صحیح قرار دیا ہے (دیکھئے فتح القدیر ۶ر ۲۴۳، النہر الفائق ۳ر ۵۱۰، البحر ۶ر ۲۸۴، وغیرہ)، اس صورت میں جبکہ صانع معاملۂ استصناع سے قبل بنایا ہوا سامان پیش کرے، اور مستصنع اسے قبول کر لے تو کاسانی علیہ الرحمۃ بھی اسے درست قرار دیتے ہیں، مگر وہ اسے عقد آخر قرار دیتے ہیں "فانما جاز لا بالعقد الأول بل بعقد آخر (بدائع ۴ر ۹۳)۔

۶۔ معاملۂ استصناع کی ایک صفت یہ ہے کہ یہ عمل سے پہلے عقد غیر لازم ہوتا ہے، صانع اور مستصنع دونوں کو فسخ وامتناع کا اختیار ہوتا ہے، اور سامان تیار ہو جانے کے بعد بھی مستصنع کو دکھانے سے پہلے صورت حال یہی ہوتی ہے، حتی کہ اگر صانع اسے کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دے تو اسے اختیار ہے بیع نافذ ہوگی، مستصنع اسے رد نہیں کرا سکتا۔ البتہ مستصنع کی رویت کے بعد صانع کا اختیار ساقط ہو جاتا ہے اور مستصنع کو اختیار باقی رہتا ہے، "وإنما كان كذلك، لأن المعقود عنيه وإن كان معدوماً حقيقةً فقد ألحق بالموجود ليمكن القول بجواز العقد، ولأن الخيار كان ثابتاً لهما قبل الإحضار لما ذكرنا أن العقد غير لازم، فالصانع بالإحضار أسقط خيار نفسه فبقي خيار صاحبه على حاله" (بدائع الصنائع ۴ر ۹۵) (اور ایسا اس لئے ہے کہ معقود علیہ اگرچہ حقیقت میں معدوم ہے، لیکن اسے موجود کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے، تاکہ عقد کے جواز کا قول ممکن ہو سکے، اور اس لئے کہ سامان حاضر کرنے سے پہلے دونوں کے لئے خیار ثابت تھا، اس سبب سے جو ہم نے ذکر کیا کہ یہ عقد غیر لازم ہے، لہذا صانع نے احضار کے بعد اپنا خیار ساقط کر دیا اور اس کے صاحب معاملہ کا خیار اپنے حال پر باقی رہا)، یہ ظاہر روایت کے مطابق ہے، اور ایک روایت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے یہ ہے کہ دونوں کو خیار رہتا ہے، ان دونوں روایتوں کے پیش نظر مستصنع نے جو پیشگی رقم دیا ہے، سامان نہ لینے کی صورت میں وہ اس رقم کے واپس لینے کا مستحق ہے، حدیث میں مذکور ہے: "نهى رسول الله ﷺ عن بيع العربان، قال مالك: وذلك فيما نرى والله أعلم، أن يشتري الرجل العبد أو يتكارى الدابة ثم يقول: أعطيتك ديناراً على أني إن تركت السلعة أو الكراء فما أعطيتك لك" (سنن أبي داؤد حدیث ۳۵۰۲ کتاب البیوع) (رسول اللہ ﷺ نے بیع عربان سے منع فرمایا ہے، مالک رحمہ اللہ نے کہا: ہمارے خیال میں اس کی یہ صورت ہے کہ آدمی مثلاً غلام خریدے، یا جانور کرایہ پر اس طور پر لے کہ میں نے تمکو یہ ایک دینار دیا ہے کہ اگر میں نے سامان چھوڑ دیا یا جانور کرایہ پر نہیں لیا تو جو میں نے دیا ہے وہ تمہارا ہوگا)، جسکو ہم ایڈوانس یا بیعانہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

استصناع کے مسئلہ میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت یہ ہے کہ صانع اور مستصنع دونوں میں سے کسی کو خیار نہیں ہوگا، "وجه

روایة أبي یوسف رحمہ اللہ: "أن الصانع قد أفسد متاعه وقطع جلده وجاء بالعمل علی الصفة المشروطة، فلو کان للمستصنع الامتناع من آخذه لکان فیه اضرار بالصانع" (بدائع ۴/۹۵)، (امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ صانع نے اپنا سامان خراب کیا، اپنا چمڑا کاٹا، اور مستصنع کی شرط کے مطابق کام کیا، اگر مستصنع کو نہ لینے کا خیار دیا جائے تو اس میں صانع کو نقصان پہنچانا ہوگا)۔ ان کی روایت کے مطابق مستصنع پیشگی دی ہوئی رقم کو لینے کا مستحق نہ ہوگا۔

موجودہ مشینی والکٹرانک دور میں جبکہ روز بروز اشیاء کی ڈیزائن اور ماڈل بدلتے رہتے ہیں، مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کو راجح قرار دیا جائے اور معاملۂ استصناع کو عقد لازم کہا جائے، اور مستصنع کی شروط کو اس کی رویت کے قائم مقام مانا جائے، اور جب صانع اس سامان کو مطلوبہ شرط کے مطابق تیار کرکے پیش کردے، تو مستصنع کو نہ لینے کا خیار نہیں دینا چاہئے، کیونکہ صانع نے مستصنع کی شرط کے مطابق سامان تیار کرنے میں اپنا مال ومتاع صرف کیا ہے، مجلۃ الاحکام العدلیہ میں بھی اسی قول کو ذکر کیا گیا ہے: "اذا انعقد الاستصناع فلیس لأحد العاقدین الرجوع عنه، واذا لم یکن المصنوع علی الأوصاف المطلوبة المبینة کان المستصنع مخیراً" (شرح المجلۃ ۱/۲۲۱، المادۃ ۳۹۲)، (جب استصناع منعقد ہوجائے تو عاقدین میں سے کسی کو اس سے رجوع کا حق نہیں، اور جب مصنوع بیان کردہ اوصاف مطلوبہ پر نہ ہو، تو مستصنع صاحب خیار ہوگا)، اوصاف مطلوبہ پر سامان تیار ہوجانے کے بعد بھی مستصنع کو قبول نہ کرنے کا خیار دینے کی صورت میں ضروری نہیں ہے کہ وہ سامان دوسرے کی شرط کے مطابق بھی ہو، لہذا مستصنع کے نہ لینے کی صورت میں صانع کو ضرر اٹھانا پڑیگا، اسی طرح صانع بھی اس کا پابند ہو کہ مطلوبہ مدت میں سامان تیار کرے، استصناع میں مدت مقرر نہ ہونے کا یہ مطلب نہ ہونا چاہئے، کہ اس کا کوئی لحاظ ہی نہ ہو، اور صانع بالکل آزاد ہو، مدت کے سلسلہ میں صاحبین کے قول کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: "أن العادة جاریة بضرب الأجل في الاستصناع، وانما یقصد به تعجیل العمل لا تأخیر المطالبة فلا یخرج به عن کونه استصناعاً" (بدائع الصنائع ۴/۹۵) (استصناع میں مدت مقرر کرنے کی عادت جاری ہے، اور اس سے تعجیل عمل مقصود ہوتی ہے نہ کہ تاخیر مطالبہ، لہذا اس کی وجہ سے وہ استصناع ہونے سے خارج نہیں ہوگا)، اسلئے اگر سامان تیار کرنے میں صانع تاخیر فاحش کرتا ہے تو مستصنع کو اس کے لینے پر مجبور نہیں کیا جانا چاہئے، کیونکہ اس صورت میں اس کو ضرر ہوگا، "لا ضرر ولا ضرار" "والضرر یزال"، بیع اور استصناع میں بیعانہ سے متعلق یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ کسی موجودہ سامان کا بیعانہ واپس کرنے میں اکثر بائع کا نقصان نہیں ہوتا جبکہ استصناع میں صانع کا مال مستصنع کی مرضی کے مطابق اس کی طلب پر صرف ہوچکا ہوتا ہے۔

۷ـ بیع استصناع میں یہ شرط ہے کہ مصنوع کے لئے میٹریل صانع کے پاس سے ہو، اور اگر خریدار میٹریل خود فراہم کرتا ہے، تو یہ اجارہ کی صورت ہوجائے گی، اس صورت میں بھی اگر آرڈر کے مطابق سامان تیار نہ ہو تو آرڈر دینے والے کو اسکا قبول کرنا ضروری نہیں، اور آرڈر کے مطابق نہ ہونے کی صورت میں اپنے دیئے ہوئے میٹریل کا مثل یا اس کی قیمت لینے کا مستحق ہوگا، بدائع میں اس کی وضاحت موجود ہے: "فإن سلم إلی حداد حدیدا لیعمل له إناء معلوما بأجر معلوم، أو جلدا إلی خفاف لیعمل له خفا معلوما بأجر معلوم، فذلک جائز، ولا خیار فیه، لأن هذا لیس باستصناع، بل هو استئجار، فکان جائزا، فان عمل کما أمر، استحق الأجر، وإن فسد فله أن یضمنه حدیدا مثله، لأنه لما أفسده فکأنه أخذ حدیدا له واتخذ منه آنیة من غیر إذنه، والإناء للصانع، لأن المضمونات تملک

بالضمان'' (بدائع الصنائع ۴/۹۶) (اور اگر لوہار کو لوہا دیا تا کہ متعینہ اجرت پر اس کے لئے ایک متعینہ برتن بنادے، یا موزہ ساز کو چمڑہ دیا تا کہ متعینہ اجرت پر اس کے لئے مطلوبہ موزہ تیار کردے، تو یہ جائز ہے اور اس میں کوئی خیار نہیں، کیونکہ یہ استصناع نہیں بلکہ استئجار کا معاملہ ہے، لہذا جائز ہوگا، اگر اس نے طلب کے مطابق کام کیا تو اجرت کا مستحق ہوگا، اور اگر خراب ہوگیا، تو اسکو حق ہے کہ اسی کے مثل لوہے کا اس کو ضامن بنائے، اس لئے کہ جب اس نے خراب کردیا، تو گویا اس نے اس کا لوہا لیا، اور اس کی اجازت کے بغیر اپنے لئے اس سے ایک برتن بنالیا، اور برتن صانع کا ہوگا، کیونکہ مضمونہ اشیاء ضمان کے بعد ملکیت ہوجاتی ہیں)۔ یعنی اجرت پر تیار کیا ہوا سامان، اگر شرائط کے مطابق تیار ہوا، تو مستاجر کو نہ لینے کا خیار نہیں ہوگا اور اگر مطلوبہ سامان کے خلاف تیار کیا، تو مستاجر اپنے فراہم کردہ میٹریل کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ اس بارے میں فتاوی عالمگیریہ میں ایک تفصیل موجود ہے: ''وإذا دفع حديداً إلى حداد ليصنعه عينا سماه بأجر مسمى فجاء به الحداد على ما أمر به صاحب الحديد، فإنه لا خيار لصاحب الحديد، ويجبر على القبول، ولو خالفه فيما أمر به، فإن خالفه من حيث الجنس، بأن أمره أن يصنع منه قدوما، فصنع له مرا، ضمن له حديدا مثل حديده، والاناء له، ولا خيار لصاحب الحديد، وإن خالفه من حيث الوصف بأن أمره أن يصنع له قدوما يصلح للنجار، فصنع له قدوما يصلح لكسر الحطب، فصاحب الحديد بالخيار إن شاء ضمنه حديدا مثل حديده وترك القدوم عليه ولا أجر له، وإن شاء أخذ القدوم وأعطاه الأجر، وكذلك الحكم في كل ما سلمه إلى كل صانع ليصنع منه شيئا سماه'' (الفتاوی الهندیة ۴/۵۱۸) (اور جبکہ کسی لوہار کو لوہا دیا تا کہ اس کا بتایا ہوا سامان متعینہ اجرت پر بنادے، اور لوہار نے اس کے حکم کے مطابق تیار کردیا، تو صاحب حدید کو خیار حاصل نہیں، وہ اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائیگا، اور اگر اس کے حکم کے خلاف تیار کیا، تو اگر مطلوبہ سامان کی جنس کے خلاف تیار کیا ہے، مثلاً اس سے بسولہ بنانے کو کہا اور اس نے بیلچہ بنادیا، تو اس کے لوہے کے مثل لوہے کا ضامن ہوگا، اور سامان (صانع) کا ہوگا، اور صاحب حدید کو خیار نہیں ہوگا، اور اگر وصف کے اعتبار سے مخالفت کیا ہے، مثلاً بسولہ بنانے کو کہا اور اس نے کلہاڑی تیار کردیا، تو صاحب حدید کو خیار ہوگا، اگر چاہے تو اپنے لوہے کے مثل لوہے کا اس کو ضامن بنائے، اور کلہاڑی اس کے پاس چھوڑدے، اور وہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا، اور اگر چاہے تو کلہاڑی لے لے، اور اس کو اجرت دیدے، اور ایسا ہی حکم ہوگا ہر اس سامان میں جو کسی صانع کو دے، تا کہ اس سے مطلوبہ سامان تیار کردے)۔

راقم کی رائے یہ ہے کہ سامان، مطلوب کے خلاف ہونے کی صورت میں آرڈر دینے والے کو علی الاطلاق خیار ہونا چاہئے۔

۸۔ عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی تاریخ مقرر ہو، مگر بائع اسے وقت پر فراہم نہ کرکے تاخیر سے ادا کرے، تو اب مشتری کو خیار ہوگا کہ وہ اس سامان کو قبول نہ کرے، اس لئے کہ اس میں تعدی بائع کی طرف سے ہے۔ وہ اپنے ضرر کا ضامن خود ہوگا، لیکن اس تاخیر کی وجہ سے خریدار کا جو نقصان ہو کہ اسے وہ سامان بازار سے مہنگا خریدنا پڑے گا تو وہ اس کا تاوان نہیں وصول کرسکتا، اور نہ صانع پر تاخیر کی وجہ سے کوئی تاوان لازم کیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ مالی تاوان، بغیر عوض ہوگا'' ولا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه'' (مشکوۃ ۲۵۵)۔

عقد استصناع کے مسائل

مولانا خورشید انور اعظمی ☆

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کو بازار میں اپنی ضرورت کا سامان مطلوبہ معیار و مقدار میں دستیاب نہیں ہو پاتا، جس کے سبب وہ کسی کو آرڈر دے کر اسے تیار کراتا ہے، فقہ کی اصطلاح میں اسے استصناع کہا جاتا ہے۔

لغت میں استصناع کے معنی ہیں کسی چیز کو بنانے کے لئے کہنا۔ لسان العرب میں ہے:

"استصنع الشیئ: دعا إلی صنعه" (۲۰۰۷/۴) (کسی چیز کو بنانے کے لئے کہا)۔

شریعت کی اصطلاح میں استصناع سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص کسی صنعت گر کے پاس آکر کہے کہ میرے لئے فلاں چیز اس طرح کی، اتنی مقدار میں اور اتنے پیسے میں تیار کردو، خواہ پورا یا کچھ پیسہ صانع کو دے یا نہ دے اور صانع اس پر راضی ہو جائے، علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں: "صورة الاستصناع فهي أن يقول إنسان لصانع من خفاف أو صفار أو غيرهما أعمل لي خفا أو آنية من أديم أو نحاس من عندك بثمن كذا ويبين نوع ما يعمل وقدره وصفته فيقول الصانع نعم" (بدائع الصنائع ۹۳/۴)۔

(استصناع کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص، موزہ یا برتن یا کسی اور چیز کے بنانے والے سے کہے کہ تم میرے لئے موزہ یا چمڑے یا تانبے کا برتن اپنے پاس سے اتنی قیمت میں بنادو، اور اس سامان کی نوعیت، مقدار اور صفت کی وضاحت کردے اور بنانے والا اس پر ہامی بھرے)۔

امام زفر اور امام شافعی نے عقد استصناع کو بیع معدوم پر قیاس کرتے ہوئے ناجائز قرار دیا ہے، لیکن فقہاء احناف نے تعامل ناس کے سبب استحساناً جائز اور درست قرار دیا ہے، علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

"في الاستحسان جاز لأن الناس تعاملوه في سائر الأمصار من غير نكير فكان إجماعاً منهم على الجواز فيترك القياس" (بدائع ۴۴۴/۴) (استصناع ازروئے استحسان جائز ہے، اس وجہ سے کہ تمام شہروں میں کسی نکیر کے بغیر لوگوں کے یہاں اس کا تعامل ہے، لہذا ان لوگوں کا اس کے جواز پر اجماع ہو گیا، جس سے قیاس کو ترک کردیا جائے گا)۔

علامہ کاسانی نے عقد استصناع کے جواز کی ایک بنیادی وجہ حاجت ناس کو بھی بتایا ہے کہ اگر اسے ناجائز قرار دیدیا جائے تو بسا اوقات انسان حرج وتنگی میں مبتلا ہو جائے گا، تحریر فرماتے ہیں:

"إن الحاجة تدعو إليه، لأن الإنسان قد يحتاج إلى خف أو نعل من جنس مخصوص ونوع مخصوص على

☆ صدر مدرس جامعہ مظہر العلوم بنارس۔

قدر مخصوص وصفة مخصوصة وقلما يتفق وجوده مصنوعاً فيحتاج إلى أن يستصنع فلو لم يجز لوقع الناس في الحرج" (بدائع ۴/۹۴)۔

استصناع کا بنیادی سبب حاجت وضرورت ہے، اس وجہ سے کہ انسان بعض دفعہ مخصوص جنس، مخصوص قسم، مخصوص مقدار، مخصوص صفت کے جوتے یا موزے کا ضرورت مند ہوتا ہے، اور ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ بنا بنایا سامان موجود ہو، اس لئے اس کو بنوانے کی ضرورت پیش آتی ہے، لہذا اگر یہ جائز نہ ہو تو لوگ تنگی میں پڑ جائیں گے)۔

البتہ فقہاء نے استصناع کے صحیح ہونے کی تین شرطیں مقرر کی ہیں (۱) مصنوع کی جنس، نوع، مقدار اور صفت معلوم ہو، (۲) مصنوع ایسی چیز ہو جس کا تعامل ہو، (۳) اس کی مدت مقرر نہ ہو۔

علامہ شامی نے بدائع کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے:

"وفي البدائع من شروطه: بيان جنس المصنوع ونوعه وقدره وصفته وأن يكون مما فيه تعامل وأن لا يكون مؤجلاً، وإلا كان سلماً، وعندهما المؤجل استصناع إلا إذا كان مما لا يجوز فيه الاستصناع فينقلب سلماً في قولهم جميعاً" (رد المحتار ۷/۴۷۵، نیز دیکھئے: بدائع ۴/۹۴، الموسوعۃ الفقہیہ ۳/۳۲۸) (بدائع میں استصناع کی شرطیں یہ ہیں، مصنوع کی جنس، نوع، مقدار اور صفت کی وضاحت ہو، اس میں تعامل ہو نیز اس کی مدت مقرر نہ ہو ورنہ سلم ہو جائے گا، اور صاحبین کے نزدیک جس کی مدت مقرر ہو وہ بھی استصناع ہے، الا یہ کہ ایسی چیز ہو جس میں استصناع جائز نہ ہو تو سب کے قول میں وہ سلم ہو جائے گا)۔

اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ مصنوع کا میٹریل صانع کا ہو، جیسا کہ الموسوعۃ میں اس کی صراحت موجود ہے:

"الاستصناع يستلزم شيئين هما: العين والعمل، وكلاهما يطلب من الصانع" (الموسوعۃ الفقہیہ ۳/۳۲۸) (استصناع میں دو چیزیں لازم ہوتی ہیں، ایک سامان، دوسرے عمل، اور دونوں کا مطالبہ صانع سے ہوا کرتا ہے)۔

مولانا فتح محمد لکھنوی نے استصناع کے شرائط صحت کو واضح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"صحت استصناع کی تین شرطیں ہیں:

۱ — مال مصالحہ کاریگر کا ہو ورنہ اجارہ ہو جائے گا۔

۲ — مدت نہ دی جائے مہلت ہو ورنہ بیع سلم ہو جائے گی، مدت سے مراد مدت استحقاق ہے۔

۳ — وہ شیئ بنوائی جائے جو مستعمل ہو غیر مستعمل وغیر متعارف نہ ہو ورنہ عقد فاسد ہوگا۔

مزید آپ نے یہ بھی نہایت واضح ہوتا ہے کہ منازعات کا احتمال نہ رہے (تطہیر الاموال فی تحقیق الحرام والحلال: ۱۱۳)۔

۱ — استصناع عصر حاضر میں:

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آج کے دور میں ہر اس شیئ کے اندر استصناع درست ہوگا جس کا لوگوں کے درمیان تعامل ہو، المبسوط میں ہے:

"إن المعتبر فيه العرف وكل ما تعارف الناس الاستصناع فيه فهو جائز" (۱۵/۹۱) (جس چیز میں استصناع لوگوں کے

مابین متعارف ہو وہ جائز ہے)۔

عالمگیری میں ہے :"الاستصناع جائز في كل ما جرى التعامل فيه" (۲۰۷/۳) (استصناع، ہر اس شیئ میں جائز ہے، جس میں تعامل ہو)۔

یہی تعامل ہی استصناع کے جواز کی اساس ہے۔

۲ـــ استصناع بیع ہے یا وعدہ بیع :

استصناع کے بیع اور وعدہ بیع ہونے کے سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، حاکم شہید، صفار، محمد بن سلمہ اور صاحب المنثور نے اسے وعدۂ بیع قرار دیا ہے، جبکہ ہمارے عام مشائخ نے اسے بیع مانا ہے، اور فقہاء نے اسی کو صحیح بتایا ہے (دیکھئے : ہدایہ ۱۰۰/۳، بدائع ۴۴۴/۴، فتح القدیر ۲۴۲/۶، البحر الرائق ۱۷۱/۶، رد المحتار ۴۷۵/۷، عنایہ ۲۴۲/۶، المبسوط ۱۳۹/۱۲)۔

۳ـــ مستصنع کا مصنوع کو وجود میں آنے سے قبل کسی اور کے ہاتھ فروخت کرنے کا مسئلہ :

اگر مستصنع، مصنوع کو وجود میں آنے سے پہلے کسی اور کے ہاتھ فروخت کرے تو یہ نا جائز ہوگا، اس وجہ سے کہ یہ معدوم کی بیع ہے، جو ممنوع ہے، کیونکہ انعقاد بیع کے لئے معقود علیہ کا موجود و مملوک اور مقدور التسلیم ہونا شرط ہے، جس کے مفقود ہونے کی صورت میں بیع منعقد نہیں ہوگی۔ رد المحتار میں ہے :

"وشرط المعقود عليه ستة : كونه موجوداً مالا متقوماً مملوكاً في نفسه، وكون الملك للبائع فيما يبيعه لنفسه وكونه مقدور التسليم فلم ينعقد بيع المعدوم" (۱۵/۷)۔

(معقود علیہ کی چھ شرطیں ہیں : اس کا موجود ہونا، مال ہونا، متقوم ہونا، فی نفسہ مملوک ہونا، بائع کا اس سامان کا مالک ہونا جسے اپنے لئے فروخت کر رہا ہے، مقدور التسلیم ہونا، اسی وجہ سے معدوم کی بیع منعقد نہیں ہوتی)۔

نیز اس میں بیع سلم کی بھی صورت نہیں بن سکتی اس وجہ سے کہ بیع سلم کے جواز کے لئے ضروری ہے کہ مسلم فیہ عقد کے وقت سے ادائیگی کے وقت تک موجود ہے، ہدایہ میں ہے :"ولا يجوز السلم حتى يكون المسلم فيه موجوداً من حين العقد إلى حين المحل" (۹۳/۳) (سلم جائز نہیں ہے یہاں تک کہ مسلم فیہ عقد کے وقت سے ادائیگی کے وقت تک موجود ہو)۔

۴ـــ استصناع کا تعلق ہر اس شیئ سے ہے جس میں تعامل ہو :

استصناع کے جواز کی بنیاد تعامل ناس ہے، جیسا کہ کتب فقہ میں بصراحت موجود ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ استصناع کا تعلق ان تمام اشیاء سے ہوگا جن میں تعامل جاری ہو، خواہ وہ اشیاء منقولہ ہوں یا غیر منقولہ۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی زمانہ میں کسی چیز کے اندر عدم تعامل کے سبب استصناع جائز نہ ہو اور بعد میں لوگوں کے درمیان اس میں تعامل جاری ہو گیا ہو تو اس میں استصناع درست ہوگا، شمس الائمہ علامہ سرخسی تحریر فرماتے ہیں:"وإنما لا يجوز الاستصناع في الثوب لعدم التعامل فإذا وجد التعامل في هذا يجوزه اعتباراً بالاستصناع فيما فيه التعامل" (المبسوط ۸۸/۱۵) (کپڑے میں استصناع عدم تعامل کے سبب جائز نہیں ہے لیکن جب اس میں تعامل پایا

جائے گا تو تعامل والے استصناع پر قیاس کرتے ہوئے جائز ہو جائے گا)۔

آج کی صورت حال یہ ہے کہ کپڑوں میں استصناع کا چلن عام ہے، اس لئے عصر حاضر میں کپڑوں میں استصناع جائز ہوگا۔

۵- استصناع متوازی کا حکم :

آج کل اسلامی مالیاتی ادارے ایسا کرتے ہیں کہ ایک شخص سے کسی سامان کا آرڈر لیتے ہیں اور دوسرے شخص کو اسی سامان کا آرڈر دیتے ہیں، اور دونوں کی قیمت میں فرق رکھ کر پہلے شخص سے نفع حاصل کرتے ہیں۔ اس طریقے کو استصناع متوازی کہا جاتا ہے۔ فقہاء کی زیر بحث مسئلے سے متعلق صراحتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کرنے میں بظاہر کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، اس وجہ سے کہ مذکورہ صورت میں ادارے کی دو حیثیت ہے، جس شخص سے آرڈر دے رہا ہے اس کے اعتبار سے صانع ہے اور جس شخص کو آرڈر دے رہا ہے اس کے اعتبار سے مستصنع ہے، مستصنع ہونے کی صورت میں مسئلہ کا جواز بالکل ظاہر ہے، رہی صانع ہونے کی حیثیت تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اس وجہ سے کہ صانع کے لئے یہ ضروری نہیں کہ از خود مال تیار کر کے دے بلکہ کسی اور کا تیار کردہ مال بھی دے سکتا ہے، جیسا کہ کتب فقہ میں یہ جزئیہ موجود ہے کہ اگر صانع دوسرے کا تیار کردہ مال طے شدہ شرائط کے مطابق پیش کرے اور مستصنع اسے قبول کرے تو درست ہے۔ علامہ سرخسی تحریر فرماتے ہیں : "لو جاء به مفروغاً عنه لا من صنعته أو من صنعته قبل العقد فأخذه كان جائزاً" (المبسوط ۱۲/۱۴۰، نیز دیکھئے : البحر الرائق ۶/۱۷۱، ہدایہ ۳/۱۰۰، فتح القدیر ۶/۲۴۴، کفایہ ۶/۲۴۳) (اگر صانع ایسا تیار مال لائے جو اس کا بنایا ہوا نہیں ہے یا عقد سے پہلے کا تیار شدہ ہے اور مستصنع اسے لے لے تو یہ جائز ہے)۔

عصر حاضر کے معروف فقیہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے تحریر فرمایا :

"لو أتى الصانع بما لم يصنعه هو أو صنعه قبل العقد بحسب الأوصاف المشروطة جاز ذلك" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۳۶۴۴) (اگر صانع ایسا سامان لائے جسے اس نے نہیں بنایا ہے یا عقد سے پہلے کا بنایا ہوا ہے اور طے شدہ شرائط کے مطابق ہے تو جائز ہے)۔

رہا جسے آرڈر دے رہا ہے، اس سے نفع حاصل کرنے کا مسئلہ تو وہ بھی اس وجہ سے درست ہوگا کہ یہ مستقل ایک علاحدہ عقد ہے جو عاقدین کی باہمی رضامندی سے منعقد ہوتا ہے۔

۶- بیعانہ کا حکم :

اگر مستصنع نے صانع کو ایک معقول رقم بطور بیعانہ کے دی، اور صانع نے آرڈر کے مطابق مال بھی تیار کیا لیکن مستصنع اس مال کے لینے سے مکر گیا، تو بیعانہ کی اس رقم کو واپس کرنا لازم ہوگا، اس وجہ سے کہ بیعانہ جزء قیمت ہوتا ہے جو بیع کے تام ہونے کی صورت میں قیمت کے ساتھ ضم ہو جاتا ہے۔ اگر بیع تام نہ ہو تو اس کا واپس نہ کرنا درست نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے "بیع عربان" سے منع فرمایا ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ رقمطراز ہیں :

"ونهى عن بيع العربان أن يقدم إليه شيئ من الثمن فإن اشترى حسب من الثمن وإلا فهو له مجاناً، وفيه معنى الميسر" (حجۃ اللہ البالغہ ۲/۱۰۸) (نبی اکرم ﷺ نے بیعانہ کی بیع سے منع فرمایا ہے، وہ یہ ہے کہ کچھ قیمت بائع کو پہلے دیدی جائے کہ اگر

خریداری ہوئی تو اسے قیمت میں شمار کرلیا جائے گا ورنہ مفت میں یہ اس کا ہو جائے گا۔ نیز اس میں جوئے کا مفہوم پایا جاتا ہے)۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے بصراحت تحریر فرمایا کہ عقد کے نہ ہونے کی صورت میں بیعانہ بہرحال واپس کردیا جائے گا۔ "یرد العربان إذا ترک العقد علی کل حال بالاتفاق" (بذل المجہود ۴/۲۸۷) (جب عقد ختم کردیا جائے تو بیعانہ بہر حالت میں بالاتفاق واپس کیا جائے گا)۔

البتہ اگر صانع نے آرڈر کے مطابق مال تیار کردیا ہو تو اس عقد کو لازم قرار دیا جائے گا، جو صانع مستصنع دونوں کے لئے یکساں طور پر بے ضرر ہوگا، جیسا کہ ابو یوسفؒ کی ایک رائے یہی ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے :

"روی عن أبی یوسف أنه لا خیار لهما جمیعاً, وجه روایة أبی یوسف إن الصانع قد أفسد متاعه وقطع جلده وجاء بالعمل علی الصفة المشروطة فلو کان للمستصنع الامتناع من أخذه لکان فیه إضرار بالصانع" (بدائع ۴/۹۶) (امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ دونوں کو اختیار نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ صانع نے اپنا سامان خراب کیا ہے اپنا چمڑا کاٹا ہے، اور مشروط صفت پر تیار کیا ہے، اس لئے اگر مستصنع کو نہ لینے کا اختیار ہو جائے تو اس میں صانع کو نقصان پہنچانا ہوگا)۔

امام ابو یوسفؒ کا یہی آخری قول ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے اس معاملے کے تمام پہلوؤں کا بنظر غائر جائزہ لینے اور صورت حال کی صحیح نوعیت جان لینے کے بعد اپنے سابقہ قول سے رجوع کر کے اس عقد کو لازم قرار دینے کا فیصلہ کیا، اور کہا کہ صانع کے لئے لازم ہے کہ مال تیار کرے اور مستصنع کے لئے ضروری ہے کہ اسے قبول کرے۔

آج کے معاملہ استصناع کو دیکھتے ہوئے اس عقد کو لازم قرار دینا ہی مناسب اور عاقدین کے لئے مفید معلوم ہوتا ہے، نیز تعامل ناس بھی یہی ہے۔

۷۔ اگر میٹریل مستصنع کا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

اگر مستصنع نے کسی چیز کے تیار کرنے کا آرڈر دیا اور اس کا میٹریل خود ہی فراہم کردیا تو یہ عقد استصناع نہیں بلکہ اجارہ ہے، اس لئے کہ استصناع کے لئے میٹریل اور عمل دونوں صانع کا ہونا چاہئے، اگر میٹریل مستصنع کا ہو تو وہ اجارہ ہو جائے گا، فتاوی عالمگیری میں ہے :

"الاستصناع أن یکون العین والعمل من الصانع فأما إذا کانت العین من المستصنع لا من الصانع فإنه یکون إجارة ولا یکون استصناعاً کذا فی المحیط" (۴/۵۱۷) (استصناع یہ ہے کہ سامان اور عمل دونوں صانع کے ہوں، البتہ اگر سامان، صانع کا نہیں، مستصنع کا ہو تو اجارہ ہوگا استصناع نہیں ہوگا محیط میں ایسے ہی ہے)۔

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع میں ہے

"فإن سلم إلی حداد حدیداً لیعمل له إناناً معلوماً بأجر معلوم أو جلداً إلی خفاف لیعمل له خفا معلوماً بأجر معلوم فذلک جائز ولا خیار فیه, لأن هذا لیس باستصناع بل هو استئجار فکان جائزاً" (۴/۹۶) (اگر کسی نے لوہار کو لوہا دیا کہ اس کے لئے فلاں برتن اتنی اجرت پر بنادے، یا موزہ ساز کو چمڑا دیا کہ اس طرح کا موزہ اتنی اجرت میں تیار کردے تو یہ جائز ہے، اور اس میں اختیار نہیں ہے، اس وجہ سے کہ یہ استصناع نہیں ہے بلکہ اجرت پر کام کرانا ہے، لہذا جائز ہوگا)۔

اور اگر سامان آرڈر کے مطابق نہ پایا جائے تو جس طرح عقد استصناع میں مستصنع (خریدار) کو رد کرنے کا اختیار ہوتا ہے، اسی طرح اس صورت میں بھی آرڈر دینے والے کو اس کا حق ہوتا ہے اسے رد کردے۔ علامہ ابن نجیم نے اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: "ولو دفع لرجل نحاساً وأمره أن يضرب له شيئاً من الأواني فضرب به له بخلافه فإنه يخير" (البحر الرائق ۸/۱۶) (اگر کسی آدمی نے کسی کو تانبا دیا اور اس سے کہا کہ ایک برتن بنادو اور اس نے اس کے برخلاف بنادیا تو اسے اختیار ہوگا)۔

اسی طرح یہ جزئیہ بھی موجود ہے:

"ولو دفع إلى نجار باباً وأمره أن ينقشه كذا ففعل غير ما أمره فله الخيار" (البحر ۸/۱۶) (اگر کسی نے بڑھئی کو دروازہ دیا اور اس سے کہا کہ اس طرح کا نقش و نگار بنادو اور اس نے اس کے برخلاف بنایا تو اس کو اختیار ہوگا)۔

آرڈر کے مطابق مال نہ پائے جانے کی صورت میں آرڈر دینے والے کے قبول کرنے اور نہ کرنے کے سلسلہ میں فتاوی عالمگیری میں ایک جامع تفصیل موجود ہے جو ہر پہلو کو محیط ہے:

"وإذا دفع حديداً إلى حداد ليصنعه عيناً أسماه بأجر مسمى فجاء به الحداد على ما أمر به صاحب الحديد فإنه لا خيار لصاحب الحديد ويجبر على القبول، ولو خالفه من حيث الجنس بأن أمره أن يصنع منه قدوماً فصنع له مراً ضمن له حديداً مثل حديده والإناء له ولا خيار لصاحب الحديد، وإن خالفه من حيث الوصف بأن أمره أن يصنع له قدوماً يصلح للنجار فصنع له قدوماً لكسر الحطب فصاحب الحديد بالخيار إن شاء ضمنه حديداً مثل حديده وترك القدوم ولا أجر له وإن شاء أخذ القدوم وأعطاه الأجر وكذلك الحكم في كل ما سلمه إلى كل صانع يصنع منه شيئاً أسماه" (فتاوی عالمگیری ۴/۵۱۹)۔

(اگر کسی نے لوہار کو لوہا دیا کہ اس سے فلاں سامان اتنی اجرت پر تیار کردے اور اس نے لوہا مالک کے کہنے کے مطابق سامان تیار کردیا تو لوہا کے مالک کو اختیار نہیں ہوگا، اس کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا، اور اگر اس نے لوہا مالک کی مخالفت، جنس کے اعتبار سے کی، بایں طور کہ اس نے اس سے بسولہ بنانے کو کہا، اور اس نے پھاوڑا بنایا تو وہ اس کے لوہے کی طرح کے لوہے کا ضامن ہوگا، برتن اس کا ہوگا، لوہا مالک کو اختیار نہیں ہوگا، اور اگر اس نے وصف کے اعتبار سے مخالفت کی، بایں طور کہ لوہا مالک نے بڑھئی کو بسولہ بنانے کو کہا، اور اس نے لکڑی توڑنے کی کلہاڑی بنادی تو لوہا مالک کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو اپنے لوہے کی طرح کے لوہے کا اس کو ضامن بنادے، اور کلہاڑی چھوڑ دے، اس کی کوئی اجرت نہیں ہوگی، اور اگر چاہے تو کلہاڑی لے لے اور اس کو اجرت دیدے، یہی حکم ہے ہر اس چیز کا جس کو کسی نے صانع کو متعین سامان بنانے کے لئے دیا ہو)۔

۸— مبیع کی حوالگی کی مقررہ تاریخ سے تاخیر کی صورت میں تاوان کا مسئلہ:

اگر عقد استصناع میں حوالگی کی تاریخ مقرر ہوجائے اور بائع اسے وقت پر فراہم نہ کرسکے، تو خریدار کے لئے اس کا تاوان لینا درست نہیں ہے، جیسا کہ فتاوی دار العلوم دیوبند میں ہے: "ہرجانہ کا لینا دینا خلاف شرع ہے" (۱۴/۳۱۸)۔

البتہ عاقدین کو چاہئے کہ جو شرائط باہم طے ہوئی ہیں، ان کا لحاظ رکھیں، اور حسب معاہدہ اپنے معاملات کو انجام دیں، شریعت میں ایفاء عہد کی بے حد تاکید آئی ہوئی ہے، ارشاد خداوندی ہے: "يا أيها الذين آمنوا أوفوا بالعقود" (المائدہ: ۱) (اے ایمان والو پورا کرو

عہدوں کو)۔

علامہ ابوبکر جصاص رازی اس آیت کے ذیل میں رقمطراز ہیں:

"العقود عقود المبايعات ونحوها فإنما أريد إلزام الوفاء بما ذكره وإيجابه عليه وهذا إنما يتناول منه ما كان منتظراً مراعى في المستقبل من الأوقات فيسمى البيع والنكاح والإجارة وسائر عقود المعاوضات عقوداً، لأن كل واحد منهما قد ألزم نفسه التمام عليه والوفاء به" (احکام القرآن ۲ر۲۹۴)۔

(عقود سے مراد بیع وشراء وغیرہ کے عقود ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ باتوں کے پورا کرنے کو لازم وضروری قرار دیا جائے، اس میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کا مستقبل میں انتظار ولحاظ کیا جاتا ہے، چنانچہ بیع، نکاح، اجارہ، اور تمام عقود ومعاوضات کو عقد کہا جائے گا، اس وجہ سے کہ عاقدین میں سے ہر ایک نے اپنے اوپر اس کے مکمل ہونے اور اس کے پورا کرنے کو لازم کرلیا ہے)۔

اس لئے اگر صانع سامان تیار کرنے میں ضرورت سے زیادہ تاخیر کردے، جس سے مستصنع کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے اور نتیجتاً نقصان اٹھانا پڑے تو مستصنع کو اختیار ہوگا کہ اس عقد کو باقی رکھے یا اسے فسخ کردے، گویا کہ صانع غیر ضروری تاخیر کر کے حسب شرائط سامان تیار کرنے اور اس کو مستصنع کے حوالہ کرنے سے قاصر رہا، جس کا مقتضی یہ ہے کہ مستصنع کے ہاتھ میں اختیار رہے، تاکہ اپنے ضرر کا ازالہ کرسکے۔

اس سلسلے میں بہتر ہوگا کہ جملہ شرائط لکھ لی جائیں تاکہ منازعت کی کوئی صورت پیدا نہ ہوسکے، معاملات میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ "مفضي إلى النزاع" صورتوں کا سد باب کیا جائے اور ان تمام دروازوں کو بند کردیا جائے جن سے نزاعی صورت حال کے رونما ہونے کا امکان ہو۔ هذا ما عندي والله أعلم بالصواب۔

عقد استصناع کے مسائل

مولانا ابوسفیان مفتاحی ☆

ا ۔ وباللہ التوفیق۔ عقد استصناع کے سلسلہ میں اصول مندرجہ ذیل ہیں :

ا ۔ شیئ مصنوع کی جنس، مثلاً لوہا، لکڑی کا بیان کر دینا اور واضح کر دینا ہے، اور اس کی نوع وقسم مثلاً لوہا کا دروازہ اس نوع کا واضح کرنا شرط ہے، اور اس کی مقدار مثلاً لمبائی، چوڑائی اور گولائی کو واضح کر دینا شرط ہے، اور اس کی صفت اور ڈیزائن مثلاً محراب نما کا واضح کر دینا شرط ہے، اس لئے کہ شیئ مصنوع اس کے بغیر معلوم نہ ہوگی بلکہ مجہول رہے گا۔

۲ ۔ شیئ مصنوع ایسی چیز ہونی چاہئے جس میں لوگوں کے درمیان تعامل جاری ہو، مثلاً لوہا اور رانگا اور پیتل اور شیشہ کے برتن اور موزے چمڑہ کے اور جوتے اور لوہے کی لگام چوپایوں کے لئے اور تلوار کی دھار اور چھریاں اور کمان اور تیر اور تمام ہتھیار اور طشت و پلیٹ اور لگن اور قمقمہ اور ان کے مثل، اور جائز نہیں ہے عقد استصناع کپڑوں میں، کیونکہ قیاس اس کے جواز کا انکار کرتا ہے، اور عقد استصناع کا جائز ہونا استحساناً لوگوں کے تعامل کی وجہ سے ہے اور کپڑوں میں تعامل نہیں ہے۔

۳ ۔ اس عقد استصناع میں مدت کی تعیین نہ ہو، پس اگر استصناع کے لئے مدت متعین کر دی جائے تو بیع سلم ہو جائیگی، یہاں تک کہ اس میں شرائط سلم کا اعتبار ہوگا اور وہ بدل کا قبضہ کرنا مجلس میں اور اس میں دونوں میں سے کسی کو اختیار نہ ہوگا جب صانع حوالہ کر دے شیئ مصنوع کو اس طریقہ پر جس پر سلم میں شرط لگائی گئی ہے، اور یہ قول ہے امام ابوحنیفہ کا اور امام ابو یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں کہ بدل کا قبضہ کرنا مجلس میں شرط نہیں ہے اور وہ ہر حال میں عقد استصناع ہوگا اس میں مدت متعین کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو، اور اگر استصناع کے لئے مدت متعین کر دی گئی ہے جس میں استصناع جائز نہیں ہے، جیسے کپڑے اور اس کے مثل تو سب کے یعنی ائمہ ثلاثہ کے قول پر سلم ہوگا۔

اور حضرات صاحبین کے قول کی وجہ یہ ہے کہ عادت جاری ہے عقد استصناع میں مدت بیان کرنے کی اور اس سے مقصد فقط کام جلدی کرانا ہے مطالبہ کی تاخیر نہیں ہے، لہذا اس کی وجہ سے عقد استصناع ہونے سے خارج نہ ہوگا یا کہا جائے گا کہ کبھی مدت متعین کرنے سے مقصد مطالبہ کی تاخیر ہوتی ہے اور کبھی تعجیل عمل پس عقد استصناع اپنے موضوع سے نہ خارج ہوگا شک سے اور احتمال سے، برخلاف اس کے جو استصناع کا احتمال نہیں رکھتا، کیونکہ جو استصناع کا احتمال نہیں رکھتا اس میں مدت متعین کرنے سے تعجیل عمل مقصد نہیں ہوتی پس متعین ہو گیا کہ جو دین کے مطالبہ کی تاخیر کے لئے اور یہ سلم سے ہوتا ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کے لئے دلیل یہ ہے کہ جب اس میں مدت متعین کر دی جائے تو سلم کے معنی میں آتا ہے، اس لئے کہ سلم عقد ہے

☆ صدر مدرس جامعہ مفتاح العلوم مئو۔

مبیع پر ذمہ میں مقررہ مدت کے ساتھ اور اعتبار عقود میں ان کے معانی کا ہے نہ کہ الفاظ کی صورتوں کا جیسے بیع منعقد ہوتی ہے لفظ تملیک سے اور اسی طرح اجارہ اور اسی طرح نکاح ہماری اصل پر، اسی لئے سلم ہوگا جس میں استصناع کا احتمال نہیں ہے، اسی طرح یہ ہے اور اس لئے کہ مدت متعین کرنا مخصوص ہے دیون کے ساتھ، اس لئے کہ وہ موضوع ہے تاخیر مطالبہ کے لئے، اور تاخیر مطالبہ اس عقد میں ہوتا ہے جس میں مطالبہ ہونا ہے اور وہ سلم میں ہے، اس لئے کہ استصناع میں دین نہیں ہوتا اسی لئے دونوں میں سے ہر ایک کے لئے عمل سے انکار کا اختیار ہوتا ہے بالاتفاق۔ پھر یہ عقد جب سلم ہوگیا تو اس میں شرائط سلم کی رعایت کی جائے گی تو اگر شرائط پائی جائیں گی تو صحیح ورنہ نہیں، واللہ اعلم بالصواب (بدائع الصنائع ۵/ ۳)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ موجودہ دور میں لوہا، رانگا، پیتل، شیشہ، چمڑے کا موزہ، جوتے، لوہے کی لگام چوپایوں کے لئے، اور تلواروں کی دھار، چھریاں، کمان، تیر، نیزہ، تمام ہتھیار، طشت و پلیٹ ولگن، اور قمقمہ وغیرہ اس طرح کی اشیاء میں عقد استصناع جاری ہوسکتا ہے، اور اس سلسلہ میں تین اصول مذکور ہیں، واللہ اعلم۔

۲— وباللہ التوفیق : استصناع کی بیع ہونے نہ ہونے کے سلسلہ میں اختلاف ہے بعض لوگ اسے مواعدہ کہتے ہیں اور بیع نہیں کہتے اور بعض نے کہا وہ بیع ہے لیکن مشتری کے لئے اس میں اختیار ہے، اور یہی صحیح ہے اس دلیل سے، امام محمدؒ نے ذکر کیا ہے اس کے جائز ہونے میں قیاس واستحسان، جو وعدوں میں نہیں ہوتا، اور اس طرح انہوں نے ثابت کیا ہے اس میں خیار رویت کو اور وہ بیعوں کے ساتھ خاص ہے اور اس طرح اس میں تقاضا جاری ہوتا ہے اور تقاضی واجب کا کیا جاتا ہے نہ کہ وعدہ کا۔

پھر بیع اس نوع کے سلسلہ میں ان کی عبارتیں مختلف ہیں، بعض نے کہا وہ عقد ہے مبیع پر ذمہ میں، اور بعض نے کہا وہ عقد ہے مبیع پر ذمہ میں، اس میں عمل شرط ہے، بیع کے قول کی وجہ یہ ہے کہ صانع اگر عین کو حاضر کردے تو ہوگا، اس کا عمل عقد سے پہلے اور اس سے راضی ہو بنوانے والا تو جائز ہے، اور اگر نفس عقد میں عمل کی شرط ہو تو جائز نہیں، کیونکہ شرط واقع ہوگی آئندہ میں عمل پر نہ ماضی میں اور صحیح آخری قول ہے، اس لئے کہ استصناع بنانے کو طلب کرنا ہے تو جس میں عمل کی شرط نہیں وہ استصناع نہیں ہوگا، پس نام کا نفاذ اس پر دلیل ہوگا اور اس لئے کہ مبیع پر ذمہ میں عقد کو سلم کا نام دیا جاتا ہے اور اس عقد کا نام استصناع دیا جاتا ہے اور ناموں کا اختلاف معانی کے اختلاف کی دلیل ہے اصل میں۔

اور جب بنانے والا لادے اپنی عین کاری گری کو عقد سے پہلے اور اس سے راضی ہے بنوانے والا تو یہ جائز ہے نہ پہلے عقد سے بلکہ دوسرے عقد سے اور وہ آپسی رضامندی سے دینا لینا ہے، واللہ اعلم (بدائع الصنائع ۵/ ۲)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عقد استصناع قول صحیح میں بیع ہے لیکن اس میں خریدار کو خیار ہے، واللہ اعلم۔

۳— وباللہ التوفیق : قیاس کا تقاضا ہے کہ عقد استصناع جائز نہ ہو کیونکہ وہ بیع معدوم ہے سلم کے طریقہ پر اور رسول اللہ ﷺ نے معدوم کی بیع سے منع فرمایا ہے اور سلم میں رخصت دیا ہے، اور عقد استصناع استحساناً جائز ہے لوگوں کے اجماع کی وجہ سے، اس پر اس لئے کہ لوگوں نے تمام زمانوں میں یہ استصناع کا عمل کرتے ہیں بغیر کسی نکیر کے، اور نبی ﷺ نے فرمایا کہ میری امت گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس عمل کو تمام مسلمان اور ان کے علماء اچھا و حسن سمجھیں تو وہ اللہ کے نزدیک حسن واچھا ہے، اور جس عمل کو تمام

مسلمان اوران کے علماء قبیح و برا جانیں تو وہ اللہ تعالی کے نزدیک قبیح و برا ہے، اور قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے اجماع امت سے، اور اسی لئے قیاس کو چھوڑا ہے اجرت کے ساتھ حمام میں داخل ہونے میں بغیر مدت کے بیان کئے ہوئے اور بغیر اس پانی کی مقدار کے بیان کئے ہوئے جو وہ استعمال کرے گا، اور مشکیزہ سے پانی پینے والے حصوں میں بغیر مشروب کی مقدار کے بیان کئے ہوئے، اور سبزی و ترکاری کی خریداری میں اور اس طرح معمولی و حقیر چیزوں کے خریدنے میں بغیر مقدار کے بیان کئے ہوئے جائز ہے تو اسی طرح یہ بھی، اور اس لئے کہ ضرورت مجبور کرتی ہے اس کی طرف اس لئے کہ انسان کبھی ضرورت سمجھتا ہے چمڑے کے موزے یا جوتے کو مخصوص چمڑے کی جنس سے اور مخصوص قسم سے مخصوص مقدار پر اور مخصوص صفت و ڈیزائن پر اور بہت کم اتفاق پڑتا ہے اس کے پانے کا بنایا ہو بغیر آرڈر کے تو ضرورت سمجھتا ہے یہ کہ بنوائے پس اگر جائز نہ ہو تو لوگ حرج و تنگی میں پڑ جائیں گے، اور اس معدوم کو موجود کے ساتھ ملحق کر دیا گیا ہے اس کی جانب ضرورت و حاجت پڑنے کی وجہ سے اس میں بیع سلم کی طرح تو یہ معدوم کی بیع نہیں ہوئی مطلقاً، اور اس لئے کہ اس میں دو عقد جائز کا معنی ہے (۱) سلم، (۲) اجارہ، کیونکہ سلم عقد ہے مبیع پر ذمہ میں، اور کاریگر کا اجرت پر لینا اس میں عمل و کام کی شرط لگائی جاتی ہے، اور جو دو عقد جائز کے معنی پر شامل ہو وہ جائز ہوگا، واللہ اعلم، (بدائع الصنائع ۵/ ۲-۳)۔

تو مبیع مصنوع کے وجود میں آنے سے پہلے وہ اسے کسی اور سے اور پھر یہ دوسرا خریدار کسی تیسرے شخص سے فروخت کرسکتا ہے عقد استصناع کے جائز ہونے کی وجہ سے، اور سلسلہ وار بیع کی تمام صورتیں مبیع معدوم سے مستثنی ہوں گی، اور جو آج کل فلیٹس کی خرید و فروخت میں کثرت ایسی بات پیش آتی ہے وہ درست ہوگی، شرعاً استحساناً، واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صورت مسئولہ جائز ہے شرعاً استحساناً، واللہ اعلم۔

۴— و باللہ التوفیق : استصناع کا تعلق اموال منقولہ کے ساتھ اموال غیر منقولہ جیسے بلڈنگ وغیرہ سے بھی ہے، آج کل کے تعامل نام کی وجہ سے اور تعامل ہر زمانے کا معتبر ہے، واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ استصناع کا تعلق اموال غیر منقولہ بلڈنگ وغیرہ سے بھی ہے، واللہ اعلم۔

۵— و باللہ التوفیق : اسلامی مالیاتی ادارے استصناع کو بطور استثمار استعمال کرنے کے لئے ایک ایسا طریقہ اختیار کرتے ہیں جسے وہ استصناع موازی یا متوازی کہتے ہیں، یہ معاملہ بنیادی طور پر تین فریقوں کے درمیان ہوتا ہے، جس میں مالیاتی ادارہ کی حیثیت درمیانی فریق کی ہوتی ہے، ادارہ ایک شخص سے آرڈر حاصل کرتا ہے اور دوسرے شخص کو خود آرڈر دے دیتا ہے اور دونوں کی قیمت میں ایسا فرق رکھتا ہے کہ پہلے شخص سے جو زیادہ رقم حاصل ہو وہ اس کا نفع ہو جائے۔ تو اس صورت میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے، چنانچہ صاحب بدائع (۵/ ۳) پر لکھتے ہیں :

اور استصناع کی صفت اور صورت تو وہ عقد غیر لازم ہے عمل سے پہلے جانبین میں اجماعاً بغیر خلاف کے یہاں تک کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے انکار کا اختیار رہتا ہے عمل سے پہلے جیسے وہ بیع جس میں خیار کی شرط لگائی گئی ہے بائع و مشتری کے لئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو فسخ کرنے کا اختیار ہے، اس لئے کہ قیاس چاہتا ہے کہ جائز نہ ہو دلیل مذکور کی وجہ سے اور ہم نے اس کے جواز کو جانا ہے استحساناً لوگوں کے تعامل کی وجہ سے تو اس کا لزوم باقی رہے گا اصل قیاس پر۔

اور عمل سے فارغ ہونے کے بعد آرڈر دینے والے کے دیکھنے سے پہلے تو اسی طرح سے یہاں تک کہ کاریگر کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کو جس کو چاہے بیچے ایسے ہی اصل میں مذکور ہے، اس لئے کہ عقد نہیں ہوا ہے عین معمول پر بلکہ اس کے مثل پر ذمہ میں اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ اگر وہ خریدے دوسری جگہ سے اور اس کو حوالہ کردے تو جائز ہے، اور اگر اس کو بنانے والا بیچے اور آرڈر دینے والا چاہے کہ بیع کو توڑ دے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے اور اگر اس کو ہلاک کردے دیکھنے سے پہلے تو وہ بائع کی طرح ہے جب وہ ہلاک کردے مبیع کو حوالہ کرنے سے پہلے ایسا ہی کہا ہے امام ابو یوسفؒ نے۔

پھر جب حاضر کردے بنانے والا عین کو مشروط صفت پر تو بنانے والے کا خیار ساقط ہوگا، اور آرڈر دینے والے کے لئے خیار رہے گا، کیونکہ بنانے والا بائع جب کہ نہیں دیکھا ہے اس کو تو اس کے لئے خیار نہ ہوگا اور آرڈر دینے والا چونکہ خریدار ہے اس کا جس کو دیکھا نہیں ہے تو اس کے لئے خیار ہوگا اور یہ ہوا ہے اس طرح اس لئے کہ معقود علیہ اگرچہ حقیقۃً معدوم ہے تو اس کو شامل کیا گیا ہے موجود کے ساتھ تاکہ عقد کے جواز کا قول ممکن ہو جائے، اور اس لئے کہ خیار ثابت تھا دونوں کے لئے حاضر کرنے سے پہلے اس لئے کہ ہم نے ذکر کیا کہ عقد غیر لازم ہے تو بنانے والے نے حاضر کرنے سے اپنے خیار کو ساقط کردیا تو آرڈر دینے والے کا خیار اپنے حال پر باقی رہا، اس بیع کی طرح جس میں عاقدین کے لئے شرط خیار لگائی گئی ہے جب ایک نے اپنے خیار کو ساقط کردیا تو دوسرے کا خیار باقی رہے گا اس طرح یہ بھی ہے یہ ائمہ ثلاثہ ابوحنیفہ وابو یوسف اور محمد سے ظاہر الروایت کا جواب ہے، اور امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کے لئے خیار ہے، اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ دونوں میں کسی کے لئے خیار نہیں ہے۔

امام ابو یوسفؒ سے روایت کی وجہ یہ ہے کہ بنانے والے نے اس کا سامان خراب کردیا ہے اور اس کا چمڑا کاٹ دیا ہے اور کام لایا ہے مشروط صفت پر تو اگر آرڈر دینے والے کے لئے اس کے لینے سے انکار ہو تو ہوگا اس میں بنانے والے کو نقصان پہنچانا برخلاف اس کے کہ اس نے چمڑے کو کاٹا ہے اور کام نہیں کیا تو آرڈر دینے والے نے کہا کہ میں نہیں چاہتا اس لئے کہ ہم نہیں جانتے کہ کام ہوا ایسے مشروط صفت پر یا نہیں تو اس کی طرف سے انکار بنانے والے کو نقصان پہنچانا نہیں ہے تو ثابت ہوگا خیار۔

امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی وجہ یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کے اختیار دینے میں اس سے نقصان کو دور کرنا ہے اور یہ کہ واجب ہے، اور صحیح ظاہر الروایت کا جواب ہے اس لئے کہ بنانے والے کے لئے خیار ثابت کرنے میں وہی ہے جس کے لئے استصناع مشروع ہوا ہے اور آرڈر دینے والے کی حاجت وضرورت کو دور کرنا ہے کیونکہ جب ثابت ہوا بنانے والے کے لئے تو جو بھی اس سے فرع ہوگا اس کا تابع ہوگا آرڈر دینے والے کے علاوہ سے تو آرڈر دینے والے کی حاجت وضرورت دور نہ ہوگی، اور امام ابو یوسفؒ کا قول یہ ہے کہ بنانے والا نقصان اٹھائے گا خیار کے ثابت کرنے سے آرڈر دینے والے کے لئے تو یہ قبول تو تسلیم ہے اور لیکن آرڈر دینے والے کا نقصان خیار کے باطل کرنے سے بنانے والے کے نقصان سے بڑھ کر ہے خیار کے ثابت کرنے سے آرڈر دینے والے کے لئے اس لئے کہ شئ مصنوع جب اسی کے مناسب نہیں ہے اور اس سے مطالبہ کیا گیا اس کے ثمن کا تو ممکن نہ ہوگا اس کو شئ مصنوع کا بیچنا دوسرے کو اس کے مثل کی قیمت سے اور معذور نہ سمجھا جائے گا یہ بنانے والے پر اس کے زیادہ تجربہ کی وجہ سے اور اس کے تیار رہنے کی وجہ سے اس کے لئے، اور اس لئے کہ آرڈر دینے والا جب اس کے ثمن کا تاوان دے گا اور اس کی حاجت وضرورت پوری نہ ہوگی تو انہیں حاصل ہوگا وہ جس کے لئے استصناع مشروع ہوا

ہے اور اس کی حاجت وضرورت کا پورا ہونا ہے لہٰذا ضروری ہے، اس کے لئے خیار کو ثابت کرنا، واللہ سبحانہ وتعالیٰ ھو الموفق۔

پس اگر لوہار کو دے لوہا تا کہ اس کے لئے معلوم برتن بنائے معلوم اجرت سے، یا چمڑا دے موزہ بنانے والے کو تا کہ بنائے اس کے لئے معلوم موزہ معلوم اجرت سے تو یہ جائز ہے اور اس میں کوئی خیار نہیں، کیونکہ یہ استصناع نہیں بلکہ یہ اجرت پر لینا ہے تو جائز ہوگا پس اگر بنا دے ویسا جیسا حکم دیا ہے تو اجرت کا مستحق ہوگا اور اگر خراب کر دے تو اس کے لئے ضمان میں اس کے مثل لوہا دینا ہوگا کیونکہ جب اس نے اس کو خراب کر دیا تو گویا اس نے اس کے لئے لوہا لیا اور بنائے گا اس سے برتن اس کی اجازت کے بغیر، اور برتن بنانے والے کا ہوگا اس لئے کہ ضمان والی چیزیں مالک بناتی ہیں ضمان سے، واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے لہٰذا درست ہے، اور ظاہر الروایہ کا جواب صحیح ہے، واللہ اعلم۔

۲ — وباللہ التوفیق : عقد استصناع بعض دفعہ صانع کو ایک مناسب رقم بطور بیعانہ کے دینی پڑتی ہے، اگر صانع (بائع) سے آرڈر کے مطابق مال تیار کر دے لیکن خریدار اس کو لینے سے مکر جائے تو بائع صانع تو اس رقم میں سے اتنی ضبط کر سکتا ہے جتنے میں اپنے نقصان کی تلافی کر سکے اگر کل رقم سے تلافی ہو سکتی ہے تو کل کو ضبط کر سکتا ہے، اگر کم سے تلافی ہو سکتی ہے تو زائد کو واپس کر دے، چنانچہ صاحب بدائع (۵/۳) میں لکھتے ہیں :

"اور صانع کے عمل سے فارغ ہونے کے بعد آرڈر دینے والے کے دیکھنے سے پہلے بھی یہ عقد غیر لازم ہے یہاں تک کہ صانع بائع کے لئے جائز ہے کہ اس کو بیچے جس کو چاہے ایسے ہی اصل میں مذکور ہے کیونکہ عقد عین معمول پر نہیں ہوا ہے بلکہ اس کے مثل پر ہوا ہے ذمہ میں، اور اگر اس سے صانع بیچ دے اور آرڈر دینے والا بیع کو توڑنا چاہے تو یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے، ایسا ہی کہا ہے امام ابو یوسفؒ نے، پھر جب صانع عین کو مشروط صفت پر حاضر کر دے تو صانع کا خیار ساقط ہوگا اور آرڈر دینے والے کے لئے خیار ہوگا کیونکہ صانع بیچنے والا ہے اس کو جس کو دیکھا نہیں ہے تو اس کے لئے خیار نہیں ہے، اور آرڈر دینے والا تو خریدار ہے اس کا جس کو دیکھا نہیں ہے تو ہوگا اس کے لئے خیار اور یہ ایسا اس لئے ہے کہ معقود علیہ اگر چہ حقیقۃً معدوم ہے لیکن اس کو شامل کیا گیا ہے موجود کے ساتھ تا کہ جواز عقد کا قول ممکن ہو سکے، اور اس لئے کہ خیار ثابت تھا دونوں کے لئے حاضر کرنے سے پہلے اس لئے کہ عقد لازم نہیں ہے تو صانع نے حاضر کرنے سے اپنے خیار کو ساقط کر دیا ہے تو آرڈر دینے والے کا خیار اپنے حال پر باقی رہے گا اس بیع کی طرح جس میں خیار کی شرط ہے عاقدین کے لئے جب ان دونوں میں سے ایک نے یعنی صانع نے اپنے خیار کو ساقط کر دیا تو دوسرا یعنی آرڈر دینے والے کا خیار باقی رہے گا، یہ ائمہ ثلاثہ ابوحنیفہ وابو یوسف ومحمد سے ظاہر الروایہ کا جواب ہے اور صحیح یہی ہے، اس لئے کہ صانع کے لئے خیار ثابت کرنے میں وہی بات ہے جس کے لئے استصناع کو مشروع کیا گیا ہے اور وہ آرڈر دینے والے کی حاجت وضرورت کو پوری کرنا ہے، اس لئے کہ جب صانع کے لئے خیار ثابت ہوا تو ہر وہ چیز جو اس کی فرع ہوگی وہ تابع ہوگی اس کو آرڈر دینے والے کے علاوہ سے تو آرڈر دینے والے کی حاجت وضرورت پوری نہ ہوگی، واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ خریدار یعنی آرڈر دینے والے کے مکر نے کی صورت میں تو بائع اس رقم میں سے اتنی رقم ضبط کر سکتا ہے جتنے میں اس کے نقصان کی تلافی ہو سکتی ہے اگر کل رقم میں تلافی ہو سکتی ہے تو کل کو ضبط کر سکتا ہے اگر کم میں تلافی ہو سکتی ہے تو زائد کو واپس کرنا ہوگا، واللہ اعلم۔

۷— وباللہ التوفیق : اگر کسی چیز کا آرڈر دیا جائے مصنوع کے لئے موجودہ میٹریل خود خریدار فراہم کردے تو یہ عقد اجارہ کے میں ہوگا، چنانچہ بدائع (۵ر ۴) میں ہے :

اگر لوہار کو لوہا دیا جائے تا کہ اس کے لئے معلوم برتن بنائے معلوم اجرت سے، یا چمڑا دے موزہ بنانے والے کو تا کہ اس کے لئے موزہ بنائے معلوم موزہ معلوم اجرت سے تو یہ جائز ہے اور اس میں خیار نہ ہوگا، کیونکہ یہ استصناع نہیں بلکہ استجارہ ہے تو جائز ہوگا تو اگر آرڈر کے مطابق کام کیا تو اجرت کا مستحق ہوگا اور اگر خراب کر دیا تو اس کے مثل لوہا ضمان میں دے گا کیونکہ جب اس نے اس کو خراب کر دیا تو گویا اس نے اپنے لئے لوہا لیا اور اس سے برتن بنایا بغیر اس کی اجازت کے اور برتن ہوگا صانع کا، کیونکہ ضمان والی چیزیں ضمان سے ملکیت میں آتی ہیں، واللہ اعلم۔

اس صورت میں اگر آرڈر دینے والے کے آرڈر کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے تو صانع سے اس کا جرمانہ وصول کرسکتا ہے، کذا فی البدائع (۵ر ۴)، واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں یہ عقد اجارہ ہے، اور آرڈر کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے صانع سے اس کا جرمانہ وصول کرنا جائز ہوگا، واللہ اعلم۔

۸— وباللہ التوفیق : عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی تاریخ مقرر ہو جائے، مگر بائع اسے وقت پر فراہم نہ کر پائے، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تاریخ مقرر کرنے کی وجہ سے یہ عقد سلم ہوگا اس میں شرائط سلم معتبر ہوگی اور وہ مجلس میں بدل کا قبضہ کرنا ہے اور اس میں کسی کے لئے خیار نہ ہوگا اور جس صورت میں عقد استصناع احتمال نہ ہو تو وہ عقد سلم ہوگا ایسے ہی یہ بھی ہے اور اس لئے کہ تاریخ کا تقرر دیون کے ساتھ خاص ہوتا ہے، کیونکہ تاریخ تاخیر سے مطالبہ کے لئے مقرر کی گئی ہے اور تاخیر سے مطالبہ اسی عقد میں ہوتا ہے جس میں مطالبہ ہوتا ہے اور وہ عقد سلم ہی ہے، کیونکہ استصناع میں ایسا نہیں ہوتا، پھر جب یہ عقد سلم ہو گیا تو اس میں شرائط سلم کی رعایت ہوگی تو اگر شرائط پائی جائیں تو عقد سلم صحیح ہے، ورنہ نہیں، (کذا فی البدائع ۵ر ۳)، واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں تاریخ مقرر ہونے کی وجہ سے یہ عقد سلم ہو گیا اور شرائط سلم معتبر ہوگی اگر وہ پائی جائیں گی تو عقد سلم صحیح ہے ورنہ نہیں اور اس دوسری شق میں خریدار اس کا تاوان وصول کرسکتا ہے، واللہ اعلم۔

وما توفیقی إلا باللہ علیہ توکلت وإلیہ أنیب، وکفی باللہ شهیدا، والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ۔

عقد استصناع سے مربوط مسائل واحکام

مفتی انور علی اعظمی ☆

۱- استصناع بیع کی ایک ایسی قسم ہے، جس میں عقد بیع سامان کے وجود میں آنے سے پہلے ہوتا ہے۔ استصناع کا معنی ہے آرڈر دے کر کوئی سامان تیار کرانا، اگر تیار کرنے والا خام مال اپنے پاس سے لگا کر خریدار کے لئے سامان تیار کرنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے تو یہ عقد استصناع ہے، لیکن یہ خوب یادر ہے کہ استصناع کے صحیح ہونے کے لئے فریقین کی رضامندی کے ساتھ قیمت طے کرنا ضروری ہے اور اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ مطلوبہ سامان کے ضروری اوصاف طے کر لئے جائیں۔

فقہاء نے استصناع کی بنیاد تعامل پر رکھی ہے، جن چیزوں میں لوگ استصناع کا عمل کرتے ہیں، ان میں اس کو جائز کہا اور جن چیزوں میں استصناع کا عمل نہیں کرتے تھے ان میں استصناع کو ناجائز کہا۔ درمختار میں ہے : (والاستصناع فیما فیہ تعامل) الناس کخف وقمقمة وطست (ولم يصح فيما لم يتعامل فيه كثوب إلا بأجل كمامر) (رد المحتار علی الدر المختار ۷/ ۴۹۵-۴۹۷)۔

لیکن اس زمانے میں استصناع بہت ساری چیزوں میں جاری ہے، اس لئے لوگوں کے تعامل کو دیکھتے ہوئے عقد استصناع کے دائرے کو وسیع کرنے کی پوری پوری گنجائش ہے۔ ریڈیمیڈ کپڑے کی دوکان کرنے والے اپنی منشاء کے مطابق ہر طرح کے کپڑے تیار کراتے ہیں، فلیٹ خریدنے والے اپنی منشاء کے مطابق بلڈروں سے فلیٹ تیار کراتے ہیں۔ ساڑیاں بیچنے والے اپنی منشاء کے مطابق ڈیزائنیں دے کر ساڑیاں تیار کراتے ہیں۔ مکان بنانے والا بڑھئی کو آرڈر دے کر اپنی خواہش کے مطابق دروازے جنگلے تیار کراتا ہے۔ زیور بنوانے والا ڈیزائن دیکھا کر سنار سے زیور تیار کراتا ہے۔ لہذا ان تمام صورتوں میں عقد استصناع درست ہوگا۔

۲- استصناع خود بیع ہے یا وعدہ بیع؟

ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ استصناع کو عقد لازم یعنی بیع نہیں مانتے، بلکہ اسے محض ایک وعدہ کہتے ہیں، مثلاً ایک شخص نے کسی سے کہا : تم فلاں چیز بنا دو، تو اس صورت میں آرڈر دینے والا مستصنع ہے اور جس نے آرڈر قبول کیا ہے وہ صانع ہے، گویا مستصنع نے صانع سے مطلوبہ سامان بنانے کی درخواست کی ہے، اور صانع نے یہ وعدہ کیا ہے کہ میں تمہارے لئے یہ سامان بنا دوں گا، مستصنع صانع کو بنانے پر مجبور نہیں کرسکتا۔ اسی طرح سے اگر صانع نے وہ چیز تیار کر دیا تو مشتری کو اختیار ہے، چاہے خریدے یا نہ خریدے، کیونکہ عقد منعقد نہیں ہوا ہے، لہذا اگر مشتری کہے کہ میں یہ سامان نہیں خریدتا تو صانع اس کو خریدنے پر مجبور نہیں کرسکتا، بلکہ اسے دوسرا خریدار تلاش کرنا ہوگا، یہ ائمہ ثلاثہ کا مسلک ہے (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/ ۶۴)۔

☆ دار العلوم مئو (یوپی)۔

جب کہ احناف کے یہاں استصناع خود بیع ہے، وعدہ بیع نہیں ہے۔

(صح) الاستصناع (بیعا لا عدة) علی الصحیح (ردالمحتار علی درمختار ۷/۴۶۵، ہدایہ ثالث ۳/۸۴) میں ہے : الصحیح أنه یجوز بیعا لا عدة۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک استصناع عقد ہے اوراس کے ذریعہ بیع بھی ہوجاتی ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عقد استصناع کو بیع ماننے کے باوجود مشتری کو خیار رویت حاصل ہوگا، یعنی جب وہ چیز بن کر تیار ہوگی تو دیکھنے کے بعد اگر چاہے تو اس عقد کو باقی رکھے یا چاہے تو اس کو فسخ کردے۔ مشتری کو خیار رویت ملنا عقد کے منافی نہیں ہے، کیونکہ خیار رویت بیع تام ہونے کے بعد بھی ملتا ہے، الہذا یہاں بھی بیع تام ہے، اس لئے اس کو خیار رویت حاصل ہوگا۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں : یہ دیکھا جائے گا کہ عقد کے اندر جو شرائط طے کی گئی تھیں اور بیع کے جو اوصاف مشتری کی طرف سے بتائے گئے تھے، یہ ساری باتیں طے شدہ معاملہ کے مطابق ہیں کہ نہیں، اگر بنانے والے نے ان مواصفات کے مطابق سامان بنا کر دیا ہے تو پھر مشتری کو خیار رویت حاصل نہیں ہوگا، البتہ اگر ان اوصاف کے مطابق نہ بنایا ہوتو بے شک اس کو خیار حاصل ہوگا چاہے تو رد کردے یا چاہے تو قبول کرے۔ وذهب أبو یوسف إلی أنه إن تم صنعه وكان مطابقا للأوصاف المتفق علیها یكون عقدا لازما، وأما إن كان غیر مطابق لها فهو غیر لازم عند الجمیع لثبوت خیار فوات الوصف (فتح القدیر ۲/۳۵۵–۳۵۶)۔

امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ جب بیع ہوگی، بیع کے سارے قواعد اس پر جاری ہوں گے، اور بیع کے قواعد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مشتری کو سامان دیکھنے کے بعد خیار رویت ملتا ہے۔ امام ابو یوسفؒ کا کہنا یہ ہے کہ دوسری بیع میں اور استصناع میں بڑا فرق ہے۔ دوسری بیع میں سامان تاجر کے پاس عام طور پر موجود ہوتا ہے اور مشتری جا کر خریدتا ہے، ایسا نہیں ہوتا کہ وہ مشتری کے آرڈر پر سامان بنائے، اس لئے دوسری بیعوں میں دیکھنے کے بعد سامان نہ خریدنے سے بائع کو کوئی زیادہ نقصان نہیں ہوتا، لیکن استصناع کی صورت میں بائع نے مشتری کے آرڈر پر اس کے بیان کردہ اوصاف کے مطابق سامان تیار کیا ہے، الہذا اگر مشتری اپنا خیار رویت استعمال کر کے سامان لینے سے انکار کردے تو بائع کو بہت نقصان ہوگا اور کوئی ضروری نہیں ہے کہ اس مشتری کے بیان کردہ اوصاف کے مطابق جو سامان صانع نے تیار کیا ہے وہ دوسرے خریداروں کی منشاء کے مطابق ہو، اس لئے بائع کو ضرر سے بچانے کے لئے امام ابو یوسفؒ کا قول زمانہ کے حالات سے زیادہ مناسب ہے، اس لئے خلافت عثمانیہ میں اسی قول کو علماء نے فتوے کے لئے اختیار کیا (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/۶۷)۔

ائمہ ثلاثہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اگرچہ استصناع کو عقد لازم نہیں مانتے بلکہ محض ایک وعدہ کہتے ہیں، لیکن موجودہ حالات میں مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ میں بھی اس عقد کو معتبر مانتے ہیں، اور امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں (۴/۶۹ حوالہ مذکورہ)۔

۳— عقد استصناع میں خریدار نے جس چیز کو خریدا ہے جب تک وہ شئے خریدار کی ملکیت میں نہ آجائے اس کا دوسرے کو فروخت کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یہ معدوم کی بیع ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بیع سے منع کیا ہے۔ حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے : (لاتبع مالیس عندک) عن حکیم بن حزام قال : سألت رسول الله ﷺ فقلت : یاتینی الرجل فیسألنی من البیع مالیس عندی أبتاع له من السوق ثم أبیعه؟ قال : لاتبع مالیس عندک (ترمذی شریف ۱/۱۴۸)۔

(حکیم بن حزام سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کیا کہ میرے پاس ایک آدمی آتا ہے اور وہ مجھ سے ایسی چیز خریدنا چاہتا ہے جو میرے پاس نہیں ہے، کیا میں اس کے لئے بازار سے خریدوں اور اس خریدنے کے ارادہ پر اس سے بیع کرلوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس چیز کو مت بیچو جو تمہارے پاس نہیں ہے)۔

اس مضمون کی متعدد روایات وارد ہیں، ان نصوص سے صریح طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ معدوم کی بیع یا کسی ایسے سامان کی بیع جس پر بائع کا مطلقاً قبضہ نہ ہو، درست نہیں ہے۔ آج سرمایہ دارانہ نظام کے اندر خرید وفروخت میں جو بہت سارے مفاسد پائے جاتے ہیں ان کا بڑا حصہ بیع قبل القبض کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، اسی کی وجہ سے گرانی بڑھتی ہے، بازار میں عدم استحکام پیدا ہوتا ہے، اشیاء کی قیمتوں میں بہت زیادہ اتار چڑھاؤ ہوتا ہے، اس لئے فلیٹس وغیرہ میں خرید وفروخت کا جو معاملہ فلیٹ کے وجود میں آنے سے پہلے ہوتا ہے اور سلسلہ وار متعدد لوگ اپنے آگے والے کو بیچتے جاتے ہیں، یہ بیع سراسر ناجائز ہے۔

۴۔ استصناع اموال منقولہ میں بھی ہوسکتا ہے اور اموال غیر منقولہ میں بھی، اس لئے بلڈنگ اور فلیٹس وغیرہ میں بھی عقد استصناع کرنے میں شرعاً کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی استصناع کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ استصناع ہمیشہ ایسی چیز پر ہوتا ہے جس کو تیار کرنے کی ضرورت ہو، جیسے جوتے، موزے، برتن اور طرح طرح کے چھوٹے سامان تیار کرانے کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح سے بلڈنگ، فیکٹری اور مکانات بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے عقد استصناع کو اشیاء منقولہ کے ساتھ محدود نہیں کیا جاسکتا، فقہاء نے اسے لوگوں کے تعامل کے ساتھ مشروط کیا ہے، آج استصناع میں تعامل کا دائرہ بہت وسیع ہے، اس لئے چھوٹے سامانوں کے ساتھ بڑے بڑے سامانوں میں بھی استصناع ہوسکتا ہے، اور اموال منقولہ کے ساتھ اموال غیر منقولہ میں بھی جائز اور درست ہے، البتہ شرائط کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

د۔ عقد استصناع میں بیع صانع کا عمل نہیں ہوتا بلکہ مصنوع کی ذات ہوتی ہے، اس لئے اگر صانع اپنے غیر کی بنائی ہوئی چیز بھی پیش کرے جو صانع اور مستصنع کے درمیان طے شدہ شرائط کے مطابق ہے تو عقد استصناع جائز اور درست ہوگا۔ اسی طرح اگر صانع عقد سے پہلے کی بنائی ہوئی چیز جو شرائط کے موافق ہو پیش کرے اور مستصنع اسے لے لے تو بیع صحیح ہوجائے گی اور اگر بیع صانع کا عمل ہوتا تو دونوں صورتوں میں بیع صحیح نہ ہوتی، اس لئے کہ ان صورتوں میں صانع کا کوئی عمل نہیں پایا گیا۔ (**والبیع هو المصنوع لا عمله فإن جاء) الصانع بمصنوع غیره أو بمصنوعه قبل العقد فأخذه (صح) ولو كان البیع عمله لما صح** (رد المحتار علی درمختار ۲۶۶/۷-۳۶۷)۔

لہٰذا مالیاتی ادارے بھی ایک شخص سے آرڈر حاصل کرکے دوسرے شخص کو آرڈر دے کر سامان تیار کرا سکتے ہیں، مالیاتی ادارہ جس سے آرڈر لے گا اس کی قیمت ان دونوں کے درمیان طے ہوگی، اور جس کو آرڈر دے کر سامان تیار کرائے گا اس کی قیمت ان دونوں کے درمیان طے ہوگی، اس طرح مالیاتی ادارے کا یہ دو الگ الگ معاملہ ہے، دونوں میں قیمت کی تعیین اور پیسے کی ادائیگی کی مدت الگ الگ طے کی جائے گی۔ مالیاتی ادارہ اپنے کاروباری مصالح کو سامنے رکھتے ہوئے طے کرے گا اور اس طرح مالیاتی ادارے استصناع کو بطور استثمار استعمال کرسکتے ہیں، مثلاً زید کو ایک بلڈنگ کی ضرورت ہے وہ بینک سے عقد استصناع کرتا ہے کہ آپ مجھے ایک بلڈنگ بنا کردیں، بینک خود تو بنا کر نہیں دے سکتا، لہٰذا وہ خود کسی دوسرے سے علیحدہ اپنے طور پر عقد استصناع کرلیتا ہے، مثلاً بینک نے ایک بلڈر سے معاملہ طے کرلیا اور اس نے کہا کہ میں آپ کو یہ بلڈنگ دس کروڑ روپئے میں تیار کرکے دوں گا، اس کے بعد بینک نے بلڈنگ کے مطالبہ کرنے والے سے

ساڑھے دس کروڑ میں معاملہ طے کیا، اس طرح سے بینک کو اپنا پیسہ لگانے کی وجہ سے پچاس لاکھ کا نفع ہوگا۔

یہی استصناع متوازی ہے، اس کے جواز کی شرط یہ ہے کہ دونوں عقد بالکل الگ الگ ہوں، ایک دوسرے کے ساتھ مشروط نہ ہوں اور ایک دوسرے پر موقوف نہ ہوں، ایک فریق کی ذمہ داری دوسرے فریق کی ذمہ داریوں کے ساتھ گڈمڈ نہ کی جائیں، مثلاً بلڈنگ کا معاملہ کرنے والے اور مالیاتی ادارے کے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے وہ بالکل الگ ہے، اسی طرح مالیاتی ادارہ اور بلڈر کے درمیان جو معاملہ ہوا ہے وہ الگ ہے۔ مثال کے طور پر اگر بلڈر زید نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی تو بھی مالیاتی ادارہ پر لازم ہوگا کہ وہ پہلے فریق کے ساتھ جو معاہدہ کر چکا ہے، اسے پورا کرے۔

۲ — فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: ''لا ضرر ولا ضرار'' نہ نقصان اٹھایا جائے، نہ دوسروں کو نقصان پہنچایا جائے۔ دوسرا قاعدہ ہے ''الضرر یزال'' ضرر کو دور کیا جاتا ہے۔ لہٰذا صانع اور مستصنع کے درمیان ایک معاملہ طے ہوگیا، اور صانع نے آرڈر کے مطابق مال تیار کر دیا تو خریدار کا اس کو لینے سے مکر جانا اس کے لئے بہت بڑے نقصان کا باعث ہوسکتا ہے، اس لئے اس صورت میں خریدار پر صانع کے نقصان کی تلافی کرنا لازم ہے، اس لئے عقد استصناع کے معاہدہ کے وقت کچھ اس طرح کی باتیں تحریر میں آجانی چاہئے، مثلاً:

(۱)... فریقین کے درمیان جو معاملہ استصناع طے ہورہا ہے، اس کا پورا کرنا قضاء و دیانۃ ہر فریق پر لازم ہے۔

(۲)... اگر فریقین میں سے کوئی ایک وعدہ خلافی کرے گا تو اس کے نتیجہ میں فریق ثانی کو جو مالی نقصان ہوگا فریق اول اس نقصان کی تلافی کرے گا۔

اس طرح کی شرائط طے ہونے کی صورت میں ہر فریق کو اطمینان ہوگا اور ہر فریق اس معاملہ کو حتی الامکان پورا کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور اگر خریدار مال کی تیاری کرنے کے بعد لینے سے مکر جاتا ہے تو بیعانہ کی رقم سے صانع کو نقصان کی تلافی کرنے کا پورا حق ہوگا۔

۷ — اگر آرڈر دینے والا مصنوع کے لئے خود میٹریل فراہم کرتا ہے تو یہ عقد استصناع کے حکم میں نہیں ہے بلکہ اجارہ ہے، اس لئے کہ استصناع میں تیار کنندہ خود اپنے خام مال سے سامان تیار کرنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ اگر خام مال گراہک کی طرف سے مہیا کیا گیا ہے، تیار کنندہ سے صرف اس کی محنت اور مہارت مطلوب ہے تو اس صورت میں یہ اجارہ کا عقد ہوگا، کیونکہ عقد اجارہ میں ایک شخص کی خدمت ایک متعین معاوضہ کے بدلے میں حاصل کی جاسکتی ہے۔

عقد اجارہ میں اگر اجیر نے مستاجر کے حکم کے خلاف عمل کیا تو مستاجر کو اس بات کا اختیار ہے کہ اس سامان کو قبول کرے، اور اجیر کو اجرت مثل دیدے، اور چاہے تو سامان واپس کردے، اور اپنے دیئے ہوئے سامان کی قیمت وصول کرے۔

ہدایہ (۳۸۵/۳) پر مذکور ہے: ولو خاطه سراويل وقد امر بالقباء قيل: يضمن من غير خيار للتفاوت في المنفعة، والأصح أنه يخير للاتحاد في أصل المنفعة (اور اگر خیاط نے پائجامہ سل دیا، حالانکہ اس کو قبا سلنے کا حکم دیا گیا تھا، تو کہا گیا ہے کہ اسے کپڑے کی قیمت کا ضامن بنایا جائے گا بغیر اختیار کے، منفعت میں تفاوت کی وجہ سے، اور اصح قول یہ ہے کہ اسے اختیار دیا جائے گا اصل منفعت میں اتحاد کی وجہ سے)۔

ومن دفع إلى خياط ثوباً ليخيطه قميصاً بدرهم فخاطه قباء، فإن شاء ضمنه قيمة الثوب وإن شاء أخذ القباء وأعطاه

عقد استصناع سے متعلق چند احکام

حافظ کلیم اللہ عمری مدنی ☆

(۱) موجودہ دور میں کس طرح کی اشیاء میں عقد استصناع جاری ہوسکتا ہے اور اس سلسلہ میں اُصول کیا ہوگا؟

۱۔ استصناع لغت میں استصنع الشئی کا مصدر ہے یعنی بنانے کے لئے کہنا بنوانا کہا جاتا ہے : اصطنع فلان بابا یعنی فلاں آدمی سے دروازہ بنوانے کے لئے کہے، اصطلاح میں حنفیہ نے اس طرح تعریف کی ہے، عمل کی شرط کے ساتھ ذمہ میں مبیع پر عقد کرنا (البدائع ۲/۷۷-۲۶، بحوالہ موسوعہ فقہیہ کویتیہ)، جب کہ دیگر اہل علم نے یہ تعریف بیان کی ہے کہ عقد علی مبیع فی الذمة شرط فیه العمل علی وجه مخصوص بثمن معلوم، یعنی طے شدہ معروف ثمن کے عوض میں مخصوص طریقہ سے عمل کی شرط کے ساتھ ذمہ میں مبیع پر عقد کرنا۔

قرآن کریم میں صنع اور اس کے مشتقات تقریباً ۲۰ مرتبہ وارد ہیں، صنعت وحرفت کی ترغیب میں متعدد آیات کریمہ نازل ہوئی ہیں، جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ربانی ہے : وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُم مِّن بَأْسِكُمْ فَهَلْ أَنتُمْ شَاكِرُونَ (سورۃ الانبیاء: ۸۰) (اور ہم نے تمہارے لئے ان کو ایک (طرح کا) لباس بنانا بھی سکھا دیا تا کہ تم کو لڑائی (کے ضرر) سے بچائے پس تمہیں شکر گزار ہونا چاہئے)۔

انسانی تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے، انبیاء علیہم السلام کے مختلف پیشے تھے جو استصناع سے ہی منسلک تھے، ذیل میں بعض نبیوں کے پیشوں کا تذکرہ ہے جس سے عقد استصناع کی اہمیت وضرورت واضح ہوجائے گی۔

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے، ۲۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے، ۳۔ ادریس علیہ السلام اور لقمان علیہ السلام ٹیلر (درزی) تھے، ۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کپڑوں کی تجارت کرتے تھے، ۵۔ طالوت علیہ السلام چمڑوں کو دباغت دیتے تھے، (TANNING) ۶۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ناپ تول کے اوزار تیار کرتے تھے، ۷۔ حضرت محمد ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریاں چرایا کرتے تھے۔

مدنی دور میں یہ کاروباری طریقہ رائج تھا، نبی کریم ﷺ نے اپنی انگوٹھی اور اپنا منبر اسی کاروباری طریقہ سے بنوایا تھا، جو اس طرح کے کاروبار کے لئے ایک بنیادی دلیل کی حیثیت رکھتا ہے، صحیح بخاری شریف کی روایت میں نبی کریم ﷺ نے سونے یا چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس کے نگینہ کو ہتھیلی کے اندرونی حصہ میں جڑوایا، جس کا نقش محمد رسول اللہ تھا، ایک اور روایت میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

☆ استاذ ومفتی جامعہ دارالسلام عمرآباد۔

عقد استصناع سے متعلق چند احکام

حافظ کلیم اللہ عمری مدنی ☆

(۱) موجودہ دور میں کس طرح کی اشیاء میں عقد استصناع جاری ہوسکتا ہے اور اس سلسلہ میں اُصول کیا ہوگا؟

۱۔ استصناع لغت میں استصنع الشئی کا مصدر ہے یعنی بنانے کے لئے کہنا بنوانا کہا جاتا ہے: **اصطنع فلان بابا یعنی فلان** آدمی سے دروازہ بنوانے کے لئے کہے، اصطلاح میں حنفیہ نے اس طرح تعریف کی ہے، عمل کی شرط کے ساتھ ذمہ میں مبیع پر عقد کرنا (البدائع ۲/۲۶۷۷، بحوالہ موسوعہ فقہیہ کویتیہ)، جب کہ دیگر اہل علم نے یہ تعریف بیان کی ہے کہ **عقد علی مبیع فی الذمة شرط فیه العمل علی وجه مخصوص بثمن معلوم**، یعنی طے شدہ معروف ثمن کے عوض میں مخصوص طریقہ سے عمل کی شرط کے ساتھ ذمہ میں مبیع پر عقد کرنا۔

قرآن کریم میں صنع اور اس کے مشتقات تقریباً ۲۰ مرتبہ وارد ہیں، صنعت وحرفت کی ترغیب میں متعدد آیات کریمہ نازل ہوئی ہیں، جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے: **وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِنْ بَأْسِكُمْ فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُونَ** (سورۃ الانبیاء: ۸۰) (اور ہم نے تمہارے لئے ان کو ایک (طرح کا) لباس بنانا بھی سکھا دیا تا کہ تم کو لڑائی (کے ضرر) سے بچائے پس تمہیں شکر گزار ہونا چاہئے)۔

انسانی تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے، انبیاء علیہم السلام کے مختلف پیشے تھے جو استصناع سے ہی منسلک تھے، ذیل میں بعض نبیوں کے پیشوں کا تذکرہ ہے جس سے عقد استصناع کی اہمیت وضرورت واضح ہوجائے گی۔

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے، ۲۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے، ۳۔ ادریس علیہ السلام اور لقمان علیہ السلام ٹیلر (درزی) تھے، ۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کپڑوں کی تجارت کرتے تھے، ۵۔ طالوت علیہ السلام چمڑوں کو دباغت دیتے تھے، (TANNING) ۶۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ناپ تول کے اوزار تیار کرتے تھے، ۷۔ حضرت محمد ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریاں چرایا کرتے تھے۔

مدنی دور میں یہ کاروباری طریقہ رائج تھا، نبی کریم ﷺ نے اپنی انگوٹھی اور اپنا منبر اسی کاروباری طریقہ سے بنوایا تھا، جو اس طرح کے کاروبار کے لئے ایک بنیادی دلیل کی حیثیت رکھتا ہے، صحیح بخاری شریف کی روایت میں نبی کریم ﷺ نے سونے یا چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس کے نگینہ کو ہتھیلی کے اندرونی حصہ میں جڑوایا، جس کا نقش محمد رسول اللہ تھا، ایک اور روایت میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

☆ استاذ ومفتی جامعہ دارالسلام عمرآباد۔

نے آپ کے ہاتھ میں ایک دن چاندی کی انگوٹھی دیکھی، پھر لوگوں نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اسے پہنا (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو صحیح بخاری، ۵۸۲۲، ۲۵)۔

عقد استصناع میں غیر موجود چیز کا عقد یعنی اگریمنٹ ہوا کرتا ہے، جسے بطور ضرورت و حاجت جائز قرار دیا گیا ہے، اصول یہ ہے کہ **الحاجة تنزل منزل الضرورة**، اس عقد پر مستقل کاروبار کا رواج ہے، جس کی ہر سماج و معاشرہ کو ضرورت پڑتی ہے۔

عقد استصناع کو اللہ کے رسول ﷺ کے دور سے آج تک لوگوں کی ضرورتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے جائز قرار دیا گیا ہے، گویا اس بیع کے جواز پر اجماع نقل کیا گیا ہے، جیسا کہ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالی کے پاس اچھی ہی شمار کی جائے گی۔ **"ما راٰه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن"** (موطا مالک ۱/۲۴۱، مسند احمد ۳۶۰۰، و سندہ حسن)۔

یہ تجارت اقتصادی مصالح کے پیش نظر اور صنعتوں میں زبردست ترقی کے باعث کتاب و سنت کی روشنی میں جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے، یہ ایک مستثنی بیع ہے، ورنہ عام اصول یہی ہے کہ معدوم چیز کی تجارت جائز نہیں، شریعت نے لوگوں کی ضرورتوں کا خیال کرتے ہوئے بیع سلم (یعنی ادھار کی بیع نقد کے عوض) میں رخصت دی ہے، یہ دین برحق کی خصوصیت ہے، جہاں لوگوں کی ضرورتوں اور مصلحتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نرمی کا معاملہ کیا گیا، ممنوعات میں بعض امور مستثنی کئے گئے، لوگوں کی مجبوریوں کا لحاظ کیا گیا، **فالحمد لله علی ذلک**۔

عقد استصناع کا شرعی حکم :

اکثر حنفیہ کے نزدیک استحسان کی بنیاد پر مشروع ہے، نبی کریم ﷺ کے دور سے اس عقد پر تعامل اور اجماع چلا آرہا ہے (البدائع ۶/۲۶۷۸)، جمہور علماء نے اس عقد کو بیع سلم میں شمار کیا ہے، المجمع الفقہ الاسلامی الدولی ۱۴۱۲ھ جدہ کے ساتویں اجلاس میں اس عقد کے جواز پر اتفاق ہوا ہے (الاستصناع لسعود الثبیتی ص ۲۸۔۳۰)۔

بیع سلم اور استصناع میں فرق :

بڑی حد تک استصناع بیع سلم کے ساتھ متفق ہے، لیکن دونوں (استصناع، سلم) میں فرق اس طرح ہے کہ ادھار سامان جو سلم میں ہوتا ہے وہی ذمہ میں موصوف ہوتا ہے، جیسا کہ حنفیہ نے استصناع کی بحث کو بیع سلم میں داخل کیا ہے، اسی طرح شافعیہ اور مالکیہ نے اس عقد کو بیع سلم میں شامل کیا ہے، البتہ سلم بنائی جانے والی اور دوسری چیزوں میں بھی ہوتا ہے جب کہ عقد استصناع کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صنعت کی شرط ہو، نیز سلم میں ثمن کی فوری ادائیگی مشروط ہوتی ہے، جب کہ استصناع میں اکثر حنفیہ کے پاس ثمن کو فوراً ادا کرنا شرط نہیں ہے (فتح القدیر ۵/۳۵۵، البدائع ۶/۲۶۷۷، المبسوط ۱۲/۱۳۸، بحوالہ موسوعہ فقہیہ کویتیہ ۳/۴۳۲)۔

ارکان عقد استصناع :

جمہور علماء کے نزدیک چھ ارکان ہیں: ایجاب، قبول، ثمن، محل، صانع، مستصنع، جب کہ حنفیہ کے پاس عقد استصناع کا اہم رکن صرف صیغہ ہے، ایجاب و قبول کے ذریعہ یہ عقد مکمل ہوتا ہے۔

اس بیع کے وہی اصول ہیں جو بیع سلم کے ہیں، کیونکہ اس بیع کی مشابہت بیع سلم سے ہے، لہذا احقر کی رائے کے مطابق اس بیع

کے شروط واصول بھی بیع سلم کے اصول وشروط ہی ہیں، جیسا کہ بیع سلم میں جمہور علماء، امام مالکؒ، امام شافعیؒ کے نزدیک بیع سلم کے وقت جنس نہ بھی ہو تب بھی بیع درست ہوگی، تاہم اتنا ضروری ہے کہ اختتام مدت پر اس چیز کا دستیاب ہونا ممکن ہو، لیکن امام ابوحنیفہؒ کے پاس بیع سلم کے معاہدہ کے آغاز سے لے کر اختتام تک مسلم فیہ کا دستیاب ہونا ضروری ہے۔

احقر کے پاس جمہور اہل علم کی بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔ صحابہ کرام ؓ بیع سلم کے وقت نبطی جاٹوں سے دریافت نہیں فرماتے تھے کہ کیا وہ خود (گندم، جو، زیتون، اور منقا کی) کھیتی کرتے ہیں؟ (بخاری شریف، ۲۲۴۲، ۲۲۴۴، ۲۲۴۳، سنن ابوداؤد، ۳۴۶۳، سنن ابن ماجہ، ۲۲۸۲)۔

امام ابوحنیفہؒ نے بیع سلم کے جواز کی خاطر سات شروط بیان کئے ہیں: ۱— جنس معلوم ہو، جیسے کھجور، جو، منقا۔ ۲— نوعیت معلوم ہو، بارش یا دیگر ذرائع سے سینچے ہوئے ہوں۔ ۳— مقدار معلوم ہو، کیلو یا وزن۔ ۴— صفت معلوم ہو۔ ۵— وقت متعین ہو۔ ۶— راس المال کی مقدار معلوم ہو۔ ۷— مسلم فیہ کی ادائیگی کی جگہ معروف ہو، نیز تمام اجناس میں عقد استصناع جائز ہے۔

عقد استصناع کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ معقود علیہ (مصنوع) کے شروط واضح ہوں مثلاً:

۱— جنس کی تحدید ہو، یعنی گھر یا موٹر کار وغیرہ۔

۲— نوعیت کی تحدید ہو، مثلاً TATA, TOYOTA HUNDAY وغیرہ (کمپنی، ماڈل وغیرہ معروف ہو)۔

۳— صفات کی تحدید، مثلاً موٹر کار وغیرہ کی رنگت یا ٹریڈ مارک وغیرہ۔

۴— مطلوبہ مقدار کی وضاحت۔

۵— اس عقد میں تعامل معروف طریقے کے مطابق ہو، وہ چیز جس کا تعامل نہ ہو اس میں یہ عقد جائز نہیں ہے۔

۶— معقود علیہ کے لئے وقت متعین ہو، تاکہ لڑائی جھگڑے یا دھوکہ وغیرہ سے بچا جائے۔

۷— جہالت یا دھوکہ سے خالی ہو۔

۸— عقد مؤکد کے باوجود ضرورت کے وقت نرخ میں اضافہ یا ماڈل کی تبدیلی پر قیمت میں اضافہ کی صورت جائز ہو۔

۹— مصنوع مطلوبہ معیار پر نہ ہونے کی صورت میں طرف ثانی کو اقالہ (تجارت کو ختم کرنا) یا فسخ عقد کا اختیار باقی ہو۔

۱۰— اقالہ کے ذریعہ یا مشروط مدت اور معاہدہ کے ختم ہونے کی صورت میں یہ عقد ختم ہوگا۔ نیز سامان کو مکمل طور پر تیار کرنے اور سامان سپرد کرنے، قبول کرنے اور ثمن پر قبضہ کرنے کی صورت میں بھی یہ عقد پورا ہو جاتا ہے، عاقدین میں سے کسی ایک کی موت پر بھی یہ عقد ختم ہو جاتا ہے، اس لحاظ سے یہ عقد اجارہ کے مشابہ ہوتا ہے (فتح القدیر ۳۵۶/۵)۔

۱۱— استصناع عام طور پر مصنوعات کے ساتھ ہی خاص ہے، اور اس میں سامان اور عمل کا معلوم ہونا ضروری ہے، مذکورہ دونوں چیزیں کاریگر سے مطلوب ہوتی ہیں۔

۱۲— مبیع کی ادائیگی کی جگہ متعین ہو، اور یہ بات طے ہو کہ مبیع پہنچانے کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟

۲— اہل علم میں اس عقد کے تعلق سے دو رجحانات ہیں، لیکن امام محمد شیبانیؒ نے اس عقد کو بیع ہی شمار کیا ہے، نہ کہ مجرد وعدہ بیع۔ امام محمدؒ کی دلیل قیاس اور استحسان ہے، جو وعدوں میں شامل نہیں ہوتا، اسی طرح اس میں خیار رؤیت ثابت ہوتا ہے، جب کہ خیار

رؤیت مخصوص ہے خرید وفروخت کے ساتھ، اسی طرح اس میں تقاضا ہوسکتا ہے، جب کہ تقاضا تو واجب کا ہوتا ہے وعدہ کا نہیں (البدائع ۵/ ۲)۔

نیز جب یہ عقد منعقد ہوتو عاقدین میں سے کسی کو بقول امام ابو یوسفؒ فریق ثانی کی رضامندی کے بغیر رجوع کا حق حاصل نہ ہوگا۔ یعنی عقد استصناع لازمی عقد ہے، جس میں مشتری کے لئے ملکیت کا ثبوت، اور صانع (بائع) کے لئے ثمن میں ملکیت کا ثبوت حاصل ہوتا ہے، اس طرح سے یہ عقد ایک بیع ہے نہ کہ وعدہ بیع۔

بعض حنفیہ کے نزدیک یہ وعدہ ہے، اس لئے کہ اس میں صانع کو کام نہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے، اور صانع کو مجبور بھی نہیں کیا جاسکتا لہذا یہ وعدہ ہی ہے، نیز بنوانے والے کو حق حاصل ہے کہ بنانے والا جو سامان بنا کر لائے اس کو قبول نہ کرے، سامان کے مکمل ہونے اور دیکھنے سے قبل اس کو اپنے آرڈر سے رجوع کرنے کا حق ہے، اور یہ اس کے وعدہ ہونے کی علامت ہے، عقد کی نہیں (فتح القدیر، ۵/ ۳۵۵)۔

راقم الحروف پہلی رائے (یہ عقد بیع کے قبیل سے ہے) کو ترجیح دیتا ہے، جیسا کہ اکثر حنفیہ اور حنابلہ کی رائے ہے، اس میں خیار رؤیت ثابت ہے، لیکن عمل کی شرط کے لحاظ سے مطلق بیع سے مختلف تو ہے، اسی وجہ سے بعض اہل علم نے اس عقد کو اجارہ میں شمار کیا ہے (فتح القدیر ۵/ ۳۵۶، ۳۵۷)۔

۳— صورت مسؤلہ میں ازروئے شریعت مبیع پر قبضہ سے قبل فروخت کرنا درست نہیں ہے، اور یہ صورت بیع مجہول کی ہے جو جائز نہیں ہے، جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ **لاتبع مالیس عندک** (سنن ابی داؤد، ۳۵۰۳ صحیح)، دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے **بیع الکالي بالکالي** سے منع فرمایا، یعنی طرفین سے ادھار کے معاملہ کو منع فرمایا (شرح معانی الآثار، ۵۵۵۴)۔

۴— صورت مسؤلہ میں عقد استصناع موجودہ دور کے صنعتوں وحرفتوں میں زبردست ترقی کے پیش نظر اور لوگوں (عاقدین) کی ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے دونوں قسم کے اموال منقولہ مثلاً کشتیاں، ہوائی جہاز، موٹر کار وغیرہ بنوانا اور غیر منقولہ جائداد وعمارتیں وغیرہ بنوانا میں جائز ہے، لیکن مذکورہ شروط واوصاف معلومہ کے ساتھ یہ عقد جائز ہے۔

۵— اہل علم کی رائے یہ ہے کہ اس موضوع میں کچھ شروط ہیں وہ اس طرح سے کہ۔

۱— مالیاتی ادارہ کا تعامل اور عقد صانع اور مستصنع کے درمیان جدا جدا ہو۔

۲— مستصنع کے ہاتھ فروخت کرنے سے قبل مالیاتی ادارہ کا سامان تجارت پر حقیقی اور مکمل قبضہ ہو۔

۳— مالیاتی ادارہ صانع کی حیثیت سے اپنے تیار شدہ مال میں کسی بھی کمی بیشی کی صورت میں اس کا ضامن اور مسؤل ہوگا، ہونے والے نقصانات کو کسی اور صانع کے ذمہ نہیں کرسکتا۔

۶— مذکورہ صورت حال میں عاقدین اپنے اصول وضوابط کے پابند ہوں گے، جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''**المسلمون علی شروطهم**'' (مسلمان اپنے شرطوں کے پابند ہوں گے) (سنن ابی داؤد، ۳۵۹۴ حسن صحیح)، البتہ خریدار کی مطلوبہ چیز مطلوبہ ڈیزائن یا معیار کے مطابق ہوتو خریدار اسے خریدنے کا مکلف قرار دیا جائے گا، اس کی اڈوانس کی رقم واپس کرنے کا مطالبہ درست نہ ہوگا لیکن مذکورہ مال مطلوبہ اوصاف کے مطابق نہ ہونے کی صورت میں اڈوانس کی رقم کی حیثیت امانت کی ہوگی، اس رقم پر بائع کا قبضہ صحیح نہ ہوگا، مبیع کو بیچنے کے بعد اس رقم کی ادائیگی درست ہوگی۔

۷۔ صورت مسؤلہ میں اگر کسی چیز کا آرڈر دیا جائے اور مصنوع کے لئے موجودہ میٹریل خود خریدار فراہم کردے تو یہ اجارہ کے حکم میں ہوگا، لیکن آرڈر دینے والے کے شرط کے مطابق مذکورہ مال نہ پایا جائے تو ایسی صورت میں نقصان کی تلافی وصول کرنا صحیح نہ ہوگا، اور نہ ہی جرمانہ وصول کرنا صحیح ہوگا، لیکن ایک صورت میں جرمانہ یا تاوان وصول کرنا درست ہوگا یعنی مزدور عمداً مبیع/معقود علیہ کو نقصان پہنچائے، اصول تو یہی ہے کہ "**لا ضرر ولا ضرار**" (سنن ابن ماجہ، ۲۳۴۰) یعنی نہ خود نقصان اٹھاؤ اور نہ ہی دوسروں کو نقصان پہنچاؤ، معاملات میں نیک نیتی شرط ہے، طرفین اپنی جگہ مخلص ہوں تو معاملہ بھی صحیح ہوگا ورنہ نہیں۔

۸۔ مذکورہ صورت حال میں بائع کو مہلت دی جائے تو بہتر ہے، حالات وظروف کا لحاظ کرنا عین انصاف کی بات ہے، معاملات میں نرمی اور مہلت دینا شرعاً مطلوب ہے، خرید وفروخت (معاملات) میں فراخدلی اور نرمی۔ کاروبار میں خصوصاً فیاضی اور نرمی کی ضرورت بہت زیادہ ہوتی ہے، اس صفت کی وجہ سے تجارت میں ترقی ممکن ہے، لوگ ایسے تاجروں کو ہی پسند کرتے ہیں جو اچھے اخلاق کے مالک ہوں، اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی اس پر رحم فرمائے جو خرید وفروخت اور تقاضہ کے دوران فیاضی اور نرمی سے کام لیتا ہو (بخاری ۲۰۷۶)، اور یہ بھی خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالی نے تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک آدمی کو بخش دیا وہ جب بیچتا تھا اور خریدتا تھا اور تقاضہ کرتا تھا تو نرمی سے پیش آتا تھا (صحیح الترغیب: ۱۷۴۲)۔

عقد استصناع سے متعلق چند مسائل

مولانا عبدالقیوم پالنپوری قاسمی ☆

۱، ۴— مذکورہ بالا دونوں سوالوں کا جواب یہ ہے کہ عقد استصناع موجودہ دور میں ہر اس چیز میں ہوسکتا ہے جس کے خریدنے (یعنی آرڈر دے کر بنوانے) پر استصناع کی تعریف صادق آتی ہو اور استصناع کے صحیح ہونے کی شرطیں بھی اس میں پائی جاتی ہوں خواہ وہ شیئ مصنوع معمولی ہو یا غیر معمولی، کم قیمت ہو یا بیش قیمت، منقول ہو یا غیر منقول، لہذا اس عقد کا تعلق فلیٹ، بلڈنگ، بڑے بڑے جہاز، مشینریاں وغیرہ سے بھی ہوسکتا ہے۔

استصناع کی تعریف کا حاصل یہ ہے کہ یہ ایسا عقد ہے جس میں دو آدمیوں کے درمیان یہ معاہدہ ہوجاتا ہے کہ ایک طرف سے ثمن ہوگا اور دوسرے کی طرف سے شیئ کا میٹریل (مادہ) اور عمل ہوگا کہ وہ اپنے میٹریل سے فلاں شیئ تیار کرکے اس کو اتنی قیمت کے بدلہ میں دے گا اور استصناع کے صحیح ہونے کی شرطوں کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) لوگوں میں اس کا عام رواج ہو جسے تعامل کہتے ہیں۔

(۲) اس شیئ کی جنس (کہ وہ جوتا یا گاڑی یا ہوائی جہاز ہے) معلوم ہو۔

(۳) نوع معلوم ہو کہ مثلاً وہ جوتا یا ہوائی جہاز کس قسم کا ہوگا۔

(۴) مقدار معلوم ہو۔

(۵) کیفیت معلوم ہو۔

(۶) قیمت معلوم ہو، البتہ قیمت کی نقد ادائیگی ضروری نہیں۔

(۷) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مبیع کے ملنے کی مدت مقرر نہ ہو لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک یہ شرط ضروری نہیں۔

علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

”وأما شرائط الجواز فمنها بيان جنس المصنوع ونوعه وقدره وصفته، لأنه لا يصير بدونه معلوماً، ومنها أن يكون مما يجري فيه التعامل بين الناس، ومنها أن لا يكون فيه أجل، هذا عند أبي حنيفة ﷺ وقال أبو يوسف ومحمد ﷺ: هذا ليس بشرط وهو استصناع على كل حال“ (بدائع الصنائع ۳/۵)۔

(اور بہرحال اس عقد کے جواز کے شرائط میں ان میں سے ایک شیئ مصنوع کی جنس، نوع، مقدار اور صفت کا بیان کرنا ہے، اس

☆ جامعہ نذیریہ کاکوسی، شمالی گجرات۔

لئے کہ یہ شیئ اس کے بغیر معلوم نہیں ہوگی، اور ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ شیئ مصنوع ان میں سے ہو جس (کو آرڈر دے کر بنوانے) میں لوگوں کے درمیان رواج ہو اور ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اس میں مدت مقرر نہ ہو، یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے، اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ یہ (مدت مقرر نہ ہونا) شرط نہیں ہے، اور وہ عقد ہر حال (خواہ مدت مقرر ہو یا نہ ہو) میں استصناع ہوگا)۔

۲—ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ بیع نہیں بلکہ وعدہ بیع ہے، اور احناف کے یہاں راجح و مفتی بہ قول کے مطابق یہ بیع ہی ہے، وعدہ بیع نہیں ہے اور امام ابو یوسفؒ کے راجح قول کے مطابق بیع لازم ہے اور موجودہ دور میں شدید ضرورت کی بنا پر مالکیہ، شافعیہ، اور حنابلہ بھی احناف کے قول کے مطابق اس بیع کے لازم ہونے پر فتویٰ دیتے ہیں۔

علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

"ثم هو بيع عند عامة مشائخنا وقال بعضهم: هو عدة وليس بسديد" (بدائع الصنائع زکریا ۴/ ۴۴۴) (پھر یہ عقد استصناع ہمارے عام مشائخ کے نزدیک بیع ہے اور بعض نے فرمایا ہے کہ وہ وعدہ بیع ہے اور یہ قول درست نہیں ہے)۔

اور علامہ حصکفی درمختار میں تحریر فرماتے ہیں:

"صح الاستصناع بيعاً لا عدة على الصحيح" (الدرالمختار مع ردالمحتار ۷/ ۴۷۴) (صحیح قول کے مطابق استصناع بیع کے اعتبار سے صحیح ہے نہ کہ وعدہ بیع کے اعتبار سے)۔

۳—عقد استصناع میں خریدار نے جو مبیع صانع سے خریدی ہے وہ صانع کے ذمہ میں ہے وہ موجود نہیں بلکہ معدوم ہے اور اس خریدار کا یہ عقد استصناع کرنا اور اس کو خریدنا خلاف قیاس استحساناً جائز ہے۔

"والاستصناع يجوز استحساناً لإجماع الناس على ذلك" (البدائع ۵/ ۳)۔

پھر اس خریدار کا اس شیئ مصنوع کو وجود میں آنے سے پہلے کسی دوسرے خریدار سے بیچنا اور پھر دوسرے کا کسی تیسرے شخص سے فروخت کرنا ناجائز اور بیع باطل ہے، اس لئے کہ یہ شیئ مصنوع معدوم ہے اور معدوم کی بیع باطل ہے، لہذا یہ سلسلہ وار بیوع کی تمام صورتیں بیع معدوم سے مستثنیٰ نہیں، بلکہ بیع معدوم ہونے کی وجہ سے ناجائز اور باطل ہوں گی۔

درمختار میں علامہ حصکفی تحریر فرماتے ہیں:

"وبطل بيع ما ليس بمال كالدم، والمعدوم كبيع التعلي أي علو سقط، لأنه معدوم، وبيع ما بعضه معدوم" (ردالمحتار مع الدرالمختار ۷/ ۲۰۱) (جو چیز مال نہیں اس کی بیع باطل ہے اور معدوم کی بیع باطل ہے جیسے تعلی یعنی اس بالا خانہ کی بیع جو گر گیا ہے (باطل ہے) اس لئے کہ یہ معدوم ہے اور اس چیز کی بیع بھی باطل ہے جس کا بعض حصہ معدوم ہو)۔

۵—اسلامی مالیاتی ادارے عقد استصناع کو استثمار اور حصول منافع کے لئے اس طریقہ سے استعمال کر سکتے ہیں کہ وہ ادارے ایک شخص سے آرڈر حاصل کریں زیادہ قیمت پر، اور خود بنانے کے بجائے وہ ادارے دوسرے شخص کو کم قیمت پر اس کا آرڈر دے کر بنوا لیں، اور دونوں قیمتوں میں جو فرق ہو وہ ادارے کا نفع ہو، اسلامی مالیاتی اداروں کا اس طرح آرڈر لے کر دوسروں سے بنوانا جائز ہے اور اس میں شرعاً

کوئی قباحت نہیں ہے، اس لئے کہ عقد استصناع میں خود آرڈر لینے والے کا ہی بنانا ضروری نہیں، دوسرے سے بنوانا بھی صحیح ہے، فقہاء کرام نے اس کی صراحت کی ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ''والأصح أن المعقود علیه المستصنع فیه، ولهذا لو جاء مفروغاً عنه لا من صنعته جاز کذا في الکافي'' (الفتاوی الہندیہ ۲۰۸/۳) (اورزیادہ صحیح یہ ہے کہ عقد استصناع میں معقود علیہ شیئ مصنوع ہے (نہ کہ صانع کا عمل) اور اسی لئے اگر آرڈر لینے والا دوسرے کی بناوٹ کی چیز (وقت پر (پیش کردے تو جائز ہے)۔

اور محقق عصر مفتی محمد تقی عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

''یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ تحویل کار (آرڈر لینے والا) گھر خود تیار کرے، بلکہ وہ کسی تیسرے فریق کے ساتھ متوازی استصناع کے معاہدہ میں بھی داخل ہوسکتا ہے یا وہ کسی ٹھیکے دار کی خدمات بھی حاصل کرسکتا ہے، دونوں صورتوں میں وہ لاگت کا حساب لگا کر استصناع کی قیمت کا تعین اس انداز سے کرسکتا ہے کہ اس سے لاگت پر معقول منافع حاصل ہو جائے (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۱۵۷/۵)۔

اور حضرت مولانا تقی صاحب مدظلہ نے استصناع متوازی کے جواز کے لئے یہ شرط تحریر کی ہے کہ دونوں عقد منفصل ہوں، ایک دوسرے کے ساتھ مشروط نہ ہوں، ایک دوسرے پر موقوف نہ ہوں، ایک کی ذمہ داری دوسرے کی ذمہ داری کے ساتھ گڈمڈ نہ ہو، فرض کرو خالد نے وقت پر تکمیل کر کے نہ دی پھر بھی زید پر لازم ہوگا کہ میرے اور زید کے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے زید اس کو پورا کرے (انعام الباری ۱۸۵/۲-۱۸۶)۔

۲ — عقد استصناع میں بنانے والے بائع نے شیئ مصنوع اوصاف کے مطابق تیار کردی تو امام ابو یوسفؒ کے راجح قول کے مطابق آرڈر دینے والا اس کے لینے اور ثمن کے ادا کرنے کا پابند ہے، اور یہ شیئ مصنوع اس کی ملک ہوچکی ہے، اور اس کو خیار رؤیت حاصل نہیں ہے، اور بائع کا حق ثمن میں ہے۔

مشتری اس چیز کے لینے کا اور ثمن کے ادا کرنے کا شرعاً پابند ہے، لیکن وہ اس مبیع کو لینے سے مکر جاتا ہے اور ثمن ادا نہیں کرتا ہے تو بائع کے لئے بیعانہ تو مبیع کے ثمن کا جزء ہونے کی بنا پر اپنے ثمن کے حساب سے لے لینا جائز ہے، اور بقیہ ثمن کی وصولی مشتری کی یہ شیئ مصنوع جو بائع کے قبضہ میں ہے اس کو بیچ کر (مسئلۃ الظفر میں امام شافعی کے قول کے مطابق جس پر متاخرین حنفیہ نے فتویٰ دیا ہے) وصول کرسکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بائع اپنے نقصان کی تلافی یعنی اپنے ثمن کی وصولی بیعانہ کی رقم اور مشتری کی مبیع (شیئ مصنوع) بیچ کر حاصل ہونے والی رقم سے کرلے، ان دونوں رقموں سے اپنا پورا ثمن وصول ہوگیا تو ٹھیک ہے اور اگر دونوں رقموں سے اپنا پورا ثمن وصول نہیں ہوا تو شرعاً بقیہ ثمن کا مشتری سے مطالبہ کرسکتا ہے یا اس کے کسی قسم کے مال سے وصول کرسکتا ہے۔

اور اگر بیعانہ کی رقم اور مبیع کی حاصل ہونے والی قیمت دونوں مل کر اپنے ثمن سے زاید ہوجاتی ہیں تو زاید رقم مشتری کو لوٹانا واجب ہے۔

متقدمین حنفیہ کے نزدیک اس صورت میں بائع خود مبیع کو بیچ نہیں سکتا ہے بلکہ جب تک ثمن وصول نہ ہو اس کو اپنے پاس روکنے کا حق رکھتا ہے، البتہ عدالت کے ذریعہ بکوا کر اپنا حق وصول کرسکتا ہے، جیسا کہ حسب ذیل علامہ شامی کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے:

''في الدر المختار: اشتری شیئاً ــــ ولم یقبضه المشتري (ومات المشتري مفلساً قبل نقد الثمن) فإن البائع أحق

به اتفاقا، وفی رد المحتار (قوله فإن البائع أحق به) الظاهر أن المراد أنه أحق بحبسه عنده حتی یستوفیه من مال المیت أو یبیعه القاضی ویدفع له الثمن، فإن وفی بجمیع دین البائع فبها، وإن زاد دفع الزاید الباقی الغرماء وإن نقص فهو أسوة للغرماء فیما بقی له" (ردالمحتار مع الدر المختار ۴/۴۶۵)۔

(درمختار میں ہے، کسی نے کوئی چیز خریدی اور اس مشتری نے اس مبیع پر ابھی قبضہ نہیں کیا تھا اور وہ ثمن کی ادائیگی سے پہلے دیوالیہ ہوکر مرگیا تو بائع اس مبیع کا زیادہ حق دار ہے بالاتفاق، اور شامی میں ہے کہ درمختار کے قول بائع زیادہ حقدار ہے کا ظاہراً یہ مطلب ہے کہ بائع اس مبیع کو اپنے پاس روکنے کا زیادہ حقدار ہے جب تک کہ میت کے روپیوں سے اپنا ثمن وصول نہ کرے، یا اس کو قاضی بیچ کر ثمن بائع کو دے، پس اگر وہ قیمت بائع کے پورے ثمن کو پورا کردے تو ٹھیک، اور اگر قیمت زائد ہو تو زاید قیمت باقی قرضخواہوں کے لئے ہے، اور اگر وہ قیمت بائع کے ثمن سے کم ہے تو بائع اپنے ما بقی ثمن کے وصول کرنے میں قرض خواہوں کے ساتھ برابر کا شریک ہے)۔

۷—اگر کسی چیز کا آرڈر دیا جائے اور شیئ مصنوع کے لئے میٹریل خود آرڈر دینے والا فراہم کرے تو یہ عقد اجارہ ہوگا، عقد استصناع نہ ہوگا، جیسا کہ اس کی فقہاء کرام نے صراحت کی ہے۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں اجارہ اور استصناع میں فرق بیان کرنے کے موقع پر تحریر ہے:

"وفرق اخر هو أن الإجارة علی الصنع تکون بشرط أن یقدم المستاجر للعامل المادة فالعمل علی العامل، والمادة من المستاجر، وأما فی الاستصناع فالمادة والعمل من الصانع" (الموسوعۃ الفقہیہ ۳/۳۲۶)۔

(اجارہ علی العمل اور استصناع میں) دوسرا فرق یہ ہے کہ بنانے پر اجارہ اس شرط کے ساتھ ہوگا کہ مستاجر صانع کے لئے میٹریل فراہم کرے پس فقط عمل صانع کے ذمہ ہوگا، اور میٹریل آرڈر دینے والے کی طرف اور استصناع میں میٹریل اور بنانا دونوں صانع کی جانب سے ہوں گے)۔

اگر آرڈر دینے والے نے میٹریل فراہم کرکے کوئی چیز بنانے کے لئے دی ہے اور بنانے والے نے مکمل طور پر آرڈر کے مطابق نہیں بنایا تو آرڈر دینے والے کو اختیار ہوگا کہ وہ اس کو رد کرے اور صانع سے اپنے میٹریل کے مثل یا اس کی قیمت کا ضمان وصول کرے، اور اگر آرڈر دینے والا اس شیئ کو لینا چاہے تو اس کو لے سکتا ہے، لیکن اس کو اجرت مثل دینی پڑے گی، اگر اجرت مثل مقررہ اجرت سے زائد ہو تو مقررہ اجرت دینا ہوگا۔

علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

"ولو دفع إلی خیاط ثوباً لیخیطه قمیصاً بدرهم فخاطه قباء، فإن شاء ضمنه قیمة الثوب، وإن شاء أخذ القباء، وأعطاه أجر مثله لا یجاوز به ما سمی،... وإذا کان الخلاف فی الصفة نحو إن دفع إلی صباغ ثوباً لیصبغه بصبغ مسمی فصبغه بصبغ آخر لکنه من جنس ذلک اللون، فلصاحب الثوب أن یضمنه قیمته أبیض وسلم إلیه الثوب، وإن شاء أخذ الثوب، وأعطاه أجر مثله، لا یجاوز به ما سمی... وإنما وجب الأجر ههنا، لأن الخلاف فی الصفة لا یخرج العمل من أن یکون معقوداً علیه، فقد أتی بأصل المعقود علیه" (بدائع الصنائع ۴/۲۱۶)۔

(اگر درزی کو کرتا سینے کے لئے کپڑا دیا ایک درہم کے عوض اور اس نے اچکن سی دی تو کپڑا والا اگر چاہے تو اسے کپڑے کی قیمت کا ضمان وصول کرے اور اگر چاہے تو اچکن لے کر اس کو اجرت مثل دے کہ مقرر اجرت سے تجاوز نہ کرے، اور اگر خلاف ورزی اوصاف میں ہو جیسے رنگریز کو معین رنگ کرنے کے لئے کپڑا دیا اور اس نے اس جنس کے رنگ میں سے دوسرا رنگ کر دیا تو کپڑے والے کو اختیار ہے اگر چاہے تو اسے اپنے سفید کپڑے کا ضمان وصول کرے اور یہ کپڑا اس کو سونپ دے، اور اگر چاہے تو کپڑا لے لے اور اس کو اجرت مثل دی جو مقرر اجرت سے زاید نہ ہو)۔

عصر حاضر میں استصناع کی جدید شکلیں اور ان کے احکام

مفتی نثار احمد گودھروی گجراتی ☆

۱— موجودہ دور میں کس طرح کی اشیاء میں عقد استصناع جاری ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں اصول کیا ہوگا؟

فقہاء کرام نے جہاں استصناع کے جواز کے شرائط ذکر کئے ہیں ان میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ عقد استصناع ایسی چیزوں میں کرے جس میں لوگوں کا تعامل اور رواج ہو اور اس میں صنعت کی ضرورت پڑتی ہو، (لہذا گندم، چاول میں استصناع جائز نہیں)، مثلاً لوہا، تانبا، پیتل اور شیشہ کے برتن میں یا اسی طرح خف، جوتا، جانور کی لگام، تلوار، چھری وغیرہ۔ کچھ چیزیں وہ ہیں جن کا تعامل اور رواج اگلے دور میں نہیں تھا، لیکن فی زماننا اس کا تعامل اور رواج ہے، لہذا اس میں استصناع درست ہوگا، جیسے کپڑا، اس میں استصناع کا تعامل نہیں تھا لیکن دور حاضر میں اس کا تعامل اور رواج ہے، لہذا اس میں استصناع صحیح ہوگا۔

"أن يكون مما يجرى فيه التعامل بين الناس من أوانى الحديد والرصاص والنحاس والزجاج والخفاف ونحو ذلك، ويجوز في الثياب، لأن القياس يأبى جوازه وإنما جوازه استحسانا لتعامل الناس ولا تعامل في الثياب" (بدائع ۵: ۹۵)۔

۲— استصناع خود بیع ہے یا وعدۂ بیع ہے:

اگر کوئی شخص کسی صنعت کار سے کوئی سامان بنانے کو کہے اور اس سامان کے اوصاف، مقدار اور ادائیگی کی مدت اور قیمت پر فریقین کا اتفاق بھی ہو جائے تو اسے بیع کہا جائے گا یا وعدۂ بیع؟ دوسرے الفاظ میں آرڈر دہندہ کے آرڈر کو صنعت کار کا قبول کر لینا اس کی طرف سے وعدہ سمجھا جائے گا، اور اگر وہ پورا کر دے تو اجر وثواب کا مستحق ہوگا اور وعدہ وفا نہ کرنے کی صورت میں محض اس اخلاقی وعید کا مستحق ہوگا جس کی ممانعت حدیث میں آئی ہے۔

ائمہ ثلاثہ، یعنی امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ کے یہاں تو یہ بذات خود کوئی عقد نہیں بلکہ یہ ایک فرمائش ہے کہ میرے لئے یہ چیز بنادو، لہذا یہ بیع بھی نہیں، چنانچہ یہ عقد لازم بھی نہیں، بلکہ اس کی حیثیت محض ایک وعدے کی سی ہے۔ ان کے نزدیک یہ عقد لازم نہیں اور لازم نہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ فرض کرو کہ بنانے والا بعد میں نہ بنائے تو اس کے بنانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

اس کے بعد مالکیہ اور شوافع نے استصناع کو ابواب سلم کے ساتھ لاحق کیا ہے اور حنابلہ نے اسے بیع ما لیس عند الانسان علی وجہ غیر السلم کے باب میں داخل کیا، اس بنا پر وہ عدم جواز کے قائل ہوئے:

"فأكثر الحنفية يرونه عقدا مستقلا وأما غيرهم من المالكية والشافعية والحنابلة، فإن كثيرا منهم يلحقون

☆ دار العلوم جامعہ رحمانیہ عربیہ اسلامیہ وناگپور، گودھرا گجرات۔

بأبواب السلم سواء كان على سبيل القوم بجوازه كما عند المالكية و الشافعية أو بمنعه كما عند الحنابلة "(عقد الاستصناع وعلاقته بالعقود الجائزۃ ۹:۷)۔

"هذا قول زفر و مالك و الشافعي و أحمد، لكن يصح الاستصناع عندهم على أساس عقد السلم و يشترط فيه ما يشترط في السلم"(الفقہ الاسلامی ۵/۳۶۴۵)۔

احناف میں سے ایک جماعت استصناع کے وعدۂ بیع ہونے کی قائل ہے، جس میں حاکم شہید مروزی، صفار، محمد بن سلمہ وغیرہ ہیں، لیکن حاکم شہید کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے علی الاطلاق وعدہ بیع نہیں کہا بلکہ ان کے کلام سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس کی ابتداء وعدۂ بیع سے ہوتی ہے اور انتہاء عقد پر کہ صانع سامان تیار کر لینے اور کام سے فارغ ہو جانے کے بعد بطور تعاطی آرڈر دہندہ کے سپرد کر دیتا ہے۔

جمہور احناف کی طرف سے ان اسباب اور شبہات کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ جو لوگ اس عقد کو غیر لازم کہتے ہیں ان کی بنیادی دلیل یہ ہے کہ جس چیز پر عقد منعقد ہو رہا ہے یعنی معقود علیہ جس کے بنوانے کی فرمائش کی گئی ہے وہ ابھی وجود میں نہیں آیا، لہٰذا اگر ہم کہتے ہیں کہ اس کی بیع ابھی ہوگئی ہے اور عقد م لازم ہو گیا تو معدوم کی بیع ہوگی اور معدوم کی بیع جائز نہیں۔ لہٰذا زیادہ سے زیادہ اس کو وعدہ کہا جا سکتا ہے بیع نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر چہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ معدوم کی بیع جائز نہیں، لیکن نصوص سے اس میں دو کا استثناء کیا گیا ہے: ایک سلم کا استثناء کہ جس میں ایک ایسی چیز کی بیع ہے جو ابھی تک وجود میں نہیں آئی، بلکہ وہ واجب فی الذمہ ہوتی ہے، خارج میں موجود نہیں ہوتی۔ جس طرح شریعت مقدسہ نے سلم کا بیع المعدوم سے بھی استثناء کیا ہے، اس کی دلیل آپ کا انگوٹھی اور ممبر بنوانا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ معدوم کو کبھی حکماً موجود تسلیم کر لیا جاتا ہے، جیسے کوئی مسلمان ذبح کرتے وقت بسم اللہ کہنا بھول جائے تو نسیان کے عذر کی وجہ سے تسمیہ کو موجود تسلیم کر لیا جاتا ہے اور بھی اس کی نظیریں شرع میں موجود ہیں۔

"فإن المعدوم قد يصير موجوداً حكماً كالناسي للتسمية عند الذبح"(فتح القدیر، عقد الاستصناع /۳۸)۔

البتہ جمہور علماء احناف کی رائے اور قول صحیح استصناع کے بیع ہونے کی ہے۔

"والصحيح الراجح في المذهب الحنفي : إن الاستصناع للعين المصنوعة لا لعمل الصانع فهو ليس وعداً ببيع ولا إجارة"(الفقہ الاسلامی ۵/۳۶۴۳)۔

علماء احناف کا نقطہ نظر استصناع کی ضرورت و حاجت کو لوگوں کی زندگی میں قابل ترجیح بناتی ہے، کیونکہ صانع اس کی خلاف ورزی کرے اور سامان تیار نہ کرے تو آرڈر دہندہ کی مصلحت فوت ہوگی اور اس کا مال ضائع ہوگا۔ اس لئے کہ وہ صانع سے خاص اوصاف سے متصف ایک چیز طلب کرتا ہے اور اس مقصد کے لئے اسے مال دیتا ہے اور صانع اس سے اتفاق کرتا ہے، یہ عقد کے وہ عناصر ہیں جو لازم ہوا کرتے ہیں، جس پر ضمان مرتب ہوتا ہے، اسی طرح اس کے ساتھ تاوان والی شرط ہوتی ہے جو فریقین کے لئے معاہدہ کی تکمیل و تعمیل میں مددگار ہوتی ہے، ورنہ تو لوگوں کا اعتماد ہی ختم ہو جائے گا، بالخصوص اس وقت جبکہ صنعت کاروں کے پاس زیادہ آرڈر آتے ہیں اور مال کی لالچ میں آرڈر قبول کئے جاتے ہیں اور وعدہ کر لینے کے بعد پورے نہیں کئے جاتے ہیں اور سامان بھی ویسا ٹھوس اور مضبوط نہیں کیا جاتا جو آرڈر دہندہ

کے اوصاف کے مطابق ہو تو اس کو وعدۂ بیع مان کر محض اخروی وعید پر اکتفا کرنے سے بعض مرتبہ ایک فریق کا ایسا شدید نقصان ہوگا جو ناقابل تلافی ہوگا۔ اس لئے جمہور احناف کی رائے ہی قابل ترجیح ہے کہ یہ باضابطہ بیع ہے نہ کہ محض وعدۂ بیع، لہٰذا اگر کوئی اپنے اس معاملہ کو پورا نہ کرے تو اخروی وعید کے ساتھ تاوان اور ضمان بھی لازم ہوگا۔

حضرت مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں :

امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ عقد استصناع یہ ایک مستقل عقد ہے، لیکن یہ عقد لازم ہے اس کے ذریعہ بیع ہو جاتی ہے، لیکن چونکہ مشتری نے اس کو دیکھا نہیں، لہٰذا مشتری کو خیار رؤیت حاصل ہے، دیکھنے کے بعد اگر چاہے تو عقد کو باقی رکھے یا چاہے تو فسخ کر دے یہ خیار رؤیت کا مشتری کو ملنا عقد ہونے کے منافی نہیں۔

"وثبوت خیار الرؤیة للمستصنع من خصائص البیوع فدل علی أن جوازه جواز البیعات لا جواز العدات" (الفقہ الاسلامی ۵/۳۶۴۴)۔

البتہ احناف میں امام ابو یوسفؒ کا مسلک یہ ہے کہ جو مواصفات عقد کے اندر طے ہوئے تھے مثلاً عقد یہ تھا کہ الماری بنا کر دینا جس میں فلاں قسم کی لکڑی ہوگی اتنی اونچی الماری ہوگی اتنی چوڑی ہوگی، اتنے اس میں طبقات ہوں گے اور فلاں ڈیزائن رہے گی، اگر بنانے والے نے ان تمام مواصفات کے مطابق بنا کر دیا تو مشتری کو خیار رؤیت حاصل نہ ہوگا۔ البتہ مواصفات کے مطابق نہ بنایا ہو تو بے شک اس کو خیار حاصل ہوگا چاہے تو رد کردے کہ میں نے ایسا نہیں بنوایا تھا، اس لئے اس کو فسخ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

۳۔ عقد استصناع یہ عقد سلم اور اجارہ کے مشابہ ہے جو معدوم کی بیع ہے جس طرح عقد سلم میں مسلم فیہ پر قبضہ کرنے سے پہلے تصرف کرنا اور آگے فروخت کرنا جائز نہیں، اسی طرح استصناع صانع اور مستصنع کے درمیان ہونے والا ایک عقد اور معاملہ ہے، لہٰذا مستصنع کا شیئ مصنوع پر قبضہ کرنے سے پہلے فروخت درست نہ ہوگا، کیونکہ بیع قبل القبض کی جو خرابیاں ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں، مثلاً غرر انفساخ العقد، ربح مالم یضمن نیز بنیادی نقصان جیسے مہنگائی، ربا، غرر اور مزدور طبقہ کے نقصانات وغیرہ۔

(ولا یجوز التصرف) للمسلم إلیه (فی رأس المال و) ولا لرب السلم فی (المسلم فیه قبل قبضه بنحو بیع وشرکة) (درمختار ۷/۴۶۷)۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ صانع ایک ہوتا ہے اور مستصنع بدلتے رہیں گے، ہر ایک دوسرے کو زائد قیمت پر فروخت کرے گا اور یہ سلسلہ آگے چلتا رہے گا، بعد میں قدرتی یا سرکاری سطح پر ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ جس کی وجہ سے استصناع کو فسخ کرنے کی نوبت آ گئی تو آخری آدمی کو زیادہ گھاٹا اٹھانا پڑے گا کہ چیز تو ملی مزید پیسے گئے۔ درمیانی لوگ معاملہ سے ہاتھ اونچا کر دیں گے۔ یہ ایک قسم کا قمار (سٹہ) ہو جائے گا۔ اس لئے اس سلسلہ وار بیع کی تمام صورتیں بیع معدوم سے مستثنیٰ نہ ہوگی، بلکہ یہ صانع اور مستصنع اول کے درمیان معاملہ رہے گا۔ نیز یہ بات یاد رہے کہ بیع قبل القبض کے بارے میں راجح مسلک اگرچہ شیخین کا ہے کہ عقار کے علاوہ دیگر اشیا منقولہ میں بیع قبل القبض جائز نہیں۔ البتہ دور حاضر اور خاص کر کے پلاٹ اور فلیٹ کے کاروبار میں جو انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ چل پڑا ہے، اس میں حضرت امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے قول کو اختیار کرنا کہ کسی بھی چیز کو قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کرنا درست نہیں، چاہے وہ منقولہ ہو یا

غیر منقولہ، احتیاط پر مبنی ہے۔

۴۔ استصناع کا جواز چونکہ عرف وتعامل اور لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے ہے، نیز ضرورت اور تعامل اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ دونوں میں موجود ہیں، لہٰذا دونوں میں استصناع جائز ہوگا، شاید آپ ﷺ کے دور مبارک میں استصناع کا اشیاء منقولہ میں تعامل ہوگا۔ اس بنا پر آپ ﷺ نے انگوٹھی اور ممبر بنوایا ہوگا، لیکن دور حاضر میں دونوں کا تعامل ہے، لہٰذا دونوں میں استصناع درست اور جائز ہوگا، جیسا کہ فقہاء کرام کی عبارات سے یہ بات واضح ہے۔

۵۔ استصناع متوازی بطریقۂ تمویل:

اسلامی مالیاتی اداروں میں جو لوگ کسی منصوبے کی تکمیل کے لئے بطور استثمار پیسے طلب کرتے ہیں، اس میں ایک طریقہ کار استصناع کا ہے، خاص طور پر ہاؤس بلڈنگ فائنانس کے شعبے میں۔ مثلاً زید جس کو ایک فلیٹ کی ضرورت ہے وہ کسی مالی ادارہ سے عقد استصناع کرتا ہے کہ مجھے فلیٹ بنا کر دو۔ اب ادارہ خود اس کو نہیں بنا سکتا اور نہ اس کا کام ہوتا ہے، وہ دوسرے آدمی کے ساتھ مثلاً خالد کے ساتھ الگ سے استصناع کا معاملہ کرتا ہے، ادارہ خالد کے ساتھ جو صانع ہے فلیٹ بنانے کے لئے مثلاً ایک کروڑ طے کر لیتا ہے اور زید کے پاس سے سوا کروڑ روپے لیتا ہے، مدت طے ہو جاتی ہے کہ زید ادارہ کو اتنی مدت میں پیسے ادا کر دے گا، تو اس طرح ادارہ کو نفع مل گیا اور منصوبہ تمویل شریعت کے مطابق ہوگئی، لیکن اس کے جواز کی شرط یہ ہے کہ دونوں عقد (یعنی زید کا ادارہ کے ساتھ اور ادارہ کا خالد کے ساتھ) کے درمیان ربط نہ ہو، دونوں کے علائق ایک دوسرے کے ساتھ ممتاز اور منفصل ہوں۔ ایک دوسرے کے ساتھ مشروط اور موقوف نہ ہو۔ اور ایک کی ذمہ داری دوسرے کے ساتھ گڈمڈ نہ ہو جائے تو ان شرائط کے ساتھ ادارہ کا زائد رقم نفع کی شکل میں لینا حلال ہوگا، اس میں شرعاً کوئی قباحت نہ ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ اس طریقہ کار کی فقہی تخریج استصناع ہی ہوگی، اگر استصناع کو نہ مانا جائے تو کسی بھی صورت میں اس کے جواز کا کوئی راستہ نہیں، کیونکہ ایک ایسے فلیٹ کی بیع ہو رہی ہے جو ابھی وجود میں نہیں آیا (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/۱، اسلامی بینکاری اور غرر ۶۵)۔

۶ — بیعانہ:

جس کو فقہی اصطلاح میں بیع العربون کہتے ہیں، خریدار کا بائع کو کچھ رقم ابتداء اس شرط پر دینا کہ اگر بائع سے مطلوبہ چیز خریدے تو یہ رقم عقد کا حصہ بن جائے گی، لیکن اگر بعد میں خریدار مطلوبہ چیز نہ لے تو یہ رقم بائع کی ہوگی۔

احناف، مالکیہ، اور حنابلہ میں سے ابو الخطاب، عبداللہ بن عباسؓ، حسن بصریؒ کے یہاں بیع العربون ناجائز ہے، جبکہ حضرت عمرؓ، ابن عمرؓ، ابن سیرین، زید بن اسلم اور امام احمد بن حنبل کے یہاں بیع العربون جائز ہے۔

معاصر علماء میں سے ڈاکٹر صدیق الضریر کی رائے یہ ہے کہ بیع العربون کا ناجائز ہونا راجح ہے، کیونکہ اس کے دلائل زیادہ مضبوط ہیں (الغرر واثرہ فی العقود)۔

اس کے برعکس ڈاکٹر وہبہ زحیلی، مصطفی احمد الزرقاء، یوسف القرضاوی، عبداللہ بن سلیمان المنیع اور ڈاکٹر رفیق یونس مصری وغیرہ بیع العربون کے جواز کے قائل ہیں۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے اپنی رائے کو بڑے مفصل اور مدلل انداز میں پیش فرمایا ہے (الفقہ الاسلامی ۵/۳۵۳۵)۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بیع العربون کرنے کی لوگوں کو ضرورت بھی ہے تاکہ عقد لازم ہو، نیز لوگوں کا عرف بھی ہے کہ وہ اس معاملہ کو جائز سمجھتے ہیں اور اس کا التزام کرتے ہیں اور شرعی وعدوں کو پورا کرنے کی ایک عملی تدبیر ہے، خصوصاً آج کل جبکہ کسی سبب اور طرفین کی رضامندی کے بغیر عقد کو فسخ کرنے کا رواج عام ہے، نیز اس سے بائع کو ضرر سے بچانا بھی مقصود ہے۔

نیز وعدہ کرنے کے بعد اس کو پورا کرنے کے بارے میں متاخرین احناف کا مسلک یہ ہے کہ عام حالات میں وعدے کو پورا کرنا قضاء لازم نہیں البتہ اگر کہیں پورا کروانے کی حاجت ہو تو قضاء لازم ہو جاتا ہے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں : ''**المواعيد قد تكون لازمة فتجعل لازمة لحاجة الناس**'' (شامی شرح المجلہ)۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر حاضر میں واقعتاً ایسے بہت سے معاملات پیش آتے ہیں جہاں وعدہ لازم قرار دینے کی ضرورت پیش آتی ہے، جیسے عقد استصناع راجح اور مفتی بہ قول کے مطابق عقد لازم ہے اور اس میں خریدار کو مواصفات کے مطابق مال تیار ہونے کے بعد خیار رؤیت بھی نہیں ملتا۔ اگر اب خریدار اپنے وعدے کے مطابق مال لینے کے لئے تیار نہ ہو اور اپنا وعدہ پورا نہ کرے تو بائع کو جو رقم بطور بیعانہ کے دی ہے وہ اس کو ضبط کر کے اپنے نقصان کی تلافی کر سکتا ہے۔ لہذا ان حالات میں اس بات کی ضرورت ہے کہ قضاءً وعدہ کو پورا کرنے کو لازم قرار دیا جائے مجمع الفقہ الاسلامی نے اپنی قرارداد میں ان حالات میں وعدہ پورا کرنے کو لازم قرار دیا ہے۔

''**يجوز بيع العربون إذا قيدت فترة الانتظار بزمن محدود ويحتسب العربون جزءً من الثمن إذا تم الشراء ويكون من حق البائع إذا عدل المشترى عن الشراء**'' (قرارداد ۸ بروئنائی) (اگر انتظار کی مدت متعین ہو تو بیع عربون جائز ہے، لہذا اگر خریدار کا عمل مکمل ہو تو بیعانہ قیمت کا حصہ شمار ہوگا اور اگر خریدار نے سامان لینے سے انکار کیا تو یہ بائع کا حق ہوگا)۔

موجودہ حالات میں بیعانہ کی بابت مفتی تقی عثمانی کی رائے گرامی یہ ہے کہ بیعانہ کا مسئلہ مجتہد فیہ ہے، اس لئے عربون کو بالکلیہ باطل نہیں کہہ سکتے اور بسا اوقات اس قسم کے معاملے کی ضرورت پیش آجاتی ہے، بالخصوص ہمارے زمانے میں جہاں ایک ملک سے دوسرے ملک میں بین الاقوامی تجارت ہوتی ہے، وہاں یدا بید معاملہ نہیں ہوتا نہ ہو سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص دوسرے سے معاملہ کرے کہ میں تم سے سامان منگوا رہا ہوں بایع نے اس کے لئے سامان اکٹھا کیا اور سب کچھ کیا لاکھوں روپے خرچ کئے بعد میں وہ مکر جائے کہ میں بیع نہیں کرتا تو اس صورت میں بائع کا بڑا سخت نقصان ہوتا ہے، ایسی صورت میں اگر عربون کی شرط لگالے تاکہ مشتری پابند ہو جائے تو اس کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ کہ اس صورت میں امام احمد بن حنبلؒ کے قول پر عمل کیا جائے۔ باقی جہاں ضرورت نہ ہو ویسے ہی لوگوں نے پیسے کمانے کا ذریعہ بنالیا ہو تو وہ جائز نہیں (انعام الباری ۵/۷۰۷)۔

لہذا بہتر یہ ہے کہ عقد استصناع کے وقت بھی معاملہ مشروط کیا جائے کہ انکار کرنے کی صورت میں نقصان کی تلافی بیعانہ سے کی جائے گی تاکہ خریدار بلا وجہ انکار کی ہمت نہ کرے۔ تلافی کے بعد جو رقم زائد ہوگی وہ مشتری کو واپس کر دی جائے گی۔

۷۔ ٹھیکیداری دو قسم کی ہوتی ہے:

ایک یہ کہ جس میں ٹھیکیدار صرف کام اپنے ذمہ لیتا ہے، لیکن میٹریل یعنی خام مواد اس کی طرف سے نہیں ہوتا بلکہ سامان لانے کی پوری ذمہ داری خریدار کی ہوتی ہے، صانع کے ذمہ فقط کام ہوتا ہے، تو یہ عقد اجارہ ہوا جس کے ذریعہ کسی شخص کی خدمات متعین معاوضہ کے

بدلہ میں حاصل کی جاتی ہے، اس پر اجارے کے احکام مرتب ہوں گے۔ استصناع کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی۔

"أما الاستصناع فإن الصانع يقدم فيه مادة وعملاً بها، ولهذا لو تعاقد على أن يكون العين من صاحب العمل والعمل من الصانع كان العقد عقد إجارة لا استصناع" (عقد الاستصناع، علاقته بالعقود الجائزة، ۴۴)۔

جس طرح عقد استصناع میں اگر آرڈر کے مطابق چیز نہ پائی جائے تو خریدار کو رد کرنے کا اختیار ہوتا ہے، اسی طرح استصناع بالاجارۃ کی صورت میں بھی خریدار کو رد کرنے کا اختیار رہے گا، جیسا کہ علامہ کاسانی نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

"كما فرق الكاساني بين الاستصناع والاستئجار للصنع بقوله: إن أسلم إلى حداد حديداً ليعمل له إناء معلوما بأجر معلوم، أو جلداً إلى خفاف ليعمل له خفاً معلوماً بأجر معلوم فذلك جائز لا خيار فيه، لأن هذا ليس باستصناع بل استئجار فكان جائزاً، فإن عمل كما أمر، استحق الأجر، وإن فسد فله أن يضمنه حديداً مثله، لأنه لما أفسده فكأنه أخذ حديداً واتخذ فيه آنية من غير إذنه، والإناء للصانع، لأن المضمونات تملك بالضمان فهذه تختلف الإجارة فيها على الصناعة عن الاستصناع اختلافاً بائناً"۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ استصناع بالاجارہ کی صورت میں بھی اگر چیز آرڈر کے مطابق نہیں ہے تو خریدار کو رد کرنے کا اختیار رہتا ہے اور نقصان کی صورت میں جرمانہ بھی وصول کرسکتا ہے۔ جرمانہ کی ایک صورت یہ ہوگی کہ وہ بگڑی ہوئی چیز صانع کو دے دے اور صحیح سالم چیز واپس لے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ بگڑی ہوئی چیز جو آرڈر کے مطابق نہیں ہے، خریدار اگر اس کو لینا چاہتا ہے تو اس کی جو مارکیٹ قیمت ہوگی اس کے مطابق لے گا۔ جو قیمت آرڈر دیتے وقت طے ہوئی تھی وہ اس کا پابند نہ ہوگا (بدائع ۲، عقد الاستصناع ۷۷)۔

۸—فراہمی کا وقت:

استصناع میں یہ ضروری نہیں کہ سامان کی فراہمی کا وقت متعین کیا جائے تاہم اگر خریدار سامان کی فراہمی کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت طے کرے تو جائز ہے، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر تیار کنندہ فراہمی میں متعین وقت سے تاخیر کردے تو خریدار اسے قبول کرنے اور قیمت ادا کرنے کا پابند نہ ہوگا (اسلام اور جدید معاشی مسائل)۔

ڈاکٹر مولانا اعجاز صمدانی استاذ جامعہ کراچی اپنی کتاب اسلامی بینکاری اور غرر میں لکھتے ہیں کہ آج کل استصناع کے بعض معاہدوں میں یہ شق شامل کی جاتی ہے کہ اگر تیار کنندہ نے فلاں تاریخ تک مطلوبہ چیز تیار کر کے نہ دی تو فی یوم متعین قیمت کم ہوتی جائے گی۔

استصناع میں ایسی شق شامل کرنا جائز ہے، خصوصاً جدید اور بڑے منصوبوں میں جہاں مقررہ تاریخ سے تھوڑی سی تاخیر بہت بڑے مالی خسارے اور پریشانی کا باعث بن سکتا ہے (اسلامی بینکاری اور غرر: ۶۵)۔

"وإن كان للاستعجال بأن قال: على أن تفرغ منه غداً أو بعد غد كان صحيحاً" (شامی ۷، ۴۷۴)۔

مولانا تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

یہ بات یقینی بنانے کے لئے کہ سامان مطلوبہ مدت میں فراہم کردیا جائے گا، اس طرح کے بعض جدید معاہدے ایک تعزیری شق پر مشتمل ہوتے ہیں، جس کے نتیجہ میں اگر تیار کنندہ فراہمی میں متعین وقت سے تاخیر کردے تو اس پر جرمانہ ہوگا۔ جس کا حساب یومیہ کی بنیاد پر کیا

جائے گا، اوراس طرح کے تاوان والی شرط جو فریقین کے لئے معاہدہ کی تکمیل وتعمیل میں مددگار ہوتی ہے جس کو شرط جزائی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگرچہ شرط جزائی کے نام سے کوئی شرط اگلے دور میں نہیں ملتی۔ لیکن قرون فاضلہ میں اس کی معنوی صورت موجود تھی۔

"فقد روی البخاری بسنده عن ابن سیرین أن رجلاً قال لكريه أدخل ركابك فإن لم أرحل معك يوم كذا أو كذا فلك مائة درهم فلم يخرج فقال شريح: من شرط على نفسه طائعاً غير مكره فهو عليه۔

وقال أيوب عن ابن سيرين أن رجلاً باع طعاماً وقال إن لم آتك أربعاء فليس بيني وبينك بيع، فلم يجئ فقال شريح للمشترى: أنت أخلفت فقضى عليه" (فتح الباری شرح البخاری ۵/ ۲۶۲)۔

"ويقول الأستاذ الزرقاء في أواخر العهد العثماني اتسعت في الدولة التجارية الخارجية مع أورباء، وتطورت أساليب التجارة الداخلية والصنائع وتولدت في العصر الحديث أنواع من الحقوق لم تكن معهودة واتسعت مجالات عقود الاستصناع في التعامل بطريق الإيصاء على المصنوعات مع المعامل والمصانع الأجنبية، وقد ضاعف احتياج الناس إلى أن يشترطوا في عقودهم ضمانات مالية على الطرف الذي يتأخر عن تنفيذ التزامه في حينه ومثل هذا الشرط يسمى في اصطلاح الفقه الأجنبي الشرط الجزائي" (المدخل الفقہی العام: ۳۸۶)۔

خلاصہ یہ کہ شرعاً اس طرح تعزیری شرط کے بارے میں اگرچہ فقہاء کرام استصناع پر بحث کے دوران خاموش نظر آتے ہیں، لیکن انہوں نے اس طرح کی شرط کو اجارہ میں جائز قرار دیا، لہٰذا استصناع میں قیمت کو فراہمی کے وقت کے ساتھ منسلک کیا جاسکتا ہے۔ اگر فریقین اس بات پر متفق ہوجائیں کہ فراہمی میں تاخیر کی صورت میں فی یوم متعین مقدار میں سے کم ہوجائے گی تو یہ شرط جائز ہوگی۔

نوٹ: شرط مذکور سے تاخیر اگر اختیاری طور پر ہو تو تاوان ہوگا، لیکن اگر تاخیر اضطراری طور پر ہے جیسا کہ آج کل دیکھا جارہا ہے، صانع پوری کوشش میں لگا ہوا ہے، لیکن قدرتی طور پر چیزوں کی کمیابی یا تاخیر سے وصولیابی کی صورت میں صانع لاچار ہوتا ہے اور تاخیر ہوجاتی ہے، تو میری رائے یہ ہے کہ اگر تاخیر اضطراری ہو تو تاوان نہیں آنا چاہئے، ہذا ما عندی (تحدید المدة للاستصناع، ووضع الغرامة على ما زاد على المدة أمضروية)۔

عصر حاضر میں استصناع کے بعض نئی شکلیں اور ان کے احکام

مولانا محمد یوسف علی ☆

۱۔ پہلے زمانہ میں اگرچہ چھوٹے پیمانے کی چیزوں میں عقد استصناع ہوتا تھا، لیکن موجودہ زمانے میں بہت بڑے بڑے منصوبے پر عقد استصناع ہوتا ہے، جیسے کوئی مل لگاتا ہے، کوئی فلیٹ خرید کرتا ہے جس میں لاکھوں بلکہ کروڑوں روپیہ کا عقد ہوتا ہے اور اس پر تعامل الناس جاری ہو گیا ہے، لہذا اس کو جائز قرار دیا گیا ہے، کیونکہ تاتارخانیہ (۹؍۴۰۰) کی عبارت ہے:

''الاستصناع جائز في كل ما جرى التعامل فيه، ولا يجوز فيما لم يجر التعامل فيه كالثياب وما أشبهها''۔

اس سلسلہ میں اصول استحسان ہے، کیونکہ قیاس چاہتا ہے کہ یہ عقد جائز نہ ہو کیوں کہ وہاں بیع معدوم ہے اور معدوم چیز کی بیع جائز نہیں۔

لیکن فقہاء نے اس بیع کو تعامل الناس اور اجماع کی وجہ سے استحسانا جائز قرار دیا ہے اور کہا اس جگہ معدوم کو موجود کے قائم مقام بنایا گیا ہے، کیونکہ ہر زمانہ میں انسان ایسے عقد پر مبتلا ہے اور کسی نے منکر نہیں ٹھہرایا بلکہ اس کے جواز پر علماء کا اجماع ہے اور حضور ﷺ کا قول ہے: ''لا تجتمع أمتي على ضلالة''، اور ایسا ہی حضور ﷺ کا قول: ''ما راٰه المسلمون حسناً فهو حسن'' اور اجماع کے مقابلہ میں قیاس مرجوح ہوتا ہے، کیونکہ انسان ہر وقت ایسے عقد کا محتاج ہے، لہذا استحساناً ایسے عقد کو جائز قرار دیا گیا (بدائع الصنائع ۶؍۲، تاتارخانیہ ۹؍۴۰۰، بحرالرائق ۶؍۲۸۳)۔

الأول: يجوز الاستصناع استحساناً لتعامل الناس وتعارفهم في سائر الأعصار من غير نكير كذا في محيط السرخسي'' (فتاوی ہندیہ ۴؍۵۱۷)۔

الثاني: في دليله وهو الإجماع العملي وهو ثابت بالاستحسان (البحرالرائق ۶؍۲۸۳)۔

۲۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وعدہ بیع ہے اور احناف کے نزدیک خود بیع ہے، وعدہ بیع نہیں۔ **فإنما يجوز معاقدة لا مواعدة** (تاتارخانیہ ۹؍۴۰۰)۔

۳۔ استصناع میں خریدار جس چیز کو خریدتا ہے وہ عقد کے وقت اگرچہ معدوم ہوتی ہے جو منہی عنہ ہے، لیکن استصناع کی صورت میں وہ معدوم سے مستثنیٰ ہوگی، کیونکہ استصناع کی صورت میں بیع سلم اور اجارہ کے معنی میں ہونے کی وجہ سے اس معدوم کو موجود کے قائم مقام کر دیا گیا ہے، جیسا کہ فلیٹ کی خریداری کی صورت میں یہ پیش آتا ہے، لہذا تعامل الناس کی وجہ سے اور انسان کی حاجت دفع کرنے کے

☆ پرنسپل دیورائل دارالحدیث بدرپور، کریم گنج، آسام۔

لئے اس کو موجود کے معنی میں لے کر جائز قرار دیا جاتا ہے اور یہ معدوم سے مستثنیٰ ہوگی (بدائع الصنائع ۵ر ۳)۔

۴— کتابوں میں عقد استصناع کی مثال چھوٹے چھوٹے اشیاء منقولہ کا ملتا ہے لیکن اس عقد کو انسانی ضرورت اور تعامل الناس اور اجماع عملی کی وجہ سے استحساناً جائز قرار دیا گیا، اس لحاظ سے موجودہ زمانہ میں دیکھا جاتا ہے کہ اشیاء غیر منقولہ جیسے بلڈنگ، فلیٹ وغیرہ میں تعامل الناس جاری ہوگیا ہے، اس اصول پر اب اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں بھی وہ جائز ہوگا۔

۵— اسلامی ادارے ربا سے بچنے کے لئے استصناع کو بطور استثمار استعمال کرنے کے لئے جو طریقہ استصناع موازی یا متوازی کے نام سے کرتے ہیں جو تین فریقوں کے درمیان ہوتا ہے جس میں مالیاتی ادارے کی حیثیت درمیانی فریق کی ہوتی ہے، ادارہ ایک شخص سے آرڈر حاصل کرتا ہے اور دوسرے شخص کو خود آرڈر دیتا ہے اور دونوں کی قیمت میں ایسا فرق رکھتا ہے کہ پہلے شخص سے جو زیادہ رقم حاصل کرتا ہے وہ اس کا نفع ہوتا ہے اس صورت میں وہ شرعاً جائز ہوگا اس شرط پر کہ دونوں عقد منفصل ہو، ایک دوسرے کے ساتھ مشروط نہ ہو، ایک دوسرے پر موقوف نہ ہو، ایک کی ذمہ داریاں دوسرے کی ذمہ داریوں کے ساتھ تعلق نہ رکھتے ہو، کیونکہ آج کل ایسا معاملہ بہت چل رہا ہے تو اس کی فقہی تخریج استصناع ہے، ایسی صورت میں اس کو عقد استصناع مان کر اگر جائز قرار نہ دیا جائے تو لوگوں کو حرج لازم آجائے گا، اس لئے آدمی سے دفع حرج کے لئے اس کو استصناع مان کر شرعاً جائز قرار دیا جائے گا۔ اس کی دلیل حضور ﷺ کے ممبر بنانے کا معاملہ جو درمیان میں ایک عورت ہے اور بنایا نجار غلام نے حضور ﷺ کا عقد عورت سے اور عورت کا نجار غلام سے (انعام الباری شرح بخاری اقتصادی مولانا تقی عثمانی ص ۲۰)۔

۶— بعض دفعہ صانع کو جو ایک مناسب رقم بطور بیعانہ دینی پڑتی ہے، اس صورت میں اگر بائع یا صانع مشتری کے فرمودہ مواصفات کے مطابق مال تیار کر کے مشتری کے سامنے پیش کرے تو اس وقت ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق مشتری (مستصنع) کو خیار ملے گا لیکن امام ابو یوسف کے مذہب کے مطابق اگر صانع مستصنع کے فرمودہ مواصفات کے مطابق مال تیار کر کے مشتری کے سامنے پیش کرے تو مشتری کو خیار نہیں رہے گا، لہذا ابو یوسف کے مذہب کے مطابق بائع اس رقم کو ضبط کر سکتا ہے اور اس سے اپنے نقصان کی تلافی کر سکتا ہے اور حنفی اصول کے مطابق اگر چہ ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ ہوگا لیکن اس صورت میں ضرورت شدیدہ کی وجہ سے ابو یوسف کے قول کو مفتی بہ مان لیا جائے گا، کیونکہ موجودہ زمانہ میں عقد استصناع بڑی بڑی پیمانہ کے مقدار پر ہوتا ہے اور بڑی بڑی صناعت اس پر چل رہی ہے، اگر اس صورت میں مشتری مبیع کو عین مواصفات کے مطابق بنانے کے بعد مکر جائے تو صانع کو جو نقصان ہوگا اس کی کوئی تلافی کی صورت نہیں رہے گی، اس لئے دفع حاجت کے لئے ابو یوسفؒ کے قول کو مفتی بہ سمجھا جائے گا ورنہ صناعت کا کاروبار بند ہوجائے گا (شرح المجلہ ۲ر ۴۰۲—۴۰۶، الاداء: ۳۸۹—۳۹۲)۔

۷— اس صورت میں یہ عقد استصناع کے حکم میں نہ ہوگا بلکہ یہ اجارہ کے حکم میں ہوگا۔

کیونکہ استصناع میں عین اور عمل دونوں بائع کے لئے ہوتا ہے اور جب عین مشتری سے ہو تو وہ اجارہ ہوگا، کیونکہ فتاویٰ ہندیہ کی عبارت ہے:

”إن في الاستصناع أن تكون العين و العمل من الصانع فإذا كانت العين من المستصنع لا من الصانع تكون

إجارة ولا يكون استصناعاً كذا في المحيط" (فتاوی ہندیہ ۴/۵۱۷)۔

۸— عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی تاریخ اگر مقرر ہو جائے مگر بائع وقت مقرر پر فراہم نہ کر پائے تو خریدار اس کا تاوان وصول نہیں کر سکتا ہے، چاہے خریدار اس مقررہ تاریخ کے لحاظ سے اپنے گاہک سے معاملہ طے کر لے، کیونکہ دوسرے خریدار کے ساتھ بائع کا کوئی تعلق نہیں ہے اور عقد استصناع دفع حاجت کے لئے جائز قرار دیا جاتا ہے لہذا یہ عقد لازم نہیں ہے کہ اس پر تاوان کا حکم لگایا جائے اور بائع کو جبر کیا جائے بلکہ مبیع کو تیار کر کے مشتری کے سامنے جب تک حاضر نہ کیا جائے تب تک مستصنع کو عقد فسخ کرنے کا اختیار ہے، اور مبیع کو تیار کر کے مشتری کے سامنے پیش کرنے سے پہلے بائع کو دوسرے مشتری کے پاس فروخت کرنے کا بھی اختیار ہے، لہذا کسی صورت میں بائع پر تاوان نہیں لازم ہوگا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عقد استصناع میں بائع مشتری پر جبر نہیں کر سکتا ہے بلکہ دونوں کو اختیار ہے۔

شامی کی عبارت ہے :

"وحكمه الجواز دون اللزوم ولذا قلنا للصانع أن يبيع المصنوع قبل أن يراه المستصنع، لأن العقد غير لازم ولما في البدائع، وأما صفته فهي أنه عقد غير لازم قبل العمل من الجانبين بلا خلاف حتى كان لكل واحد منهما خيار الامتناع عن العمل كالبيع بالخيار للمتبايعين فإن لكل واحد منهما الفسخ، وأما بعد الفراغ من العمل قبل أن يراه المستصنع فكذلك حتى كان للصانع أن يبيعه ممن شاء، وأما إذا أحضره الصانع على الصفة المشروطة سقط خياره وللمستصنع الخيار هذا جواب ظاهر الرواية، وروى عنه ثبوته لهما وعن الثاني عدمه لهما والصحيح الأول وقال أيضاً : ولكل واحد منهما الامتناع من العمل قبل العمل بالاتفاق" (ردالمحتار ۵/۲۲۴)۔

عقد استصناع اور اس کی شرعی حیثیت

مولانا ریاست علی قاسمی رامپوری ☆

عقد استصناع کی لغوی اور اصطلاحی تعریف :

استصناع کے لغوی معنی ہیں : کسی چیز کو بنانے اور تیار کرنے کا حکم دینا اور اصطلاح شریعت میں کسی شخص کا کاریگر سے یہ کہنا کہ تم میرے لئے فلاں چیز تیار کر دو اور اس کا سائز، طول وعرض اور مادہ و میٹریل سب متعین کر دے اور اس کی ثمن بھی مقرر کر دے اور صانع، کاریگر اس کو قبول کر لے، اس کو عقد استصناع کہا جاتا ہے۔

''الاستصناع طلب الصنعة، وهو أن يقول لصانع خف أو مكعب أو أواني الصفر : اصنع لي خفا طوله كذا وسعته كذا أو دستا أي برمة تسع كذا ووزنها كذا على هيئة كذا بكذا ويعطي الثمن المسمى أو لا يعطي شيئا فيعقد الآخر معه'' (فتح القدير ...)۔

عقد استصناع کی مشروعیت اور اس کا حکم شرعی :

نصوص شرعیہ، قیاس اور عقل کے اعتبار سے عقد استصناع ناجائز ہے، کیونکہ یہ ایک معدوم شئی کی بیع ہے اور بیع معدوم ناجائز ہے اور سرکار دو عالم ﷺ نے جو چیز انسان کے قبضہ میں نہ ہو اس کو فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے، البتہ صرف عقد سلم کی بیع معدوم ہونے کے باوجود اجازت دی ہے، لیکن تعامل ناس، عرف اور عادت اور اجماع کی وجہ سے عقد استصناع استحساناً جائز ہے، اور یہ تعامل دور نبوت سے آج تک بلا کسی نکیر اور انکار کے ثابت اور جاری وساری ہے اور یہ تعامل فرمان نبوی : ''لا تجتمع أمتي على ضلالة'' (ترمذی ۲/ ۳۹، باب لزوم الجماعة) کے عموم میں داخل ہے اور آپ ﷺ کے اقوال وافعال سے بھی تعامل کا ثبوت ملتا ہے، آنحضور ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی تھی اور پچھنے لگوائے تھے، حالانکہ عمل حجامت کی مقدار اور فاسد مادہ کو کتنی بار نکالے گا آپ کو معلوم نہیں لیکن عمل حجامت معلوم ہے کہ وہ اس قدر ہو کہ فاسد مادہ باقی نہ رہے، اس طرح آپ ﷺ کو حمام کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے مردوں کے لئے ستر پوشی کے ساتھ نہانے کو مباح قرار دیا، حالانکہ آپ ﷺ کو یہ معلوم نہیں کہ نہانے والا کتنا پانی استعمال کرے گا اور کتنی دیر غسل خانہ میں رہے گا، البتہ نہانے کا عمل معلوم ہے تو ان تمام امور کا جواز تعامل ہی کی بنا پر ہے۔ دلائل درج ذیل ہیں :

۱۔ ''عن أنس رضي الله عنه أن النبي ﷺ اتخذ خاتما من فضة ... ونقش فيه محمد رسول الله'' (نسائی شریف ۲/ ۲۶۵، کتاب الزینة)۔

۲۔ ''عن ابن عباس رضي الله عنه أن النبي ﷺ احتجم وأعطى الحجام أجره'' (مسلم شریف ۲/ ۲۲۵)۔

۳۔ ''عن جابر رضي الله عنه أن النبي ﷺ قال : من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يدخل حليلته الحمام ومن كان يؤمن بالله

☆ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ۔

و الیوم الآخر فلا یدخل الحمام بغیر إزار" (ترمذی ۲/ ۱۰۷ باب ما جاء فی دخول الحمام)۔

۴۔ "وأما جوازه فالقیاس أن لا یجوز لأنه بیع ما لیس عند الإنسان لا علی وجه السلم وقد نهی رسول الله ﷺ عن بیع ما لیس عند الإنسان ورخص فی السلم ویجوز استحساناً لإجماع الناس علی ذلک، لأنهم یعملون ذلک فی سائر الأعصار من غیر نکیر وقد قال علیه الصلاة والسلام : لا تجتمع أمتی علی ضلالة، وقال علیه الصلاة والسلام : ما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن، والقیاس یترک بالإجماع الخ (بدائع ۴/ ۹۳-۹۴)۔

عقد استصناع کے لئے ضابطہ اور اصول :

عقد استصناع کا جواز چونکہ عرف وعادت اور تعامل ناس پر مبنی ہے، لہذا جن اشیاء میں تعامل اور عرف پایا جائے گا ان اشیاء میں عقد استصناع جائز ہوگا خواہ وہ اشیاء معمولی اور چھوٹی ہوں یا بڑی ہوں جبکہ ان کی نوع، صفت اور مقدار کو بیان کرنا ممکن ہو اور ازمان واعصار کے مختلف ہونے سے تعامل مختلف ہوسکتا ہے، مثلاً زمانہ قدیم میں تعامل ٹوپی، خفین جیسی اشیاء میں تھا اور موجودہ زمانہ میں فلیٹ، فیکٹری، مکان، گاڑی وغیرہ جیسی بڑی اشیاء میں تعامل ناس جاری ہے، لہذا موجودہ زمانہ میں چھوٹی بڑی اشیاء میں تعامل ناس اور عرف وعادت کی وجہ سے عقد استصناع شرعاً جائز ہوگا اور جن اشیاء میں تعامل جاری نہ ہو ان اشیاء میں حکم قیاس کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔

"وأما شرائط جوازه : منها أن یکون مما یجری فیه التعامل بین الناس من أوانی الحدید والرصاص والنحاس والزجاج والخفاف والنعال ولجم الحدید للدواب ونصول السیوف والسکاکین والقسی والنبل والسلاح کله والطشت والقمقمة ونحو ذلک ولا یجوز فی الثیاب، لأن القیاس یأبی جوازه وإنما جوازه استحساناً لتعامل الناس ولا تعامل فی الثیاب" (بدائع الصنائع ۴/ ۹۴)۔

"وأن یکون المصنوع فیما یجری فیه تعامل الناس کالمصنوعات والأحذیة والأوانی وأمتعة الدواب ووسائل النقل الآخری فلا یجوز الاستصناع فی الثیاب أو فی سلعة لم یجر العرف باستصناعها، ویصح فی عصرنا الحاضر الاستصناع فی الثیاب لجریان التعامل فیه والتعامل یختلف بحسب الأزمنة والأمکنة" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۳۹۵)۔

عقد استصناع بیع ہے یا وعدہ بیع :

اکثر مشائخ اور فقہاء کرام کے نزدیک عقد استصناع بیع ہے وعدہ بیع نہیں ہے، دلیل یہ ہے کہ امام محمد نے اس کو قیاس اور استحسان میں ذکر کیا ہے کہ قیاساً نا جائز ہے اور استحساناً جائز ہے، اگر یہ عقد استصناع وعدہ بیع ہوتا تو قیاس واستحسان دونوں اعتبار سے جائز ہوتا اور دوسری دلیل یہ ہے کہ عقد استصناع صرف ان اشیاء میں جاری ہوتا ہے جن میں تعامل ناس جاری ہو اگر یہ وعدہ بیع ہوتا تو جن اشیاء میں تعامل جاری ہو اور جن میں تعامل جاری نہ ہو دونوں میں عقد استصناع جائز ہوتا، اس پر سوال یہ ہے کہ جب عقد استصناع بیع ہے اور وعدہ بیع نہیں ہے، تو پھر صانع کی موت کی وجہ سے باطل کیوں ہوجاتا ہے حالانکہ بیع مکمل ہونے کے بعد باطل نہیں ہوتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ عقد استصناع کو عقد اجارہ سے بھی مشابہت حاصل ہے، کیونکہ من وجہ اس میں عمل بھی مطلوب ہوتا ہے اس مشابہت کی وجہ سے صانع یا مستصنع کی موت سے عقد استصناع باطل ہوجاتا ہے۔ "والصحیح أنه یجوز بیعاً لا عدة والمعدوم قد یعتبر موجوداً حکماً" (ہدایہ ۳/ ۸۴)۔

اشیاءِ مصنوعہ کو قبل الوجود دوسرے سے فروخت کرنے کا حکم :

آرڈر والی اشیاء کے وجود میں آنے سے پہلے اگر پہلا شخص دوسرے شخص کو اور دوسرا شخص تیسرے شخص کو اور اسی طرح سلسلہ وار فروخت ہوتا چلا جائے تو اس سلسلہ میں شرعی حکم یہ ہے کہ اگر یہ سلسلہ وار خریداری بیع استصناع کے طور پر ہے تو سلسلہ وار بیوع کی تمام صورتیں تعامل ناس کی وجہ سے جائز ہوں گی اور اس پر فقہاء کرام کی وہ عبارت دلالت کرے گی جس میں صانع کسی دوسرے شخص سے شیئ مصنوع حاصل کرکے مستصنع کے حوالہ کردے اور مستصنع اسے قبول کرلے تو یہ جائز ہے، اور اگر شیئ مصنوع کے وجود میں آنے سے پہلے وہ شخص کسی دوسرے شخص کو بیع مطلق کے طور پر فروخت کرے تو یہ دوسری بیع ناجائز ہوگی، کیونکہ یہ بیع المعدوم اور بیع مالیس عندالانسان کے زمرہ میں داخل ہوگی جو شرعاً ناجائز ہے۔

"والمعقود عليه العين دون العمل حتى لو جاء به مفروغاً عنه لا من صنعته أو من صنعته قبل العقد فأخذه جاز ولا يتعين، إلا بالاختيار حتى لو باعه الصانع قبل أن يراه المستصنع جاز وهذا كله هو الصحيح (ہدایہ ۳/ ۸۴-۸۵)۔

اشیاءِ منقولہ اور غیر منقولہ میں استصناع کا حکم :

چونکہ استصناع کے جواز کی بنیاد عرف وعادت اور تعامل ناس ہے، لہذا اشیاءِ منقولہ، اشیاء غیر منقولہ، جہاں بھی تعامل ناس کا تحقق ہوگا عقد استصناع ان اشیاء میں جائز ہوگا، کیونکہ تعامل ناس ازمنہ اور امکنہ کے مختلف ہونے سے مختلف ہوجاتا ہے۔

"ويجب أن يعلم بأن الاستصناع جائز في كل ما جرى التعامل فيه كالقلنسوة والخف والأواني المتخذة من الصفر والنحاس وما أشبه ذلك استحساناً ولا يجوز فيما لم يجر التعامل فيه كالثياب وما أشبهها" (تاتارخانیہ ۹/ ۲۰۰)۔

"لأن جوازه مع أن القياس يأباه ثبت بتعامل الناس فيختص بما لهم فيه تعامل ويبقى الأمر فيما وراء ذلك موكولاً إلى القياس" (بدائع ۴/ ۴۴۴)۔

مالیاتی اداروں کے لئے استصناع کو بطور استثمار استعمال کرنے کا حکم :

اسلامی مالیاتی اداروں کے لئے عقد استصناع کو بطور استثمار استعمال کرنے کی اجازت ہونی چاہئے، کیوں کہ یہاں دو عقد ہیں ایک اسلامی ادارے اور شخص اول کے درمیان اور دوسرا عقد اسلامی ادارے اور آرڈر دینے والے دوسرے شخص کے درمیان اور دونوں ہی عقود استصناع کے طور پر اور عقد استصناع استحساناً تعامل ناس کی وجہ سے بالاجماع درست اور جائز ہے اور دونوں قیمتوں میں اس قدر فرق رکھنا کہ اسلامی مالیاتی اداروں کو کچھ نفع حاصل ہوجائے تو اس میں بھی شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے، کیونکہ عقد استصناع شرعاً بیع ہے اور بیع میں نفع حاصل کرنا جائز ہے۔ "والمعقود عليه العين دون العمل حتى لو جاء به مفروغاً عنه لا من صنعته أو من صنعته قبل العقد فأخذه جاز" (ہدایہ ۳/ ۸۴)۔

"لأن العقد ما وقع على العين المعمول بل على مثله في الذمة لما ذكرنا أنه لو اشترى من مكان آخر وسلم إليه جاز" (بدائع الصنائع ۴/ ۹۵)۔

بیعانہ کی رقم کو ضبط کرنے کا حکم :

صورت مسئولہ میں صانع کے لئے بیعانہ کے طور پر حاصل کردہ رقم کو ضبط کرنا جائز نہ ہوگا، پھر مسئلہ مذکورہ میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جب صانع آرڈر کے مطابق مال تیار کردے اور اس کو مستصنع کے سامنے حاضر کردے تو صانع کا اختیار ختم ہو جائے گا البتہ مستصنع کو اختیار باقی رہتا ہے خواہ اس شیئ کو لے یا نہ لے، کیونکہ صانع بائع ہے اور بائع کو خیار رؤیت حاصل نہیں ہوتا اور مستصنع مشتری ہے اور مشتری کو خیار رؤیت حاصل ہوتا ہے، لیکن امام ابو یوسف کا دوسرا قول اس مسئلہ میں یہ ہے کہ صانع اور مستصنع دونوں میں سے کسی کو اختیار حاصل نہ ہوگا اور اس مسئلہ میں موجودہ زمانہ کے حالات کا لحاظ کرتے ہوئے امام ابو یوسفؒ کا قول ہی راجح ہونا چاہئے کہ صانع اور مستصنع میں سے کسی کو اختیار نہ ہو اور دونوں کے حق میں عقد استصناع لازم اور ضروری ہو اور وجہ ترجیح یہ ہے کہ اس صورت میں اگر مستصنع کو اختیار دے دیا جائے تو صانع کو ناقابل تلافی نقصان بھی ہوسکتا ہے، کیونکہ آرڈر پر خاص ڈیزائن کا کثیر مال تیار کرایا جاتا ہے اور مستصنع کے رد کرنے کی صورت میں اتنے بڑے مال کی سپلائی اور اس کے لئے خریدار دستیاب ہونا انتہائی دشوار اور مشکل کام ہے :

''فأما إذا أحضر الصانع العين على الصفة المشروطة فقد سقط خيار الصانع وللمستصنع الخيار، لأن الصانع بائع ما لم يره فلا خيار له فإن سلم إلى حداد حديداً ليعمل له إناء معلوماً بأجر معلوم أو جلداً إلى خفاف ليعمل له خفاً معلوماً بأجر معلوم فذلك جائز ولا خيار فيه، لأن هذا ليس باستصناع بل هو استيجار فكان جائزاً فإن عمل كما أمر استحق الأجر وإن فسد فله أن يضمنه حديداً مثله، لأنه لما فسده فكأنه أخذ حديداً له واتخذ منه آنية من غير إذنه والإناء للصانع لأن المضمونات تملك بالضمان'' (بدائع الصنائع ۴/ ۹۶)۔

وقت مقررہ پر شیئ مصنوع کو فراہم نہ کرنے کا حکم :

عرف اور تعامل یہی ہے کہ موجودہ دور میں عقد استصناع متعینہ مدت کے ساتھ ہی کیا جاتا ہے اور پھر بھی وہ عقد استصناع ہی رہتا ہے، کسی دوسرے نام سے وہ عقد موسوم نہیں ہوتا ہے کیونکہ فساد زمانہ کے وقت جبکہ بدمعاملگی عام ہے، اگر صانع کو یہ معلوم ہو جائے کہ متعینہ وقت میں شیئ مصنوع تیار کرکے مستصنع کو دینا تیرے ذمہ لازم نہیں ہے تو وہ ٹال مٹول کرتا رہے گا جو مفضی إلی النزاع ہوگا اور اس مسئلہ میں صاحبین کے قول کو ترجیح دی جائے گی کہ تعیین وقت کے باوجود بھی اس کو استصناع ہی کہا جائے گا، اور وقت مقررہ پر اگر صانع شیئ مصنوع فراہم نہ کرسکے تو مستصنع کو اختیار ہوگا خواہ شیئ مصنوع کی فراہمی کا انتظار کرے یا عقد کو فسخ کردے جیسا کہ عقد سلم میں ہوتا ہے، البتہ نقصان کا تاوان وصول کرنا درست نہ ہوگا۔

''وقال أبو يوسف ومحمد : هذا ليس بشرط وهو استصناع على كل حال ضرب فيه أجلاً أو لم يضرب، وجه قولهما : أن العادة جارية بضرب الأجل في الاستصناع، وإنما يقصد به تعجيل العمل لا بتأخير المطالبة فلا يخرج به عن كونه استصناعاً'' (بدائع الصنائع ۴/ ۹۴ ــ ۹۵)۔

عقد استصناع اور اس کے چند مسائل

مولانا محمد احسن عبد الحق ندوی ☆

جو چیز وجود میں نہ آئی ہو شرعاً اس کی بیع ناجائز ہے، حدیث شریف میں صراحت سے فرمایا گیا ہے: ''جو چیز تمہارے پاس نہیں ہے اس کی بیع نہ کرو'' (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)۔

لیکن اس ممانعت سے دو عقود مستثنیٰ ہیں: ایک بیع سلم دوسرے بیع استصناع۔

۱ — استصناع (مستقل عقد ہونے کی حیثیت سے) اکثر حنفیہ کے نزدیک استحسان کی بنیاد پر مشروع ہے۔ حنفیہ میں امام زفرؒ نے اس کو قیاس کے پیش نظر ممنوع قرار دیا ہے، اس لیے کہ یہ معدوم کی بیع ہے (بدائع الصنائع ۶/۲۶۷، فتح القدیر ۵/۳۵۵)۔

استحسان کی وجہ یہ ہے کہ آپ (ﷺ) نے انگوٹھی بنوائی اور رسول (ﷺ) کے زمانہ سے بغیر نکیر کے اس پر اجماع چلا آرہا ہے، اور لوگوں میں اس معاملہ کا رواج ہے اور اس کی سخت ضرورت ہے (بدائع الصنائع ۶/۲۶۷)۔

جہاں تک استصناع کا تعلق ہے تو اس کے معنی آرڈر دیکر کوئی چیز بنوانا ہے، مثلاً آپ جوتے کی دوکان پر گئے، آپ نے جوتوں کی ایک جوڑی پسند کی، لیکن وہ آپ کی ناپ کے نہیں تھے، آپ نے قیمت طے کر کے اپنی ناپ کے مطابق جوتے بنانے کا آرڈر دیا تو اس کو ''استصناع'' کہا جائے گا، اس بیع کے جواز کا اشارہ بعض احادیث سے ملتا ہے، مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آرڈر دے کر منبر اور انگوٹھی بنوائی، ظاہر طور سے یہ استصناع ہی کا عقد تھا لیکن اس کا اصل مدار تعامل اور عرف پر ہے، اسی لیے اس کا جواز بھی متفق علیہ نہیں ہے، اور جواز کی شرائط پوری طرح منضبط نہیں ہیں، لیکن فقہاء کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ چار شرائط پائی جائیں تو یہ عقد جائز ہوگا:

۱ — جس چیز کو تیار کروانا ہے اس کے اوصاف بیان کر کے اس طرح مکمل تعارف کرا دیا جائے کہ بعد میں نزاع کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے۔

۲ — دوسری شرط یہ ہے کہ جس چیز کو تیار کروانا ہے اس کو آرڈر دے کر تیار کروانے کا عرف اور تعامل بھی ہو، چنانچہ جن چیزوں میں تعامل نہ ہو اس میں استصناع جائز نہ ہوگا۔

۳ — تیسری شرط یہ ہے کہ ثمن متعین کرلیا جائے۔

۴ — چوتھی شرط یہ ہے کہ سامان حوالہ کرنے کی تاریخ بطور شرط کے نہ بیان کی گئی ہو، یہ شرط امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے، صاحبین کے نزدیک تاجیل کردی ہو تب بھی عقد استصناع ہی رہے گا، لیکن اگر لوگوں کا تعامل نہ ہو اور سلم کی شرائط پائی جا رہی ہوں تو بالاتفاق

☆ دار عرفات، رائے بریلی۔

یہ بیع سلم ہوگی (ہدایہ وفتح القدیر: ۶/ ۲۴۴، ہندیہ: ۳/ ۲۰۷، شامی: ۴/ ۲۳۶)۔

۲ — مشائخ کا اس میں اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے: یہ باہم وعدہ کا معاملہ ہے، خرید وفروخت نہیں ہے، بعض نے کہا ہے: یہ خرید وفروخت ہے، البتہ اس میں خریدار کو اختیار رہتا ہے اور یہی صحیح ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ امام محمدؒ نے اس کے جواز میں قیاس اور استحسان کا ذکر کیا ہے، اور یہ ''وعدوں'' میں نہیں ہوتا، اسی طرح اس میں خیار رؤیت ثابت کیا ہے اور خیار رؤیت خرید وفروخت کے ساتھ خاص ہے، اسی طرح اس میں تقاضا ہوسکتا ہے، اور تقاضا واجب کا ہوتا ہے، وعدہ کا نہیں (بدائع الصنائع: ۵/ ۲)۔

بعض حنفیہ کے نزدیک یہ ''وعدہ'' ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ صانع کو کام نہ کرنے کا اختیار ہے، لہٰذا استصناع کرنے والے کے ساتھ اس کا تعلق وعدہ کا تعلق ہے، عقد کا نہیں، اس لیے کہ صانع کے اپنے آپ پر کسی چیز کو لازم کرنے کے باوجود جو چیز اس پر لازم نہیں ہوتی وہ وعدہ ہوگا عقد نہیں، کیونکہ صانع کو عمل پر مجبور نہیں کیا جاسکتا (فتح القدیر: ۵/ ۲۵۵)۔

اکثر حنفیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ استصناع بیع ہے، چنانچہ حنفیہ نے بیع کی انواع شمار کراتے ہوئے اس میں استصناع کا ذکر کیا ہے، بعض حنفیہ نے کہا ہے کہ استصناع خالص اجارہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ابتداء کے اعتبار سے اجارہ اور انتہاء کے اعتبار سے بیع ہے (فتح القدیر: ۵/ ۲۵۶)۔

راقم کے نزدیک استصناع بیع ہے، وعدہ نہیں ہے۔

۳ — اوپر مذکور شرائط سے بخوبی اندازہ ہوگیا کہ فقہاء اس کی مثالوں میں صرف جوتے، برتن، خف اور اس طرح کی چند چھوٹی موٹی اشیاء ہی کا ذکر کیوں کرتے ہیں، اصل میں اس زمانہ میں صرف انہیں اشیاء میں اس کا تعامل تھا، دوسری چیزوں میں ان کا تعامل وتعارف نہیں تھا، بعض چیزوں کے اوصاف کو اس زمانہ میں پوری طرح صاف صاف بیان بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، آج زمانہ بدل چکا ہے بڑی بڑی چیزوں میں بھی استصناع کا تعامل ہوچکا ہے اور ان کے اوصاف کا انضباط بھی آلات جدیدہ سے ممکن ہوچکا ہے، آج جن چیزوں میں استصناع کا تعامل ہے ان میں بطور مثال آلات حرب، سڑک اور بلڈنگ وغیرہ کو پیش کیا جاسکتا ہے، بلڈنگ اور فلیٹ کا تعلق عوامی ضروریات سے ہے، اسی لیے سب سے زیادہ اسی سے متعلق بحث کی ضرورت ہوتی ہے، جیسا کہ عرض کیا گیا، بلڈنگ کے اوصاف کا انضباط بھی کیا جاسکتا ہے، اس میں استصناع کا تعامل بھی ہے، لہٰذا شرعاً اس کے جواز میں کوئی مانع نہیں ہے، یہ بتادیا جائے کہ بلڈنگ کا محل کیا ہوگا، فلیٹ کس منزل پر ہوگا، اس میں کتنے کمرے کس کس سائز کے ہوں گے، دوسری سہولیات کی نوعیت کیا ہوگی، تعمیری معیار کیسا ہوگا، ثمن کیا ہوگا، نقشہ کے ذریعہ ان امور کی وضاحت کی جاسکتی ہے، اس طرح چونکہ تمام شرائط پوری ہورہی ہیں، لہٰذا یہ عقد جائز ہوگا۔

۴ — مولانا خالد سیف اللہ صاحب لکھتے ہیں:

''جب تک ایک چیز وجود میں نہ آجائے اس کو بیچنا درست نہیں، لیکن اس سے ایک صورت مستثنیٰ ہے، جس کو استصناع کہتے ہیں، یعنی ایسی چیزیں جن کو آرڈر پر تیار کرنے کا رواج ہو جیسے جوتا وغیرہ، آج کل فلیٹ اسی انداز پر بنائے جاتے ہیں، فلیٹ کے نقشے، اس کی مکانیت، تعمیری معیار اور پوری تفصیلات واضح کردی جاتی ہیں، محل وقوع دیکھنے کی گنجائش ہوتی ہے اور اس کا فلیٹ کس منزل پر ہوگا یہ بھی واضح

کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے نزاع کا اندیشہ ختم ہو جاتا ہے، اس لیے جو لوگ فلیٹ تعمیر کر کے بیچتے ہیں ان کے لیے اس طرح خرید و فروخت کی گنجائش ہے" (کتاب الفتاوی ۵/ ۲۷۱)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب نے بھی استصناع کی مثالوں میں فلیٹ کا تذکرہ کیا ہے (اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۴/ ۷۱)۔

۵— استصناع متوازی: جس شخص کو سامان بنانے کا آرڈر دیا گیا ہے اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ خود بنا کر ہی سامان دے، یہ بھی کر سکتا ہے کہ آرڈر دینے والے کے اوصاف کا خیال رکھتے ہوئے دوسرے سے سامان بنوا لے، یا پہلے سے اپنا ہی بنایا ہوا سامان دیدے (ہدایہ و فتح القدیر: ۶/ ۲۴۳، شامی: ۴/ ۲۳۸)۔

مولانا تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

"یہ بھی ضروری نہیں کہ تمویل کار گھر کی خود تعمیر کرے، بلکہ وہ کسی تیسرے فریق کے ساتھ متوازی استصناع کے معاہدے میں بھی داخل ہو سکتا ہے، یا وہ کسی ٹھیکہ دار کی خدمات بھی حاصل کر سکتا ہے (جو کلائنٹ کے علاوہ ہو) دونوں صورتوں میں وہ لاگت کا حساب لگا کر استصناع کی قیمت کا تعین اس انداز سے کر سکتا ہے کہ اس سے اسے لاگت پر معقول منافع حاصل ہو جائے" (اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۵/ ۱۵۷)۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"وہ شخص جس کو فلیٹ تعمیر کرنا ہے وہ بینک سے عقد استصناع کرے کہ آپ مجھے یہ فلیٹ بنا کر دیں، تو اب بینک خود تو نہیں بنا کر دے سکتا، لہٰذا وہ کسی دوسرے آدمی سے علاحدہ اپنے طور پر استصناع کر لیتا ہے، آج کل کی اصطلاح میں اس کو "الاستصناع المتوازی" کہتے ہیں، یعنی دونوں متوازی ہیں کہ ایک عقد استصناع ابتداء میں اصل مستصنع اور بینک کے درمیان ہوا۔ اس کے جواز کی شرط یہ ہے کہ دونوں عقد منفصل ہوں، ایک دوسرے کے ساتھ مشروط نہ ہوں، ایک کی ذمہ داریاں دوسرے کی ذمہ داریوں کے ساتھ گڈمڈ نہ کی جائیں" (اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۴/ ۷۱)۔

۶— اکثر حنفیہ کے نزدیک استصناع غیر لازم عقد ہے، خواہ مکمل ہو چکا ہو یا نا تمام ہو، خواہ متفقہ شرائط کے مطابق ہو یا متفقہ شرائط کے مطابق نہ ہو، امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ اگر سامان بنا دیا جائے (اور متفقہ شرائط کے مطابق ہو) تو عقد لازم ہوگا، اور اگر شرائط کے موافق نہ ہو تو سب کے نزدیک غیر لازم ہوگا، اس لیے کہ وصف کے مفقود ہونے پر خیار ثابت ہوتا ہے (فتح القدیر: ۵/ ۳۵۵، حاشیہ ابن عابدین: ۴/ ۲۲۱)۔

عقد استصناع میں بعض دفعہ صانع کو ایک مناسب رقم بطور بیعانہ کے دینی پڑتی ہے، اگر صانع (بائع) آرڈر کے مطابق مال تیار کر دے؛ لیکن خریدار اس کو لینے سے مکر جائے تو بائع اس رقم کو ضبط کر کے اس سے اپنے نقصان کی تلافی کر سکتا ہے اور اگر آرڈر کے مطابق نہیں ہے، اس میں کمی زیادتی ہے تو صانع اپنے نقصان کی تلافی کے لیے بیعانہ کے طور پر دی گئی رقم کو نہیں لے سکتا، بلکہ مشتری جس کے مابین عقد استصناع ہوا ہے اس کو واپس کرنا ضروری ہوگا، اور صانع کو نقصان برداشت کرنا ہوگا، جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کا قول بیان کیا گیا۔

۷— میٹریل دے کر سامان بنوانا: اگر خام مال گاہک کی طرف سے مہیا کیا گیا، اور صانع سے صرف اس کی محنت اور مہارت مطلوب ہے تو یہ معاہدہ استصناع نہیں ہوگا، بلکہ یہ عقد اجارہ ہوگا، جس کے ذریعہ کسی شخص کی خدمات ایک متعین معاوضہ کے بدلہ حاصل کی جاتی ہیں، اور جس طرح عقد استصناع میں سامان مطلوبہ اوصاف کے مطابق نہ ہو تو آرڈر دینے والا اس کو لینے سے انکار کر سکتا ہے، اسی طرح

میٹریل خود فراہم کیا ہو تو سامان مطلوبہ اوصاف پر نہ ہونے کی صورت میں لینے سے انکار کر سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ میرا میٹریل واپس کرو اور یہ بھی کر سکتا ہے کہ سامان لے لے لیکن طے شدہ مزدوری نہ دے (ہندیہ: ۴/ ۴۹۵)۔

۸- وقت کا متعین ہونا یہ مختلف فیہ ہے، بعض حنفیہ کی رائے ہے کہ عقد استصناع میں شرط ہے کہ وقت کی تعیین نہ ہو، اگر استصناع میں وقت کا ذکر ہو تو وہ سلم ہو جائے گا اور اس میں سلم کی شرائط کا اعتبار ہوگا (البدائع: ۶/ ۲۶۷)۔

استصناع میں وقت کے متعین نہ ہونے کی شرط کی دلیل یہ ہے کہ سلم ذمہ میں واجب مبیع پر عقد کرنا ہے، جس کا وقت مقرر ہوتا ہے، اگر استصناع میں بھی وقت کی تعیین کردی جائے تو سلم کے معنی میں ہو جائے گا، گو کہ استصناع کا صیغہ استعمال ہو (تحفۃ الفقہاء: ۲/ ۵۳۹)۔

نیز یہ کہ تاجیل دین کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ وہ مطالبہ میں تاخیر کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے، اور مطالبہ میں تاخیر صرف اسی عقد میں ہوگی جس میں مطالبہ ہو، اور یہ صرف سلم میں ہے، کیونکہ استصناع میں دین نہیں ہوتا ہے (المبسوط: ۱۲/ ۱۴۰)۔

اس میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف ہے، کیونکہ ان دونوں حضرات کے نزدیک استصناع میں وقت مقرر کرنے کا عرف جاری ہے اور استصناع کا جواز محض تعامل کی بنیاد پر ہے، اور لوگوں کے مابین تعامل کی رعایت میں صاحبین کی رائے یہ ہے کہ استصناع میں وقت مقرر کرنے کا عرف ہے، لہٰذا وقت کے ذکر سے وہ سلم نہیں بنے گا (المبسوط: ۱۲/ ۱۳۹)۔

اور ان دونوں حضرات کے نزدیک جب استصناع بولا جاتا ہے تو اپنی حقیقت پر محمول ہوتا ہے، کیونکہ عاقدین کا کلام اپنے مقتضی پر محمول ہوگا، اور جب ایسا ہے تو وقت مقررہ میں جلدی کام کرنے پر آمادہ کرے گا، ڈھیل برتنے پر نہیں، تاکہ امام ابوحنیفہؒ کے اختلاف سے بچا جا سکے (حاشیہ ابن عابدین: ۴/ ۲۲۱، بدائع الصنائع: ۶/ ۲۶۷)۔

سامان حوالہ کرنے کی تاریخ بطور شرط کے بیان نہ کی گئی ہو، یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے، صاحبین کے نزدیک تاجیل کردی ہو تب بھی عقد استصناع ہی رہے گا، لیکن اگر لوگوں کا تعامل نہ ہو اور سلم کی شرائط پائی جا رہی ہوں تو بالاتفاق یہ بیع سلم ہوگی (ہدایہ و فتح القدیر: ۶/ ۲۴۲، ہندیہ: ۳/ ۲۰۷، شامی: ۴/ ۲۲۶)۔

عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی تاریخ مقرر ہو جائے، مگر بائع اسے وقت پر فراہم نہ کر پائے تو خریدار اس کا تاوان وصول نہیں سکتا ہے، اس لیے کہ یہ عرف میں نہیں۔

عصر حاضر کے تناظر میں عقد استصناع کے مسائل

مولانا محمد منصف بدایونی ☆

۱— عقد استصناع کے لئے اصول وضوابط :

عقد استصناع کے جواز کا اصل مدار تعامل ناس ہے، لہذا جن اشیاء کے بارے میں تعامل پایا جائے گا، ان میں استصناع جائز ہوگا چاہے وہ اشیاء چھوٹی ہوں یا بڑی، جبکہ ان کی نوع، صفت، مقدار بیان کی جاسکتی ہوں، اور تعامل مختلف زمانوں میں مختلف ہوسکتا ہے، مثلاً پہلے ٹوپی، برتن، جوتے میں تعامل تھا، اور آج کل فلیٹ، گاڑی، ہوائی جہاز وغیرہ میں تعامل پایا جاتا ہے، لہذا ان اشیاء میں بھی معتبر ہوگا۔

”وفي الاستحسان جاز، لأن الناس تعاملوه في سائر الأعصار من غير نكير فكان إجماعا منهم على الجواز فيترك القياس“ (بدائع الصنائع ۴؍۴۴۴ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

۲— استصناع بیع ہے وعدہ بیع نہیں ہے :

استصناع عام مشائخ کے نزدیک بیع ہے وعدہ بیع نہیں ہے۔

”ثم هو بيع عند عامة مشائخنا وقال بعضهم : هو عدة وليس ببيع“ (بدائع الصنائع ۴؍۴۴۴ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

”ثم الاستصناع فيما بين الناس فيه تعامل إذا جاء فيه استحسانا فإنما يجوز معاقدة لا مواعدة بدليل أن محمدا ذكر فيه القياس والاستحسان ولو كان مواعدة لجاز قياسا واستحسانا“ (تاتارخانیہ ۹؍۴۰۰ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

یعنی استصناع کا لوگوں میں تعامل ہے، لہذا اس کا جواز استحسانا ہے اور یہ بیع ہے وعدہ بیع نہیں ہے، اس لئے کہ امام محمدؒ نے اس کو قیاس واستحسان میں ذکر کیا ہے قیاسا ناجائز اور استحساناً جائز قرار دیا ہے۔

اور اگر وعدہ بیع ہوتا تو پھر قیاسا واستحسانا دونوں اعتبار سے جائز ہوتا، نیز استصناع صرف ان اشیاء میں جاری ہوتا ہے جن میں تعامل ہو اور اگر وعدہ بیع ہوتا تو جن میں تعامل ہو اور جن میں تعامل نہ ہو دونوں طرح کی اشیاء میں جاری ہوتا۔

”وهما لا يجريان في المواعدة ولأنه جوزه فيما فيه تعامل دون ما ليس فيه، ولو كان مواعدة جاز في كل“ (فتح القدیر ۷؍۱۰۸ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

۳— شیٔ مصنوع کی دوسرے کے ساتھ بیع :

مصنوع کے وجود میں آنے سے پہلے دوسرے شخص کے ہاتھ بیع اگر بطور استصناع ہے مثلاً پہلے مستصنع نے بطور صانع ایک آرڈر

☆ استاذ حدیث وفقہ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ، یوپی۔

لے لیا، اسی طرح دوسرے نے تیسرے سے آرڈر لے لیا ہو تو یہ تمام بیعیں جائز ہوں گی، اس پر فقہاء کی وہ عبارت دلالت کرتی ہے جس میں صانع کسی دوسرے سے شیئ مصنوع حاصل کر کے مستصنع کے حوالہ کر دے اور مستصنع اسے قبول کر لے تو یہ جائز ہے۔

"حتی لو جاء به مفروغا لا من صنعته أو من صنعته قبل العقد فأخذ جاز" (العنایہ مع فتح القدیر ۷/۱۰۸ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

اور اگر شیئ مصنوع کے وجود میں آنے سے پہلے وہ کسی دوسرے شخص کے ہاتھ بیع مطلق کے ذریعہ بیچی جائے تو یہ دوسری بیع جائز نہ ہوگی، کیونکہ یہ شیئ معدوم کی بیع ہے اور شیئ معدوم کی بیع جائز نہیں ہے۔

۴- استصناع کا تعلق اشیاء غیر منقولہ سے بشرط تعامل ہوگا:

جب استصناع کا مدار تعامل ناس پر ہے تو جس چیز پر تعامل ہو جائے خواہ وہ شیئ منقولی ہو یا غیر منقولی اس سے استصناع کا تعلق ہوگا، کیونکہ زمانہ کے اختلاف سے تعامل مختلف ہو سکتا ہے۔

"لأن جوازه مع أن القياس يأباه ثبت بتعامل الناس فيختص بما لهم فيه تعامل، ويبقى الأمر في ماوراء ذلك موكولا إلى القياس" (بدائع الصنائع ۴/۴۴۳ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

"يجب أن يعلم بأن الاستصناع جائز في كل ما جرى التعامل فيه كالقلنسوة والخف والأواني المتخذة من الصفر والنحاس وما أشبه ذلك استحسانا" (تاتارخانیہ ۹/۴۰۰ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

۵- استصناع بطور استثمار:

استصناع کو بطور استثمار استعمال کرنے کی اجازت ہونی چاہئے، کیونکہ صانع ایک دوسرے شخص سے شیئ مصنوع حاصل کر کے مستصنع کے حوالہ کرے تو یہ اس کے لئے جائز ہے اور دوسرے شخص سے شیئ مصنوع کا حصول مطلق بیع سے بھی ہو سکتا ہے اور استصناع کے ذریعہ بھی ہو سکتا ہے اور اس طرح کا تعامل بھی پایا جاتا ہے کہ ایک ایجنسی چھوٹے تاجروں سے آرڈر لے کر بڑی کمپنی یا بڑے کارخانہ کو آرڈر دیتی ہے اور پھر مال حاصل کر کے چھوٹے تاجروں کو دیتی ہے اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جب استصناع کو تعامل کی وجہ سے بیع مان لیا گیا تو اس سے حاصل ہونے والا نفع بھی جائز ہوگا، اس کے لئے بھی فقہاء کی یہ عبارت مستدل بن سکتی ہے۔

"لأن العقد ما وقع على عين المعمول بل مثله في الذمة لما ذكرنا أنه لو اشترى من مكان آخر وسلم إليه جاز" (بدائع الصنائع ۴/۹۵ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

"حتی لو جاء به مفروغا لا من صنعته أو من صنعته قبل العقد فأخذ جاز" (العنایہ مع فتح القدیر ۷/۱۰۸ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

"فإن جاء الصانع بمصنوع غيره أي بما صنع غيره أو بمصنوعه قبل العقد فأخذه أي الآمر صح" (شامی ۷/۴۷۴ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

۶- ظاہر الروایت کے مطابق بیعانہ کی رقم کو ضبط کرنا جائز نہیں:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جب صانع آرڈر کے مطابق مال تیار کر دے اور مستصنع کے سامنے حاضر کر دے تو صانع کا اختیار ساقط ہو جاتا

ہے، البتہ مستصنع کو اختیار باقی رہتا ہے چاہے تو لے اور چاہے تو نہ لے، کیونکہ صانع بائع ہے اور بائع کو خیار رؤیت حاصل نہیں اور مستصنع مشتری ہے اور مشتری کو خیار رؤیت ملا کرتا ہے، اس لئے اسے اختیار ملے گا لہذا صانع کے لئے بیعانہ کی رقم کو ضبط کرنا جائز نہ ہوگا۔

”فأما إذا أحضر الصانع العين على الصفة المشروطة فقد سقط خيار الصانع وللمستصنع الخيار، لأن الصانع بائع ما لم يره فلا خيار له وأما المستصنع فمشترى ما لم يره، فكان له الخيار هذا جواب ظاهر الرواية عن أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رحمهم الله، وروى عن أبي يوسف رحمه الله أنه لا خيار لهما جميعاً، وجه رواية أبي يوسف أن الصانع قد أفسد متاعه وقطع جلده وجاء بالعمل على الصفة المشروطة، ولو كان للمستصنع الامتناع من أخذه لكان فيه إضرار بالصانع“ (بدائع الصنائع ۵/ ۹۵—۹۶ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

”وقال أبو يوسف رحمه الله: أو لا يجبر المستصنع دون الصانع وهو رواية عن أصحابنا ثم رجع عن هذا، وقال: لا خيار لواحد منهما بل يجبر الصانع على العمل ويجبر المستصنع على القبول“ (تاتارخانیہ ۹/ ۱۰۶م مکتبہ زکریا دیوبند)۔

امام ابو یوسفؒ کی آخری روایت ہے کہ صانع اور مستصنع میں سے کسی کو اختیار نہیں ملے گا اور عقد استصناع دونوں کے حق میں لازم ہوگا۔

کیونکہ مستصنع کو اگر اختیار دے دیا جائے تو صانع کا بہت بڑا نقصان ہو جائے گا، خصوصاً موجودہ دور میں مستصنع کو اختیار دینے کی شکل میں صانع کا ناقابل تلافی نقصان بھی ہوسکتا ہے، اس لئے کہ اس ڈیزائن کا کثیر تعداد میں مال سپلائی ہو جائے اور اس کا کوئی مشتری (خریدار) مل جائے یہ نہایت مشکل ہے۔

۷۔ مستصنع (خریدار) کے میٹریل فراہم کرنے کا حکم:

آرڈر دینے والا شخص شیٔ مصنوع کے لئے جب خود مادہ (میٹریل) فراہم کرے اور صانع کا کام صرف آرڈر کے مطابق مال تیار کرنا ہو تو یہ عقد اجارہ ہوگا، عقد استصناع نہیں ہوگا، اس صورت میں اگر صانع آرڈر کے مطابق مال تیار نہ کرے تو آرڈر دینے والے کو صانع سے میٹریل (مادہ) کی قیمت وصول کرنے کا حق ہوگا اور تیار شدہ مال صانع کا ہوگا۔

”فإن سلم إلى حداد حديداً ليعمل له إناء معلوماً بأجر معلوم أو جلداً إلى خفاف ليعمل له خفاً معلوما بأجر معلوم فذلك جائز ولا خيار فيه، لأن هذا ليس باستصناع بل هو استيجار فكان جائز أفإن عمل كما أمر استحق الأجر وإن فسد فله أن يضمنه حديداً مثله، لأنه لما أفسده فكأنه أخذ حديداً له واتخذ منه آنية من غير إذنه والإناء للصانع، لأن المضمونات تملك بالضمان، والله أعلم بالصواب (بدائع الصنائع ۵/ ۹۶ مکتبہ زکریا)۔

جرمانہ وصول کرنا جائز نہیں البتہ ازسرنو معاملہ کرسکتا ہے:

پھر آرڈر دینے والے کے لئے اسی تیار شدہ مال کو قبول کرنا ضروری ہو تو ازسرنو بیع کا معاملہ کر کے اس کو خرید سکتا ہے، اس معاملہ کا پہلے معاملہ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا، کیونکہ پہلے اس نے سالم میٹریل کی قیمت وصول کی ہے اور اب تیار شدہ مال خرید رہا ہے تو گویا کہ صانع نے

میٹریل خرید کر اپنا مال تیار کیا تو اب اس مال میں نفع ونقصان دونوں کا احتمال ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ میٹریل کی قیمت سے زیادہ میں بکے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اصل قیمت سے کم میں بک جائے۔

۸—وقت مقررہ پر شیئ مصنوع کے فراہم نہ کرنے کا حکم :

عقد استصناع موجودہ دور میں متعینہ مدت کے ساتھ ہی کیا جاتا ہے، عرف اور تعامل اسی پر ہے۔

نیز بد معاملگی کے دور میں اگر صانع کو یہ معلوم ہو جائے کہ متعینہ وقت میں شیئ مصنوع کا دینا تیرے اوپر لازم نہیں ہے تو وہ ٹال مٹول کرتا رہے گا جو جھگڑے کا سبب بنے گا، اس مسئلہ میں صاحبین کے قول کو ترجیح ہوگی اور تعیین وقت کے باوجود بھی اس کو استصناع مانا جائے گا۔ اور وقت مقررہ پر صانع اگر شیئ مصنوع فراہم نہ کر سکے تو مستصنع کو اختیار ہوگا چاہے تو انتظار کرے اور چاہے تو بیع کو فسخ کر دے جیسا کہ عقد سلم میں ہوتا ہے۔

"وقال أبو يوسف ومحمد رحمهما الله : هذا ليس بشرط وهو استصناع على كل حال ضرب فيه أجلاً أو لم يضرب، وجه قولهما : أن العادة جارية بضرب الأجل في الاستصناع وإنما يقصد به تعجيل العمل لا تأخير المطالبة فلا يخرج به عن كونه استصناعا (بدائع الصنائع ۴؍ ۹۴ کتاب الاستصناع)۔

استصناع — احکام ومسائل

مفتی شاہد علی قاسمی ☆

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ استصناع کا معاملہ بیع سلم سے قریب تر ہے، یہی وجہ ہے کہ مالکیہ اور شوافع کے نزدیک استصناع کوئی مستقل عقد نہیں ہے، اسی لئے استصناع کو سلم کے ساتھ ملحق کردیا ہے، اور سلم سے ملحق ہونے کی وجہ سے سلم کی شرطوں کو ملحوظ رکھا ہے (موسوعہ فقہیہ ۳/۳۲۶)، جبکہ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک استصناع مستقل عقد ہے، اور اس کی تفصیلات سلم سے قدرے مختلف ہیں (دیکھئے حوالہ سابق ۳/۳۲۵)۔ تاہم بعض صورتوں میں استصناع وسلم میں مماثلت محسوس ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی کی کتابوں میں استصناع کے مسائل بیع سلم کے ضمن میں ذکر کئے گئے ہیں۔

۱ — کن چیزوں میں استصناع درست ہے؟

حنفیہ کے نزدیک سلم میں ضروری ہے کہ مسلم فیہ (جس چیز میں سلم کا معاملہ کیا جارہا ہو) عقد سلم کے وقت سے اس کی حوالگی تک دستیاب ہو، لوگوں کے درمیان سے بالکلیہ منقطع نہ ہوا ہو، یعنی اگر مسلم الیہ (بائع) مسلم فیہ کو رب السلم (مشتری) کو حوالہ کرنا چاہے تو مسلم الیہ کو وہ چیز بازار وغیرہ میں مل جائے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: **"ولا یجوز السلم حتی یکون المسلم فیہ موجوداً من حین العقد إلی حین المحل"** (ہدایہ مع الفتح ۶/۲۱۳)۔

سلم کے مقابلہ میں استصناع کے لئے شیئ مصنوع کا عقد کے وقت پایا جانا ضروری نہیں، گویا استصناع کا معاملہ ایسی چیز میں بھی ہوتا ہے جو بالکلیہ معدوم ہو، اور صانع کے عمل کے بعد ہی وہ وجود میں آئے، البتہ استصناع کا معاملہ ایسی ہی چیز میں ہوسکتا ہے جس میں درج ذیل شرطیں پائی جائیں:

۱ — جنس بیان کردی جائے، جیسے خفین، جوتا، چپل، کرسی وغیرہ۔

۲ — نوع کی وضاحت کردی جائے، جیسے جوتا کی بات ہوئی ہو تو آرڈر دینے والا بتادے کہ فلاں معیار کا چمڑا استعمال ہو، یا فلاں معیار کا میٹریل ہو۔

۳ — مقدار معلوم ہو، جیسے وہ جوتا ایک جوڑ ہو، دو جوڑ ہو، یا تین جوڑ ہو وغیرہ۔

۴ — صنعت بتلادی جائے، جیسے مستصنع یہ کہے کہ جوتا کی ساخت اس طرح ہونی چاہئے وغیرہ۔

۵ — یہ بھی شرط ہے کہ استصناع کا معاملہ اسی چیز میں ہو جس میں اس طرح کا معاملہ کرنا عرف میں رواج ہو، اگر لوگوں کا تعامل اس

☆ استاذ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد۔

سامان میں استصناع کا نہ ہوتو ایسی چیز میں استصناع کا معاملہ درست نہیں، مشہور حنفی فقیہ علامہ کاسانی رقمطراز ہیں :

"وأما شرائط جوازہ : فمنها : بیان جنس المستصنع ونوعه وقدرہ وصفته، لأنه مبیع، فلابد أن یکون معلوماً، ومنها أن یکون ما للناس فیه تعامل کالقلنسوۃ والخف والآنیة ونحوها، فلایجوز فیما لاتعامل لھم فیه" (بدائع الصنائع ۴/۴۴۴)۔

(بہرحال استصناع کے جواز کی شرائط، تو یہ اس طرح ہیں کہ آرڈر دینے والا جنس، نوع، مقدار اور اس کی صفت بیان کردے، اس لئے کہ وہ چیز مبیع ہے، اس لئے اس کا معلوم ہونا ضروری ہے، ان ہی میں سے یہ بھی ہے کہ اس چیز میں لوگوں کا تعامل ہو، جیسے ٹوپی، چمڑے کا موزہ، برتن وغیرہ، لہٰذا استصناع کا معاملہ اس چیز میں جائز نہیں جس میں لوگوں کا تعامل نہ ہو)۔

خلاصہ یہ ہے کہ استصناع کا معاملہ اسی چیز میں ہوسکتا ہے جس کی پوری وضاحت کی جاسکتی ہو، یعنی ایسی وضاحت کہ فریقین کے درمیان کوئی ابہام باقی نہ رہے، نیز اس میں استصناع کا تعامل بھی ہو۔

فی زمانہ مکانات میں استصناع کا معاملہ مروج ہے، اور کمپیوٹر یا دوسرے آلات کی مدد سے مکانات کی ایسی ڈیزائننگ کی جاتی ہے کہ اس میں کوئی ابہام بھی باقی نہیں رہتا ہے۔

۲–استصناع بیع ہے یا وعدہ بیع؟

استصناع بیع ہے یا وعدہ بیع؟ اس سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، علامہ ابن ہمام نے قدرے تفصیل سے اسے بیان کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ حاکم شہید، صفار، محمد بن سلمہ، اور صاحب منثور کے نزدیک یہ وعدہ بیع ہے، اور جب سامان تیار ہوجائے اور اس کی حوالگی ہونے لگے تو اس وقت تعاطی کے طریقہ پر خود بہ خود بیع ہوجائے گی۔ "فالحاکم الشھید والصفار ومحمد بن سلمة وصاحب المنثور مواعدۃ وإنما ینعقد عند الفراغ بیعاً بالتعاطی" (فتح القدیر ۶/۲۴۲)۔

اس کے مقابلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ عقد استصناع بہ ذات خود بیع ہے، نہ کہ وعدہ بیع، عام مشائخ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ کاسانی (بدائع الصنائع ۴/۴۴۴) صاحب ہدایہ (ہدایہ مع الفتح ۶/۲۴۲) اور علامہ حصکفی وغیرہ نے اسی کو راجح کی حیثیت سے پیش کیا ہے، علامہ حصکفی کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں: "صح الاستصناع بیعاً لاعدۃ علی الصحیح" (درمختار مع ردالمحتار ۷/۴۷۵)۔

آج کل انتہائی قیمتی چیزوں میں بھی استصناع کا رواج وتعامل ہے، اگر استصناع کو صرف وعدہ ہی پر محمول کیا جائے تو کبھی بھی کوئی فریق معاملہ کو ختم کرنے کا مجاز ہوگا، ایسی صورت میں فریقین میں سے کبھی ایک فریق اور کبھی دوسرے فریق کا غیر معمولی نقصان ہوگا، اس لئے مصلحت کا بھی تقاضا ہے کہ اسے مستقل بیع قرار دی جائے نہ کہ وعدہ بیع، غالباً اسی وجہ سے شرح مجلہ میں صرف اس کے بیع ہونے اور اس کے لازم ہونے اور فریقین میں سے کسی ایک کے لئے رجوع کی گنجائش نہ ہونے کی صراحت کی ہے۔

"إذا انعقد الاستصناع فلیس لأحد العاقدین الرجوع عنه، وإذا لم یکن المصنوع علی الأوصاف المطلوبة المبینة کان المستصنع مخیراً" (شرح المجلہ، مادہ ۳۹۲)۔

پس راجح قول کے مطابق عقد استصناع بیع ہے نہ کہ وعدہ بیع، اس لئے بیع ہی کے احکام جاری ہوں گے۔

۳–عقد استصناع کرنے کے بعد خریدار کا شیئ تیار ہونے سے پہلے دوسرے کے ہاتھ بیچنا، دوسرے کا تیسرے کے ہاتھ بیچنا اور

تیسرے کا چوتھے کے ہاتھ بیچنا وغیرہ ناجائز ہے، کیونکہ عقد استصناع آرڈر دینے والے اور آرڈر قبول کرنے والے کے درمیان خلاف قیاس جائز ہے، خلاف قیاس ہونا تو ظاہر ہے کہ یہ معدوم کی بیع ہے، اور معدوم کی بیع اصلاً باطل ہے، لیکن عقد استصناع اس سے مستثنیٰ ہے، اور جو چیز خلاف قیاس ناجائز ہو وہ اپنے مورد پر خاص رہتی ہے، اس کے دائرہ کو وسیع نہیں کیا جاسکتا۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے ایسی چیز سے نفع اٹھانے کو منع فرمایا، جو ضمان میں نہ آئی ہو۔ "**نهى رسول الله ﷺ عن ربح مالم يضمن**" (ترمذی، کتاب البیوع، حدیث نمبر ۱۲۳۴، عن عبداللہ بن عمر)۔

اس لئے خریدار کا دوسرے خریدار کو، دوسرے خریدار کا تیسرے خریدار کو ایسی چیز بیچنا ربح مالم یضمن کے دائرہ میں آنے کی وجہ سے ناجائز ہوگا، نیز اس میں سود کا دروازہ کھلنے کا بھی اندیشہ ہے، کیونکہ جب تک شیئ وجود میں نہ آجائے اور لوگ یکے بعد دیگرے بیچتے چلے جائیں تو بظاہر یہ روپیوں کا تبادلہ روپیہ سے ہونا معلوم ہوتا ہے، اور جب روپیہ کا تبادلہ روپیہ سے ہو، تو کمی و زیادتی کے ساتھ معاملہ ناجائز ہو جاتا ہے، اس لئے دریافت کردہ صورت کی اجازت نہیں ہوگی، البتہ خریدار اول خریدار ثانی سے وعدہ کرسکتا ہے، مثلاً یہ کہے کہ فلاں مکان جو بن رہا ہے جب میرے قبضہ میں آجائے تو تمہارے ہاتھ اتنے روپے میں فروخت کردوں گا، ایسی صورت میں وعدہ کے احکام جاری ہوں گے، نہ کہ بیع کے، وعدہ کو پورا کرنا گو ضروری ہے لیکن کوشش کے باوجود وعدہ پورا نہ کرسکے تو وہ ان شاء اللہ گنہگار بھی نہیں ہوگا۔

۴—اموال منقولہ وغیر منقولہ میں استصناع :

پہلے سوال کے جواب میں تفصیل گذر چکی ہے کہ جس چیز کی پوری وضاحت کی جاسکتی ہو، اور اس کی جنس، نوع، مقدار اور صفت وغیرہ بیان کی جائے اور آرڈر لینے والا ٹھیک اسی صفت کے مطابق وہ چیز بنا کر پیش کرنے پر قادر ہو، نیز اس چیز میں استصناع کا تعامل ہو، تو ایسی چیزوں میں استصناع کا معاملہ درست ہوگا، جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ کپڑے میں استصناع درست نہیں ہے، علامہ حصکفی فرماتے ہیں :

"**ولم يصح فيما لم يتعامل فيه كالثوب**" (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۷/۴۷۷)۔

لیکن بعد کے اہل علم نے کپڑوں میں تعامل کو دیکھتے ہوئے استصناع کو جائز قرار دیا، ڈاکٹر وہبہ زحیلی حفظہ اللہ فرماتے ہیں :

"**ويصح في عصرنا الحاضر الاستصناع في الثياب لجريان التعامل فيه، والتعامل يختلف بحسب الأزمنة والأمكنة**" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۶۹۵)۔

موجودہ زمانہ میں کپڑوں میں استصناع درست ہے؛ کیونکہ اس میں لوگوں کا تعامل ہے اور زمان و مکان کے اعتبار سے تعامل مختلف ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے جہاں اموال غیر منقولہ میں استصناع درست ہے، وہیں اموال غیر منقولہ جیسے مکانات میں درست ہوگا، کہ فی زمانہ مکانات میں استصناع کا معاملہ کافی مروج ہو چکا ہے، نیز اس میں استصناع کی شرطوں کو ملحوظ رکھنے میں دشواری بھی نہیں ہے، جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ فریقین کے درمیان جس ڈیزائن کے مکان کا معاہدہ ہوتا ہے، آرڈر لینے والا ٹھیک اسی ڈیزائن کے مطابق مکان بنانے پر قادر بھی ہوتا ہے، اور اسی طرح کا بنا کر پیش بھی کرتا ہے، اس لئے اشیاء منقولہ کے علاوہ اشیاء غیر منقولہ میں بھی استصناع درست ہے۔

۵— عقد استصناع کرنے کے بعد اگر خریدار نے کچھ رقم بطور بیعانہ دے دی ہو، اور بعد میں اس کا ارادہ بدل جائے، چنانچہ سامان مطلوبہ اوصاف کے مطابق بننے کے بعد وہ خریدنے سے انکار کر جائے تو اس کا انکار کرنا شرعاً جائز نہیں، جیسا کہ تحریر کیا گیا کہ عقد

استصناع بیع ہے نہ کہ وعدہ بیع، اور جب بیع ہو چکی تو عقد لازم ہو گیا، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: "إذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع، ولا خيار لواحد منهما إلا من عيب أو رؤية" (ہدایہ ۳/۲۰) (جب ایجاب وقبول ہو جائے تو بیع لازم ہو گئی، اور اب ان دونوں میں سے کسی کو اختیار نہیں ہے، سوائے خیار عیب اور خیار رؤیت کے)۔

اس لئے خریدار پر دباؤ ڈالا جائے گا کہ وہ اس معاملہ کو باقی رکھتے ہوئے سامان پر قبضہ کرے، اور آرڈر قبول کرنے والے (بائع) کو باقی ثمن ادا کرے، دباؤ ڈالنے کے لئے جو اخلاقی یا قانونی چارہ جوئی ہو سکتی ہو بائع اسے بروئے کار لائے۔

اگر دباؤ بھی کارگر نہ ہو اور خریدار کسی طرح لینے کے لئے آمادہ نہ ہو تو اگر تیار کردہ مال ایسا ہو جس کا بعض حصہ حوالہ کیا جا سکتا ہو، جیسے صابن، کپڑے، بوتل وغیرہ تو ایسی صورت میں بیعانہ کی رقم کے بقدر بائع وہ مال خریدار کے حوالہ کر دے، اگر لینے کے لئے تیار نہ ہو تو اس کے سامنے رکھ دیا جائے، کیونکہ تخلیہ بھی قبضہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ "فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي" (بدائع الصنائع ۴/۴۹۸)۔

اگر آرڈر پر بننے والی چیز اس نوعیت کی نہ ہو، جیسے مکانات، کہ اس میں مکان کے تھوڑے حصے کو خریدار کے حوالہ کرنا یا تو ناممکن ہے یا کم از کم مشکل ہے، نیز اگر اس مکان میں کئی کمرے ہوں، اور بیعانہ کی رقم ایک کمرہ کی مالی حیثیت کے برابر ہو تو اس صورت میں بھی ایک کمرہ خریدار کو دینا صانع کے لئے ضرر کا باعث ہے کہ ایسی صورت میں باقی مکان کی مناسب قیمت نہیں آ سکے گی، ان حالات میں بائع کو چاہئے کہ وہ نئے خریدار کی تلاش کرے، اگر نیا خریدار مل جائے، اور مناسب ریٹ پر معاملہ ہو جائے، یعنی بائع کا نقصان نہ ہوا ہو، تو پھر ایسی صورت میں بائع خریدار اول کو بیعانہ کی رقم واپس کر دے، گویا اس نے پہلے معاملہ کو یکطرفہ طور پر فسخ کر کے خریدار اول کی رقم واپس کر دی، اور خریدار ثانی سے عقد جدید کر لیا۔ لیکن اگر خریدار ثانی سے مناسب قیمت نہ آ سکے، یا دوسرا خریدار نہ مل رہا ہو تو یہ دونوں صورتیں بائع کے لئے واقعی ضرر کی باعث ہیں لیکن حدیث میں صراحت موجود ہے کہ آپ ﷺ نے بیعانہ کی رقم سوخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اس لئے حدیث کی صراحت کے بعد بیعانہ کو سوخت کرنا جائز نہیں ہوگا، البتہ جب تک بائع کو خریدار نہ ملے وہ بیعانہ کی رقم استعمال کر سکتا ہے، اس کی صورت یہ ہوگی کہ بیعانہ کی رقم کے بقدر مکان کا جتنا حصہ آئے وہ خریدار کا مانا جائے گا، اور بیعانہ کی رقم کو اسی کا عوض سمجھا جائے گا، اس طرح بائع وہ رقم استعمال کرنے کا مجاز ہوگا لیکن جب بعد میں خریدار ثانی مل جائے، اور مناسب قیمت پر معاملہ طے ہو جائے، تو اب پہلے معاملہ کو فسخ مانتے ہوئے بیعانہ والی رقم خریدار اول کو واپس کرنی پڑے گی، اگر خریدار ثانی سے مناسب قیمت نہ مل سکے، تو بھی بہتر یہ ہے کہ بیعانہ کی رقم واپس کر دے، تاہم اس بات کی گنجائش ہوگی کہ حقیقی ضرر اور حقیقی نقصان کے بقدر بیعانہ کی رقم سوخت کر کے باقی واپس کر دے، اگر نقصان کی مقدار زیادہ ہو تو بیعانہ کی پوری رقم سوخت کرنے میں مضائقہ نہیں، جیسا کہ مشہور قاعدہ فقہیہ ہے: "الضرر يزال" (الاشباہ والنظائر، القاعدۃ الخامسۃ ۱/۱۳۹)۔

نیز حدیث شریف میں ہے: "لا ضرر ولا ضرار" (موطا امام مالک باب القضاء فی الرہن ۲/۱۲۱)۔

خلاصہ یہ ہے کہ بیعانہ کی رقم اس وقت سوخت کی جا سکتی ہے جب کہ بائع کو خریدار ثانی سے مناسب قیمت نہ مل سکے۔

۶- اگر میٹریل خود خریدار فراہم کرے تو یہ عقد استصناع نہیں کہلائے گا، بلکہ یہ اجارہ کے حکم میں ہوگا، علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

"فإن سلّم إلى حداد حديدا ليعمل له إناء معلوما بأجر معلوم أو جلدا إلى خفاف ليعمل له خفا" (بدائع الصنائع ۴/۹۶)۔

اگر کسی نے لوہار کولوہا دیا تا کہ وہ اس کے لئے متعینہ برتن مقررہ اجرت سے بنائے، یا کسی موچی کو چمڑا دیا تا کہ متعینہ موزہ مقررہ اجرت سے بنائے تو ایسا کرنا جائز ہے، اور اس میں اسے خیار حاصل نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ عقد استصناع نہیں ہے، بلکہ اجارہ ہے، لہذا یہ جائز ہوگا۔ اور جب یہ صورت اجارہ میں داخل ہے تو اس پر اجارہ ہی کے احکام جاری ہوں گے۔

اگر بنانے والے نے آرڈر کے مطابق نہیں بنایا، تو آرڈر دینے والے کو اس بات کا اختیار ہوگا کہ وہ جتنا میٹریل دیا ہو اسی کی مقدار میں میٹریل لے لے، بشرطیکہ مثلی ہو، یا قیمت لینے پر فریقین راضی ہوں تو آرڈر دینے والا قیمت لے لے، اگر میٹریل مثلی نہ ہو، بلکہ قیمی ہو تو قیمت لے لے، اور بنا ہوا سامان بنانے والے ہی کو دے دے، اور یہ بھی اختیار ہے کہ جیسا بنا ہو ویسا ہی آرڈر دینے والا لے لے، اور بنانے والے کو مقررہ اجرت دیدے۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں : ”رجل دفع غزلا إلى حائک لینسجه له سبعا في أربع، فخالف بالزيادة أو بالنقصان فإن خالف بالزيادة على الأصل المذكور فإن الرجل بالخيار، إن شاء ضمنه مثل غزله وسلم الثوب وإن شاء أخذ الثوب وأعطاه الأجر المسمى“ (بدائع الصنائع ۴ر۸۲)۔

لیکن اگر کسی وجہ سے آرڈر دینے والے کو اسی سامان کا لینا اور اس کو قبول کرنا ضروری ہو تو اگر آرڈر کے مطابق سامان نہ بننے پر پہلے سے نقصان کی تلافی کا معاہدہ ہو چکا ہو، تو پھر صانع سے نقصان کا جرمانہ وصول کیا جاسکتا ہے، قاضی شریح فرماتے ہیں : ”من شرط على نفسه طائعاً غير مكره فهو عليه“ (اعلام الموقعین ۳ر۴۰۰)۔

اور اگر پہلے سے معاہدہ نہ ہوا ہو، تو اگر صانع کی تعدی کی وجہ سے سامان آرڈر کے مطابق نہیں بن سکا، تو اس کی یہ تعدی موجب ضمان ہوگی، کیونکہ تعدی ضمان کے اسباب میں اہم ترین سبب ہے، اور اگر اس کی تعدی کا دخل نہ ہو جیسے میٹریل کم پڑ جائے، اور آرڈر دینے والے سے رابطہ نہ ہو سکے اور صانع موجودہ میٹریل سے نقص کے ساتھ سامان بنادے تو اس صورت میں صانع سے نقصان کا جرمانہ وصول نہیں کیا جاسکتا۔

۷- اگر عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی تاریخ طے ہوگئی ہو تو صانع پر لازم ہے کہ وہ خریدار کو وقت پر وہ چیز فراہم کرے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے : ”يا أيها الذين آمنوا أوفوا بالعقود“ (المائدہ: ۱)۔

اگر صانع وقت پر وہ چیز فراہم نہ کر سکے، تو اسے اختیار ہوگا کہ وہ معاملہ کو فسخ کردے، اگر وہ صانع کو روپیہ نہیں دیا تھا، تو اب روپیہ دینے کی ضرورت نہیں، اور اگر دے دیا تھا تو واپس لے لے، البتہ قیمت کی ادائیگی کے بعد اس کا واپس لینا بعض مرتبہ دشوار بلکہ دشوار تر ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں آرڈر دینے والا معاملہ فسخ کرنے کے بجائے آرڈر پر بنی ہوئی چیز ہی لینے میں عافیت سمجھتا ہے خواہ تاخیر ہی سے سہی۔

لیکن دوسرا پہلو یہ ہے کہ بسا اوقات وقت پر چیز نہ ملنے کی وجہ سے آرڈر دینے والے کو غیر معمولی نقصان سے دوچار ہونا پڑتا ہے، تو کیا محض تاخیر کی وجہ سے تاوان وصول کیا جاسکتا ہے؟

اس سلسلہ میں مختلف نظائر کی روشنی میں یہی بات سامنے آتی ہے کہ اسے تاوان وصول کرنے کا حق نہیں ہوگا، کیونکہ وقت اور اجل کا معاوضہ نہیں لیا جاسکتا، جیسے قرض دینے والا مقروض سے کہے کہ اگر تم نے چھ ماہ میں قرض واپس نہیں کیا تو اس کے بعد جتنی تاخیر ہوتی جائے گی سود اسی حساب سے واجب ہوتا رہے گا، ظاہر ہے کہ یہ صورت اجماعی طور پر حرام ہے، غور کیا جائے کہ مدت اور اجل کا عوض صورت بالا میں

حرام ہے تو دریافت کردہ صورت میں بھی یہی حکم ہوگا، البتہ فی زمانہ بعض اسلامی مالیاتی ادارے قرض گیرندہ کے ٹال مٹول کو دیکھتے ہوئے مقررہ قسط کی تاخیر کی صورت میں کچھ جرمانہ عائد کرتے ہیں تاکہ مقروض قرض لے کر میٹھی نیند نہ سو جائے، بلکہ اسے دباؤ محسوس ہو، اور وقت پر قرض ادا کرے، لیکن اس جرمانہ کی رقم کا تصدق ضروری ہے، یہی شکل دریافت کردہ صورت میں بھی اختیار کی جاسکتی ہے کہ بائع سے جرمانہ وصول کیا جائے، پھر اس کو صدقہ کردیا جائے۔

اگر زیادہ تاخیر کی وجہ سے خریدار کا زیادہ نقصان ہو اور مبیع کی مالی حیثیت بھی متاثر ہو جائے تو دونوں فریق آپس میں مل بیٹھ کر قیمت پر از سرنو غور کریں، اور بائع سے خواہش کی جائے کہ وہ ثمن میں کمی کردے، جس کو فقہاء حط فی الثمن سے تعبیر کرتے ہیں، اس کے لئے اخلاقی دباؤ ڈالنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ خریدار یہاں حقیقی ضرر سے دوچار ہے، اور بائع حط فی الثمن پر آمادہ نہ ہو تو تفصیل بالا کے مطابق جرمانہ عائد کیا جاسکتا ہے، گوکہ اس کا صدقہ واجب ہے، لیکن بائع کو بھی کچھ سبق ملنا چاہئے۔

مبیع کی حوالگی میں تاخیر کا اندیشہ ہو تو بہتر صورت یہ ہے کہ عقد کے وقت ہی شرط لگادی جائے کہ مقررہ وقت سے تاخیر کی صورت میں اتنا تاوان دینا پڑے گا، اور بائع اس کو قبول کرلے، تو اس صورت میں تاوان وصول کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے جیسا کہ قاضی شریح کا یہ مسلک ہے، اور ابن قیم کا رجحان بھی اسی طرف ہے اور جابر بن عبداللہ کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

"وهو يتخرج على مذهب القاضي شريح في ضمان التعويض عن التعطل والانتظار، وقد أيد ذلك ابن القيم ؒ بما رواه البخاري في صحيحه عن ابن عون عن ابن سيرين أنه قال: قال رجل لكريه أرحل بركابك، فإن لم أرحل معك في يوم كذا فلك مائة درهم فلم يخرج فقال شريح: من شرط على نفسه طائعاً غير مكره فهو عليه (صحیح البخاری، کتاب الشروط رقم الباب ۱۸)، وابن شبرمة قال في حديث جابر بن عبد الله في قصة البعير: البيع جائز والشرط جائز" (مجمع الفقہ الاسلامی، الدورۃ السابعۃ، العدد السابع، الجزء الثانی ۳۱۵)۔

اس لئے بہتر بات یہ ہے کہ خریدار عقد کے وقت ہی اس طرح کی شرط لگادے، ایسی صورت میں تاوان لینا درست قرار پائے گا۔

عقد استصناع سے متعلق مسائل

مولانا محمد جہانگیر حیدر قاسمی ☆

۱ - استصناع دراصل خلاف قیاس عرف وعادت اور ضرورت وتعامل کی بنیاد پر استحساناً جائز ہے، اور اس کے جواز کا بنیادی عنصر تعامل ناس اور عرف عام ہے، لہذا وہ اشیاء جنہیں آرڈر پر تیار کرانے کا فی زمانہ رواج ہو اور جو تجار اور کاروباری اداروں کے بیچ متعارف ہوں، چند شرطوں کے ساتھ ان میں عقد استصناع درست ہوگا۔

علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

"وفي الاستحسان: جاز، لأن الناس تعاملوه في سائر الأعصار من غير نكير فكان إجماعاً منهم على الجواز فيترك القياس" (بدائع الصنائع ۴/ ۴۴۴)۔

پہلی شرط:

عقد استصناع کے درست ہونے کی پہلی شرط یہ ہے کہ جس چیز کا آرڈر دیا جارہا ہو اس کی جنس، نوعیت، مقدار اور صفات کی تصریح ہو تاکہ مبیع مصنوع کا مکمل خاکہ اس طرح سامنے آئے کہ متعاقدین کو باوجود عدم کے وجود کا تصور ہو اور دونوں یہ خیال کریں کہ وہ شیئی گویا ان کی نظروں میں ہے، جواز بیع کے لئے مبیع کے تعلق سے اتنی جانکاری کافی ہے، فی زمانہ مبیع مصنوع کے تعارف کے لئے نظیر اور ماڈل بتانے کا طریقہ بھی رائج ہے جو مذکورہ مقاصد کی تکمیل میں بے حد معاون ہے۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

"وأما شرائط جوازه فمنها بيان جنس المستصنع ونوعه وقدره وصفته، لأنه مبيع فلابد أن يكون معلوماً، والعلم إنما يحصل بهذه الأشياء" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۶۳۳)۔

دوسری شرط:

استصناع (آرڈر کی بیع) کے درست ہونے کی دوسری شرط یہ ہے کہ جس چیز کو آرڈر پر تیار کرنے کا معاہدہ ہو رہا ہے وہ اس قبیل سے ہو کہ تجار اور کاروباری ادارے اس میں استصناع کی صورت اختیار کرتے ہوں اور اسے آرڈر پر تیار کرانے کا عام رواج ہو۔

صاحب بدائع ارقام فرماتے ہیں:

"منها أن يكون ما للناس فيه تعامل كالقلنسوة والخف والآنية ونحوها فلا يجوز فيما لا تعامل لهم فيه" (بدائع الصنائع ۴/ ۴۴۴)۔

☆ خادم الحدیث والافتاء جامعہ انوار الہدی حیدرآباد۔

تیسری شرط :

امام اعظم ابوحنیفہ کی رائے میں استصناع درست ہونے کی تیسری شرط یہ ہے کہ مصنوع کی حوالگی کی مدت متعین نہ کی جائے ورنہ اس کی حیثیت استصناع کی باقی نہیں رہے گی، بلکہ یہ عقد سلم کے درجہ میں ہوگا، اور سلم کے شرائط معتبر ہوں گے۔

لیکن صاحبین فرماتے ہیں کہ عدم تاجیل کی شرط صحیح نہیں ہے، کیوں کہ عرف عام میں دونوں صورتوں میں استصناع کا رواج ہے، لہذا حوالگی کی مدت متعین کی جائے یا نہ کی جائے بہر دوصورت عقد استصناع ہی ہوگا۔

علامہ وہبہ الزحیلی نے حالات حاضرہ اور موجودہ عرف وتعامل کے مدنظر صاحبین کے قول کو راجح قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں :

”وقال الصاحبان : ليس هذا بشرط، والعقد استصناع على كل حال حدد فيه الأجل أو لم يحدد، لأن العادة جارية بتحديد الأجل في الاستصناع، ونرى قولهما هو المتمشى مع ظروف الحياة العملية فهو أولى بالأخذ“ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴ / ۶۳۳)۔

۲ — استصناع خود بیع ہے یا وعدہ بیع :

۱ — استصناع اپنے نام کے اعتبار سے بیع ہے، ”لأنه سماه في الكتاب بيعاً“ (بنایہ ۸ / ۳۲۴)۔

۲ — نیز استصناع کا جواز ثابت کرنے کے لئے امام محمد نے قیاس واستحسان کا ذکر کیا ہے۔

اور صاحب بدائع کے بیان کے مطابق قیاس واستحسان کا ذکر بیع ہی کے مناسب حال ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

”وذكر القياس والاستحسان لا يليق بالعدات“ (بدائع الصنائع ۶ / ۴۴۴)۔

۳ — اسی طرح عقد استصناع ان ہی اشیاء میں درست ہوتا ہے جن میں استصناع کا عرف میں تعامل ہو اور اس طرح کی شرطیں بیوع کے اندر تو درست ہیں، لیکن وعدے اس قسم کی شرطوں سے مشروط نہیں کئے جاتے۔

مذکورہ وجوہات واسباب کی بنیاد پر مشائخ حنفیہ نے عقد استصناع کو بیع مانا ہے اور اسی رائے کو فقہاء حنفیہ نے ترجیح دی ہے، اور جن حضرات نے استصناع کو وعدہ بیع کہا ہے ان کی تردید کی ہے۔

صاحب بنایہ تحریر فرماتے ہیں :

”والصحيح أنه يجوز بيعاً لا عدة، والمعدوم قد يعتبر موجوداً حكماً، والصحيح أن الاستصناع يجوز بيعاً أى من حيث البيع لا عدة أى لا من حيث الوعد، وقال فخر الاسلام في شرح الجامع الصغير : هو بيع عند عامة مشائخنا لا مواعدة لأنه سماه في الكتاب بيعاً وأثبت فيه خيار الرؤية وهو يثبت في البيع لا في الوعد“ (بنایہ ۸ / ۳۲۴، درمختار مع رد المحتار ۷ / ۱۵ ۴)۔

۴ — استصناع بیع معدوم کی نہی سے مستثنی ہے، اس لئے مبیع (مصنوع) کے وجود میں آنے سے پہلے مستصنع وصانع کے بیچ باہمی رضامندی سے مطلوب شرائط کی رعایت کے ساتھ جو معاہدہ بیع ہو وہ درست ہوگا اور مصنوع اگر چہ فی الحال معدوم ہے حکماً موجود مانا جائے گا۔

فقہاء نے تصریح کی ہے : ”والمعدوم قد يعتبر موجوداً حكماً“ (بنایہ ۸ / ۳۲۴)۔

لیکن مستصنع کے لئے مصنوع کے وجود میں آنے سے پہلے یا ہوبہو وہ شیئ صانع کے پاس پہلے سے تیار ہو تو اسکی حوالگی اور عقد

استصناع کے تمام ولازم ہونے سے پہلے اس شیئ کا خریدار سے اور دوسرے خریدار کا تیسرے خریدار سے معاملہ بیع کرنا بطور بیع درست نہیں ہوگا، کیونکہ عقد استصناع خلاف قیاس جائز ہے، لہذا مستصنع وصانع کے بیچ عقد بیع تو درست ہوگا اور یہ معدوم کی صورت سے مستثنیٰ ہوگا، لیکن مستصنع اور مابعد خریدار کے بیچ طے پانے والے معاہدے معدوم کی بیع سے مستثنیٰ نہیں ہوں گے، اور علی وجہ القیاس غیر صحیح قرار پائیں گے۔

ہاں اگر مستصنع اور مابعد خریداری کے درمیان طے ہونے والے معاہدات کو بیع نہیں بلکہ وعدہ بیع تسلیم کیا جائے تو یہ شکل درست ہوگی اور مستصنع وصانع کے بیچ عقد استصناع کو بیع اور مستصنع و مابعد معاہدات کو وعدہ بیع پر محمول کیا جائے گا۔

ظاہر ہے کہ وعدہ بیع کے لئے مبیع کا موجود ہونا ضروری نہیں اور نہ ہی وہ شرائط لازم ہیں جو انعقاد مبیع کے لئے ضروری ہیں۔

۴- استصناع کن چیزوں میں درست ہے اور کن چیزوں میں نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء نے یہ اصول ذکر کیا ہے کہ جن چیزوں میں مابین الناس استصناع کا رواج اور عام عرف ہو ان میں مذکورہ شرطوں کے ساتھ عقد استصناع درست ہے اور جن چیزوں میں رواج اور تعامل نہ ہو ان میں درست نہیں۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

"منها أن يكون ما للناس فيه تعامل كالقلنسوة والخف والآنية ونحوها، فلا يجوز فيما لا تعامل لهم فيه، كما إذا أمر حائكاً أن يحوك له ثوبا بأبغزل نفسه ونحو ذلك مما لم تجر عادات الناس بالتعامل فيه" (بدائع الصنائع ۳/ ۴۴۴)۔

فقہاء نے عقد استصناع کی صحت کے لئے اشیاء منقولہ کی شرط نہیں لگائی ہے اور نہ ہی منقولہ وغیر منقولہ کی تقسیم برتی ہے، البتہ زمانہ قدیم میں جن چیزوں میں استصناع کا رواج تھا اور جن کی مثالیں فقہاء نے دی ہیں وہ عام طور پر منقولی ہیں، لیکن فی زمانہ اس کا دائرہ کافی وسیع ہوگیا ہے، منقولی کے علاوہ غیر منقولی اشیاء اور چھوٹی چیزوں کے ساتھ بڑی چیزوں جیسے بلڈنگ اور جہاز وغیرہ میں بھی استصناع کا بڑے پیمانہ پر تعامل ہے، اس لئے مذکورہ اصول کی روشنی میں دونوں طرح کی چیزوں میں استصناع درست ہوگا، اور منقولی وغیر منقولی کا فرق نہیں ہوگا۔

چنانچہ فقہاء نے "کپڑا" میں باوجود منقولی ہونے کے عدم تعامل کی وجہ سے عقد استصناع کو غیر درست قرار دیا ہے "ولا يجوز الاستصناع في الثياب لعدم تعامل الناس فيه" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۲۳۳)۔

۵- استصناع کی صورت میں صانع کے لئے یہ لازم نہیں کہ آرڈر کے بعد طے شدہ شرائط کے مطابق تیار کردہ اشیاء ہی فراہم کریں، کہ مذکورہ معیار پر پہلے سے تیار شدہ یا کسی اور کی تیار کردہ اشیاء بھی مستصنع کو فراہم کرسکتا ہے۔

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں: "المعقود عليه العين دون العمل حتى لو جاء به مفروغاً لا من صنعه أو صنع غيره فأخذه جاز" (ہدایہ ۳/ ۱۰۰، الدر المختار مع رد المحتار ۷/ ۳۶۶)۔

لہذا مالیاتی ادارے چوں کہ فریق اول سے آرڈر حاصل کرتے ہیں، اس لئے ان کی حیثیت صانع کی ہو اور وہ مبیع مصنوع خود تیار نہ کریں بلکہ تیسرے فریق یعنی کسی کمپنی سے نسبتاً کم قیمت پر سامان تیار کرا کے فراہم کریں تو یہ صورت بھی جواز کی ہوسکتی ہے اور مالیاتی ادارے کے لئے یہ نفع شرعی قباحت سے خالی ہوسکتا ہے۔

اور اگر مالیاتی ادارے کی حیثیت درمیانی فریق کی ہو جو اس معاملہ میں صرف معاون کا کردار ادا کر رہا ہے اور مستصنع فریق اول اور صانع فریق ثالث ہو تو بھی یہ صورت تعامل اور حاجت کی بنا پر درست ہوگی کہ فی زمانہ ہر کس و ناکس کے لئے براہ راست کمپنی سے رابطہ ومعاہدہ

آسان نہیں، اس طرح حاصل شدہ نفع کو مالیاتی اداروں کے لئے اجرۃ العمل کے طور پر صحیح قرار دیا جائے، جس طرح ایک دکان دار مشتری سے کسی چیز کا آرڈر حاصل کرتا ہے اور کمپنی یا ڈیلر سے اسے منگوا کر مشتری کو فراہم کرتا ہے اور وہ مشتری اس کی ایک قیمت وصول کرتا ہے اور کمپنی یا ڈیلر کو اس سے کم قیمت ادا کرتا ہے اس دوران حاصل نفع اس دکاندار کے لئے جائز ہوتا ہے۔

۲۔ عقد استصناع کے حکم کے بارے میں ائمہ احناف کے درمیان اختلاف ہے۔

ظاہر الروایہ یہ ہے کہ اگر صانع مستصنع کے بیان کردہ اوصاف و شرائط کے مطابق مال تیار کر دے اور مستصنع کے حوالے کر دے تو مستصنع کو خیار رؤیت حاصل ہوگا اور یہ بیع اس کے حق میں لازم نہیں ہوگی، چنانچہ اسے لینے اور رد کرنے کا اختیار ہوگا جبکہ صانع کو اس صورت میں اختیار نہیں ہوگا، اگر مستصنع اس مال کو قبول کرتا ہے۔

صاحب بدائع تحریر فرماتے ہیں :

"وأما حكم الاستصناع فحكمه في حق المستصنع إذا أتى الصانع بالمستصنع على الصفة المشروطة ثبوت ملك غير لازم في حقه حتى يثبت له خيار الرؤية إذا رآه إن شاء أخذه وإن شاء تركه، وفي حق الصانع ثبوت ملك لازم إذا رآه المستصنع ورضي به، ولا خيار له هذا هو جواب ظاهر الرواية" (بدائع الصنائع ۴؍۴۴۴)۔

امام اعظمؒ سے دوسری روایت یہ ہے کہ اس صورت میں بیع دونوں کے حق میں غیر لازم ہوگی اور دونوں کو خیار ہوگا۔

"وروى عن أبي حنيفة أنه غير لازم في حق كل واحد منهما حتى يثبت لكل واحد منهما الخيار" (بدائع الصنائع ۴؍۴۴۴)۔

قاضی امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں بیع دونوں کے حق میں لازم ہوگی اور ہر دو کو خیار نہ ہوگا۔

"وروى عن أبي يوسف رحمه الله تعالى أنه لازم في حقها حتى لا خيار لأحدهما لا للصانع ولا للمستصنع أيضاً" (بدائع الصنائع ۴؍۴۴۴)۔

ظاہر الروایہ اور امام ابو حنیفہؒ کی مذکورہ بالا روایت اس بات پر متفق ہیں کہ مستصنع کے حق میں بیع لازم نہیں ہوگی اور اسے قبول ورد کا خیار ہوگا۔

اس رائے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ مستصنع نے ایسی شیئ خریدی ہے جسے اس نے دیکھا نہیں ہے اور جب کوئی شخص ایسی چیز خریدتا ہے جسے دیکھا نہیں تو اسے خیار رؤیت حاصل ہوتا ہے۔

"وجه ظاهر الرواية: وهو إثبات الخيار للمستصنع لا للصانع أن المستصنع مشتر شيئاً لم يره، لأن المعقود عليه (وهو المستصنع) وإن كان معدوماً حقيقة لكنه جعل موجوداً شرعاً حتى جاز العقد استحساناً، ومن اشترى شيئاً لم يره فهو بالخيار إذا رآه والصانع بائع شيئاً لم يره فلا خيار له" (بدائع الصنائع ۴؍۴۴۵)۔

دوسری وجہ یہ بیان کی گئی کہ مستصنع کو خیار نہ دینے کی صورت میں ضرر ہے، کیونکہ یہ بہت ممکن ہے کہ مبیع مصنوع مناسب نہ ہو اور مستصنع اسے نامنظور کر دے، لیکن اس سے ثمن کا مطالبہ ہو تو وہ اسے کسی اور سے بیچنے کے لئے مجبور ہو اور ایسی صورت میں مثل ثمن پر خریدنے

کے لئے کوئی تیار نہ ہو، لہذا کم قیمت میں بیچنے سے مستصنع کو نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔

"ولأن الزام حكم العقد في جانب المستصنع إضرار، لأن من الجائز أن لا يلائمه المصنوع ولا يرضى به فلو لزمه وهو مطالب بثمنه فيحتاج إلى بيعه من غيره ولا يشترى منه بمثل قيمته فيتضرر به" (بدائع الصنائع ۴/ ۴۴۵)۔

امام ابو یوسف کی رائے کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ بیع لازم نہ ہونے اور مستصنع کے لئے خیار کی صورت میں صانع کو ضرر اور نقصان ہوگا کہ اگر مستصنع نے معاملہ رد کر دیا تو صانع کا قیمتی میٹریل اور محنت ضائع ہوگی، نیز صانع کے لئے مبیع مصنوع کو مخصوص ڈیزائن اور ممتاز معیار پر مارکیٹ میں بیچنا انتہائی دشوار ہوگا، لہذا صانع کو ضرر عظیم سے بچانے کے لئے مستصنع کے حق میں بیع کو لازم قرار دیا جائے۔

"وجه رواية أبي يوسف أن في إثبات الخيار للمستصنع إضرارا بالصانع لأنه قد أفسد متاعه وفرى جلده وأتى بالمستصنع على الصفة المشروطة فلو ثبت له الخيار لتضرر به الصانع فيلزم دفعا للضرر عنه" (بدائع الصنائع ۴/ ۴۴۴)۔

ظاہر الروایہ اور امام ابو یوسف کی آراء کی وجوہات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لزوم بیع اور عدم لزوم بیع کے سلسلہ میں دفع ضرر کو اہمیت دی گئی ہے، امام ابوحنیفہ اور امام محمد نے مستصنع کے ضرر کا خیال کیا ہے اور امام ابو یوسف نے صانع کے ضرر کا خیال رکھا ہے۔

لہذا آرڈر پر تیار کی گئی چیز اگر ایسی ہے جو مارکیٹ میں بہ سہولت دستیاب ہوتی ہے اور بہ آسانی خریدی اور بیچی جاتی ہے تو چونکہ صانع کے لئے کسی اور سے اسے فروخت کرنا مشکل نہیں ہوگا، اس لئے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے قول کے مطابق مستصنع کو آرڈر رد کرنے کا اختیار ہوگا اور صانع بطور بیعانہ دی گئی رقم واپس کرے تا کہ مستصنع کو نقصان نہ ہو۔

"ولأن إلزام حكم العقد في جانب المستصنع إضرار" (بدائع الصنائع ۴/ ۴۴۵)۔

اسی کیفیت سے متعلق وہبہ زحیلی نے لکھا ہے:

"إن ضرر المستصنع بإبطال الخيار له أكثر من ضرر الصانع إذ لا يتعذر عليه بيع المصنوع على أية حال" (حوالہ سابق ۱۲/ ۱۳۹، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۶۳۴)۔

اور اگر آرڈر پر تیار کی گئی چیز ایسی ہے کہ اس ڈیزائن اور معیار کی چیز مارکیٹ میں آسانی سے فراہم نہیں ہوتی اور نہ ہی کھلے بازار بیچی اور خریدی جاتی ہے یا وہ زیادہ بھاری بھر کم اور بیش قیمت ہے، جیسے جنگی جہاز وغیرہ تو امام ابو یوسف کی رائے پر عمل کرتے ہوئے مستصنع کو معاملہ رد کرنے کا اختیار نہ دیا جائے اور بیع لازم قرار دیا جائے، تا کہ صانع کو شدید ضرر سے بچایا جا سکے۔ بحالت موجودہ مستصنع اگر آرڈر کا مال لینے سے انکار کر دے تو صانع کے لئے یہ درست ہوگا کہ بیعانہ کی رقم سے اپنے نقصان کی تلافی کرے۔

فقہ کا مشہور ضابطہ ہے: "الضرر يزال"، "الحرج مدفوع"، "الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف"۔

۷- اگر آرڈر دیے گئے سامان کا میٹریل خود خریدار فراہم کرے اور صانع کا صرف عمل ہو تو یہ "عقد" استصناع نہیں بلکہ اجارہ ہوگا۔

"فإذا كانت العين من المستصنع لا من الصانع فإن العقد يكون إجارة لا استصناعا" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۶۳۱)۔

اسی طرح مفروضہ صورت میں صانع کی حیثیت اجیر مشترک کی ہے، چنانچہ مصنوع اگر آرڈر کے مطابق نہ ہو تو آرڈر دینے والے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ اسے بہر حال قبول کرے بلکہ اسے اختیار ہوگا کہ وہ اسے ادا کر دے اور صانع سے میٹریل کی قیمت وصول کر لے۔

کیوں کہ اصولی طور پر صفت کا اختلاف بھی اجیر پر ضمان کو ثابت کرتا ہے، "المخالفة سبب لوجوب الضمان" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۴۷۲)

یا بہ حالت موجودہ اسے قبول کرلے اور صانع کو مثلی اجرت ادا کرے۔

اور مستصنع کے لئے صانع سے نقصان کا جرمانہ وصول کرنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ اسے رد کرنے کا اختیار ہے اور وہ قبول کرنے پر مجبور بھی نہیں۔

"وأما المخالفة في الصفة : كأن يسلم صباغاً ليصبغه بصبغ معين، فصبغه بصبغ آخر من جنس اللون المتفق عليه، فيكون صاحب الثوب أيضاً مخيراً بين تضمين قيمة الثوب أو أخذه وإعطاء أجر المثل" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۴۷۵، درمختار مع ردالمحتار ۹/ ۸۹-۹۰)۔

۸— عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی تاریخ مقرر کرنا ضروری نہیں ہے۔

"لا يجب فيه تعجيل الثمن ولا بيان مدة للصنع والتسليم" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۶۳۱)۔

باوجود اس کے اگر عرف میں تاریخ مقرر کرنے کا رواج ہو تو صاحبین نے اسے تعجیل مبیع پر محمول کرتے ہوئے جائز قرار دیا ہے۔

صاحب بدائع لکھتے ہیں: "وعندهما هو على حاله استصناع وذكر الأجل للتعجيل"۔

مگر اسے استصناع کا مقصود اور حاصل قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، لہذا صانع اگر وقت پر مبیع فراہم نہ کرپائے اور مستصنع بازار سے زیادہ قیمت میں خرید کراپنے گاہک کو فراہم کرے تو اس پر مستصنع صانع سے جرمانہ وصول نہیں کرسکتا ہے، کیونکہ جب تک صانع مبیع مستصنع کے حوالہ نہ کردے، بیع دونوں کے حق میں لازم نہیں ہوتی اور ہر دو کو معاملہ رد کرنے کا اختیار رہتا ہے۔

لہذا مذکورہ صورت میں مستصنع صانع سے معاہدہ بیع برخواست کردے تاکہ وہ آرڈر قبول کرنے اور اس کے لئے دوسرے خریدار کی تلاش کی پریشانیوں سے محفوظ رہے۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

"وأما كيفية جوازه فهي أنه عقد غير لازم في حق كل واحد منهما قبل رؤية المستصنع والرضا به حتى كان للصانع أن يمتنع من الصنع وأن يبيع المصنوع قبل أن يراه المستصنع، وللمستصنع أن يرجع أيضاً" (بدائع الصنائع ۴/ ۴۴۴)۔

رہی یہ بات کہ بازار سے مہنگا سامان خرید کر اپنے گاہک کو فراہم کرنے کی صورت میں مستصنع کو نقصان اٹھانا پڑے گا تو درحقیقت یہ صورت مہنگا خرید کر سستا فراہم کرنے کی نہیں ہے ورنہ یہ سودا کوئی عقل مند نہیں کرتا۔ بلکہ زیادہ سستا کے مقابلے سستا خرید کر نفع سے فراہم کرنا ہے، لہذا معاملہ رد ہونے کی صورت میں صانع کو اس کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاسکتا اور نہ ہی اس پر جرمانہ عائد کیا جاسکتا ہے، کیونکہ عقد استصناع میں وقت مقرر کی حیثیت سلم میں تاجیل کی طرح نہیں بلکہ تعجیل مبیع کے طور پر ہے جس میں قدرے تاخیر کی گنجائش موجود ہے، بصورت دیگر مستصنع کو خیار رد حاصل ہے، واللہ اعلم۔

عقد استصناع کے احکام

مفتی محمد عارف باللہ القاسمی ☆

معیشت وتجارت کے میدان کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ''استصناع'' ہے، جو ماضی میں تو بہت محدود تھا، اور چند مخصوص چیزوں کی حد تک اس کا رواج تھا، لیکن موجودہ دور میں معاشی انقلاب نے اس میں بھی بڑی وسعت پیدا کردی ہے اور بہت سی چیزوں کے معاملات میں اس کو اختیار کیا جاتا ہے۔

استصناع کیا ہے؟

استصناع یہ ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے شخص سے یہ مطالبہ کرے کہ وہ اپنے اخراجات سے خاص متعینہ اوصاف کے ساتھ متعینہ رقم کے عوض متعینہ مدت میں کوئی چیز بنا کرا سے دے، اور وہ شخص اسے قبول کر کے اس کے بنانے پر تیار ہو جائے (الموسوعۃ الفقہیۃ ۳/۲۲۵، ۳۵/۱۹۲، بحوث فقہیہ فی قضایا اقتصادیۃ معاصرۃ : ۲۲۲)۔

ا۔ کن چیزوں میں عقد استصناع جاری ہوسکتا ہے؟

عام طور پر فقہاء کے کلام میں عقد استصناع کے تحت معمولی چیزوں کی تیاری کا تذکرہ ملتا ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ صراحت بھی ملتی ہے کہ یہ عقد ہر اس چیز میں جاری ہوگا جس میں عقد استصناع کا تعامل ہو، اور جن چیزوں میں اس کا تعامل نہ ہو اس میں یہ عقد جاری نہ ہوگا، کیونکہ دراصل تو اس عقد کو بیع معدوم ہونے کی وجہ سے ممنوع ہونا چاہئے لیکن جن چیزوں میں تعامل ہے ان میں انسانی حاجت کی تکمیل کی خاطر عقد استصناع کو جاری کیا گیا اور ان چیزوں کو بیع معدوم سے تعامل وحاجت کی بنیاد پر مستثنیٰ کرلیا گیا، چنانچہ جن چیزوں میں تعامل نہ ہو ان میں اصل حکم یعنی بیع معدوم کی ممانعت باقی رہے گی، اور ان میں عقد استصناع جاری نہ ہوگا، علامہ برہان الدین محمود بن احمد مازہ لکھتے ہیں :

''أن الاستصناع جائز في كل ما جرى التعامل فيه كالقلنسوة والخف والأواني المتخذة من الصفر والنحاس وما أشبه ذلك استحساناً، ولا يجوز فيما لم يجر التعامل فيه كالثياب وما أشبهها'' (المحیط البرہانی ۷/۱۳۴) (بے شک استصناع بربنائے استحسان جائز ہے، ہر اس چیز میں جس میں تعامل ہو، جیسے کہ ٹوپی، موزہ اور پیتل اور تانبہ سے بنائی جانے والی چیزیں وغیرہ، اور ان چیزوں میں جائز نہیں ہے جس میں تعامل جاری نہ ہو جیسے کہ کپڑے اور ان جیسی چیزیں)۔

دراصل فقہاء کے کلام میں جن چند چیزوں کا تذکرہ ہے وہ برائے تمثیل ہے برائے حصر نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ جن چیزوں کا

☆ مدرسہ اسلامیہ دار العلوم الربانیہ، حیدرآباد۔

تذکرہ قدیم فقہاء کے نزدیک نہیں ملتا تھا عہد عثمانی میں اس میں عقد استصناع کو جائز مانا گیا جیسے کہ کشتیاں وغیرہ، اس لئے کہ اس کے جواز کی بنیاد دراصل تعامل اور حاجات الناس ہے، تو جب جس چیز میں تعامل اور حاجت استصناع کے جواز کی طالب ہوگی اس میں اس کو جائز وصحیح مانا جائے گا۔

البتہ اس کے جائز وصحیح ہونے میں عام عقود کی صحت کی عمومی شرطوں کے ساتھ ساتھ ان خاص شرطوں کا پایا جانا ضروری ہوگا۔

عقد استصناع کے جواز کی خاص شرطیں :

۱۔ معقود علیہ معلوم ہو، یعنی عقد میں یہ بات مذکور ہو کہ وہ چیز کتنی اور کیسی ہوگی اور اس کے اوصاف کیا ہوں گے؟ اسے کیسے بنایا جائے گا اور اس کے استعمال میں کون سی چیزیں کس نوعیت کی کس مقدار میں استعمال کی جائیں گی؟ یہ شرط عقد استصناع کا ایک اہم اور بنیادی شرط ہے، اس شرط کو بیان کرتے ہوئے علامہ کاسانی لکھتے ہیں :

''وأما شرائط جوازہ (فمنها) : بیان جنس المصنوع، ونوعه وقدرہ وصفته، لأنه لا یصیر معلوماً بدونه'' (بدائع ۵ / ۳)

(بہر حال اس کے جواز کی شرطیں تو ان میں سے مصنوع کے جنس ونوع اور اس کی مقدار وصفت کو بیان کرنا ہے، اس لئے کہ وہ چیز اس کے بغیر معلوم نہیں ہوگی)۔

۲۔ وہ چیز جس کے بنانے کا معاملہ ہو رہا ہو اس میں تعامل کا رواج ہو، چنانچہ جس میں تعامل نہ ہو اس پر بیع معدوم کی ممانعت کا حکم جاری ہوگا (حوالہ سابق)۔ البتہ اس میں ماضی کے تعامل کے بجائے عہد حاضر کے تعامل کو بنیاد بنایا جائے گا اور اس اعتبار سے ان چیزوں میں بھی عقد استصناع جاری ہوگا جن میں ماضی میں استصناع کا تعامل نہ تھا لیکن اب اس میں استصناع کا تعامل ہے، البتہ زمینی پیداوار وغیرہ میں عقد سلم ہی جاری ہوگا، کیونکہ ان کا تعلق انسانی صنعت سے نہیں ہے (عقد الاستصناع للزرقا : ۲۶)۔

۳۔ تیاری کے بعد معقود علیہ کو مستصنع کے حوالہ کب کیا جائے گا اس کا وقت متعین ہو... اس شرط کے بارے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ سے گرچہ یہ منقول ہے کہ مدت کی تعیین سے وہ استصناع باقی نہیں رہے گا، بلکہ وہ عقد سلم بن جائے گا، لیکن حضرات صاحبین کی رائے یہ ہے کہ اس سے عقد استصناع پر کوئی فرق نہیں پڑتا (المبسوط للسرخسی ۱۲ / ۱۴۰، بدائع الصنائع ۵ / ۳)۔ اور یہ حقیقت ہے کہ عموماً عقد میں مدت کا کسی نہ کسی درجہ میں تعیین ہوتا ہی ہے بلکہ حالات کے لحاظ سے ضروری بھی ہے، ورنہ اس سے بسااوقات نزاع پیدا ہوتا ہے اور جو چیز مفضی إلی النزاع ہو وہ ممنوع ہے، اس لئے عصر حاضر کے فقہاء نے حضرات صاحبین کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے تعیین اجل کو واجب قرار دیا ہے، اور ان ہی حضرات کی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے مجمع الفقہ الاسلامی الدولی نے اپنے ساتویں سمینار میں تعیین اجل کے واجب ہونے کی بات کہی ہے (مجلۃ المجمع العدد السابع ۲ / ۲۲۳)، اور یقیناً موجودہ کاروباری نظام میں اس کی لازمی ضرورت بھی ہے۔

۲۔ استصناع بیع ہے یا وعدہ بیع ؟

۱۔ فقہاء کرام کے نزدیک اس مسئلہ میں کئی نظریات ہیں، بعض فقہاء احناف اس کو وعدہ بیع مانتے ہیں، مبسوط سرخسی میں حاکم شہید کی یہی رائے مذکور ہے (مبسوط سرخسی ۱۲ / ۱۳۹)۔

۲۔فقہاء شوافع، مالکیہ اور حنابلہ اس کو عقد سلم مانتے ہیں، اس لئے ان کے نزدیک اس پر سلم کے احکام جاری ہوں گے اور مجلس عقد میں ثمن کی حوالگی یا مالکیہ کے قول کے مطابق تین دنوں کے اندر ثمن کی حوالگی لازم ہوگی (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۶۳۲)۔

۳۔تیسرا نظریہ فقہاء احناف میں سے بہت سے فقہاء کا یہ ہے کہ یہ عقد بیع ہے، اور اسی قول کو فخر الاسلام نے عام مشائخ کا قول بتایا ہے، اسی طرح علامہ ابو الحسنات لکھنوی اور دیگر فقہاء نے اس کو عام مشائخ کا قول کہہ کر صحیح قرار دیا ہے۔ صاحب بنایہ لکھتے ہیں :

وقال فخر الإسلام في شرح "الجامع الصغير" : "هو بيع عند عامة مشايخنا لا مواعدة" (البنایہ ۸/ ۳۷۴)۔

(فخر الاسلام نے جامع صغیر کی شرح میں کہا ہے، وہ ہمارے عام مشائخ کے نزدیک بیع ہے، وعدہ نہیں ہے)۔

پھر ان حضرات میں سے بعض کے نزدیک یہ بیع لازم ہے جس میں اختیار نہیں ہے اور بعض کے نزدیک بیع ہے، لیکن مشتری کو اس میں اختیار ہے (بدائع الصنائع ۶/ ۸۴)۔

۴۔فقہاء احناف کے نزدیک اس کے بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ یہ ایک عقد اجارہ ہے، اس لئے کہ اس میں عمل کی طلب ہوتی ہے اور جس عقد میں مقصود عمل ہو وہ عقد اجارہ ہوتا ہے (العنایہ ۷/ ۱۱۶)۔

۵۔بعض فقہاء احناف کے نزدیک اس کو ابتداء اجارہ اور انتہاء بیع کا درجہ دیا گیا ہے، علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں اس کو ذکر کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر صانع کی وفات ہوجائے تو یہ عقد باطل ہوجاتا ہے (فتح القدیر ۷/ ۱۰۹)۔

۶۔ان تمام اقوال کے علاوہ ایک چھٹا قول علامہ سرخسی کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نہ تو وعدہ بیع ہے، نہ بیع ہے، نہ سلم اور نہ ہی اجارہ، بلکہ یہ ایک مستقل عقد ہے، گرچہ کہ اس کو اجارہ، سلم اور بیع تینوں سے ہی ایک گونہ مشابہت ہے۔ علامہ سرخسی لکھتے ہیں :

"اعلم أن البيوع أنواع أربعة، بيع عين بثمن، وبيع دين في الذمة بثمن وهو السلم، وبيع عمل العين فيه تبع وهو الاستئجار للصناعة ... وبيع عين شرط فيه العمل وهو الاستصناع" (المبسوط للسرخسی ۱۵/ ۸۴) (یہ جان لو کہ بیع کی چار قسمیں ہیں : (۱) ثمن کے بدلے کسی متعین شیئ کی بیع، (۲) ذمہ میں لازم دین کی ثمن کے ذریعہ بیع اور وہ سلم ہے، (۳) اور عمل کی بیع جس میں عین تابع ہو اور وہ کام کے لئے کسی کو اجرت پر لینا ہے، (۴) اور عین کی بیع جس میں عمل کی شرط ہو اور وہ استصناع ہے)۔

اسی چھٹے قول کو عصر حاضر کے بہت سے فقہاء، محققین نے ترجیح دی ہے، چنانچہ مصطفی الزرقا، محمد سلیمان الاشقر وغیرہ محققین نے اسی کو اختیار کیا ہے (عقد الاستصناع ومدی اہمیتہ فی الاستثمارات الاسلامیہ المعاصرۃ : ۱۸، عقد الاستصناع لسلیمان الاشقر ۲/ ۲۲۷)۔

اور مجمع الفقہ الاسلامی سعودی عرب کے جدہ میں منعقد ہونے والے ساتویں سمینار میں اسی رائے کو راجح قرار دیا گیا ہے، قرارداد کے الفاظ یہ ہیں :

"إن عقد الاستصناع - وهو عقد وارد على العمل والعين في الذمة، ملزم للطرفين إذا توافرت فيه الأركان والشروط" (مجلۃ المجمع العدد السابع ۲/ ۲۲۳) (بے شک عقد استصناع ایسا عقد ہے جو عمل اور عین فی الذمہ پر وارد ہوتا ہے، اور طرفین پر لازم ہے جب کہ اس میں ارکان وشروط موجود ہوں)۔

اور اس کی گنجائش بھی ہے کہ اسے متعارف منصوص عقود کے علاوہ ایک مستقل عقد مانا جائے، کیونکہ معاملات کی بنیاد حاجت وضرورت کی تکمیل ہے اور اس میں انسانی حریت کی رعایت بھی ہے، چنانچہ کسی ایسے نئے معاملہ کے شکل کی شرعاً گنجائش بھی ہے جو دیگر

مفاسد سے خالی ہو اور یہ حقیقت ہے کہ موجودہ زمانہ میں جہاں دیگر شعبوں میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں وہیں کاروبار و معیشت میں بھی بڑی تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں، اور استصناع کی ضرورت لوگوں کو پہلے سے کہیں زیادہ اب محسوس ہو رہی ہے اور بہت سی چیزوں میں استصناع کے طریقے کو بڑے پیمانے پر اختیار کیا جا رہا ہے، اور بڑی بڑی کمپنیاں اس کے ذریعہ سے مختلف سامان مارکیٹ میں پیش کر رہی ہیں۔ حتی کہ بہت سی کمپنیاں جہاں اپنے پروڈکٹس خود بناتی ہیں، وہیں بعض اجزاء کسی دوسری کمپنی سے مطلوبہ صفات کے ساتھ بنوا کر اپنی کمپنی کے نام سے پیش کرتی ہیں، ان حالات میں واقعی استصناع کو ایک مستقل عقد کی شکل دینا بہتر ہوگا۔ تاکہ بیع وسلم یا اجارہ ماننے کی صورت میں پیدا ہونے والی تنگی وحرج دور ہو سکے۔

۳- مبیع کے وجود میں آنے سے پہلے مستصنع کا اسے فروخت کرنا :

عام طور پر یہ شکل بھی جاری ہے، ایک شخص مطلوبہ صفات کے ساتھ کسی سے کسی چیز کے بنانے کا معاملہ کر لیتا ہے اور ابھی وہ چیز تیاری کے مرحلہ میں ہی معدوم اور غیر مقبوض ہوتی ہے کہ وہ شخص کسی اور سے اس کی فروختگی کا معاملہ کر لیتا ہے، مثلاً ایک متعین نقشہ کے مطابق مکان یا فلیٹ کے خریدنے کا معاملہ کسی بلڈر سے کر لینے کے بعد وہ شخص اس مکان یا فلیٹ کو کسی اور سے بیچنے کا معاملہ کر لیتا ہے، جب کہ ابھی وہ مکان و فلیٹ تیار ہی نہیں ہوتا ہے، اس میں یہ خریدار تیسرے شخص سے جس چیز کو بیچ رہا ہے وہ شئی معدوم ہے، اور شریعت میں معدوم شئی کی فروختگی کو منع کیا گیا ہے، اس لئے دوسرے مستصنع خریدار کا کسی تیسرے سے اس کا بیچنا درست نہیں ہے، ایک استفتاء کے جواب میں فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں :

”اگر ابھی بلڈنگ تعمیر ہی نہیں ہوئی تو خریدنے والے شخص سے اس کا بیچنا جائز نہیں ہے، کیونکہ جو چیز بیچی جائے اس کا فی الجملہ موجود ہونا ضروری ہے، البتہ اس کی چھت پڑ چکی ہو اور اس کے خریدے ہوئے فلیٹس کی جو سطح ہوگی، خواہ زمین ہو یا کوئی چھت وہ موجود ہو، دیواریں اور مکان سے متعلق دوسری ضروریات موجود نہ ہو تو بحالت موجودہ اس کی جو قیمت مقرر ہو اس کے لحاظ سے فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ اس حد تک مکان وجود میں آچکا ہے“ (کتاب الفتاوی ۵/ ۴۰۷)۔

۴- استصناع اموال غیر منقولہ میں؟

جیسا کہ یہ بات سابق میں تحریر کی جا چکی ہے کہ استصناع کن چیزوں میں جائز ہے اور کن میں نہیں؟ اس کا تعلق منقولہ اور غیر منقولہ سے ہونے کے بجائے تعارف وتعامل سے ہے، اگر چہ فقہاء کے یہاں منقولہ چیزوں کی مثالیں ہی ملتی ہیں، لیکن یہ مثالیں حصر وتحدید کے لئے نہیں بلکہ ان زمانوں میں مروج چیزوں کی ہیں جن میں استصناع کا رواج تھا، البتہ تعامل کے بدلنے سے اس میں تبدیلی اور وسعت ممکن ہے، موجودہ زمانہ میں غیر منقولہ چیزوں میں بھی استصناع کا تعامل بہت ہی عام ہو چکا ہے، اس لئے تعامل کی وجہ سے ان میں بھی جواز کی مذکورہ شرطوں کے ساتھ استصناع جائز ہوگا، اور عقد استصناع کے ذریعہ مکان و فلیٹ، پل اور دیگر غیر منقولہ چیزوں کی تعمیر درست ہوگی۔

۵- استصناع موازی :

استصناع کی ایک شکل استصناع موازی کے نام سے مروج ہے جس میں ایک شخص یا ایک ادارہ درحقیقت ثالثی کردار ادا کرتے

ہوئے ایک شخص سے خاص اوصاف کے مطابق متعینہ مال کے عوض کسی چیز کے بنانے کا آرڈر لیتا ہے، اور پھر کسی سے اس کے آرڈر کے مطابق وہ متعینہ چیز بنوا کر اس کے حوالے کرتا ہے، اور ان دونوں کے درمیان قیمت میں فرق رکھ کر درمیان میں نفع حاصل کرتا ہے۔ عام طور پر اسلامی مالیاتی ادارے اس کو استثمار کے طور پر استعمال کرتے ہیں، فقہی تصریحات سے اس کا جائز ہونا معلوم ہوتا ہے، کیونکہ استصناع میں متعین چیز کا مطالبہ ہوتا ہے لیکن یہ شرط نہیں ہوتی ہے کہ صانع خود ہی بنا کر دے، اس لئے کسی اور سے بنوا کر دینے کی بھی گنجائش ہوگی، چنانچہ علامہ کاسانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں :

''لأن العقد ما وقع علی عین المعقود، بل علی مثله فی الذمة، لما ذکرنا أنه لو اشتری من مکان آخر، و سلم إلیه، جاز'' (بدائع ۵/۳) (اس لئے کہ عقد متعین معقود پر واقع نہیں ہوا بلکہ اس معقود کے مثل پر واقع ہوا ہے جو کہ ذمہ میں ہے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ اگر وہ کسی دوسری جگہ سے خرید کر اسے دیدے اور اسے قبول کر لے تو یہ جائز ہے)۔

اسی طرح صاحب ہدایہ کی اس عبارت سے بھی اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، لکھتے ہیں :

''حتی لو جاء به المصنوع، مفروغاً لا من صنعه أو من صنعته قبل العقد فأخذه جاز'' (ہدایہ مع الفتح ۷/۱۰۸) (یہاں تک کہ اگر وہ کسی دوسرے کی تیار کردہ چیز کو لے آیا، یا عقد سے پہلے اپنی بنائی ہوئی چیز کو لے آیا اور اس نے اسے لے لیا تو یہ جائز ہے)۔

بہر حال استصناع موازی جائز ہے اور درمیان میں ثالثی کردار ادا کرنے والے فرد یا ادارہ کے لئے اس کے ذریعہ حاصل کردہ نفع بھی حلال ہے، جیسا کہ علامہ کاسانی لکھتے ہیں :

''والدلیل علیه أن صانعاً تقبل عملاً بأجر ثم لم یعمل بنفسه ولکن قبله لغیره بأقل من ذلک طاب له الفضل'' (بدائع ۵/۳) (اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک کاریگر نے کوئی عمل ایک اجرت پر قبول کیا پھر خود کام نہ کر کے اس سے کم اجرت پر کسی اور کو دے دیا تو بچنے والا نفع اس کے لئے درست ہوگا)۔

۶—عقد استصناع کے بعد خریدار کو مطلوبہ چیز کو لینے سے مکرنا درست نہیں :

عقد استصناع فریقین کے حق میں عقد لازم ہے، اس لئے آرڈر دینے والے کے لئے یہ درست نہیں ہوگا کہ صانع کے سامان تیار کرنے کے بعد اس کو لینے سے مکر جائے، جب کہ صانع نے اس کے بیان کردہ اوصاف کے مطابق اس سامان کو تیار کر دیا ہے۔ ہاں اگر بیان کردہ مطلوبہ صفات کی صانع نے رعایت نہیں کی اور اس چیز کو ان مطلوبہ مبینہ صفات کے مطابق تیار نہیں کیا تو ایسی صورت میں مستصنع کو اختیار ہوگا، چاہے تو لے لے یا اسے نہ لے۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ میں مذکور ہے :

''وإذا انعقد الاستصناع، فلیس لأحد العاقدین الرجوع وإذا لم یکن المصنوع علی الأوصاف المطلوبة المبینة کان المستصنع مخیراً'' (مجلۃ الاحکام : مادہ ۳۹۲) (جب استصناع منعقد ہو گیا تو عاقدین میں سے کسی کو رجوع کا حق نہیں ہوگا، اور اگر تیار کردہ سامان بیان کردہ مطلوبہ اوصاف کے مطابق نہ ہو تو آرڈر دینے والے کو اختیار ہوگا)۔

۷—آرڈر دینے والا سامان فراہم کرے تو یہ عقد اجارہ ہے :

اگر کوئی شخص کسی سے کوئی چیز بنانے کا معاہدہ کر کے اس کے لئے میٹریل خود ہی فراہم کرے تو ایسی صورت میں یہ عقد استصناع

ہونے کے بجائے عقد اجارہ ہوگا، اس لئے کہ اس پر عقد اجارہ کی تعریف وحقیقت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ اس میں عین کا مطالبہ نہیں ہے بلکہ عمل منفعت پر عقد واقع ہورہی ہے جو کہ عقد اجارہ کی حقیقت ہے مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ہے :

''الإجارة في اصطلاح الفقهاء بمعنى بيع المنفعة المعلومة في مقابلة عوض معلوم'' (مجلۃ الاحکام، ص ۴۰۵) (فقہاء کی اصطلاح میں معلوم عوض کے بدلے میں منفعت کی بیع عقد اجارہ ہے)۔

چنانچہ دکتور سلیمان الاشقر لکھتے ہیں : ''وقد يأتيه المحتاج للصنعة بالمواد الخام ويطلب أن يصنعها له شيئاً محدداً، كأن يحضر له قماشاً ويطلب عمله ثوباً مقابل أجر معلوم فذلك إجارة وليس استصناعاً'' (بحوث فقہیہ فی قضایا اقتصادیہ معاصرہ ۱/ ۲۲۲) (کبھی کاریگری کا محتاج شخص خام مادوں کو لے کر آتا ہے اور کوئی متعین چیز کے بنانے کا مطالبہ کرتا ہے، جیسے کپڑے لے کر آتا ہے، اور اس سے متعین اجرت کے عوض جوڑا بنانے کا مطالبہ کرتا ہے تو یہ اجارہ ہے استصناع نہیں ہے)۔

اور اگر کاریگر نے اس کو اس کے بیان کردہ اوصاف کے مطابق تیار کر دیا تو اس صورت میں آرڈر دینے والے پر اسے لینا ضروری ہوگا، لیکن اگر صانع کی جانب سے کوتاہی ہوئی اور اس نے اسے خراب کر دیا، یا اس کو مطلوبہ صفات کے مطابق تیار نہیں کیا تو اس صورت میں آرڈر دینے والے کو اختیار ہوگا کہ اسے لے کر اجرت مثل دیدے، یا اس کو لینے سے انکار کر کے اس چیز کی قیمت صانع سے وصول کرے۔

علامہ ابوالحسن علی بن الحسین بن محمد السغدی لکھتے ہیں : ''فإذا فرغ منه الصانع ولم يفسد فليس للمستصنع الخيار وإن أفسده أو خالف فيما أمره فالمستصنع بالخيار إن شاء أخذه وأعطاه أجر مثله وإن شاء تركه وضمنه قيمة الشيئ'' (النتف فی الفتاوی للسغدی ۲/ ۵۷۸) (جب صانع اس چیز کی تیاری سے فارغ ہوگیا اور اسے خراب نہیں کیا تو مستصنع کو اختیار نہیں ہوگا، اور اگر اسے خراب کر دیا یا اس کے حکم کی مخالفت کی تو مستصنع کو اختیار ہوگا، اگر چاہے تو اسے لے کر اجرت مثل دے دے، اور اگر چاہے تو اسے چھوڑ کر صانع کو اس چیز کی قیمت کا ضامن بنائے)۔

۸ـــ عقد استصناع میں کاریگر متعینہ وقت پر سامان فراہم نہ کرے؟

عقد استصناع کے منعقد ہونے کے بعد اگر کاریگر متعینہ وقت پر مطلوبہ سامان فراہم نہ کر پائے تو اس صورت میں بسا اوقات خریدار کو بڑے ضرر کا اندیشہ رہتا ہے اور وقت کے لحاظ سے چیزوں کی طلب ورسد کی بنیاد پر قیمت میں بھی فرق پڑتا ہے، تو ایسی صورت میں آرڈر دینے والے کو دفع ضرر کی خاطر اس عقد کو فسخ کرنے کا حق ہوگا، کیونکہ ''الضرر يزال''، اور ''الحرج مدفوع''۔

لیکن اگر اس نے اس عقد کو فسخ نہیں کیا اور ان کے مابین نقصان کی تلافی کی کوئی بات مشروط بھی نہیں ہے، اور تاخیر کی صورت میں اس نے فسخ کئے بغیر اس کا مطالبہ باقی رکھا تو ایسی صورت میں خریدار کو یہ حق نہ ہوگا کہ تاخیر کی وجہ سے بائع پر تاخیر کا جرمانہ عائد کرے، کیونکہ تاخیر کے باوجود اس کا عقد کو فسخ نہ کرنا اور اس کا مطالبہ نقصان کی تلافی کی سابقہ شرط کے بغیر باقی رکھنا درحقیقت اس عقد کی پرانی کیفیت وصورت پر اس کی رضامندی کی دلیل ہے، اس لئے اسے جرمانہ وصول کرنے کا حق نہ ہوگا۔ ہاں اگر ایسی کوئی شرط پہلے سے مذکور ہے کہ تاخیر سے ادائیگی کی صورت میں اس چیز کو خریدار اس قیمت کے بجائے اس سے کم قیمت پر لے گا تو ایسی صورت میں ''المسلمون على شروطهم'' (ابوداود ۳۵۹۴) کے تحت اس کو قیمت میں تخفیف کرنے کا حق ہوگا۔

عقد استصناع — اسلامی قانون کی روشنی میں

مولانا یوسف قاسمی جودھپوری ☆

۱— استصناع لغت میں نام ہے صنعت کے طلب کرنے کا، الدر المختار اور شامی میں ہے: "والاستصناع هو طلب عمل الصنعة" (الدر مع الرد ۷/۴۷۴، البحر الرائق ۶/۱۷۰)۔

اور اصطلاح شریعت میں استصناع نام ہے، صانع سے کسی خاص عمل کے مخصوص طریقہ پر طلب کرنے کا، "وأما شرعا: فهو طلب العمل منه في شيئ خاص على وجه مخصوص يعلم مما يأتي" (شامی ۷/۴۷۴)۔

استصناع کی تعریف کے بعد حضرات فقہاء نے جواز اور عدم جواز پر بحث کی ہے، اور اکثر فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ استصناع ہر اس چیز میں جائز ہے جس میں لوگوں کا تعامل ہو، کاسانی فرماتے ہیں:

"منها أن يكون ما للناس فيه تعامل كالقلنسوة والخف والآنية ونحوها" (بدائع ۴/۴۴۴، بكذا في الدر مع الرد ۷/۴۷۴)۔

۲— استصناع کے بیع یا وعدہ بیع ہونے کے سلسلہ میں حضرات فقہاء کی رائیں مختلف ہیں، بعض حضرات کی رائے تو یہ ہے کہ استصناع وعدہ بیع ہے، جبکہ بعض دوسرے حضرات کی رائے یہ ہے کہ استصناع ابتداءً تو اجارہ ہے، انتہاءً بیع ہے، علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

"ثم اختلف المشائخ أنه مواعدة أو معاقدة فالحاكم الشهيد والصفار ومحمد بن سلمة وصاحب المنثور مواعدة، وإنما ينعقد عند الفراغ بيعاً بالتعاطي، ولهذا كان للصانع أن لا يعمل ولا يجبر عليه بخلاف السلم ..... والصحيح من المذهب جوازه بيعاً، لأن محمداً ذكر فيه القياس والاستحسان وهما لا يجريان في المواعدة"۔

علامہ ابن ہمامؒ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ استصناع راجح قول کے مطابق بیع ہے نہ کہ وعدہ بیع (فتح القدیر ۷/۱۱۵، کذا فی مجمع الانہر ۲/۱۰۶)۔

۳— احادیث میں بڑی وضاحت کے ساتھ شیئ معدوم کے بیع کی ممانعت وارد ہوئی ہے، شارع علیہ السلام کا ارشاد ہے:

عن ابن عباس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يقبضه" (الصحیح لمسلم ۲/۵ باب بطلان بیع المبیع قبل القبض)۔

حضرات فقہاء نے بھی اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ شیئ معدوم کی بیع قبضہ سے پہلے درست نہیں ہے، البتہ استصناع کی صورت میں فقہاء نے خلاف قیاس استحساناً اجازت دی ہے اور اس کی بنیاد لوگوں کا تعامل بیان کیا ہے۔

☆ امارت شرعیہ راجستھان، مسلم مزدور کالونی، پرتاپ نگر، جودھپور، مدرسہ جامعہ ابوبکر صدیق، جودھپور۔

"قال : وإن استصنع شيئاً من ذلک بغير أجل جاز استحساناً للإجماع الثابت بالتعامل وفي القياس لا يجوز, لأنه بيع المعدوم... والمعدوم قد يعتبر موجوداً حكماً" (ہدایہ علی الفتح ۷ / ۱۱۴)۔

بہر حال مذکورہ عبارت سے اتنی بات تو واضح ہے کہ استصناع جو دراصل شیئ معدوم کی بیع ہے اس کی اجازت تعامل اور انسانی حاجت وضرورت کی بنیاد پر دی گئی ہے ورنہ اگر قیاس کے مطابق فتوی دیا جائے تو پھر جواز کا فتوی دینا مشکل ہے، اس کے علاوہ علامہ شامی نے ایک اصل بیان کی ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ وہ عقد جو قبضہ سے پہلے عوض کے ہلاک ہونے کی وجہ سے فسخ ہوجاتا ہو تو اس عوض میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں ہوگا، پھر علامہ شامی نے اس کی مثال پیش کرتے ہوئے سب سے پہلی مثال یہی دی ہے کہ مثلاً : مبیع میں قبضہ سے پہلے تصرف درست نہیں ہے، ملاحظہ فرمائیں : "الأصل أن كل عقد ينفسخ بهلاک العوض قبل القبض لم يجز التصرف في ذلک العوض قبل قبضه كالمبيع في البيع" (شامی ۷ / ۴۰۷)۔ لہذا استصناع جو خود ہی استحساناً جائز ہے اب اس میں بھی قبل القبض ایک خریدار دوسرے سے اور دوسرا تیسرے سے خرید وفروخت کرے، احقر کی نگاہ میں اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ ہذا ما ظہر لی واللہ تعالی اعلم۔

۴۔ حضرات فقہاء نے استصناع کے جواز وعدم جواز پر بحث کرتے ہوئے یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ استصناع ان تمام چیزوں میں جائز ہے جس میں لوگوں کا تعامل ہو، پھر اکثر فقہاء نے بطور مثال خف، قلنسوہ، اور آنیہ کو پیش کیا ہے، عالمگیری میں ہے :

"الاستصناع جائز في كل ما جرى التعامل فيه كالقلنسوة والخف والأواني المتخذة من الصفر والنحاس وما أشبه ذلک استحساناً" (۳ / ۲۰۷، کذا فی الدر علی الرد ۷ / ۴۷۵، البحر ۶ / ۱۷۰، فتح القدیر ۷ / ۱۱۴)۔

البتہ علامہ کاسانی نے بڑی تفصیل لکھی ہے :

"ومنها أن يكون مما يجري فيه التعامل بين الناس من أواني الحديد والرصاص والنحاس والزجاج والخفاف والنعال ولجم الحديد للدواب ونصول السيوف والسكاكين والقسي والنبل والسلاح كله والطشت والقمقمة ونحو ذلک" (بدائع ۴ / ۹۳)۔

البتہ صاحب عنایہ نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ استصناع ہر اس چیز میں جائز ہے جس کو وصف اور مقدار کے ذریعہ متعین کرنا ممکن ہو، ہاں اتنی بات ضروری ہے کہ اس چیز کے استصناع کا تعامل بھی لوگوں میں ہونا چاہئے، ملاحظہ فرمائیں :

"الاستصناع هو أن يجيئ إنسان إلى صانع فيقول : اصنع لي شيئاً صورته كذا وقدره كذا بكذا درهماً ويسلم إليه جميع الدراهم أو بعضها أو لا يسلم, وهو لا يخلو إما أن يكون فيما فيه تعامل... أو لا, والثاني لا يجوز قياساً واستحساناً, والأول يجوز استحساناً" (عنایہ علی الفتح ۷ / ۱۱۴)۔

صاحب ہدایہ کی عبارت سے بھی کچھ اسی طرح کا اشارہ ملتا ہے، "وفيما فيه تعامل إنما يجوز إذا أمكن إعلامه بالوصف ليمكن التسليم" (ہدایہ ۳ / ۱۰۱)۔

مذکورہ بالا دونوں عبارتوں پر غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ ہر وہ چیز جس کی صفات بیان کردینے سے وہ بالکلیہ طور پر سمجھ میں آجائے اور اس کے سپرد کرنے میں کوئی نزاع کا اندیشہ نہ ہو ان چیزوں میں استصناع درست ہوگا، لہذا آج کل بلڈنگ وغیرہ جو درحقیقت

اشیاءغیر منقولہ کے قبیل سے ہیں اوراس میں لوگ کثرت سے استصناع کرر ہے ہیں،جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بلڈنگ کا پورانقشہ تیار کر کے مشتری کو دکھایا جاتا ہے اورنقشہ کچھ اس طرح تیار کیا جاتا ہے کہ مشتری کو ہر طرح سے اطمینان ہو جاتا ہے اور نزاع کا بالکل اندیشہ نہیں رہتا، اور تقریباً یہ تعامل کے درجہ کو پہنچ چکا ہے اس کے جواز کے سلسلہ میں اگر غور کیا جائے تو گنجائش نکل سکتی ہے، چونکہ جواز استصناع کی جو سب سے بڑی دلیل ہے وہ لوگوں کی حاجت وضرورت اور تعامل ہے اور یہ بات بھی واضح ہے کہ تعامل ہر زمانہ کا معتبر ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے نور الانوار جو اصول فقہ کی مشہور کتاب ہے اس کی عبارت سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے "قال في نور الأنوار وتعامل الناس ملحق بالإجماع وفيه ثم إجماع من بعدهم أي بعد الصحابة من أهل كل عصر"۔

اس سے معلوم ہوا کہ تعامل بھی مثل اجماع کے کسی عصر کے ساتھ خاص نہیں، البتہ جو اجماع کا رکن ہے وہی اس میں بھی ضروری ہے، یعنی اس وقت کے علماء اس پر نکیر نہ رکھتے ہوں، اسی طرح فقہاء نے بہت سے نئے جزئیات کے جواز پر تعامل سے احتجاج کیا ہے۔

پس اس بنا پر کتاب چھپوانا استصناع میں داخل ہوگا (امداد الفتاوی ۳/ ۳۴)۔

۵ — دراصل استصناع نام ہی ہے شیئ معدوم کی بیع کا اور سوال میں جو صورت مذکور ہے وہ استصناع کی ترقی یافتہ صورت ہے، ظاہر ہے کہ استصناع نام ہی ہے آرڈر کے ذریعہ کسی سامان کے تیار کروانے کا اس طور پر کہ مشتری آرڈر دے اور بائع اس آرڈر کے مطابق سامان تیار کرے اب یہاں بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارے جو فریق ثالث کی حیثیت رکھتے ہیں وہ من وجہ بائع ہے اور من وجہ مشتری، لیکن یہاں شیئ معدوم کی ممانعت کی وجہ سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ بیع ممنوع ہوگی چونکہ ممانعت کا حکم عام بیع کی صورت میں ہے اور یہ صورت عام بیع سے مستثنی ہے یہ استصناع میں شامل ہے اور ظاہر ہے کہ استصناع کی صورت میں حکماً مبیع کو موجود مانتے ہوئے اس کی بیع کو استحساناً جائز کہا گیا ہے، لہذا یہ صورت بھی بلا قباحت جائز و درست ہے، ہذا ما عندی واللہ تعالی اعلم۔

۶ — بیعانہ کی رقم جو عقد بیع کرتے ہوئے بطور وثیقہ دیا جاتا ہے جو اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ اب یہ بیع مکمل ہوگئی، اگر اس صورت میں بھی مشتری کسی وجہ سے لینے سے انکار کردے تو بائع کے لئے اس بیعانہ کی رقم کا ضبط کر لینا درست نہیں ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یہ دراصل بیع عربان ہے اور شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے چونکہ شارع علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ بائع کو ثمن کا کچھ حصہ دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ اگر مشتری نے خرید لیا تو وہ قیمت میں محسوب ہوگا اور اگر نہیں خریدا تو وہ رقم بائع کو مفت مل جائے گی، کیونکہ اس میں جوا پایا جاتا ہے۔ "نهى عن العربان أن يقدم إليه شيئ من الثمن فإن اشترى حسب من الثمن وإلا فهو له مجاناً وفيه معنى الميسر" (حجۃ اللہ البالغہ ۲/ ۱۰۰، جدید فقہی مسائل ۱/ ۳۴۷، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۶/ ۸۲، فتاوی رحیمیہ ۹/ ۲۶۹، ۔۔۔ بیع العربان ۱۴/ ۱۶۶)۔

واضح رہے کہ یہ ممانعت عام بیع کی صورت میں ہے البتہ استصناع کی صورت میں جبکہ ایک آدمی نمونہ دکھا کر آرڈر دیتا ہے کیا اس میں بھی ایسا ہی حکم ہوگا تو ایسی صورت میں اولاً تو قابل غور بات یہ ہے کہ استصناع بیع ہے یا وعدہ بیع، حضرات فقہاء کے اس سلسلہ میں تین اقوال ہیں: ایک یہ ہے کہ یہ وعدہ بیع ہے بیع نہیں ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ابتداء اجارہ ہے اور انتہاء بیع ہے، "وفي الذخيرة هو إجارة ابتداء بيع انتهاء" (شامی ۷/ ۴۷۵)۔

"الاستصناع ینعقد إجارة ابتداء ویصیر بیعاً انتهاء قبل التسلیم بساعة هو الصحیح" (عالمگیری ۳/۲۰۷)۔

البتہ اکثر فقہاء کی رائے اور راجح قول یہی ہے کہ استصناع بیع ہے۔

۷- علامہ کاسانی نے استصناع کی جو تعریف لکھی ہے کہ اگر اس تعریف پر نگاہ ڈالی جائے تو سوال میں مذکور صورت عقد استصناع میں شامل نہیں ہوگی چونکہ انہوں نے تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ استصناع کہتے ہیں اس عقد کو کہ مشتری صانع سے کہے تو میرے لئے فلاں چیز اس شکل وصورت کی اپنے پاس سے اتنے روپے کے بدلے تیار کر اور صانع اس کو قبول کر لے، اور ظاہر ہے کہ اس تعریف میں اپنے پسند سے کی قید کا تذکرہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ جب مشتری میٹریل خود دیدیگا تو پھر یہ صورت استصناع میں شامل نہیں ہوگی، ملاحظہ فرمائیں

"أما صورة الاستصناع فهي أن یقول لصانع من خفاف أو صفار أو غیرهما : اعمل لي خفا أو انیة من أدیم أو نحاس من عندک بثمن کذا و یبین نوع ما یعمل و قدره و صفته فیقول الصانع نعم" (بدائع الصنائع ۴/۹۳)۔

اس کے علاوہ علامہ کاسانی نے استصناع کی بحث میں ایک واضح عبارت لکھی ہے کہ اگر خریدار بائع کو کسی چیز کے بنانے کا آرڈر دے اور اس کا میٹریل بھی خود لاکر دیدے تو یہ عقد عقد استصناع نہیں ہوگا بلکہ عقد اجارہ ہوگا اور اس پر وہ تمام احکام جاری ہوں گے جو اجارہ کی صورت میں جاری ہوتے ہیں۔

"فإن سلم إلی حداد حدیداً لیعمل له إناءاً معلوماً بأجر معلوم أو جلداً إلی خفاف لیعمل له خفاً معلوماً بأجر معلوم فذلک جائز ولا خیار فیه، لأن هذا لیس باستصناع بل هو استیجار فکان جائزاً فإن عمل کما أمر استحق الأجر وإن فسد فله أن یضمنه حدیداً مثله لأنه لما أفسده فکأنه أخذ حدیداً له واتخذ منه انیة من غیر إذنه والإناء للصانع لأن المضمونات تملک بالضمان" (بدائع الصنائع ۴/۹۶)۔

۸- عقد استصناع میں اگر خریدار کے منشا کے مطابق مال تیار نہ ہو تو خیار رؤیت کی بنیاد پر اسے اختیار ہے کہ چاہے تو وہ مبیع (مصنوع) لے لے اور چاہے تو نہ لے، یہ بات الگ ہے کہ خود فقہاء احناف کا اس سلسلہ میں اختلاف ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اس بات کے قائل ہیں کہ خریدار کی طرح بائع (صانع) کو بھی اختیار ہوگا کہ چاہے تو مال تیار کرے اور چاہے تو نہ کرے، جبکہ حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دونوں میں سے کسی کو اختیار نہیں ہوگا نہ بائع (صانع) کو اور نہ خریدار کو بائع کو تو اس لئے نہیں کہ وہ ایسی چیز کو فروخت کرتا ہے جسے مشتری نے دیکھا نہیں اور خریدار کو اس لئے نہیں کہ اگر اس نے انکار کر دیا تو بائع کو اس جیسا مصنوع لینے والا خریدار نہیں ملے گا، مثلاً ایک امام نے ایک ممبر بنانے کا آرڈر دیا اور جب ممبر تیار ہو گیا تو اب اس نے لینے سے انکار کر دیا تو اب عام آدمی میں سے کون اسے لے گا لہذا خریدار کو بھی اختیار نہیں ہوگا، ملاحظہ فرمائیں

"قال: وهو بالخیار إن شاء أخذه وإن شاء ترکه أي المستصنع بالخیار إن شاء أخذ وإن شاء ترکه، لأنه اشتری مالم یره ومن هو کذلک فله الخیار کما تقدم ولا خیار للصانع، ... فیجبر علی العمل لأنه بائع باع مالم یره ومن هو کذلک لا خیار له، وهو الأصح بناء علی جعله بیعاً لا عدة، وعن أبي حنیفة ﷺ أن له الخیار أیضاً إن شاء فعل وإن شاء ترک دفعاً للضرر عنه لأنه

لا يمكنه تسليم المعقود عليه إلا بضرر وهو قطع الصرم وإتلاف الخيط، وعن أبي يوسف رحمه الله أنه لا خيار لهما، أما الصانع فلما ذكرنا أولاً، وأما المستصنع فلأن الصانع أتلف ماله بقطع الصرم وغيره ليصل إلى بدله، فلو ثبت له الخيار تضرر الصانع، لأن غيره لا يشتريه بمثله، ألا ترى أن الواعظ إذا استصنع منبراً ولم يأخذه فالعامي لا يشتريه أصلاً" (عنایہ علی الفتح ۱۱۶/۷)۔

البتہ ظاہر الروایہ یہی ہے کہ خریدار کو اختیار ہوگا جیسا کہ بیع کا اصول ہے کہ مشتری کو خیار رؤیت حاصل ہوتا ہے اور خیار رؤیت کی بنیاد پر وہ بیع کو رد کرسکتا ہے، ہاں عقد استصناع میں میری سمجھ سے صحیح یہی ہے کہ عاقدین میں سے کسی کو اختیار نہیں ملنا چاہئے جیسا کہ حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول ہے، چونکہ اگر ذرا نظر عمیق سے دیکھا جائے تو اختیار دینے کی صورت میں دونوں میں سے کسی ایک فریق کا بڑا خسارہ ہے، مان لیں اگر آپ نے بائع (صانع) کو اختیار دیدیا تو اب وہ اپنی من مانی کرے گا جب چاہے گا تب مال تیار کرے گا اور جیسا چاہے گا ویسا تیار کردے گا جس کی وجہ سے خریدار کا بڑا خسارہ ہوگا، اور اگر آپ نے خریدار کو اختیار دیدیا تو پھر بائع (صانع) کا بڑا نقصان ہوگا، چونکہ مال (مصنوع) تیار ہونے کے بعد جب لینے سے انکار کردے گا تو بائع کے لئے نیا خریدار تلاش کرنا بہت دشوار ہوگا اور لامحال اس کو بہت قیمتی تیار کیا ہوا مال بہت کم قیمت میں فروخت کرنا پڑے گا، لہذا حق تو یہی ہے کہ عقد استصناع کو لازم قرار دیا جائے۔ هذا ما ظهر لي والله تعالى أعلم۔

عقد استصناع کے مسائل

مفتی سلمان پالنپوری قاسمی ☆

۱۔ استصناع کی تعریف:

عقد استصناع کہتے ہیں، کسی شخص کا کاریگر کو حکم دینا کہ وہ اپنے مال سے خریدار کے لئے مطلوبہ چیز جس کے تمام اوصاف بیان کردیئے گئے ہوں، متعین ثمن میں بنا کر دیدے، اور کاریگر اس ذمہ داری کو قبول کرلے۔

چنانچہ ملک العلماء علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں: "وأما صورة الاستصناع فهي أن يقول إنسان لصانع من خفاف أو صفار أو غيرهما: اعمل لي خفا أو انية من أديم أو نحاس من عندك بثمن كذا وبين نوع ما يعمل وقدره وصفته فيقول الصانع نعم" (بدائع الصنائع ۴/ ۹۳، مکتبہ دار الکتاب)۔

(بہرحال استصناع کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص موزے، برتن، وغیرہ بنانے والے سے کہے کہ تو میرے لئے اپنے چمڑے سے موزے یا اپنے پیتل سے برتن اتنے ثمن میں بنادے اور مصنوع کی نوع، مقدار اور صفت بیان کردے اور صانع اس ذمہ داری کو قبول کرلے)۔

کتب فقہیہ میں جب اس کی صراحت موجود ہے کہ عقد استصناع کا جواز خلاف قیاس تعامل کی وجہ سے ہے، تو اس کے جاری ہونے کا مدار بھی تعامل ہی پر ہوگا، نہ کہ مخصوص اشیاء پر۔

چنانچہ شرح المجلۃ سلیم رستم میں ہے: "كل شيئ تعومل استصناعه يصح فيه الاستصناع على الإطلاق" (مادہ ۳۸۹ء)

(ہر وہ شیئ جس میں استصناع کا تعامل ہو، تو اس میں عقد استصناع مطلقاً درست ہے)۔

اور "المحیط البرہانی" میں ہے: "يجب أن يعلم أن الاستصناع جائز في كل ما جرى التعامل فيه" (۷/ ۳۴۴) (یہ جاننا ضروری ہے کہ عقد استصناع ہر اس چیز میں جائز ہے جس میں تعامل جاری ہے)۔

مذکورہ عبارات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ موجودہ دور میں جن جن اشیاء کو آرڈر دے کر تیار کرانے کا تعامل ہے، خواہ وہ منقولی ہوں یا غیر منقولی ان سب میں عقد استصناع جاری ہوسکتا ہے، اور اس سلسلہ میں اصول بس یہ ہے کہ اس میں تعامل ہو۔

چنانچہ دکتور وہبہ زحیلی رقمطراز ہیں: "أما الاستصناع فضابطه أنه يصح في كل ما يجري فيه التعامل فقط، ولا يجوز فيما لا تعامل لهم فيه" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۳۶۵۶) (بہرحال استصناع تو اس کا ضابطہ یہ ہے کہ وہ صرف ہر ایسی چیز میں درست ہے جس میں تعامل جاری ہے اور جن چیزوں میں استصناع کا تعامل نہیں ان میں درست نہیں)۔

☆ جامعہ خلیلیہ، ماہی، ضلع بناس کانٹھا۔

اورمحیط برہانی میں ہے: ''لأن المجوز للاستصناع التعامل ففيما لا تعامل فيه لا يجوز'' (۱۳۵/۷) (اس لئے کہ استصناع کو جائز قرار دینے والی چیز تعامل ہے، پس جن اشیاء میں تعامل نہیں، ان میں استصناع جائز نہیں)۔

البتہ عقد استصناع کی صحت کے لئے تعامل کے علاوہ کچھ اور بھی شرائط ہیں، اگر ان کا تحقق ہوگا تو عقد استصناع درست ہوگا، ورنہ نہیں، صرف تعامل صحت عقد کے لئے کافی نہیں، ہاں تعامل جریان عقد استصناع کے لئے کافی ہے، صحت عقد کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہیں:

۱۔اس میں استصناع کا تعامل ہو۔

۲۔مبیع یعنی مصنوع کی جنس، نوع، مقدار، اور تمام مطلوبہ اوصاف کو وضاحت کے ساتھ بیان کردیا جائے، جس میں کوئی ایسا ابہام باقی نہ رہے جو بعد میں تنازع کا باعث بن سکتا ہو۔

۳۔مبیع کی فراہمی کا کوئی وقت متعین نہ کیا جائے اور اگر وقت متعین کردیا تو یہ عقد سلم ہوجائے گا اور یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے، البتہ صاحبینؒ کے نزدیک یہ شرط نہیں، وقت متعین کیا جائے یا متعین نہ کیا جائے بہر صورت یہ عقد استصناع ہوگا۔

۴۔میٹریل یعنی خام مال صانع کا ہو، اگر میٹریل خریدار کا ہو، تو یہ عقد اجارہ ہوگا۔

شرح المجلۃ سلیم رستم (ص:۲۲۰) پر ہے:

''بشرط أن يكون الحديد من الصانع إذ لو كان من المستصنع كان العقد إجارة لا استصناعاً'' (اس شرط کے ساتھ کہ لوہا کاریگر کی طرف سے ہو، کیونکہ اگر خریدار کی طرف سے ہو، تو عقد ''اجارہ'' ہوگا نہ کہ استصناع)۔

۲۔استصناع خود بیع ہے یا وعدہ بیع؟

فقہاء حنفیہ کا استصناع کے سلسلہ میں اختلاف ہے کہ یہ بیع ہے یا وعدۂ بیع؟ چنانچہ حاکم شہید مروزی، صفار، محمد بن سلمہ اور صاحب منثور فرماتے ہیں کہ استصناع وعدہ بیع ہے اور صانع جب مطلوبہ شئی بنا کر خریدار کے حوالہ کرے گا تب بیع تعاطی منعقد ہوگی۔ چنانچہ ابن ہمامؒ تحریر فرماتے ہیں: ''ثم اختلف المشائخ أنه مواعدة أو معاقدة فالحاكم الشهيد والصفار ومحمد بن سلمة وصاحب المنثور مواعدة وإنما ينعقد عند الفراغ بيعاً بالتعاطي'' (فتح القدیر ۱۰۸/۷) (پھر مشائخ کا اختلاف ہے کہ استصناع وعدۂ بیع ہے یا بیع؟ چنانچہ حاکم شہید، صفار، محمد بن سلمہ اور صاحب منثور فرماتے ہیں کہ وعدۂ بیع ہے اور بلا شبہ مبیع بن جانے کے بعد بیع تعاطی منعقد ہوتی ہے)۔

لیکن صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ استصناع مصنوع کی بیع ہے اور اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔امام محمدؒ نے استصناع میں قیاس اور استحسان کو ذکر کیا ہے، یعنی قیاس کے اعتبار سے ناجائز کہا ہے اور استحسان کے اعتبار سے جائز کہا ہے، اگر یہ وعدہ بیع ہوتا، تو قیاس اور استحسان دونوں اعتبار سے جائز ہوتا۔

۲۔استصناع کو صرف ان اشیاء میں جائز کہا ہے جن میں تعامل ہے اور جن میں تعامل نہیں ان میں ناجائز کہا ہے، اگر یہ وعدہ بیع ہوتا، تو تمام اشیاء میں جائز ہوتا، اس کا مدار تعامل پر نہ ہوتا۔

۳۔امام محمدؒ نے استصناع کا نام شراء رکھا ہے اور مستصنع کے لئے خیار ثابت کیا ہے، یہ بھی اس کے بیع ہونے کی دلیل ہے۔

۴۔صانع اگر مستصنع کی طرف سے دیجانے والی رقم پر قبضہ کرلے، تو اس کا مالک ہوجاتا ہے، اگر یہ صرف وعدۂ بیع ہوتا، تو صانع

اس کا مالک نہ ہوتا۔

کفایہ میں ہے:"واختلفوا في جوازه هل هو بيع أم عدة، والصحيح أنه بيع لا عدة وهو مذهب عامة مشائخنا" (کفایہ مع فتح القدیر ۷/۱۰۸) (استصناع کے جواز میں مشائخ کا اختلاف ہے کہ یہ بیع ہے یا وعدہ بیع؟ اور صحیح قول یہ ہے کہ یہ بیع ہے نہ کہ وعدہ بیع اور یہی ہمارے اکثر مشائخ کا مذہب ہے)۔

۳ـ مبیع مصنوع کی سلسلہ وار بیوع کا حکم:

عقد استصناع میں خریدار جس چیز کو خریدتا ہے وہ عقد کے وقت معدوم ہوتی ہے، مگر اس کو تعامل کی وجہ سے حکماً موجود مان لیا گیا ہے، اس لئے عقد استصناع تو درست ہے، چنانچہ کفایہ میں ہے:

"بأن المعدوم قد يعتبر موجوداً حكماً، كالناسي للتسمية عند الذبح فإن التسمية جعلت موجودة لعذر النسيان والطهارة للمستحاضة جعلت موجودة لعذر جواز الصلوات لئلا تتضاعف الواجبات، فكذلك المستصنع المعدوم جعل موجوداً حكماً للتعامل" (کفایہ مع فتح القدیر ۷/۱۰۸)۔

(معدوم کو کبھی حکماً موجود مان لیا جاتا ہے، جیسے ذبح کے وقت بسم اللہ بھولنے والا، کیونکہ تسمیہ کو عذر نسیان کی وجہ سے موجود مان لیا گیا اور مستحاضہ کے لئے پاکی نمازوں کے جواز کے عذر کی وجہ سے حکماً موجود مان لیا گیا تاکہ واجبات بڑھ نہ جائیں، پس اسی طرح مصنوع معدوم کو تعامل کی وجہ سے حکماً موجود مان لیا گیا ہے)۔

البتہ عقد استصناع میں خریدار جس مبیع مصنوع کو خریدتا ہے اس کے وجود میں آنے سے پہلے اگر وہ اسے کسی اور سے پھر یہ دوسرا خریدار اسے کسی تیسرے سے فروخت کرے، جیسا کہ آج کل خاص کر فلیٹس کی خرید و فروخت میں کثرت سے ایسی بات پیش آتی ہے، تو سلسلہ وار بیع کی یہ تمام صورتیں ناجائز اور بیع معدوم میں داخل ہیں، کیونکہ سلسلہ وار بیع کی ان تمام صورتوں میں مبیع مصنوع کے وجود میں آنے سے پہلے خرید و فروخت عقد استصناع نہیں، بلکہ بیع مطلق ہے یعنی خریدار نے اپنے صانع کو جس چیز کے بنانے کا آرڈر دیا ہے، اسی مبیع مصنوع کو متعین کرکے دوسرے سے اور دوسرا بھی اسی کو تیسرے سے فروخت کرتا ہے، حالانکہ بیع مطلق کے صحیح ہونے کے لئے مبیع کا موجود ہونا شرط ہے، چنانچہ صاحب بدائع الصنائع تحریر فرماتے ہیں:"منها أن يكون موجوداً فلا ينعقد بيع المعدوم وماله خطر العدم" (بدائع الصنائع ۴/۳۲۶)۔

(ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مبیع موجود ہو، لہٰذا شئی معدوم کی اور جس کے معدوم ہونے کا خطرہ ہو، بیع منعقد نہیں ہوگی)۔

سلسلہ وار بیع کی مذکورہ صورتوں کو بطور عقد استصناع بھی درست قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ عقد استصناع میں مبیع عقد کے وقت صرف اوصاف کے اعتبار سے متعین ہوتی ہے، لیکن ذات کے اعتبار سے (مثلاً فلاں شخص جو چیز بنا کر دے گا) وہ متعین نہیں ہوتی، جبکہ سلسلہ وار بیع کی تمام صورتوں میں مبیع عقد کے وقت اوصاف اور ذات دونوں اعتبار سے متعین ہوتی ہے، اس لئے یہ بیوع مطلقہ ہیں، اور بیع معدوم میں داخل اور ناجائز ہیں۔

۴ـ استصناع کا تعلق صرف اموال منقولہ سے ہے یا غیر منقولہ سے بھی؟

جب استصناع کا مدار ہی تعامل پر ہے، تو تعامل کے اعتبار سے استصناع کا تعلق اموال منقولہ اور غیر منقولہ سب سے ہوگا، البتہ

گذشتہ زمانوں میں چند چھوٹی معمولی اور منقولی اشیاء ہی کو آرڈر دے کر بنوانے کا تعامل تھا، اسی لئے فقہاء نے استصناع کی جو مثالیں دی ہیں وہ چند چھوٹی معمولی اور منقولی چیزوں ہی سے متعلق ہیں مثلاً موزے، برتن وغیرہ اور چونکہ فقہاء کے زمانہ میں اموال غیر منقولہ میں استصناع کا تعامل نہیں تھا، اسی لئے کتب فقہ میں استصناع کی مثالوں میں کسی غیر منقولی چیز کا تذکرہ نہیں ملتا لیکن عصر حاضر میں آرڈر پر تیار کی جانے والی اشیاء اور خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا ہے، چنانچہ منقولی اشیاء میں چھوٹی معمولی اور ارزاں اشیاء سے لے کر بڑی بڑی گراں قدر اشیاء کو آرڈر دے کر بنوانے کا تعامل جاری ہے، مثلاً بسیں، ریل گاڑیاں، پانی کے جہاز، ہوائی جہاز اور فیکٹریوں کی بڑی بڑی مشینریاں وغیرہ، اسی طرح غیر منقولی اشیاء میں بھی استصناع کا تعامل جاری ہے، مثلاً مکانات، بلڈنگیں وغیرہ اور کسی بھی فقہی عبارت سے یہ ثابت نہیں کہ استصناع کا تعلق صرف اموال منقولہ سے ہے اور اموال غیر منقولہ سے استصناع کا تعلق نہیں، بلکہ فقہی عبارات سے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ استصناع کے تعلق کا مدار تعامل پر ہے، مخصوص اشیاء پر نہیں، چنانچہ شرح المجلۃ سلیم رستم میں ہے: "كل شيئ تعومل استصناعه يصح فيه الاستصناع على الإطلاق" (مادہ: ۳۸۹) (ہر وہ چیز جس میں استصناع کا تعامل ہو، تو اس میں عقد استصناع مطلقاً درست ہے)۔

اور محیط برہانی میں ہے: "يجب أن يعلم أن الاستصناع جائز في كل ما جرى التعامل فيه" (۷/۳۴۴) (یہ جاننا ضروری ہے کہ عقد استصناع ہر اس چیز میں جائز ہے جس میں تعامل جاری ہے)۔

اور تعامل جگہ اور زمانہ کی تبدیلی سے تبدیل ہو سکتا ہے، جیسے فقہاء کے زمانہ میں کپڑے میں استصناع کا تعامل نہیں تھا، اسی لئے فقہاء نے اس میں استصناع کو ناجائز قرار دیا تھا، چنانچہ علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

"وإنما جوازه استحسانا لتعامل الناس ولا تعامل في الثياب" (بدائع الصنائع ۴/۹۴) (بلاشبہ استصناع کا جواز تعامل ناس کی وجہ سے استحساناً ہے، حالانکہ کپڑے میں تعامل نہیں)۔

لیکن عصر حاضر میں آرڈر دے کر کپڑے بنوانے کا تعامل ہے، لہذا موجودہ عہد میں کپڑے میں بھی عقد استصناع درست ہوگا، چنانچہ دکتور وہبہ زحیلی تحریر فرماتے ہیں: "لكن جرى التعامل في عصرنا باستصناع الثياب فيكون جائزا، لأن جريان التعامل يختلف باختلاف البلدان والأزمنة" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۳۶۵۲) (لیکن عصر حاضر میں کپڑے میں استصناع کا تعامل جاری ہے، لہذا یہ جائز ہوگا، کیونکہ تعامل شہروں اور زمانوں کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے)۔

حاصل یہ کہ استصناع کا تعلق اموال منقولہ اور غیر منقولہ دونوں سے ہے بشرطیکہ تعامل ہو، چنانچہ دکتور وہبہ زحیلی تحریر فرماتے ہیں: "أما الاستصناع فيصح في الأمرين إذا تعامل الناس به" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۳۶۵۵) (رہا عقد استصناع تو دونوں چیزوں (مثلی اور غیر مثلی) میں درست ہے جبکہ لوگوں میں اس کا تعامل ہو)۔

البتہ صحت عقد استصناع کے لئے تعامل کے علاوہ مزید شرائط ہیں جن کا ذکر پہلے جزئیہ کے جواب کے تحت آچکا ہے۔

۵—استصناع متوازی:

صانع کے ذمہ یہ بات ہوتی ہے کہ جس قسم کی مواصفات کی چیز مستصنع نے طلب کی ہے وہ اس کو فراہم کرے، اگر صانع انہی مواصفات کی چیز مارکیٹ سے خرید کر دے دے، تو فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ وہ بھی جائز ہے، چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے

"والأصح أن المعقود عليه المستصنع فيه، ولهذا لو جاء به مفروغاً عنه لا من صنعته أو من صنعته قبل العقد جاز كذا في الكافي" (الفتاوی الہندیہ ۳/ ۲۰۸)۔

(زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ عقد استصناع میں مبیع شیئ مصنوع ہے، اور اسی وجہ سے اگر صانع ایسی چیز لائے جو اس کی بنائی ہوئی نہیں ہے، یا عقد سے پہلے اس کی بنائی ہوئی ہے، تو بھی جائز ہے، ایسا ہی کافی میں ہے)۔

جب یہ بات ہے تو اسلامی مالیاتی اداروں کا استصناع کو بطور استثمار استعمال کرنا، یعنی ادارے کا ایک شخص مثلاً زید سے آرڈر حاصل کرنا اور دوسرے شخص مثلاً خالد کو آرڈر دینا اور دونوں کی قیمتوں میں ایسا فرق رکھنا کہ پہلے شخص سے جو زیادہ رقم حاصل ہو، وہ اس کا نفع ہو جائے۔ آج کل کی اصطلاح میں اس کو استصناع متوازی کہتے ہیں، اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، بلاشبہ یہ صورت درست ہے، لیکن اس کے جواز کی شرط یہ ہے کہ دونوں عقد منفصل ہوں، ایک دوسرے کے ساتھ مشروط نہ ہوں، ایک دوسرے پر موقوف نہ ہوں، فرض کرو کہ خالد نے عقد کی تکمیل نہ کی، تو بھی ادارہ پر لازم ہے کہ ادارہ اور زید کے درمیان جو عقد ہوا ہے ادارہ اس کو پورا کرے۔

۲ — استصناع میں بیعانہ ضبط کر لینے کی شرعی حیثیت :

عقد میں بعض دفعہ صانع کو ایک مناسب رقم بطور بیعانہ دینی پڑتی ہے جس کو عربی میں "عربون" کہا جاتا ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ خریدار بیعانہ کے طور پر کچھ رقم بائع کو دیتا ہے اور اس میں یہ شرط ہوتی ہے کہ اگر خریدار نے باقی رقم ادا کر کے بیع کو نافذ کر دیا، تو بیعانہ کی رقم جزو ثمن بن جائے گی اور اگر باقی رقم ادا نہ کی اور بیع کو نافذ نہ کیا، تو بیعانہ کی رقم خریدار کی طرف سے بائع کو ہدیہ ہو جائے گی، اور بائع اس کا مالک ہو جائے گا۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، اور امام شافعیؒ تینوں بزرگوں کے نزدیک یہ شرط لگانا جائز نہیں کہ اگر بیع تام نہ ہوئی، تو بائع یہ رقم ضبط کر لے گا، البتہ امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب میں بیع العربون جائز ہے، لہذا ان کے نزدیک بائع کا یہ رقم ضبط کر لینا درست ہے (کذا فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۳۴۳۴)۔

حاصل یہ کہ جمہور کے مذہب کے اعتبار سے سودا فسخ ہو جانے کی صورت میں بائع کا بیعانہ ضبط کر لینا یا اپنے نقصان کا تاوان وصول کرنا جائز نہیں، لہذا عقد استصناع میں اگر خریدار مکر جائے، تو صانع کو چاہئے کہ وہ عقد فسخ کرنے پر رضامند نہ ہو اور خریدار کو ہر طرح کی قوت استعمال کر کے مبیع کے لینے پر مجبور کرے اگر ممکن ہو، اگر یہ ممکن نہ ہو اور مبیع مصنوع ایسی چیز ہو کہ خریدار کے مکر جانے کی صورت میں اس کو مارکیٹ میں فروخت کرنا دشوار ہو اور صانع کا بڑا نقصان ہو، تو ایسی صورت میں صانع امام احمد بن حنبلؒ کے قول پر عمل کرتے ہوئے اگر عربون کی شرط لگالے تاکہ مشتری پابند ہو جائے، تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، لیکن عام حالات میں اس کی اجازت نہیں۔

چنانچہ حضرت مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں :

"چونکہ معاملہ مجتہد فیہ ہے، اس لئے عربون کو بالکلیہ باطل نہیں کہہ سکتے اور بسا اوقات اس قسم کے معاملہ کی ضرورت پیش آتی ہے، بالخصوص ہمارے زمانہ میں جہاں ایک ملک سے دوسرے ملک بین الاقوامی تجارت ہوتی ہے، وہاں یداً بید معاملہ نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے اور اگر کوئی شخص دوسرے سے معاملہ کر لے کہ میں تم سے سامان منگوا رہا ہوں، بائع نے اس کے لئے سامان اکٹھا کیا سب کچھ کیا، لاکھوں روپے خرچ کئے، بعد میں وہ مکر جائے کہ میں بیع نہیں کرتا، تو اس صورت میں بائع کا بڑا سخت نقصان ہوتا ہے، ایسی صورت میں بائع اگر عربون کی شرط

لگالے تاکہ مشتری پابند ہوجائے، تو اس کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ اس صورت میں امام احمد بن حنبلؒ کے قول پر عمل کیا جائے، باقی جہاں ضرورت نہ ہو ویسے ہی لوگوں نے پیسے کمانے کا ذریعہ بنالیا، تو وہ جائز نہیں"(اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/۱۶۱ — ۱۶۲)۔

۷— میٹریل اگر خریدار کا ہو تو کونسا عقد ہوگا؟

یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ استصناع میں صانع خود اپنے میٹریل سے چیز تیار کرنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے، لہذا یہ عقد اس بات کو بھی شامل ہوتا ہے کہ میٹریل صانع مہیا کرے اور اس بات کو بھی کہ مطلوبہ چیز کی تیاری کے لئے کام کرے، اگر میٹریل خریدار کی طرف سے مہیا کیا گیا ہے اور صانع سے صرف محنت اور کام مطلوب ہے، تو یہ عقد "استصناع" نہیں ہوگا، اس صورت میں یہ عقد "اجارہ" ہوگا، جس کے ذریعہ کسی شخص کی خدمات ایک متعین معاوضے کے بدلے میں حاصل کی جاتی ہے۔

چنانچہ شرح المجلۃ سلیم رستم میں ہے:

"فإن إعطاء السلعة للخياط مثلاً ليخيطها ثوباً يعد إجارة على العمل كما إن استخياط الثوب على أن السلعة من عند الخياط استصناع" (ص: ۲۳۲، مادہ: ۴۲۱) (مثلاً خیاط کو سامان دینا تاکہ اس سے کپڑا سیئے تو یہ اجارہ علی العمل شمار کیا جائے گا، جیسا کہ کپڑا سلوانا اس شرط پر کہ سامان خیاط کی طرف سے ہوگا، استصناع ہے)۔

میٹریل اگر خریدار اور صانع دونوں کی طرف سے ہو، تو کیا حکم ہے؟

اگر کچھ میٹریل خریدار کا ہو اور کچھ صانع کا، تو اکثر کا اعتبار ہوگا، ضرورت استصناع کبھی کبھی چاہتی ہے کہ بعض چیزیں آمر یعنی خریدار کی ہوں تاکہ وضع مرغوب وطرز جدید حاصل ہو سکے اور اقتضاء ذاتی مخالف شرط صحت نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ بحر العلوم حضرت مولانا فتح محمد لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:

"پھر صحت استصناع کی تین شرطیں ہیں: (۱) مال مصالحہ کاریگر کا ہو ورنہ اجارہ ہو جائے گا، مگر جب کہ کچھ مال صانع کا ہو اور کچھ آمر کا، تو قلیل تابع کثیر ہوگا یعنی اگر آمر کا مال زائد ہے، تو اجارہ ہے اور صانع کا زائد تو استصناع" (عطر ہدایہ ص ۱۱۲)۔

اجارہ میں اگر آرڈر کے مطابق چیز نہ بنائی تو کیا حکم ہے؟

جس طرح عقد استصناع میں خریدار اگر آرڈر کے مطابق چیز نہ پائے تو اس کو رد کرنے کا اختیار ہوتا ہے، اسی طرح اگر میٹریل خریدار کی طرف سے ہو، یعنی عقد اجارہ ہو اور صانع نے آرڈر کے مطابق چیز نہیں بنائی، تو آرڈر دینے والے کو اس بات کا خیار حاصل ہوگا کہ اس کو نہ لے اور اپنے میٹریل کی قیمت صانع سے وصول کرے۔

چنانچہ علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

"وإذا كان الخلاف في الصفة نحو أن دفع إلى صباغ ثوباً ليصبغه بصبغ مسمى فصبغه بصبغ آخر لكنه من جنس ذلك اللون، فلصاحب الثوب أن يضمنه قيمته أبيض ويسلم إليه الثوب وإن شاء أخذ الثوب وأعطاه أجر مثله لا يجاوز به ما سمى" (بدائع الصنائع ۴/۸۱ — ۸۲)۔

(اور جب مخالفت صفت میں ہو جیسا کہ رنگریز کو متعین رنگ سے ایک کپڑا رنگنے کے لئے دیا، پس اس کو دوسرے رنگ سے رنگ دیا، لیکن یہ دوسرا رنگ اسی رنگ کی جنس سے ہے تو کپڑے والے کو اختیار ہے کہ اس کو سفید کپڑے کی قیمت کا ضامن بنائے اور کپڑا اس کو دیدے اور اگر چاہے تو کپڑا لے لے اور اس کو اجرت مثل دے جو اجرت مسمی سے زائد نہ ہو)۔

۸۔ صانع اگر مبیع وقت پر نہ دے، تو خریدار کیا کرے؟

عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی تاریخ متعین کرنا ضروری نہیں، تاہم خریدار مبیع کی حوالگی کے لئے زیادہ سے زیادہ مدت مقرر کرسکتا ہے، پس اگر مبیع کی حوالگی کی تاریخ متعین ہوجائے لیکن بائع اسے وقت پر فراہم نہ کرے، جس کی وجہ سے خریدار کو نقصان اٹھانا پڑے، تو بھی خریدار کا اپنے بائع سے کسی پیشگی معاہدہ کے بغیر نقصان کا تاوان وصول کرنا جائز نہیں، البتہ فساد زمانہ کی وجہ سے ایسی بدعنوانیاں بکثرت ہونے لگی ہیں، اپنے مفاد کے پیش نظر کئے ہوئے وعدہ کی اور دوسرے فریق کے نقصان کی مطلقاً پروا نہیں کی جاتی، اس لئے فریقین عقد کے وقت اگر اس بات پر متفق ہوجائیں کہ فراہمی میں تاخیر کی صورت میں فی یوم متعین مقدار میں قیمت کم ہوجائے گی، تاکہ خریدار کے نقصان کی تلافی ہوجائے، تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا ہے کہ استصناع میں یہ ضروری نہیں ہے کہ سامان کی فراہمی کا وقت متعین کیا جائے، تاہم خریدار سامان کی فراہمی کے لئے زیادہ سے زیادہ مدت مقرر کرسکتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر تیار کنندہ فراہمی میں متعین وقت سے تاخیر کردے، تو خریدار اسے قبول کرنے اور قیمت ادا کرنے کا پابند نہیں ہوگا، یہ بات یقینی بنانے کے لئے کہ سامان مطلوبہ مدت میں فراہم کردیا جائے گا، اس طرح کے بعض جدید معاہدے ایک تعزیری شق پر مشتمل ہوتے ہیں، جس کے نتیجہ میں اگر تیار کنندہ فراہمی میں متعین وقت سے تاخیر کردے تو اس پر جرمانہ عائد ہوگا جس کا حساب یومیہ بنیاد پر کیا جائے گا، کیا شرعاً بھی اس طرح کی کوئی تعزیری شق شامل کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگرچہ فقہاء استصناع پر بحث کے دوران اس سوال پر خاموش نظر آتے ہیں، لیکن انہوں نے اس طرح کی شرط کو اجارے میں جائز قرار دیا ہے، فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کپڑوں کی سلائی کے لئے کسی خیاط کی خدمات حاصل کرتا ہے، تو فراہمی کے حساب سے اجرت مختلف ہوسکتی ہے، مستاجر (جو کپڑے سلوانا چاہتا ہے) یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر خیاط ایک دن میں یہ کپڑے تیار کردے، تو وہ سو روپے اجرت دے گا اور اگر وہ دو دن میں تیار کرتا ہے، تو وہ اسی روپے دے گا، اسی طرح سے استصناع میں قیمت کو فراہمی کے وقت کے ساتھ منسلک کیا جاسکتا ہے، اگر فریقین اس بات پر متفق ہوجائیں کہ فراہمی میں تاخیر کی صورت میں فی یوم متعین مقدار میں قیمت کم ہوجائے گی، تو یہ شرعاً جائز ہوگا (اسلام اور جدید معاشی مسائل د ۱۵۵-۱۵۶)۔

عقد استصناع کے مسائل واحکام

مفتی محفوظ الرحمن القاسمی ☆

استصناع کی لغوی تعریف :

''الاستصناع لغة طلب الصنعة أی أن یطلب من الصانع العمل'' (تاج العروس)۔

اصطلاحی تعریف کا خلاصہ :

کسی فرد یا کمپنی کو کسی ایسی چیز کے تیار کرنے کا آرڈر دینا جس کی جنس، نوع، صفت اور مقدار کو پہلے متعین کر دیا گیا ہو، خواہ معاملہ کرتے وقت کل عوض یا بعض عوض حوالہ کر دیا جائے یا کل عوض کو ادھار رکھا جائے۔

''ذکر صدر الإسلام صورته فی الجامع الصغیر : أن یجیٔ إنسان إلی آخر فیقول له : اصنع لی خفا صفته کذا وقدره کذا بکذا درهما ویسلم له جمیع الدراهم أو لا یسلم أو یسلم بعضه'' (الفتاوی التاتارخانیہ ۹؍۴۰۰)۔

۱۔ اس سے انکار نہیں کہ گذشتہ زمانوں میں فقہاء کرام نے استصناع کی جو مثالیں ذکر کی ہیں وہ چھوٹی اور معمولی چیزوں سے متعلق ہیں، لیکن یہ استصناع کی محدودیت کی بنا پر نہیں بلکہ اس زمانہ کے تعامل اور ضرورت کے پیش نظر ہیں۔ چونکہ اس زمانہ میں صرف ان ہی معمولی چیزوں کو آرڈر پر تیار کرایا جاتا تھا، اس لئے فقہاء نے انہی معمولی مثالوں کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔

اب چونکہ تمام شعبہ زندگی میں خصوصاً صنعت وتجارت میں زبردست وسعت اور انقلاب آچکا ہے، اور عقد استصناع کی مشروعیت معاملات اور کاروبار میں تنوع کے پیش نظر انسانی ضروریات کی تکمیل کے لئے ہے اور ظاہر ہے کہ ضروریات انسانی کی تکمیل کے لئے اب بڑے بڑے معاملات ناگزیر ضرورت بن چکے ہیں، اس لئے عقد استصناع ان تمام چیزوں میں جائز ہوگا جس کا اس زمانہ میں تعامل ہو جائے۔ اور اس سلسلہ میں سب سے اہم اصول اس زمانہ کی ضرورت اور تعامل ہوگا، یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے استصناع کی تعریف اور تشریح میں الفاظ کے عموم سے کام لیا ہے، ملاحظہ ہو فتاوی تاتارخانیہ (۹؍۴۰۰) کی یہ عبارت

''یجب أن یعلم بأن الاستصناع جائز فی کل ما جری التعامل فیه کالقلنسوة والخف والأوانی المتخذة من الصفر والنحاس وما أشبه ذلک استحسانا، ولا یجوز فیما لم یجر التعامل فیه کالثیاب وما أشبهها الخ''۔

۲۔ جمہور فقہاء کرام کے نزدیک استصناع وعدہ بیع نہیں بلکہ وہ بیع کے حکم میں ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرات فقہاء کرام استصناع

☆ صدر المدرسین جامعہ عربیہ سراج العلوم سیوان، بہار۔

کے لئے وہ تمام اصطلاحات استعمال کرتے ہیں جو بیع کے لئے ہیں، مثلاً: شراء، ملک اور مستصنع کے لئے خیار رؤیت کا ثبوت وغیرہ۔

نیز اگر استصناع محض وعدہ بیع ہوتا تو اس کے جواز کے لئے تعامل ناس کی قید لگانے کی قطعاً حاجت نہ ہوتی ملاحظہ ہو: فتاوی تاتارخانیہ (۹/۴۰۰) کی یہ عبارت:

"ثم الاستصناع فيما بين الناس فيه تعامل إذا جاز فيه استحساناً فإنما يجوز معاقدة لا مواعدة بدليل أن محمداً ذكر في القياس والاستحسان، ولو كان مواعدة لجاز قياساً واستحساناً، والدليل عليه أنه فصل بين ما للناس فيه تعامل وبين ما لا تعامل للناس فيه، والدليل عليه أن محمداً قال في الكتاب: إذا فرغ الصانع من العمل وأتى به كان المستصنع بالخيار لأنه اشترى ما لم يره، فقد سماه "شراء" وكذلك قال: لو قبض الآخر فإنه يملكه ولو كان مواعدة لا معاقدة لكان لا يصير ملكاً له، فدل على أنه ينعقد معاقدة لا مواعدة، وفي السغناقي والأصح أنه ينعقد معاقدة، الخ"۔

اس عبارت سے واضح ہے کہ استصناع بیع کے حکم میں ہے محض وعدہ بیع نہیں ہے۔

۳— عقد استصناع میں خریدار جس چیز کو خریدتا ہے، وہ عقد کے وقت معدوم ہوتی ہے، اس لئے اس پر شیئ معدوم کی بیع کا شبہ ہوتا ہے لیکن اس قیاس کو اس استحسان کی وجہ سے ترک کر دیا گیا ہے جس سے استصناع کا ثبوت ہر زمانہ میں بلا انکار پایا جاتا ہے، گویا کہ استصناع کے جواز پر اجماع فعلی واقع ہے، اور اجماع فعلی قیاس پر مقدم ہے، نیز ایسی جہالت جو باعث نزاع نہ ہو بایں طور کہ مصنوع کے وجود میں آنے سے پہلے اس کے جملہ جہات مجہولہ کو اس طرح بیان کر دیا جائے کہ اس میں کسی طرح کا ابہام باقی نہ رہے اور مصنوع وجود میں آنے کے بعد طے شدہ شرائط کے مطابق ہو تو ایسی بیع شیئ معدوم کی بیع سے مستثنی ہوگی اور یہ حکماً شیئ موجود کی بیع ہوگی نہ کہ شیئ معدوم کی۔

"ويجوز استحسانا بإجماع الناس على ذلك، لأنهم يعملون ذلك في سائر الأمصار من غير نكير وقد قال ﷺ: لا تجتمع أمتي على ضلالة، وقال عليه السلام: ما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن الخ، والقياس يترك بالإجماع ولهذا ترك القياس في دخول الحمام بالأجرة من غير بيان المدة، ومقدار الماء الذي يستعمل الخ" (بدائع الصنائع ۵/۲۰۲)۔

رہا مسئلہ بیع قبل القبض کا تو قبضہ اشیاء غیر منقولہ میں شرط نہیں ہے، لہذا فلیٹ وغیرہ کی خرید و فروخت حکماً موجود ہونے کی وجہ سے درست ہوگی، اور اس کو دوسرے اور تیسرے سے بھی فروخت کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ وہ کسی نزاع کا ذریعہ نہ بنے، جیسے اخبارات اور جریدے وغیرہ کی بیع، جہالت اور معدوم ہونے کے باوجود درست ہوتی ہیں۔

۴— عبارات فقہیہ پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ استصناع کے جواز اور عدم جواز کا تعلق تعامل اور رواج سے ہے، اشیاء کے منقولہ اور غیر منقولہ ہونے سے نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ "استصناع في الثياب" کو فقہاء نے ناجائز قرار دیا ہے جبکہ کپڑا اشیاء منقولہ میں سے ہے (کذا فی الہندیہ ۳/۲۰۷، تاتارخانیہ ۹/۴۰۰)۔

اور فی زماننا فلیٹ وغیرہ بنوانے کا تعامل موجود ہے، بلکہ بڑے شہروں میں یہ ایک ضرورت بن کر رہ گئی ہے، لہذا "الثابت بالعرف كالثابت بالنص"، اور "الحرج مدفوع"، اور "ما جعل عليكم في الدين من حرج" وغیرہ کے پیش نظر اشیاء غیر منقولہ میں بھی

استصناع درست ہوسکتا ہے۔

۵— مالیاتی ادارہ میں اگر آرڈر حاصل کرنے والا اور آرڈر دینے والا عملہ الگ الگ ہو خواہ دونوں کی سرپرستی کوئی ایک ہی ادارہ کرتا ہو تو چونکہ اس میں عاقد اور وکیل الگ الگ افراد قرار پاتے ہیں، اس لئے یہ معاملہ بلاشبہ درست ہوگا۔

اور اگر مالیاتی ادارہ کی حیثیت صرف وکیل ہونے کی ہو یا کوئی فردواحد وکیل اور عاقد دونوں قرار پاتا ہو تو یہ معاملہ درست نہیں ہوگا۔

۶— اگر صانع آرڈر کے مطابق وقت موعودہ پر مال تیار کردیتا ہے اور خریدار بعد میں بلاوجہ شرعی مال لینے سے انکار کردیتا ہے تو چونکہ اس میں صانع کا حرج عظیم ہے، اس لئے وہ اپنے نقصان کی تلافی بیعانہ کی رقم سے کرسکتا ہے۔

۷— اگر کسی چیز کا آرڈر دینے والا مصنوع کے لئے ضروری میٹریل کو خود فراہم کردے تو یہ عقد استصناع سے خارج ہوجائے گا اور اجارہ کے حکم میں ہوگا۔

"فإن سلم إلى حداد حديداً ليعمل له إناء معلوماً بأجر معلوم، أو جلداً إلى خفاف ليعمل له خفاً معلوماً بأجر معلوم فذلك جائز ولا خيار فيه، لأن هذا ليس باستصناع بل هو استيجار فهو جائز" (بدائع الصنائع ۵؍۳)۔

۸— اگر آرڈر لیتے وقت یہ شرط بائع نے منظور کرلیا ہو کہ وہ فلاں تاریخ تک مال حوالہ کردے گا، اور پھر بلا کسی شدید عذر کے وقت پر مال حوالہ نہ کرے جس سے آرڈر دینے والے کو واقعتاً نقصان کا سامنا ہو تو ایسی صورت میں خریدار بائع سے تاوان لے سکتا ہے، لیکن اگر کوئی ایسی مجبوری پیش آجائے جس کی بنا پر بائع کے لئے مال تیار کرنا ممکن نہ ہو مثلاً اسٹرائک، فسادات وغیرہ، یا خریدار اپنے گراہکوں سے مہلت لے سکتا ہے، تو پھر اس کو بائع سے تاوان لینے کا اختیار نہ ہوگا، فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

استصناع کے مسائل

مفتی محمد نعمان سیتاپوری ☆

(۱): استصناع میں چوں کہ درحقیقت معدوم کی بیع ہوتی ہے اور حدیث میں معدوم کی بیع سے منع کیا گیا ہے؛ اس لیے قیاس اور قواعد عامہ کا تقاضہ یہ ہے کہ استصناع جائز نہ ہو، لیکن سلم کی طرح لوگوں میں استصناع بھی بکثرت رائج ہے، نیز اس کی ضرورت بھی ہے، کیوں کہ بعض مرتبہ آدمی اپنے خاص مزاج اور ضرورت کے لحاظ سے کوئی چیز چاہتا ہے اور مارکیٹ میں وہ چیز مکمل اسی طرح تیار شدہ نہیں ملتی ہے اس لیے آدمی آرڈر دے کر اپنی ضرورت اور پسند کے لحاظ سے وہ چیز بنواتا ہے اور چوں کہ مارکیٹ میں اس کا چلن عام نہیں ہوتا، اس لیے مارکیٹ والے آرڈر کے بعد ہی وہ چیزیں بناتے ہیں؛ اس لیے سلم پر قیاس کرتے ہوئے بطور استحسان اسے جائز قرار دیا گیا ہے (مجمع الانہر: ۹۳/۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) اور بخاری شریف میں ایمان ونذور (ص ۹۸۴) میں حضور ﷺ کا آرڈر دے کر انگوٹھی بنوانے کا ذکر ہے۔

خلاصہ یہ کہ استصناع بر بنائے حاجت وتعامل ناس مشروع ہوا ہے، اس لیے زمانہ اور علاقہ کے لحاظ سے لوگوں کے درمیان جن چیزوں میں استصناع کا تعامل ہو ان سب چیزوں میں استصناع جائز ہوگا اور چوں کہ تعامل علاقہ اور زمانہ کے اختلاف سے بدل جاتا ہے، چناں چہ ماضی میں بلڈنگ، فلیٹ اور دیگر بے شمار چیزوں میں استصناع کا کوئی تصور نہ تھا اور اب بہت سی چیزوں میں استصناع رائج ہے؛ اس لیے ہر زمانہ اور علاقہ میں جن چیزوں میں استصناع رائج ہو ان سب میں استصناع جائز ہوگا بشرطیکہ سلم کی طرح وہ ایسی چیز ہو جس کے مطلوبہ تمام اوصاف کا ضبط کرنا ممکن ہو اور جن چیزوں میں تعامل نہ ہو ان میں بھی استصناع جائز ہے بشرطیکہ کوئی مدت ذکر نہ کی جائے یا مدت کا ذکر برائے استعجال ہو، برائے استمہال نہ ہو اور اسے سلم قرار دینا ممکن نہ ہو (شرح المجلہ: ۲۲۰/۱، شامی: ۴۷۷/۷ مطبوعہ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

خلاصہ یہ کہ کلی ضابطہ کے علاوہ ان چیزوں کی تحدید وتعیین ممکن نہیں جن میں استصناع جائز ہے، کیوں کہ زمانہ اور علاقہ کے بدلنے سے لوگوں کا عرف وتعامل بدل جاتا ہے۔ الاختیار لتعلیل المختار (۹۵،۹۴/۲) میں ہے:

ثم إنما یجوز فیما جرت به العادة من أواني الصفر والنحاس والزجاج والعیدان والخفاف والقلانس والأوعیة من الأدم والمناطق وجمیع الأسلحة، ولا یجوز فیما لا تعامل فیه کالجباب ونسج الثیاب لأن المجوز له هو التعامل علی ما مر فیقتصر علیه اھ

اور الفقہ الاسلامی وادلتہ (۴۰۱۴:۵) میں ہے:

...لکن جری التعامل في عصرنا باستصناع الثیاب، فیکون جائزا لأن جریان التعامل یختلف باختلاف البلدان

☆ معین مفتی دار العلوم دیوبند۔

والأزمنة اهـ۔

(۲) :اس مسئلہ میں اختلاف ہے، لیکن راجح قول یہ ہے کہ استصناع بیع ہے، محض وعدہ بیع نہیں ہے (ملتقی الابحر مجمع الانہر ۳: ۱۴۹، ۱۵۰، عقد الاستصناع فی الفقہ الاسلامی ص ۱۲۷-۱۳۰، ۱۳۳، ۱۳۴)۔

(۳) :اگر تمام چیزوں کی تعیین کے ساتھ اسی چیز کو فروخت کرتا ہے جس کا اس نے آرڈر دے رکھا ہے اور معاملہ اسی کے ساتھ وابستہ ہے تو وہ چوں کہ ابھی معدوم ہے، موجود نہیں ہوئی ہے؛ اس لیے اس کی بیع جائز نہ ہوگی، کیوں کہ احادیث میں معدوم کی بیع سے منع کیا گیا ہے اور اگر اس درجہ کی تعیین نہیں ہے بلکہ وہ چیز واجب اور موصوف فی الذمہ ہے اور معاملہ اسی کے ساتھ وابستہ نہیں جس کا اس نے کسی دوسرے کو آرڈر دے رکھا ہے تو یہ عقد استصناع ہے، لہذا جائز ہوگا۔ (مزید تفصیل آگے نمبر ۵ کے جواب میں آرہی ہے)۔

(۴) :نمبر ایک میں ذکر کردہ تفصیل کے مطابق استصناع میں اموال منقولہ اور غیر منقولہ کا کوئی فرق نہیں، جن اموال میں بھی لوگوں کا تعامل ہو یا تعامل نہ ہو لیکن اوپر نمبر ایک میں ذکر کردہ شرطیں پائی جائیں ان سب میں استصناع جائز ہے۔

(۵) :استصناع متوازی کی صورت جائز ہے، کیوں کہ مشتری کی مطلوبہ چیز خود آرڈر لینے والے کا تیار کرنا لازم نہیں بلکہ اس کی فراہمی اس کی ذمہ داری ہوتی ہے، جیسے بیع سلم میں اصل مسلم فیہ کی فراہمی ہے، خود مسلم الیہ کا کھیت میں مسلم فیہ بو کر تیار کرانا ضروری نہیں، نیز استصناع میں شیئ مصنوع واجب فی الذمہ ہوتی ہے، اور جو چیز صانع نے آرڈر دینے والے کے لیے تیار کی وہ اس کے لیے ابھی متعین نہیں ہوئی بلکہ وہ یہ تیار شدہ چیز کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر کے آرڈر دینے والے مشتری کے لیے مدت مقررہ میں مطلوبہ اوصاف کی رعایت کے ساتھ دوسری چیز تیار کر کے دے سکتا ہے۔ قال في الدر (مع الرد كتاب البيوع، باب السلم مطلب في الاستصناع ۷: ۴۷۶ ط مكتبة زكريا ديوبند) : والمبيع هو العين لا العمل ...... فإن جاء الصانع بمصنوع غيره، أو بمصنوعه قبل العقد فأخذه صح اهـ، وفي الرد :قوله :"والمبيع هو العين لا عمله" أي :أنه بيع عين موصوفة في الذمة ....قوله :"بمصنوع غيره" :أي بما صنعه غيره اهـ۔

وقال في ملتقى الأبحر (مع المجمع والدر المنتقى ۳ : ۱۵۰ ط دار الكتب العلمية بيروت) :والمبيع هو العين لا العمل فلو أتى بما صنعه غيره أو بما صنعه هو قبل العقد فأخذه صح ولا يتعين للمستصنع بلا اختياره فيصح بيع الصانع قبل رؤيته اهـ۔

لیکن اس میں بنیادی طور پر دو شرطیں ہیں :

پہلی شرط یہ ہے کہ مالیاتی ادارہ دو الگ الگ فریقوں سے آرڈر لینے اور آرڈر دینے کا جو معاملہ کرتا ہے اس کا اپنے تمام حقوق اور ذمہ داریوں کے ساتھ مستقل وعلیحدہ اور ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہونا ضروری ہے یعنی : دونوں معاملے اس طرح ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہونے چاہئے کہ ان میں سے کسی کے حقوق وذمہ داریاں دوسرے کے حقوق وذمہ داریوں پر موقوف نہ ہوں، بلکہ ہر عقد کی اپنی طاقت ہو اور دوسرے پر وہ کسی بھی درجہ میں موقوف ومنحصر نہ ہو۔ مثال کے طور پر کسی مالیاتی ادارہ نے زید سے ایک بلڈنگ اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ پانچ مہینہ کی مدت میں بنا کر دینے کا آرڈر لیا اور اس نے خود بلڈنگ بنانے سے پہلے کسی بلڈر کو ایک بلڈنگ تیار کرنے کا

آرڈر دیدیا تو پانچ ماہ مکمل ہونے پر ادارہ پر ضروری ہوگا کہ حسب معاہدہ وتفصیلات زید کو مطلوبہ بلڈنگ فراہم کرے، خواہ بلڈر نے ادارہ کو بلڈنگ تیار کر کے دیدی ہو یا نہ دی ہو، اور اگر مالیاتی ادارہ معاملہ میں یہ کہتا ہے کہ میں آپ کو بلڈنگ اس وقت دوں گا جب بلڈر مجھے تیار کر کے دیدے گا تو یہ ایک معاملہ کو دوسرے معاملہ کے ساتھ جوڑنا ہوگا جو شرعاً درست نہیں۔ اسی طرح بلڈر نے جو بلڈنگ تیار کر کے ادارہ کو دی وہ زید کے مطلوبہ ومشروطہ اوصاف کے خلاف ہے تو ادارہ کو یہ حق نہ ہوگا کہ زید کو وہی بلڈنگ قبول کرنے پر مجبور کرے بلکہ اس پر حسب معاہدہ مدت مقررہ میں طے شدہ معیار کی بلڈنگ کی فراہمی ضروری ہوگی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ استصناع متوازی کا معاملہ صرف تیسرے فریق کے ساتھ جائز ہے، پہلے معاملہ میں جو شخص خریدار ہے مالیاتی ادارہ اسے دوسرے متوازی استصناع میں بائع نہیں بنا سکتا، کیوں کہ یہ بائی بیک معاملہ ہو جائے گا جو شرعاً جائز نہیں۔

اور تیسری شرط یہ ہے کہ دونوں متوازی معاملہ استصناع میں کوئی ایسا طریقہ ہرگز نہ اختیار کیا جائے کہ لوگ اسے کسی امر محظور مثلاً سودی لین دین کا ذریعہ ووسیلہ بنالیں (فقہ النوازل اعداد محمد بن حسین جیزانی: ۳۳۳ اور اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۵/ ۱۵۳، ۱۵٦، ۱۵۷)۔

(٦): ماضی میں استصناع کا عقد اس کثرت سے رائج نہ تھا جتنا اب رائج ہے، نیز اب عقد استصناع کے تحت اعلی پیمانے پر بڑے سے بڑے آرڈر دیے جاتے ہیں کہ اگر آرڈر لینے والا کام شروع کردے تو مشتری کا اپنے آرڈر سے رجوع کر لینا اس کے لیے سخت مالی خسارہ ونقصان کا باعث ہوتا ہے اور اس میں بعض مرتبہ آرڈر دینے والے کو کروڑوں میں نقصان لگتا ہے: اس لیے متاخرین احناف کے نزدیک اس مسئلہ میں حضرات طرفینؒ کے برخلاف امام ابو یوسفؒ کا قول راجح ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان جب شرعی طریقہ پر استصناع کا معاملہ ہو گیا تو وہ لازم ہو جائے گا اور فریقین میں سے کسی کا یک طرفہ طور پر معاملہ کو فسخ کرنا درست ومعتبر نہ ہوگا (شرح المجلہ: ۱۲۱۱ رقم المادۃ ۳۹۲، اور الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۳/ ۹۷۴، ۹۸) البتہ حضرت مفتی محمد تقی صاحب عثمانی نے اس میں ایک شرط لگائی ہے کہ یہ لزوم، عمل شروع کرنے کے بعد ہوگا، اس سے پہلے ہر ایک کو فسخ کا اختیار ہوگا (اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۵/ ۱۵۴) اور یہ بات احقر کے نزدیک زیادہ مناسب ہے۔

پس ایسی صورت میں مشتری اگر صانع سے کام شروع کرنے سے پہلے معاملہ فسخ کرتا ہے تو صانع کے لیے بیعانہ کی رقم ضبط کرنا جائز نہ ہوگا؛ کیوں کہ یہ خالص مالی جرمانہ کے قبیل سے ہے، البتہ اگر تیار کنندہ نے کام شروع کردیا تو اب مشتری کو یک طرفہ طور پر معاملہ فسخ کرنے کا اختیار نہ ہوگا اور اگر اس نے یک طرفہ طور پر معاملہ فسخ کردیا تو بائع اسے مبیع کی تیاری کے بعد قبول کرنے پر مجبور کر سکتا ہے اور اگر مابقیہ ثمن کی عدم ادائیگی کا خطرہ ہو تو اب تک اس کا جتنا خرچہ ہوا ہو اور نیز اپنی محنتانہ کے پیش نظر مشتری کے بیعانہ سے اتنی رقم لے کر بیعانہ کی مابقیہ رقم اور میٹیریل مشتری کے حوالہ کر سکتا ہے اور اگر بائع مشتری کی درخواست پر معاملہ فسخ کرنے پر راضی ہو گیا تو اسے بیعانہ کی رقم ضبط کرنے کا حق نہ ہوگا، کیوں کہ اس نے اپنی مرضی سے معاملہ فسخ کیا ہے۔

(۷): جمہور احناف کے نزدیک استصناع میں چوں کہ مبیع عین ہوتی ہے نہ کہ عمل جیسا کہ اوپر نمبر ۵ کے جواب میں گذرا، اور الموسوعۃ الفقہیہ (۳/ ۳۲۸) میں ہے: والاستصناع یستلزم شیئین هما: العين والعمل، وكلاهما يطلب من الصانع اھ اس لیے میٹیریل صانع ہی کی طرف سے ہونا ضروری ہے اور اگر میٹیریل آرڈر دینے والے نے فراہم کیا تو وہ استصناع نہ ہوگا، بلکہ اجارہ کا معاملہ ہوگا اور اس پر مکمل اجارہ کے احکام جاری ہوں گے قال فی مجمع الأنهر (مع الدر المنتقی ۳/ ۹۳): وشرعا بيع ما يصنعه عينا فيطلب فيه من

الصانع العمل والعین جمیعا فلو کان العین من المستصنع کان إجارة لا استصناعا اھـ۔

وقال في الدر المنتقي (مع المجمع ۱۴۹۳) : والاستصناع هو طلب عمل الصنعة والعین جمیعا حتی لو کان العین من المستصنع کان إجارة لا استصناعا کما في إجارة المحیط اھ۔

اور اس صورت میں اگر چیز آرڈر کے مطابق نہیں بنائی گئی اور وہ فرق اس قدر ہے کہ تجار کے عرف میں قابل برداشت نہیں ہوتا تو آرڈر دینے والے کو دو باتوں کا اختیار ہوگا: ایک یہ کہ تیارشدہ سامان نہ لے اور صانع سے اپنے اصل مٹیریل کا ضمان لے لے۔ دوسرے یہ کہ آرڈر کے خلاف جو کچھ تیار ہوا اسے لے کر صانع کو بنانے کی اجرت مثل دیدے؛ لیکن یہ اجرت مثل، اجرت مسمی سے زیادہ نہ دی جائے گی۔ اور اگر فرق نہایت معمولی ہے اور اس کی وجہ سے آگے اس کی خرید وفروخت وغیرہ میں کسی بھی درجہ میں کوئی دقت نہ ہوگی تو اس تفاوت کا شرعاً کوئی اعتبار نہ ہوگا، ونظیرہ: ما في مجمع الانهر (۳ : ۵۲۹) : وإن أمر بخیاطة الثوب قمیصا فخاطه قباء خیر المالک بین تضمین قیمته أي الثوب وبین أخذ القباء ودفع أجر مثله ...... لا یزاد علی المسمی ...... وکذا خیر المالک لو أمر بقباء، فخاط سراویل في الأصح؛ للاتحاد في أصل المنفعة، وصار کمن أمر بضرب طست من شبه فضرب منه کوزا إنه یخیر فکذا ههنا اھ، ومثله في الدر المنتقي وزاد: ولو قال للخیاط: اقطع طوله وعرضه وکمه کذا فجاء ناقصا: إن قدر أصبع ونحوه عفو، وإن أکثر ضمنه اھ۔

اور اگر آرڈر دینے والے نے اس کمی کے ساتھ اسے قبول کرلیا تو اس صورت میں رضامندی کی وجہ سے اسے تضمین کا حق نہ ہوگا قال في درر الحکام شرح مجلة الأحکام لعلي حیدر (۱۰۱:۷): إذا أفسد الخیاط الثوب وأخذه صاحبه وارتدی به مع علمه بفساده فلیس له التضمین لأنه رضي بعیبه اور آرڈر دینے والے کو یہ حق نہ ہوگا کہ تیارشدہ سامان فرق کے ساتھ اجرت مثل پر لیتے ہوئے صانع سے کسی مالی جرمانہ کا مطالبہ کرے، کیوں کہ جب معاملہ اجرت مثل پر ہوا ہے اور وہ اصل مسمی سے زائد نہیں ہے تو یہ جرمانہ بلا شبہ بلا عوض اور ناجائز ہوگا۔

(۸) : استصناع میں اگر مبیع کی حوالگی کی تاریخ متعین کرلی گئی تو صانع پر اس تاریخ میں مبیع کی سپردگی لازم وضروری ہوگی اور اگر اس نے وقت مقررہ پر مبیع حوالہ نہ کی تو فقہ حنفی کی کتابوں میں اس سلسلہ میں کچھ مذکور نہیں، البتہ شیخ مصطفی زرقاؒ نے عقد سلم پر قیاس کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ اس صورت میں آرڈر دینے والے کو معاملہ فسخ کردینے اور انتظار کرنے کا حق ہوگا۔ قال في الفقه الإسلامي وأدلته (۴ : ۲۹۶) نقلا عن عقد البیع للأستاذ مصطفی الزرقاء : وإذا حددت مدة لتقدیم المصنوع فانقضت دون أن یفرغ الصانع منه ویسلمه فالظاهر أن یتخیر المستصنع بین الانتظار والفسخ کما هو المقرر في عقد السلم اھ : اور سلم متوازی کے جواب میں یہ بات آچکی ہے کہ آدمی ایک معاملہ کی بنیاد دوسرے پر نہ رکھے، لہذا آرڈر دینے والے نے اگر کسی دوسرے سے آرڈر لیا ہے اور مدت مقررہ پر اس کے صانع نے مال تیار کرکے نہیں دیا ہے تو اس پر کسی نہ کسی طرح اپنے مستصنع کو اس کی مدت مقررہ میں مال حوالہ کرکے دینا ضروری ہوگا، اسے مال دینے کے بعد اگر اسے اپنے صانع کے تیارکردہ مال کی ضرورت نہ رہے تو اس سے معاملہ فسخ کردے۔ اور اگر اس نے معاملہ فسخ نہیں کیا بلکہ انتظار کو ترجیح دی تو ضابطہ کی رو سے اس کے لیے یہ جائز نہ ہوگا کہ فی یوم تاخیر پر اپنے صانع سے کچھ تاوان وصول کرے۔ البتہ دور حاضر کے

بعض فقہائے کرام کی رائے یہ ہے کہ اگر معاملہ میں اسے طے کرلیا جائے تو یہ جائز ہوگا اور یہ درحقیقت فی یوم کے حساب سے متعینہ مقدار میں قیمت کم کرنا ہے، شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم نے (اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۱۵۶/۵) میں یہی رائے اپنائی ہے، اور عرب علما میں بھی اس کے جواز کا رجحان پایا جاتا ہے؛ چناں چہ فقہ النوازل اعداد محمد بن حسین جیزانی (۳: ۲۳۸) میں ہے: **رابعاً یجوز أن یضمن عقد الاستصناع شرطا جزائیا بمقتضی ما اتفق علیه العاقدان مالم تکن هناک ظروف قاهرة** اھ اور الفقہ الاسلامی وأدلتہ (۴: ۴۰۳) میں بحوالہ قرارداد ہیئۃ کبار العلماء فی السعودیہ (سنۃ ۱۳۹۴) بھی یہی ہے۔

عقد استصناع سے متعلق مسائل

مولانا ارشد علی رحمانی ☆

۱- استصناع کے سلسلہ میں حضرات فقہاء نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ استصناع ہر اس چیز میں جائز ہے جس میں لوگوں کا تعامل ہو، علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

"منها أن يكون ما للناس فيه تعامل كالقلنسوة والخف والآنية ونحوها" (بدائع ۴؍۴۴۴، بکذا فی الدر علی الرد ۷؍۴۷۴)۔

علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں:

استصناع کو فقہاء نے خلاف قیاس جائز کہا ہے، اس لئے یہ انہیں چیزوں میں محدود ہوگا جس میں لوگوں کا تعامل ہو۔

"فلهذا اقتصرناه على ما فيه تعامل وفيما لا تعامل فيه. حعنا إلى القياس" (البحر الرائق ۶؍۱۷۰)۔

تمام کتب فقہ میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ جن چیزوں میں لوگوں کا تعامل ہو ان میں استصناع درست ہے، اور یہ تو واضح ہے ہی کہ تعامل ہر زمانے کا معتبر ہوتا ہے، اس سلسلہ میں حضرت تھانوی کی تحریر بہت واضح ہے، جو انہوں نے نور الانوار کی عبارت کے حوالہ سے لکھی ہے ملاحظہ کریں: "قال في نور الأنوار وتعامل الناس ملحق بالإجماع وفيه ثم إجماع من بعدهم أي بعد الصحابة من أهل كل عصر"۔

اس سے معلوم ہوا کہ تعامل بھی مثل اجماع کے کسی عصر کے ساتھ خاص نہیں، البتہ جو اجماع کا رکن ہے وہی اس میں بھی ہونا ضروری ہے، یعنی اس وقت کے علماء اس پر نکیر نہ کرتے ہوں، اسی طرح فقہاء نے بہت سے نئے جزئیات کے جواز پر تعامل سے احتجاج کیا ہے۔

كما في الهداية في البيع الفاسد: ومن اشترى نعلاً على أن يحذوه البائع إلى قوله يجوز للتعامل فيه فصار كصبغ الثوب وللتعامل جوزنا الاستصناع وفيها في السلم إن استصنع إلى قوله للإجماع الثابت بالتعامل"۔

پس اس بنا پر کتاب چھپوانا استصناع میں داخل ہوگا (امداد الفتاوی ۳؍۳۲)۔

۲- استصناع کے بیع یا وعدہ بیع ہونے کے سلسلہ میں تین اقوال ہیں: (۱) استصناع وعدہ بیع ہے، (۲) استصناع ابتداء تو اجارہ ہے انتہاء بیع ہے، (۳) استصناع بیع ہے۔ علامہ ابن نجیم مصری کی تحقیق ملاحظہ کریں:

"الثالث في صفته وقد اختلفوا في كونه مواعدة أو معاقدة ---- والصحيح من المذهب جوازه بيعا، لأن محمداً ذكر فيه القياس والاستحسان وهما لا يجريان في المواعدة ولأن جوازه فيما فيه تعامل ولو كان مواعدة لجاز

☆ محکمہ شرعیہ امارت شرعیہ راجستھان، مسلم مزدور کالونی، پرتاپ نگر، جودھپور۔

فی الکل" (البحر الرائق ۱۶/۶)۔

بدائع کی عبارت بھی بڑی واضح ہے:

"ثم ھو بیع عند عامة مشائخنا وقال بعضھم :ھو عدة ولیس بسدید، لأن محمداً ذکر القیاس والاستحسان فی جوازه" (بدائع الصنائع ۳/۳۴۴)۔

۳—احادیث صحیحہ میں بالکل صراحت ہے کہ شیئ معدوم کی بیع درست نہیں ہے۔

"عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال :قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :من ابتاع طعاماً فلا یبعه حتی یقبضه" (الصحیح لمسلم ۲/۵ باب بطلان بیع المبیع قبل القبض)۔

عن حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ قال :نھانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أن أبیع ما لیس عندی" (الجامع الترمذی ۱/۲۳۳)۔

شیئ معدوم کی بیع قبضہ سے پہلے درست نہیں ہے، البتہ استصناع کی صورت میں فقہاء نے خلاف قیاس استحساناً لوگوں کے تعامل کی بنیاد پر اس کی اجازت دی ہے، اور حکماً اس کو موجود مانا ہے، عبارتیں ملاحظہ فرمالیں:

"أما الأول فالقیاس یأبی جواز الاستصناع لأنه بیع المعدوم کالسلم بل ھو أبعد جوازاً من السلم... وفی الاستحسان جاز لأن الناس تعاملوه فی سائر الأمصار من غیر نکیر فکان إجماعاً منھم علی الجواز فیرد القیاس" (بدائع الصنائع ۳/۳۴۴)۔

حضرات فقہاء کے طرز بیان سے اتنی بات تو کھل کر سامنے آگئی کہ استصناع بھی درحقیقت شیئ معدوم کی بیع ہے، لیکن تعامل ناس اور حاجت انسانی کی بنیاد پر خلاف قیاس اس کو جائز قرار دیا گیا ہے، یہاں پر ایک قاعدہ کا ذکر کرنا بھی بہت مناسب ہے جو علامہ ابن عابدین شامی نے بیان کیا ہے، قاعدہ یہ ہے کہ وہ عقد جو قبضہ سے پہلے عوض کے ہلاک ہونے کی وجہ سے فسخ ہوجاتا ہے تو اس عوض میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں ہوگا، اس کی مثال پیش کرتے ہوئے سب سے پہلی مثال انہوں نے یہی دی ہے کہ مبیع عقد بیع میں اس میں قبضہ سے پہلے تصرف درست نہیں ہے، ملاحظہ کریں: "الأصل أن کل عقد ینفسخ بھلاک العوض قبل القبض لم یجز التصرف فی ذلک العوض قبل قبضه کالمبیع فی البیع" (شامی ۷/۳۷۰)۔ لہٰذا استصناع جس کو خلاف قیاس بطور استحسان جائز کہا گیا ہے، اب اس میں بھی قبل القبض ایک خریدار دوسرے سے اور دوسرا تیسرے سے خرید و فروخت کرے، احقر کی رائے یہ ہے کہ یہ درست نہیں ہے۔ البتہ بیع قبل القبض کی صورت میں حضرات فقہاء نے منقول اور غیر منقول کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ غیر منقولی اشیاء میں بیع قبل القبض بھی درست ہے، اب اگر حضرات فقہاء کے اس قول پر غور کیا جائے تو غیر منقولی اشیاء میں بیع قبل القبض کی گنجائش ہوسکتی ہے۔ ھذا ما ظھر لی واللہ تعالی اعلم۔

۴—حضرات فقہاء نے استصناع کو ان تمام چیزوں میں جائز قرار دیا ہے جس میں لوگوں کا تعامل ہو، علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

"ومنھا أن یکون مما یجری فیه التعامل بین الناس من أوانی الحدید والرصاص والنحاس والزجاج والخفاف والنعال ولجم الحدید للدواب ونصول السیوف والسکاکین والقسی والنبل والسلاح کله والطشت والقمقمة نحو ذلک" (بدائع ۵/۹۴)۔

مذکورہ بالا عبارتوں میں جو مثالیں پیش کی گئی ہیں ان کا تعلق اشیاء منقولہ سے ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ استصناع منقولی اشیاء میں ہی محدود ہے، لیکن صاحب عنایہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر اس چیز میں استصناع درست ہے جس کو وصف اور مقدار کے ذریعہ متعین کرنا ممکن ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ اس چیز کے استصناع کا تعامل بھی لوگوں میں ضرور ہونا چاہئے، لہذا اگر وصف کے ذریعہ متعین کرنا تو ممکن ہو لیکن اس کے استصناع کا تعامل نہ ہو تو پھر جائز نہیں ہوگا۔

"الاستصناع هو أن يجيء إنسان إلى صانع فيقول : اصنع لي شيئاً صورته كذا وقدره كذا بكذا درهماً ويسلم إليه جميع الدراهم أو بعضها أو لا يسلم، وهو لا يخلو إما أن يكون فيما فيه تعامل ------- أولا، والثاني لا يجوز قياساً واستحساناً... والأول يجوز استحساناً" (عنایہ علی الفتح ۷/۱۱۴)۔

صاحب ہدایہ نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے، "وفيما فيه تعامل إنما يجوز إذا أمكن إعلامه بالوصف ليمكن التسليم" (ہدایہ ۳/۱۰۱)۔ ان دونوں عبارتوں سے اتنا تو واضح ہے کہ ہر وہ چیز جو اوصاف بیان کر دینے سے بالکلیہ طور پر سمجھ میں آجاتی ہو، اس کے سپردگی میں کسی طرح کے نزاع کا اندیشہ نہ رہتا ہو، اور لوگوں میں اس کے استصناع کا تعامل بھی ہو ان چیزوں میں استصناع کو درست کیا جائے گا، اب رہی بات بلڈنگ وغیرہ کی جو درحقیقت اشیاء غیر منقولہ کے قبیل سے ہیں، لیکن اس میں استصناع کا رواج بالکل عام ہو گیا ہے، یعنی تعامل کے حد کو پہنچ چکا ہے اور ظاہر ہے کہ تعامل ہر زمانے کا معتبر ہے جیسا کہ اوپر کے سوال میں ذکر کیا گیا ہے (امداد الفتاوی ۳/۳۲، شامی ۲/۵۵۶)۔

۵۔ صورت مسئولہ بلا قباحت جائز و درست ہے۔

۶۔ "نهى عن العربان أن يقدم إليه شيئ من الثمن فإن اشترى حسب من الثمن وإلا فهو له مجاناً وفيه معنى الميسر" (حجۃ اللہ البالغہ ۲/۱۰۰)۔ بیعانہ کی رقم جو عقد بیع کرتے ہوئے مشتری بائع کو بطور وثیقہ دیتا ہے مذکورہ عبارت کی روشنی میں بائع کے لئے اس کا ضبط کر لینا درست نہیں ہے، لیکن یہ حکم عام ہے اب قابل غور بات یہ ہے کہ کیا استصناع میں بھی یہی حکم ہوگا یا کچھ اور، اس سلسلہ میں بنیادی پہلو یہ ہے کہ استصناع بذاتہ بیع ہے یا وعدہ بیع یا اجارہ، ظاہر ہے کہ فقہاء کے تینوں اقوال ملتے ہیں، لیکن راجح یہی ہے کہ یہ بیع ہے۔

"ثم اختلف المشائخ أنه مواعدة أو معاقدة فالحاكم الشهيد والصفار ومحمد بن سلمة وصاحب المنثور مواعدة وإنما ينعقد عند الفراغ بيعاً بالتعاطي، ولهذا كان للصانع أن لا يعمل ولا يجبر عليه بخلاف السلم... والصحيح من المذهب جوازه بيعاً لأن محمداً ذكر فيه القياس والاستحسان وهما لا يجريان في المواعدة" (فتح القدیر ۷/۱۱۵، کذا فی مجمع الانہر ۲/۱۰۶)۔

اور اسی اختلاف کی بنیاد پر اس بارے میں بھی اختلاف ہو گیا کہ استصناع میں عقد ہونے کے بعد فریقین کو اختیار ہوگا یا دونوں اس کے نفاذ پر مجبور ہوں گے تو اس سلسلہ میں محققین حضرات کا مذہب یہی ہے کہ فریقین اس بیع کے مکمل ہوتے پر مجبور ہوں گے، محقق ابن عابدین شامیؒ نے کافی بحث کے بعد ایک جملہ لکھا ہے جو بہت واضح ہے، وہ لکھتے ہیں :

"ولا خيار لواحد منهما إذا سلم الصانع المصنوع على الوجه الذي عليه في السلم" (شامی ۷/۴۷۵)۔

مذکورہ بالا مباحث اور فقہ کے مشہور قاعدے "الضرر يزال، الحرج مدفوع، اور المشقة تجلب التيسير" کو سامنے رکھ کر بیعانہ کی رقم کو ضبط کرنے کی اجازت تو نہیں دی جاسکتی، البتہ اس کی گنجائش ہو سکتی ہے کہ نقصان کی تلافی کی اجازت دی جائے۔ فقط هذا ما ظهر لي والله تعالى اعلم۔

۷۔ استصناع کی مذکورہ صورت عقد اجارہ ہوگا یا استصناع اس سلسلہ میں احقر کی نگاہ میں دو طرح کی عبارتیں ہیں ایک عبارت تو بدائع میں استصناع کے باب کے بالکل آخر میں، ملاحظہ فرمائیں : ''فإن سلم إلی حداد حدیداً لیعمل له إناء معلوماً بأجر معلوم فذلک جائز و لا خیار فیه، لأن هذا لیس باستصناع بل هو استیجار فکان جائز أفإن عمل کما أمر استحق الأجر وإن فسد فله أن یضمنه حدیداً مثله لأنه لما أفسده فکأنه آخذ حدیداً له و اتخذ منه آنیة من غیر إذنه و الإناء للصانع لأن المضمونات تملک بالضمان'' (بدائع الصنائع ۴/ ۹۶)، اس واضح عبارت سے یہ بات بالکلیہ واضح ہو جاتی ہے کہ مذکورہ صورت عقد اجارہ ہے استصناع نہیں ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ عقد اجارہ میں یہی ہوگا کہ اگر سامان خریدار کے آرڈر کے مطابق تیار ہوا ہے تو خریدار پوری اجرت دے کر لے گا، اور اگر خریدار کے آرڈر کے مطابق سامان تیار نہیں ہو سکا تو اسے دو طرح کا اختیار ہوگا : ایک تو یہ کہ بائع (صانع) سے اپنے دیئے ہوئے میٹریل کا تاوان لے لے اور سامان بائع کا ہو جائے گا، دوسری صورت یہ ہے کہ وہی سامان لے لے اور بائع (صانع) کو اجرت مثل دے دے (بدائع الصنائع ۴/ ۹۶)، اس کے علاوہ عقد اجارہ کا یہ حکم تقریباً تمام کتب فقہ میں مذکور ہے، بحث میں اکثر کتب فقہ میں یہ دونوں صورتیں ذکر کی گئی ہیں (ہدایہ علی الفتح ۹/ ۹۱، وہکذا فی الدر المختار و الرد المحتار ۹/ ۵۷، کذا فی الکنز الدقائق محشی ر ۳۶۲، وکذا فی البحر الرائق ۷/ ۳۱۱، وکذا فی الخانیۃ علی الہندیہ ۲/ ۳۴۲، المغنی لابن قدامہ ۶/ ۱۱۲)۔

دوسری عبارت عالمگیری میں ملی، ملاحظہ فرمائیں : ''صورة الاستصناع أن یدفع الرجل إلی رجل حدیداً أو نحاساً لیصوغ له إناء أو نحو ذلک فإن وافق شرطه فلیس للصانع أن یمتنع من الدفع و لا للمستصنع أن یمتنع عن القبول، وإن خالفه کان للمستصنع الخیار إن شاء ضمنه حدیداً مثل حدیده و الإناء للصانع و لا أجر له، وإن شاء أخذ الإناء وأعطی الصانع أجر مثل عمله لا یجاوز له المسمی'' (فتاوی عالمگیری ۶/ ۲۱۱)۔

اس عبارت میں غور کریں تو واضح طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر چہ اس عبارت میں عقد کی اس صورت کو استصناع سے تعبیر کیا گیا ہے، لیکن حکم وہی بیان کیا گیا ہے جو حکم اجارہ کا ہے، یعنی نام تو استصناع رکھا اور حکم اجارہ کا لگایا، لہٰذا دونوں عبارتوں کو سامنے رکھ کر مذکورہ سوال کے سلسلہ میں احقر کی نگاہ میں بھی یہی صحیح ہے کہ یہ شکلاً تو عقد استصناع ہے، لیکن حکماً عقد اجارہ ہے، لہٰذا اس پر اجارہ ہی کے احکام نافذ ہوں گے، فقط، ہذا ما ظہر لی واللہ تعالیٰ أعلم۔

۸۔ عقد استصناع میں مدت متعین کرنا بھی صحیح قول کے مطابق درست ہے، ملاحظہ کریں، : ''وتقریره أن ذکر الاستصناع یقتضی أن لا یکون سلماً، لأن اللفظ حقیقة فیه وهو ممکن العمل، و ذکر الأجل یقتضی أن یکون سلماً لکنه لیس بمحکم فیه بل یحتمل أن یکون للتعجیل، وإذا کان کذلک فقد اجتمع المحکم و المحتمل فیحمل الثانی علی الأول'' (عنایہ علی الفتح ۷/ ۱۱۷، کذا فی الہدایۃ علی الفتح ۷/ ۱۱۶، شامی ۷/ ۴۷۵، بدائع الصنائع ۴/ ۹۵ – ۹۶، عالمگیری ۳/ ۲۰۷ – ۲۰۸، البحر الرائق ۶/ ۱۷۱)۔

لہٰذا اگر بائع اور خریدار کے مابین مدت متعین ہوگئی اور بائع نے مدت مقررہ پر مال دینے کا پختہ وعدہ کرلیا، اب خریدار نے اس وعدے کی بنیاد پر دوسرے گاہک سے بات کرلی اور جب مال دینے کی تاریخ آئی تو بائع خریدار کو مال فراہم نہ کرسکا جس کی وجہ سے اسے دو قسم کے نقصان کا سامنا کرنا پڑا، ایک تو یہ کہ دوسرے گاہک کو مارکیٹ سے مہنگا سامان لاکر دینا پڑا، دوسرے یہ کہ وقت مقررہ کے بعد جب بائع اسے مال دے گا تو اسے اس مال کے لئے گاہک نہیں ملے گا اور اگر ملے گا بھی تو کم قیمت میں فروخت کرنا ہوگا، اور یہ بات کتب فقہ میں ملتی ہے

کہ کبھی کبھی ضرورت انسانی کی بنیاد پر ایفاء وعدہ بھی ضروری ہوتا ہے، ”أن المواعيد قد تكون لازمة لحاجة الناس“ (الدر علی الرد ۴/ ۲۴، کذا فی الجامع الصغیر ۲/ ۲۹۸، کتاب الفتاوی ۵/ ۲۳۶)، جبکہ علامہ تقی عثمانی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر عاقدین میں سے کوئی وعدہ پورا نہ کرے تو بذریعہ عدالت اسے وعدہ پورا کرنے پر مجبور کیا جائے گا، علامہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض فقہاء نے تلافی نقصان کی بھی اجازت دی ہے، تفصیل کے لئے دیکھیں (فقہی مقالات ۳/ ۷۴)۔

مذکورہ بالا مباحث اور فقہ کے مشہور قاعدے ”الضرر يزال، الحرج مدفوع، الضرورات تبيح المحظورات“ اور ”المشقة تجلب التيسير“ کی روشنی میں احقر کی رائے یہ ہے کہ خریدار کو ہونے والے نقصان کی تلافی کی شرعاً گنجائش ہونی چاہئے، فقط هذا ما عندي و الله تعالى اعلم۔

عقد استصناع کے مسائل

مفتی عبداللہ کاوی والا☆

ا۔ عوام الناس کا جن جن اشیاء میں استصناع کا تعامل وعرف جاری ہوگا، ان اشیاء میں عقد استصناع جاری رہے گا، مثلاً تانبا، پیتل، کانچ، لوہا، اسٹیل، رانگ، چمڑے کے کپڑے وغیرہ کی اشیاء جن کا آرڈر دے کر بنوانے کا رواج ہے، جیسا کہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

"الاستصناع جائز في كل ما جرى التعامل فيه كالقلنسوة والخف والأواني المتخذة من الصفرة والنحاس وما أشبه ذلك استحساناً" (فتاوی عالمگیری ۳؍۲۰۷)۔

اسی طرح "الفقہ الاسلامی وادلتہ" میں ہے: "الاستصناع لا يكون إلا فيما يتعامل فيه الناس" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴؍۶۳۱)۔

استصناع یہ بیع سلم کی طرح بیع ہے، البتہ بیع سلم اور استصناع میں فرق صرف اتنا ہے کہ بیع سلم میں عقد طے کرتے وقت قیمت ادا کردینا لازمی ہوتا ہے، اور استصناع میں فوراً قیمت ادا کرنا ضروری نہیں ہوتا ہے اور جو شرائط بیع سلم کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہیں وہی شرائط استصناع کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہیں، یعنی مبیع جس کے بنانے کا آرڈر دیا ہے اس کی جنس، نوع، صفت، مقدار کا معلوم ہونا ضروری ہے اور وہ چیزیں ہی بنانے کا آرڈر دیا گیا ہو جن کے بنوانے کا تعامل جاری ہو، صاحبین کے قول کے مطابق بنانے کی مدت بیان کرے یا نہ کرے، عام طور پر مدت بیان کی جاتی ہے جیسا کہ لوگوں میں مدت بیان کرنے کی عادت ہے، جیسا کہ محیط برہانی میں ہے:

"ويشترط لجواز الاستصناع شرائط منها: بيان جنس المصنوع ونوعه وقدره وصفته، لأنه مبيع فلا بد من أن يكون معلوماً والعلم يحصل بذلك، أن يكون مما يجري فيه التعامل من أواني وأحذية وأمتعة الدواب ونحوها، أن لا يكون فيه أجل فإن حدد أجل لتسليم المصنوع انقلب العقد سلماً عند أبي حنيفة، وقال الصاحبان: ليس هذا بشرط والعقد الاستصناع على كل حال حدد فيه أجل أم لم يحدد، لأن العادة جارية بتحديد الأجل في الاستصناع ونرى أن قولهما هو المتفق مع ظروف الحياة العملية وحاجات الناس فيكون هو الأولى بالأخذ به"۔

استصناع کے صحیح ہونے کے لئے اصول یہ ہوگا، لوگوں میں جن جن اشیاء کے بنوانے کا تعامل جاری ہوگا اس طرح اوصاف، جنس، نوع، وغیرہ شرائط متعین کردے تاکہ مفضی إلی النزاع نہ ہو، صحیح ہوگا، جیسا کہ موجودہ دور میں مکانات، بلڈنگوں کی تعمیرات مکمل اوصاف وشرائط کے ساتھ متعین کئے جائیں، ایسے ہی ٹرک، گاڑیاں، بسیں، ٹرین وغیرہ کا استصناع جاری ہے یہ جائز ہوگا، قیمت وغیرہ طے کی ہو، چاہے یک مشت ادا کی جائے یا قسط وار ادا کی جائے جیسا کہ قیمت ادائیگی کا تعامل مفضی إلی النزاع نہ ہو، اس طرح عقد استصناع کے وقت واضح

☆ صدر مفتی دار الافتاء دار العلوم بھروچ، کنتھاریہ، گجرات۔

کرنا ضروری رہے گا، جیسا کہ الفقہ الاسلامی وادلتہ (۳۹۸/۴، ۳۹۰، ۴۰۱، ۴۰۲) میں علامہ وہبۃ الزحیلی نے واضح فرمایا ہے :

"الاستصناع في اصطلاح الفقهاء طلب العمل من الصانع في شيئ مخصوص على وجه مخصوص، أو هو عقد مع صانع على عمل شيئ معين في الذمة إلى العقد على شراء ما سيصنعه الصانع وتكون الحين أو مادة الصنعة والعمل من الصانع ... ويقول بعض الفقهاء: أن المعقود عليه هو العمل فقط، لأن الاستصناع طلب الصنع فقط وهو العمل۔ ويصح السلم فيما جرى به التعامل أو لم يجر فيه التعامل، أما الاستصناع فضابطه أنه يصح في كل ما يجرى فيه التعامل فقط ولا يجوز فيما لا تعامل لهم فيه (۴۰۱/۴)۔

۲۔ استصناع خود بیع ہے، وعدہ بیع نہیں ہے، یہ شیئ مصنوعہ کی بیع ہے، صانع کے عمل کی بیع نہیں ہے، بنابریں یہ وعدہ بیع نہیں، اور اجارہ بھی نہیں ہے، اسی بنا پر صانع شیئ مصنوعہ فروخت کرے جو خود اس نے نہیں بنایا، یا عقد استصناع سے قبل اوصاف مشروطہ کے ساتھ بنائی ہوئی پہلے سے موجود تھی، تو یہ بیع استصناع صحیح ہے، کیونکہ یہ مصنوع کی بیع ہے۔

۳۔ مصنوع کے وجود میں آنے سے پہلے اور پہلے خریدار کے قبضہ کرنے سے پہلے کسی اور خریدار کو فروخت کرنا صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ پہلے خریدار نے قبضہ کیا ہی نہیں اور قبضہ نہ کرنے سے وہ مالک بنا ہی نہیں اور مالک بننے سے قبل بیع جائز نہیں ہے، اس لئے اس طرح قبل القبض سلسلہ وار بیع کی تمام صورتیں بیع معدوم سے مستثنیٰ نہ ہوں گی، آج کل فلیٹس کی خرید و فروخت میں کثرت سے ایسے معاملات ہوتے ہیں وہ پہلے خریدار تک صحیح ہے، اس کے بعد کے خریداروں کے لئے صحیح نہیں ہے، قبل القبض ملکیت کے ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے اور مفضی إلی النزاع ہونے کی وجہ سے صحیح نہ ہوگی، پہلے خریدار کا تصرف قبل القبض ملکیت کے عدم ثبوت کی وجہ سے صحیح نہیں ہے۔

۴۔ استصناع کا تعلق اموال منقولہ اور اموال غیر منقولہ دونوں سے ہے، دونوں میں بیع استصناع صحیح ہے، شرط یہ ہے کہ دونوں کی صناعات کے اوصاف، مقدار، نقشہ اور تمام مطلوبہ صفات کو نظائر کے ذریعہ واضح کیا جائے، بلڈنگ میں استعمال ہونے والے تمام میٹریل اور سامان کی خوب اچھی طرح وضاحت ہو جائے، اس طرح اموال غیر منقولہ میں بیع استصناع صحیح ہے۔

۵۔ استصناع موازی یا متوازی کی صورت میں تین فریق میں مطلوبہ شرائط اور اوصاف اس طرح واضح کر لیں کہ جہالت نہ رہے اور مفضی إلی النزاع نہ ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، اس طرح درمیانی فریق کی حیثیت دلال کی ہوگی اور منافعہ دلال کی حیثیت سے طے ہوگا، جس پر آپس میں بائع و مشتری فریق اول اور فریق ثالث راضی ہوں تو درمیانی فریق کا استثمار کے طور پر استعمال کرنا صحیح ہوگا۔

۶۔ خریدار کی شرائط مطلوبہ کے مطابق بائع (صانع) نے تیار کیا ہو اور خریدار مکر جائے تو صانع اپنے نقصان کی تلافی کی مقدار ضبط کر سکتا ہے، کیونکہ یہ ضرر خریدار کی جانب سے ہے، اور اگر مطلوبہ شرائط اوصاف ڈیزائن کے خلاف صانع نے تیار کیا ہے یا کچھ کمی رکھی ہے تو خیار رؤیت خریدار کو ہونے کی بنا پر وہ فسخ کر سکتا ہے، ایسی صورت میں صانع کی اپنی کمی کی وجہ سے خریدار نے بیع فسخ کی ہے جو اس کو خیار تھا، ایسی صورت میں صانع رقم ضبط نہیں کر سکتا ہے، پوری رقم خریدار کو واپس کرنا ضروری رہے گا۔

۷۔ اگر کسی چیز کا آرڈر دیا جائے اور مصنوع کے لئے موجودہ میٹریل خود خریدار فراہم کر دے تو یہ عقد استصناع کے حکم میں نہ ہوگا بلکہ اجارہ کے حکم میں ہوگا، عقد اجارہ میں آرڈر کے مطابق چیز نہ پائی جائے تو مصنوع کو رد نہیں کر سکتے ہیں، مگر اجارہ کی اجرت میں سے حسب

نقصان کی کر سکتا ہے اور عقد استصناع میں آرڈر کے مطابق چیز نہ ہونے کی وجہ سے خیار رؤیت کی بنیاد پر رد کر سکتا ہے، رد کرنے کا حق آرڈر دینے والے کو ہوگا، آرڈر دینے والے کو اس کا قبول کرنا ضروری نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود اگر وہ رد نہ کرے اور قبول کر لے تو حسب نقصان اس کا جرمانہ وصول کر سکتا ہے۔

۸- جس مقررہ تاریخ پر معاملہ طے ہوا تھا اس سے اتنی زیادہ تاخیر کی جائے کہ آرڈر دینے والے کا ناقابل برداشت نقصان مثلاً جس کے لئے بنایا گیا ہو اس کی ضرورت کا وقت پورا ہو جائے اور وہ خریدنے سے انکار کر دے، ایسی صورت میں آرڈر دینے والا صانع سے بقدر نقصان تاوان لے سکتا ہے، کیونکہ وعدہ مقررہ سے تاخیر سے آرڈر دینے والے کا نقصان ہوا ہے۔

کن چیزوں میں عقد استصناع درست ہے

مفتی یوسف داؤد ایلولوی ☆

۱—عقد استصناع علی الاطلاق ان تمام چیزوں میں درست ہے جن چیزوں میں لوگوں کا تعامل ہو، بشرطیکہ اس کی جنس، نوع، مقدار اور وصف معلوم ہو۔

اگر عقد استصناع میں اجل کا ذکر کیا جائے تو اس کی چند صورتیں مع حکم حسب ذیل ہیں:

۱—وہ چیز جس میں عقد استصناع کا تعامل ہے اور ایک ماہ سے کم مدت مقرر کی ہو تو عقد استصناع درست ہے۔

۲—وہ چیز جس میں عقد استصناع کا تعامل نہیں اور ایک ماہ سے کم مدت بیان کی ہو تو عقد استصناع فاسد ہے، بشرطیکہ ذکر مدت برائے استعمال ہو۔

۳—وہ چیز جس میں عقد استصناع کا تعامل نہیں، اور ایک ماہ سے کم کی مدت بطور استعجال بیان کی ہو تو عقد استصناع درست ہے۔

۴—وہ چیزیں جن میں عقد استصناع کا تعامل ہے یا نہیں ہے، لیکن ایک ماہ یا اس سے زائد مدت مقرر کی ہو تو عقد استصناع عقد سلم ہو جائے گا اور عقد سلم کی شرائط کی رعایت کے ساتھ یہ عقد درست ہوگا، ورنہ نہیں، ہذا عند أبی حنیفہؒ۔

۵—اس چوتھی شق میں صاحبین تعامل ہونے کی صورت میں ایک ماہ یا زائد مدت مقرر کرے تو بھی عقد استصناع کو برقرار رکھتے ہیں، اور تعامل نہ ہونے کی صورت میں استصناع فاسد ہو کر عقد سلم کے طور پر درست قرار دیتے ہیں۔

حضرات صاحبین کے قول میں لوگوں کے لئے آسانی ہے۔

"وفی البدائع من شروطه: بیان جنس المصنوع، ونوعه وقدره وصفته، وأن یکون مما فیه تعامل، وأن لا یکون مؤجلاً وإلا کان سلماً وعندهما المؤجل استصناع إلا إذا کان مما لا یجوز فیه الاستصناع، فینقلب سلماً فی قولهم جمیعاً۔

۲—صحیح قول کے مطابق استصناع خود بیع ہے وعدۂ بیع نہیں ہے۔

وأما معناه: فقد اختلف المشائخ فیه، قال بعضهم: هو مواعدة ولیس ببیع، وقال بعضهم: هو بیع، لکن للمشتری فیه خیار، وهو الصحیح، بدلیل أن محمداً رحمه الله، ذکر فی جوازه القیاس والاستحسان، وذلک لا یکون فی العدات، وکذا أثبت فیه خیار الرؤیة وأنه یختص بالبیاعات، وکذا یجری فیه التقاضی وإنما یتقاضی فیه الواجب لا الموعود (بدائع الصنائع ۵/ ۲)۔

☆ دار العلوم عربیہ اسلامیہ محمود نگر منتھاریہ بھروچ، گجرات۔

۳—مبیع (مصنوع) کے وجود میں آنے سے پہلے وہ اسے کسی اور سے اور پھر یہ دوسرا خریدار کسی تیسرے شخص سے فروخت نہیں کرسکتا اور بیع کی تمام صورتیں بیع معدوم سے مستثنیٰ نہیں ہوں گی، البتہ مستصنع اور صانع کے درمیان خلاف قیاس استحسان بالضرورۃ یا استحسان بالاجماع کی وجہ سے بطور استصناع یہ عقد مشروع ہے، اس لئے مستصنع کا کسی اور سے اور اس کا کسی خریدار سے یہ عقد درست نہ ہوگا، اس لئے کہ ان کے حق میں یہ استصناع نہیں ہے بلکہ معدوم کی بیع ہے اور حدیث شریف میں بیع معدوم کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ عن حکیم بن حزام قال: قلت: یارسول اللہ! الرجل یسألني البیع و لیس عندي أفأبیعه؟ قال: لاتبع مالیس عندک۔

ثم المستحسن بالقیاس الخفي یصح تعدیته بخلاف المستحسن بالأثر أو الإجماع أو الضرورة کالسلم والاستصناع وتطهیر الحیاض والآبار والأواني" (حسامی ر ۱۰۴، بحث القیاس)۔

البتہ اگر ان فلیٹس کا سلیپ لگ کر فلیٹ کا نقشہ تیار ہو چکا ہو تو مستصنع کا دوسرے کے ہاتھ اور اس کا کسی اور کے ہاتھ فروخت کرنا درست قرار دیا جاسکتا ہے، یوں تعبیر کرتے ہوئے کہ موجود فلیٹ کی ہی اتنی قیمت آپس کی تراضی سے طے ہوئی ہے۔

۴—استصناع کا تعلق منقولہ اور غیر منقولہ اشیاء دونوں سے ہے، اس لئے کہ اس کی بنیاد تعامل پر ہے، ہر مکان وزمان کا تعامل علاحدہ ہوتا ہے، اور آج کل غیر منقولہ اشیاء میں بھی استصناع کا تعامل جاری ہے، بنابریں منقولی ہو یا غیر منقولی، جیسے بلڈنگ میں بھی استصناع درست ہے، جیسا کہ جواب نمبر ایک میں پیش کردہ عبارات سے واضح ہے۔

۵—اصلاً درمیانی فریق (مالیاتی ادارہ) کا مستصنع سے بیع کرنا باطل ہے، اور نفع حاصل کرنا بھی جائز نہیں ہے، البتہ اس مالیاتی ادارہ کے لئے بطور استثمار عقد درست ہونے کے لئے احقر کے خیال میں ایک صورت ممکن ہے:

درمیانی فریق (مالیاتی ادارہ) صانع کے علاوہ تیسرے فریق کے ساتھ بیع نہ کرے بلکہ وہ وعدۂ بیع کرے، مثلاً یوں کہے کہ یہ چیز تیار ہو جانے کے بعد ہم آپ کے ہاتھ اتنے ثمن پر فروخت کریں گے۔

البتہ اس صورت میں مالیاتی ادارے اور اس کے مشتری میں وعدۂ بیع ہونے کے سبب اس سامان کے تیار ہونے پر خریدار کے لئے راضی نہ بھی ہو تو بیع وشراء ہونے سے جو ایک دوسرے پر تسلیم وتسلم کا دباؤ ہوتا ہے وہ یہاں نہیں ہوسکتا۔ بدائع میں ہے: "وکذا یجری فیه التقاضي وإنما یتقاضی فیه الواجب لا الموعود" (بدائع ۵ر ۲)۔

۶—اس سوال پر حکم کے بارے میں تفصیل ہے کہ اگر اس شیئ میں استصناع کا تعامل نہ ہو تو چونکہ تعامل کی شرط مفقود ہونے کی بنا پر یہ عقد بطور سلم مع شرائط سلم درست ہوا تھا تو طے شدہ آرڈر کے مطابق ہی اگر صانع نے شیئ مصنوع مستصنع کے حوالہ کردی تو عقد لازم ہے اور مستصنع پر اس کا قبول کرنا ضروری ہوگا، عقد سلم عقد لازم ہوتا ہے تو یہ عقد لازم ہی رہے گا۔

چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ رقمطراز ہیں: "بخلاف مالا تعامل فیه، لأنه استصناع فاسد. فیحمل علی السلم الصحیح" (شامی زکریا ۷ر ۵۰۲)۔

الدکتور وہبہ زحیلی "اجل" کی شرط کے ضمن میں رقمطراز ہیں:

حتی تشترط فیه شرائط السلم، مثل قبض البدل في المجلس، وأنه لا خیار لأحد العاقدین إذا سلم الصانع

المصنوع علی الوجه الذی شرط علیه فی العقد (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۶۳۲ دارالفکر)۔

اوراگر عقد استصناع کی تمام شرائط کی رعایت کے ساتھ باہمی معاملہ ہوا ہو اور مطابق شرط ہی صانع شیئ مصنوع مستصنع کو پیش کرے اور مستصنع اس چیز کو لینے سے مکر جائے تو صانع اس بیعانہ کی رقم کو ضبط کرنے کا مجاز نہیں ہے، اس لئے کہ فقہاء نے مستصنع کو خیار رؤیت کا حق حاصل ہونے کی صراحت فرمائی ہے، اور خیار رؤیت کے ساقط ہونے کی صورت کے وجود کے بغیر، ضبط رقم کا حق دینے میں جیسے صانع کو ضرر سے بچانا ہے تو مستصنع کا ضرر صانع کے ضرر سے بڑھ کر ہے، اور یہی ظاہر الروایہ ہے کہ شیئ مصنوع کو تیار کر کے مستصنع کے حوالہ کرنے سے صانع کا خیار ساقط ہو جاتا ہے، البتہ مستصنع کا خیار رؤیت باقی رہتا ہے۔

چنانچہ علامہ کاسانی اسی بحث کو بیان فرماتے ہیں :

"وأما صفة الاستصناع : فهي أنه عقد لازم قبل العمل في الجانبين جميعاً، بلا خلاف، حتى كان لكل واحد منهما خيار الامتناع قبل العمل، كالبيع المشروط فيه الخيار للمتبايعين : أن لكل واحد منهما الفسخ؛ لأن القياس يقتضي أن لا يجوز، لما قلنا۔

۷- یہ عقد عقدِ استصناع نہ ہوگا بلکہ عقد اجارہ ہو جائے گا اور اس صورت میں اگر وہ چیز آرڈر کے مطابق نہ بنے تو مستاجر کو اختیار ہوگا۔ مطابق آرڈر نہ ہو تو حکم کے متعلق تفصیل ہے، چنانچہ اگر اجیر نے جنس کے اعتبار سے مخالفت کی ہے تو مستاجر (آرڈر دینے والا) اپنے دیئے ہوئے میٹریل کا اجیر کو ضامن بنادے، پھر بنی ہوئی چیز اجیر کی ہو جائے گی اور آرڈر دینے والے کو عیب کی تلافی کا اختیار نہ ہوگا اور اگر اجیر نے وصف کے اعتبار سے مخالفت کی ہے تو مستاجر کو اختیار ہوگا، اگر چاہے تو وہ اجیر کو اپنے میٹریلس کے مثل کا ضامن بنادے اور شیئ مصنوع اجیر کے پاس چھوڑ دے اور اس صورت میں کسی قسم کی اجرت کا اجیر مستحق نہ ہو اور اگر چاہے تو آرڈر دینے والا شیئ مصنوع حاصل کرلے اور اجیر کو اجرت دیدے۔

قال محمد رحمه الله : وإذا دفع حديداً إلى حداد يصنعه أناء بأجر مسمى فجاء به الحداد على ما أمره به صاحب الحديد، ويجبر على القبول، ولو خالفه فيما أمره به، فإن خالفه من حيث الجنس بأن آمره بأن يصنع له قدوماً، فصنع له مراً ضمن حديداً مثل حديده، والمر له ولا خيار لصاحب الحديد، فإن خالفه من حيث الوصف، بأن أمره أن يصنع له منه قدوما يصلح للتجارة، فصنع له منه قدوماً يصلح لكسر الحطب، فصاحب الحديد بالخيار إن شاء ضمنه حديداً مثل حديده، وترك القدوم عليه، ولا أجر، وإن شاء أخذ القدوم وأعطاه الأجر، وكذلك الحكم في كل ما يسلمه إلى عامل ليصنع منه شيئاً سماه، كالجلد يسلمه إلى الإسكاف ليصنعه خفين، أو ما أشبهه" (المحیط البرہانی ۱۲/ ۹۸، ۹۹، کتاب الاجارہ، فصل فی الاستصناع)۔

۸- مذکورہ صورت میں خریدار صانع سے تاوان وصول نہیں کرسکتا، اس لئے کہ یہ ایک قسم کا مالی جرمانہ ہے جو ناجائز ہے، اس کا مزید نقصان حاصل کرنا اپنے عمل سے ہے اور وہ خود فاعل مختار ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔

استصناع کے شرائط وضوابط

مفتی جنید بن محمد پالنپوری ☆

۱۔ جن چیزوں کو تیار کرنے کی ضرورت پڑتی ہو اور اس میں تعامل ناس بھی ہو تو عقد استصناع درست ہوگا۔

يجب ان يعلم بان الاستصناع جائز في كل ما جرى التعامل فيه كالقلنسوة و الخف و الاواني المتخذة من الصفر و النحاس و ما أشبه ذلك استحساناً (الفتاویٰ التاتارخانیہ ۹/۳۰۰)(والاستصناع) هو طلب عمل الصنعة... (فيما فيه تعامل) الناس (تنویر الابصار مع الدر المختار ۸/۳۷۴-۴۷۵)۔

عقد استصناع کے صحیح ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ قیمت فریقین کی رضامندی سے طے کرلی جائے اور مطلوب چیز (جس کی تیاری مقصود ہے) کے ضروری اوصاف بھی متعین کر لئے جائیں (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/۱۵۴)۔

أما صورة الاستصناع فهي أن يقول إنسان لصانع من خفاف او صفار او غيرها: اعمل لي خفاً او آنية من اديم او نحاس من عندك بثمن كذا و يبين نوع ما يعمل و قدره و صفته فيقول الصانع: نعم (بدائع الصنائع ۴/۹۳)۔

علامہ کاسانیؒ کا جملہ "من عندک" سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ جس چیز کا آرڈر دیا گیا ہے اس کو بنانے کے لئے خام مال صانع (تیار کنندہ) کی طرف سے ہو۔

ثم انما جاز الاستصناع فيما للناس فيه تعامل إذا بين وصفاً على وجه يحصل التعريف الخ (ہندیہ ۳/۲۰۷)۔

۲۔ عقد استصناع بیع ہے نہ کہ وعدۂ بیع، (صح) الاستصناع (بيعاً لا عدةً) على الصحيح (شامی ۷/۴۷۵)۔

یہاں بیع سے مراد یہ ہے کہ عقد استصناع میں ابتداء میں اجارہ ہوتا ہے، اور مکمل رقم کی ادائیگی کے وقت یہ بیع ہوجاتی ہے، یعنی جب آخری قسط ادا کی جارہی ہو اس سے ایک ساعت قبل یہ معاملہ بیع کا ہوجاتا ہے۔

ثم كيف ينعقد معاقدةً؟ يقول: يتعاقد اجارة ابتداء و يصير بيعاً انتهاء متى سلم قبل التسليم بساعة الخ (الفتاویٰ التاتارخانیہ ۹/۳۰۰) الاستصناع ينعقد اجارة ابتداء و يصير بيعاً انتهاء متى سلم قبل التسليم بساعة هو الصحيح كذا في جواهر الاخلاطي (ہندیہ ۳/۲۰۷، بکذا فی المحیط البرہانی ومکتب الانہر فی شرح ملتقی الابحر)۔

احقر الوریٰ کے نزدیک بیع استصناع میں انعقاد کی یہ تفصیل (ابتداء اجارہ اور انتہاء بیع) ان معاملات اور آرڈروں میں ہوگی جو معمولی نوعیت کے ہوں کہ آرڈر کے تیار کرنے کی مدت بھی کم ہو، قیمت بھی کم ہو اور اس مدت میں آرڈر دی ہوئی چیز کا نرخ اور قیمت کے

☆ خادم دار الافتاء والارشاد مدرسہ انوار محمدی، استوائرس کالونی، ملاڈ ممبئی۔

بڑھنے کا اندیشہ بھی کم ہو، نیز مال کے تیار نہ ہونے کی صورت میں نزاع اور مستصنع (خریدار) کا خطیر نقصان نہ ہوتا ہو، جیسے جوتا، چپل اور عینک کی فریمیں وغیرہ بنانے کا آرڈر دینا۔

البتہ وہ معاملات اور آرڈر جو غیر معمولی نوعیت کے ہوں کہ ان کے تیار کرنے کی مدت بھی طویل ہو، قیمت بھی زیادہ ہو اور اس مدت میں مبیع کی قیمت اور نرخ کے بڑھ جانے کا قوی امکان ہو اور تجربات سے ثابت ہو، نیز مبیع اور مال کے تیار نہ ہونے کی صورت میں نزاع کا قوی امکان ہو اور مستصنع (خریدار) کا زبردست نقصان ہوتا ہو، جیسے بڑے شہروں میں تعمیری کاموں میں قبل از تعمیر فلیٹ یا دکان وغیرہ خریدنا یا کسی بڑی فیکٹری اور کارخانہ بنانے کا آرڈر دینا، ایسے آرڈر میں عقد استصناع کو عقد لازم ماننا ہوگا یعنی اسمیں اجارہ کی کوئی شکل نہ ہوگی، حاصل کلام یہ کہ ابتداءً وانتہاءً بیع ہوگی۔ اگر اس کو بیع استصناع مانا جائے یعنی ابتداءً اجارہ اور انتہاءً بیع تو بہت حرج لازم آئے گا:

اولاً: فلیٹ یا دکان کی مکمل قیمت کی ادائیگی سے قبل اگر صانع (بلڈر) کا انتقال ہو جاتا ہے تو یہ فلیٹ اور دکان مکمل تیار ہو چکی ہوگی یا تیار ہونا باقی ہوگی، ہر دو صورت میں فلیٹ اور دکان صانع (بلڈر) کے ترکہ میں شمار ہو کر اس کے ورثاء میں تقسیم ہوگی اور مستصنع (خریدار) کو اس کی دی ہوئی قیمت لوٹا دی جائیگی یعنی وہ رقم جو اس نے اب تک ادا کی ہے، چاہے ملکیت کا دام کتنا ہی کیوں نہ بڑھ گیا ہو۔

بان الصانع اذا مات قبل تسليم العمل بطل الاستصناع ولا يستوفي المصنوع من تركته، ولو انعقد بيعا ابتدائ انتهاءً الا يبطل بموته كمافي بيع العين والسلم (الهدايه مع حاشيه ۳/۹۴، هكذا في مجمع الانهر في شرح ملتقى الابحر ۳/۱۴۹، ۱۵۰)۔

بیع استصناع کا یہ حکم سامنے آنے کے بعد صانع (بلڈر) سے معاہدہ کے وقت مذکورہ معاملہ ضبط تحریر میں لانا ضروری ہے تاکہ مستقبل میں خلاف شرع کام ہو نہ کسی طرح کا نزاع ہو، اور اگر اس وضاحت کو اگریمینٹ پیپر اور معاہدہ کے کاغذات پر نہیں لایا گیا تو صانع (بلڈر) کی موت پر جو نزاع ہوگا وہ ناقابل تحمل ہوگا۔

ظاہری بات ہے کہ ایسی صورت میں شاید ہی کوئی مستصنع (خریدار) معاملہ کرنے پر راضی ہو اور جب راضی نہیں ہوگا تو گویا جس ضرورت اور غرض کی بنیاد پر اس معاملہ کو خلاف قیاس استحساناً جائز قرار دیا ہے وہ ضرورت اپنی جگہ باقی رہ جائیگی اور لوگوں کا حرج دور نہ ہوگا۔

ثانیاً: بیع استصناع ماننے کی صورت میں مستصنع (خریدار) کے لئے اس فلیٹ یا دکان کو فروخت کرنا درست نہ ہوگا جب تک کہ مکمل رقم ادا نہ کردیں، چاہے فلیٹ اور دکان مکمل تیار ہو گئی ہو یا جواز بیع کی حد (ڈھانچہ کھڑا ہونے) تک تیار ہوئی ہو، چونکہ ابھی یہ اجارہ ہے اور بیع تو ہوگی آخری قسط ادا کرنے پر۔

لہٰذا انویسٹر (فلیٹ اور دکان کی تجارت کرنے والوں کو) حرج عظیم ہوگا، چونکہ آجکل اکثر حضرات پچاس فیصد رقم دے کر ہی فلیٹ بک کرواتے ہیں، یعنی کل قیمت کا نصف حصہ ہی معاملہ کے شروع میں دیتے ہیں اور پھر ہر منزل کے بننے پر قسط وار رقم دینے کا معاہدہ ہوتا ہے، اسکا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ صانع (بلڈر) عمارت جلد از جلد بنانے کی فکر کرتا ہے۔ اب یہ انویسٹر جب تک مکمل رقم ادا نہ کردے فلیٹ اور دکان بیچ نہیں سکتا، کیونکہ ابھی یہ اجارہ ہے، اور اس طرح کے جتنے معاملات اب تک ہوتے ہیں خلاف شرع ہونے کی وجہ سے قابل فسخ ہوں گے، نیز ڈھانچہ مکمل ہونے کے بعد بھی خریدار کو بیچنے کی اجازت نہ ہوگی تو حرج عظیم لازم آئیگا۔

ثالثاً: بیع استصناع اور عقد غیر لازم ماننے کی صورت میں صانع (بلڈر) کے لئے مستصنع (خریدار) کی طرف سے بک کروانے

گئے فلیٹ اور دکان کو اس کی رویت اور رضامندی سے پہلے کسی اور کو بھی بیچنے کا حق ہوگا اور اگر بیچ دیگا تو مستصنع اس بیع اور معاملہ کو ختم کرنے کا مجاز بھی نہ ہوگا، نیز اس کو صرف ابتک کی جمع کی ہوئی رقم لوٹا دی جائیگی۔

و أما بعد الفراغ من العمل قبل أن يراه المستصنع فكذلك حتى كان للصانع أن يبيعه ممن شاء... إلى أن قال... ولو استهلك قبل الرؤية فهو كالبائع اذا استهلك المبيع قبل التسليم..... الخ (بدائع الصنائع ۴ر ۹۵)۔

و أما كيفية جوازه فهي أنه عقد غير لازم في حق كل واحد منهما قبل رؤية المستصنع والرضا به حتى كان للصانع ان يمتنع من الصنع وان يبيع المصنوع قبل أن يراه المستصنع... الخ (ایضاً)۔

اس صورت میں تو حرج نا قابلِ بیان ہے، اور لازمی طور پر مفضی الی النزاع ہوگا، نیز شریعتِ مطہرہ نے ہر معاملہ میں نزاع سے بچایا ہے۔

رابعاً: بیع استصناع (ابتداءً اجارہ اور انتہاءً بیع) ماننے کی صورت میں اگر بلڈر کی طرف سے اپنے مفاد کی خاطر یا واقعۃً قانونی اڑچنوں کی وجہ سے تعمیری کام نہ ہوا تو یہاں کس بنیاد پر بلڈر سے موجودہ قیمت لینے کی خاطر حیلہ کریں گے، کیونکہ پہلا عقد ہی مکمل نہیں ہوا بلکہ مکمل ہونے سے پہلے ہی منسوخ ہوگیا۔ اور اگر ان تعمیراتی کاموں وغیرہ کو عقدِ لازم یعنی ابتداءً وانتہاءً بیع مانا جائے تو تمام حرج خود بخود دور ہو جائیں گے۔

اولاً: بلڈر کے مرنے پر زیرِ تعمیر عمارت میت یعنی بلڈر کے ترکہ میں نہیں جائے گی کہ عقد مکمل ہو چکا ہے۔

بأن الصانع اذا مات قبل تسليم العمل بطل الاستصناع ولا يستوفى المصنوع من تركته ولو انعقد بيعاً ابتداءً وانتهاءً لا يبطل بموته كما في بيع العين والسلم (المحیط البرہانی ۱۰ر ۳۶۴)۔

ثانیاً: مکمل عمارت بننے پر یا جوازِ بیع کی حد (ڈھانچہ کھڑا ہونے) پر اس کا بیچنا درست ہوگا کہ بیع مکمل ہو چکی ہے۔

ثالثاً: بلڈر کے لئے مستصنع (خریدار) کی طرف سے رضا اور رویت سے پہلے فلیٹ اور دکان کسی اور کو بیچنے کا حق نہ ہوگا، کیونکہ عقد مکمل ہوگیا اور یہ کسی دوسرے کی ملکیت ہوگئی۔

رابعاً: تعمیری کام نہ ہونے پر حیلہ کا دروازہ بھی کھلا ہوا ہے۔

البتہ عقدِ لازم ماننے کی صورت میں ایک سوال لازمی طور پر اٹھیگا کہ اس میں معدوم کی بیع لازم آئے گی اور حدیث شریف میں اس سے روکا گیا ہے۔ نهى رسول الله ﷺ عن بيع ما ليس عند الانسان ورخص في السلم (بدائع الصنائع ۴ر ۹۳)۔

اس سوال اور اعتراض پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ خود شریعتِ مطہرہ نے ضرورت کی جگہوں پر اور تعاملِ ناس کی وجہ سے معدوم کی بیع کو جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ خود بیع سلم اور بیع استصناع، بس اس بات کا مکمل لحاظ رکھا جائے کہ مبیع میں کسی طرح کا ابہام اور جہالت نہ رہے۔

نهى رسول الله ﷺ عن بيع ما ليس عند الانسان ورخص في السلم (الحديث)

ويجوز استحساناً لاجماع الناس على ذلك، لأنهم يعملون ذلك في سائر الاعصار من غير نكير الخ (بدائع الصنائع ۴ر ۹۳، ۹۴)۔

اسی طرح متعین اجرت کے عوض دخولِ حمام کا بھی مسئلہ ہے کہ غسل کرنے والا کتنا پانی استعمال کرے گا اور کتنا وقت اندر رہے گا یہ سب مجہول ہونے کے باوجود تعاملِ ناس کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

و القياس يترك بالاجماع و لهذا اترك القياس في دخول الحمام بالاجر من غير بيان المدة و مقدار الماء الذى يستعمل الخ (بدائع الصنائع ۴/ ۹۳، ۹۴)۔

ان تعمیراتی کاموں میں فلیٹ ہو یا دکان ہو یا فیکٹری ان میں کسی قسم کا ابہام نیز کسی قسم کی کوئی جہالت باقی نہیں رہتی حتی کہ فیٹ اور دکان کے حدود اربعہ کے ساتھ اندر لگنے والی تمام اشیاء کی کوالٹی اور کونسی کمپنی کی ہوں گی تمام مذکور ہوتا ہے، الہٰذا بعد میں چل کر کسی قسم کے نزاع کا اندیشہ نہیں رہتا، نیز اس طرح کے معاملہ کو عقدِ لازم (ابتداءً وانتہاءً بیع) ماننا تعاملِ ناس میں داخل ہے اور لوگوں کی ضرورت بھی عقدِ لازم ماننے کی صورت میں پوری ہوگی اور عقدِ غیر لازم (ابتداءً اجارہ وانتہاءً بیع) ماننے کی صورت میں زبردست نزاع کا خطرہ ہے نیز تعاملِ ناس کے بھی خلاف ہے اور ضرورت بدستور اپنی جگہ باقی رہ جائے گی۔

اس فرق کے مطابق مسائل کی تفریق جواب نمبر تین میں ظاہر ہوگی۔

۳ــمعمولی شیئ کی بیع استصناع میں جب تک مستصنع (خریدار) مبیع پر قبضہ نہ کرلے کسی اور کو بیچنا درست نہ ہوگا، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے معدوم کی بیع سے منع فرمایا ہے: نهى رسول الله ﷺ عن بيع ما ليس عند الانسان ورخص في السلم (بدائع الصنائع ۴/ ۹۳)۔

اسی طرح غیر معمولی اشیاء میں منقولہ مبیع جیسے بڑی بڑی مشینریاں جن کی قیمت لاکھوں اور کروڑوں میں ہوتی ہے، (جواب نمبر دو کی وضاحت کے مطابق عقدِ لازم یعنی ابتداءً وانتہاءً بیع ماننے کی صورت میں بھی) قبل القبض کسی اور کو بیچنا درست نہ ہوگا۔

ومنها: القبض في بيع المشترى المنقول، فلا يصح بيعه قبل القبض لما روى ان النبي ﷺ نهى عن بيع ما لم يقبض الخ (بدائع الصنائع ۴/ ۹۴۳)۔

البتہ غیر معمولی اشیاء میں غیر منقولہ مبیع جیسے فلیٹ اور دکان وغیرہ میں اگر یہ فلیٹ اور دکان تعمیر ہی نہیں ہوئی ہے تو خریدنے والے شخص کا کسی اور کو بیچنا درست نہ ہوگا، نهى رسول الله ﷺ عن بيع ما ليس عند الانسان الخ کیونکہ جو چیز بیچی جائے اس کا فی الجملہ موجود ہونا ضروری ہے اور اگر اس فلیٹ یا دکان کا ڈھانچہ کھڑا ہو چکا ہے، یعنی چھت پڑ چکی ہے تو موجودہ قیمت کے حساب سے اس کا فروخت کرنا درست ہے۔ و أما بيع المشترى العقار قبل القبض فجائز عند ابى حنيفة ؒ و ابى يوسف ؒ استحسانا (بدائع الصنائع ۵/ ۱۸۲)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم نے اس طرح مکان اور دکان کے ڈھانچہ کھڑا ہونے پر ان کے فروخت کرنے کی اجازت دی ہے (کتاب الفتاوی ۵/ ۱۸۲)۔

واضح رہے کہ یہ اس صورت میں ہوگا جبکہ اس طرح کے معاملہ کو عقدِ لازم (ابتداءً وانتہاءً بیع) تسلیم کریں، اگر عقدِ غیر لازم یعنی بیع استصناع (ابتداءً اجارہ وانتہاءً بیع) تسلیم کریں تو فلیٹ اور دکان کا صرف ڈھانچہ کھڑا ہونے پر فروخت کرنا درست نہ ہوگا، کیونکہ ابھی اجارہ ہے، البتہ اگر مکمل رقم ادا کر دی ہے تو اب بیع مکمل ہوئی اور اب اسکا فروخت کرنا درست ہوگا۔

۴— استصناع کا تعلق اموالِ منقولہ وغیر منقولہ دونوں سے ہے، جن چیزوں میں تعامل ناس ہو ان میں استصناع درست ہے، ثم انما جاز الاستصناع فیما للناس فیہ تعامل الخ (ہندیہ ۴/۲۰۷)۔

۵— یہ ضروری نہیں کہ صانع (تمویل کار) مبیع مثلاً گھر کی تعمیر خود کرے بلکہ وہ کسی تیسرے فریق کے ساتھ متوازی استصناع کے معاہدے میں بھی داخل ہوسکتا ہے یا وہ کسی ٹھیکے دار کی خدمات بھی حاصل کرسکتا ہے (جو کلائنٹ کے علاوہ ہو)، دونوں صورتوں میں وہ لاگت کا حساب لگا کر استصناع کی قیمت کا تعین اس انداز سے کرسکتا ہے کہ اس سے اسے لاگت پر معقول منافع حاصل ہوجائے۔

تمویل کار کی یہ ذمے داری ہوگی کہ وہ معاہدے میں طے شدہ بیانات کے بالکل مطابق مکان تعمیر کرے، کسی بھی فرق کی صورت میں ہر ایسا خرچہ جو اسے معاہدے کی شرائط کے مطابق بنانے کے لئے ضروری ہو، تمویل کار کو برداشت کرنا پڑیگا، خلاصہ یہ ہے کہ عقد اول کے حقوق اور ذمہ داریاں دوسرے عقد کے حقوق اور ذمہ داریوں پر موقوف نہ ہوں (مستفاد از اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/۱۵۷)۔

۶— امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر مبیع فریقین کے درمیان عقد کے وقت طے شدہ اوصاف کے مطابق ہے تو خریدار اسے قبول کرنے کا پابند ہوگا اور وہ خیار رویت استعمال نہیں کرسکے گا۔ خلافت عثمانیہ میں فقہاء نے اسی نقطۂ نظر کو ترجیح دی تھی اور حنفی قانون اسی کے مطابق مدون کیا گیا تھا، اس لئے کہ جدید صنعت وتجارت میں یہ بڑی نقصان کی بات ہوگی کہ تیار کنندہ نے اپنے تمام وسائل مطلوبہ چیز کی تیاری میں لگادیئے اور اس کے بعد خریدار کوئی وجہ بتائے بغیر سودا منسوخ کردے اگرچہ فراہم کردہ چیز مطلوبہ اوصاف کے مکمل طور پر مطابق ہو (دیکھئے مجلہ دفعہ نمبر ۳۹۲، ایضاً ۵/۱۵۵)۔

هذا جواب ظاهر الرواية عن أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رضي الله عنهم وروى عن أبي حنيفة ؒ أن لكل واحد منهما الخيار وروى عن ابي يوسف ؒ انه لا خيار لهما جميعاً۔ وجه رواية ابي يوسف ؒ : ان الصانع قد افسد متاعه وقطع جلده وجاء بالعمل على الصفة المشروطة فلو كان للمستصنع الامتناع من اخذه لكان فيه اضرار بالصانع الخ (بدائع الصنائع ۵/۲۱۲)۔

تاہم اگر وہ اس کے لئے تیار نہ ہو اور شرعی وقانونی حدود میں رہتے ہوئے اس پر دباؤ اثر انداز بھی نہ ہو تو ایسا کیا جاسکتا ہے کہ اس کی طرف سے دیئے گئے بیعانہ میں بازار کے عام نرخ کے مطابق اس سامان کی جو مقدار مل سکتی ہو وہ اسے دے دی جائے اور باقی کو کسی اور سے فروخت کی جائے (مستفاد از کتاب الفتاوی ۵/۲۱۲)۔

۷— اگر خام مواد اور میٹیریل خریدار کی طرف سے مہیا کیا گیا ہے اور تیار کنندہ سے صرف اسکی محنت اور مہارت مطلوب ہے تو یہ معاہدہ استصناع نہیں ہوگا، اس صورت میں یہ اجارے کا عقد ہوگا، گویا کہ کسی شخص کی خدمات ایک متعین معاوضہ کے بدلے میں حاصل کی گئیں (مستفاد از اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/۱۵۵)۔

فإن سلم الى حداد حديداً ليعمل له إناءً معلوماً باجر معلوم او جلداً الى خفاف ليعمل له خفاً معلوما باجر معلوم فذلك جائز و لا خيار فيه، لأن هذا ليس باستصناع بل هو استئجار فكان جائزاً فان عمل كما امر استحق الاجر الخ (بدائع الصنائع ۵/۴)۔

اس صورت میں اگر بتائے ہوئے اوصاف کے مطابق چیز نہ پائی گئی تو آجر خام مواد اور مٹیریل مستاجر کو لوٹائیگا اور وہ چیز خود رکھ لے گا۔

وإن فسد فله ان يضمنه حديداً مثله، لانه لما افسده فكانه اخذ حديداً له و اتخذ منه آنية من غير اذنه و الاناء للصانع لان المضمونات تملك بالضمان۔ والله اعلم بالصواب (ایضاً)۔

۸۔فقہائے کرام استصناع پر بحث کے دوران اس سوال پر خاموش نظر آتے ہیں،لیکن انہوں نے اس طرح کی شرط کو اجارے میں جائز قرار دیا ہے،فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کپڑوں کی سلائی کے لئے کسی خیاط کی خدمات حاصل کرتا ہے تو فراہمی کے حساب سے اجرت مختلف ہوسکتی ہے،مستاجر (جو کپڑے سلوانا چاہتا ہے) یہ کہہ سکتا ہے کہ خیاط ایک دن میں یہ کپڑے تیار کردے تو وہ سو روپے اجرت دے گا اور اگر وہ دو دن میں تیار کرتا ہے تو اسی روپے دے گا (ردالمحتار ۵/۳۱۱)۔

اسی طرح استصناع میں قیمت کو فراہمی کے وقت کے ساتھ منسلک کیا جاسکتا ہے،اگر فریقین اس بات پر متفق ہوجائیں کہ فراہمی میں تاخیر کی صورت میں فی یوم متعین مقدار میں قیمت کم ہوجائے گی تو شرعاً یہ جائز ہوگا (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/۱۵۶)۔فقط واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔

دورِ حاضر میں عقد استصناع کی ضرورت وتقاضے

مفتی عمر امین الٰہی ☆

استصناع کی لغوی واصطلاحی تعریف :

الاستصناع باب استفعال کا صیغہ ہے جس کے معنی طلب فعل کے آتے ہیں (انظر : لسان العرب ۸/۲۰۹، مختار الصحاح ص ۳۷۱)۔

فقہاء کرام نے استصناع کی مختلف تعریفیں کی ہیں کچھ حضرات نے لفظی تعریف بھی کی ہے مثلاً: علامہ بدر الدین عینیؒ فرماتے ہیں :

الاستصناع هو أن يطلب من الصانع أن يصنع له شيئاً بثمن معلوم (رمز الحقائق شرح کنز الدقائق ۲/۵۶) (استصناع یہ ہے کہ مستصنع، صانع سے کسی چیز کا بنانا متعین ثمن کے عوض طلب کرے)۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں :

(الاستصناع) هو طلب الفعل منه في شئي خاص على وجه مخصوص (رد المحتار ۵/۲۲۳) (استصناع، صانع سے کسی خاص چیز کو خاص طریقہ پر طلب کرنے کا نام ہے)۔

ان دونوں تعریفوں میں بظاہر بیع یا عقد کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا ہے لیکن علامہ شامی اور اسی طرح دیگر حضرات فقہاء نے یوں تعریف کی ہے :

الاستصناع هو بيع عين موصوفة في الذمة لا بيع عمل (رد المحتار ۵/۲۲۵) (استصناع اس چیز کی بیع کا نام ہے جو ذمہ میں لازم ہو نہ کہ بیع العمل نہیں ہے)۔

دور جدید کے عرب علماء نے بھی استصناع کی بہت ساری تعریفیں کی ہیں مثلاً : علامہ مصطفی زرقاء، دکتور علی قرہ داغی، شیخ علی عماش شمری اور دکتور بکر ابوزید وغیرہم، ہم یہاں صرف ایک جامع تعریف نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں جو تقریباً استصناع کے ہر پہلو کو شامل ہے، دکتور بکر ابوزید فرماتے ہیں :

عقد على مبيع في الذمة شرط فيه العمل على وجه مخصوص بثمن مخصوص (استصناع ایسا عقد ہے جو اس مبیع پر کیا جاتا ہے جو ذمے میں لازم ہوتی ہے، اس میں مخصوص طریقے اور مخصوص ثمن کے ساتھ کام کرنا شرط ہوتا ہے)۔

اس تعریف سے چند اہم باتیں معلوم ہوئیں :

(۱) استصناع عقد ہوتا ہے نہ کہ وعدہ بیع (۲) استصناع کسی مبیع پر ہوتا ہے، لہٰذا اجارہ اس سے خارج ہوا، کیوں کہ وہ عقد علی

☆ دارالعلوم الہیہ شاہ فیصل کالونی صورہ سری نگر کشمیر۔

المنافع ہوتا ہے۔(۳) عقد استصناع ذمہ میں لازم ہوتا ہے مبیع حاضر ہو یا نہ ہو(۴) عقد استصناع مخصوص طریقے پر یعنی اپنے ارکان وشرائط کے ساتھ انجام پاتا ہے۔(۵) عقد استصناع میں ثمن بھی متعین ہوتا ہے اس کی مقدار اور نوعیت بھی معلوم ہوتی ہے اور مجلس عقد میں اس ثمن پر قبضہ بھی شرط ہے۔

یہ تمام تعریفیں تقریباً علماء احناف ہی کی ذکر کردہ ہیں، کیوں کہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ استصناع کو باضابطہ عقد کے بجائے بیع سلم کی ایک شکل قرار دیتے ہیں (انظر المقدمات لابن رشد ص۵۱۹، ۵۲۰، المدونۃ الکبریٰ ۳/ ۶۹، الام للامام الشافعی ۳/ ۱۳۳)۔

استصناع بیع ہے یا وعدہ بیع ؟

یہ ایک اہم مسئلہ ہے کہ استصناع بیع ہے یا وعدہ بیع ہے: کیوں کہ اس کی وجہ سے بہت سارے احکام میں اہم فرق واقع ہوگا مثلاً اگر استصناع کو بیع مانا جائے تو یہ بالاتفاق فریقین پر لازم ہوگی۔ متعاقدین میں سے کسی کو بھی فریق ثانی کی اجازت کے بغیر فسخ کا حق نہیں ہوگا اور اگر اس کو وعدہ بیع مان لیا جائے تو دیانۃً یہ معاملہ لازم تو ہوگا لیکن قضاءً لازم نہ ہوگا۔

استصناع بیع ہے یا وعدہ بیع ہے اس بارے میں خود علماء احناف کے ہاں اختلاف ہے۔

پہلا قول : حاکم شہیدؒ محمد بن مسلمہؒ، ابوالقاسم الصفارؒ اور علامہ سمرقندیؒ وغیرہم فرماتے ہیں کہ استصناع وعدہ بیع ہے۔

دوسرا قول : جمہور علماء احناف کی رائے یہ ہے کہ استصناع بیع ہے اور مجمع الفقہ الاسلامی نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

پہلے قول کی دلیل :

پہلے قول کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ اگر استصناع کو عقد مان لیا جائے تو یہ عقد معدوم چیز پر ہوگا اور بیع معدوم میں داخل ہوگا اور بیع معدوم سے منع کیا گیا ہے، چنانچہ حضرت حکیم بن حزامؓ کی روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں :

قلت : یارسول اللہ! یأتینی الرجل یسألنی من البیع مالیس عندی فأبیعہ منہ ثم أبتاعہ من السوق فقال ﷺ : لا تبع ما لیس عندک (اخرجہ الترمذی برقم ۱۲۳۲ وابوداؤد برقم ۳۵۰۳ والنسائی ۷/ ۲۸۹ واسنادہ صحیح زاد المعاد بتحقیق الارناؤط ۵/ ۸۰۷) (میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے پاس ایک شخص آتا ہے اور مجھ سے وہ ایسی چیز کی بیع چاہتا ہے جو میرے پاس نہیں ہے، میں بیع کرلیتا ہوں اور اس کے بعد وہ چیز بازار سے خرید لیتا ہوں۔ حضور پاک ﷺ نے فرمایا: اس چیز کی بیع نہ کرو جو تمہارے پاس نہیں ہے)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیع معدوم شریعت میں ممنوع ہے، چنانچہ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں :

و بیع المعدوم باطل بالاجماع (المجموع شرح المہذب ۹/ ۲۸۰) یعنی معدوم چیز کی بیع اجماعاً باطل ہے۔

ان حضرات کی دلیل کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ فقہاء کی عبارات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیع معدوم اس لیے ممنوع ہے کہ اس میں غرر یعنی دھوکہ ہوتا ہے اور غرر مفضی الی النزاع ہوتا ہے، اور یہاں ایسا معاملہ نہیں، نیز یہ بھی واضح رہے کہ ان دونوں حدیثوں میں بیع معدوم سے مطلقاً ممانعت نہیں ہے چناں چہ علامہ ابن قیمؒ ان دونوں حدیثوں پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

فاتفق لفظ الحدیثین علی نہیہ ﷺ عن بیع ما لیس عندہ، فھذا ھو المحفوظ من لفظہ ﷺ و ھو یتضمن نوعا من الغرر فانہ اذا باعہ شیئا معینا و لیس فی ملکہ ثم مضی لیشتریہ او یسلمہ لہ کان مترددا بین الحصول و عدمہ فکان غررا یشبہ

القمار فنهی عنه۔

وقد ظن بعض الناس انه انما نهی عنه لکونه معدوما فقال : لا یصح بیع المعدوم وروی فی ذلک حدیثا انه ﷺ نهی عن بیع المعدوم وهذا الحدیث لا یعرف فی شیئ من کتب الحدیث ولا له اصل، والظاهر انه مروی بالمعنی من هذا الحدیث وغلط من ظن ان معناهما واحد وان هذا المنهی عنه فی حدیث حکیم ؓ وابن عمرو ؓ لا یلزم ان یکون معدوما وان کان فهو معدوم خاص فهو کبیع حبل الحبلة وهو معدوم یتضمن غررا وترددا فی حصوله (زاد المعاد ۸۰۸)۔

(یہ دونوں حدیثیں اس پر متفق ہیں کہ جو چیز اپنے پاس نہ ہو اس کی بیع سے منع کیا گیا ہے، یہ بیع ایک طرح کا دھوکہ ہے، کیوں کہ جب اس نے کوئی متعین چیز بیچ دی اور وہ اس کی ملکیت میں نہیں ہے پھر وہ اس چیز کو خریدنے چلا یا وہ چیز سونپی ہوتو وہ حصول اور عدم حصول کے درمیان متردد ہوگا تو یہ دھوکہ ہوگا جو کہ جوئے کے مشابہ ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے۔

بعض لوگوں کا گمان ہے کہ اس وجہ سے روکا گیا ہے کہ یہ بیع معدوم ہے، لہٰذا معدوم کی بیع صحیح نہیں ہے اور اس بارے میں ایک حدیث بھی روایت کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے معدوم کی بیع سے منع فرمایا ہے لیکن یہ روایت حدیث کی کتابوں میں نہیں ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی روایت بالمعنیٰ ہے اور جو لوگ ان دونوں کے ایک ہی معنی مراد لیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں، حضرت حکیمؓ اور حضرت ابن عمروؓ کی حدیث سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ چیز معدوم ہے اور اگر ایسا ہی ہوتو یہ معدوم خاص ہے تو یہ حبل الحبلہ کی بیع کی طرح ہے کہ وہ معدوم ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے حصول میں دھوکہ اور تردد بھی شامل ہے)۔

عقد استصناع ان دونوں معنی میں نہیں آتا پہلے میں اس لیے نہیں کہ استصناع کسی متعین عین پر نہیں ہوتا بلکہ وہ ایسی چیز پر ہوتا ہے جو ذمہ میں واجب ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر صانع وہی چیز کسی دوسری کمپنی سے لا کردے تو مستصنع اسے خوشی سے قبول کرلیتا ہے۔

اور دوسرے معنی میں اس لیے نہیں کہ شئی مصنوع کی سپردگی کے لیے صانع پریشان نہیں ہوتا ہے، یعنی اسے اس کی سپردگی ناممکن نہیں ہوتی، کیوں کہ استصناع کے شروط میں سے یہ بھی ہے کہ مصنوع کا Material (مادہ) اور وقت سپردگی اور دیگر تمام اشیاء پہلے ہی متعین ہوں، لہٰذا ایسی صورت میں استصناع بیع معدوم کی ممانعت میں داخل نہیں ہوگا، کیوں کہ معدوم کی کچھ قسمیں ایسی بھی ہیں جو اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، چنانچہ علامہ ابن قیمؒ نے معدوم کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) وہ معدوم جو ذمہ میں موصوف ہو اس کی بیع بالاتفاق درست ہے۔

(۲) وہ معدوم جو تبعاً موجود ہو اس کی دو قسمیں ہیں متفق علیہ اور مختلف فیہ۔

متفق علیہ: جیسے پھلوں کی بیع ہے جبکہ بور ظاہر ہوگیا ہو خواہ کسی ایک ہی پھل کا کیوں نہ ہو اس بیع کے جواز پر سب کا اتفاق ہے، حالاں کہ معاہدے کے وقت بقیہ اجزائے ثمار معدوم ہوتے ہیں، مگر موجود کے ذیل میں اسے شمار کرلیا جاتا ہے اور پھر بیع جائز ہوتی ہے، کیوں کہ معدوم موجود سے متصل ہوتا ہے، اس کی مثال اس منافع کی سی ہے جو از روئے معاہدہ اجارہ سے حاصل ہوتا ہے، لیکن وہ معدوم ہونے کے باوجود مورد عقد بن جاتا ہے۔

(۳) مختلف فیہ قسم جیسے بیع المقاثی اور بیع المطابخ اذا طابت اس بیع کے بارے میں دو قول ہیں ۔ ایک یہ کہ اس کی بیع جائز ہے اور

اسے مشتری تھوڑا تھوڑا کر کے لے گا جیسے کہ اس کی عادت ہے اور یہ ان پھلوں کی بیع کے مشابہ ہے جن کے بور ظاہر ہو چکے ہوں اور یہی صحیح ترین قول ہے اور تقریباً اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

تو معلوم ہوا کہ ہر معدوم اس نہی میں داخل نہیں، کیوں کہ معدوم کی کچھ اقسام تبعاً موجود وموصوف ہوتی ہیں اور ان کی بیع بالاتفاق درست ہے، لہٰذا اس حرمت کا عقد استصناع پر اطلاق صحیح نہیں۔

علامہ کاسانی عقد استصناع کو بیع معدوم کی حرمت سے خارج قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

آما جوازه فالقياس أن لا يجوز, لأنه بيع ما ليس عند الانسان لا على وجه السلم وقد نهى رسول الله ﷺ عن بيع ما ليس عند الانسان ورخص في السلم...... وقد خرج الجواب عن قوله انه معدوم لأنه ألحق بالموجود لمساس الحاجة اليه كالمسلم فيه فلم يكن بيع ما ليس عند الانسان على الاطلاق (بدائع الصنائع ۵ ۲)۔

(اور بہر حال اس کا جواز تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ معاملہ جائز نہ ہو، اس لیے کہ یہ ایک ایسی چیز کی بیع ہے جو انسان (بائع) کے پاس نہیں اور یہ سلم بھی نہیں کہ اس میں رخصت دی گئی ہے...... اس تفصیل سے مخالفین کے اس شبہ کا جواب بھی آ گیا کہ وہ تو ایک معدوم شئی کی بیع ہے، وہ یوں کہ لوگوں کی ضرورت کی بناء پر وہ شئی بمنزلہ موجود ہو گئی ہے جیسے کہ بیع سلم میں مسلم فیہ کا یہی حکم ہے تو یہ علی الاطلاق بیع معدوم نہیں ہے)۔

تو معلوم ہوا کہ عقد استصناع ممنوع بیع معدوم میں داخل ہی نہیں، لہٰذا اس پر بیع معدوم کی حرمت والی دلائل لانا صحیح نہیں۔

جمہور کے دلائل:

جمہور احناف کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) استصناع میں قیاس اور استحسان جاری ہے اگر یہ وعدہ بیع ہوتا تو اس کی چنداں ضرورت نہ تھی۔

(۲) استصناع میں خیار رویت ہوتا ہے اور وعدہ بیع میں خیار رویت نہیں ہوتا۔

(۳) استصناع ان چیزوں میں جائز ہوتا ہے جن میں لوگوں کا تعامل جاری ہو۔

(۴) صانع جب قیمت پر قبضہ کر لیتا ہے تو وہ اس کا مالک بن جاتا ہے، اگر وعدہ ہوتا تو وہ اس کا مالک نہیں بن سکتا۔

(۵) استصناع میں ثمن اور مال کا فریق ثانی سے تقاضا بھی کیا جاتا ہے، حالاں کہ وعدہ بیع میں ایسا نہیں ہوتا۔

(۶) استصناع اگر وعدہ بیع ہوتا تو جواز وعدم جواز کی بحث کی اس میں ضرورت ہی نہیں پڑتی کیوں کہ اس کی ضرورت عقود میں پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام محمد بن الحسن شیبانیؒ، علامہ سرخسیؒ، علامہ کاسانیؒ، علامہ مرغینانیؒ اور علامہ ابن عابدین شامیؒ وغیرہم نے استصناع کو بیع قرار دیا ہے (تفصیل کے لیے دیکھیں بدائع الصنائع ۵ ۲)۔

عقد استصناع بیع ہے یا اجارہ؟

جمہور علماء احناف فرماتے ہیں کہ عقد استصناع بیع کی ایک خاص قسم ہے۔ جس طرح سلم بیع کی ایک مخصوص قسم ہے چنانچہ امام محمد بن الحسن شیبانیؒ فرماتے ہیں:

الاستصناع جائز باجماع المسلمين وهو بيع عند عامة المشائخ (الجامع الصغیر ۳۲۵) (استصناع مسلمانوں کے اجماع کے سبب جائز ہے اور یہ عام مشائخ کے ہاں بیع (کی ایک قسم) ہے)۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں : هو بيع لكن للمشتري فيه خيار وهو الصحيح (بدائع الصنائع ۵ : ۲) (استصناع بیع (کی ایک قسم) ہے لیکن اس میں مشتری کو خیار حاصل ہوتا ہے اور یہی صحیح بھی ہے)۔

علامہ مرغینانیؒ فرماتے ہیں : بيعا لاعدة (ہدایہ ۳ : ۸۴) (استصناع بیع ہے وعدہ نہیں)۔

علامہ عبدالحیٔ لکھنویؒ فرماتے ہیں : والصحيح عند الجمهور أنه بيع (حاشیۃ الہدایہ ۳ : ۸۴) (جمہور علماء کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ استصناع بیع ہے)۔

معلوم ہوا کہ عقد استصناع بیع ہی کی ایک قسم ہے، تاہم بعض علماء نے اسے عقد اجارہ قرار دیا ہے، لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ بیع ہی ہے، البتہ اس میں بیع سلم کی طرح کچھ خاص شرطیں ہیں۔

عقد استصناع کا حکم :

جمہور مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تو عقد استصناع بیع سلم ہی کی ایک شکل ہے، تو لازماً عقد استصناع کی بھی وہی شرائط اور حکم ہوگا جو بیع سلم کا ہے، لہٰذا اگر اس عقد میں بیع سلم کے علاوہ کوئی الگ صورت ہو تو ان حضرات کے نزدیک عقد استصناع درست نہیں ہوگا۔

اور احناف چوں کہ عقد استصناع کو مستقل عقد مانتے ہیں، لہٰذا ان حضرات کے نزدیک یہ عقد جائز ہے۔

عقد استصناع کی شرائط :

عقد استصناع چوں کہ راجح قول کے مطابق بیع ہی کی ایک قسم ہے، لہٰذا اس کا رکن بھی ایجاب وقبول ہے، لیکن اس میں دیگر بیوع سے کچھ زائد شروط بیان کی گئی ہیں، مثلاً :

۱۔ جس چیز پر استصناع ہو رہا ہے وہ معلوم ہو، یعنی اس کی اور اس کی صفات کی مکمل تحدید واضح کی گئی ہو تا کہ سپردگی کے وقت مخاصمت اور منازعت کا اندیشہ نہ ہو۔

۲۔ عقد استصناع اس چیز پر ہو جس کی صناعت ہو سکتی ہو، لہٰذا اگر ان چیزوں میں استصناع کیا جائے جو زمین سے اگتی ہیں تو اس میں عقد استصناع درست نہیں ہوگا۔

۳۔ جس چیز پر عقد استصناع ہو رہا ہے وہ ان چیزوں میں سے ہو جن پر لوگوں کا تعامل ہے، کیوں کہ استصناع کو استحساناً جائز قرار دیا گیا ہے، لہٰذا جن چیزوں پر لوگوں کا تعامل نہیں ان میں عقد استصناع جائز نہیں ہوگا۔

نوٹ : علماء نے اگرچہ استصناع کے شرط جواز میں یہ بھی فرمایا ہے کہ فلاں فلاں چیز ہی میں استصناع جائز ہوگا مثلاً پیتل، لوہے اور چاندی کے برتن اور خفوں اور جوتوں، تلواروں اور دیگر آلات جہاد وغیرہ میں لیکن اصل بات یہ ہے کہ علماء نے اپنے وقت میں ان اشیاء میں استصناع کو اس لیے جائز قرار دیا کہ اس وقت لوگوں کا انہی اشیاء میں تعامل تھا، مثلاً ان کے وقت میں کپڑے میں استصناع درست نہیں تھا کیوں کہ لوگوں میں اس کا تعامل نہ تھا، لیکن آج کے زمانے میں اس کا تعامل ہے، لہٰذا تعامل الناس کی علت کی بناء پر آج کے زمانے میں

کپڑے وغیرہ اشیاء پر بھی استصناع درست ہوگا، چنانچہ علامہ کاسانی فرماتے ہیں :

ومنها أن يكون مما يجري فيه التعامل بين الناس من أواني الحديد والرصاص والنحاس والزجاج والخفاف والنعال ولجم الحديد للدواب ونصول السيوف والساكين والقسي والنبل والسلاح كله والطشت والقمقمة ونحو ذلك، ولا يجوز في الثياب، لأن القياس يأبى جوازه، وإنما جوازه استحسانا لتعامل الناس ولا تعامل في الثياب (بدائع الصنائع ۵/ ۳)۔

آج کے زمانے میں چوں کہ کپڑے وغیرہ اشیاء میں بھی استصناع کا تعامل ہے لہٰذا ان اشیاء میں بھی استصناع درست ہوگا۔

۴۔ شئی مصنوع کا مواد صانع کی طرف سے ہو کیوں کہ اگر وہ مستصنع کی طرف سے ہوگا تو یہ عقد اجارہ ہوگا نہ کہ عقد استصناع۔

۵۔ ثمن ہر لحاظ سے متعین ہو یعنی اس کی جنس اور مقدار دونوں متعین ہوں۔

۶۔ کوئی مدت متعین نہ ہو۔ یہ شرط مختلف فیہ ہے۔

استصناع میں مدت کی تحدید :

عقد استصناع میں اگر مدت کی تحدید نہ ہو تو یہ عقد بالاتفاق درست ہے۔

اگر عقد استصناع میں مدت کی تحدید ایک ماہ سے کم ہو تو وہ بھی بالاتفاق جائز ہے کہ یہ مدت استعجال (جلدی چاہنے) کے لیے ہے اور اگر عقد استصناع میں مدت کی تحدید ایک ماہ یا اس سے زیادہ ہو تو اس میں ائمہ احناف کے درمیان اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر ایک ماہ یا اس سے زائد کی تحدید ہو تو یہ عقد استصناع نہیں بلکہ عقد سلم ہو جائے گا۔

اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عقد استصناع میں مدت کی عدم تحدید کوئی شرط نہیں لہٰذا اگر مدت کی تحدید کر دی تو اس سے کوئی حرج نہیں ہوگا۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ عقد استصناع میں مدت کی تعیین کا لوگوں میں تعامل ہے اور عقد استصناع کو تعامل الناس ہی کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے، لہٰذا اس میں مدت کی تحدید بھی تعامل کی وجہ سے جائز ہے۔

عقد استصناع میں مدت کی تحدید سے کام کی جلدی مقصود ہوتی ہے نہ کہ مستصنع سے تاخیر کا مطالبہ جیسا کہ تاخیر سے مطالبہ سلم میں مقصود ہوتا ہے۔

انٹرنیشنل اسلامک فقہ اکیڈمی نے اسی کو ترجیح دی ہے، بلکہ انہوں نے مخاصمت اور منازعت سے بچنے کے لیے مدت کی تحدید کو عقد استصناع کی شرط قرار دیا ہے۔

اب اختصار کے ساتھ سوالات کے جوابات پیش خدمت ہیں :

۱۔ چوں کہ متقدمین فقہاء کرام نے عقد استصناع کی مشروعیت تعامل الناس کی بنیاد پر رکھی ہے، لہٰذا جن اشیاء میں لوگوں کا استصناع معروف ہو، ان اشیاء میں عقد استصناع جائز ہوگا، بشرطیکہ اصول شریعت سے متصادم نہ ہو۔

۲۔ استصناع راجح قول کے مطابق خود بیع ہے۔

۳۔ ہم نے پچھلے صفحات میں واضح کیا تھا کہ استصناع بیع معدوم کی ممانعت میں نہیں آتا، لہٰذا جب متقدمین نے عقد

استصناع کے لوازمات پورے کر لیے تو عقد متعین اور ثابت ہو گیا، اب مسئلہ یہ ہے کہ وہ قبل القبض اسے بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟ تو اس کے لیے عرض ہے کہ فقہاء کرام کی تصریح کے مطابق بیع قبل القبض کی ممانعت کی اصل علت ''غرر انفساخ'' ہے اور وہ یہاں اب بھی موجود ہے، لہٰذا مستصنع جب تک مصنوع پر قبضہ نہیں کر لیتا وہ اسے آگے نہیں بیچ سکتا الا یہ کہ کوئی ایسی صورت ہو جو قبضہ کے قائم مقام ہو۔ یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ یہ اموال منقولہ کے بارے میں ہے اور اموال غیر منقولہ میں بیع قبل القبض بھی جائز ہے، لہٰذا فلیٹس وغیرہ کی خرید و فروخت اس طرح سے جائز ہے۔

۴۔ چوں کہ عقد استصناع کا اصل مدار تعامل الناس پر ہے اور آج کل اموال غیر منقولہ میں بھی استصناع جاری ہے، لہٰذا عقد استصناع اموال غیر منقولہ میں بھی درست ہوگا۔

۵۔ چوں کہ ہم نے پیچھے واضح کیا تھا کہ عقد استصناع عقد لازم ہے اور یہاں پر دو عقد ہوتے ہیں: ایک مستصنع اور کمپنی کے درمیان اور دوسرا صانع اور کمپنی کے درمیان، لہٰذا استصناع موازی کی یہ صورت بھی درست ہوگی، لیکن اس میں اگر کچھ شروط کا اضافہ کیا جائے تو اس کے جواز میں کسی قسم کا شبہ نہیں رہے گا۔ (۱) دونوں عقد جدا جدا ہوں، یعنی کمپنی اور مستصنع کے درمیان جو عقد ہو وہ صانع اور کمپنی کے درمیان ہونے والے عقد سے جدا ہو (۲) اور پھر مصنوع کی تکمیل کے بعد کمپنی اس چیز پر مستصنع کو دینے سے پہلے قبضہ کر لے تاکہ قبضہ بھی ہو جائے اور زائد رقم شبہ ربا سے بھی نکل جائے۔

۶۔ بیعانہ اور اسی طرح مستصنع پر تاوان کے طور پر کچھ رقم متعین کر دینا اگرچہ اصول شرع کے عموم کی بناء پر ناجائز ہے، لیکن امام احمدؒ اور امام محمد بن سیرینؒ کے نزدیک چوں کہ بیعانہ جائز ہے، اس لیے یہاں ان کے مسلک سے فائدہ اٹھا کر اس کے جواز کا فتوی دیا جا سکتا ہے، نیز انٹرنیشنل اسلامک فقہ اکیڈمی نے بھی اس کے جواز کا فتوی دیا ہے اور احناف کے یہاں خیار نقد کے معروف مسئلہ سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے جیسا کہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم نے اس کی رائے دی ہے۔ نیز عقد استصناع میں اس کی ضرورت اس بناء پر بھی ہے کہ صانع نے جو چیز تیار کی ہے، اگر مستصنع اس سے مکر رہا ہے تو صانع کے لیے اس کا بیچنا بہت ہی مشکل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

عقد استصناع کے مسائل

مولانا محمد الیاس قاسمی ☆

اسلام نے عبادات مثلاً نماز، زکوۃ، روزہ، حج وغیرہ کے ساتھ انسانی معاش ومعاشرت سے متعلق بھی ہدایات دی ہیں جن پر عمل کرنے سے اخروی ثواب تو ملے گا ہی دنیاوی زندگی میں بھی خوشحالی آتی ہے اور صالح معاشرہ تیار ہوتا ہے۔ عقد استصناع بھی ایک اہم مالی معاملہ ہے جس کی بنیاد تو عرف پر ہے، لیکن بعض نصوص میں اس کا تذکرہ موجود ہے، چنانچہ امام بخاری نے ایک حدیث روایت کی ہے۔

حضرت ابو حازم سے روایت ہے کہتے ہیں کہ کچھ لوگ سہل بن سعدؓ کے پاس منبر کے متعلق دریافت کرنے کے لئے آئے تو فرمایا: اللہ کے رسول ﷺ نے فلاں عورت —سہل نے اس عورت کا نام لیا تھا— کے پاس پیغام بھیجا کہ اپنے بڑھئی غلام کو حکم دو کہ وہ میرے لئے لکڑیوں کا ایک منبر تیار کردے تاکہ میں لوگوں سے خطاب کے وقت اس پر بیٹھا کروں، چنانچہ اس عورت نے اسے حکم دیا کہ وہ مقام غابہ کے جھاؤ کے درخت کی لکڑی سے منبر تیار کردے پھر وہ غلام اسے بنا کر لے آیا تو اس نے اسے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا، آپ ﷺ اسے نصب کرنے کا حکم دیا، پھر آپ ﷺ اس پر تشریف فرما ہوئے (صحیح بخاری رقم الحدیث ۲۰۹۴، کتاب البیوع باب النجار)۔

۱—عقد استصناع کی بنیاد عرف پر ہے، لہذا عرف میں جن اشیاء کو عقد استصناع کے ذریعے تیار کرنے کا رواج ہوگا ان اشیاء میں عقد استصناع جاری ہوسکتا ہے، اور عرف میں عقد استصناع کے ذریعہ جن اشیاء کو تیار کرنے کا رواج نہ ہوگا، ان اشیاء میں عقد استصناع جاری نہ ہوگا۔

۲—عقد استصناع خود بیع ہے یا وعدہ بیع ہے، اس سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، حاکم شہید اسے وعدہ بیع مانتے ہیں اور خریدار کے لئے اسے لازم قرار نہیں دیتے، بلکہ دونوں میں سے ہر ایک کو اسے ختم کرنے کا اختیار ہوگا۔

”واختلفوا في جوازه هل هو بيع أو عدة والصحيح أنه بيع لا عدة وهو مذهب عامة مشائخنا، وكان الحاكم الشهيد يقول: هو مواعدة ينعقد العقد بالتعاطي إذا جاء به مفروغاً، ولهذا يثبت لكل واحد منهما الخيار“ (منابع فتح القدیر ۷/ ۱۸ مطبوعہ زکریا)۔

لیکن اکثر فقہاء کا خیال ہے کہ استصناع خود بیع ہے فقہاء تحریر فرماتے ہیں: ”صح الاستصناع بيعاً لا عدة على الصحيح“ (الدر المختار علی رد المحتار ۷/ ۴۷۶-۴۷۵) (صحیح قول کے مطابق استصناع بیع کے طور پر درست ہے نہ کہ وعدہ کے طور پر)۔

۳—جب تک کوئی چیز وجود میں نہ آجائے اس کو بیچنا جائز نہیں، البتہ عقد استصناع اس سے مستثنیٰ ہے، فقہاء نے عرف کا اعتبار

☆ مدرسہ بیت العلوم پونہ۔

کرتے ہوئے خلاف قیاس استحساناً اس کو جائز قرار دیا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا ہے جو انسان کے پاس موجود نہ ہو۔

"عن حکیم بن حزام قال قلت: یارسول اللہ الرجل یسألنی البیع ولیس عندی أفأبیعه؟ قال: لاتبع مالیس عندک"

(سنن ابن ماجہ حدیث نمبر: ۲۱۸۷، باب النہی عن بیع مالیس عندک)۔

(حضرت حکیم بن حزامؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ کوئی شخص مجھ سے کسی چیز کی بیع کرنا چاہتا ہے حالانکہ وہ میرے پاس موجود نہیں ہے تو کیا میں اسے بیچوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو چیز تمہارے پاس موجود نہ ہو اس کو نہ بیچو)۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں: "منھا أن یکون موجوداً فلا ینعقد بیع المعدوم" (بدائع الصنائع ۴/ ۳۲۶)۔

(بیع کی صحت کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ مبیع موجود ہو، لہذا معدوم شیئ کی بیع منعقد نہ ہوگی)۔

لہذا عقد استصناع میں کسی چیز کے تیار ہونے سے پہلے مستصنع (آرڈر دے کر چیز تیار کرانے والے) کے لئے دوسرے شخص سے فروخت کرنا جائز نہیں، اسی طرح مشتری ثانی کے لئے تیسرے شخص سے فروخت کرنا بھی جائز نہیں، لہذا فلیٹ کی بکنگ کرنے والا اس کی تیاری سے پہلے دوسرے شخص کو نہیں فروخت کرسکتا، البتہ اگر فلیٹ ابھی مکمل طور سے تو تعمیر نہ ہوا، لیکن فلیٹ کی سطح خواہ زمین ہو یا کوئی چھت وہ وجود میں آجائے تو اسے دوسرے شخص سے فروخت کرنا جائز ہوگا، چنانچہ تعمیر سے پہلے فلیٹس کی فروخت کے سلسلہ میں ایک استفتاء کا جواب دیتے ہوئے حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت فیوضہم رقمطراز ہیں:

"اگر ابھی بلڈنگ تعمیر ہی نہیں ہوئی ہے تو خریدنے والے شخص سے اس کا بیچنا جائز نہیں، کیونکہ جو چیز بیچی جائے اس کا فی الجملہ موجود ہونا ضروری ہے، البتہ اگر اس کی چھت پڑ چکی ہو اور اس کے خریدے ہوئے فلیٹس کی جو سطح ہوگی خواہ زمین ہو یا کوئی چھت وہ موجود ہو، دیواریں اور مکان سے متعلق دوسری ضروریات موجود نہ ہوں تو بحالت موجودہ اس کی جو قیمت مقرر ہو اس کے لحاظ سے فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ اس حد تک مکان وجود میں آچکا ہے" (کتاب الفتاوی ۵/ ۲۷۴)۔

۴- عقد استصناع کی بنیاد عرف ورواج پر ہے، چونکہ ہمارے عرف میں منقولہ اور غیر منقولہ دونوں اموال میں عقد استصناع کا رواج ہے، لہذا اموال منقولہ اور غیر منقولہ دونوں میں استصناع درست ہے۔

"منھا أن یکون ما للناس فیه تعامل کالقلنسوۃ والخف والآنیة ونحوھا فلا یجوز فیما لا تعامل لھم فیه کما إذا أمر حائکا أن یحوک له ثوبا بغزل من عند نفسه مما لم تجر عادات الناس بالتعامل فیه, لأن جوازہ مع أن القیاس یأباہ ثبت بتعامل الناس فیختص بما لھم فیه تعامل" (بدائع الصنائع ۴/ ۴۴۴)۔

(عقد استصناع کے جائز ہونے کی شرطوں میں سے یہ بھی ہے کہ یہ ان تمام چیزوں میں جائز ہے جس میں لوگوں کا آپس میں معاملہ کرنے کا رواج ہے جیسے ٹوپی، موزہ، برتن وغیرہ، رہی وہ چیزیں جس میں لوگوں کا آپس میں معاملہ کرنے کا رواج نہ ہو تو اس میں استصناع درست نہ ہوگا، مثلاً کسی بنکر کو اس بات کا آرڈر دے کہ وہ اپنے سوت سے اس کے لئے کپڑا تیار کردے اور اس طرح کے معاملات جس میں لوگوں کا آپس میں معاملہ کرنے کا رواج نہ ہو، اس لئے کہ خلاف قیاس اس کا جواز لوگوں کے آپس کے معاملہ کرنے کی بنا پر ہے، پس یہ ان ہی

اشیاء کے ساتھ مخصوص ہوگا جس میں لوگوں کا آپس میں معاملہ کرنے کا رواج ہو)۔

عقد استصناع اموال غیر منقولہ جیسے بلڈنگ وغیرہ سے بھی متعلق ہے، چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب "الکافی فی فقہ الحنفی" میں ہے:

شرعاً استصناع یہ ہے کہ کوئی موچی یا تانبے کے برتن بنانے والے سے کہے: میرے لئے اتنا لمبا اور اتنی وسعت کا (جوتا یا برتن) تیار کردے، یعنی ان چیزوں کا آرڈر دے جن کا رواج ہو...... آج کل لوگوں میں خرید و فروخت میں عقد استصناع کا رواج ہو گیا ہے، ٹھیکیدار (بلڈر) تعمیری منصوبہ پیش کرتا ہے، ایک عمارت ہوتی ہے جس میں ہر فلیٹ اور اس کے کمروں کے رقبہ کی وضاحت ہوتی ہے، اسی طرح ہر کمرے کی لمبائی و چوڑائی، مختلف تعمیری میٹریلس کی نوعیت اور ٹائل رنگ و روغن کی وضاحت ہوتی ہے، اس کی تیاری میں اتنا وقت درکار ہوگا اور اتنی اور اتنی تاریخ کو اس پر قبضہ دے گا، اسی طرح فلیٹ کی قیمت کی وضاحت ہوتی ہے اور یہ کہ اس کی قیمت عمارت کی تعمیر تک اتنی اتنی قسطوں میں وصول کی جائے گی تو کیا اس کو استصناع سمجھا جائے گا؟ جبکہ اس میں وہ ساری باتیں ختم ہوگئی ہیں، جس سے باہم نزاع و جھگڑا پیدا ہوتا ہے، اور لوگوں کو بھی اس کی سخت حاجت ہے، لہذا میری رائے یہ ہے کہ جب اس معاملہ میں تنازع و اختلاف باقی نہ رہا، تو لوگوں کے عرف و رواج کی بناء پر اس معاملہ میں کوئی حرج نہیں (الکافی فی فقہ الحنفی ۳/ ۱۱۴۴، کتاب البیوع، الاستصناع بحوالہ المسائل المہمۃ فیما ابتلت بہ العامۃ ۴/ ۱۵۲)۔

۵ — استصناع متوازی یا موازی شرعاً جائز ہے، البتہ اس میں لازمی شرط یہ ہے کہ بینک پہلے جس شخص سے آرڈر حاصل کرتا ہے اس سے علاحدہ معاملہ کرے، اس معاملہ میں آرڈر دینے والے کی حیثیت مستصنع اور بینک کی حیثیت صانع کی ہوتی ہے، اس معاملہ کے مکمل ہوجانے کے بعد بینک دوسرے شخص کو آرڈر دے، اس معاملہ میں بینک مستصنع (آرڈر دینے والا) اور دوسرا شخص صانع کی حیثیت سے ہوگا۔ الغرض دونوں معاملات علاحدہ علاحدہ ہونے چاہئیں، بینک پہلے شخص کا صانع ہے اس شخص کے آرڈر کی تکمیل کی پوری ذمہ داری بینک پر ہوگی اور اس سلسلہ میں کسی بھی کمی و کوتاہی کا بینک اس شخص کو جوابدہ ہوگا جبکہ دوسرا شخص بینک کا صانع ہے، اس لئے بینک کے آرڈر کی تکمیل کی پوری ذمہ داری دوسرے شخص پر عائد ہوگی۔ آرڈر کی تکمیل سے متعلق کسی بھی کمی یا کوتاہی پر دوسرا شخص بینک کو جوابدہ ہوگا اور اس کی ساری ذمہ داری دوسرے شخص پر ہوگی، اس معاملہ میں ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ دونوں اشخاص آپس میں خود صانع و مستصنع کی حیثیت سے آئیں اور بینک محض صانع کو سرمایہ فراہم کرنے کی خاطر بیچ میں داخل ہوجائے اور اس طرح اپنا نفع حاصل کرلے، اس صورت میں یہ معاملہ ناجائز ہوجائے گا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ایک بیع کے اندر دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيعتين في بيعة" (رواہ احمد والنسائی والترمذی وصححہ)۔

"قوله (نهى عن بيعتين في بيعة) أقول: اختلفوا في تفسيره فقال سماك: هو الرجل يبيع البيع فيقول: هو بنساء بكذا و بنقد بكذا و نقل ابن الرفعة عن القاضي أن المسألة مفروضة أنه قبل على الإبهام أما لو قال: قبلت بألف نقدا و بألفين بالنسيئة صح ذلك ووجه الفساد في الأول جهالة الثمن، وقد فسر الشافعي بذلك بتفسير آخر هو أن يقول: بعتك هذا العبد بألف على أن تبيعني دارك بكذا أي إذا وجب لك عندي وجب لي عندك، ووجه الفساد في هذا الصورة هو تعليق البيع على الخطر" (اعلاء السنن ۱۴/ ۱۸۰—۱۸۱)۔

فقیہ العصر اور ماہر اسلامی معاشیات حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی کے پاس سعودی عرب سے ایک استفتاء آیا تھا جس میں

حرم کی تعمیر وتکمیل کے لئے سعودی بن لادن کمپنی اور محمد بن لادن کمپنی کے درمیان استصناع کا معاہدہ ہوا تھا، اس میں خلیج کمپنی مالیاتی ادارے کی حیثیت سے درمیانی فریق کے طور پر داخل ہونا چاہتی تھی اس استفتاء کا جواب دیتے ہوئے مولانا تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں :

اس عقد استصناع میں یہ لازم ہے کہ پہلے عقد استصناع خلیج کمپنی اور سعودی بن لادن کمپنی کے درمیان واقع ہو پس سعودی بن لادن کمپنی مستصنع (آرڈر دینے والا) اور خلیج کمپنی صانع کی حیثیت میں ہوگی پھر خلیج کمپنی چاہے گی تو وہ عقد استصناع اپنے اور محمد بن لادن کمپنی کے درمیان منعقد کرے گی اس طور پر خلیج کمپنی صانع ہوگی اور یہ معاملہ پہلے معاملہ سے مکمل طور پر علاحدہ ہونا چاہئے (فتاوی عثمانی ۳/۱۱۱)۔

۶ — آرڈر کے مطابق مال تیار ہوجانے کے بعد اگر خریدار مال لینے سے مکر جائے تو صانع کے لئے بیعانہ ضبط کرنا جائز نہیں، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے بیع عربان سے منع فرمایا ہے۔

"عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله ﷺ نهى عن بيع العربان" (سنن ابن ماجہ: ۱۵۸، ابواب التجارات باب بیع العربان)۔

"ونهى عن بيع العربان أن يقدم (المشتري) إليه (البائع) شيئ من الثمن إن اشترى حسب من الثمن وإلا فهو له مجاناً وفيه معنى الميسر" (حجۃ اللہ البالغہ ۲/۱۹۱، بیوع فیہا معنی المیسر) (حضور ﷺ نے بیع عربان سے منع فرمایا جس کی صورت یہ ہے کہ مشتری بائع کو ثمن کا کچھ حصہ دے دے کہ اگر اس نے خرید لیا تو وہ قیمت میں محسوب ہوگی اور نہ خریدا تو بائع کو وہ رقم مفت حاصل ہوجائے گی، اس میں جوا پایا جاتا ہے)۔

اگر اشیاء کی تیاری کے بعد خریدار مال لینے سے مکر جائے تو صانع کو نقصان سے بچانے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے کہ صانع خریدار کی اجازت سے تیار کردہ شیئ دوسری جگہ فروخت کردے، اگر پہلی قیمت سے کم پر فروخت ہوتو یہ نقصان بیعانہ سے وصول کرلے اور زیادہ قیمت مل جائے تو زیادتی پہلے خریدار کو واپس کردے (مستفاد: احسن الفتاوی مطبوعہ زکریا)۔

۷ — اگر کسی چیز کا آرڈر دیا جائے اور مصنوع کے لئے لازمی میٹریل آرڈر دینے والا خود فراہم کردے تو یہ عقد اجارہ کے حکم میں ہوگا، عقد استصناع کے حکم میں نہ ہوگا۔ بعض علماء نے اس کو اجارہ (علی الصنع) سے موسوم کیا ہے، علماء عقد استصناع اور اجارہ (علی الصنع) کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"وفرق آخر هو أن الإجارة على الصنع تكون بشرط أن يقدم المستاجر للعامل المادة فالعمل على العامل والمادة من المستاجر أما في الاستصناع فالمادة والعمل من الصانع" (الموسوعۃ الفقہیہ ۳/۳۳)۔

(اجرۃ علی الصنع اور عقد استصناع میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ اجارہ علی الصنع اس شرط پر ہوتا ہے کہ اجارہ کا معاملہ کرنے والا کاریگر کو میٹریل فراہم کردے پس کام کی ذمہ داری کاریگر پر ہوتی ہے اور میٹریل اجارہ کا معاملہ کرنے والے پر ہوتی ہے، جہاں تک استصناع کا معاملہ ہے تو اس میں میٹریل اور کاریگری دونوں صانع پر ہوتے ہیں)۔

اگر تیار کردہ شیئ مکمل طور پر آرڈر کے مطابق نہ ہوتو دیکھا جائے گا کہ تیار کردہ شیئ میں نقص کس درجہ کا ہے؟ اگر معمولی قسم کا نقص ہوتو آرڈر دینے والے کے لئے اس کو رد کرنے کا اختیار نہ ہوگا، صانع پر کسی قسم کا جرمانہ عائد کرنا جائز نہ ہوگا اور وہ پوری اجرت کا مستحق ہوگا اور اگر

نقص شدید قسم کا ہو تو آرڈر دینے والے کو اسے رد کرنے کا اختیار ہوگا۔ وہ اپنا خام میٹریل واپس لے سکتا ہے اور صانع اجرت کا مستحق نہ ہوگا۔

چنانچہ علامہ حصکفی تحریر فرماتے ہیں :

"ولو صبغ رديئاً إن لم يكن الصبغ فاحشاً لا يضمن الصباغ وإن كان فاحشاً عند أهل فنه يضمن قيمة ثوب أبيض" (الدر المختار علی رد المحتار ۹/۵۷) "قوله (لا يضمن) أي وله أجر المسمى فيما يظهر" (شامی ۹/۵۷)۔

(اگر رنگریز خراب رنگ سے کپڑا رنگ دے تو اگر رنگنا بہت ہی خراب طریقے پر نہ ہو تو رنگریز ضامن نہ ہوگا اور اگر رنگریزوں کے مطابق کپڑا بہت ہی خراب طریقے پر رنگا گیا ہو تو رنگریز سفید کپڑے کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ علامہ حصکفی کے قول "لا يضمن" کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ شامی لکھتے ہیں : یعنی بظاہر رنگریز کو طے کردہ اجرت ملے گی)۔

۸۔ عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی تاریخ مقرر ہو جائے مگر بائع اسے وقت پر فراہم نہ کر پائے تو خریدار اس کا تاوان وصول نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ تعزیر مالی کے قبیل سے ہے اور فقہاء نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔

"قوله (لا بأخذ مال في المذهب) قال في الفتح : وعن أبي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز" (شامی ۶/۱۰۵-۱۰۶)۔

البتہ بائع وقت مقررہ پر مبیع کی حوالگی کرے اس مقصد کی خاطر درج ذیل تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں۔

۱۔ شرط جزائی : یعنی عقد استصناع میں یہ شرط عائد کر دی جائے کہ اگر بنانے والا مقررہ وقت پر چیز تیار نہ کر سکا تو ہر دن کی تاخیر پر قیمت میں اتنی کمی ہو جائے گی بشرطیکہ حوالگی میں تاخیر غیر اختیاری حالات کی وجہ سے نہ ہوئی ہو، اس کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ انسان اگر کوئی چیز اپنے اوپر لازم کر لے تو وہ چیز اس پر لازم ہو جاتی ہے۔ بعض نصوص میں بھی اس جانب اشارہ ملتا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے : اے ایمان والو معاہدہ کو پورا کرو (سورہ مائدہ : ۱)۔

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں حضرت ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنے کرائے دار سے کہا کہ اپنا پیر زین میں ڈالو اگر میں فلاں فلاں دن آپ کے ساتھ سفر پر نہ نکلا تو میری جانب سے تم کو سو درہم ملیں گے پس وہ شخص نہیں نکل سکا تو شریح نے کہا : "جو شخص اپنی مرضی وخوشی سے اپنے اوپر کوئی شرط عائد کر لے تو وہ اس پر لازم ہوگی"۔

اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ نے استصناع کے موضوع پر ایک سمینار منعقد کیا تھا، اکیڈمی نے سمینار کے اختتام پر جو تجاویز منظور کی تھیں اس میں سے ایک شرط جزائی بھی ہے۔ یعنی یہ شرط کہ اگر بنانے والا مقررہ وقت پر چیز تیار نہ کر سکا تو ہر دن کی تاخیر پر قیمت میں اتنی کمی ہو جائے گی بشرطیکہ حوالگی میں تاخیر غیر اختیاری حالات کی وجہ سے نہ ہوئی ہو (بحث ونظر شمارہ ۱۲/۴۳)۔

چوتھا باب

اختتامی امور

مناقشہ

عقد استصناع

مولانا عبید اللہ اسعدی:

استصناع سے متعلق دو حصوں میں عرض کا نظام بنایا گیا تھا، دونوں عرض طبع شدہ پہلے سے آپ کے پاس موجود ہیں اور یقیناً آپ حضرات کی نظر سے گزرے ہوں گے، اور اب سماعت سے بھی گزر گئے، اب اس کے بعد مناقشہ کا سلسلہ شروع ہوگا انشاء اللہ، میں اس سلسلہ کے آغاز کے لئے سب سے پہلے حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ تشریف لائیں۔

مفتی شبیر احمد قاسمی مرادآباد:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، أما بعد، مجھے عرض مسئلہ کے بعد سوالیہ طور پر کچھ باتیں عرض کرنی ہیں، بیع استصناع کا سارا مدار تعامل ناس پر ہے، شریعت کے اصولوں کے مطابق یہ ناجائز عقد ہے، لیکن تعامل ناس وضرورت کی وجہ سے شریعت نے اس کو جائز رکھا ہے، حضرت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی استصناع کا معاملہ فرمایا ہے، جیسا کہ آپ حضرات کو اس سلسلہ میں معلومات ہیں، تو جہاں جہاں تعامل ناس اور اس کا عرف ہو اس کو جائز ہونا چاہئے، عرض مسئلہ میں اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے کہ پہلے خریدار نے دوسرے خریدار کے ساتھ معاملہ کیا اور دوسرے نے تیسرے کے ساتھ معاملہ کیا تو ایسی صورت میں صرف پہلے والا عقد جائز ہونا چاہئے، اور باقی ناجائز ہونا چاہئے، اس سلسلہ میں میری سوالیہ طور پر گزارش ہے کہ آپ حضرات سے کہ ہمارے ہندوستان میں جو صنعتی شہر ہے جیسے مدراس ہے، کانپور ہے، مرادآباد ہے، مرادآباد کے کاروبار کا سارا مدار اس پر ہے کہ مالیاتی ادارے کے ذریعہ کام ہوتا ہے، مالیاتی اداروں کے ذمہ دار یورپ وامریکہ کا سفر کرتے ہیں وہاں سے آرڈر لے کر آتے ہیں اور اس مالیاتی ادارے کو جس نے آرڈر دیا ہے وہ آگے کسی اور سے معاملہ کرتا ہے اور وہ بھی آگے کسی اور سے معاملہ کرتا ہے اور یہاں مالیاتی ادارہ اپنے یہاں آنے کے بعد خود مال تیار نہیں کرتا، وہ مال تیار کرنا جانتا ہی نہیں چہ جائیکہ وہ مال خود تیار کرے، وہ جانتا ہی نہیں اس فن کو، وہ آگے کارخانہ دار سے معاملہ طے کرتا ہے، استصناع کا معاملہ وہ کارخانہ دار سے طے کرتا ہے اور کارخانہ دار بھی کام نہیں جانتا، جو مالیاتی ادارے سے کام لینے والا ہے وہ بھی کام نہیں جانتا، وہ کاریگروں سے کام کرواتا ہے، اور وہ جو کام کرنے والے بعد کے لوگ ہیں وہ بھی کچھ کام جانتے ہیں کچھ نہیں جانتے، وہ آگے آرڈر دیتے ہیں، معاملہ آگے بھٹی والوں تک جاتا ہے، اور کچا مال یا خام مال باہر سے امپورٹ کیا جاتا ہے، امپورٹ کر کے ان مالوں کو لا کر کے بیچا جاتا ہے یہاں تک کہ مال گلا کر سلی تیار کی جاتی ہے، پھر یہاں سے کام کی ابتداء ہوتی ہے، پہلے سلی تیار ہوتی ہے تو سلی تیار ہونے کے بعد جو سائز اور ڈیزائن ہیں اس ڈیزائن کے مطابق مال بنانے والے جو لوگ ہیں ان کے پاس وہ کام جاتا ہے وہ کام کر کے کورا مال لایا جاتا ہے پھر کورا مال لے کر کے جو

آرڈر جس نے دیا ہے اسی کو پیش کرتا ہے وہ اس کورا مال کو لے کر کے اس کی چھلائی کرتے ہیں اور اس کی چھلائی کرنے کے بعد پھر اس کو آگے دیتے ہیں اس کی ڈیزائن بنانے کے لئے، پھول پتے وغیرہ لگانے کے لئے، پھر اس کے بعد کارخانہ دار کے پاس یہ مال تیار ہو کر کے پہنچتا ہے، یہ کارخانہ دار مال تیار کر کے مالیاتی ادارہ کے حوالہ کرتا ہے، اب مالیاتی ادارہ اس کو اپنے طور پر اس کی پیکنگ کر کے اس کو آگے بڑھاتا ہے۔

تو اگر صرف پہلا معاملہ درست ہے تو اب ہمارے یہاں جو استصناع سے متعلق معاملات ہیں وہ کیسے درست ہوسکتے ہیں؟ میری طرف سے یہ گزارش ہے کہ اس بات پر غور کیا جائے کہ یہ امپورٹ اور ایکسپورٹ کا جو معاملہ ہوتا ہے یہ معاملہ سرے سے جائز ہی نہیں ہوسکتا، اگر یہ بات رکھی جائے کہ پہلا معاملہ ہی درست ہے، دوسرا اور تیسرا معاملہ درست نہیں ہے۔ اگر پہلا، دوسرا، اور تیسرا معاملہ کا تعامل ہے، متعارف ہے، اس کا عرف ہو چکا ہے، اس کا رواج ہو چکا ہے، اس کے بغیر کام ہوتا ہی نہیں ہے تو یہ استصناع کے دائرہ میں داخل کیوں نہیں ہوگا؟ ہم سائز اور نمونہ دیکھا کر آرڈر دے رہے ہیں اور یہ سارا معاملہ کاغذوں میں ہوتا ہے، یہ مالیاتی ادارہ آرڈر لیتا ہے، آرڈر لے کر پھر کارخانہ دار کو آرڈر دیتا ہے اور کارخانہ دار آگے آرڈر دیتے ہیں یہ سارے آرڈر کاغذات میں ہوتے ہیں وجود میں مال نہیں ہے اور مال کے وجود کا سلسلہ وہاں سے ہوگا بھٹی والوں سے، وہ سلی تیار کریں گے، سلی تیار کرنے کے بعد سلی کو گلا کر کے دوسرا مال تیار کریں گے پھر ڈیزائن کے مطابق مال تیار ہوں گے پھر پھول پتے لگائیں گے، یہ سلسلہ چار پانچ مراحل کے بعد مالیاتی ادارہ کے پاس اصل مال آتا ہے، اگر مالیاتی ادارہ کے لئے یہ جائز ہے تو پھر جس نے آرڈر دیا ہے اس کے لئے کیوں جائز نہیں ہوگا؟ اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔

عرض مسئلہ میں ایک بات یہ پیش کی گئی تھی کہ مالیاتی ادارہ کو وکیل قرار دیا جائے اور اسے اجرت مثل دیا جائے، اسے کیا اجرت مثل دیں گے وہ تو کام جانتا ہی نہیں، اسے کیا اجرت مثل دیں گے کیا کریں گے آپ؟ سارا بڑا نفع ہوتا ہے وہ مالیاتی ادارہ حاصل کرتا ہے جسے ایکسپورٹر کہتے ہیں، اس کاروبار میں سارا نفع ایکسپورٹر کو ہوتا ہے اس کے بعد کارخانہ دار، پھر اس کے بعد پھر اس کے بعد، آگے والے کو کم ہوتا جائے گا زیادہ سے زیادہ جو نفع ہوگا وہ ایکسپورٹر کو ہوگا اسے آپ اجرت مثل دے کر کیسے مطمئن کریں گے؟ اور اس کاروبار کا سارا مدار مالیاتی ادارہ پر ہے اس نے آرڈر لایا ہے کوشش کر کے آرڈر لے آیا، اب یہ نیچے کے جتنے بھی لوگ ہیں یکے بعد دیگرے ان کے لئے عمل کا سلسلہ کام کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے اور اگر ایکسپورٹر نے آرڈر نہیں لایا ہے تو سب ہاتھ جوڑ کر کے خالی بیٹھ جاتے ہیں، ان کا کوئی کام نہیں ہے، تو اس لئے اس سلسلہ میں غور کرنے کی ضرورت ہے کہ صرف پہلے معاملہ کو جائز سمجھیں اور دوسرے اور تیسرے معاملہ کو ناجائز سمجھیں اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے، معاملات پہلے تو سارے کے سارے کاغذات میں ہیں، یہ بھی کاغذی معاملہ کرتا ہے وہ بھی کاغذی معاملہ کرتا ہے اور حقیقی معاملہ کا سلسلہ شروع ہوگا وہاں سے بھٹی والوں سے، وہ سلسلہ شروع ہوتے ہوئے یہاں آئیں گے اور سارا کام ادھار ہوتا ہے، یہ مال تیار ہو کر کے جب ایکسپورٹر (مالیاتی ادارہ) اپنے امپورٹر کے حوالہ کردیں گے وہاں مال پہنچ جائے گا تب اس کے پاس پیمنٹ آئے گا اب یہ پیمنٹ لے کر کے آگے لوگوں کو پیمنٹ دینا شروع کر دے گا، سارا معاملہ ادھار ہوتا ہے، اگر اس معاملہ کو اس طرح سے تاکد کے ساتھ جائز نہ قرار دیا جائے تو ایسے معاملہ کے جائز ہونے کی اور کیا صورت ہوسکتی ہے؟ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے، بس یہ بات میری طرف سے آپ لوگوں کی خدمت میں گزارش کے طور پر ہے اس پر غور فرمائیے۔

مفتی عبید اللہ اسعدی:

اس کے بعد حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب کچھ اظہار خیال فرمائیں گے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، ان مسائل پر گفتگو کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اس سوال کے پس منظر کو بیان کرنا پیش نظر ہے، مشہور واقعہ ہے ہم لوگوں نے پڑھا ہے کہ جب قتادہ کوفہ آئے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر چند مسائل امام صاحب نے ان سے پوچھے جو امکانی مسائل تھے جو وجود میں نہیں آئے تھے تو انہوں نے دریافت کیا کہ کیا یہ مسائل پیش آ گئے ہیں؟ تو امام صاحبؒ نے فرمایا: ہم طوفان کے آنے سے پہلے اس سے بچاؤ کی تیاری کیا کرتے ہیں، تو یہ جو اسلامک بینکنگ کا مسئلہ ہے یہ بڑا اہم مسئلہ ہے، کسی زمانے میں قوموں کی شکست وفتح کے فیصلے جنگ کے میدان میں ہوا کرتے تھے لیکن آج کل معیشت کے میدان میں ہوا کرتے ہیں، آپ کو معلوم ہے کہ جب روس کا بکھراؤ ہوا تو امریکہ سے زیادہ ہتھیار روس کے پاس تھے اور روس کی فوج کی عددی طاقت بھی امریکہ سے بڑھی ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود معیشت کے زوال نے روس کو پارا پارا کر کے رکھ دیا اور لوگوں کا احساس ہے کہ اگر امریکہ کا بکھراؤ اللہ تعالی کی طرف سے مقدر ہے تو یہ بھی معیشت ہی کے ذریعہ ہوگا جنگ اور ہتھیار کے ذریعہ نہیں ہوگا۔

اس لئے ستر (۷۰) کی دہائی سے عالم اسلام میں اسلامی اصول پر مالیات کے نظام کی کوشش شروع کی گئی آپ حضرات کے علم میں ہے کہ دو تین صدی پہلے تک دنیا کا جو نظام معیشت تھا وہ سود پر مبنی تھا سود تو بہت قدیم زمانہ سے ہے، ویدوں میں سود کا ذکر ہے، بائبل میں سود کا ذکر ہے لیکن معیشت کی اساس سود پر قائم نہ تھی، یہ نہیں کہا جاتا تھا کہ سود کے بغیر کسی ملک کی معیشت چل نہیں سکتی، یہودی دماغ نے اس کا اختراع کیا، اور سترہویں صدی سے ایک ایسا تصور دیا گیا کہ معیشت سود کے بغیر چل نہیں سکتی۔ عالم اسلام میں ستر کی جو دہائی ہے اس میں یہ کوششیں شروع ہوئیں کہ اسلامی مالیاتی نظام کو لانے کی کوشش کی جائے اور اس وقت دنیا میں چار سو سے زیادہ وہ بینک ہیں جن کو اسلامی بینک کہا جاتا ہے، اس وقت ہمارے یہاں جو اسلامی بینک ہیں ان کو مکمل طور پر اسلامی کہنا مشکل ہے لیکن اہون البلیتین ہیں اور اسلامی اصولوں سے قریب تر ان کا نظام ہے، اس لئے علماء نے اسے قبول کیا ہے، تو اس میں چونکہ سودخوری کے نظام کی وجہ سے لوگوں کا ذہن یہ بن گیا کہ وہ نقصان کے رسک کو قبول کرنا نہیں چاہتے، "نهى النبي ﷺ عن البيع قبل القبض وعن الربح ما لم يضمن"، حضور ﷺ نے اصول یہ مقرر فرمایا کہ وہی ربح کسی کے لئے جائز ہوگا جس میں نقصان کے خطرہ کو بھی قبول کیا گیا ہو، لیکن سودی نظام انسان کا یہ مزاج بناتا ہے کہ نفع ملنا چاہئے اور نقصان کا کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہئے، تو اسلامی مالیاتی ادارے ظاہر ہے کہ اسلامی اصولوں پر قائم ہیں، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے نقصان کے خطرہ کو ختم کر دیا جیسا کہ نیشنل بینک کرتے ہیں مروجہ بینک کرتے ہیں لیکن اس نے نقصان کے خطرہ کو کم کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ وہ موجودہ حالات میں لوگوں کے لئے قابل قبول ہو سکے، اسی بنیاد پر مرابحہ للآمر بالشرع، شرکت متناقصہ، اجارہ منتہیہ علی التملیک، استصناع متوازی اور سلم متوازی، یہ پانچ طریقے وہ ہیں جو اسلامی بینک استثمار کے لئے تمویل کے لئے اس وقت استعمال کر رہے ہیں اور اس میں بھی استصناع کو بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ استصناع کے ذریعہ بہت بڑے بڑے معاملات انجام پاتے ہیں اور

بڑی بڑی رقمیں بینک کو انویسٹ کے لئے ملتی بھی ہیں اور انویسٹ کرنے کا موقع بھی ملتا ہے، اللہ تعالیٰ وہ وقت لائے کہ ہندوستان میں اسلامک بینکنگ کی اجازت مل جائے اور اس کے آثار روشن ہیں انشاء اللہ، کیونکہ جو موجودہ آر بی آئی کے گورنر ہیں ریزرو بینک آف انڈیا کے، کہا جاتا ہے کہ ان کا جھکاؤ ہے کہ غیر سودی نظام کی بینکاری کی اجازت دی جائے ہمارے ملک میں، ہمارے موجودہ وزیر اعظم بھی اس کے حامی ہیں اور یہ اس وجہ سے نہیں کہ ان حضرات کو اسلام سے کوئی محبت ہے یا آپ لوگوں کا پاس خاطر ان کو ملحوظ ہے ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اس وقت کے معاشی حالات میں ہمارے ملک کو انویسٹ کی غیر معمولی ضرورت ہے اور ان حضرات کا احساس ہے کہ سوائے میڈل ایسٹ کے اور عرب ملکوں کے کوئی ایسا خطہ نہیں ہے جو اس وقت انویسٹ کی صلاحیت رکھتا ہو، مغربی ممالک خود بحران میں مبتلا ہیں اور وہ جو سرمایہ کاری کر سکتے تھے وہ کر چکے، چین اور جاپان جو مشرقی ممالک ہیں انہوں نے اپنے سرمایہ کو زیادہ سے زیادہ مشغول کر دیا ہے تو یہی ممالک ایسے ہیں جو سرمایہ فراہم کر سکتے ہیں جو ہمارے ملک کی معاشی رفتار کو آگے بڑھانے یا کم سے کم اس کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے، اس لئے اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ آئندہ سالوں میں اس کی اجازت مل جائے، اللہ کرے وہ مبارک وقت آئے، اس میں استصناع کا بڑا رول ہوگا اور ہم لوگوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ اس وسیع افق کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم لوگ پہلے سے اس مسئلہ پر غور کریں اس کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں، اس اہمیت کی وجہ سے یہ موضوع اس سے پہلے مرابحہ کا موضوع، اجارہ کا موضوع رکھا جا چکا ہے اور گویا کہ یہ اسی کا ایک تسلسل ہے، استصناع کا یہ موضوع رکھا گیا ہے حالانکہ عالم اسلام میں اس پر کافی گفتگو ہو چکی ہے۔ لیکن یہ بات محسوس کی گئی کہ ہندوستان کے خاص پس منظر میں اور علماء ہند کی خاص فکر اور ان کے محتاط طرز عمل کی روشنی میں اس مسئلہ پر غور کیا جائے اس لئے اکیڈمی نے اس پر غور و فکر کی دعوت دی ہے۔

دوسری بات جو عرض کرنی ہے صورت مسئلہ کی وضاحت کے طور پر یہاں ایک بات آئی عرض میں، جن حضرات نے استصناع متوازی کی اجازت دی، انہوں نے یہ کہا کہ پہلے عقد کو دوسرے عقد سے منفصل ہونا چاہئے مربوط نہیں ہونا چاہئے، اور جن حضرات نے ناجائز قرار دیا ہے۔ ان کا بھی خیال یہ تھا کہ اس میں دونوں کا ارتباط ہو جائے گا ارتباط ہوگا تو دونوں میں بہت سے مفاسد پیدا ہو سکتے ہیں تو یہ عرض کرنا ہے کہ معاییر شرعیہ بحرین میں ''اوفی'' جو ادارہ ہے جو اس سلسلہ میں معاییر شرعیہ یعنی شریعت نے جو معیارات متعین کئے ہیں اور حضرت مولانا تقی عثمانی متعنا اللہ بطول حیاتہ جس کے رئیس اور چیئرمین ہیں اور پورے عالم اسلام کے اہم ترین اقتصاد اسلامی کی شخصیتیں اور علماء اس میں شامل ہیں تو انہوں نے جو شرطیں لکھی ہیں استصناع کی اس میں شامل ہے کہ استصناع اس طور پر ہوگا کہ دوسرے عقد کو پہلے عقد سے مربوط نہیں کیا جائے گا، مثلاً اگر دوسرے عقد میں مصنوع بروقت حوالہ نہیں کیا جائے تب بھی پہلے عقد کے مطابق جو صانع بن رہا ہے اس کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ مارکیٹ سے یا کسی اور ذریعہ سے وقت پر مصنوع فراہم کرے، تو یہ میں نے سوچا کہ وضاحت کر دوں تاکہ یہ بات آپ کے ذہن میں رہے پہلے سے جو حضرات اس کے قائل ہیں انہوں نے بطور شرط کے اس کو ذکر کیا ہے۔

اس میں ایک مسئلہ بیع عربون والا بھی آیا ہے، بڑا اہم مسئلہ ہے اور استصناع میں اس مسئلہ کی اہمیت بہت زیادہ ہے، کیونکہ ظاہر ہے کہ جب اسلامی مالیاتی ادارے استصناع پر کام کرتے ہیں تو ایسا نہیں ہے کہ ایک جوتا بنوا لیں یا ایک موزہ بنوا لیں ایسا تو ہوتا نہیں ہے، ہزاروں کی تعداد میں آرڈر دیا جاتا ہے، کوئی ایک ہوٹل ہے بڑا ہوٹل ہے مثال کے طور پر اس کو گلاس کی ضرورت ہے ایک ہزار گلاس کی

ضرورت ہے۔ ایک خاص ڈیزائن کا گلاس، خاص ٹریڈ مارک اس پر چھپا ہوا ہو، ہوٹل کا نام اس پر نقش کیا ہوا ہو، اب ایک ہزار گلاس کا اس نے آرڈر دے دیا تو اب استصناع میں جو مستصنع ہے اس نے لینے سے انکار کر دیا تو واقعی بہت بڑا نقصان ہوگا، دو چار گلاس کا مسئلہ نہیں ہے کہ بیچ لے اس کو، بلکہ اتنا غیر معمولی خسارہ ہے کہ اس کے لئے اس کا برداشت کرنا بظاہر ممکن نہیں ہوتا، کیونکہ جو مال آپ خاص نمونہ کا اپنے کسی خاص مقصد کے پیش نظر کسی خاص شناخت کے ساتھ تیار کرواتے ہیں، ضروری نہیں ہے کہ مارکیٹ میں اس مال کی طلب ہو کہ اس مقدار میں وہ مال ابھی میسر ہونا چاہئے، اس لئے علماء نے حالانکہ جمہور کی رائے وہی ہے جو احناف کی ہے، لیکن اس مسئلہ میں حنابلہ کی رائے کو اختیار کیا ہے لیکن اس میں بھی جو معاییر شرعیہ میں رائے اختیار کی گئی ہے وہ میرے خیال میں بہت اچھی رائے ہے، انہوں نے یہ کہا ہے کہ یہ جو بیعانہ کی رقم ہوگی اس میں سے بائع کو اپنے حقیقی نقصان کی تلافی کا حق حاصل ہوگا، حقیقی نقصان سے ان کی مراد یہ ہے کہ یہ گلاس فی گلاس سو روپے اس کی قیمت طے پائی اور یہ گلاس بنا مثال کے طور پر ساٹھ روپے میں اور ان کے نہ خریدنے کی وجہ سے بازار میں فروخت ہوا اسّی روپے کے لحاظ سے، تو حقیقی لحاظ سے ان کو نقصان نہیں ہے، کیونکہ ساٹھ روپے میں گلاس تیار ہوا اور اسّی روپے میں فروخت ہو گیا لیکن اگر ساٹھ روپے کے بجائے پچاس روپے میں ہی فروخت کرنا پڑا، تو یہ جو دس روپے کا نقصان ہے یہ حقیقی نقصان ہے تو اس کی تلافی وہ اس رقم سے کر سکتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ بیچ بیچ کی معتدل ایک رائے ہے تو اس لئے پیش کر دیا کہ آپ حضرات کے سامنے یہ رہے۔

اور اسی ضمن میں ایک اور بات پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں اس میں ضمنی طور پر شرط جزائی پھر اس کے ضمن میں تعزیر مالی کا مسئلہ بھی آ گیا ہے۔ ایسا خیال ہوتا ہے کہ نص میں کہیں صراحۃً تعزیر مالی کی ممانعت نہیں آئی ہے، عموماً اس سے استدلال کرتے ہیں: "لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل" وغیرہ، تو اگر فقہاء کی عبارتوں کی تہہ میں جایا جائے تو مصادرہ بالاموال اس زمانہ میں چونکہ تعزیر مالی کا کوئی اصول مقرر نہیں تھا تو حکومت کے افسران جس پر چاہتے جو چاہتے جرمانہ عائد کر دیتے اس میں عدل کی رعایت نہیں ہوتی تھی، آج اگر تعزیر مالی، فرض کیجئے کہ کوئی حکومت ہو آپ ہی کے ہاتھ میں نظام حکومت دیدیا جائے تو کیا آپ ٹریفک اصول کی خلاف ورزی پر تعزیر مالی نہیں کریں گے؟ ٹرین میں اگر کوئی آدمی بے ٹکٹ چڑھ جائے تو اس کی تعزیر مالی نہیں ہوگی؟ اور اگر آپ سب کو حبس کی سزا دیں گے تو پورا ایک شہر جیل بنانا پڑے گا تب جا کر کہیں آپ کی ضرورت پوری ہوگی، فقہاء کی نظر میں اصل میں سد ذریعہ تھا لوگوں نے اس کو لوگوں پر ظلم کا ذریعہ بنا لیا تھا اور کوئی قواعد وضوابط مرتب نہیں تھے تو اس بات پر غور کرنا چاہئے اس پس منظر میں کہاں تک گنجائش ہے؟

اخیر میں ایک بات عرض کرتے ہیں کہ استصناع کے مسئلہ میں ہم لوگوں کے لئے ایک عبرت ہے، استصناع کی حقیقت یہ ہے کہ نص میں کوئی صراحت موجود نہیں ہے جن نصوص سے ہم لوگ استدلال کرتے ہیں وہ استیناس کے درجہ کی ہے، جیسے حضور ﷺ کے لئے منبر بنوایا گیا لیکن یہ کہ باضابطہ عقد ہوا ہو مصنوع کی صفات متعین کی گئی ہوں، ادائیگی کی مدت متعین کی گئی ہو جس تفصیل کے ساتھ عقد استصناع ہوتا ہے غالباً میرے علم کے مطابق اس کا ذکر نہیں ہے، یہ فقہاء احناف کی ذہانت اور ان کی ذکاوت ہے اور اپنے زمانہ کا فہم ہے کہ انہوں نے شریعت کے مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے عقد کی ایک نئی صورت پیدا کی، حالانکہ بہت سے فقہاء جمہور اس کے قائل نہیں تھے، لیکن متاخرین نے استصناع کے معاملہ میں احناف کے قول کو لیا اور وہ اس کو لینے پر مجبور ہوئے تو اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہر زمانہ کی ضرورت کے لحاظ

ہے، آج اسلامی مالیاتی اداروں کو اس کی ضرورت ہے کہ علماء بیٹھ کر شریعت کے مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے اور اس کے اصولوں کے دائرہ میں رہتے ہوئے اس بات پر سوچیں کہ کیا کوئی اور عقد کی ایسی صورت وجود میں آسکتی ہے کہ جس کے ذریعہ تمویل کا اور جس کے ذریعہ انویسٹ منٹ کا کام ہوسکتا ہو، جیسے مرابحہ للآمر بالشراء کی صورت نکالی، جیسے شرکت متناقصہ کی صورت نکالی جیسے اجارہ منتہیہ بالتملیک کی صورت نکالی، تو یہ بھی ایک سوال ہے ہم لوگوں کے سامنے، اس لئے کہ شریعت قیامت تک کے لئے ہے اور شریعت میں یقیناً ہر دور کے مسائل کا حل اور ہر دور کی ضرورت کی تکمیل موجود ہے، یہ چند باتیں میرے ذہن میں آئی تھیں وہ آپ حضرات کے سامنے پیش کردی۔

مفتی سعید الرحمن صاحب فاروقی:

حضرات گرامی! مفتی شبیر صاحب نے ممبئی کو صنعت کار شہروں سے باہر کیا، مگر میں عرض کروں کہ بطور خاص استصناع کے مسئلہ میں اور فلیٹ کے معاملات میں میری گزارش یہ ہے اور پیش کش بھی کہ اکیڈمی کا ایک اجلاس صرف صنعتی عنوان پر ممبئی میں منعقد ہو انشاء اللہ میں اس کی ذمہ داری بھی قبول کرلوں گا، اس لئے کہ فلیٹ کے مسائل بہت دشوار ہیں خاص طور پر شہر ممبئی میں، بلڈنگ کی جو صورت بنتی ہے وہ شاید بہت سے لوگوں کے علم میں بالکل نہ ہو مثلاً میں تھوڑی سی بات عرض کرتا ہوں تاکہ تھوڑا سا سمجھ میں آجائے، تین ہزار اسکوائر فٹ کی ایک جگہ ہے جس میں چار منزلہ عمارت کھڑی ہے، اس چار منزلہ کھڑی عمارت میں ہر فلیٹ میں انسان اپنی فیملی کے ساتھ موجود ہے، اس کھڑی آباد بلڈنگ کو بلڈر خریدتے ہیں، اس کے خریدنے کی بہت ساری دشواریاں ہیں شرعی اعتبار سے، مگر وہ خرید فروخت ہوتی ہے تین ہزار اسکوائر فٹ زمین پر ہے اور کم سے کم چار منزلیں ہیں تو بارہ ہزار اسکوائر فٹ، پھر اسکو پچاس سے ساٹھ منزل تک لے جانے کی کوشش ہوتی ہے تو ساٹھ ستر ہزار اسکوائر فٹ جگہ سے وہ موسوم ہوجاتی ہے، شروع میں جب بلڈنگ خریدی جاتی ہے تو خریدنے کے بعد پہلا سودا بلڈنگ کے مالک سے ہوتا ہے دوسرا سودا وہاں کے مکینوں سے ہوتا ہے، مکینوں سے سودا روپے کی صورت میں بھی ہوتا ہے اور ان کی موجودہ جگہ کے مطابق دوگنا اور تین گنا بڑھا کر دینے کی شرط پر بھی ہوتا ہے، لہذا اگر چار منزلہ بلڈنگ ہے اس کے رہنے والے کو مکان فراہم کیا جائے گا تو ان کو ہی کم سے کم نئی بلڈنگ میں آٹھ منزلہ دینی ہوگی، اور ان سے بھی معاملہ ہوگا، پھر اس کے توڑنے کے مرحلہ میں جب سے وہ ٹوٹنا شروع ہوتی ہے وہ ٹوٹنے کی بھی قیمت لگتی ہے وہ بھی فروخت ہوتا ہے، اس کے بعد میونسپلٹی اور سرکاری پیپرس بنتے ہیں تو اتنے مراحل ہیں کہ ہر مرحلہ پر ایک آدمی کو کئی بار کئی فلیٹ خریدنے کے بعد دس بار سودا کرنا پڑے گا تب جاکر فلیٹ ملتا ہے تو یہ جو مشکلات ہیں اور عام طور پر مسلمانوں میں اور سب میں جاری ہیں، بلڈنگ بننے کے بعد ستر ہزار اسکوائر فٹ کو بیچ دیا جاتا ہے اور اس کو فروخت کرنے کے بعد وہ ایک ایک منزلہ، دو دو منزلہ، پھر ایک فلیٹ، پھر دو فلیٹ، ایک فلیٹ کے خریدنے میں جو آدمی رہنے والا ہے حقیقی طور پر وہ شاید پندرہ بار کے بعد خریدار بنتا ہے اور اس کی قیمتیں بڑھتی جاتی ہیں، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس مسئلہ میں مسلمان بلڈروں، تاجروں اور دلالوں سے رابطہ کرکے بہت تفصیل سے وضاحت بھی طلب کرنی چاہئے اور شرعی طور پر اگر اکیڈمی اس کی جائز صورتوں کو مسلمانوں کے لئے فراہم کرے تو مسلمانوں پر احسان ہوگا اور وہ لوگ عقد فاسد سے بچ سکیں گے، جزاکم اللہ۔

قاضی عبدالجلیل قاسمی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، مفتی شبیر صاحب نے جو کہا ہے کہ عارضین حضرات نے جو تفصیل کی ہے اس میں یہ بتایا ہے کہ صانع اور مستصنع کے درمیان جو بیع ہے وہی صرف عقد استصناع ہے اور وہ جائز ہے اور مستصنع مصنوع کے وجود میں آنے سے پہلے جو دوسروں سے عقد کرتا ہے وہ مبیع کی عدم موجودگی کی وجہ سے ناجائز ہے، مفتی شبیر صاحب نے جو صورت بتائی ہے اس میں ہوتا یہ ہے کہ ایک آدمی آرڈر دیتا ہے دوسرے کو وہ آرڈر دیتا ہے تیسرے کو اخیر میں جو کارخانہ آرڈر لیتا ہے اور وہ کاریگروں سے کام کراتا ہے، کام کرنے کے بھی مختلف مراحل ہیں، کوئی خام مال تیار کرتا ہے، کوئی اس کی صورت وشکل بناتا ہے کوئی اس میں تزئین کا کام کرتا ہے، یہ سب کاریگر ہیں، اور تیار ہونے کے بعد جو کارخانہ تیار کراتا ہے وہ مستصنع ہے تو اصل عقد بیع انہیں دونوں کے درمیان ہوتی ہے، باقی یہ جو آرڈر دینے والے ہیں تو یہ وعدہ بیع ہے کہ یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اس حساب سے مال تیار کر کے ہم کو دیجئے تو ان کے درمیان عقد بیع کا نہیں ہوتا ہے، اس لئے ان دونوں میں میرے خیال سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔

تعزیر مالی کے بارے میں مولانا خالد سیف اللہ صاحب نے جو کچھ کہا اس کے بارے میں مجھے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ معین الحکام میں، لسان الحکام میں، اور مالکیہ کی تبصرۃ الحکام میں تعزیر مالی کو جائز قرار دیا گیا ہے، بلکہ ان حضرات نے تو یہ دعوی کیا ہے کہ تعزیر مالی کو ناجائز کہنے والوں کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

مفتی ظہیر احمد صاحب کانپور:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، مجھے بھی اسی مسئلہ سے متعلق عرض کرنا ہے کہ عقد استصناع جس پر ہم گفتگو کر رہے ہیں، یہ صرف اس وقت کی بات تھی جس وقت تک تیار نہیں ہوئی ہے، یعنی صرف اس کے اوصاف کو، ساخت کو صرف بیان کر دیا گیا ہے، لیکن اگر اس کا کوئی نمونہ پیش کر دیا جائے بنا کر کے اور پھر کہا جائے کہ اس طرح کی چیز بنائی جائے تو اب وہ شیئ معدوم نہیں ہے بلکہ وہ شیئ تو موجود ہوگئی کیونکہ نمونہ سامنے آگیا آپ کے، تو وہ موجود ہے، اب اسی کے اوصاف کے مطابق آپ کے لئے مال تیار کرنے کو کہا گیا ہے تو گویا کہ یہ بیع ہے، اس کو وعدہ بیع بھی کہہ سکتے ہیں پہلی بھی دوسری بھی، ہاں اگر وہ وجود میں نہیں آئی ہے ہم نے صرف اس کے اوصاف بیان کئے ہیں تب یہ عقد استصناع ہے جو ہماری فقہی کتابوں میں ذکر ہے، آج جو آرڈر ہوتے ہیں اس کا ایک سیمپل پہلے تیار کیا جاتا ہے اور وہ جو سیمپل ہے وہ ہاتھ در ہاتھ جاتا ہے، وعدہ بیع پر محمول کرتے ہوئے اخیر میں جب وہ پہنچے گا کہ ہم کو اس طرح کا مال چاہئے، اگر اس پر متعین ہوگیا تب تو ٹھیک ہے، یہی صورتحال آج کل فلیٹس کے اندر بھی ہو چکی ہے کہ کمپیوٹر کے ذریعہ سے اس کا نمونہ بالکل ہو بہو دکھا دیا جاتا ہے کہ تیار ہونے کے بعد اس طریقہ کا ہوگا، آپ کو اس طریقہ کا فلیٹ ملے گا، بلکہ اب تو یہ ہے کہ اس میں اس کو پورا سجا بھی دیا جائے گا، اس میں یہ یہ چیزیں ہوں گی، تو اس طریقہ کا فلیٹ آپ کو دیا جائے گا، تو ہم اس کو معدوم نہ کہیں، بلکہ اس کا نمونہ جو ہے وہ تو موجود ہے، ہاں اب اختیار ہوگا اس کو کہ اگر وہ اس نمونہ کے مطابق دیتا ہے تو ٹھیک ہے، اگر نہیں دیتا ہے تو اس کو اختیار ہوگا تو اس کو عقد استصناع ہم کیوں کہتے ہیں، یہ تو بالکل جو ہے وعدہ بیع کے درجہ میں ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

آپ نے جو خیار والی بات فرمائی ہے، تو خیار رؤیت کے سقوط میں اور مسلم فیہ کے اوصاف کی وضاحت میں تو اس کی صورت مل سکتی ہے لیکن آپ نے جو وجود کی صورت بتائی تو ہم لوگ طالب علمی کے زمانہ میں پڑھتے تھے کہ ایک طالب علم منطق پڑھ کر کے آیا اور دسترخوان پر بیٹھا اور ایک انڈا رکھا گیا تو اس نے اپنے والد سے کہا کہ میں یہ ثابت کرسکتا ہوں کہ یہ ایک انڈا نہیں بلکہ تین انڈے ہیں، ایک کا وجود ذہن میں ہے اور ایک کا وجود خارج میں ہے اور ایک کا وجود انفاس میں ہے، تو والد نے جو خارج میں وجود تھا وہ کھالیا اور کہا کہ بقیہ دو تم کھالو۔ تو یہ شاید اسی قسم کا وجود ہو، جب ایک شیئ صرف نمونے کے طور پر پیش کی گئی ہے اور بہت سے افراد ہیں جو مبیع میں شامل ہیں تو سب کو کیسے موجود تصور کیا جائے گا۔

مولانا عظمت اللہ میر صاحب کشمیر:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، عرض مسئلہ میں استصناع خود بیع ہے یا وعدہ بیع ہے اس میں یہ چیز بیان کی گئی تھی میری جانب منسوب کر کے کہ میں اس کو وعدہ بیع مانتا ہوں عقد بیع نہیں مانتا ہوں، عارض نے اس کو بالکل غلط انداز میں پیش کیا ہے، اصل میں اس عقد کے بعد جو مبیع کو وجود میں لانے کے لئے کوششیں کی جائیں اس اعتبار سے میں نے فقہاء کے دونوں قولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے تطبیق کی تین صورتیں بیان کی ہیں، اگر اجازت ہو تو میں انہیں پڑھنا چاہتا ہوں، احقر کی جانب سے موصول ہونے والی فرمائش آرڈر کے بعد جس کو بائع نے قبول بھی کیا ہے کیفیت مبیع وجود کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، اس اعتبار سے استصناع بھی صرف وعدہ ہوگا اور کبھی حقیقی بیع ہوگی، اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

۱- اگر بائع اور مشتری کے درمیان عقد ہونے کے بعد مبیع کے وجود میں لانے سے متعلق کوئی کوشش نہ ہوئی ہو اور ابھی زبانی اعتبار سے صرف ایجاب وقبول ہی ہوا ہو اور قانونی اعتبار سے بھی کوئی تحریر نہ لکھی گئی ہو تو اس صورت میں یہ صرف وعدہ شمار ہوگا۔

۲- ایجاب وقبول کے بعد صانع نے مطلوبہ شیئ مبیع پر اگر کام شروع نہ کیا ہو تو دونوں میں سے کوئی ایک مشتری یا بائع معاملہ کو رد کرنا چاہے تو اس صورت میں بھی صرف وعدہ ہوگا۔

۳- مشتری و بائع کے ایجاب وقبول کے بعد اس عقد کی تکمیل کے لئے کوئی بھی چیز سامنے آنی چاہیے، مشتری کی طرف سے یا بائع کی جانب سے چاہے شرعی کاوش ہو، یا عرفی کاوش ہو مثلاً مشتری نے بدل کا کل یا بعض بائع کے سپرد کردیا یا دونوں نے باہم قانونی اعتبار سے کوئی ایسی پیش قدمی کی جس کی وجہ سے قانوناً دونوں اپنے حقوق کو حاصل کر سکتے ہوں یا اپنے ضرر کو دفاع کر سکتے ہوں یا بائع نے مبیع کو بنانے کے لئے مال کے حصول کے لئے اس کو خود خرید ایا کسی اور کو آرڈر دیا تو ان صورتوں میں اس کو عقد شمار کیا جانا چاہئے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

ہمارے بزرگ حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب دامت برکاتہم نے اس جانب توجہ دلائی ہے کہ اس مسئلہ میں اس بات کو بنیادی

اہمیت حاصل ہے کہ استصناع بیع ہے یا وعدہ بیع ہے؟ کیونکہ بیع معدوم وغیرہ کے جو بھی احکام ہیں وہ صورت جب مرتب ہوتے ہیں جب اس کو بیع مانا جائے، اور اگر وعدہ بیع ہو تو ظاہر ہے کہ اس سے یہ احکام متعلق نہیں ہیں لیکن پھر یہ مسئلہ آگے پیدا ہوگا کہ وعدہ اس پر لازم ہوگا یا نہیں ہوگا تو آپ حضرات اپنے مناقشہ میں اس پہلو پر بھی گفتگو فرمائیے مولانا نے اس طرف توجہ دلائی ہے۔

مولانا محمد عثمان صاحب گورینی:

السلام علیکم، مجھے دو تین چیزوں سے متعلق کچھ عرض کرنا تھا جس میں سے ایک بیعانہ کی رقم کے ضبط کا مسئلہ، اس میں ایک حد تک بات آ بھی چکی ہے، اور دوسری چیز جس سے متعلق کچھ عرض کرنا تھا شیئ مصنوع کے وجود میں آنے سے پہلے اس کی خرید و فروخت، تو اس سلسلہ میں سلم متوازی اور استصناع متوازی اس کی تصریحات مفتی تقی عثمانی صاحب کی کتابوں میں موجود ہے، اس پر کچھ عرض نہیں کرنا ہے وہ سب موجود ہے اس کی شرائط بھی لکھی ہوئی ہیں، لیکن ایک دوسری صورت یہ پیدا ہوتی ہے کہ شیئ مصنوع موجود نہیں ہے اور آرڈر دینے والا خریدار معاملہ اس طرح سے کرتا ہے کہ میں نے فلاں سے معاملہ کیا، اور اب میں تم سے اس معاملہ کی بنا پر بیچتا ہوں جو چیز موجود نہیں ہے مثلاً ممبئی میں فلیٹ بنتے ہیں جب نقشہ تیار ہوتا ہے پھر جب منصوبہ بنتا ہے تو اس منصوبے میں جتنے فلیٹ نکلتے ہیں وجود میں آنے سے پہلے بک جاتے ہیں تو یہ جو پہلی بیع ہوئی وہ استصناع میں داخل ہو سکتی ہے لیکن جتنے لوگوں نے بک کرایا اور بک کرانے والے کسی دوسرے سے فروخت کر دیتے ہیں اور اسی بنیاد پر فروخت کرتے ہیں کہ میرا ان سے معاملہ ہو چکا ہے یہ کاغذات ہیں، پھر دوسرا تیسرے سے فروخت کر دیتا ہے، اسی طرح تیسرا چوتھے سے فروخت کر دیتا ہے تو جتنے معاملات ہوتے ہیں سب ایک دوسرے پر معلق ہوتے ہیں بعد والے، اور اس میں یہ صراحت ہوتی ہے کہ میں نے یہ معاملہ کیا ہے اور اس کو بنیاد بنا کر کے دوسرا تیسرے سے اور تیسرا چوتھے سے اور چوتھا پانچویں سے کرتا ہے۔

اس کے متعلق میں نے دو صورتیں ذکر کی تھی، کہ اگر اس کو بیع میں داخل کیا جائے تو ظاہر ہے کہ بیع کی بنیاد پر یہ معاملہ جائز نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ یہ معدوم کی بیع ہوگی آئندہ، دوسرا جو بیچے گا تیسرے کو، تیسرا جو بیچے گا چوتھے کو، اور ابھی شیئ مصنوع وجود میں نہیں آئی ہے تو یہ بیع معدوم ہوگی۔ اگر اس کو بیع معدوم نہ مانا جائے تو پھر یہ مانا جائے گا کہ بیع مضاف إلی المستقبل یعنی مستقبل میں جب وجود میں آئے گی تب بیع ہوگی تو یہ بھی شرعاً درست نہیں ہے، اس لئے کہ بیع مضاف إلی المستقبل کو فقہاء نے صحیح اور درست نہیں مانا ہے۔ لیکن ایک تیسری رائے اس سلسلہ میں میں نے ظاہر کی تھی جس کو بڑی سرسری انداز میں ذکر کر دیا گیا جو ایک اہم چیز تھی وہ یہ کہ جب ایک شخص دوسرے سے معاملہ کرتا ہے معاہدہ کرتا ہے تب اس کا حق ثابت ہو جاتا ہے حق ثابت بالعقد کو فقہاء نے معتبر مانا ہے اور حقوق کا عوض لے کر دوسرے کے حق میں دستبردار ہونے کا بھی فقہاء نے ذکر کیا ہے، تو اس لئے جب پہلے مستصنع نے صانع سے معاملہ کیا تو اس کا حق ثابت ہو گیا، تو اس معاملہ کی بنیاد حق ثابت کی وجہ سے وہ دوسرے کے حق میں دستبردار ہو سکتا ہے جب دوسرا پہلے کے قائم مقام ہو گیا تو اس کا یہ حق ثابت ہو گیا، اب یہ حق ثابت کو تیسرے کے حق میں دستبردار ہو جائے، تو اگر اس طرح یہ معاملہ کیا جائے کہ میرا فلاں سے معاملہ ہے اور میرا استحقاق ہے، اب میں تم سے اتنے زائد پیسے لے کر کے دستبردار ہوتا ہوں، میری جگہ پر تم جا کر معاملہ کرنا وہ تم کو حوالہ کرے گا، خود نکل جائے اور دھوکہ دھڑی نہ کرے، اسی طرح سے دوسرا اور تیسرا جس کے حق میں دستبردار ہوا ہے وہ کہے کہ میں نے فلاں سے معاملہ کیا ہے اور میرا فلاں سے اس طرح معاملہ ہوا تھا

اب میرا اصل مالک سے رابطہ ہو چکا ہے میرا اور اس کا معاہدہ ہے کہ وہ چیز میرے حوالہ کرے گا، اس بنیاد پر میں تم سے اتنا نفع لے کر کے تمہارے حق میں دستبردار ہوتا ہوں، تو بظاہر اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے اور شرعاً اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، مجھے یہی باتیں عرض کرنی تھی۔

مولانا عتیق احمد صاحب بستوی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، استصناع کا مسئلہ قدیم مسئلہ ہے کتب فقہ میں اس پر تفصیلی بحث ہوئی ہے، یہ الگ بات ہے کہ موجودہ حالات میں اس نے بڑی اہمیت حاصل کر لی ہے اور اسلامی مالیاتی اداروں کے قیام کے ساتھ اس کا استعمال بڑے پیمانہ پر ہونے لگا ہے، اللہ کا فضل ہے کہ ہمارے علماء وفقہاء کا خاص توجہ ہے ان موضوعات کی طرف اور جو امکانات پیدا ہوئے ہیں اسلامی معاشی نظام کے برپا کرنے کے، اس کی تیاری میں ہمارے علماء، اصحاب افتاء غور وخوض کر رہے ہیں، مجھے آپ سے دو باتیں عرض کرنی ہیں مولانا خالد سیف اللہ صاحب نے اس موضوع کی اہمیت کیا ہے اور کس پس منظر میں سوالنامہ تیار کیا گیا ہے اس کی وضاحت فرمادی ہے اور آپ اس سے بخوبی واقف ہیں، اس بات کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، ایک بات تو یہ ہے کہ یہ جو حالات وامکانات پیدا ہوگئے ہیں اسلام کے معاشی نظام کے قیام کی یہ معاملات اکثر وبیشتر معاملات کے جو ابواب ہیں بیوع ہیں، عقود ہیں اس طرح کی چیزیں، اس میں منصوصات بہت کم ہیں یا ہیں تو دونوں طرح کے ہیں اور اس میں ظنیت ہے، ائمہ کے اختلافات بھی ہیں، ان کی آراء میں اختلاف ہے، میں اس کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ہم میں سے کسی کا یہ مقام نہیں ہے کہ ائمہ کے دلائل کے درمیان مراجحہ وموازنہ کرے اور یہ بات کہی جائے کہ فلاں موقف کے لئے دلیل نہیں ہے اور فلاں موقف کے لئے دلیل ہے، حاشا وکلا، کیا ہم لوگ یہاں موجود ہیں ہمارے نوجوان ہیں ہمارے صاحب افتاء ہیں اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ ائمہ کا جو موقف ہے وہ دلائل کی بنیاد پر ہے کسی کے موقف کو بلا دلیل کے کہنا بڑی جسارت کی بات ہے اور یہ بات نہ ہونی چاہئے، ہم یہاں اس لئے نہیں بیٹھے ہیں کہ ان حضرات میں جن مسائل میں اختلاف ہوا ان مسائل کے درمیان ہم حکم بن کر فیصلہ کرنے جارہے ہیں یہ تو بہت بڑی بات ہے کہ ہم لوگ ایسا سوچ بھی نہیں سکتے ہیں۔

ہاں یہ الگ مسئلہ ہے کہ پورے اسلامی فقہ کے ذخیرہ کو اپنا ذخیرہ سمجھتے ہیں اور اسلامی شریعت کا حصہ سمجھتے ہیں تو جہاں ضرورت محسوس ہوتی ہے جہاں تنگی پیش آتی ہے امت کو وہاں دوسرے مسالک سے ہم استفادہ بھی کرتے ہیں، دوسرے مسالک کے بارے میں یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ ہم ان کے کسی موقف کو بلا دلیل سمجھتے ہوں، تعزیرات مالی کی بات ہو دوسرے کی بات ہو، آپ بحث میں پڑیں گے تو بہت سی چیزیں ملیں گی دونوں طرف سے، اور دونوں بنیاد پر دلائل قائم کی گئی ہیں اگر ان دلائل میں ہم جائیں گے مناقشہ میں تو ایک موضوع بھی ہمارا آگے نہ بڑھ سکے، اصل بات یہ ہے کہ ان معاملات میں ایک سے زائد آراء موجود ہیں فقہاء کی، اور گنجائش فقہ اسلامی میں معلوم ہوتی ہے تو واقعۃً جس چیز کی ضرورت ہے تو فلاں گویا کہ عملی شکل استصناع کی یا بیع سلم کی، بیع سلم کا دائرہ اس کے بارے میں مطالعہ کریں آپ کے ائمہ کے مسالک کے درمیان بڑا فرق ہے بعض کے یہاں کافی تنگی ہے اور بعض کے یہاں کافی توسع ہے، مالکیہ کے یہاں خاص طور سے سلم کے باب میں کافی توسع پایا جاتا ہے اور یہ سب مسائل مجتہد فیہا ہیں جن میں دلائل متقارب ہیں اور ہر مسلک کا آدمی اپنے مسلک کی رائے کو راجح

سمجھتا ہے،لیکن دوسرے مسلک کی رائے کو غلط نہیں کہتا اور نہ ہم کہہ سکتے ہیں، تو ان حالات میں ان مسائل میں جو قول قابل عمل ہو جس سے امت سے حرج دفع ہو اور اسلام کا معاشی نظام برپا ہوسکتا ہو جن چیزوں کی وجہ سے ان میں ہمیں گنجائش پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اس بنیاد پر نہیں کہ وہ قول راجح ہے دلائل کے اندر، ہوسکتا ہے کہ اگر ہم ترجیح پر آئیں تو دوسرا قول راجح معلوم ہو لیکن اس بنیاد پر کہ اس وقت جو چیز قابل عمل ہے، مفقود الخبر کے مسئلہ میں حنفیہ کا موقف، جمہور کا موقف اور اکثر ائمہ کا موقف کیا تھا، لیکن یہ بات محسوس کی کہ یہ چیز اس وقت قابل عمل نہیں ہے تو سب حضرات نے ہمارے بزرگوں نے امام مالکؒ کے مسلک کو اختیار کیا اور امت کے لئے راستہ ہموار کیا اور وسعت پیدا فرمائی، تو میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے بزرگوں میں حضرت تھانویؒ، حضرت گنگوہیؒ، ان حضرات کے یہاں بھی کئی مثالیں آپ کو ملیں گی جن حضرات نے امت کی ضرورت کی بنیاد پر اور جو مسائل بہت پیچیدہ تھے اور جو مسائل قابل عمل نہیں تھے اس کو قابل عمل بنانے کے لئے بعض آراء کو اختیار کیا تو اس لئے میں گزارش کروں گا کہ ہم اگر اقوال کے درمیان دلائل کے موازنہ پر آئیں گے تو بات کبھی طے نہیں ہو پائے گی اور یہ نہ ہمارا منصب ہے اور نہ ہم اس کے اہل ہیں، دلائل کا ذکر کرنا الگ بات ہے کہ فلاں امام نے فلاں فقیہ نے یہ دلیل دی ہے، لیکن اس میں محاکمہ اور موازنہ یہ نہ ہمارا منصب ہے اور نہ یہ چیز ہمارے لئے مناسب ہوتی ہے۔

استصناع کا جو مسئلہ ہے اس میں جو مسائل ہمارے سامنے آئے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اکثر نکات پر اتفاق رائے پایا جاتا ہے فی الجملہ یہ استصناع کا مسئلہ ہے اس کے جواز میں اختلاف ہے، استصناع کے لئے کچھ شرطیں یہ ہونی چاہئیں وہ ہونی چاہئیں جس پر گفتگو کی ہے آپ اس کو دے سکتے ہیں، استصناع بیع ہے وعدہ بیع نہیں ہے، جو مقالات پیش ہوئے بحثیں ہوئیں تو بڑی اکثریت گویا مقالہ نگاروں کی یہی رائے ہے کہ استصناع جو ہے بیع ہے وعدہ بیع نہیں ہے، جہاں سے اختلاف شروع ہوتا ہے جس نے آرڈر دیا ہے اگر وہ آرڈر کسی اور کو دے رہا ہے، دوسرا تیسرے کو دے رہا ہے یہ مسئلہ بھی اختلافی نہیں ہے، میں سمجھتا ہوں اپنے فہم کے مطابق جو اختلاف اس میں ہے جس نے خریداری کی ہے جس نے آرڈر دیا ہے وہ مال کے تیار ہونے سے پہلے وہ کسی اور کے ہاتھ بیچے اور دوسرا تیسرے کے ہاتھ بیچے اس کی گنجائش ہے کہ نہیں ہے، اس میں ہمارے یہاں دو رائے پائی گئی ہے اور دونوں نقطہ نظر ہیں اور دونوں پر گفتگو بھی ہو رہی ہے۔

بہر حال مسئلہ کی جو نوعیت ہے مفتی شبیر صاحب نے جو بات فرمائی ہے یا مفتی سعید صاحب نے، جو صورتحال ہے وہ ہمارے سامنے آنے چاہئیں اور اگر مان لیجئے کہ ایک کے بعد جو دوسرا معاملہ ہو رہا ہے، تیسرا ہو رہا ہے، اس کو ہم منع کرتے ہیں تو منع کرنے میں کیا فائدے ہیں کیا نقصانات ہیں کیا مضرتیں اور کیا مفاسد ہیں اور کیا مصالح ہیں کہ اس میں موازنہ کرنے کی ضرورت پیش آئی، یہ مسئلہ بھی بڑا اہم مسئلہ ہے اور اس کے بعد جو مسئلہ ہے کہ آرڈر دینے کے بعد پھر رجوع کرنا پیچھے ہٹ جانا مستصنع کا یا اس کا، تو امام ابو یوسفؒ کا قول اس میں اختیار کیا گیا ہے اور یہی مناسب ہے اس دور میں اگر ہم نے اس کو اختیار کیا، چاہے مستصنع کو دیا، چاہے صانع کو دیا اس سے پہلے کہ شروع نہ کرے وہ رجوع کرسکتا ہے تو یہ تمام کے تمام معاملے ختم ہو جائیں گے اور جو مقصد ہے ان اداروں کے قیام کا وہ فوت ہو جائے گا، اس لئے اس کو حصول ولزوم کی شان مانی جانی چاہئے اسکے لحاظ سے میری اپنی رائے کے مطابق۔ بہر حال جو مسائل ہیں میں سمجھتا ہوں کہ جب آپ اس پر غور کریں گے جب ہماری کمیٹی بیٹھے گی تو بہت کم نکات ایسے ہیں جن پر ہم متفق نہیں ہوسکیں، اور ظاہر ہے کہ اگر کسی نکتہ پر اتفاق نہیں ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ

اس میں جبری اتفاق پیدا کرنے کی کوشش اکیڈمی نے کبھی نہیں کی ہے، اگر دورائے ہے تو دورائے کا اظہار بھی ہوتا ہے، مسئلہ کے کسی جزء کو ہم ملتوی بھی کر سکتے ہیں یہ سب چیزیں ہمارے یہاں معمول میں رہی ہیں۔

بہر حال بہت ہی خوشی کی بات ہے کہ اس ماحول میں مناقشے ہورہے ہیں گفتگو ہورہی ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ جو مسائل نئے ہیں اور حالات کے لحاظ سے جو نئے نئے مسائل پیدا ہو گئے ہیں ان پر غور وخوض کرنے میں ان چیزوں کا لحاظ کریں گے۔

ایک بات اور عرض کردوں، ایک بات آئی ہے لیکن دبی ہوئی آئی ہے کہ کیا جو عقود اس زمانہ میں پیدا ہورہے ہیں بہت سے عقود وجود میں آرہے ہیں صرف استصناع کی بات نہیں ہے کیا ان عقود میں سے ہر عقد کا کسی قدیم عقد میں فٹ ہونا شرط ہے جواز کے لئے؟ جو قدیم شرطیں ہیں عقود کی ہمارے کتب فقہ میں ہیں کیا ان عقود کے کسی ایک فریم میں یہ عقد فٹ نہیں ہوگا اس کو ہم جائز نہیں کہیں گے؟ یا ایسے عقود ہو سکتے ہیں جو دور قدیم میں مکمل شکل میں نہیں تھے اس میں کچھ خلط ہے کچھ سلم کے اثرات بھی ہیں کچھ استصناع کا یا فلاں کا ہے، تو کیا کوئی ایسا عقد جو کسی قدیم عقد پر مکمل فٹ نہیں ہورہا ہے اس میں نئی صورتحال ہے کیا اس کے نئے ہونے کی بنیاد پر ہم انکار کردیں گے یا ہمیں اس میں دیکھنا ہے کہ اگر کوئی محظور شرعی نہیں ہے، معاملات میں جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے ربوا سے منع کیا گیا ہے، غرر سے منع کیا گیا ہے، ضرر سے منع کیا گیا ہے اگر اس طرح کی چیزیں نہیں ہیں تو ہم اس کو جائز کہیں گے یہ اصولی طور پر ہمیں کچھ طے کرنا چاہئے، انہی باتوں پر اپنا کلام ختم کرتا ہوں۔

مولانا شاہد علی صاحب (حیدرآباد):

بسم اللہ الرحمن الرحیم، سوال نمبر ۶ بیعانہ سوخت کرنے سے متعلق، اس سلسلہ میں جواز وعدم جواز دونوں طرح کی رائے آئی، جواز کے قائل نے حنابلہ کے مسلک کو اختیار کیا، ہمارے بزرگوں میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ایک فتوی بھی اسی کی تائید میں ہے لیکن مفتی شفیع صاحبؒ نے بیعانہ ضبط کرنے کو ناجائز قرار دیا، دونوں بزرگوں کی عبارتیں تلخیص مقالات میں موجود ہیں، اس لئے خیال ہوتا ہے کہ عقد استصناع میں بھی بیعانہ سوخت ہونے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے یعنی جس صورت میں بائع کو حقیقی ضرر نہ ہو اس صورت میں بیعانہ سوخت کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، جس صورت میں بائع ضرر سے دوچار ہو وہاں ضرر سے بچنے کے لئے مجبوراً حنابلہ کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے بیعانہ سوخت کرنے کی اجازت ہوگی۔

مولانا عبد الرشید صاحب (کانپور):

بسم اللہ الرحمن الرحیم، میری بات آچکی ہے، مفتی شبیر صاحب نے وہ بات کہہ دی ہے، وہ یہی بات ہے کہ آج کل استصناع کا جو وجود ہے اس میں کئی واسطے ہوتے ہیں، کانپور میں چمڑے کی صنعت ہوتی ہے اور کپڑا بھی بنتا ہے، ایسا کم ہوتا ہے کہ ایک ہی آدمی سب کچھ تیار کرکے دے، ایک دوسرے کو دوسرا تیسرے کو اس کے بغیر کوئی چیز عمل میں نہیں آتی، لہذا صرف ایک واسطہ ماننا آج کل کے عرف کے خلاف ہوگا، اگر عرف ہی کی بنیاد پر استصناع کا جواز ہے تو اب عرف ہی ہے تقریباً کہ کئی کئی واسطے بیچ میں آتے ہیں۔

مولانا عبدالباسط صاحب (ممبئی):

بسم اللہ الرحمن الرحیم، دو باتیں عرض کرنی ہیں، ایک تو یہ کہ استصناع میں منقول اور غیر منقول میں فرق ہونا چاہئے، منقول میں سلسلہ وار بیع متوقع بہت کم ہوتی ہے اس وجہ سے کہ ممبئی میں مارکیٹ کا جو نظام ہے وہ زیادہ تر ایجنٹ اور کمیشن ایجنٹ پر موقوف ہے، جو آرڈر کا سلسلہ ایک کے بعد، دو کے بعد، تین کے بعد ہوتا ہے اس پر بڑے پیمانہ پر ایجنٹ کا نظام ہے حقیقی بائع ایک ہوتا ہے اس کے بعد اس کے بعد ایک ایجنٹ ہوتا ہے، دلال کئی ایک بیچ میں ہوتے ہیں عموماً پیسہ لگانے والا بائع جو ہوتا ہے وہ ایک ہوتا ہے، یہ کمیشن ایجنٹ ہوتے ہیں، یہ واسطے در واسطے زیادہ تر کمیشن ایجنٹ ہوتے ہیں، اسی طرح کارخانہ دار کے نیچے جو سلسلہ ہوتا ہے خام مال کی باضابطہ خرید و فروخت ہوتی ہے، وہاں پر کوئی ایسی شکل نہیں ہوتی خام مال کے مستقل بڑے بڑے کارخانے ہیں اور ان خام مال والوں کی خریداری ایک ایکسٹرپ مارکیٹ سے ہوتی ہے، جس علاقہ میں ہوں وہاں تقریباً دو ہزار ایکڑ سے زیادہ میں ایکسٹرپ مارکیٹ ہے، صرف اس کے اطراف میں پانچ چھ وائنڈ یسی ہیں جو صرف ایکسٹرپ وصول کر کے خام مال تیار کرتی ہیں اور کارخانہ دار کو فراہم کرتی ہیں، اس لئے منقول میں سلسلہ وار بیع کی اجازت نہیں ہونی چاہئے، فلیٹ کے معاملہ میں یہ صورتحال ہوتی ہے کہ پہلے انویسٹر ہوتا ہے جس نے اصل بلڈر سے خریدا ہے، انویسٹر دس فلیٹ، بیس فلیٹ، ایک فلور، دو فلور ایسے خریدتے ہیں، پھر اس کے بعد دوسرے نمبر پر اس سے چھوٹے انویسٹر ہوتے ہیں جو تین تین فلیٹ خریدتے ہیں پھر تیسرے مرحلے میں کچھ انویسٹر آتے ہیں پھر چوتھے مرحلے میں اصل مکان کے خریدار آتے ہیں، اس لئے فلیٹ کے سلسلہ میں اس کی کوئی گنجائش پیدا کی جانی چاہئے۔ جزاک اللہ۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

مفتی شبیر صاحب نے، مفتی سعید الرحمن صاحب نے، عزیزی مولانا عبدالباسط صاحب نے اور مولانا عبدالرشید صاحب وغیرہ نے جو صورت پیش کی یہ خیال ہو رہا تھا کہ اگر تجویز میں اس بات کو ہم لوگ ملحوظ رکھیں جس میں مستصنع کو خود وہ مال مطلوب ہو پھر وہ کسی ایک آدمی کے ہاتھ بیچ دے، مثلاً کارخانہ کو سامان کی ضرورت ہے اس میں آرڈر دیا اور اسلامی مالیاتی ادارہ نے اس آرڈر کو لیا اور اس نے کسی کو آرڈر دیا اس نے تیار کر دیا اور لا کر اس کو دیدیا جس میں کئی ہاتھوں میں یکے بعد دیگرے خرید و فروخت نہیں ہوتی ہو تو اس کا جو عقد طے کیا جائے وہ بیع کے ساتھ استصناع کو بیع مانتے ہیں جو راجح قول ہے اور جہاں ایسے معاملات میں استصناع کی صورت اختیار کی جارہی ہے جو عامۃً کئی ہاتھ سے گزرتے ہیں تو اس عقد میں جو معاملہ طے ہو اس میں وعدۂ بیع کا صیغہ استعمال کیا جائے اور اس کے مطابق اس کی تحریر مرتب کی جائے اور چونکہ مالکیہ کے قول پر اس وقت تمام مالیاتی اداروں کا عمل ہے خود مولانا تقی عثمانی صاحب نے اس کو بار بار لکھا ہے التزام بالوعد کا، یعنی وعدہ کی وجہ سے وہ چیز لازم ہو جاتی ہے، ویسے تو احناف نے بھی لکھا ہے کہ کبھی کبھی احناف کے یہاں بھی مواعید لازم ہو جاتے ہیں لیکن مالکیہ کا دو قول ہے ایک مطلق لزوم کا ہے اور ایک ہے کہ اگر وعدہ کسی سبب سے متعلق ہو تو اس سبب کے تحقق کے بعد وعدہ لازم ہو جائے گا، تو شاید اس طرح اس مسئلہ کو حل کرنے میں کچھ سہولت حاصل ہو یہ ایک تجویز ذہن میں آرہی تھی۔

مولانا حذیفہ صاحب داحودی:

مجھے ایک بات یہ کہنی ہے کہ حضرت مفتی شبیر احمد صاحب نے جوصورت اپنے یہاں کی پیش کی، یعنی ایک آدمی کا ایک سے آرڈر لینا، پھر اس کا دوسرے کو آرڈر دینا پھر دوسرے کا تیسرے کو آرڈر دینا یہ تو استصناع متوازی کی صورت ہے اور اس کو تو اکثر مقالہ نگار حضرات نے درست قرار دیا ہے، اور تیسرے سوال میں جوصورت ذکر کی گئی اس کی صورت مختلف ہے، یعنی جو آرڈر دے کر بنواتا ہے وہ آرڈر دینے والا ہی شیئ کو وجود میں آنے سے پہلے بیچ دیتا ہے، ایک ہی سلسلہ میں یہ عقد استصناع ہے اور باقی سلسلہ میں یہ بیع مطلق ہے، اس لئے جوصورت مفتی صاحب نے ذکر فرمائی اور ابھی جوصورت میں نے ذکر کی اس میں فرق ہونا چاہئے۔

دوسری بات یہ عرض کرنا ہے کہ مفتی عظمت اللہ صاحب رحیمی نے عرض مسئلہ کے سلسلہ میں میری طرف غلط نسبت کی حالانکہ ابھی انہوں نے جو بات سنائی وہی ان کے مقالے میں ہے اور جو مقالے میں ہے اس کو میں نے عرض میں لکھا ہے، نمبر ۷ ۴ پر ہے کہ ایجاب وقبول کے بعد بائع یا مشتری کی طرف سے عقد کی تکمیل سے متعلق کوئی بھی چیز مثلاً وغیرہ کہہ کر پھر لکھا ہے کہ کوئی بھی چیز سامنے آنے سے پہلے وعدہ بیع ہے اور بعد میں عقد بیع ہے جو انہوں نے کہا وہی میں نے لکھا ہے، اس لئے مجھے غلط کہنا غالباً غلط ہے۔

اور تیسری بات یہ ہے کہ مولانا عثمان صاحب نے کہا کہ میری رائے سرسری طور پر ذکر کی، حالانکہ دو سطر میں میں نے ان کی رائے کو ذکر کیا ہے البتہ لزوم الحاق کے طریقہ پر اس کا عوض لینے کی اور صانع کے ذمہ جو حق لینے سے متعلق ہو گیا ہے اس کا عوض لے کر دستبردار ہونے کی گنجائش ہے یہ صفحہ ٦ ٥ اور ٢ ٥ پر ہے، تو اس لئے میری بات کے بجائے ان کی بات ہی سرسری ہے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی:

عرض میں ضبط کرنے میں کچھ ادھر ادھر ہوسکتا ہے اس کو ایسا موضوع بنانا اچھا نہیں ہے، بار بار یہ گزارش کی جاتی ہے جب سوالنامہ وغیرہ جاتا ہے کہ جو بھی تحریر ہو اخیر میں اپنی آراء ہر سوال سے متعلق صراحتاً وضاحتاً تجویز جس طرح آتی ہے اس طرح لکھ دیا جائے، اس میں عارض کو سہولت ہوگی، اب وہ خود اخذ کرتا ہے اور بہر حال ایک ڈھیر ہے تو اس میں کہیں چوک بھی ہوسکتی ہے۔

مفتی انور علی صاحب اعظمی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی أما بعد! مجھے سلسلہ وار عقد کے عقد کے سلسلہ میں کچھ عرض کرنا ہے بیع استصناع میں ایک معاملہ طے ہوا صانع اور مستصنع کے درمیان ایجنٹ ہوتے ہیں، آرڈر دینے والا کوئی اور ہے، سامان بنانے والا کوئی ہے اور خریدنے والا کوئی اور ہے، اس سلسلہ میں مفتی شبیر صاحب نے جو ایک بات پیش کی کہ بہت سارے درمیان کے معاملات اس میں سلسلہ وار ہوتے جاتے ہیں تو اس سلسلہ وار معاملات کو ایک معاملہ بنایا جاسکتا ہے، ہم لوگوں کے یہاں ساڑی کا کام ہوتا ہے، ساڑی کے کام میں مختلف شہروں میں جانے والے لوگ وہاں سے آرڈر لاتے ہیں اور جو ساڑی تیار کرانے والے لوگ ہیں ان کو آرڈر دیتے ہیں، ساڑی تیار کرنے والا جو آدمی ہے اصل مال تیار کرنے والا وہ خام مال بھی خریدتا ہے اس کی ڈیزائن بھی بنواتا ہے پھر اس کی تزئین

کراتا ہے اور یہ سارے کام مکمل کرا کر کے وہ بیچ والے آدمی کے حوالہ کرتا ہے اور پھر یہ آدمی جو اصل خریدار ہے اس کے یہاں بھیجتا ہے یہ یک کر کے تو در اصل یہ تین ہی بیچ میں واسطہ ہے اور یہ استصناع متوازی کی ایک شکل ہے، اب اس میں جو آدمی سامان خرید رہا ہے قبضے سے پہلے پہلے اگر وہ اپنا سامان بیچتا ہے تو یہ بیع قبل القبض ہے، مولانا تقی عثمانی مدظلہ العالی نے بھی اس کو ممنوع قرار دیا ہے اور بیع قبل القبض کو جواز فراہم کرنے میں طرح طرح کی دشواریاں آئیں گی، اس لئے کہ آج کل جتنے معالات ہو رہے ہیں اگر اس میں تھوڑی سی بھی گنجائش دے دی جائے تو قبضہ سے پہلے سلسلہ وار بیع جاری ہو جائے گی اور ایک سامان اصل خریدار کے ہاتھ میں پہنچتے پہنچتے کئی گنا مہنگا ہو جائے گا، اس لئے سلسلہ وار بیع کی کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہئے، مولانا عثمان صاحب نے جو بات کہی ہے تنازل عن الحق والی بات، تو اس کی گنجائش نکالنے میں بھی سلسلہ وار بیع کی اجازت ہو جائے گی قبضہ سے پہلے وہ بھی نامناسب ہے، اور یہ استصناع بیع ہے صراحتاً وعدہ بیع نہیں ہے، اس سلسلہ میں بدائع الصنائع کی واضح عبارت ہے: ''ثم إنه بيع عندنا و عند عامة مشائخنا و قال: هو عدة و ليس بسديد، لأن محمداً ذكر القياس والاستحسان بجوازه''۔ و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔

مفتی عبدالرحیم صاحب قاسمی (بھوپال):

استصناع کے متعلق جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ بیع ہے یہ وعدہ بیع نہیں ہے اور یہ سلسلہ وار کے متعلق جو بات چل رہی ہے تو اس سلسلہ میں مفتی شبیر احمد صاحب نے جو بات کہی ہے اور مفتی سعید الرحمن صاحب نے جو بات کہی ہے اس کے مطابق ہماری کوشش ہونی چاہئے کہ موجودہ دور میں جو عقد کئے جاتے ہیں ان عقد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم لوگ فیصلہ کریں، اللہ تعالیٰ جزاء خیر دے۔

مفتی جمیل احمد صاحب نذیری:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ مفتی شبیر احمد صاحب نے جو ابتدائی گفتگو کی تھی اس میں مجھے ایسا لگتا ہے کہ دو صورتوں کو خلط ملط کر دیا گیا ہے، ایک ہے بنانے والے کا صانع کا، صانع جو ہے وہ بنانے والا ہے اور مصنوع کی تیاری میں مختلف لوگوں سے مدد لے رہا ہے یعنی اس کے نیچے کے لوگ ہیں اس کو مختلف مراحل میں تیار کرنا ہے خام مال خریدنا ہے اس کو مختلف شکلیں دینا ہے اور آخر میں چل کر وہ چیز تیار ہو جائے گی آرڈر کے مطابق تو گویا کہ نیچے کے لوگ ہیں مختلف مراحل سے یہ معاملہ گزرے گا، تو ایک شکل تو یہ ہے کہ جو آرڈر لیا گیا ہے جو چیز بنائی جا رہی ہے پوری تیار ہو گئی ہے، تو ایک ہے کہ آرڈر جو حاصل کیا گیا ہے وہ مکمل شکل اختیار کر چکا ہے اور ایک شکل یہ ہے کہ اس کو مکمل تیار کرنے کے لئے مختلف مراحل سے گزارا جا رہا ہے یعنی صانع جو ہے اپنے مختلف لوگوں سے مدد لیتے ہوئے اس کو بنا رہا ہے تو مفتی شبیر صاحب کی ساری گفتگو اس سے ہے کہ بنانے والا اپنے نیچے کے لوگوں سے مرحلہ وار مدد لے رہا ہے اور اس کو آخری شکل دینے کے لئے جہاں جہاں اس کی ضرورت ہو رہی ہے ان لوگوں سے مرحلہ وار مدد لیتا چلا جا رہا ہے، یہاں گفتگو یہ ہے کہ جو آرڈر اس نے حاصل کیا ہے یا جو چیز اس کو بنا کر دینا ہے وہ ابھی تیار نہیں ہوئی اور تیار ہونے سے پہلے پہلے ہی وہ آدمی جو بنوا رہا ہے وہ کسی دوسرے کے ہاتھ اور وہ کسی تیسرے کے ہاتھ اور چوتھے کے ہاتھ اور پانچویں کے ہاتھ فروخت کر دے، یعنی جو آرڈر والی چیز ہے اس کے تیار ہونے سے پہلے اس کی فروختگی شروع

ہوگئی جومسئلہ کی صورت ہے وہ یہ ہے، مفتی شبیر صاحب یہ بتا رہے ہیں کہ جو چیز بنوانی ہے اس کو بنوانے کے لئے مختلف مراحل سے اپنے نیچے والوں سے مدد لے رہا ہے اور مدد لیتے ہوئے مختلف مراحل سے گزر رہا ہے، گفتگو اس سے نہیں بلکہ گفتگو اس سے ہے کہ آرڈر والی چیز ابھی تیار نہیں ہوئی ابھی مختلف مراحل سے گزر رہی ہے بنانے والا مختلف مراحل سے گزار رہا ہے، کیا جو بنوا رہا ہے اس کے وجود میں آنے سے پہلے پہلے بیچ سکتا ہے؟ دوسرا کسی اور کو اور تیسرا کسی اور کو بیچ سکتا ہے؟ اس پر گفتگو ہونی چاہئے، مفتی صاحب نے دونوں باتوں کو خلط ملط کر دیا ہے، عدم جواز جوذ کر کیا جا رہا ہے وہ دوسری شکل کا ہے پہلی شکل کا نہیں ہے، کوئی بھی چیز جب وجود میں آئے گی تو مختلف مراحل سے تو گزرے گی ہی، ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی چیز ایسے ہی وجود میں آجائے، دوسرے لوگوں کی مدد لیے بغیر، وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

مولانا احمد نادر قاسمی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، مجھے سوال نمبر ۳ سے متعلق جو استصناع کے ذیل میں فلیٹس سے متعلق بات آئی ہے کچھ باتیں تو ہمارے مفتی سعید الرحمن صاحب نے کہی اور جو بات رہ گئی ہے وہ میں آپ لوگوں کے سامنے فلیٹس کے سلسلہ میں جو خرید و فروخت کا مرحلہ ہوتا ہے وہاں چونکہ صرف پیسہ حاصل کرنا بیچنے والے کے پیش نظر ہوتا ہے اس لئے بات بہت دور تک جب تک کہ فلیٹ تیار نہ ہو جائے ایک دوسرے کے ہاتھ بکتے رہتے ہیں وہ فلیٹس، ہمارے یہاں بلڈر کی اصطلاح میں ایک تو اس کو لانچنگ کہتے ہیں اور پری لانچنگ کہتے ہیں، پہلے ایک پلاٹ ہے جسے ایک شخص خریدتا ہے جو بلڈر ہوتا ہے کیونکہ اب جو فلیٹ بنتے ہیں ایک تو شخصی طور پر بنتے ہیں جو بلڈر بنا رہے ہیں یہ ایک الگ مسئلہ ہے لیکن جو بڑے بڑے پروڈکٹس ہیں، سوسائٹیز بن رہی ہیں اس کو شخصی طور پر بلڈر نہیں بلکہ وہ بڑی بڑی کمپنیوں سے سودا کرتے ہیں تو بڑی بڑی کمپنیاں پہلے اس کو ہائر کر لیتی ہیں پھر اس کی قیمت کا بازار میں اعلان کرتی ہیں تا کہ سارے پیسے اس کو حاصل ہو جائیں تا کہ وہ فلیٹس بنانا شروع کرے، یہ اس کے لانچنگ کا بالکل ابتدائی مرحلہ ہوتا ہے جسے پری لانچنگ کہلاتا ہے، اس میں ایک قیمت طے ہوتی ہے فلیٹس کی، پھر اس کے بعد وہ یہ کہتے ہیں کہ آپ کو قسط وار ایک مہینہ کے بعد دو مہینے کے بعد اتنے اتنے پیسے دینے ہوں گے اور ابھی اتنے دینے ہوں گے، تو جو لوگ پہلے کمپنی سے فلیٹ کو بک کروا لیتے ہیں اس کی قیمت اور ہوتی ہے جو پری لانچنگ کے مرحلہ میں ہوگی، پھر دوسرا شخص جو پری لانچنگ کے زمانہ میں کمپنی سے خرید چکا ہوتا ہے اب یہ خریدنے والا شخص کبھی کبھی خاص بلڈر کا بھی گروپ ہوتا ہے اور کبھی انفرادی بھی شخص ہوتا ہے، اب یہ بلڈرس اس کی نئی قیمت جاری کرتے ہیں تو پہلے سے اس نے پیسے کما لیے اب اس کے بعد بلڈرس منافع کے ساتھ بیچتے ہیں پھر جس شخص نے اس کو خریدا ہے عام طور سے یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے اور ایک پروڈکٹ کی تیاری میں خواہ ایک سال کا مرحلہ ہو یا دو سال کا، یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے اور لوگ اس کو بیچتے رہتے ہیں، تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ چونکہ یہ بات استصناع کے ذیل میں آ رہی ہے اس بات پر غور کرنا ہے کہ فلیٹس کی تیاری اور اس کی خرید و فروخت اور اس سے منافع کمانا یہ استصناع کے ذیل میں آتا ہے یا یہ کوئی دوسرا معاملہ ہے جہاں صرف مقصود کمپنی کا اور کمپنی کے بعد دوسرے لوگوں کا صرف پیسہ کمانا اور نفع خوری کا ہے یا سود وغیرہ کے دائرہ میں آتا ہے اس پر غور کر لیا جائے،

جزاکم اللہ خیر الجزاء۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

یہ جو ہمارے مفتی جمیل احمد نذیری صاحب نے مسئلے کی تنقیح کی دو شکلیں کی ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ بڑی اچھی تنقیح ہے یعنی صانع صنعت کے جن مختلف مرحلوں میں کراتا ہے وہ تو دراصل صانع ہی کے عمل میں شامل ہے اور جو دوسری شکل ہے کہ ایک چیز مکمل طور پر دوسرے کے ہاتھ بیچ دی جائے حالانکہ ابھی وہ وجود میں نہیں آئی ہے تو یہ دوسری شکل ہے، تو غالباً مولانا حذیفہ صاحب غالباً استصناع والے کمیٹی کے کنوینز ہوں گے، میرا خیال ہے کہ وہ ضرور اس کو پیش نظر رکھیں۔

مفتی فیاض عالم صاحب (ممبئی):

بسم اللہ الرحمن الرحیم، بیعانہ سوخت کرنے کے سلسلہ میں میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بیعانہ سوخت کرنے کی اجازت ہے اور دلائل کے طور پر امام احمد بن حنبلؒ کا قول نقل کرتے ہیں اور مسلم سے ابوشیبہ اور بخاری سے حضرت عمرؓ اور حضرت صفوانؓ کے درمیان خرید و فروخت کا انہوں نے ذکر کیا ہے، میں یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ بیعانہ سوخت کرنے کی دو شکلیں ہیں، ایک یہ کہ پہلے ہی طے ہو جائے کہ اگر میں سامان نہ لوں تو بیعانہ واپس نہیں لوں گا، یعنی بائع اس کو استعمال کر سکتا ہے اور دوسری شکل یہ ہے کہ پہلے سے طے نہ ہو، میرے خیال سے جو دلائل یہاں ذکر کئے گئے ہیں ان کا تعلق پہلی شکل سے ہے کہ طے ہو جائے کیونکہ علی الاطلاق ان دلائل سے استدلال کرنا میرے نزدیک محل نظر ہے لہذا اس پر غور کر لیا جائے۔

مفتی اقبال احمد صاحب (کانپور):

بسم اللہ الرحمن الرحیم، مجھے سوال نمبر ے سے متعلق جس میں یہ کہا گیا کہ اگر صانع میٹریل فراہم کرے تو یہ استصناع کے بجائے اجارہ بن جائے گا اس سے متعلق کچھ عرض کرنا ہے، یہ اپنی جگہ بالکل صحیح ہے، جیسا کہ اکثر مقالہ نگاروں کی رائے ہے البتہ اس میں ایک صورت یہ بھی پیش آتی ہے کہ کچھ مال کاریگر لگاتا ہے اور کچھ سامان خریدار فراہم کرتا ہے اپنی اپنی رغبت ہوتی ہے خاص چیزوں میں، اس سے سوالنامہ میں اور عرض میں تعرض نہیں کیا گیا ہے، بظاہر اس کا حکم میٹریل کی اکثریت اور اس کی نوعیت پر ہوگا کہ خریدار کا مال زائد ہے یا وہی اصل ہے تو اجارہ کے حکم میں تبدیل ہو جائے گا ورنہ استصناع رہے گا، اس سے جڑی ہوئی ایک مثال بلکہ سوال یہ سامنے آیا کہ ایک مسلمان جس کا جوتے کا کارخانہ ہے سارا میٹریل اسی کاریگر کا ہوتا ہے مسلمان تاجر کا لیکن آرڈر دینے والا چمڑے کی ایک پٹی جو خنزیر کا چمڑا ہوتا ہے اس کو ڈیزائن میں لگانے کے لئے دیتا ہے یہاں یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ یہ مسلمان شخص اگر اس چمڑے کی پٹی کو لگانے سے انکار کرے گا تو بڑا آرڈر کینسل ہو جائے گا، اب مسلمان کے لئے اس پٹی کے لگانے سے استصناع کا کیا حکم مرتب ہوگا یہ غور طلب مسئلہ جلد ہی سامنے آیا ہے۔

مولانا خورشید انور اعظمی صاحب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، مجھے اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ عرض کرنا ہے کہ میرے ذہن کا ایک اشکال ہے اور کھٹک ہے جو میں چاہتا

ہوں کہ اصحاب علم وفضل کے درمیان رکھ دوں، وہ یہ کہ ہماری کتب فقہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ استصناع کا مدار اور اس کی دلیل سب تعامل ہے اور تعامل ہی کی بنیاد پر گویا کہ اس کے جواز کی دلیل یہی بنتی ہے، جب نبی کریم ﷺ کے عمل سے خود یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے استصناع کا عمل کیا ہے، تو پھر تعامل کی بنیاد پر اس کے جواز کی شکل فراہم کرنا یہ تو ایسا ہے کہ لگتا ہے کہ آپ ﷺ کے عمل سے ثابت ہونے کے بعد تعامل کو معیار بنانے کی ضرورت کیا پیش آئی؟ یہ تو ایک اشکال ہے جو میرے ذہن میں آیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو یہ سلسلہ وار معاملہ کی بات کہی جارہی ہے تو اس سلسلہ وار معاملہ کو کیا نام دیا جائے گا، کیا استصناع کہا جائے گا، استصناع کی شکل تو سمجھ میں نہیں آتا، پہلی صورت میں تو ٹھیک ہے کہ صانع اور مستصنع کے درمیان معاملہ ہوا اسے استصناع کہا جائے گا لیکن اس کے بعد والے مرحلہ کو وہ تو استصناع کی شکل ہوتی نہیں ہے وہ تو بیع کی شکل ہوتی ہے پھر اگر بیع ہے تو بیع سلم ہے اور بیع سلم کے اندر مبیع کا وجود ضروری ہے اور وہاں پر وجود ہے نہیں، تو اس کے جواز کی آخر کیا شکل پیدا ہوسکتی ہے، حالات ضرور ایسے ہیں لیکن جس چیز کی صراحت موجود ہے کہ بیع قبل القبض وغیرہ کے تعلق سے ذرا اس نزاکت کو بھی زیر نظر رکھنا چاہئے اور اس پہلو سے بھی غور کرنا چاہئے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

یہ جو ہمارے مولانا خورشید انور صاحب نے دو سوال اٹھائے ہیں ایک تو تجویز کمیٹی کے سامنے ہوگا انشاء اللہ یہ دوسرا سوال ہے، اور پہلا سوال ماشاء اللہ کہنہ مشق اور تجربہ کار مدرس اور صاحب نظر عالم ہیں، لیکن ایسا خیال ہوتا ہے کہ استصناع کی جو تفصیلات ہیں جیسے مصنوع سے متعلق، اس کی صفات، اور ادائیگی کی مدت کی تعیین، یہ اس تفصیل کے ساتھ حدیث میں استصناع کی شکل میں موجود نہیں ہے صرف اتنا ہے کہ حضور ﷺ نے کوئی چیز بنانے کا آرڈر دیا بلکہ شاید یہ بھی صراحت نہیں ہے کہ آپ ﷺ کا آرڈر عوض کی بنیاد پر تھا یا یونہی آنحضرت ﷺ کا ایماء تھا کہ اس کام کو کرلیا جائے، جیسا کہ حضور ﷺ نے منبر کے بارے میں فرمایا کہ کوئی میرے لیے لکڑی کا منبر بناتا اور ایک انصار یہ خاتون جن کے غلام رومی بڑھئی تھے انہوں نے اس کو بنا کر پیش فرمایا اس کو ہمارے فقہاء استصناع کی دلیل میں پیش کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اصطلاحی استصناع یہ نہیں ہے، اس لئے دونوں باتیں اپنی جگہ موجود ہیں کہ فی الجملہ اس کی بنیاد حدیث میں موجود ہے لیکن استصناع کی جو تفصیلات ہیں بحیثیت عقد کے یہ تعامل پر مبنی ہے ایسا خیال ہوتا ہے۔

مفتی سلمان صاحب پالنپوری:

مجھے سلسلہ وار بیوع کے بارے میں ایک بات عرض کرنی ہے کہ جو حضرات اس کو عقد استصناع قرار دے رہے ہیں، وہ درحقیقت استصناع نہیں ہے جیسا کہ بحث سے واضح ہورہا ہے لیکن اگر بالفرض تھوڑی دیر کے لئے عقد استصناع تسلیم کرلیا جائے تو اس کو استصناع متوازی کہنا پڑے گا اور استصناع متوازی کے جواز کی یہ شرط ہے کہ دوسرا عقد پہلے عقد پر موقوف نہ ہو، اور یہاں فلیٹ وغیرہ کی صورت میں دوسرا عقد پہلے عقد پر معنی موقوف ہوتا ہے، اسی لئے اگر بائع اول نے اگر معاملہ فسخ کردیا فلیٹ بنا کر نہیں دیا تو سلسلہ وار بیوع کے دوسرے سب چہرہ دیکھتے رہ جائیں گے۔

مفتی احمد خانپوری صاحب (صدارتی کلمات):

بسم الله الرحمن الرحیم، الحمدلله رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین، سیدنا ونبینا وحبیبنا وشفیعنا محمد وآله وأصحابه أجمعین۔

ہماری یہ آج کی آخری مجلس اس کی صدارت کے لئے میرا نام تجویز فرمایا گیا یہ حضرات منتظمین کا حسن ظن ہے، میں تو بیٹھے بیٹھے سوچ رہا تھا کہ امتحان گاہ میں امتحان دینے والے پرچے لکھتے ہیں اور ان پر کچھ نگراں بیٹھائے جاتے ہیں ان میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو ان سوالات کے پرچوں کو بھی پڑھ نہیں سکتے، اس طرح گویا میں یہاں بیٹھا اور سنتا رہا۔ بہر حال آج کی ہماری یہ مجلس بحمد اللہ بڑے پر سکون ماحول میں شروع سے لے کر اخیر تک رہی، اس سلسلہ میں جو بحثیں ہوئیں ماشاء اللہ ہر ایک نے اپنی اپنی بات بہت ہی عمدہ طریقے سے پیش فرمائی، حضرت مفتی شبیر احمد صاحب دامت برکاتہم نے جو بات پیش کی تھی اس کی تنقیح کے سلسلہ میں حضرت مفتی جمیل احمد نذیری صاحب نے جو بات کہی وہ دل کو لگتی ہے، حضرت مفتی صاحب نے جو مراحل پیش کئے تھے وہ تو سامان بنانے والا مختلف اجیروں سے کام لے رہا ہے، بہر حال یہ چیز تو کمیٹی اپنے سامنے رکھ کر کے بات کرے گی، جو دل لگتی بات تھی وہ میں نے عرض کی اور رہا استصناع کا یہ پہلو کہ وہ بیع ہے یا وعدہ بیع، تو کتب فقہ کی عبارتوں سے وضاحت کے ساتھ پیش کر دی گئی کہ یہ بیع ہے، اس کے بعد اس میں کچھ زیادہ اختلاف رہتا نہیں ہے۔

ہاں استصناع کے سلسلہ میں جس کمیٹی کو منتخب کیا گیا ہے ان کو چاہئے کہ وہ جو بھی تجاویز طے کریں اس میں ان پہلوؤں کو ملحوظ رکھیں کہ خداع وغرر سے بچنے کے لئے جو تدبیریں اختیار کی جاسکتی ہیں وہ کی جائیں، بیعانہ کے سوخت کرنے کے سلسلہ میں تو گفتگو ہوئی لیکن عام طور پر ہمارے مفتی سعید الرحمن صاحب فرمائیں گے کہ ممبئی میں بلڈر پیسے لینے کے بعد ایک مدت کے بعد ہاتھ اٹھا دیتے ہیں کہ صاحب ہم بلڈنگ نہیں بنا سکتے اور کئی سالوں تک وہ پیسہ استعمال کرتے ہیں آرڈر دینے والے کا اس کا کوئی حل نہیں پیش کیا گیا، بہر حال ضرورت ہے اس کی کہ اس طرف توجہ کی جائے، کمیٹی انشاء اللہ اس پہلو کو بھی مدنظر رکھے گی اور وہ بھی جو حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم نے جو مدعا پیش کیا تھا کہ یہ بحث ہمارے یہاں چھیڑی گئی ہے اس میں یہ پہلو بھی مدنظر ہے اور امید ہے کہ عنقریب ہمارے یہاں ہندوستان میں بھی اسلامی مالیاتی اداروں کے قیام کی قانونی طور پر اجازت دی جائے گی، اس وقت یہ مسئلہ گویا کہ ہمارے لئے استصناع والا کیونکہ ادارے جو شکلیں اختیار کرتے ہیں استصناع کے لئے، بہر حال اس وقت یہ ہمیں کام دے گا اس لئے اس کو اور زیادہ منقح کرنے کی ضرورت ہے، بہر حال کمیٹی کے جو کنوینر ہیں مفتی حذیفہ صاحب ماشاء اللہ انہوں نے عرض مسئلہ کو بہت ہی عمدہ پیش کیا اور انہوں نے اس ذمہ داری کو بھی ادا کیا اور امید یہی ہے کہ تجویز والے مرحلہ کو بھی وہ ذمہ داری سے ادا کریں گے اور پار لگائیں گے، اللہ تعالی ہمارے اس جمع ہونے کو قبول فرمائے،

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمین۔